سفینہ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا (اقبال)

اَلتَّذْکِرَۃُ الْحَسَنَۃُ فِیْ ذِکْرِ مُصْلِحِ اَھْلِ الْبِدْعَۃِ وَ الرَّفْضَۃِ

الموسوم بہ

قائد اہل سنت وکیل صحابہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ

ابن رئیس المناظرین ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ

چکوال کے ایک عظیم المرتبت خاندان کے قابل فخر فرد فرید، جس نے دارالعلوم دیوبند سے سند علم اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے خلعت خلافت حاصل کی، جس نے اپنے حجرہ فقر میں بیٹھ کر قصر شاہی کے مسند نشینوں کو سُنی حقوق کی طرف متوجہ کئے رکھا، جس نے لطف ولذت سے کنارہ کش ہو کر صبر وعزیمت کے کوہسار کھڑے کئے۔

تحفظ ختم نبوت، دفاعِ ناموسِ صحابہ کرام، حرمت ازواجِ رسول ﷺ اور مقام اہلِ بیت کے تفہیمی محاذوں پر پُرجوش کردار ادا کرنے اور مرزائیت، رافضیت، خارجیت و ناصبیت سمیت الحاد و زندقہ کے پیدا کردہ ہر منظر کو دھندلا کر رکھ دینے والے درویش خدامست، عالم باتوقیر، عامل روشن ضمیر، مخلص پُرتدبیر، صوفی خدارسیدہ اور شیخ برگزیدہ کا علمی، تحریکی، سیاسی اور سماجی تناظر میں ولولہ انگیز تذکرہ

سعادت تصنیف

حُسنِ ترتیب

باب چہارم ④

باب پنجم ⑤

باب ششم ⑥

باب ھفتم ⑦

باب ہشتم ⑧

باب نہم ⑨

باب دھم ⑩

باب یازدہ ⑪

باب دوازدہ ⑫

باب سیزدہ ⑬

باب چہاردہ ⑭

باب پانزدہ ⑮

باب شانزہ ⑯

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمۃُ الکتاب

آغازِ سفر

کہا جاتا ہے کہ بڑی شخصیات کے سوانح حیات یا آپ بیتیاں ایک شعور پرور تفریح ہوتی ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک بھر پور، منظم، کارآمد اور صاف زندگی گذارنے کی آرزو رکھنے والا کوئی بھی شخص اس وقت تک اپنی نیک خواہشات کی تکمیل نہیں کر سکتا جب تک وہ بڑی شخصیات کے تجربات، عزائم، اور مقاصد و مشاہدات سے فائدہ نہ اٹھالے۔ ہمارے ہاں اردو ادب کا موجودہ تصور تو ہمیں اپنی ذات سے ہی غافل و بے تعلق کر دیتا ہے بلکہ اپنی بے وقعتی و بے حقیقتی کا سبق دے کر اس قدر مایوس کر دیتا ہے کہ اپنے ماضی سے شرمندہ، حال سے بے حال اور مستقبل کی تاریکیوں کا گمان ہونے لگتا ہے۔ بڑی شخصیت کوئی بھی ہو، کسی بھی مذہب، فرقے، مسلک یا شعبے سے تعلق رکھتی ہو اگر اس کے حالاتِ زندگی بے لاگ تجزیوں، تبصروں اور حقائق و دقائق نیز مکمل آبروئے تحقیق کے ساتھ منظرِ عام پر لائے جائیں تو صفحہ بہ صفحہ نسلِ نو کو ایک بہترین سبق ملتا چلا جاتا ہے اور یہ ایک ایسا چشمہ ہوتا ہے کہ جس سے بقدرِ وُسعت ظرف پینے والا کبھی خیر سے محروم نہیں ہوتا۔

قائد اہل سُنّت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء کو رحلت فرمائی تو اس کے ٹھیک ایک سال بعد برادرم حضرت مولانا حافظ زاہد حسین صاحب رشیدی کی شبانہ روز محنت، قلبی لگاؤ اور جُہدِ مسلسل کی بدولت ماہ نامہ حق چار یار لاہور کی جانب سے ایک ''خصوصی اشاعت'' پونے چودہ سو صفحات کی ضخامت کے ساتھ منظر عام پر آ گئی تھی۔ یہ خاص نمبر مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء میں شائع ہو چکا ہے، لیکن اس امر پر سب اہل علم کا تقریباً اتفاق ہے کہ ''خصوصی نمبر'' معتقدین و متوسلین، اور مریدین و متاثرین کی عقیدت بھری تحریروں کا ایک مجموعہ خیالات تو کہلایا جا سکتا ہے، مکمل سوانح عمری نہیں، اگرچہ شخصیت کے سوانح لکھنے والا مطبوعہ خصوصی نمبر یا خصوصی اشاعت کے استفادہ کے بغیر آگے نہیں چل سکتا، تاہم مستقل سوانح عمری چیزے دیگر ہے۔اس کی چند اہم وجوہات یہ ہوتی ہیں کہ:

① ''خصوصی نمبر'' میں ہر ایک مرسلہ مضمون شامل اشاعت کرنا پڑتا ہے، تاکہ کسی عقیدت مند کی دل شکنی نہ ہو۔ بایں وجہ اس رطب و یابس میں تڑ کو خشک سے الگ کرنا ایک ناممکن امر ہوتا ہے، جو کتاب کی ثقاہت کو متاثر کر دیتا ہے۔

② ''خصوصی نمبر'' کے اکثر مضامین نگار، شخصیت کے کُل کمالات سے کماحقہ واقف نہیں ہوتے اور جتنا کچھ واقف ہوتے ہیں اس میں بھی مبالغات زیادہ ہوتے ہیں جو مغالِطات کو جنم دیتے ہیں۔

③ ''خصوصی نمبر'' کا ایک بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اس میں بلاضرورت تکرار ہوتا ہے، تکرار ایک ضرورت کے تحت ہو تو طبیعت کو بھاتا ہے مگر زائد از حاجت تکرار ایک امرِ بے کار کی سی حیثیت رکھتا ہے اور باذوق قارئین میں ارتعاش پیدا کرتا ہے۔

④ گذشتہ بیس سال سے ''خصوصی نمبرز'' کا ایک بڑا نقص یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ مضمون نگار متعلقہ شخصیت پہ کم اور ''اپنے تعارف'' پہ زیادہ لکھتے ہیں۔

سو ان جیسی دیگر لاتعداد وجوہات کی بناء پر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی مستقل سوانح لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا اور اس کی سبیل ایک تو حضرت امیر مرکزی مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر کی وہ عبارت ہے جو آپ نے ''قائد اہل سنت نمبر'' میں اپنے مقالہ کے اندر لکھی تھی کہ

> ''آپ کی مستقل سوانح حیات کا بھی ارادہ ہے، ان شاءاللہ ''قائد اہل سنت نمبر'' کے بعد اس پر بھی کام شروع کیا جائے گا۔'' (صفحہ نمبر ۱۹۸)

چنانچہ امیر محترم دامت فیوضہم کی اس قلبی خواہش کو عملی جامہ کاتب السطور کے اثرِ خامہ کے ذریعے پہنایا جانا کاتب السطور کی خوش قسمتی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالك۔ اسی طرح ایک مرتبہ چکوال سے لاہور آتے ہوئے مولانا زاہد حسین صاحب رشیدی، مولانا عبدالوحید صاحب اشرفی اور راقم الحروف تینوں ہمسفر و رفیق تھے کہ ان دو یارانِ سرِ پُل نے بندہ کو بار بار مہمیز دی کہ ''آپ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی سوانح حیات لکھیں۔'' اسی طرح متعدد بار سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہم اور دیگر ملک بھر سے وابستگانِ فکرِ مظہر گاہے ماہے اس عنوان پر بندہ کو اُکساتے رہے، اس دوران ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی مفصل سوانح، ان کی تمام تصانیف کی از سرِ نو اشاعت اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی (تقریباً) تمام تصانیف و تالیفات دورِ حاضر کے جدید اشاعتی معیار کے ساتھ منصۂ شہود پر آ گئیں اور ساتھ ہی ساتھ زیر نظر سوانح پر بھی رفتہ رفتہ کام جاری رہا، تا آنکہ اب کم و

بیش ۵، سال کی مسلسل قلمکاری وجگر سوزی، اور تحقیق وجستجو کے گھنے جنگل میں آبلہ پائی کرنے کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس عظیم المرتبت کام کا ایک بنیادی اور مشکل ترین مرحلہ مکمل ہوا۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خاندان اور جماعتی رفقاء کی اس خواہش کے بعد بندہ کا یہ خیال تھا کہ جب تک قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خزانۂ علمی سے اصل نوادرات، ڈائریاں، خطوط اور دیگر ریکارڈ دستیاب نہ ہوجائے، محض رسمی اور خانہ پُری کے طور پر سوانح لکھنا خود کو کُلفت میں ڈالنے اور ایک عظیم علمی وتحریکی شخصیت کے کردار پر کلوخ اندازی کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ آنے والی نسلیں جب غیر تحقیقی اور اُوٹ پٹانگ کہاوتوں پر مشتمل سوانح پڑھیں گی تو بجائے شخصیت سے متاثر ہونے کے الٹا بیزار ہوجائیں گی۔ چنانچہ جب تاریخی مواد کے حصول کے لیے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے دولت کدہ پر درخواست پیش کی گئی تو زہے نصیب کہ میری درخواست کو عزت بخشی گئی، اور تمام تر تاریخی مواد سپرد کر دینے کا وعدہ ہوا، مگر اس دوران جامعہ اہل سنت تعلیم النساء چکوال کی نئی بلند و بالا بلڈنگ کی تعمیر جدید شروع ہوگئی، جس کی وجہ سے برادرم مولانا حافظ زاہد حسین صاحب رشیدی بے انتہا مصروف ہوگئے، دوسری جانب حضرت امیر مرکزی دامت فیوضہم صبح سے رات گئے تک جماعتی تعمیر وترقی میں ایسے منہمک ہوئے کہ سر کھجانے کی فرصت نہ ملی، علاوہ ازیں کچھ دیگر جماعتی اور خانگی ایسی مجبوریاں درآئیں کہ میری یہ خواہش مایوسیوں میں بدلنے لگی۔ تاہم اس دوران ہم دیگر اشاعتی کاموں میں کھپ گئے اور الحمدللہ لاتعداد کتابیں زیب طباعت ہوکر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کیونکہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے سو جب جملہ ذمہ داران و کارپردازان اپنے اپنے ضروری کاموں سے قدرے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے ذرہ نوازی فرمائی اور بندہ کو علمی ریکارڈ مہیا فرما دیا۔ اگر میں یوں کہوں کہ اس کتاب کو مربوط کرنے اور خوبصورت ترتیب دینے میں خود قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی روحانی سرپرستی شامل رہی تو یہ محض صوفیانہ دعویٰ نہ ہوگا۔ کیونکہ میرے سامنے دستاویزات کا ایک بحرِ تلاطم تھا، ایک وقت تھا کہ ریکارڈ کی عدم دستیابی پہ پریشان تھا، اور اب ایک یہ وقت بھی کہ بہتات وکثرت دیکھ کر ہکا بکا رہ جاتا کہ کہاں سے شروع کروں؟ کون کون سا ریکارڈ ترتیب دوں اور کون کون سا نظر انداز کروں؟ چنانچہ سب سے پہلے میں نے تمام تر ذخیرۂ علمیہ کا شب و روز مطالعہ کیا، جس پر ایک سال کا عرصہ صَرف ہوا۔ پھر کاٹ چھانٹ کے عمل سے گذر کر ناقابل اشاعت مواد کے الگ الگ پیکٹ بنائے، پھر بہت ضروری اور کم

ضروری چیزوں کو الگ الگ کیا۔اس کے بعد تاریخ وار حقائق کو قلمبند کرتا اور تجزیوں، تبصروں کے خراد پر چڑھاتا ہوا آگے بڑھتا رہا تا آنکہ اس سلسلہ کی پہلی ضخیم (جلد) تیار ہو کر منتظرِ اشاعت ہوگئی تو میری جان میں جان آئی۔ اللہ تعالیٰ کبر و ریا سے حفاظت فرمائے، محض تحدیث بالنعمت کے طور پر درج کیا جارہا ہے کہ اس کتاب پر بندہ نے متواتر اٹھارہ اٹھارہ گھنٹوں تک کام کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک صاحب سوانح سے ٹوٹ کر محبت نہ ہو، نہ قلم چلتا ہے اور نہ دماغ ساتھ دیتا ہے اور الحمدللہ اس کتاب کا حقیر مصنف قائد اہل سنت کی شخصیت، ان کے طریقہ تطہیر فکر اور استقامت و استقلال پر فریفتہ ہے سو اسی فریفتگی نے ہر چیز سے بے گانہ کر کے میری توجہ اس کام پر مرکوز رکھی۔

''تذکرہ مولانا محمد نافع'' کی قبولیت کی شہادت

''مظہرِ کرم'' پر کام جاری تھا کہ مجھے درمیان میں حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی شخصیت پر کام کرنا پڑا۔اور ۲۰۱۵ء میں آٹھ سو صفحات پر مشتمل کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی۔ اس کتاب نے جہاں روافض و خوارج کی چولیں ہلائیں اور مختصر وقت میں یکے بعد دیگرے تین اڈیشن چھپ کر چاروں صوبوں اور پھر قطر، سعودی عرب، انگلینڈ تک جا پہنچے بلکہ مشہد سے ایک شیعہ عالم نے براہ راست رابطہ کر کے پانچ عدد نسخے منگوائے۔ وہاں ایک محدود مدت کے لیے مجھے آزمائش سے بھی گذرنا پڑا، کیونکہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے بعض حاسدین اور مفسدین نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے نادان لڑکوں کو ہمارے خلاف کمربستہ کر دیا تھا اور پھر ''اظہار برات'' کے عنوان سے اخباروں اور مذہبی رسالوں میں اشتہارات شائع ہونے لگے۔اس مُہم کے پسِ پردہ مجلس احرار اسلام کے یزیدی ونگ کا ایک سرغنہ شامل تھا جس نے اپنی کمر پر لگے ماضی کے تڑاخ تڑاخ کوڑوں کا بدلہ چکانے کی بھونڈی اور نسوانی ترکیب نکالی تھی۔ مگر سچ ہے کہ ؎ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔

''مُوتُوابِغَيْظِكُمْ'' کے نام سے بندہ نے ایک جوابی کتابچہ کمپوز بھی کروا دیا تھا کہ حضرت امیر مرکزی مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر نے منع فرما دیا کہ آپ اکیلے نہیں ہیں کہ اپنا دفاع خود کریں بلکہ آپ کی پشت پر جماعت اور قائد اہل سنت کا خاندان کھڑا ہے چنانچہ امیر مرکزی دامت فیوضھم کے حکم پر حضرت مولانا زاہد حسین رشیدی صاحب نے ایک جاندار مضمون ''اظہارِ اپنائیت'' کے نام سے ماہ نامہ حق چار میں شائع کر دیا، دوسری جانب حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے اپنی موجودگی میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے دارالحدیث میں بندہ کو لب کشاء ہونے کی دعوت دی اور فرمایا کہ آپ

نے کوئی جوابی وار نہیں کرنا، شکر کریں کہ اللہ حاسدین کے ذریعے آپ کی کتاب کی تشہیر کروا رہے ہیں، اسی طرح مولانا عبدالقیوم حقانی، مولانا اللہ وسایا صاحب اور حضرت مولانا نعیم الدین صاحب ایسے حضرات نے بندہ کو حوصلہ دیا، سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے تذکرہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ انگلینڈ کے دورہ پر آئے حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی دامت برکاتہم کو بدستِ خود پیش فرمائی اور یوں ''تذکرہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ'' اپنوں اور غیروں میں ایک طویل عرصہ تک موضوع سخن بنی رہی۔ اسی دوران بندہ کا قلم ''مظہر کرم'' کی تصنیف میں وقف ہو گیا اور بلاشبہ یہ ''تذکرہ مولانا محمد نافع'' کی قبولیت اور مقبولیت کی واضح شہادت ہے جو ان شاء اللہ اخلاص والوں کو ہمیشہ عزت بخشتی رہے گی۔ یہاں ایک لطیفہ پیش خدمت ہے کہ کچھ لوگوں نے پیسہ بٹورنے کے طمع سے ہمارے مخلصانہ کام کی مخالفت کی تھی۔ مگر ہوا یہ کہ ابھی ہم دوسرے اڈیشن کے لیے پر تول رہے تھے کہ صوبہ خیبر پختونخواہ سے کسی صاحب نے ''تذکرہ مولانا محمد نافع'' کا عکسی اڈیشن شائع کر دیا اس غیر قانونی و غیر اخلاقی عمل پر ہمیں بجائے دکھ کے نہایت مسرت ہوئی کہ زیادہ سے زیادہ کتاب اہل علم تک پہنچ رہی ہے مگر مہربانوں کی حالت نہایت خستہ تھی کیونکہ چوروں کو مور پڑ گئے تھے۔ ''وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ''۔

اظہارِ تشکر

''مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰه'' کے تحت چند اہم شخصیات کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ جن کی عالی ہمتی اور سرپرستی نے بندہ کے تحقیقی ذوق کو نعرۂ رستاخیز سے معمور کیے رکھا چنانچہ

① عالی جاہ امیر مکرم حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر نے بھرپور نگرانی فرمائی اور گاہے گاہے کام کی نوعیت کا جائزہ لیتے رہے۔ آپ کا وجود بالخصوص تحریک خدام اہل سنت کے لیے نعمتِ عظمیٰ ہے کہ آں قبلہ گاہی کی صورت میں ایک عظیم باپ اور عظیم جد امجد کی تاریخی جھلکیاں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔

② شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب سومرو مدظلہ کا وجود قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے متوسلین کے لیے ایک شجر سایہ دار ہے۔ آپ نے ہمیشہ بندہ کو اس کی حیثیت سے کہیں بڑھ کر محبت بخشی اور آنجناب کا وجود مسعود بے قرار روحوں کے لیے آسودگی کا سبب ہے، اللہ کریم آپ کو تادیر صحت کی سلامتی دیئے رکھے۔ آمین۔

③ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی جمیل الرحمن صاحب نے ہمیشہ اس قدر حوصلہ افزائی فرمائی کہ خود حوصلوں کو پسینہ آ گیا، آپ نے ادارہ مظہر التحقیق لاہور کو قائد اہل سنت کی تمام تصانیف شائع کرنے کی

باضابطہ تحریری اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اس لحاظ سے ادارہ مظہر التحقیق لاہور کی خدماتِ عالیہ آنجناب کی سرپرستی کی مرہونِ منت ہیں۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے تعلیمی مراکز کو آپ نے اپنی بصیرت و اخلاص سے فلک بوس کر دیا ہے۔

④ برادرم مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی دوستی و محبت کی رداءِ خوش رنگ کا مرکزی پھول ہیں۔ آپ نے بھی قائد اہل سنت کے فرزند نسبتی ہونے کی حیثیت سے مجھ پر عنایات کی انتہا کیے رکھی اور اپنے دل کی طرح گھر کے دروازے بھی ہمیشہ کھلے رکھے ہیں۔ بے تکلفی کے ساتھ نظری و فکری مُبادلہ افکار کرتے ہیں۔ بولنے اور لکھنے کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اظہار مافی الضمیر کے برمحل مواقع کا بھی ادراک رکھتے ہیں۔ ''مظہر کرم'' کی تصنیف میں بلاشبہ آپ نے قابل قدر بلکہ ریڑھ کی ہڈی کا سا کردار ادا کرتے ہوئے نہایت اہم دستاویزات فراہم کیں جن کے بنا سوانح قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا اہم پہلو تشنۂ تحقیق رہ جاتا۔ سچ یہ ہے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ساتھ عقیدت و محبت نے مجھے اس خاندان کا ایک فرد فرید بنا دیا ہے۔

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اِتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

⑤ حافظ عبد الوحید صاحب حنفی کو کم و بیش پچاس سال قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی رفاقت میں رہنے کا شرف حاصل ہے۔ تحریک خدام اہل سنت کے آثار قدیمہ میں سے ہیں۔ آپ نے نہایت قیمتی اور نادر فائل مہیا کیے جن سے روشنی لے کر ہم نے اپنا سفر جاری رکھا اور ہمارے اگلے اہداف میں بھی ان کا عطا کردہ تاریخی مواد کام آتا رہے گا۔

⑥ مولانا قاری محمد ابوبکر صدیق، جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے مہتمم اور فخر اہل سنت حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی رحمہ اللہ کے پوتا ہیں، تعلقات نبھانے کا فن جانتے ہیں اور بندہ کو ہمیشہ مروّت و لحاظ اور والہانہ حد تک محبتوں سے مسحور رکھتے ہیں البتہ افسوس ہے کہ آنجناب کے جدامجد اور والد مرحوم مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ کے نام قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے مکاتیب میری زبردست خواہش اور کوشش کے باوجود شامل نہ ہو سکے، اس کی وجہ یہ تھی کہ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام کی انتظامی تگ و دو، شہری سطح پر سماجی بے ہنگم مصروفیات اور تحریک خدام اہل سنت کے جماعتی اشغال میں باوجود ان کے وعدہ و کوشش بسیار کے بروقت خطوط دستیاب نہ ہوئے۔ تاہم اس سلسلۂ مظہر کرم کے اگلے مجلدات میں وہ ضرور شامل اشاعت ہوں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

⑦ مولانا عبدالوحید اشرفی وارفتگانِ قائد اہل سنت میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، نظریاتی اساس اس قدر مضبوط کہ تلونِ طبع کی وجہ سے مختلف فضاؤں میں پرواز کرنے کے بعد بالآخر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی فکری منڈیر پر ہی آ کر سانس لیتے ہیں۔ آنجناب کی رفاقت ومحبت اور سنجیدگی وسادگی اور برموقع قیمتی آراء ہمیں وہ لطف دیتی ہیں جو قیس کو صحرانوردی میں بھی نہ آیا ہوگا۔

⑧ حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی کے نام قائد اہل سنت کے مکاتیب شامل اشاعت ہیں، ان کے ہوتے ہوئے آنجناب کا مزید تذکرہ کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ نہایت علم پرور، بندہ پرور اور نظریاتی شخصیت ہیں، ''مظہر کرم'' کی اشاعت میں آنجناب کی مناجات، تفکرات اور توجہات کا پورا پورا عمل دخل ہے۔

⑨ شیخ الحدیث حضرت مولانا نعیم الدین صاحب (جامعہ مدنیہ لاہور) آنجناب نے جب کبھی سینے سے لگایا، غموم دہر پانی میں نمک کی ڈلی کی طرح گھل جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک کہنہ مشق استاذ حدیث اور بندہ حدث میں لتھڑا پُرزۂ بے کار، وہ ایک جہاندیدہ اور بندہ سراسر خوابیدہ، وہ علم وعمل میں یکہ تاز اور بندہ ان جواہرات سے تہی دست، بایں ہمہ ان واضح متضاد رستوں پر سفر کرنے کے بعد جب کبھی قائد اہل سنت کی عقیدت کے سنگم پہ ملاپ ہوا تو آنجناب کی شفقت ومحبت پانی پانی کر دیتی ہے۔

⑩ جناب شبیر احمد خان میواتی ؎ آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

ماہنامہ حق چار لاہور کی تاریخ میں آپ کا تذکرہ ہوتا رہے گا، کتابوں کے ساتھ ایسا تعلق جیسے پھول کے ساتھ خوشبو کا، قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے تذکار سے خود ہی نہیں دوسروں کو بھی آبدیدہ کر دیتے ہیں۔ علم دوستوں سے ان کی دوستی قابلِ رشک ہے اور طویل مدت تک ناراض رہنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔ غیظ و اُلفت کی یہ آمیزش ان کی شخصیت میں نکھار سا پیدا کر دیتی ہے۔ سلامت رہیں۔

⑪ مولانا حافظ محمد مسعود صاحب کی زندگی کا طویل حصہ ارضِ مقدس مدینۃ المنورہ میں گذر رہا ہے۔ قائد اہل سنت کے عاشق زار ہیں، اور بندہ کے اس قدر محسن کہ جب کبھی کوئی کتاب یا مقالہ پڑھتے ہیں تو روضۂ شریف پر حاضر ہو کر ہماری جانب سے نذرانۂ صلاۃ وسلام پیش فرما دیتے ہیں۔

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

آپ کی دعائیں اور نیک تمنائیں بلاشبہ بندہ کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہیں ''مظہر کرم'' کی اشاعت کے مدت سے منتظر تھے، سو ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

⑫ حافظ محمود حسن عرف مٹھا، جامع مسجد میاں برکت علی اچھرہ لاہور کے منتظم اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے زبردست عقیدت مند ہیں اور اس نسبت کی وجہ سے بندہ پر بھی اپنی مٹھاس کا چھڑکاؤ کرتے رہتے ہیں۔آپ جمال وجلال کا مرقع ہیں، جمال ایسا کہ جھٹ اپنے کاندھوں پر بٹھادیں اور غلبۂ جلال ایسا کہ پٹ پلکوں سے گرا کر مع تابوت دفن کردیں۔''مظہر کرم'' کی اشاعت میں حافظ صاحب کے اخلاص اور توجہات کا بھرپور کردار رہا ہے اور اس سلسلہ میں وہ اپنی تمام تر خدمات پیش کرنے کا عندیہ دیتے رہے۔دورانِ تصنیف ان کی دلچسپی سے بندہ کو برابر حوصلہ وتسکین ملتی رہی۔

⑬ ماسٹر منظور حسین، قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ۱۹۷۲ء سے مسترشدین میں شامل ہیں، نہایت اعلیٰ علمی ذوق رکھتے ہیں اور مطالعہ وتحقیق کے دلدادہ ہیں۔''مظہر کرم'' کی اشاعت میں آنجناب کی منتظر نگاہوں اور دعاؤں کا بھی اثر شامل رہا۔ماہ نامہ حق چار یارؓ کا بہ حُسن وخوبی نظم ونسق آپ ہی کی عالی ہمتی کا مرہونِ منت ہے۔

⑭ مولانا عبدالرؤف نعمانی ادارہ مظہر التحقیق لاہور کے انتھک منتظم اور جانی و مالی ہر اعتبار سے قربانی دینے میں پیش پیش رہتے ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ اُن کے ایثار کی وجہ سے بندہ طباعت واشاعت کے جان لیوا مرحلہ جات سے بچ بچا کر اپنے تصنیفی کاموں میں مصروف رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو مزید توفیقات سے نوازیں اور ان کے جذبوں کو سلامت رکھے۔آمین

⑮ علامہ سجاد احمد الحجابی ایک زیرک و دانا عالم دین ہیں، اور فرقہائے باطلہ کی بیخ کنی کرنے میں نہایت علمی اور موثر کردار ادا کر رہے ہیں، ہماری مطبوعات پر نظر نوازی کرنے کے لیے اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکالتے ہیں اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی خدمت وحُسن کردار پر بہ جان وقلب فداء ہیں۔چنانچہ ''مظہر کرم'' کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے میں ان کی آنکھیں بھی مدت سے مشتاق تھیں، سو آنجناب کی دعائیں ہمارے حق میں شرف قبول کو پہنچیں۔الحمد للہ علیٰ ذالک۔

⑯ مولانا رشید احمد الحسینی (حضرو ضلع اٹک) حضرت مولانا حافظ محمد الیاسؒ کے اکلوتے فرزند دلبند ہیں۔ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے والد گرامی کے نام قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے قیمتی مکاتیب ہمیں ارسال کیے ہیں۔مولانا رشید احمد صاحب کو قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے آخری سفرِ عمرہ پر ساتھ رہنے اور بھرپور خدمت کرنے کی سعادت بھی حاصل رہی ہے۔جو ۲۰۰۰ء میں ہوا تھا۔آنجناب تحریک خدام اہل سنت کے بے لوث، فکری ونظریاتی اور سرگرم راہنما ہیں۔

⑰ حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر دامت برکاتہم کی مسلسل علالت اور دیگر علمی مصروفیات کی وجہ سے اگرچہ ہم ''مظہر کرم'' کی تصنیف واشاعت میں اُن سے کسی قسم کا مشورہ لینے یا استفادہ کرنے سے محروم رہے مگر ان کے ساتھ قلبی تعلقات اور رشتہ احترام اس درجہ کا ہے کہ بندہ کبھی خود کو ان کی شفقتوں سے محروم نہیں سمجھتا، آپ ہمیشہ کی طرح ''مظہر کرم'' کی اشاعت پر بھی یقیناً مسرور ہوں گے۔

⑱ شاہینِ ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی اکابرین میں سے ہیں اور ''مظہر کرم'' پر کام کا آغاز ہونے سے بھی پہلے سے آج کے دن کے منتظر تھے۔ اور بذریعہ فون یا بالمشافہ ملاقاتوں میں نہایت شوق سے استفسار کرتے رہتے تھے۔

⑲ حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی، جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ کے شیخ الحدیث اور درجنوں کتب کے مصنف ومولف ہیں۔ آپ کی علمی، تدریسی اور تصنیفی اٹھان بھی چونکہ قائد اہل سنتؒ کے زیر سایہ چکوال سے ہوئی ہے چنانچہ آپ بھی اس نسبت کی بھرپور لاج پالے ہوئے ہیں اور تحریکِ خدام اہل سنت کو اپنی ہی جماعت سمجھتے ہیں۔ آپ نے ماہنامہ القاسم بابت اکتوبر ۲۰۱۹ء کے شمارہ میں ''مظہر کرم'' کی اشاعت سے قبل ہی ایک وقیع مقالہ لکھ کر سب سے پہلے حلقہ خدام کے دل جیت لیے۔ اللہ کریم آپ کا سایۂ تادیر صحت وسلامتی کے ساتھ قائم ودائم رکھے۔ آمین

⑳ محمد منصور الحق صاحب اصلاً تو ساہیوال کے رہنے والے ہیں۔ بسلسلہ ملازمت اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ قائد اہل سنت کی کتابیں، کتابچے، پمفلٹ اور اس حوالہ سے تمام نظری بحثیں مع اختلاف ومخالفت انہیں ازبر ہیں۔ ہمارا بہت ہی قابل فخر سرمایہ ہیں اور دامے درمے قدمے سخنے لبیک کہنے میں پہل کرنے والوں میں سے ہیں۔ جب بھی قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی کوئی کتاب یا بندہ کی تصنیف کے طبع ہونے کا اعلان ہوا تو ان کے جذبات کی چنگاری آتش بے محابا بن جاتی ہے۔ غرضیکہ اپنی ذات میں اژدہام بے پناہ ہیں۔

㉑ مولانا محمد اسلم زاہد، مولانا ثنا اللہ سعد شجاع آبادی اور حکیم طارق محمود چغتائی نے اپنی بساط سے کہیں بڑھ کر تصانیف وتالیفات کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ اور ہر سہ حضرات بندہ کے ساتھ محبت کرنے والوں میں سے ہیں اور ہمیشہ کی طرح ''مظہر کرم'' کا بھی یہ آگے بڑھ کر استقبال کریں گے۔ مولانا ثنا اللہ سعد اس لحاظ سے فی زمانہ غنیمت ہیں کہ مالی وسائل کی قلت کے باوجود انہوں نے دفاعِ ناموس صحابہؓ کے عنوان پر کتابوں سے تعلق نبھا رکھا ہے اور حکیم صاحب چغتائی اس لحاظ سے لائق محبت، کہ وسائل کی بہتات وفراوانی کے باوجود وہ محض دنیا دار نہیں، بلکہ کتابوں میں ہی سوتے جاگتے ہیں۔ اسی طرح مولانا

محمد اسلم زاہد ایک صالح طبیعت کے گوشہ نشین عالم دین ہیں، تصنیف و تالیف میں اس قدر قیمتی ذخیرہ انہوں نے جمع فرما دیا ہے کہ رشک آتا ہے، آنجناب بھی قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے افکار و خیالات کے پورے مقلد اور منادہیں اور اس نسبت سے ہم ایسے حقیروں سے بھی چاؤ رکھتے ہیں۔

⑳ مولانا ممتاز الاحسن خان خدامی اور مولانا محمد حمزہ احسانی ہر دو برادران قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے نواسہ ہیں، اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے پوتے ہیں، ان دو بڑی نسبتوں کے باوصف عالمانہ اخلاق، سادگی و وضع داری اور تعلیم و تدریس کے معزز انہ شغل سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر پل سلامت رکھے۔

㉓ محمد مظہر حسین ثانی بن مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی میرا لاڈلا بھتیجا ہے جو اپنے محبوب نانا جی رحمہ اللہ کی خدمات، حُسن کردار اور پاکیزہ افکار کا شیدا ہے اور بہت کچھ کر گزرنے کا عزمِ مصمم کیے ہوئے اپنے تعلیمی مراحل طے کرتا جا رہا ہے۔ ان شا اللہ وہ دن دور نہیں جب یہ اپنے رخساروں پر اپنے عظیم نانا جی رحمہ اللہ کے علوم و نظریات کا غازہ لگا کر اپنے خاندان کا نام مزید روشن کرے گا۔

㉔ صاحبزادہ قاضی محمد ظاہر حسین جرّار، حضرت امیر مرکزی دامت برکاتہم کے بڑے فرزند ہیں۔ بھیں سے چکوال اور چکوال سے بھیں آتے جاتے اپنے دادا اور پردادا کے نقش پاء کی خوشبوؤں سے مشامِ جاں نہال رکھتے ہیں۔ بے وقت کی راگنیوں کے قائل نہیں، موقع پر نقد، سنجیدہ اور باادب لہجے میں اپنی بات کہنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔

㉕ ازہر حسین حقانی بن پروفیسر حافظ محمد عمر اسعد (تلہ گنگ) اور صاحبزادہ قاضی اخیار الحسن (چیچہ وطنی) دونوں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے نواسے ہیں اور نرالی طبیعت کے مالک ہیں۔ حقانی کے سماجی تجزیئے پُرکیف ہوتے ہیں اور شگفتہ بیانی لائق سماعت ہوتی ہے، اسی طرح اخیار الحسن نہایت متین، کم گو، حُسن اخلاق سے مالا مال اور جرأت و بے باکی سے ہمہ وقت سرشار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی سلامت رکھے۔

㉖ اطہر حسین عرفانی بن ڈاکٹر عبد الباسط خان جوانی میں ہی دنیا کی فانی لذتوں پر ریجھنے کی بجائے تقویٰ اور ضبط نفس کی آزمائشیں جھیلنے کے عادی ہیں اور بندہ کے ساتھ بہت ہی مانوس ہیں۔ وطن عزیز کے سلامتی اداروں کی غلط فہمی کی وجہ سے اس وقت زیر عتاب ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے کامل امید ہے کہ ان شاء اللہ "مظہر کرم" کے پریس سے آتے ہی عرفانی بھی آزاد فضاء میں آ کر آزمائش سے نجات پا چکے ہوں گے۔

㉗ مولانا مخلص عبد اللہ، بلکسر (چکوال) ہمارے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں، آنجناب کے نام

بھی مکاتیب قائد اہل سنت ''مظہر کرم'' میں شامل ہیں۔آپ کے والد گرامی حکیم حافظ غلام نبی رحمہ اللہ اس پہلی کیاری کا خوشبودار پھول تھے جو قائد اہل سنت کے دستِ وفا سے بنائی گئی تھی۔تب سے اب تک بلکسر تحریک خدام اہل سنت کا مرکز ہے اور ہم ایسوں کے لیے ایک ایسا سپیڈ بریکر بھی کہ کہیں سے بھی آتے جاتے یہاں تمام تر سہولتوں کے ساتھ ستانے کا انتظام موجود رہتا ہے۔

۲۸ ماسٹر محمد سلیم عمر جکھڑوی ؎ کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

آنجناب قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے پُرانے معتقدین میں سے ہیں، بے موقع اور بے لذت گاتے ہیں جس سے نہ خود ان کو سرور آتا ہے اور نہ سننے والوں کو کاتب السطور پر اس قدر فریفتہ ہیں کہ گُل پہ بلبل بھی کیا ہوگی؟ ''مظہر کرم'' کی راہ میں وہ ایک مدت سے پلکیں بچھائے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں بھی شاد و شاداب رکھے۔آمین

۲۹ سرکال مائر (چکوال) سے جناب کپتان غلام محمد صاحب، صوبیدار محمد صفدر، اور سلطان محمود صاحب تینوں کی تین تین نسلیں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خدام و کفش برداروں میں گذری ہیں۔ تینوں نہایت ملنسار، پُرایثار اور مسلکی و جماعتی وقار سے لبالب ہیں۔

۳۰ حضرت مولانا عبدالحمید تونسوی، مناظر اعظم علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ کے نواسہ ہیں۔ بندہ کے ساتھ بہت ہی محبت کرتے ہیں اور علم دوستی کے بے مثال تقاضوں سے محض واقف ہی نہیں، انہیں پُورا کرنا بھی جانتے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو بھی صحت و تندرستی سے تادیر سلامت رکھے۔آمین۔

۳۱ مولانا محمد عمر فاروق تونسوی (مظفر گڑھ) حضرت علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند ہیں اور ایک بڑے باپ کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ محبت کرتے ہیں۔آنجناب کی جانب سے حوصلہ افزائی اور بار ہا بار کا اظہارِ محبت بندہ کے لیے نہایت شیریں توشہ ہے۔اللہ کریم انہیں صحت و عافیت کے ساتھ قائم رکھیں۔

۳۲ فیصل آباد سے مولانا شبیر احمد عثمانی، اور اوکاڑا سے مولانا عبدالرؤف چشتی، دونوں اپنے وقت کے قادر الکلام عوامی خطیب اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی آواز کو پاکستان کے ہر اسٹیج تک لے جانے والے ہیں۔ بندہ کے ساتھ ان کا دیرینہ تعلق ہے اور کسی موسم اور کسی حال میں بھولنا، گوارا نہیں کرتے۔مطالعہ کتب بھی ان کا من بھاتا مشغلہ ہے اور مولانا چشتی صاحب لکھنے لکھانے کا بھی نفیس ذوق رکھتے ہیں۔

۳۳ ملک شہادت علی طاہر جھنگوی مترنّم شعراء میں اپنا ایک وزن رکھتے ہیں، آواز کو اٹھانے، بٹھانے، دبانے اور ایک ہی جست میں فلک سے ہمکنار کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کے سینے میں یادوں کی محض باراتیں ہی نہیں، طوفانوں کے طوفان موجود ہیں اور بندہ سے قلبی تعلق کی بناء پر بہت کچھ تبادلہ خیالات بغیر کسی بخل کے کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ''مظہر کرم'' کے انتظار میں دیدہ ودل فرش راہ کرنے والوں میں آپ کا وجود بھی کسی سعادت سے کم نہیں ہے۔

۳۴ عبدالستار اعوان بندہ کا چھوٹا بھائی، بہترین لکھاری، مصنف اور کالم نگار ہے اور مطالعہ کے دوران کتابوں کی کتابیں پی کر ہضم کر جاتا ہے، اسی طرح عزیزم محمد عثمان حسن ادارہ مظہر التحقیق لاہور کا ابتدائی اور سرگرم رکن ہے، بندہ کے تحقیقی مسودات کی چھان پھٹک کرنے میں ان کا بڑا تعاون شامل رہتا ہے۔

۳۵ جناب سید سلمان گیلانی شاعری کی دنیا کا ایک معروف نام ہے، قائد اہل سنتؒ کی خدمات کے بہت ہی زیادہ معترف رہتے ہیں اور رطب اللسان بھی! میری خواہش پر صرف دس منٹ کے اندر اندر آپ نے اس کتاب سے متعلق دو قطعات اپنی طائرِ فکر سے تخلیق کر کے ارسال کیے جو کتاب کے آغاز میں موجود ہے۔

۳۶ رشید احمد صدیقی اور جمیل احمد دونوں نے بندہ کے ادارہ کے بلا مبالغہ ہزاروں صفحات کی کمپوزنگ کی ہے، چنانچہ حسب دستورِ سابق ''مظہر کرم'' کے کم وبیش ۲۵ سو صفحات پر مشتمل میرے ہاتھ کا لکھا مسودہ، پھر پرنٹوں پر اضافی حواشی اور اضافات کے گھنے جنگلوں سے گذر کر انہوں نے جس حوصلے کے ساتھ سینہ کشادہ کر کے میری طبیعت کے مطابق کام کیا ہے، اس پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔

۳۷ عبدالرحیم صاحب نے تمام کتب کی کتابت بایں انداز کی ہے کہ جہاں کہیں ہماری کتابیں جاتی ہیں، اہلِ ذوق کتابت کی بابت ضرور استفسار کرتے ہیں، چنانچہ ''مظہر کرم'' کو خط نسخ، نستعلیق اور قدیم خط کوفی میں جس طرح انہوں نے لکھا ہے۔ گویا دل نکال کر رکھ دیا ہے، آپ حُسن کتابت اور مرصّع قلمی میں منفرد صلاحیت کے مالک ہیں۔ نیز ملک الخطاط جناب الٰہی بخش مطیعؔ (قصبہ شاہ محمد، ہری پور) نے بھی اپنی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لا کر جس انداز میں کتابت کی ہے وہ بھی ''مظہر کرم'' کے سرورق پر ایک یادگاری نمونہ رہے گی۔

۳۸ سماہنی، آزاد کشمیر سے قاری انور حسین انور صاحب، قائد اہل سنت کے پرانے متوسلین میں سے ہیں اور اس نسبت سے ہم پر بھی شفیق ہیں، مظہر کرم کی اشاعت پر ان کا دل بھی یقیناً باغ باغ ہوگا۔

۳۹ مولانا عبدالرحیم چار یاری فیصل آباد میں افکارِ قائد اہل سنت کا ایک خوشنما پھول ہیں اور بڑے حلقہ کے لیے آنجناب کی شخصیت سیرابی کا ذریعہ ہے۔

۴۰ مولانا سید محمد معاویہ بن ولی کامل حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب، مخدوم پور، خانیوال علوم قائد اہل سنت کے بحرِ بیکراں کی ایک اچھلتی موج کا نام ہے۔ان کی بے پناہ محبتوں کو بھی سلام پہنچے۔

۴۱ پروفیسر حافظ محمد عمر اسد صاحب تلہ گنگ، قائد اہل سنتؒ کے فرزند نسبتی، نہایت کم گو، پرہیز گار اور صاحبِ علم ہیں۔ ''مظہر کرم'' کی آمد پر ان کا دل بھی باغ باغ ہوگا۔ان شاءاللہ۔

۴۲ استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد حسن (لاہور) بندہ پر بہت ہی مہربان ہیں۔ جب کبھی قائد اہل سنتؒ کے حوالہ سے کوئی نئی علمی چیز منظر عام پر آتی ہے تو حضرت مولانا موصوف شدید مصروفیات میں سے وقت نکال کر صرف ملاحظہ ہی نہیں فرماتے، باقاعدہ دعوتِ طعام وکلام سے نوازتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آنجناب کی شفقتوں کو سلامت رکھے۔آمین

۴۳ جناب پروفیسر خالد ہمایوں صاحب، پنجاب یونیورسٹی شعبہ پنجابی سے ریٹائرڈ ہیں، مدت مدید سے ''قومی ڈائجسٹ'' لاہور کے مدیر، اعلیٰ پایہ کے صحافی، صاف ستھرے ذوق کے مالک، نہایت شریف الطبع، علم کے متوالے، اہل علم کے گرویدہ اور چلتی پھرتی لائبریری کا نام ہے۔ بندہ کے ساتھ ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ انہیں تادیر سلامت رکھے۔آمین

خِتَامُهُ مِسْكٌ

محبت کرنے والوں کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ سبھی کا تذکرہ قلمبند کرنے کے لیے مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔فلہٰذا انہی تذکروں پر اکتفاء کرتے ہوئے آخر میں بطور مُہر مشک تین شخصیات کا ذکر کر کے اب اس موضوع کو سمیٹتے ہیں۔

۱ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کے ساتھ بندہ کا تعلق ۱۹۹۷ء سے ہے جب میں سنت نگر والے آپ کے مکان پر پورا پورا دن گذار کر آتا تھا اور سلطان العلماء کے بحرِ علم وفضل سے چلوّ بھر بھر کر پیتا تھا۔ بندہ پر آپ کی شفقتیں بے انتہا درجہ کی ہیں، تحاسد وتباغض کے مریضوں نے حضرت علامہ صاحب کو رنجیدہ کرنے میں تمام تر تیر اپنے ترکش سے نکال دیکھے مگر آپ نے حُسن تدبیر اور کمال علم وحکمت کے ساتھ ان تیروں کو حُسّادہی کے سینوں میں گھونپ کر تڑپا دیا اور اس فقیر بےنوا پر برابر لطف وعطا کی بارش جاری رکھی۔تا آنکہ حال ہی میں ''تجلیات صداقت'' کے جواب میں جو آپ کی ضخیم

کتاب بر مشتمل دو مجلدات ''تجلیاتِ آفتاب'' چھپی تو آپ نے اس میں دو تین مقامات پر اس ذرۂ بے مقدار کا تذکرہ کر کے عزت بخشی، قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی زیر نظر سوانح کا نام بندہ نے اپنی سوچ کے مطابق کچھ اور رکھا ہوا تھا، مگر سلطان العلماء دامت فیوضہم نے اس کا نام ''التذکرۃ الحسنۃ فی ذکر مصلح اھل البدعۃ و الرفضۃ'' موسوم بہ ''مظہر کرم'' تجویز فرما کر اعلیٰ ذوق، حُسنِ مناسبت اور تاریخ کی دو طویل ترین شاہراہوں کو ایک ایسے سنگم پر لا جوڑا کہ اربابِ علم ششدر رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کی زندگی اور صحت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔[1]

② مولانا حافظ شاہ محمد مہتمم جامعہ قاسمیہ رحمٰن پورہ لاہور نہایت منکسر المزاج، اسلاف کی حقیقی تصویر، ظاہر و باطن میں مکمل مطابقت کی شان رکھنے والے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ایک ایسے مرید باصفا ہیں کہ ان پھلوں کو چکھ کر درخت کی قدر و قیمت مزید بڑھ جاتی ہے۔ قصبہ ڈھولر ضلع چکوال کے اپنے آبائی قصبہ میں آپ سالانہ جلسہ کے اندر ایک مدت سے بندہ کو شرکت کا موقع دیتے ہیں آپ کی خدمت میں محض اس لیے کم جایا جاتا ہے کہ آنجناب اکرام و تکریم کی انتہا کر کے مسلسل شرمسار رکھتے ہیں۔ آپ کی دعائیں اور مخلصانہ توجہات ہمارے لیے دنیا میں کامیابی کا زینہ اور آخرت میں نجات کا ذخیرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی نصیب فرمائے۔ آمین

③ برادر مکرم جناب ڈاکٹر عبدالباسط خان (اسلام آباد) قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے بڑے فرزند نسبتی ہیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ، اپنے پیشہ میں کامل تجربات کے حامل اور علمی ذوق کے ساتھ ساتھ نرالی اداؤں کے مالک بھی ہیں۔ آج سے ایک سال قبل جب باتوں باتوں میں سوانح کا ذکر آیا تو ڈاکٹر صاحب نے پرانی یاداشتوں کا دفتر کھولتے ہوئے کہا کہ آپ سے میں نے وعدہ لیا تھا کہ جب حضرت رحمہ اللہ کے سوانح آپ لکھیں گے تو اس کی اشاعت و طباعت میری سفارش پر ''دارالامین'' کی جانب سے ہوگی، حالانکہ بندہ کے پردہ دماغ پر یہ بات مدھم پڑ چکی تھی۔ چنانچہ ''دارالامین'' نے ایک معاہدہ کی رُو سے یہ کتاب اپنے

---

[1] آہ! ''مظہر کرم'' تصحیح کے مراحل سے گذر رہی تھی اور انگلینڈ سے حضرت علامہ صاحب نے بذریعہ فون ارشاد فرمایا کہ میں ''مظہرِ کرم'' کا مقدمہ لکھ رہا ہوں۔ ہمارا حوصلہ بڑھا مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا ۱۴ مئی ۲۰۲۰ء بمطابق ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ حضرت علامہ صاحبؒ مانچسٹر میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

؎ رہیں دل کی دل میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا [سلفی]

ذمہ لے لی ہے اور اب ''دارالامین'' کے صَرف کردہ زرِ کثیر سے اس کی اشاعت ممکن ہو رہی ہے اور اس سلسلہ کی اگلی جس قدر بھی مجلدات شائع ہوں گی وہ بھی مذکورہ ادارہ کی جانب سے ہوں گی، فلہٰذا اب میرا بحیثیت مصنف یا ادارۂ مظہرالتحقیق لاہور کا اس کتاب کی اشاعت وتشہیر سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اس کتاب کے جملہ طباعتی واشاعتی حقوق صرف اور صرف .... کے نام ہیں، کوئی پبلشر یا ادارہ ان کی پیشگی اجازت کے بغیر اسے شائع کرنے کا مجاز نہ ہوگا، البتہ اس کے تمام تر مندرجات کے حوالہ جات، حقائق وواقعات اور تبصرہ جات وتجزیات کا بندہ خود ضامن وذمہ دار ہے۔ لہٰذا اس حوالہ سے کسی قسم کی کوئی معلومات درکار ہوں تو براہ راست مصنف سے رابطہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو قائداہل سنت رحمہ اللہ کی شخصیت وخدماتِ دینیہ کے تفہیم وتشریح کا ذریعہ بنائے۔ پڑھنے والوں کو راہ ہدایت ملے، لکھنے اور شائع کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابیاں نصیب ہوں اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس امر کی توفیقات سے زیادہ سے زیادہ مشرف فرمائے کہ ہم قائداہل سنت کے قلم گوہر بار کی ایک ایک سطر، پمفلٹ، کتابچہ، کتاب، اشتہار، خطوط، اور ڈائریاں یا آپ کی نسبت عالیہ سے موجود ہمہ قسم کے علمی ذخیرہ کو کتابی صورت میں محفوظ کر کے آنے والی نسلوں کو نشانِ منزل مہیا کر دیں۔ اللھم آمین۔

خادم اہل سنت
محمد عبدالجبار سلفی
۲۷۰۔ ایل بلاک سبزہ زار سکیم، ملتان روڈ لاہور
۱۰، اپریل ۲۰۲۰، بمطابق ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ
بوقت شب ۱۲:۲۵

چکوال

❀ تعارف - محلِ وقوع - تاریخی اہمیت
تہذیبی پس منظر اور تلہ گنگ سے موضع ”بھیں“
میں قائدِ اہلِ سنت رحمہ اللہ کے اجداد کی منتقلی

❀ مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا
تعارف اور خدمات

؎ خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ضلع چکوال
تعارف، محلّ وقوع اور تاریخی اہمیت

پنجاب کے اہم ترین اضلاع میں سے ایک ''ضلع چکوال'' ہے۔جو کہ پانچ تحصیلوں پر مشتمل ہے۔
① چکوال ② تلہ گنگ ③ کلر کہار ④ چوآسیدن شاہ اور ⑤ لاوہ۔
جب کہ ۶۸ یونین کونسلیں ہیں، چکوال میں قومی اسمبلی کے دو این اے ۴۰ اور ۴۱، جب کہ صوبائی اسمبلی کے چار حلقے PP-20 (چکوال۔ ①) PP-21 (چکوال۔②) PP-22 (چکوال۔③) PP-23 (چکوال۔④) کے حلقے آتے ہیں۔ چکوال کو ۱۹۸۵ء میں صدر ضیاء الحق کے دور مارشل لاء میں ضلع کا درجہ دیا گیا تھا اور اس سے قبل یہ پرانے وقتوں سے ''ضلع جہلم'' کی تحصیل ہوا کرتا تھا۔محلّ وقوع کے اعتبار سے چکوال کے شمال میں ضلع راولپنڈی، جنوبی سمت میں ضلع جہلم، مشرقی سمت میں ضلع خوشاب اور جانبِ مغرب ضلع میانوالی ہے۔ضلع چکوال کا کُل رقبہ ۶۶۰۹ کلومیٹر اور ۱۱۶۵۲۴۴۳ ایکڑ تک پھیلا ہوا ہے۔جنوبی حصے میں زیادہ تر پہاڑی سلسلہ واقع ہے اور سطح سمندر سے ۳۷۰۱ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔جبکہ شمال میں زیادہ تر حصہ دریاءِ سواں کے قریب واقع ہے۔چکوال میں پہاڑی سلسلہ کے ساتھ ساتھ ایک طویل رقبہ بارانی بھی ہے اس لیے یہاں کی کاشتکاری میں بارش کا بہت اہم عمل دخل ہے۔زیادہ تر لوگ دیہی علاقوں میں آباد ہیں اور دیہات کو مقامی زبان میں ''گراں'' کہا جاتا ہے، جبکہ چند ایک دیہات ''چکوک'' کے ناموں سے بھی موسوم ہیں مثلاً چک باقر شاہ، چک ملوک اور چک نورنگ وغیرہ وغیرہ۔ چکوال تاریخی اعتبار سے ایک اہم خطہ ہے اور ماضی کی لاتعداد یادداشتیں یہ دھرتی اپنے سینے میں سمائے محوِ خواب ہے۔ قیام پاکستان سے قبل یہاں پر ہندو، سکھ اور مسیحی قومیں بھی آباد تھیں۔۱۹۴۷ء میں زیادہ تر قومیں ہندوستان ہجرت کر گئیں، جبکہ بھارت سے آنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یہاں کے مقامی مسلمانوں میں آ کر آباد ہو گئی۔۱۸۹۱ء کے اعداد و شمار کے

مطابق اس کی کل آبادی ۹۱۲ ۶۴ تھی۔ تحصیل چوآ سیدن شاہ میں کلر کہار روڈ کے قریب ۳۰۰۰ قبل از مسیح کے ''تیس راج'' کے کچھ آثار اب بھی وہاں پائے جاتے ہیں۔ یہاں کی ایک قدیم آبادی ''دھمیال'' میں ہندو راج سے وابستہ یادوں کا ایک تانا بانا بندھا ہوا ہے۔ علاقہ ''دھمیال'' کو برطانوی دورِ حکومت میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ کیونکہ یہاں فوج کی ایک بڑی چھاؤنی تھی اور تلاشِ روزگار میں لوگ ۱۹۲۰ء کے زمانہ میں بالخصوص یہاں کا رخ کیا کرتے تھے۔

تلہ گنگ

ہمارے ممدوح حضرت قائد اہل سنت کا خاندان چونکہ تحصیل تلہ گنگ سے ''موضع بھیں'' منتقل ہوا تھا۔ اس لیے اس تحصیل کا قدرے اختصار سے تعارف بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ ۲۳ یونین کونسلوں پر مشتمل، تحصیل کا صدر مقام ''تلہ گنگ'' کا خطہ بھی ہزاروں سال پرانی تاریخ سے مربوط ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ گوہر علی عرف ''گنگ'' کے نام سے منسوب ہے[1]۔ کسی دور میں یہ ''اعوان محل'' کے نام سے معروف تھا، اور گوہر علی کا تعلق بھی اعوان برادری سے تھا۔ گوہر علی بابا قطب شاہ کے بیٹے مزمل علی عرف ''کلغان'' کے بیٹے غلام علی عرف ''عدی'' کا بیٹا تھا۔ ان کی اولاد آج بھی یہاں مقیم ہے اور ''گنگ اعوان'' کہلواتے ہیں۔ گنگ، اعوان قبیلہ کی ایک گوت ہے۔ چونکہ یہ علاقہ سطح سمندر سے کافی نیچے تھا اس لیے اسے ''تلہ'' کہا جاتا تھا، اور ''گنگ'' قوم یہاں آباد تھی تو لوگوں نے اسے ''تلہ گنگ'' کا نام دے دیا اور پھر یہ نام ملکی سطح پر خاصا مشہور ہوگیا، خصوصاً آج جبکہ سڑکوں کے جال بے حد طویل و عریض اور کمال انسانی منصوبہ بندیوں سے اس طور بچھا دیئے گئے ہیں کہ سینکڑوں میلوں کی مسافت سمٹ کر ایک نگاہ میں آچکی ہے، تو تلہ گنگ کو مزید اہمیت مل گئی ہے۔ اعوان برادری کی مختلف گوتوں، اور شاخوں کے علاوہ یہاں دیگر برادریاں بھی پائی جاتی ہیں، یہاں کی فصل میں سے ''مونگ پھلی'' جانوروں میں اعلیٰ نسل کے بیل اور جوتوں میں مردانہ چپل جسے ''کھیڑی'' کہا جاتا ہے اور سنہری طلاء والے کھسے بہت معروف ہیں۔ کاروبار، صنعت و حرفت اور کاشتکاری کے اعتبار سے گویا ''تلہ گنگ'' کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

---

[1] ایک تاریخی قول یہ بھی ہے کہ ''گنگ'' ایک ہندو قوم تھی، اور علاقہ کافی نیچا ہونے کی وجہ سے ''تلہ'' کہلاتا تھا، جس سے ''تلہ گنگ'' بنا، اللہ اعلم۔

تحصیل ''کلر کہار'' طویل پہاڑی سلسلہ پر مشتمل ایک خوبصورت علاقہ ہے، زیادہ تر پہاڑ اگرچہ خشک اور غیر سرسبز ہیں، تاہم بعض علاقے مقامی و بیرونی سیاحوں کے لیے دلچسپی کا سامان رکھتے ہیں، خصوصاً کلر کہار کی جھیل اور اس کے قریب کھنڈوعہ میں ''نڑمی جھیل'' عمدہ اور قابل دید تفریحی مقامات ہیں، اس کی چند اہم اور قدیم آبادیوں کے نام یہ ہیں:

خیر پور، کرولی، کھوکھر بالا، وڑالہ، ملوٹ، رکھ ملوٹ، چک خوشی، کھنڈوعہ، رکھ بخشی، مکھیال، مہال کلیجی، گاھی، بوچھال خورد، چک مصری، مانک پور، بھسین، دھرکنہ، کہوٹ، جھامرہ، رکھ سمرقند، نور پور، لاپھی، بھلیال، منارہ، سیتھی، وسنال، ٹنیالہ، بھرپور، بھٹی گجر، چک چاٹلہ، تھر چک اور ''ولانہ میرا'' وغیرہم اہم آبادیوں کے نام ہیں۔

کتب تواریخ سے مترشح یہ بات تقریباً پایۂ ثبوت کو پہنچ رہی ہے کہ ہزاروں سال پرانی تاریخ سے وابستہ چکوال کو اولیاء کرام، علماء دین، اور تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی سرزمین کہا جاتا ہے۔ اور دنیا بھر میں اہل چکوال اپنی مخصوص پہچان رکھتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اردو اور پنجابی غزل کے بانی حضرت شاہ مراد کا تعلق بھی چکوال سے تھا، یہاں کے بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ دھنی زبان کا لب ولہجہ اور لفظوں کا زیر و بم اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ تمام پنجابی زبانوں اور لہجوں میں سے قدیم ترین لہجہ ''دھنی'' ہے۔ اور یہ دھنی وہ زبان ہے کہ جس کا چربہ نہیں کیا جاسکتا، ''وَٹ، تینڈا امینڈا'' جیسے الفاظ دھنی زبان میں اکثر صوفیہ کرام کی شاعری میں ملتے ہیں۔ دھرتی چکوال کے گمنام گوشوں کو بے نقاب کرنے کے لیے اہل چکوال ایک مدت سے جستجو کرتے چلے آرہے ہیں اور اب جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھرپور فائدہ اٹھائے اگلی اور موجودہ نسلوں کو ''چکوال شناسی'' کروائی جارہی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تحصیل ''تلہ گنگ'' سے چاروں صوبوں کو رستے نکلتے ہیں، بلکہ اسے ''بین الاقوامی'' گزر گاہ کی حیثیت بھی حاصل ہے۔

چکوال میں قدیم تہذیب کے آثار

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق علاقہ کی آبادی ۸ لاکھ ۶۰ ہزار سے زائد تھی، اب چالیس سال کے بعد کی آبادی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قدر بڑھی ہوگی۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر آیا ہے کہ ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادنخان کے ''تھانہ چوآسیدن شاہ مع علاقہ ونہار'' اور ضلع اٹک کی قدیم تحصیل ''تلہ گنگ'' کو تحصیل چکوال کے ساتھ ملا کر ''ضلع چکوال'' تشکیل دیا گیا تھا، جس کے بعد یہاں نئی ترقی کا

دور شروع ہوا۔ اور نہایت سرعت کے ساتھ اس نے علاوہ دیگر کے، فوجی اور عسکری لحاظ سے بھی کافی اہمیت حاصل کی ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے چکوال سطح مرتفع کوہستان نمک (پوٹھوہار) کا حصہ ہے جسے بلحاظ سطح، تین حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے: (۱) پہاڑی حصہ (۲) ناہموار حصہ (۳) وادی سواں کا پہاڑی حصہ، جو دلجبہ اور نیلی پہاڑ سے لے کر سون سکیسر کی پہاڑیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی سطح سمندر سے بلندی کم وبیش دو ہزار فٹ تک ہے۔ اور مسٹر برنڈ رتھ کا کہنا ہے کہ یہ علاقہ شمالی ہند کے خوبصورت علاقوں میں سے ایک ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق اس خطہ کی تہذیب کائناتِ انسانی کی قدیم ترین تہذیب ہے۔ ضلع چکوال کے ایک مضافاتی علاقہ ''ڈھلال'' میں ایک ایسی بستی کا سراغ ملا ہے جس کے باشندے سات ہزار قبل مسیح میں پتھروں سے بنائے گئے اوزار استعمال کرتے تھے، اب تو اہل چکوال یہ دعویٰ بھی کر بیٹھے ہیں کہ نظریہ علاقہ واریت (Deory Regiohalism) کے مطابق اس خطے میں سب سے پہلے انسان کی آمد، ظہور یا پیدائش بھی اسی علاقہ میں ہوئی تھی۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے پھلنے پھولنے کا آغاز پوٹھوہار کے خط میں اس جگہ سے ہوا تھا۔ تاہم یہ ایک انسانی تحقیق ہے جس سے دلائل کے ساتھ رد و قبول کرنے کا ہر ایک کو اختیار حاصل ہے۔ یاد رہے کہ چکوال سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر جنوب کی جانب چوآ سیدن شاہ سے کلر کہار جانے والی سڑک پر واقع ہندوؤں کا معروف مندر اور چشمہ ''کٹاس'' بھی واقع ہے ہندوؤں کے مطابق کٹاس قدیم زمانوں سے ان کے ہاں متبرک مقام چلا آ رہا ہے۔ اور ہندوؤں کی مشہور زمانہ ''رزمیہ داستان'' مہا بھارت میں اس کا تذکرہ موجود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے تین سو سال پہلے کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ اور اس میں ''پانڈو بھائیوں'' کے حوالہ سے تذکرہ پایا جاتا ہے۔ کلر کہار کے پُرفضاء مقام پر مغلیہ خاندان کے بانی ظہیر الدین بابر کا تخت اور اس کا بنا ہوا باغ موجود ہے جسے باغِ صنعاء اور تخت بابری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سابقہ سطور میں گزر چکا ہے کہ چکوال اور تلہ گنگ کو اعلیٰ نسل کے بیلوں اور گھوڑوں کی وجہ سے ملک گیر اور مخصوص حلقوں میں عالمگیر شہرت حاصل ہے۔ علماء کرام اور صوفیہ عظام کے علاوہ برطانوی دور میں بھی اور قیام پاکستان کے بعد بہت سے لوگوں کا تعلق فوج سے رہا ہے۔ دوسرا ہندوستانی صوبیدار خداداد خان کا تعلق چکوال سے تھا جنہیں وکٹوریہ کراس ملا تھا، علاوہ ازیں ہندوستانیوں میں سے برطانوی فوج میں جنرل کے عہدے پر پہنچنے والے محمد اکبر خان بھی یہیں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ لوگ عموماً اعوان نسلوں کے افراد تھے جن کی مختلف گوتیں اور شاخیں رہی ہیں۔

جی ٹی روڈ پر سفر کرتے ہوئے لاہور اور جہلم سے براستہ سوہاوہ اور مندرہ ''چکوال'' کو رستہ جاتا ہے جبکہ موٹروے سے لاہور تا اسلام آباد (دارالحکومت) سفر کرتے ہوئے براستہ کلر کہار اور بلکسر انٹر چینج سے ''چکوال'' منسلک ہے۔

چکوال کی مقامی زبانیں

پرانے وقتوں سے ہی یہاں کے رہائشی پنجابی زبان بولتے ہیں مگر یہ پنجابی وہ نہیں جو لاہور، فیصل آباد، جھنگ، ٹوبہ ٹیک سنگھ یا وسطی پنجاب کے دوسرے شہروں میں معروف اسلوب میں بولی جاتی ہے، بلکہ یہاں کی ''پنجابی'' تین لہجوں میں بولی جاتی ہے، ان تینوں لہجوں کے نام یہ ہیں:

① دھنی ② ماجھی ③ پوٹھوہاری۔

اور قومی زبان ''اردو'' ہونے کی وجہ سے سبھی بے تکلف بول لیتے ہیں، جبکہ پرانی طرز کے بزرگ مجبوراً اردو میں ماجھی، اور دھنی لہجوں کی آمیزش کر کے کبھی ادبی ماحول سوگوار اور کبھی نہایت خوشگوار بھی کر دیتے ہیں۔ مزید کھوج لگانے سے مترشح ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب مجاہدین ہندوستان کی سرزمین کو انگریزوں سے واگزار کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے تو اس زمانہ کے سردار، رئیس، زمیندار اور بعض پیران کرام انگریزوں کی ہمدردی میں اِدھر سے اُدھر وفاداریوں کے راگ الاپ کر جائیدادیں بٹور رہے تھے۔ چنانچہ برطانوی افواج کے خزانہ کی چکوال سے راولپنڈی منتقلی کروانے میں یہاں کے وڈیروں اور چوہدریوں نے معاونت کر کے خلعتیں پائیں اور جاگیریں حاصل کیں، ۱۹۴۷ء میں اقلیتیں یہاں سے انڈیا منتقل ہو گئیں مگر وہ اس شہر سے وابستہ اپنے خیالات کے دلدل سے باہر نہ آسکیں اور آج بھی وہ چکوال کو کسی نہ کسی صورت میں یاد رکھتی ہیں۔

اعوان برادری کی موضع ''بھلومار'' تلہ گنگ سے موضع ''بھیں'' منتقلی

''تلہ گنگ'' میں کم وبیش ۲۳ یونین کونسلیں اور ۱۴۰ سے زائد دیہات وقصبات موجود ہیں جن میں ٹمن، پچنند، نکہ کہوٹ، دھولر، جنیال، ترگڑ، اکوال، تھوہا محرم خان، ڈھوک بازا، ملتان خورد، چنجی، ڈھرنال، بدھڑ، دندہ شاہ بلاول، اور جھاٹلہ وغیرہم معروف ہیں، انہی قدیم آبادیوں میں سے ایک آبادی موضع ''بھلومار'' ہے۔ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے آباء واجداد اسی موضع سے ''بھیں'' میں منتقل ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت کی بدست خود ایک تحریر ذاتی ڈائری میں یوں درج ہے۔

''شجرہ نسب اعوان حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، ہمارے اجداد موضع ''بھیں'' تحصیل چکوال میں موضع بھلو مار تحصیل تلہ گنگ سے آئے ہیں۔ بھیں کا شجرہ حسب ذیل ہے:

مہر محمد — گل محمد — اللہ نور

حافظ صدر الدین ← مولانا محمد کرم الدین

حافظ نور حسن ← مولانا محمد حسن فیضی
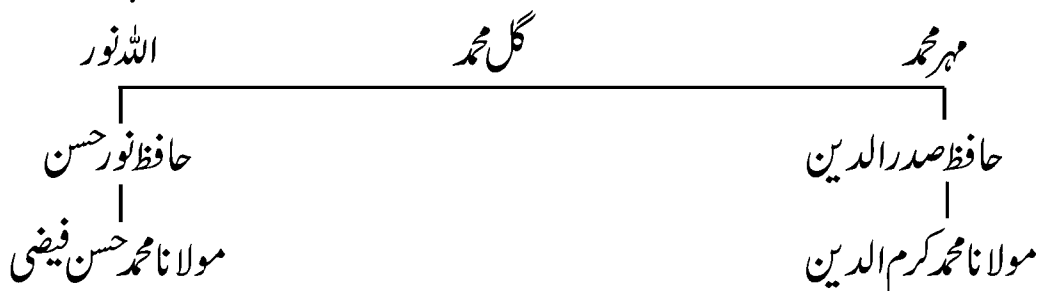
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان اڑھائی تین سو سال قبل تحصیل تلہ گنگ سے موضع ''بھیں'' منتقل ہوا تھا، کیونکہ ۱۸۵۳ء میں ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی ولادت ''بھیں'' میں ہوئی تھی، اور اس سے اوپر کی تین نسلیں بھی ''بھیں'' ہی میں پروان چڑھیں۔ خاندان میں اگرچہ حفاظِ قرآن مجید موجود رہے، جیسا کہ بزرگوں کے ناموں کے سابقے سے ظاہر ہو رہا ہے، تاہم اس خاندان کی جس سرسبز شاخ سے علم و فضل کے پھول اُگے اور برصغیر بھر میں اپنی خوشبوؤں کا لوہا منوا گئے، اس شاخ کا نام ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ ہے، آپ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے والد گرامی، معتبر عالم دین، مصنف کتب کثیرہ، مرزا قادیانی کیخلاف جلسوں سے لے کر عدالتوں کے کٹہروں تک سینہ سپر، روافض کی تردید میں شمشیر بے نیام، میدانِ صحافت کے گل سرسبد، فن مناظرہ میں کامل دستگاہ رکھنے والے، شاعری و نثر نگاری میں ادیب یگانہ، اور دعوت و ارشاد کے میدان میں بے پناہ خداداد صلاحیتوں کے مالک، بیدار مغز، کمالاتِ علمی و عملی کے پیکر اور نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز جیسے رختِ سفر کے ساتھ میر کارواں کا فریضہ سرانجام دیتے دیتے خلاق عالم کی کرم نوازیوں سے بالآخر مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے روپ میں ایک ایسا فرزند دلبند مسلمانانِ وطن کے سپرد کر گئے کہ جنھوں نے اپنے عظیم والد گرامی کے روشن کئے ہوئے چراغوں کی لَو بلند رکھی۔ اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے بے مثال خدمات کا ایک لافانی سلسلہ جاری فرما دیا، تو آیئے پہلے عظیم بیٹے کے اس عظیم والد گرامی کے مشک بار تذکرہ سے اپنے مشام جاں نہال کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ چند سال قبل کاتب السطور کے قلم سے ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی مستقل اور دلچسپ سوانح حیات شائع ہو کر اہل علم سے دعائیں وصول کر چکی ہے۔ الحمد للہ علی ذالك۔

''بھیں'' میں مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی ولادت

چکوال سے راولپنڈی جانے والی سڑک پر دس کلو میٹر کے بعد دائیں طرف مڑیں تو تقریباً گیارہ کلو میٹر کے فاصلے پر مشہور گاؤں ''بھیں'' ہے۔ اگرچہ اس گاؤں کو آباد ہوئے پانچ سو سال کا عرصہ بیت رہا ہے مگر اس کی وجہ شہرت ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کا مولد و مسکن ہونا ہے۔ موضع بھلو مار تلہ گنگ سے یہاں منتقل ہونے والی اعوان برادری میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور ۱۸۵۳ء آپ کا سن ولادت ہے۔ ''بھیں'' کا لفظی معنٰی ہے صبر والا، اور یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ چکوال کے ایک مقامی شاعر کے اس کے متعلق چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں، شاعر کا نام سلطان علی زلفی ہے:

لفظ سنسکرت دا بھیں اے صبر والا
دانائے راز حکیم سدان والا
ہندوستان دی وڈی تاریخ اندر
کرم دین داناں اے رحمان والا
وڈا عالم تے فخر علماء دسدا
تذکرہ دین دا بہوں الان والا
قاضی مظہر حسین اظہارِ ربی
کھول پوتھیاں وعظ سنان والا
بھیں کرم تے مظہر، ظہور دا اے
اپنے اللہ دا ناں الان والا
گجھ بندے تقدیر پلٹ دیندے
زلفی بھیاں نوں شرف رحمان والا

مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ نے جب بچپن میں قدم رکھا تو اس زمانہ میں مروجہ نظام کے مطابق آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔ بنیادی تعلیم اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی اور پھر مختلف شہروں میں ماہرین علوم و فنون کے پاس جا کر علم کی پیاس بجھاتے رہے اس کے بعد مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ اپنے چچا زاد بھائی اور بہنوئی مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کے ہمراہ لاہور چلے آئے اور یہاں

آپ کو مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ کے پاس کسب فیض کے مواقع میسر آئے۔ مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ اورنٹیل کالج میں پرنسپل تھے اور سبعہ معلقہ وحماسہ کے مشہور استاذ تھے دور دراز سے طلبہ علم آپ کے پاس آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ اور مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ نے ان سے مختلف علوم کی کتابیں پڑھیں اور مہارت تامہ حاصل کی۔ مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ کے علاوہ لاہور میں مولانا قاضی حمید الدین لاہوری اور مولانا مفتی حکیم سلیم اللہ بھی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ اس کے بعد آپ سہارنپور تشریف لے گئے اور حضرت مولانا علامہ احمد علی رحمہ اللہ محدث سہارنپوری کے پاس کتب احادیث پڑھ کر درسی علوم کی تکمیل کی۔ مدرسہ سہارنپور کے فضلاء کرام کی جو فہرست شائع ہوئی تھی اس میں حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر کا نام بھی شامل ہے، یہ فہرست مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کی ضخیم کتاب بعنوان ''علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی تصنیفی خدمات'' میں شامل ہے اور اس کی جلد نمبر ۴ کے صفحہ نمبر ۳۵۳ پر مولانا دبیر مرحوم کا ذکر بھی ہے۔ بندہ نے اس سے قبل ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی بھی مفصل سوانح لکھی ہے جس کے یکے بعد دیگرے تین اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ الحمد للہ علی ذالک۔ اس میں مندرج تحقیق کے مطابق مولانا دبیر مرحوم کا سن فراغت ۱۸۷۹ء ہے۔ یعنی ۲۶ سال کی عمر میں آپ نے اپنے سر پر دستار فضیلت بندھوائی تھی۔ چنانچہ مدرسہ مظاہر علوم کے ابتدائی فضلاء میں آپ کا نام تیرھویں نمبر پر ہے۔ مذکورہ سن فراغت کی اطلاع ہمیں آپ کی اپنی ایک تحریر سے بھی ملتی ہے۔ آپ رحمہ اللہ اپنے ایک نادر اور علمی بحث پر مشتمل رسالہ میں ۱۳۰۰ھ کے حوالہ سے کوئی واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''میں اس وقت نیا نیا ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر آیا تھا۔''[1]

آپ کے چچا زاد بھائی مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کا سن ولادت ۱۸۶۰ء اور سن وفات ۱۹۰۱ء ہے۔ یوں محض چالیس سال کی عمر میں انہوں نے اپنے علم وفضل اور ذہانت وذکاوت کے وہ جوہر دکھائے کہ احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا تعاقب کرنے میں مولانا محمد کرم الدین کے ساتھ آپ بھی پیش پیش رہے، اعلیٰ درجہ کے ادیب اور تمام علوم عربیہ کے فاضل تھے۔ سیالکوٹ میں مرزا قادیانی سے ایک ملاقات میں غیر منقوط عربی قصیدہ لکھ کر اُسے پیش کیا اور ترجمہ کرنے کا چیلنج کیا، مگر مرزا صاحب حیرت سے منہ تکتے رہ گئے اور انہیں ترجمہ کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے دل

---

[1] محمد کرم الدین دبیرؒ، ابوالفضل، مولانا/ ہدیۃ الاصفیاء فی مسئلہ سماع الصلحاء/ مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور

ہی دل میں مولانا فیضی مرحوم کے ساتھ بغض وعداوت کے جذبات پالنا شروع کردیے تا آنکہ ۱۹۰۱ء میں جب طویل عرصہ بیماری کاٹنے کے بعد اُن کا انتقال ہوا تو مرزا صاحب نے اسے اپنی بد دعا کا کرشمہ قرار دیا، یعنی مولانا فیضی میری بد دعا سے فوت ہوئے ہیں، علاوہ ازیں اپنے رسالہ ''کشتی نوح'' اور دیگر کئی ایک اشتہاروں اور کتابچوں میں دل کھول کر ان دونوں بھائیوں کے خلاف اپنی قلبی بھڑاس نکالی، مولانا فیضی کی وفات کے بعد مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اُن کی جدائی کا بہت دکھ محسوس کیا۔ اپنے مرحوم بھائی کی جدائی میں عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ پنجابی زبان میں بھی مرثیے لکھے جو اُس زمانہ کے معروف اخبارات اور مذہبی ماہانہ رسالوں میں شائع ہوئے۔ چنانچہ انجمن نعمانیہ لاہور کے ''ماہواری رسالہ'' بابت نومبر و دسمبر ۱۹۰۱ء میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا ایک طویل او دردناک مرثیہ، جو کہ راقم الحروف نے اپنی مطبوعہ کتاب ''ابو الفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، حیات و خدمات'' میں مکمل شامل کردیا ہے کے چند اشعار یہاں بھی ملاحظہ فرمائیں:

ہائے اس وقت نہیں کُوچ بلانا فیضی
آتشِ ہجر سے دِل کو نہ جلانا فیضی

چاند سی شکل تجھے بخشی ہے مولیٰ نے تری
بدرِ رخسار ہم سے نہ چھپانا فیضی

مہ جبیں پر تری قربان ہیں حسینانِ جہاں
نازنین چہرہ مٹی میں نہ ملانا فیضی

ابھی چلنے کا ترے وقت نہیں بھائی مرے
باندھ لی کیسے کمر او مرے دانا فیضی

ابھی گلزار جوانی کی ہے تازہ بہار
نہ چمن پھولا پھلا اپنا لٹانا فیضی

موجزن بحر ترے علم کا عالم میں ہے
پارہا فیض ہے بس سارا زمانہ فیضی

عمر چھوٹی میں ملے ایسے کمالاتِ علوم
فاضلوں نے ہے ترے فضل کو مانا فیضی

منتظر بیٹھے ہیں دیدار کو شاگرد ترے
اک جھلک پھر ذرا ان کو دکھانا فیضی

شعر سننے کا ترے شوق ہے اسلامیوں کو
عربی میں کوئی قصیدہ بھی بنانا فیضی
ہند و پنجاب میں اندھیرا ہی ہوجائے گا
ڈوب جائے گا جو یہ شمس زمانہ فیضی
گاہ گاہ آ کے دکھا جانا یہ سوہنا مکھڑا
لینا رخصت ، کرلینا کوئی بہانہ فیضی
روتے روتے ہی گزر جائے گی اب عمر دبیر
کر گیا ہم کو مصائب کا نشانہ فیضی [1]

اس قصیدہ کے منتخب اشعار سے مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور ان کے عزاد مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کے مابین محبت واخوت اور باہم اعتماد والفت کا خوبصورت اور قابل رشک نمونہ بخوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف علمی، تاریخی اور عدالتی معرکہ

مولانا محمد کرم الدین دبیر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے مرزا قادیانی کے روبرو کھڑے ہوکر تحفظ ختم نبوت کا نہایت بے جگری کے ساتھ مردانہ وار تحفظ کیا، اور جہلم و گورداسپور کی عدالتوں میں انہیں رسوا کیا۔ ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۳ء کے ان عدالتی معرکوں کو متحدہ برصغیر کی تاریخ میں نمایاں مقام اور حیثیت حاصل ہے۔ اس زمانہ میں مولانا دبیر رحمہ اللہ ہفت روزہ ''سراج الاخبار'' کے مستقل کالم نگار تھے، یہ اخبار جہلم سے نکلتا تھا اور مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کے قریبی دوست مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ اس کے ایڈیٹر تھے، انہوں نے جہلم ہی میں ''سراج المطابع'' کے نام سے اپنا پریس چلا رکھا تھا، مرزا قادیانی کے خلاف اس تمام تر جدوجہد کی کارگزاری ساتھ ہی مذکورہ اخبار میں شائع ہوکر لوگوں کی توجہات کا منبع بنتی رہتی۔ پھر اس روداد کو مولانا محمد کرم الدین علیہ الرحمۃ نے بدستِ خود ترتیب دے کر ایک مستقل کتاب ''تازیانہ عبرت'' کے نام سے شائع کردی تھی۔ جو متواتر چھپتی، اور اہلِ ایمان سے داد وصول کرتی چلی آرہی ہے۔

---

[1] قصیدہ مشمولہ ذاتی ڈائری مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ محررہ ۱۹۰۱ء۔

نوٹ: مولانا محمد کرم الدینؒ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتاب میں یہ قصیدہ مکمل چھپ چکا ہے ارباب ذوق مراجعت فرمالیں۔ سلفی

مرزا قادیانی کے علاوہ بھی مرزائیوں کے بڑے بڑے مناظرین سے آپ کے مناظرے ہوئے جس کے حوالے اور ثبوت مرزائیوں کی شائع شدہ کتابوں ہی سے اگر بلا نقد و تبصرہ الگ سے جمع کئے جائیں تو ایک کتاب وجود میں آسکتی ہے۔ اس لیے یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اس محاذ پر جتنا کام اپنے زمانہ میں حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے کیا، یہ اُنہی کا اعزاز تھا اور وہ جانب اللہ اس مقدس فریضہ کے لیے منتخب ہو چکے تھے اس لیے تاریخ کا کوئی طالب علم یہ تاریخ لکھتے یا پڑھتے ہوئے اگر مولانا محمد کرم الدین کو اپنی لاعلمی اور کوتاہی کی وجہ سے فراموش کرے گا تو اس کی نا قابل برداشت غفلت شمار ہوگی اور اگر کوئی جان بوجھ کر کسی عناد و عداوت کی وجہ سے ایسا کرے گا تو وہ صرف تاریخ پر نہیں، بلکہ حق و صداقت کے ساتھ ظلم کا ارتکاب کرے گا، اور سچ کے ساتھ ظلم کرنے والے خود غیبی اور ظالم طاقتوں کا لقمہ بن جاتے ہیں، مگر سچ کی کرنوں کو کسی مٹھی میں بند کر کے نہیں رکھ سکتے۔

آپ نے اپنے قلم گوہر بار سے تصانیف و تالیفات، اور مضامین و مقالات کا ایسا ذخیرہ چھوڑا ہے کہ جسے اہل علم نے بطور حوالہ و مصدر قبول کیا، آپ نے سلسلۂ قلم و قرطاس کا باضابطہ آغاز ۱۸۸۰ء کے زمانہ میں ایک عربی رسالہ ''تاج المتقین'' لکھ کر کیا، اس کے بعد کی کتابوں کا مختصر تعارف یہ ہے۔

① السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس میں قرآن مجید کی چالیس عدد آیات سے نہایت عالمانہ، والہانہ اور عاشقانہ انداز میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی عظمت و منقبت ثابت کی گئی ہے، اولاً ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔ ثانیاً ۱۹۲۹ء میں اور ثالثاً اکتوبر ۲۰۱۱ء میں کاتبِ السطور نے بہ توفیق الٰہی ادارہ مظہر التحقیق لاہور سے شائع کروائی ہے۔

② تازیانۂ سنت: یہ ۱۹۱۱ء میں تلہ گنگ کے اندر ہونے والے ایک تاریخی مناظرہ کی یادگار روداد ہے، جسے اضافے کے ساتھ مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ نے کتابی صورت میں شائع فرمایا، یہ نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ اور ۲۰۱۱ء میں دوبارا شائع ہو چکی ہے۔

③ آفتاب ہدایت ردِ رفض و بدعت: یہ کتاب مولانا دبیر مرحوم کی پہچان بنی، رد شیعیت پر بے مثال کتاب ہے جس نے برصغیر بھر کے اندر اپنی علمیت، طرزِ استدلال اور اردو ادبیت کا لوہا منوایا، اس کا پہلا اڈیشن ستمبر ۱۹۲۵ء میں کریمی سٹیم پریس لاہور سے شائع ہوا تھا، یہ کتاب امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دی تھی جس کا ذکر حضرت مولانا قاضی

مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''کشف خارجیت'' میں کیا اور یہ کتاب حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ نے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ سے اس وقت منگوائی تھی جب اس کا تیسرا اڈیشن شائع ہوا تھا، علاوہ ازیں مرزائیوں کیخلاف ایک مقدمہ میں امیر شریعت رحمہ اللہ نے مولانا دبیر رحمہ اللہ کو بطور گواہ صفائی بھی طلب کیا تھا، جس میں مرزائیوں کی جرح کے جواب میں مولانا دبیر نے ایسے مسکت اور مدلل جوابات دیئے کہ آپ کی ذہانت و حاضر جوابی پر مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔ مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کی زندگی میں اور وفات (۱۹۴۶ء) کے بعد تیس سال تک علماء امامیہ اس کا جواب لکھنے سے عاجز رہے، تا آنکہ ۱۹۷۴ء میں سرگودھا کے شیعہ مجتہد مولانا محمد حسین صاحب ڈھکو نے اس کا جواب ''تجلیاتِ صداقت'' کے نام سے لکھ کر شائع کیا، جس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے تفصیلی جواب لکھنا شروع کیا تھا، جس کے مسودہ کے تقریباً ۳۰۰ صفحات بندہ کی تحویل میں موجود ہیں، مگر اپنی بے پناہ تحریکی مصروفیات کی وجہ سے آپ اس کا مکمل ردقلمبند نہ کر سکے تھے، البتہ ایک مختصر جواب ''تجلیات صداقت پر ایک اجمالی نظر'' کے نام سے کئی بار اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ پھر قائد اہل سنت نے اس کے جواب کی ذمہ داری سلطان العلماء حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب پر ڈالی جنہوں نے حق رفاقت ادا کر دیا، اور دو مجلدات پر مشتمل بڑے سائز کے کم و بیش ۱۴۰۰ صفحات پر محیط شاندار کتاب ''تجلیاتِ آفتاب'' لکھ کر حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی علمی عظمت کو رہتی دنیا تک زندہ کر دیا۔ اس کتاب پر مزید معروضات آمدہ سطور میں گاہے ماہے آتی رہیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

④ فیضِ باری ردّ تعزیہ داری: رسوماتِ محرم الحرام کی اصلاح و تردید میں نہایت دل آویز رسالہ ہے جو پہلے پہل ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔ اب ادارہ مظہر التحقیق لاہور سے متواتر شائع ہو رہا ہے۔

⑤ آئینہ مذہب شیعہ: شیعہ مذہب کے ۸۳ فقہی مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جنہیں عقل و نقل اور روایات و درایات کی روشنی نصیب نہیں ہے۔

⑥ تازیانۂ عبرت: مرزا قادیانی کیخلاف عدالتی کاروائیوں کی مکمل کارگزاری ہے، کتاب ہذا کی ایک ایک سطر معلومات افزاء اور دلچسپی کا مرقع ہے پہلا اڈیشن ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ اب بارہا مرتبہ چھپ چکی ہے۔

⑦ ہدیۃ الاصفیاء فی مسئلہ سماعِ الصلحاء: ایک معاصر عالم دین کے جواب میں شائع کیے جانے والے اس کتابچہ کا مضمون اپنے نام کی طرح نہایت لطیف اور نفیس ہے اور پڑھنے سے تعلق

رکھتا ہے۔

⑧ ''ھدیۃ المتنفلین'' یہ کتابچہ بھی مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ایک علمی اور فقہی رائے کا عکاس ہے، جس کا مطالعہ اہل علم کے لیے مفید ہے جبکہ عوام الناس کے لیے غیر مفید ہے۔

یاد رہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی تمام کتابیں دورِ حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق ادارہ مظہر التحقیق لاہور کی جانب سے ازسرِنو شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ کریم کے ہم شکر گزار ہیں کہ اس خدمت کے لیے اس نے ہمیں توفیق مرحمت فرمائی اور ہم نامساعد حالات میں یہ بڑا ذخیرہ امت کے ہاتھوں پہنچانے کے قابل ہو سکے۔ حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کا وصال ۱۷ جولائی ۱۹۴۶ء میں بمقام حافظ آباد ہوا، صاحبزادہ ضیا الدین جو اس سفر میں ہمراہ تھے۔ اپنے والد گرامی کی میت گاؤں لائے اور خطہ ہند کے یہ معروف و مشہور عالم دین اپنے آبائی گاؤں ''موضع بھیں'' میں سپردِ لحد کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

چونکہ آگے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے باضابطہ تذکرہ میں والد گرامی حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا ذکر تقریباً اکثر و بیشتر آتا ہی رہے گا، فلہٰذا اس باب کا فی الحال یہاں اختتام کر کے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

2

بابِ دوم

(۱۹۱۴ء)

❀ حضرتِ قاضی صاحبؒ کی ولادت
(تاریخ وسن کی تحقیق)

اور

سلسلۂ تعلیم وتربیت

؎ ''اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے''

قائد اہل سنت حضرت قاضی صاحبؒ کی ولادت اور سلسلہ تعلیم و تعلم

مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے دو نکاح کیے تھے، پہلی زوجہ سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی، بیٹوں کے نام یہ ہیں: ① سراج الدین ② ضیاء الدین، اول الذکر چکوال کے ایک اسکول میں زیر تعلیم تھے اور روزانہ بھیں سے شہر اپنے اسکول آیا جایا کرتے تھے کہ ایک دن نامعلوم افراد نے ان کو اغواء کرلیا، اور پھر ساری زندگی ان کا سراغ نہ مل سکا، باطل فتنے جو مولانا دبیر رحمہ اللہ کی علمی خدمات اور مسلسل تعاقب کرنے سے خائف رہتے تھے، غالب گمان یہ ہے کہ مولانا دبیر علیہ الرحمہ کو گہرا گھاؤ لگانے کے لیے انہوں نے یہ مذموم حرکت کی تھی۔ اپنے گمشدہ لختِ جگر کی بازیابی کے لیے ایک شفیق باپ نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا؟ مگر خاندانی ذرائع سے یہی ثابت ہے کہ سراج الدین نے نہ ملنا تھا، سو وہ نہ ملے اور یوں مولانا دبیر رحمہ اللہ ان کی جدائی کے غم میں اپنی حیات مستعار کے شب و روز کاٹتے رہے۔ تاہم مضبوط اعصاب، پختہ نظریات اور صاحب استقامت و استقلال ہونے کی بناء پر خدمت دین متین کے سلسلہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے قدم ڈگمگا نہ سکے۔ دوسرے بیٹے ضیاء الدین نے بھرپور عمر گزاری، برطانوی دورِ حکومت میں فوج کے اندر صوبیدار رہے، اور ریٹائرڈمنٹ (۱۹۱۴ء) کے بعد اپنے عظیم والد گرامی کی خدمت میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ گزشتہ سطور میں گزر آیا ہے کہ جب مولانا دبیر رحمہ اللہ کا ایک سفر میں حافظ آباد کے اندر انتقال ہوا تو اس وقت صاحبزادہ ضیاء الدین ہمراہ تھے جو اپنے والد صاحب مرحوم کی میت واپس "بھیں" چکوال لے گئے تھے۔ ضیاء الدین صاحب کا انتقال ۱۹۷۵ء میں ہوا تھا۔ جبکہ دوسرے نکاح سے مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں متولد ہوئیں۔ پہلا بیٹا تو پیدائش کے چند یوم بعد ہی راہیٔ عالم بقاء ہو گیا تھا۔ باقی تین کے نام یہ ہیں:

① فضل حسین ② منظور حسین ③ مظہر حسین

پہلے بچے کے نام پر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنی کنیت "ابوالفضل" رکھی، کنیت کا استخراج دو چیزوں سے ہوتا ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند قاسم کی نسبت سے "ابوالقاسم" اور حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے ''ابوالحسن'' کنیت رکھی تھی۔ اسی طرح یا کنیت کا استخراج خصوصیت سے ہوتا ہے، جیسے ابوبکر، ابوہریرہ، ابوحنیفہ وغیرہ، یا بقول علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ کہ نبی علیہ السلام نے بھی اپنی کنیت خصوصیت کی بناء پر ''ابوالقاسم'' رکھی تھی، یقسم الجنۃ بین اھلھا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق داروں میں جنتیں تقسیم فرمائیں گے[1]۔

چنانچہ اسی روایت کے تحت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ نے اپنی کنیت ''ابوالفضل'' تجویز فرمائی اور پھر یہ آپ کے نام کا حصہ بن کر رہ گئی۔ ایک دوسرا عقل وفطرت کی رُو سے استدلال ہوتا ہے کہ چونکہ عربی واردو اور فارسی میں بے لفظ نثر نگاری میں مہارت کاملہ کی وجہ سے مولانا محمد حسن (متوفی ۱۹۰۱ء) نے اپنا تخلص ''فیضی'' رکھا تھا تو انہی صلاحیتوں کی وجہ سے ممکن ہے مولانا محمد کرم الدین رحمۃ اللہ نے اپنی کنیت ''ابوالفضل'' رکھی ہو، استخراج کنیت چونکہ اولاد اور خصوصیت دونوں میں سے کسی ایک یا دونوں کی بناء پر ہوتی ہے تو بہت ممکن ہے مولانا مرحوم کے ہاں یہ چیز بھی پیش نظر ہو۔ اس لیے کہ اکبری دور کے ان دو معروف ناموں ''فیضی وابوالفضل'' کی علمی اور امتیازی شان کے آثار ان دونوں بھائیوں میں موجود رہے، جیسا کہ ابوالفضل کی ''آئین اکبری'' اور مولانا محمد کرم الدین مرحوم کی تصانیف ومقالات پڑھنے سے یہ لطیف مناسبت عیاں ہوتی ہے۔ تاہم اکبری زمانہ کے ابوالفضل وفیضی کا منحوس کردار، اسلامی اصطلاحات کے ساتھ مذاق ومسخری اور بادشاہ کے درباری ملاں بن کر جو دین اسلام کے گلزاروں کو ویران وسنسان کرنے جیسے اعمالِ بد ہیں، ان کی بناء پر ہمیں بلا وجہ اس تکلف وخلجان میں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم زمین وآسمان کے قلابوں سے ان کے مابین کسی قسم کی کوئی نسبت ثابت کرنے کی لایعنی کوشش کریں۔ فلہٰذا جہاں بات شروع ہوئی تھی، اُسی پر اکتفاء کر کے آگے بڑھتے ہیں کہ مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ نے اپنے بیٹے ''فضل'' کے نام پر اپنی کنیت ''ابوالفضل'' رکھی تھی، دوسرے نمبر کے بیٹے کا نام غازی منظور حسین شہید ہے۔ جو اپنے والد مولانا دبیر رحمۃ اللہ اور بھائی (مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ) سے خونی رشتہ اور بے مثال وابستگی رکھنے کے باوجود اپنی ذات میں بذاتِ خود ایک انجمن کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ، اپنے زمانہ میں ایک جوشیلی تنظیم ''خدام الاسلام'' کے بانی، انگریزوں اور ہندوؤں کیخلاف مسلمانوں کے حقوق کے مخلص ومتحرک محافظ ومناد، اور فطری بہادری کے جوہر دکھا کر بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ پانی کر دینے والے چکوال کے ایک تاریخی واقعہ کے اصل کردار اور بالآخر تاجِ شہادت سر پہ سجانے والے عظیم فرد فرید تھے۔ اس خورشید جہاں تاب کا ذکر مستقل

---

[1] مواہب اللدنیہ جلد نمبر ا

اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے کہیں آئے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ) تیسرے بیٹے کا نام ''مظہر حسین'' ہے۔
جی ہاں! وہی مظہر حسین جنہوں نے اپنے کمالاتِ علمیہ اور خدماتِ دینیہ سے نہ صرف اپنے عظیم والد گرامی اور خاندان کا نام روشن کیا بلکہ اپنے حسن کردار سے معاصرین و مشاہیر کے درمیان مخصوص پہچان کے ساتھ زندہ رہے اور فرقہائے باطلہ کے ساحرانہ طلسم غائب کر کے پرچم اسلام بلند فرمایا، ہزاروں گم گشتگانِ ہدایت کے لیے چشمہ آب ہدایت ثابت ہوئے اور رہتی دنیا تک اپنا شمار ان عظیم لوگوں میں میں کروا دیا جو پس مرگ زندہ رہتے ہیں۔

ولادت

اس وقت ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری بندہ کے پیش نظر ہے جو اب تک کم و بیش اپنی حیات مستعار کی ۱۲۵ بہاریں دیکھ چکی ہے۔ اس قدیم اور نایاب بیاض دبیر میں اُس وقت اور تاریخ و سن کو مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنے خامۂ عنبرِ شمامہ سے محفوظ کیا کہ جس میں ''مظہر حسین'' کتم عدم سے عرصہ وجود میں آئے اور آپ کی بابرکت ولادت ہوئی۔ چنانچہ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین، ۱۴، اکتوبر ۱۹۱۴ء روزِ سہ شنبہ، ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ، ۴ کاتک ۱۹۷۱ء، وقت ۹ بجے رات۔ اللھم زد عمرہ وسعدہٗ''

یعنی ۱۹۱۴ء کا زمانہ ہے، ایام حج قریب ہیں۔ ذیقعدہ اسلامی سال کا گیارھواں مہینہ ہے اور ''کاتک'' پنجابی و دیسی کیلنڈر کا آٹھواں مہینہ، کہ جس کے ۳۰ دن ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ دیسی مہینے پنجاب کے موسموں اور رُتوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، سال میں کل چھے موسم ہوتے ہیں اور ہر موسم کے دو مہینے ہوتے ہیں، مثلاً پہلے کا نام چیت ہے (جسے چیتر بھی کہتے ہیں) اس مہینے کی بارش اناج کی فصل کو فائدہ دیتی ہے، دوسرے مہینے کا نام ''وساکھ'' ہے، اس میں کسان لوگ فصلوں کی کٹائی کرتے ہیں، اور اس میں بارشیں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ دیسی پنجاب کا تیسرا مہینہ ''جیٹھ'' کہلاتا ہے۔ اس مہینے میں دھوپ سے بچنے کی خاص ہدایت کی جاتی ہے، جو صحت کے لیے مضر ہے اور اس میں بھی بارشیں فائدہ مند نہیں ہوتیں، چوتھے مہینے کا نام ''ہاڑھ'' ہے۔ اس میں کسانوں کو ایک بار اپنی زرعی زمینوں میں ضرور ہل چلانا پڑتا ہے، پانچویں مہینے کا نام ''ساون'' ہے۔ اس میں بارشیں موسلا دھار برستی ہیں۔ اس سے پچھلا مہینہ یعنی ''ہاڑ'' جتنا گرم گزرے، ساون اتنا زیادہ برستا ہے۔ اس لئے پرانے لوگوں کی ایک پنجابی

کہاوت مشہور ہے کہ ''ہاڑ جناں تپوگا، ساون اُناں ای وسوگا'' یعنی ہاڑ میں جتنی زیادہ گرمی ہوگی، ساون میں اتنی ہی زیادہ بارشیں ہوں گی۔ اس موسم میں کسانوں کو دو بار ہل چلانا ہوتا ہے، اسی طرح چھٹے دیسی مہینے کا نام ''بھادوں'' ہے۔ اس کی عجیب وغریب گرمی، حبس اور پسینے کو برداشت کرنا پنجابیوں کا ہی کام ہے۔ اس مہینے میں کسان لوگ اپنی زمینوں میں چار بار ہل چلاتے ہیں۔ اس مہینے کا بارشی سلسلہ بڑا دلفریب اور دلچسپ ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ ''بھادروں دا چھلا۔ اک سنگ سُکا اک سنگ گِلاّ'' یعنی اس موسم کی بارش اس طرز کی ہوتی ہے کہ جانور کا ایک سینگ گیلا ہوتا ہے اور دوسرا خشک ہوتا ہے۔ رہ چلتا آدمی اپنی دائیں طرف بارش برستی دیکھتا ہے اور بائیں جانب دھوپ کی شعائیں رقص کناں ہوتی ہیں۔ ساتواں مہینہ ''اَسوُ'' کہلاتا ہے۔ یہ مہینہ کسانوں کے لیے خوشیاں لاتا ہے، بارش بہت فائدہ مند ہوتی ہے ''وسے اسو تے اناج دی موج'' مشہور ہے۔ آٹھواں مہینہ ''کاتک'' کا ہے جس میں فصلوں کی بوائی ہوتی ہے (قائد اہل سنت کی ولادت اس ماہ کے اندر یہ لطیف نکتہ دے رہی ہے کہ کشت دبیر میں ایسی فصل کی بوائی ہو رہی ہے کہ جس سے اس امت کے ایک کثیر طبقہ کو موثر ومقوی روحانی وعلمی غذا مہیا ہوگی)۔ نواں مہینہ ''مگھر'' کا ہے۔ اس میں ہلکی ہلکی ٹھنڈ ہوتی ہے، اس لیے اس ماہ میں ہل چلاتے ہوئے زمیندار اور دہقان لوگ بہت فرحت محسوس کرتے ہیں۔ دسواں مہینہ ''پوہ'' کا ہے۔ اس مہینے میں اگر بارش ہو جائے تو فصلوں کو چاندی کی جگہ سونا لگ جاتا ہے۔ گیارھواں مہینہ ''ماگھ'' کا ہے اور بارھواں ''پھاگن'' کا ہے ان میں سردی ہوتی ہے اور کسانوں سمیت کیا انسان اور کیا پرند، چرند اور حشرات الارض ''چیتر'' کا پھر سے انتظار کرتے ہیں، کیونکہ ''پھاگن'' میں نئی گندم کی آمد آمد ہوتی ہے اور اس کے ایک، ڈیڑھ ماہ بعد بیساکھ میں جب کٹائی شروع ہوتی ہے تو جگہ جگہ گندم کے ڈھیر ایسے نظر آتے ہیں جیسے خالص سونے کے منکے جمع کر دیئے گئے ہوں۔ یہاں یہ تفصیل بھی معلومات افزاء ہوگی کہ دیسی مہینے انگریزی مہینوں کے ساتھ کس حساب سے سفر کرتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے اس خطہ پنجاب میں ''وساکھ'' اپریل اور مئی کے درمیان چلتا ہے، پھر جیٹھ مئی اور جون میں، ہاڑھ جون اور جولائی میں، ساون جولائی اور اگست میں، بھادوں اگست وستمبر میں، کاتک اکتوبر اور نومبر کے درمیان، مگھر نومبر اور دسمبر کے درمیان، پوہ دسمبر اور جنوری کے درمیان، ماگھ مارچ اور اپریل کے درمیان نیز ''چیتر'' مارچ اور اپریل کے درمیان چلتا ہے۔

بکرمی یعنی دیسی کیلنڈر میں اوقات کی تقسیم

دیسی کیلنڈر میں ایک دن کے آٹھ پہر ہوتے ہیں، جنہیں ''ویلے'' کہا جاتا ہے۔ ان پہروں

(ویلھوں) کی تفصیل یہ ہے:

1. دھمی ویلا......صبح ۶ بجے سے ۹ بجے تک کا وقت
2. دوپہری ویلا......۹ سے ۱۲ بجے تک
3. پیشی ویلا...... ۱۲ سے ۳ بجے تک
4. دیگر ویلا...... ۳ سے شام ۶ بجے تک
5. نماشاں ویلا......رات کے ابتدائی لمحات، ۶ سے تقریباً ۹ بجے تک
6. کفتاں ویلا...... ۹ بجے سے رات ۱۲ بجے تک
   (نوٹ: کفتاں کو "خفتاں" بھی بولا جاتا ہے)
7. ادھ رات ویلا...... ۱۲ بجے سے سحر ۳ بجے تک
8. اَسُور ویلا......سحری کے ۳ بجے سے صبح ۶ بجے تک

مولانا محمد کرم الدین کے ہاتھ سے درج شدہ اپنے نورِ نظر کی تاریخ پیدائش، عربی و انگریزی اور دیسی روز و شب کے آئینے میں دیکھی جائے تو ماہرین اور علوم نفسیات کے علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اس مہینے، دن یا وقت میں پیدا ہونے والا بچہ نہایت پاکیزہ فطرت، نیک اطوار، خوش خصال، مضبوط اعصاب کا مالک، ارادوں کا دھنی، خواہشاتِ دنیا سے کوسوں دور، جذبۂ عبادت سے مخمور اور حب مال و جاہ سے بے حد نفور ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی فرد کے جواہر شخصی اس کی بلندیٔ سیرت، پاکیزگی کردار اور اعلیٰ طور و اطوار کے ضامن ہوتے ہیں جو اسے خاک نشینی سے اٹھا کر مناصب انسانیت اور مدارج بشریت کی ان بلندیوں تک پہنچا دیتے ہیں کہ اہل زمانہ رشک کرتے ہیں۔

سلسلۂ تعلیم و تعلم

اللہ ربّ العزت نے انسانی جسم کے اندر کچھ اعضاء ایسے رکھے ہیں جو خود کار ہیں۔ مثلاً آنکھیں دیکھتی ہیں، کان سنتے ہیں، معدہ بھوک و پیاس محسوس کرتا ہے اور پلکیں جھپکتی ہیں وغیرہ ذالک۔ مگر عقل ایک ایسا جوہر ہے کہ اس سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کو بروئے کار لانے کے لیے عملی جدوجہد کے بے شمار ذرائع اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ تاہم "علم شریعت" اور علم نبوت ایسے ذرائع ہیں کہ جنہیں اُن تمام اسباب کا منبع و مصدر سمجھا جاتا ہے گویا عقلی صلاحیتوں کا نکھار علم نبوت کے نور سے ہی آتا ہے حضرت مولانا

قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی کل اولاد میں سے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سب سے چھوٹے تھے۔ اس لحاظ سے بھی آپ اپنے عظیم والد گرامی کے نورِ بصر اور قرارِ جان وجگر تھے، مگر ہونہار فرزند کی جبلی فطرت، اور اس کی عادات و اطوار سے اس کے اندر کی چھپی ہوئی کمال صلاحیتوں کو ایک باپ سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا ہے؟ پھر باپ بھی وہ جو اپنے وقت کا ایسا عالم دین اور زمانہ شناس، کہ جس کے دماغ سے علم وفضل کی جوئے نور نکل رہی ہو۔ جب کبھی وہ اپنے اس معصوم بچے سے اپنی پاٹ دار آواز اور دبنگ لب و لہجے سے مخاطب ہوتے تو جواب میں ننھے "مظہر حسین" کی مؤدب طبیعت، معارضہ کی بجائے تسلیم ورضا والا رنگ ڈھنگ دیکھتے تو ان کا دل گواہی دیتا تھا کہ یہ بچہ اپنے خاندان کا ہی نہیں، بلکہ ملک وقوم کا نام روشن کرے گا۔ چنانچہ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے ابتدائی درسگاہ کے طور پر اپنی گود سے ہی تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری کر دیا۔

قائد اہل سنت قرآن مجید اپنے والد صاحب قبلہ اور اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھتے رہے۔ گھر ہی میں علوم خادمہ میں سے صرف ونحو اور فارسی کتب پڑھیں، اس کے ساتھ ساتھ اپنے گاؤں "بھیں" سے پرائمری کا امتحان بھی پاس کیا۔ اور پھر میٹرک تک تعلیم چکوال شہر سے حاصل کی۔ اسکول ریکارڈ کے مطابق آپ ۱۷، اپریل ۱۹۲۸ء کو داخلہ نمبر ۸۸ کے تحت داخل ہوئے تھے اور ۳۱ مارچ ۱۹۳۰ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کر کے اسکول سے فراغت حاصل کی[1]۔ یعنی ۱۹۳۰ء میں جبکہ آپ کی عمر ابھی چند ماہ کم ۱۶ سال کی تھی، تو آپ نے ایک طرف میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تھا تو دوسری جانب قرآن مجید، علوم صرف ونحو، فارسی کتب، علومِ منطق اور کتب فقہ واصولِ فقہ کی چند بڑی کتب اپنے والد گرامی رحمہ اللہ سے ہی پڑھ لی تھیں، بلکہ علم طب کے ساتھ بھی خاصی شد بد پیدا ہو چکی تھی۔ یاد رہے کہ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے فنِ طبابت میں مولوی نور الدین بھیروی سے اس وقت استفادہ کیا تھا جب وہ جموں کشمیر میں شاہی طبیب تھے تب مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ ان کی ملاقات تو کیا، خط و کتابت میں بھی باہم تعارف نہ تھا، تو مولانا دبیر رحمہ اللہ نے جموں کشمیر جا کر

---

[1] بحوالہ، ذاتی ڈائری حضرت قاضی صاحبؒ

نوٹ: اس ڈائری میں حضرت نے اسکول ریکارڈ کے مطابق اپنی تاریخ پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۱۴ء لکھی ہے۔ جو کہ درست نہیں، کیونکہ والد گرامی حضرت مولانا محمد کرم الدینؒ کی ذاتی ڈائری سے ۱۴، اکتوبر ۱۹۱۴ء تاریخ تولد ہے جیسا کہ حوالہ گزر چکا ہے، یہ یا تو حضرت کا تسامح ہے یا پھر اسکول ریکارڈ کی نادرستی ہے۔ [سلفی]

مولوی نورالدین صاحب بھیرویؔ سے طبابت کے پیشہ میں رہنمائی لی تھی، وہاں آپ کا قیام کتنا عرصہ رہا؟ یہ ہنوز تشنۂ تحقیق ہے۔حکیم نورالدین بھیرویؔ اصلاً بھیرہ ضلع شاہ پور (حالاً سرگودھا) کے رہنے والے تھے۔ایک ذی استعداد عالم اور حاذق طبیب تھے، بہت بڑا کتب خانہ بھی قائم کر رکھا تھا، جوانی میں دلی، لکھنؤ، رامپور اور بھوپال وغیرہ میں بھی زیرِ تعلیم رہے اور مکۃ المکرمہ و مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ کے حلقہ درس وارادت میں بھی شامل رہے۔واپس ہندوستان آئے تو ریاست جموں میں شاہی طبیب ہوگئے۔مرزا قادیانی کی کتاب "براھین احمدیہ" پڑھ کر ان کے دام فریب میں آ گئے اور جموں سے انہیں ملنے قادیان آئے[1]۔ غالب گمان یہی ہے کہ مرزا صاحب کو دعویٰ نبوت پہ اکسانے والے مولوی نورالدین بھیرویؔ تھے۔ کیونکہ برطانوی دورِ حکومت میں مسلمانوں کے مابین پھوٹ ڈلوانے کے لیے جو مذہبی اختلافات پیدا کئے گئے تھے ان میں انہی لوگوں کو استعمال کیا گیا جو کسی نہ کسی درجہ میں گورنمنٹ کے وظیفہ خوار تھے۔اور بھیروی صاحب چونکہ شاہی طبیب تھے تو اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ سرکار کی جانب سے کسی کو دعوی نبوت پر اکسانے کی ذمہ داری انہی (نورالدین بھیروی) کو سونپی گئی ہو، اور مولوی صاحب چونکہ کایاں اور گھاگ قسم کے آدمی تھے، براہین احمدیہ کتاب کے مطالعہ سے بھانپ گئے کہ اس کام کے لیے مرزا قادیانی کو شکار کیا جاسکتا ہے، بعدازاں جب قربت بڑھی تو یہ عقدہ کشائی بھی ہوئی کہ مرزا صاحب مخصوص وغیر مخصوص قسمی کشتے اور حکیمی نسخے استعمال کرنے کے کافی شائق ہیں اور یہ مولوی نورالدین صاحب بھیرویؔ کا پیشہ خاص تھا۔ بلکہ ان کی بیاضِ خاص (مطبوعہ) پڑھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنی حذاقت وطبابت سے وہ کشتے تیار کرنے میں کس قدر ماہر طبیب تھے۔مولوی نورالدین صاحب نے مرزا کی یہ کمزوری تاڑ لی اور ان سے وہ کام کروالیا جس نے دنیا بھر میں مسلمانانِ ہند کو آزمائش میں ڈال دیا......مولوی نورالدین صاحب بھیرویؔ کے نسخوں والی "بیاض خاص" کو حکیم محمد حسن قرشی لیکچرار طبیہ کلاسز، پنجاب یونیورسٹی نے اہتمام سے شائع کیا تھا۔اس مطبوعہ کتاب کے بالکل ابتدائی صفحہ پر دیا گیا ایک اشتہار قابل مطالعہ ہے، جسے پڑھ کر حکیم صاحب اور مرزا قادیانی کے مابین وجہ مقاربت بآسانی سمجھ میں آ جاتی ہے۔اشتہار ہذا میں جلی سرخی

---

[1] مجاہد کبیر، سوانح عمری مولوی محمد علی (لاہوری مرزائی) مصنفہ ممتاز احمد فاروقی ر مطبوعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، دسمبر ۱۹۶۲ء ر صفحہ نمبر ۱۷۔

''مجربات امراض مخصوصہ''از جناب افسر الاطباء حکیم نورالدین صاحب سابق مشیر طبی مہاراجہ کشمیر و رئیس جماعت قادیان کے تحت لکھا ہے:

''اس میں جناب موصوف کے وہ تمام صدری و اسراری مجربات ہیں جو وہ امراض مخصوصہ نسوان و مرداں میں استعمال فرماتے تھے۔حکیم صاحب مرحوم کو اکثر امراء ورؤسا کا علاج کرنے سے امراضِ مخصوصہ میں جومہارت حاصل ہوگئی تھی، وہ سب کو معلوم ہے۔اس ذخیرہ نایاب میں ان کے بعض وبیش بہا مقوی باہ نسخے، کشتے، معجونیں اور طلاء بھی آ گئے ہیں جن میں سے ہر ایک اکسیر اور کیمیا خیال کیا جاتا ہے۔اس گنجینۂ بے بہا میں سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ صرف وہی نسخے اس میں درج ہیں جن کو حکیم صاحب نے اپنی دراز عمر اور عظیم الشان مطب میں بار بار آزمایا ہے۔''[1]

اس اشتہار کا ایک ایک حرف اپنے اندر معانی و مفاہیم کا ایک دفتر رکھتا ہے، پڑھیئے، اور سوچتے جایئے! بہر کیف ظرافت برطرف، مرزا قادیانی کے دعویٔ نبوت سے بہت پہلے جموں کشمیر میں مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے فن طبابت میں اُن سے رہنمائی لی تھی اور اس کا اقرار مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنے اُن عدالتی بیانات میں کیا تھا جو''تازیانہ عبرت'' میں موجود ہیں۔آمدم برسر مطلب، مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے چند ماہ کم ۱۶ سال کی عمر میں قرآن مجید کی تکمیل، میٹرک کے امتحان میں کامیابی اور علم طب کے ساتھ ساتھ قبلہ والد گرامی سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھ لی تھیں۔

میزان، پنج گنج، شافیہ، نحو میر، شرح مائۃ عامل، ھدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، سلم العلوم، میبذی، صدرا، شمسِ بازغہ، شرح چغمینی، رسالہ قوشجیہ، خلاصۃ الحساب، اور قدوری، نور الایضاح، وغیرہم۔

یاد رہے کہ میٹرک کا امتحان پاس کرکے دو سال تک اپنے گاؤں میں واقع پرائمری اسکول میں آپ تدریس بھی کرتے رہے۔اور اس دوران والد گرامی سے کتب درس نظامی کے ایک بڑے حصے سے فیض یاب بھی ہو چکے تو مزید علم کے حصول کے لیے اولاً لاہور تشریف لے گئے، پھر بھیرہ شریف اور آخر میں مرکز رشد و ہدایت دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اب اگلے باب میں ہم حیات مظہری کے مذکورہ

---

[1] بیاضِ خاص، حکیم نورالدین رمطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور

گوشوں کا تذکرہ کر کے روشنی حاصل کرتے ہیں، یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے پاس موضع بھیں میں دور دراز سے طلبہ آ کر مقیم ہوتے تھے اور علوم نبوت سے سیراب ہوتے تھے۔ گویا "بھیں" میں ایک مستقل مدرسہ تھا جہاں ملک بھر میں دعوت وتبلیغ دین کے سلسلہ میں اسفار کرنے اور مناظرہ وصحافت وافتاء اور تصانیف وتالیف کی مشغولیت کے باوصف مولانا دبیر علیہ الرحمۃ تدریس وتعلیم کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔

ہر لحظہ نیا طُور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

❀ اشاعتِ اسلام کالج لاہور میں داخلہ

❀ اشاعتِ اسلام کالج کا مکمل تعارف

❀ اشاعتِ اسلام کالج لاہور کے اساتذہ کا تعارف

❀ مولانا غلام مرشدؒ سے کسبِ فیض

❀ مولانا غلام مرشدؒ نے علامہ اقبال کی نمازِ جنازہ پڑھائی یا علامہ علی حائری نے؟

❀ لاہور سے سندِ تبلیغ حاصل کر کے دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ روانگی

❀ دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ، اس کے اساتذہ کا تعارف اور نصابِ تعلیم

؎ یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

مزید تعلیم کے لیے لاہور آمد

گزشتہ باب میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے شہر سے ہی اسکول میں میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تھا اور علوم وفنون کی اہم کتب بھی اپنے والد گرامی قبلہ سے پڑھ لیں تھیں۔ اب مزید تعلیم کے لیے جب غور وخوض ہوا تو بلدِ علم و دانش لاہور کا انتخاب ہوا، کیونکہ اس سے قبل خود مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اپنے عزادار بہنوئی مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کے ہمراہ لاہور کے مدرسہ حمیدیہ وغیرہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ اور یہیں سے سہارنپور گئے تھے۔ لاہور ہر دور میں علم و ہنر کا مرکز رہا ہے۔ چنانچہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا لاہور میں ''اشاعتِ اسلام کالج'' میں داخلہ کروا دیا گیا۔ ۱۹۳۲ء کے اواخر میں آپ اپنے والد گرامی کے ہمراہ لاہور وارد ہوئے اور علامہ اقبال رحمہ اللہ کے قائم کردہ اس ادارہ میں مزید تعلیم کے لیے اقامت پذیر ہو گئے۔

اشاعتِ اسلام کالج کا مختصر تعارف

اس کالج کی بنیاد علامہ اقبال مرحوم نے رکھی تھی، مگر یہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا، مولانا وحید الدین خان اس کے متعلق کہتے ہیں کہ:

> ''علامہ اقبال نے اپنی عمر کے آخری زمانہ میں لاہور میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا تھا جس کا نام تھا ''اشاعتِ اسلام کالج''، اس کا مقصد غیر مسلموں میں کام کرنے کے لیے اسلام کے مبلغ تیار کرنا تھا۔ اس کالج کے پرنسپل یوسف سلیم چشتی تھے جن سے میری ملاقات ۱۹۷۱ء میں لاہور میں ہوئی۔ اشاعتِ اسلام کالج چودہ سال تک بے کسی کی حالت میں چل کر آخر کار ختم ہو گیا۔ پروفیسر چشتی نے بتایا کہ اس کے ختم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کو مسلمانوں کا تعاون نہیں ملا۔ اقبال اپنی ساری مقبولیت کے باوجود اپنے تبلیغی ادارہ کے لیے مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ پانی سے محروم درخت کی طرح وہ سوکھتا رہا۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ اپنی موت مر گیا۔ یوسف سلیم چشتی مرحوم نے بتایا کہ اقبال کا اندازہ یہ تھا کہ اشاعت اسلام

کے فارغ شدہ افراد کو مسلم مدرسے اور مسلم ادارے اپنے یہاں رکھ لیں گے اور اس طرح انہیں موقع ملے گا کہ وہ گھوم گھوم کر غیر مسلموں میں تبلیغ کر سکیں۔ مگر مسلم اداروں نے انہیں قبول نہیں کیا۔ اس کے نتیجہ میں اشاعتِ اسلام کالج کے فارغ شدہ طلبہ میں مایوسی پیدا ہوگئی اور مزید داخلہ نہ ملنے کی بناء پر کالج اپنے آپ ختم ہو گیا۔ میرے نزدیک اشاعتِ اسلام کالج اس لیے ناکام ہو گیا کہ وہ ایک غیر منظور شدہ ادارہ تھا، جاب مارکیٹ میں اس کی ڈگری کی کوئی قیمت نہ تھی۔ اس لیے زیادہ قابلِ عمل بات یہ ہے کہ سند یافتہ یا ڈگری یافتہ لوگوں کو تربیت دے کر اس قابل بنایا جائے کہ وہ جہاں اور جس شعبۂ حیات میں رہیں وہاں اپنے ذاتی کام کے ساتھ بقدرِ امکان دعوت کی ذمہ داریاں بھی ادا کریں۔ اشاعتِ اسلام کالج کی زیادہ قابلِ عمل صورت یہ ہے کہ تعلیم یافتہ افراد کو محدود مدت کے لیے بلایا جائے اور انہیں زبان سکھائی جائے اور دعوتی مضامین پر انہیں تیار کیا جائے تا کہ وہ جہاں بھی ہوں داعی بن کر رہ سکیں۔''[1]

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا تعارف

آپ برطانوی دور کے ہندوستان، بریلی میں ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۱۸ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے فلسفے میں بی اے آنرز اور ۱۹۲۴ء میں احمد آباد یونیورسٹی سے فلسفے میں ایم اے کیا، پہلے کانپور میں اور پھر ایف سی کالج لاہور میں لیکچرر بھرتی ہوئے۔ علامہ اقبال اور غلام بھیک نیرنگ کی مساعی سے لاہور میں علامہ اقبال کے قائم کردہ ''اشاعتِ اسلام کالج'' کے پرنسپل رہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران یہ کالج بند ہو گیا تو ریاست منگرو اور بعد ازاں کوروائی منتقل ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں کراچی آ کر تصانیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا، یوسف سلیم چشتی کو کم وبیش ۱۶ سال اقبال مرحوم کی صحبت حاصل رہی، انہوں نے علامہ اقبال کی تمام اردو اور فارسی کتابوں کی شرحیں لکھیں، اس کے علاوہ مذہب، فلسفہ، تصوف، تاریخ، اور سوانح پر متعدد کتابوں کا ذخیرہ یادگار چھوڑا، آپ کی وفات ۱۱ فروری ۱۹۸۴ء کو ہوئی۔

غلام بھیک نیرنگ کا تعارف

علامہ اقبال مرحوم کے کلاس فیلو اور نہایت بااعتماد دوستوں میں سے تھے، ۲۶ ستمبر ۱۸۷۶ء کو انبالہ میں پیدا ہوئے اور ۱۶، اکتوبر ۱۹۵۲ء میں انتقال ہوا، آپ کو 'میر نیرنگ'' بھی کہا جاتا ہے۔ معروف وکیل،

---

[1] وحید الدین خان، مولانا/الرسالۃ/اکتوبر ۲۰۰۰ء

شاعر اور قیامِ پاکستان سے پہلے آل انڈیا مسلم لیگ کے عہدے دار رہے ہیں۔ ان کی شاعری کا ایک مجموعہ ''کلامِ نیرنگ'' کے نام سے کراچی سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ شدھی اور ارتداد کیخلاف اترنے والی جماعت ''جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام'' کے آپ بانی تھے، جون ۲۰۰۶ء میں کراچی سے شائع ہونے والے ڈان اخبار نے ان کی ادبی خدمات پر ایک معلوماتی مضمون شائع کیا تھا۔

مولانا غلام مرشد رحمہ اللہ کا تعارف

اشاعتِ اسلام کالج کے معلمین میں سے ایک بڑا نام مولانا غلام مرشد رحمہ اللہ کا بھی ہے جو اپنے وقتوں میں بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب بھی رہے، ان کے دروسِ قرآنِ مجید کے حلقوں کی بہت شہرت تھی، انہیں علامہ اقبال نے اپنے مذکورہ کالج میں تدریس کے لیے تجویز کیا تھا۔ اشاعتِ اسلام کالج میں دورانِ تعلیم چونکہ مولانا غلام مرشد رحمہ اللہ بھی قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے تھے لہٰذا قدرے اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا غلام مرشد رحمہ اللہ اردو ادب کے معروف شاعر احمد ندیم قاسمی مرحوم کے خالہ زاد بھائی تھے، آپ کا آبائی تعلق ضلع خوشاب کے سون سکیسر کے معروف گاؤں ''انگہ'' سے تھا، آپ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے اور آپ کے والد گرامی حافظ میاں احمد رحمہ اللہ خانقاہ تونسہ شریف کے سجادہ نشین حضرت اللہ بخش تونسوی علیہ الرحمۃ کے مریدین میں سے تھے، اپنے گاؤں سے متصل ایک گاؤں ''سرکی'' سے انہوں نے قرآنِ مجید حفظ کیا، آپ کی تقریب حفظِ قرآنِ مجید میں مولانا پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ نے شرکت فرمائی تھی۔ اس کے بعد لاہور تشریف لائے اور جو قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا سنِ ولادت ہے یعنی ۱۹۱۴ء، تو اسی سال مولانا غلام مرشد مدرسہ نعمانیہ میں درس نظامی کی بڑی کتابیں پڑھ رہے تھے، بعد ازاں آپ نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے عربی کے اعلیٰ امتحان میں مولوی فاضل کی ڈگری حاصل کی، نیز مدرسہ حمیدیہ اور ''اورنٹیل کالج'' میں بھی کسب فیض کرتے رہے۔ بالآخر مرکزِ رشد و ہدایت دارالعلوم دیوبند پہنچے اور وہاں سے ۱۹۱۵ء میں سند فراغت حاصل کی۔ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ اور علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے لائق و فائق ترین شاگردوں میں سے تھے۔ بعد از فراغتِ تعلیم آپ نے مدرسہ ضیا الاسلام سیال شریف ضلع سرگودھا سے تدریس کا آغاز کیا، ۱۹۱۸ء میں اپنی مادرِ علمی مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تدریس کے لیے تشریف لائے تو پھر لاہور ہی کے ہو کر رہ گئے۔ ۱۹۲۶ء کے زمانہ میں سعودی عرب گورنمنٹ نے جب مزارات پر سے ترکی دورِ حکومت میں بنائے گئے قبوں کو گرایا تو یہاں ہندوستان میں بعض طبقوں کی

جانب سے سعودی حکومت کے خلاف ایک محاذ قائم کیا گیا، دوسری جانب علامہ اقبال (متوفیٰ ۱۹۳۸ء) اور مولانا ظفر علی خان (۱۹۵۶ء) سعودی حکومت کا دفاع کرنے والوں میں سے تھے۔ علامہ اقبال مرحوم کی اس جدوجہد کا تذکرہ ڈاکٹر جاوید اقبال مرحوم نے اپنے والد گرامی کے سوانح حیات ''زندہ رود'' میں کیا ہے۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خان رحمہ اللہ نے مقبرہ جہانگیر لاہور کے وسیع و عریض میدان میں سعودی حکومت کی حمایت میں ایک بڑا جلسہ منعقد کروایا اور اس میں مولانا غلام مرشد رحمہ اللہ کی خصوصی تقریر کروائی گئی، جس سے مدرسہ نعمانیہ کی انتظامیہ ناراض ہوگئی، مولانا غلام مرشد رحمہ اللہ نے قبوں کی شرعی حیثیت کو بیان فرمایا تھا، اس لیے ان کی جانب سے مؤقف جوں کا توں قائم رہا، مدرسہ نعمانیہ کی انتظامیہ نے آپ کو ایک نوٹس بھیجا کہ آپ اپنی تقریر کی تردید کریں، تو اسی آمدہ نوٹس کی پشت پر آپ نے جواب لکھا کہ ''آپ میرا استعفیٰ منظور فرمائیں۔'' اس کے بعد بھاٹی دروازہ لاہور کی اونچی مسجد میں مع طلبہ تشریف لائے تو اہل محلہ نے جان و دل فرش راہ کر دیئے اور آپ کا بہت اکرام و استقبال کیا گیا، یہاں آپ نے مسلسل پندرہ برس تک قرآنِ مجید کا درس دیا اور فریضہ خطابت سرانجام دیا۔ جمعیت علماء ہند میں آپ نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ جمعیت علماء اسلام کے قیام میں آپ نے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر کلیدی کردار ادا کیا، علاوہ ازیں لاہور کی کناری بازار والی مسجد اور سنہری مسجد میں بھی درس و تدریس اور خطابت کے جوہر دکھاتے رہے، آخر میں علامہ اقبال کی کوششوں سے بادشاہی مسجد لاہور میں خطیب بھرتی ہوگئے۔ آپ رحمہ اللہ نے لاہور میں تقریباً ۵۹ برس تک مسلسل درس قرآنِ مجید دیا۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ قیام پاکستان کے بعد متصلاً سب سے پہلی نماز عید الفطر بادشاہی مسجد میں آپ رحمہ اللہ نے پڑھائی ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ میں آپ نے معاہدہ تاشقند کو بزدلی اور ملکی غیرت کیخلاف قرار دے کر اس کے خلاف تقریر کر ڈالی تو آپ کو منصب خطابت سے الگ کر دیا گیا حتیٰ کہ اس کے بعد کسی بھی مسجد میں آپ کی خطابت کو ممنوع قرار دے کر خدمت دین کے تمام رستے بند کرنے کی کوشش کی گئی مگر آپ شیر دل عالم دین تھے، اپنے کاز پر ڈٹے رہے تا آنکہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۹ء میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور آپ کو اپنے شہر انگہ، خوشاب میں سپر دِ لحد کیا گیا[1]۔

---

[1] ''نقوش'' لاہور۔ جنوری ۱۹۷۹ء، صفحہ نمبر ۳۱۳ (۲) سفیر اختر، ڈاکٹر، تذکرہ علماء پنجاب، صفحہ نمبر ۵۱۹

(۳) غلام مرشد، مولانا (انٹرویو) ماہ نامہ فکر و نظر اسلام آباد، فروری ۱۹۷۸ء (۴) محمد نذیر رانجھا، تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت پنجاب، جلد نمبر ۲، مطبوعہ لاہور

آسمان تری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

علامہ اقبال کی نمازِ جنازہ مولانا غلام مرشد نے پڑھائی، علامہ حائری نے نہیں

امامی علماء کو چونکہ تاریخی حقائق مسخ کرنے کی مذہبی عادت ہے اس لیے انہوں نے یہاں ایک زبردست اور انتہا درجہ کی چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنی کتابوں میں لکھا کہ علامہ اقبال کی نمازِ جنازہ ماضی کے معروف شیعہ عالم علامہ علی الحائری لاہوری نے پڑھائی تھی، حالانکہ اقبال کی وصیت موجود ہے کہ:

''جاوید کو میرا یہی مشورہ ہے کہ وہ اس راہ پر گامزن رہے اور اس بدقسمت ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی غلامی نے جو دینی عقائد کے نئے فرقے مختص کر لیے ہیں ان سے احتراز کرے۔ بعض فرقوں کی طرف لوگ محض اس واسطے مائل ہوتے ہیں کہ ان فرقوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے دنیاوی فائدہ ہے۔ میرے خیال میں بڑا بدبخت ہے وہ انسان جو صحیح دینی عقائد کو مادی منافع کی خاطر قربان کر دے۔ غرض یہ ہے کہ طریقہ حضرات اہل سنت محفوظ ہے اور اسی پر گامزن رہنا چاہیے اور ائمہ اہل بیت کے ساتھ محبت اور عقیدت رکھنی چاہیے[1]۔

جب علامہ اقبال مرحوم کا تعلق ہی مذہب اہل سنت والجماعت کے ساتھ تھا اور بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا غلام مرشد رحمہ اللہ اُن کے نہ صرف ہمعصر بلکہ قریبی رفقاء میں سے تھے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کی جگہ ایک ایسا شخص آ کر نمازِ جنازہ پڑھا دے جس کا تعلق علامہ اقبال کے مذہب سے تو درکنار، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آئمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مذہب سے بھی نہ ہو؟ یہ ایک تاریخی کذب بیانی ہے۔ چنانچہ امامی علماء کے ایک تذکرہ نویس لکھتے ہیں:

> ''آیت اللہ سید علی حائری کے ارادتمندوں میں نہ صرف عام عوام بلکہ علماء اور دانشور حضرات بھی شامل تھے۔ آپ کی تقلید علاقہ پنجاب کے علاوہ برما اور افریقہ میں بھی کی جاتی تھی۔ حکیم الامت علامہ اقبال کو آپ سے خصوصی لگاؤ تھا اور شاید یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔''[2]

---

[1] جاوید اقبال، ڈاکٹر/زندہ رُود (سوانح عمری علامہ اقبال) صفحہ نمبر ۷۱، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان

[2] محسن حسینی، سید، کشمیری/دانشنامۂ شیعیانِ کشمیر/جلد اول، صفحہ نمبر ۲۹۳، مطبوعہ، مرکز احیاء آثار برصغیر کراچی/۱۴۳۲ھ

یہی بے بنیاد دعویٰ مولانا سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل نے بھی کیا ہے [1]۔ البتہ ایک اور امامی محقق نے اس قدر کہہ دیا ہے کہ علامہ حائری کا علامہ اقبال کی نمازِ جنازہ پڑھانے والا واقعہ درست نہیں، ہوسکتا ہے انہوں نے شیعہ برادری میں اقبال کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی ہو [2]۔ اس پر امامی تذکرہ نویس یوں حاشیہ آرائی کرتے ہیں۔

''لگتا ہے حیدر صاحب اس بات سے بے خبر ہیں کہ فقہ جعفریہ میں غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے۔ اس بات سے انکار کرنے کی کوئی معقول وجہ معلوم ہی نہیں ہوتی۔ چونکہ اقبال کو نہ صرف اہل بیت طاہرین سے بے پناہ عقیدت تھی بلکہ شیعوں کے ساتھ اُن کے روابط تھے۔ ان کے ابتدائی استاذ میر سید حسن بھی تو شیعہ ہی تھے لہٰذا ممکن ہے کہ مولانا حائری نے شیعہ طریقے سے ان کی نمازِ جنازہ ادا کی ہو اور اہل سنت نے اپنے طریقے سے، جیسا کہ مشہور شخصیات کے بارے میں دیکھنے کو ملتا ہے۔'' [3]

یہ ایک بلا وجہ کا تکلف ہے جس میں امامی تذکرہ نویس اپنا خون پگھلا رہے ہیں۔ گویا اس میں امامی لوگوں کے تین مختلف بیانات ہیں جو بالترتیب یوں ہیں:

① اقبال کی نمازِ جنازہ علامہ حائری نے پڑھائی تھی۔

② علامہ حائری نے نہیں پڑھائی تھی۔

③ علامہ حائری نے غائبانہ پڑھائی تھی۔

اقبال کی وفات ۱۹۳۸ء میں ہوئی جو ایک ماضی قریب کے زمانہ میں آتا ہے۔ جب اس قدر قریبی زمانہ کے واقعات میں اس طبقہ کی تحقیق و تفتیش کا یہ عالم ہے تو صدیوں پہلے کے واقعات، روایات درایات، اور مشاہدات میں یہ کس قدر کھوٹے سکوں سے کام چلاتے ہوں گے؟ بہرکیف یہ عین حقیقت ہے کہ اقبال کی نمازِ جنازہ ہمارے ممدوح قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے استاذِ محترم مولانا غلام مرشد رحمہ اللہ نے پڑھائی تھی جیسا کہ علامہ اقبال کے فرزند لکھتے ہیں:

''جب جنازہ برانڈرتھ روڈ سے دہلی دروازے تک پہنچا تو اس کے ساتھ سوگواروں کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ سات بجے کے بعد جنازہ شاہی مسجد پہنچا۔ آٹھ بجے شب شاہی

---

[1] مطلع الانوار صفحہ نمبر ۳۹۲

[2] اکبر حیدری، ڈاکٹر اقبال اور شیخ زنجانی، صفحہ نمبر ۱۸

[3] ایضاً

مسجد کے صحن میں مولانا غلام مرشد رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔''[1]

اسی طرح فکرِ اقبال کے ایک اور مفکر علامہ مرحوم کی مختلف بیماریوں اور مرض الموت کی تشخیص کے حوالہ سے اپنی تحقیقات میں لکھتے ہیں:

''جنازہ شام کے سات بجے مسجد شاہی کے صحن میں پہنچا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ علامہ کے بڑے بھائی کا انتظار رہا پھر مولانا غلام مرشد صاحب نے ساڑھے آٹھ بجے نمازِ جنازہ پڑھوائی۔''[2]

باقی امامی تذکرہ نویس نے اپنے دعوے پر جتنے عقلی ثبوت پیش کیے ہیں، وہ سب کاغذ کی تتلیاں ہیں کیونکہ شیعہ علماء کی تحقیقات میں سچ ہمیشہ پیچھے رہ جاتا ہے اور تقیہ کا ٹیٹو اپنا کام دکھا جاتا ہے، تاہم یہ سب وقتی اور عارضی حد تک ہی ہوتا ہے۔ نتیجے اور اختتام کے لحاظ سے دنیا کی کوئی طاقت سچ پر آنچ نہیں لاسکتی۔ اس لیے ان کی بنائی گئی کاغذی تتلیوں پر ہم تبصرہ کر کے تضیع اوقات نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ ان کا یہ لکھنا کہ ''شیعہ علماء کے ساتھ اقبال مرحوم کے بہت رابطے تھے۔'' کے جواب میں ہم کہیں گے کہ قطع نظر اس سے کہ سماجی زندگی میں انسانوں کے انسانوں سے رابطے ہوتے ہی ہیں، تاہم شیعہ علماء کے واقعتاً اقبال سے روابط اور رشتہ ہائے اعتماد کا جائزہ لینا ہو تو اقبال کے معاصر معروف تبرائی شیعہ مولوی برکت علی گوشہ نشین، وزیر آبادی کے وہ رسائل پڑھ لیجیے جو انہوں نے اقبال کے خلاف لکھے تھے اور ان پر نہایت علمی نقد ماہر اقبالیات ڈاکٹر ایوب صابر نے لکھ دیا ہے۔[3]

قائد اہل سنت کے زمانہ تعلیم اشاعت اسلام کالج لاہور کی تاریخ اور یہاں کے اساتذہ کا کسی قدر تعارف پیش کرنے کے بعد اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔ اشاعتِ اسلام کالج کی مسلمانان لاہور کی عدم توجہی اور اقبال مرحوم کی بے پناہ قومی و ملی مصروفیات کی وجہ سے جو درگت بنی وہ تو آپ نے ملاحظہ فرمالی، بہر حال اس ادارہ سے قائد اہل سنت نے اپنے دو سالہ قیام (۳۳۔۱۹۳۲) میں سندِ مبلغ (ماہرِ تبلیغ) حاصل کی۔ اب اگلا مرحلہ زیرِ غور تھا کہ باقی تعلیم کہاں سے حاصل کی جائے؟ آپ کے والد گرامی قبلہ ''حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ'' برطانوی دور کے ہندوستان کی ملک گیر شخصیت کا نام تھا، راولپنڈی، لاہور، سہارنپور، بٹالہ اور علاقہ جات کشمیر کے تمام علمی و تعلیمی اداروں کے جلسوں میں چونکہ

---

[1] جاوید اقبال، ڈاکٹر/زندہ رود، صفحہ نمبر ۷۲۱۔ لاہور

[2] سید تقی عابدی، ڈاکٹر/ چوں مرگ آید/صفحہ نمبر ۱۸۱، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان

[3] ایوب صابر، ڈاکٹر/اقبال دشمنی، صفحہ نمبر ۱۵۳/مطبوعہ نشریات، لاہور ۲۰۰۸ء

آپ کو مدعو کیا جاتا تھا تو اس لحاظ سے آپ کی نظر ان اداروں کے معیارِ تعلیم و تربیت پر رہتی تھی۔اس لیے لاہور کے اشاعتِ اسلام کالج میں اپنے ہونہار کی تعلیم کی بنیادی وجہ بھی یہی سوچ تھی کہ چونکہ علامہ اقبال عصری تقاضوں پر مکمل نگاہ رکھے ہوئے غیرتِ مذہبی سے بھی مالا مال تھے تو مولانا دبیر نے ان کے قائم کردہ ادارہ میں ''مظہر حسین'' کے روشن مستقبل کے سہانے خواب دیکھے اور یہاں آپ کا داخلہ کروایا، وگرنہ اس زمانہ میں لاہور کے اندر مدرسہ حمیدیہ،نعمانیہ، اور انجمن حمایت اسلام کالج سمیت لاتعداد ادارے مزید موجود تھے۔مگر اکثر ادارے اپنے عہد کے دو متحارب رویوں سے دوچار تھے اس لیے باکمال والدین اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام بے حد سوچ بچار کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

لاہور سے دارالعلوم بھیرہ آمد

ضلع سرگودھا میں بھیرہ کے مقام پر ایک قدیم علمی خاندانِ بگوی تاریخ برصغیر کا روشن باب ہے۔اس خاندان سے وابستہ بزرگان دین، مشائخ طریقت،علماءِ اہل سنت اور مجاہدین آزادی نے اتنی طویل جدوجہد کی ہے کہ اس کا احاطہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ابوالفضل حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنے فرزند دِل بند کو آگے سلسلۂ تعلیم جاری رکھنے کے لیے ''دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ'' میں داخل کروادیا، اس ادارہ اور خاندان کے ساتھ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے قدیم اور مضبوط تعلقات تھے،جس کا اندازہ ''تذکارِ بگویہ'' یا ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ کی فائلیں پڑھنے والوں کو ہو چکا ہے۔یہ ادارہ قدیم وقتوں سے اعتدال کے ساتھ دین اسلام کی متواتر اور تسلسل کے ساتھ روایات و خدمات کو زندہ کرتے حسن و خوبی سے اپنا سفر طے کر رہا تھا۔یہاں یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ مرکزی حزب الانصار بھیرہ کے مناظرین و مبلغین میں حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا نام باضابطہ درج رہا اور آپ کی کتابوں کی اشاعت بھی بھیرہ کے شعبۂ تالیف و اشاعت کے انتظام سے ہوتی رہی۔بگوی خاندان جو مولانا عبدالعزیز بگوی، مولانا محمد ذاکر بگوی، مولانا احمد الدین بگوی، مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا ظہور احمد بگوی جیسے ناموں کے بزرگوں سے چمک دمک رہا تھا، اس کے سلسلۃ الذہب میں ایک منفرد نام حضرت مولانا ظہور احمد بگوی علیہ الرحمۃ کا ہے، قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے زمانۂ قیام میں بھی یہاں انہی بزرگوں کا انتظام و

انحصار تھا۔ آپ نے بھیرہ کا عظیم الشان تعلیمی مرکز، جو گزشتہ کئی صدیوں سے مختلف ناموں کے ساتھ خدمت دین کرتا چلا آرہا تھا، کا نام اپنے ایک خاندانی بزرگ حضرت مولانا عبدالعزیز بگوی رحمہ اللہ کے نام کی نسبت سے ''دارالعلوم عزیزیہ'' رکھا۔ اس خطہ پنجاب میں خاندانِ مولانا دبیر رحمہ اللہ، حزب الانصار بھیرہ، جامعہ محمدی شریف جھنگ اور خانقاہ سیال شریف سرگودھا نے بالخصوص تردید رفض و بدعت اور دفاعِ صحابہ کے حوالے سے جو سنہرے کارنامے سرانجام دیئے ہیں وہ کاتب السطور نے اپنی کتاب ''تذکرہ مولانا محمد نافع'' میں بالتفصیل درج کرکے بساط بھر منصفانہ تبصرہ و تجزیہ بھی پیش کردیا ہے۔ جن دنوں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے یہاں داخلہ لیا تھا تو اس سے کچھ عرصہ قبل ہی ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ میں جو نصاب تعلیم شائع کیا گیا تھا۔ اس کی رو سے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے یہاں سے مندرجہ ذیل کتابیں درجہ موقوفٌ علیہ تک پڑھیں ہیں۔

''ہدایہ، جلالین، متن رشیدیہ، سراجی، شرح عقائد، مختصر المعانی، بیضاوی شریف، متن متین، قاضی مبارک، مطول، توضیح تلویح، شرح تہذیب، قال اقول، مصدر فیض، مشکوٰۃ شریف، وغیرہم۔

بلاترتیب ہمیں ذاتی ڈائریوں سے جو تفصیل ملی وہ درج کردی گئی ہے، علاوہ ازیں آپ نے اس زمانہ کے نصاب تعلیم کے مطابق اس ادارہ سے مزید جتنا کچھ پڑھا، اور جن اساتذہ سے پڑھا اسے دیکھ کر آج کے طلبۂ علوم کے بدن پر چیونٹے رینگتے ہیں، اس قدر طویل محنت و مشقتوں، مطالعہ و تکرار، ابحاث و مباحثہ اور لکھنا لکھانا اس دور کے معیار تعلیم اور شغفِ حصولِ علم کا پتہ دیتا ہے۔

دارالعلوم عزیزیہ میں چند قابل ذکر اساتذہ کرام

دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے معروف اساتذہ میں سے چند یہ ہیں:

① مولانا غلام اللہ خان ② مولانا محمد دین بدھوی ③ مولانا عبدالحمید کھٹیالوی ④ مولانا رحمت اللہ راشد ⑤ مولانا محمد قاسم ہزاروی۔

دارالعلوم عزیزیہ میں جدید دورِ اول کے چند نامور تلامذہ

''دارالعلوم عزیزیہ'' کے نام سے پرانے ادارہ کو جب معنون کیا گیا تو یہ ۱۹۲۹ء کا سال تھا، جس کے چند سال بعد قائد اہل سنت یہاں تشریف لائے تو اس دور اول کے معروف ناموں کی شائع شدہ

فہرست میں مندرجہ ذیل طلبہ کے نام اہم ہیں:

① حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ (چکوال)

② حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ (کندیاں شریف)

③ مولانا غلام دستگیر (جہلم) ④ مولانا تاج رسول (کھیوڑہ)

⑤ مولانا قاضی عبدالقادر (ڈھڈیاں شریف)[1]

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے املائی رجسٹروں کو جب دیکھا گیا تو ان میں ''ایساغوجی'' والی کاپی پر مولانا غلام اللہ خان کا نام بطور استاذ درج ہے۔ نیز اصول فقہ کی کتاب ''توضیح وتلویح'' والی کاپی پر مولانا محمد دین المعروف استاذ بدھووالوں کا اور ''ہدایہ'' کے بعض مشکل مقامات کی جس رجسٹر پہ توضیح ہے، اس پہ مولانا محمد قاسم ہزاروی کا نام درج ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ اس وقت علوم منطق کی چھوٹی کتب پڑھاتے تھے۔

''دارالعلوم عزیزیہ'' میں خداداد فراست کے جوہر کھلے

وفورِ علم، شوقِ تعلیم اور جذبہ خدمت دین کا جو ماحول حضرت قائد اہل سنت کو بچپن میں اپنے گھر اور والد گرامی سے دیکھنے کو ملا تھا، اور خاندانی خون میں جو پاکیزہ جوہر خلاق عالم نے رکھے تھے، اب ان میں سے ایک ایک ''دارالعلوم عزیزیہ'' کے علمی ماحول میں کھلنا شروع ہوئے۔ چنانچہ اظہارِ مافی الضمیر (تقریر) مواقعِ تبلیغ وتذکیر، لکھنے لکھانے حتیٰ کہ شعروشاعری تک کی ابتداء کردی گئی۔ اور اس مقصد کے لیے ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ کا پلیٹ فارم موجود تھا، جس میں آپ لکھتے، ہندوستان بھر کی معلوماتی خبریں پڑھتے اور فرقہائے باطلہ کی جانب سے جو جو شکوک و اضطراب اور جواب میں علماء کرام کی توضیحات آپ کی نظر سے گزرتیں، اس سے آپ کی طبیعت میں چھپے ہوئے کمالات کے الماس چمکنا شروع ہوگئے۔ چنانچہ زمانہ طالب علمی میں آپ کی ایک نظم ماہ ''نامہ شمس الاسلام'' میں جو شائع ہوئی اس کو پڑھ کر ہماری اس بات کی تائید کی جاسکے گی۔ اس نظم میں قوانینِ شاعری، عروض واوزان یا ردیف وقافیے

---

[1] انوار احمد بگوی، ڈاکٹر/تذکارِ بگویہ، جلد اول، صفحہ نمبر ۵۷۶، مطبوعہ بھیرہ

کو آپ اس تناظر میں دیکھیں کہ یہ ایک نوجوان طالب علم کے جذبات ہیں۔ یہاں وہ نظم مکمل درج کرنے کی بجائے ہم چند اشعار پیش کرتے ہیں۔ اس نظم کی ابتداء میں مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ نے مندرجہ ذیل نوٹ لکھا تھا:

''ذیل کی نظم دار العلوم عزیزیہ بھیرہ کے طالب علم جناب مظہر حسین صاحب کے افکار کا نتیجہ ہے۔ آپ مولانا ابو الفضل محمد کرم الدین صاحب، رئیس بھیں کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی کے لیے یہ نظم درج کی جاتی ہے۔ قارئین اس نظم کے اسقام کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ ایک طالب علم کے جذبات کی داد دیں۔'' (مدیر)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

چمن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بسایا کس نے؟
سبق قرآن ہمیں آکے بتایا کس نے؟
جذبۂ عشق مسلمان کو سکھایا کس نے؟
نعرۂ حق سے ہمیں آ کے جگایا کس نے؟
جس نے ہم کو تھا سکھایا رہ حق میں مرنا
جُز خدا غیر کی طاقت سے نہ ہرگز ڈرنا
نعرہ مست سے دشمن کو ڈرایا کیونکر
صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا کیونکر
ہم کو پیغام بشارت کا سنایا کیونکر
سر پئے ملت اسلام کٹایا کیونکر
مردِ غازی کی شجاعت کو، بسالت کو دیکھ
ابن حیدر رضی اللہ عنہ کی ذرا دینی حمایت کو دیکھ
کلفتیں کرب و بلا کی وہ اٹھائیں کیوں تھیں

ندیاں خون کی اس نے وہ بہائی کیوں تھیں؟
ظلمتیں کفر کی دنیا سے مٹائی کیوں تھیں؟
صفیں اعداء کی دغا میں وہ بچھائی کیوں تھیں؟
درس عبرت تھا مسلماں بھی جینا سیکھے
جام وہ اپنی شہادت کا بھی پینا سیکھے
دعویدارانِ محبت نے بھلا کیا سیکھا؟
تعزیہ سازی کا بس ایک تماشہ سیکھا
بت پرستی کا یہ اک طرزِ نرالا سیکھا
ہاؤ ہُو شور و شر و گریہ و نالہ سیکھا
ان خرافات کو کب رکھتا روا ہے اسلام
ہے برا فعل یہ الحاد ہے بدعت ہے، حرام
امتیاز حق و باطل کا دکھایا اس نے
دینِ فطرت پہ مسلمان کو چلایا اس نے
جہل و بدعت کے اسیروں کو چھڑایا اس نے
ڈنکا اسلام کا عالم میں بجایا اس نے
تخت و دولت نہ حکومت کا وہ شیدائی تھا
مظہر حق تھا صداقت کا وہ شیدائی تھا[1]

دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ میں آپ رحمہ اللہ مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنی تعلیم و تربیت میں مشغول رہے۔ ذی استعداد اساتذہ، پاکیزہ فطرت ہم جماعت، زہد و ورع سے مزین مہتمم ادارہ، وسیع و عریض کتب خانہ، ''شمس الاسلام'' جیسا علمی اور پختہ نظریات کا پرچار کرنے والا ماہ نامہ اور ان سب کے

---

[1] ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ، فروری ۱۹۳۷ء

باوصف خالص دیہاتی وضع کا ماحول، یہ جملہ عناصر جب ایسے طالب علم کے دماغ میں برادہ بن کر اترے جو ایک ذی قدر، ذی احتشام اور نہایت درجہ کی باکمال شخصیت حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کی گود سے آنکھیں ملتا ہوا اترا اور علوم نبوت کے چراغ تلے آ بیٹھا تو اس کا نتیجہ ''قائد اہل سنت'' کی صورت میں ہی سامنے آ سکتا تھا، مستقبل میں جن کی عالی ہمتی اور مخلصانہ دینی خدمات کا نظارہ ایک جہاں نے کیا، اور رہتی دنیا تک ان کے نام کو تابندہ کر دیا۔

4
بابِ چہارم

❀ مناظرہ سلانوالی (۱۹۳۶ء) کا تاریخی پس منظر اور اس کے مثبت اثرات

❀ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کے نام قائد اہل سنت کا خط

❀ مولانا قاضی شمس الدین مرحوم کا آنکھوں دیکھا حال

❀ مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ کی دِل گرفتگی

❀ مولانا محمد عنایت اللہ چشتی، چکڑالہ ضلع میانوالی کا معلومات افزاء مفصل خط (مع تبصرۂ مصنف)

❀ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی دارالعلوم دیوبند روانگی، دو سالہ قیام، تعلیم و تربیت، اساتذہ اور ہم کلاس، نیز معترضین و معاندین کی بے ڈھنگی چالوں کا تحقیقی تجزیہ

شکست و فتح تو قسمت سے ہے وَلے اے میر
مقابلہ تو دِل ناتواں نے خُوب کیا

مناظرہ سلانوالی، ایک یادگار واقعہ جس نے فکری تاریخ کا رُخ موڑ دیا

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا ''دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ'' میں آخری سال تھا کہ سلانوالی ضلع سرگودھا میں ایک قضیہ پیش آ گیا۔ سلانوالی جو اس وقت کم و بیش ۷۰ ہزار آبادی پر مشتمل سرگودھا کی ایک تحصیل ہے۔ آج سے تقریباً ۸۵ برس پہلے کی بات ہے کہ یہاں اہل سنت کے مابین ایک اہم موضوع پر باہمی اختلاف سے نوبت مناظرے تک جا پہنچی۔ خطہ برصغیر میں دیوبندی، بریلوی اختلاف میں شدت برطانوی دورِ حکومت کے ہندوستان کی ایک منحوس یادگار رہے۔ اور اس آگ کو بھڑکانے میں اپنی کم بصیرتی اور عدم فراست سے کون، کیسے اور کب کب استعمال ہوا؟ اس دلدوز داستان کو بیان کرنے کی یہاں ہم ضرورت نہیں سمجھتے۔ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ جس زمانہ میں مصروف کارِ خدمت دین تھے تو اس وقت ہمارے ان علاقہ جات میں، بالخصوص جہلم، راولپنڈی اور آگے خطہ کشمیر تک کے اکثر علاقوں میں مولانا احمد رضا خان صاحب رحمہ اللہ بریلوی کا بالکل تعارف نہ تھا، البتہ مدرسہ دیوبند، یا مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور بڑے اداروں کی حیثیت سے معروف تھے۔ کیونکہ اس وقت اہل سنت احناف کے نام سے ہی مسلمانانِ وطن گزربسر کر رہے تھے اور زیادہ تر اختلافات مسلمانوں کے قادیانیوں کے ساتھ تھے یا پھر اہل تشیع کے ساتھ، تیسرے درجہ میں حنفی، غیر مقلدین کا اختلاف بھی تھا مگر اس میں بھی شدت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ کیونکہ اس زمانہ میں علماء اہل حدیث کے مزاجوں میں کسی قدر لحاظ و مروت اور غلبہ علم تھا نیز مقدار کے اعتبار سے بھی یہ لوگ چاولوں میں بمقدارِ کشمش تھے یعنی بہت کم! اہل حدیث بھائیوں میں یہاں کثرتِ تعداد سعودی عرب میں تیل دریافت ہونے کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہے۔ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے دفاعِ دینِ اسلام کے لیے دو میدان منتخب کر رکھے تھے اور اسی میں وہ شب و روز کوشاں تھے ایک تردیدِ مرزائیت اور دوسرا تردیدِ رافضیت! یا پھر اِکا دُکا مقامات پر حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ مناظرہ بازی کی نوبت بھی آئی رہی مگر دیوبندی، بریلوی عنوانات سے تو یہاں دھڑے بازی کا کوئی سوال یا جواز ہی نہ تھا۔ البتہ بعض بزرگوں نے کائناتِ ارضی کے

سارے کام کاج چھوڑ کر اپنا خون پسینہ ایک دوسرے پر تہمت تراشیوں، بے جا الزامات اور بے وزن اعتراضات پر لگا دینے میں ''جہاد'' سمجھا اور یوں وحدتِ اہل سنت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ پھر تقسیم برصغیر کے بعد تو الامان والحفیظ! دیوبندی گستاخِ نبی تو بریلوی مشرک، دیوبندی گستاخِ اولیا اللہ تو بریلوی اہل بدعت، دیوبندی صلوٰۃ وسلام کے منکر تو بریلوی توحید کے باغی! مساجد انہی فتوؤں کے مراکز بن کر رہ گئیں، مدارس میں طلبہ کی استعداد اسی تفریق کی بھینٹ چڑھ گئی، اور وہ کچھ ہوتا چلا گیا جو کاش کہ نہ ہوتا! تاہم اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جانبین سے اعتدال پسند علماء کرام کچھ ایسے بھی تھے کہ جن کے اخلاص، قوتِ برداشت اور جذبۂ ایثار کی بناء پہ ان دو مسالک کے مابین معاشرتی وسماجی اور بنیادی مذہبی تعلقات جوں کے توں رہے۔ باہم رشتہ داریاں، فروغِ تجارت، اشتراکِ سیاست اور دیگر مشترکہ ملی و دینی محاذوں پر یہ دونوں فریق باہم جڑے رہے۔ اور اب حالت بایں جا رسید کہ شدت پسندی محل اختلاف سے نکل کر ذاتیات تک آ گئی ہے، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، علامہ ڈاکٹر خالد محمود یا پھر حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، یہ وہ علماء دین تھے کہ جنہوں نے اختلاف اور مخالفت میں واضح فرق ملحوظ رکھ کر قلم اٹھایا اور نہایت حزم واحتیاط سے قدم اٹھایا۔ جس قوم کی قیادت قدم اور قلم کا استعمال مثبت اور برمحل وموقع کرتی ہے وہ اپنے متبعین کا سر ہمیشہ بلند رکھتی ہے۔

بہرحال اب تک وہ علماء اہل سنت جنہیں تا حال فضلاء دارالعلوم سے مکمل تعارف نہ تھا، یا تھا بھی تو نہایت محدود اور جزوقتی! جیسا کہ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی رحمہ اللہ لکھنوی، امیر شریعت مولانا سید عطا اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ اور شیر ہند مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ کے ساتھ علمی روابط تھے۔ مثلاً انجمن شباب المسلمین بٹالہ ضلع گورداسپور میں مولانا سید عطا اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ اور مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کے خطابات ہوتے تھے، اور مرزائیوں کے خلاف ایک مقدمہ میں امیر شریعت نے مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کو بطور گواہ صفائی عدالت میں طلب کیا تھا، ۱۹۱۸ء میں چکوال میں شیعہ سنی کا یادگار مناظرہ ہوا تو اس میں امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رحمہ اللہ لکھنوی اور مناظرہ اہل تشیع مولانا احمد علی امرتسری ثم لاہوری آمنے سامنے تھے۔ اس مناظرے کے منتظم اعلیٰ مولانا دبیر رحمہ اللہ ہی تھے اور علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کے معاونِ مناظر بھی، اس کی مکمل اور دلچسپ روداد راقم الحروف کی مطبوعہ کتاب ''ابوالفضل مولانا کرم

الدین دبیر رحمہ اللہ احوال وآثار'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے جو کم وبیش ۶۰۰ صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ البتہ چکوال اور اس سے متصلاً علاقہ جات میں کیونکہ علماء وفضلاءِ دیوبند بہت کم تھے جس کی وجہ سے اچانک بیرونی کسی پروپیگنڈے سے وقتی طور پر متاثر ہونا لازمۂ بشریت ہے۔ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اپنی تبلیغی اور مناظرانہ زندگی میں جناب والد صاحب کا تعلق بریلوی علماء سے رہا۔ انہی کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے، اور اپنے علاقہ میں تو دیوبندی مسلک کے علماء تھے ہی نہیں کہ جن کی وجہ سے یہاں کوئی دیوبندی، بریلوی مناظرہ ہوتا جب بریلوی علماء کی طرف سے ''حسام الحرمین'' (مؤلفہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی) کے ذریعے اکابر دیوبند کیخلاف تکفیری مہم چلائی گئی تو والد صاحب بھی متاثر ہوئے اور پیش کردہ عبارات کی بناء پر والد صاحب نے بھی اکابر دیوبند کی تکفیر کی۔''[1]

مناظرہ سلانوالی ضلع سرگودھا کی ابتداء یوں ہوئی کہ ''مسئلہ علم غیب'' پر مقامی علماء کرام کے مابین نزاعی صورتحال پیدا ہوگئی جس نے رفتہ رفتہ نوبت مناظرے تک پہنچادی۔ چنانچہ علماء اہل سنت دیوبند کی جانب سے مناظر کا انتخاب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کا کیا گیا اور صدرِ مناظر مولانا عبدالحنان ہزاروی رحمہ اللہ (خطیب جامع مسجد آسٹریلیا، لاہور) تھے جبکہ بریلوی علماء کرام کی جانب سے مناظر مولانا حشمت علی خان صاحب رضوی اور صدر مناظر مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ تھے۔ یہ مناظرہ اس اعتبار سے بہت اہمیت حاصل کر گیا کہ جانبین سے اپنے وقت کے بڑے علماء ومناظرین تشریف لائے اور باہم تبادلۂ خیالات کیا۔ اور نتیجے کے اعتبار سے یہ اس لیے اہم تھا کہ اس میں دورانِ مناظرہ ہی مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی فکری کایا پلٹ گئی اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ سے آپ رحمہ اللہ اس قدر متاثر ہوئے کہ گویا دل دے بیٹھے۔ اور پھر آئندہ سال اپنے فرزند دلبند حضرت مولانا قاضی مظہر حسین علیہ الرحمۃ کو دارالعلوم دیوبند بھیجنے کا اعلان فرما دیا۔ اس مناظرہ، اور حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کو دارالعلوم دیوبند بھیجنے کے بعد حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ دس سال تک زندہ رہے۔ اور زندگی کے ان آخری دس سالوں میں آپ علماء اہل سنت دیوبند کے عقیدتمند رہے اور آپ نے اپنی سابقہ زندگی میں غلط فہمیوں کی بنیاد پر جو ایک رائے قائم کی تھی اس سے عملاً رجوع فرمالیا۔ جیسا کہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''شعبان ۱۳۵۸ء میں جب بندہ وہاں (دارالعلوم دیوبند) سے فارغ ہوکر گھر آیا تو

---

[1] مکاتیب شیخ الادب نمبر صفحہ ۲۲، ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور فروری ۲۰۰۰ء

جناب والد مرحوم سے اکابر دیوبند کے حالات بیان کیے۔ حضرت مدنی مدظلہ کے بعض ارشادات سنائے جو میں نے قلمبند کر لیے تھے تو آپ نے حضرت کے متعلق فرمایا کہ ''آپ ولی اللہ'' ہیں۔ قطب العارفین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور امام العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند رحمہ اللہ کے حالات سن کر فرطِ عقیدت سے والد صاحب کی آنکھیں بعض وقت آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔''[1]

علاوہ ازیں اس واقعہ کے بعد حضرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ پر حوادث کا نزول ہونا بھی جاری ہو چکا تھا، جو کہ سنت اللہ ہے کہ نیک و پاکباز لوگوں کو آزمایا جاتا ہے۔ چنانچہ بڑے بیٹے غازی منظور حسین کی شہادت، پھر اپنے شہر میں چند ناعاقبت اندیش اور حاسد معاصرین کی جانب سے دل آزار کارروائیاں (جن کی تفصیل آگے موجود ہے) پھر اپنے گاؤں ہی میں ایک تنازع میں فریق مخالف کے ایک شخص کا قتل اور حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا گرفتار ہو جانا اور انہی حالات میں حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا غازی منظور حسین رحمہ اللہ کی سوانح عمری کتابت کروانے وزیر آباد جانا اور وہاں اندھیری شب میں مکان کی چھت سے گر کر انتقال فرما جانا، ایسے واقعات تھے کہ جن میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کو اپنے مشکل اور ناگفتہ بہ حالات سے نکلنے اور سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا کہ وہ علماء دارالعلوم دیوبند سے مزید تعلقات مستحکم کر سکتے، البتہ حضرت قائد اہل سنت نے پوری زندگی اُنہی اسلاف کی فکر و نظر کی ترویج و اشاعت میں گزاری اور یہ یقیناً مولانا دبیر رحمہ اللہ کے اس فیصلے کا نتیجہ تھا جو انہوں نے مناظرہ سلانوالی سے تاثر لے کر کیا تھا۔ اس مناظرے کے تقریباً ۵۴ برس بعد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ جس مخلص دوست نے مجھے یہ لکھا تھا کہ آپ مولانا کرم الدین صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادہ ہیں انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ سلانوالی مناظرہ میں راقم سطور (محمد منظور نعمانی) کے بارے میں مولانا مرحوم نے اچھی رائے قائم کی تھی اور اس کے بعد ہی انہوں نے جناب کو تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ سے تلمذ اور پھر بیعت اور پھر اجازت کا شرف بھی عطا فرمایا فھنیئاً لکم ثم ھنیئاً لکم میں چاہتا ہوں اور میری یہ درخواست ہے کہ اگر یہ واقعہ ہے تو اس کی تفصیل جناب خود اپنے قلم سے تحریر فرما دیں مجھے اس کی ضرورت ہے۔''[2]

---

[1] مظہر حسین، قاضی حضرت مولانا / مقدمہ آفتاب ہدایت صفحہ نمبر ۲۱

[2] مکتوب حضرت مولانا نعمانی رحمہ اللہ بنام حضرت قائد اہل سنت / محررہ ۲۸/ اپریل ۱۹۸۱ء

مکتوب مظہر رحمہ اللہ بنام مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ (بسلسلہ مباحثہ سلانوالی)

مکرمی حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زید فیضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ شرفِ صدور لایا، یادفرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں آج کل کرتے جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی ہے جس پر بہت زیادہ معذرت خواہ ہوں ہمارے جماعتی کارکن حافظ عبدالوحید صاحب حنفی نے میرے والدمکرم حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ سے متعلق مناظرہ سلانوالی ضلع سرگودھا کے سلسلہ میں آنجناب کی خدمت میں جو عریضہ رسال کیا تھا اس کی اطلاع انہوں نے مجھے آپ کے جوابی محررہ ۲۲/ مارچ ۱۹۸۱ء کے وصول ہونے کے بعد دی ہے۔ حسب الحکم معروضات حسب ذیل ہیں:

① ۱۹۳۶ء میں بمقام سلانوالی ضلع سرگودھا جو مناظرہ ہوا تھا اس میں علماء دیوبند کی طرف سے آپ مناظر اور حضرت مولانا عبدالحنان ہزاروی سابق خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور صدر تھے اور بریلوی علماء کی طرف سے مولانا حشمت علی خان رضوی مناظر اور میرے والد صاحب مرحوم (حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ) صدر تھے ان دنوں بندہ دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں درسی کتب پڑھ رہا تھا لیکن مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا ظہور احمد بگوی نے طلبہ کو مناظرے پر جانے کی چونکہ اجازت نہیں دی تھی اس لیے بندہ بھی سلانوالی نہ جاسکا۔ مناظرے سے واپسی پر بھی والد صاحب بھیرہ تشریف لائے تھے اور اتنا یاد ہے کہ آپ نے مجھے فرمایا تھا کہ دیوبندی مناظر کی تقریر سنجیدہ اور باوقار ہوتی تھی اور بریلوی مناظر پھکڑ باز تھے۔ جو دورانِ مناظرہ دیوبندی مناظر سے مخاطب ہوکر یہ کہتے تھے ''میں ناظر تو منظور، میں ناظر تو منظور''۔ یہ بھی والد صاحب نے فرمایا تھا کہ مناظرہ سے واپسی پر اسٹیشن پر جب میں ریل میں بیٹھا ہوا تھا تو بعض دیوبندی علماء میرے پاس آئے جن میں مولانا قاضی شمس الدین صاحب (حال گوجرانوالہ) بھی تھے انہوں نے مجھ سے آکر کہا کہ آپ نے اپنی کتاب ''آفتاب ہدایت'' میں تو یہ لکھا ہے کہ علم ما کان وما یکون خاصۂ باری تعالیٰ ہے لیکن مناظرہ میں آپ کا موقف اس کے خلاف تھا؟ تو میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ ''یہ جگہ مناظرے کی نہیں ہے۔'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلانوالی کے مناظرہ میں جناب والد مرحوم علماء دیوبند کے تحقیقی مسلک سے متاثر ضرور ہوئے تھے اور چونکہ والد صاحب مرزائیت اور شیعیت کے رد وابطال میں زیادہ منہمک تھے اس لیے دیوبندی بریلوی مسائل کی تحقیق کی طرف توجہ نہیں فرما سکے اور بظاہر (اس وقت) بریلوی مسلک کے باوجود بعض علمائے دیوبند سے آپ

کے روابط ضرور تھے چنانچہ اپنی کتاب ''تازیانہ عبرت'' کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کی ضرورت کے تحت لکھا ہے کہ:

> ''ایک دفعہ انجمن شباب المسلمین بٹالہ (ضلع گورداسپور) میں جناب مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑی سخت تاکید فرمائی کہ روداد ضرور شائع ہونی چاہیے۔ اس لیے اب یہ روداد مکرر بہت سی ترمیم اور ایزادی مضامین کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔''

② بندہ دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ سے رمضان المبارک کی تعطیلات میں جب واپسی گھر آیا تو حضرت والد مرحوم کے سامنے دارالعلوم دیوبند میں اپنے داخلے کی خواہش کا اظہار کیا تو والد صاحب نے بلا تامل میری خواہش قبول فرمائی۔ اس وقت میں اکابر دیوبند کے حالات سے واقف نہ تھا اور خاص عقیدت نہ رکھتا تھا صرف اس بناء پر داخلے کی خواہش پیدا ہوئی کہ طلبہ سے سنتا تھا کہ دارالعلوم میں ہر کتاب صاحبِ فن کے سپرد کی جاتی ہے حضرت والد صاحب نے رمضان المبارک میں حضرت الشیخ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں خط لکھ دیا کہ میں اپنے فرزند کو آپ کے زیر سایہ دارالعلوم میں تعلیم دلوانا چاہتا ہوں تو اس کے جواب میں حضرت مدنی قدس سرہ نے سلہٹ (آسام) سے یہ تحریر فرمایا تھا کہ رمضان المبارک کے بعد آپ اپنے فرزند کو دیوبند بھیج دیں، میں نے اس کے متعلق حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کو لکھ دیا ہے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس گرامی نامہ سے جناب والد مرحوم بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ ''آج ہندوستان کی بہت بڑی شخصیت کا خط آیا ہے'' اور حضرت نے چونکہ اس میں اپنے متعلق متواضع الفاظ لکھے تھے اس لیے والد صاحب مرحوم نے فرمایا: ''نہد شاخ پُر میوہ بر سر زمین۔''

③ بندہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب والد صاحب کا خط پیش کیا حضرت مدنی رحمہ اللہ کسی تحریر میں مشغول تھے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور فرمایا کہ ''اچھا آپ ہیں'' پھر (دوبارہ) تحریر میں مشغول ہو گئے۔ میں کچھ دیر بیٹھ کر چلا آیا لیکن حضرت مدنی رحمہ اللہ کی اس ایک نگاہ کا اثر مجھ پر یہ ہوا کہ میں نے پنجابی روایتی لباس کے مطابق سر پر لمبا طلائی کلاہ اور اس پر پگڑی باندھی ہوئی تھی مجھے یہ محسوس ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ نے اس کلاہ کو ناپسند فرمایا ہے۔ اس تاثر کے تحت میں نے بعد میں وہ کلاہ جلا دیا یہ حضرت مدنی قدس سرہ کی پہلی کرامت تھی۔ اس کے بعد مجھے کلاہ سے نفرت ہو گئی۔ کوئی دوسرا بھی باندھتا ہے تو میرے دل میں تکدر پیدا ہو جاتا ہے۔

④ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد میں نے جناب والد صاحب کو دارالعلوم اور اکابر دیوبند کے حالات بتائے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی تقاریر جو بندہ نے قلمبند کی تھیں اور تصوف وسلوک سے متعلقہ حضرت کے ارشادات کو بھی لکھ لیتا تھا، جناب والد صاحب مرحوم کو ان کا بعض حصہ سنایا تو مرحوم بہت متاثر ہوتے تھے اور رقت قلبی کی وجہ سے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ والد صاحب کو غائبانہ عقیدت بھی پیدا ہوگئی تھی میرے بڑے بھائی مولوی منظور حسین صاحب شہید (بی اے) کو بھی غائبانہ حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بہت زیادہ عقیدت پیدا ہوگئی تھی اور دارالعلوم کے کرتہ اور شلوار کے نمونہ پر انہوں نے بھی کھدر (گاڑھے) کے کپڑے سلوا لیے تھے۔

⑤ موتیا بند ہونے کی وجہ سے حضرت والد مرحوم کی بینائی جاتی رہی تھی پیرانہ سالی میں صدمات کا ہجوم تھا حضرت مدنی قدس سرہ سے عقیدت پیدا ہو چکی تھی بندہ نے سنٹرل جیل راولپنڈی سے حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت والد صاحب کو جو عریضہ لکھا تھا وہ حسب ذیل ہے:

> ''ملاقات کے بعد کا پہلا کارڈ کاشف احوال ہوا۔ الحمد للہ کہ حضرت مدنی مدظلہ اواخر ماہِ اگست رہا ہو چکے ہیں احقر کا خیال ہے کہ آپ بیعت کے لیے حضرت مدنی سے مکاتبت کریں۔ غالباً ان ایام میں دیوبند میں ہی اقامت گزیں ہوں گے۔ اپنی پیرانہ سالی اور دیگر احوال بھی تحریر کر کے بیعت کی استدعا کریں کیا عجب کہ زندگی کے آخری لمحات میں یہی بیعت آپ کی مغفرت اور قرب خداوندی کا وسیلہ بن جائے۔ اس کے بعد زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ آپ ایک سفر دیوبند کا محض تطہیر قلب اور حصول رضائے الٰہی کے لیے اختیار فرمائیں اور ہفتہ عشرہ حضرت کی صحبت سے فیض یاب ہوں اس میں بہت زیادہ فائدے کی امید ہے دارالعلوم بھی دیکھ لیں گے حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مزارات کی بھی زیارت ہو جائے گی اور دورۂ حدیث میں بھی فی الجملہ شرکت نصیب ہوگی بندہ کے لیے بھی خاص دعا کرائیں گے۔''

اس کے بعد جناب والد صاحب نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں بیعت کے لیے عریضہ بھیج دیا حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جو جواب دیا اس کا مضمون یہ تھا کہ:

''تجدید بیعت کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے سابق شیخ کے تلقین کردہ وظیفہ کی پابندی کرتے رہیں۔''

والدمرحوم فرماتے تھے کہ اس کے بعد مجھے حضرت مدنی رحمہ اللہ کا فیضان محسوس ہوتا رہا۔

⑥ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت والد صاحب مرحوم کو دارالعلوم دیوبند اور حضرات اکابر سے عقیدت کا تعلق حاصل ہو گیا تھا جس کے ثبوت کے لیے یہ کافی ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ اسیر مالٹا، کے بھتیجے مولانا راشد حسن عثمانی صاحب مرحوم ہمارے آبائی گاؤں بھیں (چکوال) میں دارالعلوم سے میری فراغت کے بعد تشریف لائے تھے تو جناب والد مرحوم نے ان کی تقریر اپنی مسجد میں کرائی تھی اور خود بھی دارالعلوم اور اکابر کی تعریف کی تھی اور دارالعلوم کے لیے چندہ بھی دیا تھا[1]۔

مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ کا آنکھوں دیکھا حال (بسلسلہ مباحثہ سلانوالی)

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے گزشتہ خط میں حضرت مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ آف گوجرانوالہ کا حوالہ گزرا ہے جنہوں نے بعد از مناظرہ ٹرین میں بیٹھے مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ سے ملاقات کی تھی، اب ہری پور ہزارہ کے دوسرے بزرگ مولانا قاضی شمس الدین (آف درویش) کا بیان بھی پڑھیے۔آپ بھی بنفس نفیس مناظرہ سلانوالی میں موجود تھے،آپ نے کیا دیکھا؟ کیا پایا؟ اُنہی سے سنیے۔

''فقیر اس وقت موضع بیدڑہ تحصیل مانسہرہ میں استاذ العلماء حضرت مولانا محمد نعمان صاحب رحمہ اللہ سے پڑھتا تھا استاذ محترم گاہے ماہے گلی باغ شریف لے جایا کرتے تھے خود مرید تو مرولہ شریف ضلع سرگودھا کے کسی بزرگ سے تھے وہیں سے ایک بزرگ مولانا شہاب الدین ہر سال بیدڑہ شریف تشریف لایا کرتے تھے فقیر نے ان کی بھی زیارت کی ہے۔شیخ الاسلام والمسلمین، مطلوب الطالبین حضرت مولانا محمد قمر الدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ کی پہلی بار زیارت جلسہ مناظرہ موضع سلانوالی ضلع سرگودھا میں ۱۹۳۶ء میں ہوئی تھی اس وقت فقیر کی عمر ۱۷، ۱۸ برس کی ہوگی۔اور وان بچھراں ضلع میانوالی میں استاذ العلماء مولانا غلام یٰسین رحمہ اللہ سے ہم پڑھتے تھے۔سلانوالی میں مسئلہ علم غیب پر مولانا حشمت علی صاحب لکھنوی (بریلوی) اور مولانا محمد منظور صاحب لکھنوی (دیوبندی) کے درمیان مناظرہ ہوا تھا بریلوی جماعت کی طرف سے مولانا کرم الدین دبیر صاحب ساکن بھیں تحصیل و ضلع چکوال صدر مناظر تھے اور دیوبندی جماعت کی طرف سے مولانا عبدالحنان ہزاروی صاحب (مولداً موضع جدید بالاکوٹ) خطیب جامع مسجد آسٹریلیا لاہور، صدر مناظر تھے دو اسٹیج الگ الگ آمنے سامنے بنائے گئے

---

[1] مکتوب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ بنام مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ محررہ ۲۰، ستمبر ۱۹۸۱ء

تھے اس وقت اپنا ذہن بریلویت کے قریب تر تھا اس لیے فقیر بریلوی اسٹیج پر جا بیٹھا قریب ہی ایک بزرگ تشریف فرما تھے ایک آدمی نے بتایا کہ یہ صاحبزادہ قمرالدین سیالوی ہیں عام طور سے مناظرہ میں احقاق حق تو کم ہی پیش نظر ہوتا ہے ہر قیمت پر اپنی جیت ہی زیادہ پیش نظر ہوتی ہے اور مناظر جب کہیں پھنس جاتا ہے تو کمزور بات کو کڑاکے دار لہجہ میں بیان کرتا ہے جس کی عوام کالانعام سے تو خوب داد ملتی ہے مگر اہل علم کو یہ چابک دستی پسند نہیں آتی۔ مولانا حشمت علی صاحب عالم تو تھے مگر مناظر زیادہ تھے ادھر شیخ الاسلام حضرت سیالوی رحمہ اللہ بڑے راسخ العلم اور منصف مزاج تھے اور ان کے پاس مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ امیر حزب الانصاب بھیرہ بیٹھے تھے۔ تو جب مولانا حشمت علی صاحب علمیت سے گری ہوئی کوئی کمزور بات کرتے تو حضور سیالوی، مولانا ظہور احمد صاحب کو اپنی علاقائی پنجابی میں فرماتے ''ویکھ کھاں کیا چبل مریندا پیا اے'' یعنی دیکھو کتنی غلط بات کر رہے ہیں دوسری طرف مولوی محمد منظور نعمانی بڑی متانت سے پختہ بات کرتے، مناظرہ ختم ہوتے ہی ہم تو واں بھچراں آ گئے اور مولانا کرم الدین دبیر صاحب اپنے گاؤں ''بھیں'' چلے گئے لیکن ان کے دل پر مولانا حشمت علی صاحب کے اس جملہ ''تو منظور میں ناظر، میں ناظر تو منظور'' کی بار بار تکرار بہت ناگوار گزری اور منظور صاحب کی متانت بیانی اثر کر گئی، گھر پہنچ کر اپنے لڑکے قاضی مظہر حسین کو تفصیل مناظرہ سنائی پھر اسی سال قاضی مظہر حسین کو خود دیوبند حضرت مدنی کے نام خط دے کر روانہ کر دیا، کسی نے سچ کہا ہے:

انقلابات ہیں زمانے کے
کل کے دشمن بنے ہیں آج سجن[1]

مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ کی دِل گرفتگی (بسلسلہ مباحثہ سلانوالی)

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی تحریر میں یہ بات گزر آئی ہے کہ دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ کے مہتمم اعلیٰ حضرت مولانا ظہور احمد بگوی مرحوم نے طلبہ دارالعلوم کو اس مناظرہ میں جانے سے منع فرما دیا تھا، وجہ اس کی یہ تھی وہ دیوبندی، بریلوی مناقشات کو اتحاد اہل سنت کے لیے بے حد خطرناک سمجھتے تھے۔ مولانا بگوی مرحوم بادلِ نخواستہ خود اس مناظرہ میں شریک تو رہے مگر انتہائی دل گرفتگی و شکستگی کے ساتھ! چنانچہ انہوں نے اپنے قلبی اضطراب کو انہی دنوں ظاہر فرما دیا تھا، انہی کے الفاظ میں پڑھیے۔

[1] مکتوب مولانا قاضی محمد شمس الدین بنام حاجی مرید احمد چشتی رفوز المقال فی خلفاء پیر سیال رجلد نمبر ۶، صفحہ نمبر ۵۳۶، مطبوعہ کراچی

''میں اپنے عقیدے کے متعلق اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ سید المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں ہمنوا ہوں۔ علماء بریلی یا علماء دیوبند میں سے کسی کی تکفیر کرنے والے کو برا سمجھتا ہوں جن مسائل پر یہ حضرت باہم دست و گریباں رہتے ہیں وہ علمی مسائل ہیں۔ عوام کو ایسی موشگافیوں کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آئندہ کے لیے ''شمس الاسلام'' میں ایسی کوئی تحریر شائع نہ ہوگی جن فرقوں کے کفر پر امت محمدیہ کا اجماع ہے۔ ان کی تردید ہمارے لیے مقدم ہے۔ مناظرہ سلانوالی میں خاکسار نے مصالحت و مفاہمت کے لیے بے حد کوشش کی، مگر افسوس ہے کہ شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا[1]۔

مولانا محمد عنایت اللہ چشتی آف چکڑالہ کا ایک خط، اس داستانِ زریں کی سنہری کڑی

چکڑالہ ضلع میانوالی کے مولانا عنایت اللہ چشتی کا وجود اور بھرپور زندگی تحریکی، مذہبی اور مشاہداتی لحاظ سے گویا ایک ''یادوں کی بارات'' تھی۔ آپ مجلس احرار اسلام کے ابتدائی لوگوں میں سے تھے اور حضرت شاہ جی امیر شریعت رحمہ اللہ کے نہایت مقربین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ مجلس احرار اسلام نے جب پہلے پہل قادیان میں دفتر قائم کیا تھا تو وہاں جا کر کام کرنا کسی میانوالی کی مٹی سے ہی بنے انسان کا کام تھا، سو مولانا چشتی کا انتخاب ہوا آپ کی معروف کتاب ''مشاہداتِ قادیان'' لائق مطالعہ ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے نام اب سے کم و بیش ۲۵، ۳۰ سال قبل ایک خط لکھا تھا جس میں حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے متعلق آپ نے نہایت منصفانہ تجزیہ کیا تھا، متذکرہ خط میں اگرچہ مناظرہ سلانوالی سے متعلقہ براہِ راست تو کوئی بات نہیں ہے، تاہم اس معلومات افزا خط سے جہاں اور بہت کچھ مترشح ہوتا ہے وہاں بلواسطہ مناظرہ سلانوالی سے آمدہ تاثر کا بھی بخوبی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ خط ماہ نامہ حق چاریارؓ کی ابتدائی فائلوں میں سے اس شمارہ کے جواب میں ہے جس میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے مضامین میں سے ایک کے اندر اپنے والد گرامی ابوالفضل حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ پر معترضین کی جانب سے وارد عائد کیے جانے والے اعتراضات پر تبصرہ فرمایا تھا، افسوس کی بات یہ ہے کہ ان معترضین میں سے حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ (درویش، ہری پور) بھی تھے جن کا تبصرہ دربارۂ مناظرہ سلانوالی گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔ اور جو بذاتِ خود اس مناظرہ کے عینی گواہ اور حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کی علمی ہیبت و دبدبہ کے اقراری و معترف تھے۔ مگر جب مجلس احرار کے ملتانی ایڈیشن نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ساتھ مسئلہ فسق یزید پہ مخالف کیمپ لگایا تو

---

[1] ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ، مولانا، ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ، صفحہ نمبر ۳۲ تا ۳۴ بابت، جولائی ۱۹۳۷ء

مولانا قاضی شمس الدین صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کوتاہی کی، بہرحال اس شمارہ میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا مضمون "القاضی علی القاضی" کا دلچسپ آئینہ دار ہے۔علاوہ ازیں دوسرے مضمون میں معروف معاصر شیعہ مجتہد مولانا محمد حسین صاحب ڈھکو کی چکوال شہر میں ہونے والی ایک تقریر کا جواب بعنوان "اہل قبلہ کون ہے؟[1]" شائع ہوا۔ چنانچہ یہ شمارہ پڑھ کر مولانا عنایت اللہ صاحب چشتی رحمہ اللہ نے ایک تاثراتی مضمون بصورتِ خط روانہ کیا تھا۔ جو پہلی مرتبہ افادۂ عام کے لیے کتاب ہذا کی زینت بننے جارہا ہے۔مولانا چشتی مرحوم کا خط ملاحظہ ہو۔

"واجب الاحترام حضرت مولانا زید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ مجھے ماہ نامہ حق چار یارؓ کا تازہ پرچہ موصول ہوا یہ عریضہ اس کے شکریہ اور اعلیٰ مضامین کا اعتراف ہے پرچہ پر تبصرہ بعد میں ہوگا پہلے میں اپنا مختصر تعارف کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔

جناب والا! میں ایک گوشہ نشین درویش ہوں اور گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہوں اور میری عمر اس وقت نوے منزلیں طے کر چکی ہے، ضعف قویٰ اور ضعف بصر جو اس عمر کا فطری تقاضہ ہے، کا ظہور نمایاں ہے۔ مجھے وہ زمانہ یاد ہے کہ جب میں ابتدائی نحوی ترکیب سے فارغ ہو کر موقع "کدلٹھی" میں نحو میر پڑھنے کے لیے حاضر ہوا اور کوئی تین ماہ موضع "کدلٹھی" میں قیام کر کے نحو میر ان کے انداز میں پڑھا۔ رات کو میرا قیام موضع "بھیں" میں ہوتا تھا اور صبح موضع کدلٹھی چلا جاتا تھا اس زمانے میں حضرت دبیر رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ عروج پر تھا اور کبھی کبھار حضرت کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا رہتا تھا۔اس کے بعد میں موضع "انہی" منطق پڑھنے چلا گیا حضرت مولانا غلام رسول صاحب سے جا کر منطق کی "ایساغوجی" سے "ملاحسن" تک کتب پڑھیں اور میرا قیام موضع کھنب میں رہا۔ انہی ایام میں حضرت استاذ مرحوم گجرات کے دورہ پر گئے تو میں ان کے ہمراہ تھا موضع "گنجہ" کے نواح میں مولوی محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری سے تقلید پر مناظرہ تھا، اہل سنت کی جانب سے ایک عالم مولوی نظام الدین صاحب ملتانی مناظرہ کر رہے تھے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب بلا کے ذہین اور زبان دراز تھے جبکہ ان کے مقابلہ میں مولوی نظام الدین ملتانی ایک ڈھیلا ڈھالا سا سادہ مولوی تھا، بڑا بھاری مجمع تھا اور نمایاں محسوس ہونے لگا

[1] "اہل قبلہ کون؟" نامی مذکورہ مقالہ کتابی صورت میں ادارہ مظہر التحقیق لاہور کی جانب سے چند سال قبل شائع ہو کر مقبول عوام وخواص ہو چکا ہے۔ الحمدللہ علی ذالک۔ (سلفی)

کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا غلبہ ہو رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر مرحوم بھی مجمع میں موجود تھے انہوں نے محسوس کیا کہ مجمع پر بُرا اثر پڑ رہا ہے تو حضرت دبیر غصہ کی حالت میں اٹھے اور مولوی نظام الدین کے کندھوں سے پکڑ کر پیچھے کر دیا اور خود مولوی ثناء اللہ صاحب کے سامنے آ گئے۔ تو نقشہ ہی بدل گیا حضرت دبیر مرحوم نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو ایسا دبایا کہ وہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور اہل سنت کی عزت بچ گئی۔ موضع ''انہی'' میں میرے قیام کے دوران حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف اور مولانا مولوی حسین علی صاحب واں بھچراں کا مناظرہ واں بھچراں میں طے پایا اور ہم لوگ موضع ''انہی'' سے واں بھچراں گئے۔ اور وہاں جو کچھ ہوا میں اس معرکہ میں موجود تھا۔ مناظرہ سے فارغ ہو کر جب ہم لوگ واپس موضع انہی آئے تو میرے ہمراہ ساتھیوں نے حضرت مخدوم استاذ صاحب سے میری شکایت کی کہ اس کا رجحان پیر صاحب گولڑہ کی طرف رہا۔ حضرت مخدوم استاذ، مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب کے معتقد اور مرید تھے انہوں نے برا منایا اور میری جانب سے توجہ ہٹالی اور مجھے بامر مجبوری درسگاہ ''انہی'' سے محروم ہونا پڑا۔ ان ایام میں معقولات کا تخیل دل و دماغ پر سوار تھا، کہیں اسباق پسند نہیں آتے تھے، پھرتا پھراتا اچھرہ (لاہور) آ گیا تو وہاں حافظ مہر محمد صاحب مرحوم معقولات پڑھا رہے تھے موضع ''انہی'' کی برابری تو نہ تھی مگر کچھ اطمینان ہوا کہ پورے پانچ برس تک ان کی خدمت میں رہ کر درس نظامی ختم کیا اور فراغت کے بعد مزنگ مین بازار، اونچی مسجد میں خطیب مقرر ہوا۔ قیام اچھرہ کے دوران حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ میرے پاس آئے اور میرے ہاں قیام فرمایا اور ہم نے مزنگ چوک میں ان کی مرزائیت کے خلاف تقریر بھی کروائی تھی اور حضرت مرحوم سے خاصا تعارف ہو گیا۔ انہی ایام میں دیوبندی بریلوی اختلاف پر مسجد وزیر خان میں مناظرہ قرار پایا، بریلویوں کی جانب سے مولوی حشمت علی صاحب ایک ہندوستانی مولوی تھے، شرائط کے اختلاف کی وجہ سے مناظرہ تو نہ ہوا مگر بڑا ہجوم اور مجمع تھا۔ حضرت مولانا کرم الدین دبیر مرحوم بھی مجمع میں تشریف فرما تھے۔ مولوی حشمت علی صاحب کا انداز ہمیں بھی پسند نہ تھا اور حضرت دبیر نے تو بہت ہی ناپسند کیا، آپ فرماتے تھے کہ کاش یہ ہندوستانی مولوی مجھے موقع دیتے، مگر مناظرے کے بانی مولوی دیدار علی تھے جو ہندوستانیوں کو پسند کرتے تھے۔ ان ایام میں حضرت دبیر رحمہ اللہ سے خوب مجلس رہی اور ان دنوں حضرت مرحوم دیوبندی حضرات کی بعض عبارتوں کو ناپسند فرماتے تھے اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ کے مداح تھے بہر حال ان ایام میں حضرت دبیر مرحوم و مغفور کے متعلق ہماری رائے تھی کہ آپ عبقری درجے کے ذہین و فطین انسان ہیں اور

مقدمات میں انہوں نے مرزا غلام احمد کو خوب ذلیل وخوار کیا تھا۔ حضرت فیضی صاحب مرحوم جو حضرت دبیر مرحوم کے بھائی تھے ان کے انتقال پر مرزا غلام احمد نے ان کے متعلق کچھ توہین آمیز کلمات استعمال کیے تھے تو حضرت دبیر مرحوم نے مرزا کے خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا تھا اور اس مقدمہ میں حضرت دبیر مرحوم نے مرزا غلام احمد کو علمی میدان میں خوب خوار اور ننگا کیا تھا اور آخرا سے عدالت سے سزا بھی ہوگئی تھی۔ مگر انگریز اپنے اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری کر رہا تھا اس لیے اپیل پر اسے بری کر دیا گیا۔ بہر حال حضرتِ دبیر مرحوم سے میرا اقریبی تعلق مسلمہ ہے۔ اس کے بعد میں کچھ عرصہ کالاباغ رہا اور ملک شیر محمد خان مرحوم سے میرے بہت تعلقات تھے وہ آپ سے بھی ملتے رہتے تھے اور میں بھی متمنی رہا کہ آپ کی زیارت کروں مگر کامیاب نہ ہوا اور ملک صاحب اس دنیا سے کوچ کر گئے اور اب میری حالت اتنی کمزور ہوگئی ہے کہ میں سفر کے قابل نہ رہا۔ ماہ نامہ حق چار یار ب کا تازہ پرچہ موصول ہوا، خدا معلوم آپ نے مہربانی فرمائی یا کسی اور دوست نے! مگر پرچہ مجھے مل گیا۔ اگر آپ نے مہربانی فرمائی ہے تو مجھے آئندہ بھی توقع ہوگی کہ اس مایوس گوشہ نشین کو پھر بھی کبھی کبھار یاد فرمالیا کریں گے۔ موجودہ پرچہ حق چار یارؓ میں جس مضمون کو اعجازی حیثیت ہے وہ مضمون ہے آپ کا، جو آپ نے شیعہ مبلغ ڈھکو صاحب کے جواب میں رقم فرمایا ہے۔ مولانا سچ جانیے کہ ڈھکو نامراد نے اپنی تقریر میں کچھ سوالات اٹھائے ہیں کہ جسے ایک عام مولوی ہمارے درس کا پڑھا ہوا، پڑھ کر حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس نامراد کے بعض سوالات واقعی لاجواب اور لاینحل محسوس ہوتے ہیں مگر میں آپ کے وسعت مطالعہ کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ آپ کا ہی حصہ ہے اور دل کی گہرائی سے دعا نکلی کہ خدایا ایسے لوگوں کو تادیر زندہ رکھ، جو دشمن کے ہر لاینحل سوال کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور یہ صلاحیت انہوں نے شدید محنت و وسعت مطالعہ سے پیدا کی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ کی نشانی ہیں اور وہ اپنے زمانے میں نہایت ذہین علماء میں شمار ہوتے تھے جو دشمن کو فوری جواب دینے پر قادر تھے۔

مجھے حضرت دبیر مرحوم کے متعلق تو وثوق سے معلوم نہیں کہ وہ فتویٰ نویسی کا معاوضہ لیتے تھے یا نہیں، لیکن دیگر بہت سے ثقہ علماء کے متعلق علم ہے کہ وہ فتویٰ نویسی کا معاوضہ لیتے تھے اور بدنام بھی نہیں تھے مثلاً امام غزالی صاحب مرحوم ٹمن والے، مجھے علم ہے کہ وہ فتویٰ نویسی کا معاوضہ لیتے تھے اور کبھی کسی نے اعتراض بھی نہیں کیا تھا کیونکہ فتویٰ نویسی ایک ایسا فن ہے جو خاصہ وقت صرف کرنے کے بعد حاصل

ہوتا ہے۔ساری دنیا اپنے صَرف وقت کا معاوضہ لیتی ہے تو اگر کسی عالم نے اپنے صَرف وقت کا معاوضہ لے لیا تو کیوں قابل اعتراض ہے؟ البتہ قابل اعتراض بات یہ ہے کہ پیسے لے کر جھوٹے فتوے دے دے اور حق فتویٰ خواہ کسی کو پسند ہو یا نہ ہو۔ اپنی محنت کا معاوضہ کیوں ناجائز ہے؟ ہمارے سامنے کندیاں (میانوالی) میں ایک مولوی صاحب تھے جن کا اسم گرامی نور محمد تھا۔ وہ فتویٰ نویسی کی محنت اور وقت کا معاوضہ لیا کرتے تھے اور اسی طرح مولانا غلام محمود صاحب (پپلاں) بڑے فتویٰ نویس تھے اور معاوضہ لیا کرتے تھے، ہمیں علم نہیں کہ حضرت دبیر مرحوم فتوے کا معاوضہ لیا کرتے تھے یا نہیں؟ مگر انہوں نے کبھی فتویٰ نویسی کا معاوضہ لے بھی لیا ہو تو کیا کفر ہو گیا؟ حضرت دبیر مرحوم میں یہ فضیلت تھی کہ شیعہ اُن کے نام سے جلتے تھے اور انہیں بدنام کرنے کے سلسلے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اور یہ کبتیں[1] شیعہ کی ایجاد کردہ حربے کے لیے استعمال ہوئیں ورنہ حضرت دبیر مرحوم کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے وہ بڑے باوقار اور اپنی خودی کی حفاظت کرتے تھے۔مگر دشمن کی زبان یا تحریر کو کون روکے؟ کتے بھونکتے ہیں اور کام کرنے والے اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ حضرت دبیر مرحوم نے اس دور میں شیعوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا ہمارے ہاں کندیاں میں شیعہ سنی مناظرہ ہوا حضرتِ دبیر سنی مناظر تھے اور شیعہ مناظر مولوی احمد علی (امرتسری ثم لاہوری) تھا حضرت دبیر رحمہ اللہ نے جب تقریر کی تو عوام شیعہ مولوی پر پل پڑے اور وہ پولیس کی حفاظت میں جان بچا کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ میں ملک شیر محمد اعوان کی ہمراہی میں لاہور مولوی احمد علی کو ملا اور ہم نے ان سے مناظرہ کندیاں کا حال دریافت کیا تو وہ اب بھی کانپ رہا تھا اور کہنے لگا وہ (مولانا دبیر) بڑا خطرناک انسان ہے اس نے لوگوں کو میرے خلاف ایسا بھڑکایا کہ بڑی مشکل سے میں جان بچانے میں کامیاب ہوا۔ اور حضرت دبیر مرحوم کی مشہور تصنیف ''شمس الہدایت''[2] آج تک لاجواب پڑی ہے اور اگر حضرت دبیر بریلوی نظریات کے حامل تھے تو کسی کو کیا اعتراض ہے؟ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب دنیاء عالم میں اپنے وسعت علم کی سند حاصل کر چکے ہیں اور کئی اہل علم نے ان کے متعلق مقالات لکھ چکے ہیں۔ اور اگر بقول

---

[1] ''کبت''، یعنی کسی کو بدنام کرنے کے لیے کوئی محاورہ گھڑ کے اُسے عوام میں نشر کر دینا، پروپیگنڈہ کرنا اور اس کی شخصی، خاندانی ساکھ یا علمی عظمت کو متاثر کرنے کی بے کار کوشش کرنا۔

[2] ''آفتاب ہدایت'' کو ضعفِ دماغ اور نسیان کی وجہ سے ''شمس الہدایت'' درج کر دیا گیا ہے، جو کہ نادرست ہے۔(سلفی)

آپ کے حضرت دبیر رحمہ اللہ علماء دیوبند کی علمی خدمات کے قائل تھے تو یہ بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے فاضل بریلوی کو حضرات علماء دیوبند کی بعض عبارتوں پر اختلاف تھا، جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہ ان کو نصیب ہو اور دوسری طرف حضرات علماء دیوبند نے عبارتوں کی جو تاویل کی ہے وہ بھی اپنی جگہ ایک موقف ہے ہر اہل علم کو اختیار ہے کہ وہ نیک نیتی سے فاضل بریلوی کا موقف اختیار کرے۔ اور اسی طرح کوئی اہل علم نیک نیتی کے ساتھ علماء دیوبند کی خدمت دینی کو سامنے رکھ کر ان کی تاویل قبول کرے اور فاضل بریلوی کے ساتھ فتویٰ کفر سے انکار کرے تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔ میرا اپنا نظریہ بھی یہ ہے کہ گو ان عبارتوں کے متبادر حصے فاضل بریلوی کی تائید کرتے ہیں مگر علماء دیوبند کی تاویلات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ میں فاضل بریلوی کی علمی قابلیت کا قائل ہوں مگر ان کے کفر کے فتوے سے متفق نہیں ہوں اور علماء دیوبند کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں۔

نیک نیتی ہو، عناد نہ ہو تو معاملہ آسان ہے اور اگر نیت میں فتور ہو تو پھر اللہ حافظ، حضرت دبیر مرحوم کی خدمات کا بجائے اقرار واعتراف کے ان پر اعتراض کرنا کوئی پسندیدہ نظریہ نہیں ہے۔ میں خود احراری ہوں اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب کے ساتھ ایک مدت تک کام کیا ہے۔ اور ان کی خدمات کا دل وجان سے قائل ومعترف ہوں اللہ پاک انہیں نیک معاوضہ دے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ اور اسی طرح حضرتِ دبیر رحمۃ اللہ علیہ جو انمٹ نشان چھوڑ گئے وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ ان کا ایک ایک لفظ جو انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے سامنے آنکھ سے آنکھ ملا کر ارشاد فرمائے ہیں، ان کے جنتی ہونے کے لیے کافی ووافی ہیں، خواہ دوسرے نظریات علماء دیوبند کے موافق رکھتے ہیں یا علماء بریلی کی تائید میں! یہ معاملہ خدا کے سپرد ہے اور خداوند تعالیٰ حاکم عدل ہے۔ ہمیں تو حضرت دبیر کا انداز ورعب اور **زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ** یاد آتا ہے تو ان کے لیے دعا نکلتی ہے۔ یہ ہیں ایک بوڑھے کے نظریات:

گر قبول افتدز ہے عزو شرف

یزید کا معاملہ: ہزار احتیاط کرو مگر یزید شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا یزید کی یہ بدبختی کیا کم ہے کہ اس نے امام عالی مقام سے بیعت کا مطالبہ کر کے انہیں نہ صرف پریشان کیا بلکہ پورے خاندان کو شہید کیا اور ان کی مستورات کو قیدی بنا کر دمشق بلوایا۔ یزید کا صرف یہ کہنا کہ اے ابن سمیہ! میں نے قتل کا حکم تو نہیں دیا تھا، کیا اس کی برأت کے لیے کافی ہے؟ اگر یہ حادثہ عظیمہ یزید کی مرضی اور حکم کے بغیر وقوع پذیر ہوا تھا تو پھر قتل کے ذمہ دار لوگوں کو حضرت امام کے قصاص میں قتل کرنا

چاہیے تھا۔ اور حکومت سے دست بردار ہو کر حکومت کی باگ دوڑ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دینی چاہیے تھی۔ کیونکہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے عادات و اطوار کے لحاظ سے وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت امام حسین رضی اللہ عنہ کو الگ حاصل تھی تو ان حالات میں یزید کا یہ کہنا کہ میں نے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور سیاہ لباس پہن کر ماتم کرنا، جیسا کہ شیعہ کتب میں مسطور ہے۔ کیا اس کی برأت کے لیے کافی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ابن زیاد کو کوفہ کا خصوصاً گورنر بنانا اور بھاری فوج اس کے تابع فرمان کر کے انہیں حکم دینا کہ جس طرح بن پڑے امام حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت لینی ہے اور ہر حالت میں لینی ہے۔ کیونکہ جب تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ بیعت نہیں کرتے تب تک میری حکومت خطرے سے خالی نہیں۔ کیا ان حالات سے وقف یزید کو بری الذمہ قرار دے سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ تو خود فریبی ہے۔ چلو مان لیا کہ دوسرے عیوب جو یزید کی جانب منسوب کیے جاتے ہیں، ہم فرض کر لیتے ہیں کہ مبالغہ ہے، مگر مندرجہ بالا حالات یعنی طلب بیعت اور اس کے لیے فوج بھیجنا، کیا یہ حالات یزید کی معصومیت کے مظہر ہیں یا اس کے ہوسِ اقتدار کے منادی ہیں؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت کچھ کہا گیا ہے اور بہت کچھ معرضِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ وہ یقیناً صحابی ہیں اور بڑے سیاستدان! اور ان کے توسط سے بڑا علاقہ مسلمانوں کے انقلاب میں آیا۔ اور حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بڑا اہم عہدہ سونپا اور انہوں نے حضرت امیر المومنین کو شکایت کا موقع نہیں دیا جو احتساب کے معاملہ میں سخت گیر اور کسی مصلحت کے روادار نہ تھے حضرت امیر المومنین کی گرفت سے بچنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی سند اور کوالیفکیشن ہے۔ لیکن تاریخ اسلامی لکھنے والوں نے ایسے واقعات بھی تو محفوظ و مرقوم کر رکھے ہیں کہ جن کی مذمت سے ایک مسلمان کو چارہ نہیں۔ پھر تمام اولوالعزم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر انداز کر کے یزید جیسے کھلنڈرے کو ان کی گردنوں پر سوار کر دینا، کیا تاریخ اسے فراموش کر سکتی ہے؟ اب ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اجتہادی غلطی کے تصور کو سامنے رکھ کر خاموشی کو ترجیح دیں، نہ یہ درست ہے کہ آج چودہ صد برس کے بعد ان کی فروگذاشتوں کو سامنے رکھ کر ایک محاذ بنایا جائے جیسا کہ روافض نے بنا رکھا ہے اور نہ ہی اُن کی صفائی میں کاغذ سیاہ کرنا اور تضیع اوقات کرنا مناسب ہے۔ ان میں خوبیاں بھی تھیں اور کمزوریاں بھی، وہ اپنی خوبیوں اور کمزوریوں کو لے کر عدالت عالیہ کے سامنے جا چکے ہیں۔ اب وہ جانے اور عدالت عالیہ

خداوند کریم! ہمارے لیے بہترین رستہ خاموشی ہے اور میرا یہ مذہب ہے، مسلک ہے، جو میں نے مختصراً تحریر کر دیا ہے اللہ پاک اپنی بارگاہ میں عفو قبولیت کا حکم ہمارے حق میں صادر فرمائے۔ آمین

الراقم فقیر حقیر

بوڑھا کھوسٹ، کمزور و ناتواں

عنایت اللہ چشتی، ساکن چکڑالہ (میانوالی)[1]

تبصرہ بر مکتوب مولانا چشتی چکڑالوی

① مولانا عنایت اللہ چشتی کے بیان سے بھی اور اس سے قبل ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ کے دو مناظروں کے تجربات (مناظرہ مسجد وزیر خان لاہور اور مناظرہ سلانوالی) سے بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مولانا حشمت علی خان صاحب نہایت اشتعالی اور غصیلی قسم کی طبیعت کے مالک تھے اور مسلمانوں کے اندر باہم فساد برپا کروانے کا اُن میں خاص ذوق تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوالفضل مولانا دبیر مرحوم نے کی فطرتِ سلیمہ اور شائستگی طبع نے ان کے طرزِ عمل کو نہایت ناپسند فرمایا تھا بلکہ حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ نے تو دورانِ مناظرہ ہی مولانا حشمت صاحب کو ''چبل''[2] کی اعزازی ڈگری عنایت کر دی تھی ۱۹۳۶ء کے زمانہ مناظرۂ سلانوالی سے چند سال قبل کے اگر ایام ہند کی تاریخ کا جائزہ لیں تو متعدد مقامات پر مولانا حشمت علی خان صاحب رضویؔ مرحوم کی جانب سے دنگا فساد کروانے کے ایسے ایسے واقعات پیش آئے کہ چشمِ حیرت کھلی کی کھلی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں، یعنی مناظرہ سلانوالی سے ۶ سال قبل برما کے اندر وہاں کے مسلمانوں نے حضرت مولانا علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو بغرضِ تبلیغ اپنے ہاں مدعو کیا تھا اور برما کے متعدد مقامات پر ان دو جلیل القدر بزرگوں کے اصلاحی بیانات ہوئے۔ اس کی اطلاع جب مولانا حشمت علی رضویؔ مرحوم کو ہوئی تو یہ وہاں جا دھمکے اور آناً فاناً برما کی فضاء اس قدر مکدر کر دی کہ مسلمانانِ برما ہکا بکا ہو کر رہ گئے مجبوراً وہاں کے اہل سنت نے امام اہل سنت علامہ مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تاکہ مولانا حشمت علی صاحب رضویؔ کی طبیعت شریف کا جائزہ لیا جا سکے، کیونکہ مولوی صاحب موصوف کا

[1] مولانا عنایت اللہ چشتی بنام حضرت قائد اہل سنت مخزومہ متروکاتِ علمی حضرت قائد اہل سنت (محررہ، (اندازاً) ۱۹۹۱ء)

[2] یعنی احمق۔

سببِ علاج یہی دو بزرگانِ دین ہی ہو سکتے تھے، جیسا کہ مناظرہ سلانوالی میں بھی نظارہ ہو چکا ہے۔
چنانچہ مولانا عبدالرؤف خان صاحب جگن پوری فیض آبادی کی دعوت پر جب علامہ نعمانی رحمہ اللہ و لکھنوی رحمہ اللہ برما پہنچے تو شہر کے دوسرے رستے سے حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب فرار ہو گئے تھے۔ اس کے بعد نوجوانانِ برما کی ایک تنظیم ''ارکان جمعیت شبان المسلمین'' نے ایک اشتہار بھی شائع کروایا تھا جو مطبع شیر پریس، اسپارک اسٹریٹ رنگون سے شائع ہوا تھا[1]۔ یعنی صرف حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ ہی نہیں، بلکہ علماء کرام کے طبقہ میں سے مولانا حشمت علی خان کے مزاج کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا، البتہ عوام چونکہ ملے گلے پہ خوش رہتے ہیں اس لیے عوامی حلقوں میں ممکنہ حد تک انہیں پذیرائی مل جاتی ہو گی۔

② مولانا محمد عنایت اللہ چشتی مرحوم کا اپنے خط میں یہ لکھنا کہ اکابرین دیوبند پر فتویٰ کفر دینے میں حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمہ اللہ نیک نیت تھے تو ہم شاید یہ موقف مولانا فاضل بریلوی مرحوم کے مقامِ علم کی رعایت کرتے ہوئے اسے تسلیم کر لیتے، کیونکہ اس سے قبل ماضی بعید میں بھی اس قسم کی ''تکفیر'' ہوتی رہتی تھی۔ جو غلط فہمیوں اور مزاج کی شدت سے وجود میں آتی تھی، اور یہ فقط اہل سنت ہی میں نہیں، بلکہ اہل تشیع، اور یہود و نصاریٰ میں بھی ہوتی رہی ہے۔ یعنی مخالفت میں آ کر اپنے ہی کسی گروہ کو اپنے مذہب سے خارج کر دینے کا فتویٰ صادر کر دینا وغیرہ۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''حسام الحرمین'' کے اندر جو اکابرین دیوبند کی چار مختلف مقامات کی عبارات کو نہایت مہارت کے ساتھ باہم ویلڈ کر کے ایک کر دکھایا، اس سے ان کی نیت کا سارا حسن مشکوک ہو کر رہ گیا تھا، امید ہے کہ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ہمارے نہایت قابل احترام علماء کرام ہمارے اس تجزیہ کو ایک مخلص پڑوسی کا شکوہ سمجھ کر برداشت فرمائیں گے۔ اس لیے ہم سلطان العلماء کی اس بات کو تسلیم کیے بنا نہیں رہ سکتے کہ ''اس کے پیچھے علم کی کمی نہیں، بدنیتی شامل حال تھی''[2]۔

③ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے متعلق مولانا چشتی چکڑالوی مرحوم نے جو اپنے خط میں لکھا ہے وہ یزید کی حد تک تو بالکل درست ہے مگر سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کے متعلق ان کی قلمی لغزش ہے۔ کیونکہ حضرت قائد اہل سنت کی نظر و فکر کے ساتھ ایسے الفاظ میل نہیں کھاتے۔ مگر ہم

---

[1] بحوالہ خالد محمود، علامہ، ڈاکٹر، پروفیسر/ مطالعہ بریلویت جلد ۶ صفحہ نمبر ۶۸ مطبوعہ ۱۹۹۵ء المعارف لاہور
[2] خالد محمود، علامہ/ مطالعہ بریلویت، جلد نمبر ۶، صفحہ نمبر ۱۲۶

نے یہ خط من وعن اس لیے شائع کیا ہے کہ مولانا عنایت اللہ چشتی پختہ احراری بزرگ تھے۔ اور امیر شریعت رحمہ اللہ کی وفات کے بعد والی مجلس احرار نے یہ تہمتوں کی پوٹ اپنے منہ پہ باندھ رکھی ہے کہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ فسقِ یزید کا پرچار کرتے کرتے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو خود ان کے گنبد کی صدا ہے لہٰذا موجودہ احراریوں کے لیے سوائے اس کے اب کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ لال کُرتی پہن کر اپنے گھر کا بین کریں کیونکہ یزید کی مذمت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بقدر اشکِ بلبل ہی سہی، تنقید کر کے خود احراری بزرگ نے اس ٹولی کی مرمت و مذمت کر دی ہے۔ جبکہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا موقف بالکل بے غبار اور صاف و شفاف ہے کہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہونے کے لحاظ سے جنتی ہیں، خلافتِ مطلقہ و عادلہ میں تو ان کا شمار ہوتا ہے مگر قرآنی خلافتِ راشدہ موعودہ سے وہ باہر ہیں، اسی طرح مشاجراتِ صحابہ کی بحث میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا نظریہ اسلاف اہل سنت کی اتباع کی روشنی میں یہ تھا کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ حق و صواب پر تھے اور سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہادی خطاء پر! رہی بات یزید کی تو جو اس کی پوزیشن ہے، وہ مولانا چشتی مرحوم نے بیان کر دی ہے۔

مناظرہ سلانوالی۔ نتائج و عواقب

بہر کیف یہ بات مسلّمہ ہے کہ مناظرہ سلانوالی میں جتنے بھی بڑے علماء کرام موجود تھے یا آنے والے وقتوں میں جو اپنے وقت کے متبحر علماء ثابت ہوئے وہ سب کے سب مولانا حشمت علی خان صاحب سے نہایت بدظن ہوئے اور مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمۃ کے اندازِ گفتگو، متانت و سنجیدگی اور تبحر علمی سے بہت متاثر ہوئے۔ اب آگے کیا ہوا؟ ہوا یہ کہ ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین علیہ الرحمۃ واپس گھر تشریف لائے تو یہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ میں آخری تعلیمی سال تھا۔ آپ رحمہ اللہ شعبان میں گھر، اپنے گاؤں بھیں تشریف لائے تو والد گرامی قبلہ سے دارالعلوم دیوبند جا کر دورۂ حدیث شریف کرنے کی اجازت لی تو انھوں نے بخوشی اجازت دے دی اور ساتھ ہی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو عریضہ بھی ارسال کر دیا کہ میرے بیٹے کو دارالعلوم میں داخلہ دیا جائے اس کی تفصیل ماسبق سطور میں گزر آئی ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں دورِ قیام

قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے دو سال وہاں قیام فرمایا۔ یعنی دسمبر ۱۹۳۷ء تا ستمبر ۱۹۳۹ء بمطابق

شوال ۱۳۵۶ھ تا شعبان ۱۳۵۸ھ آپ دارالعلوم کے چشمہ فیض سے جرعہ کشی کرتے رہے۔ یہاں آپ نے نامور اساتذہ کرام سے علم وفنون اور قرآن وحدیث کے علوم ومعارف کی تعلیم مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ اور واپس آ کر جب اپنے والد گرامی کو مشائخ اہل سنت دیوبند کے احوال سنائے تو حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ کی فرط عقیدت سے آنکھیں چھلک پڑتی تھیں۔ چنانچہ اب یہ دعویٰ روز روشن سے زیادہ مجلی ہو چکا ہے کہ اکابرین دارالعلوم کے متعلق وہ تاثر جو حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب یا مولانا حشمت علی خان صاحب کی ''صوارمِ ہندیہ'' وغیرہ سے پیدا ہوا تھا وہ وقتی تھا، جب حقیقت حال کھلی تو حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنی اولاد تک کو اسلاف دارالعلوم کے سپرد کر دیا، جو آگے چل کر دارالعلوم کے افکار ونظریات کے مناد قرار پائے اور تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تکمیل اب خاندانِ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔

وہی چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی، سو اب بھی ہے

مگر عناد وتعصب کا کیا کیا جائے کہ بعض لوگوں کی مدہانی مسلسل پانی میں ہی چلتی رہی اور وہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سے جب بھی کوئی علمی اختلاف کرتے اور لاجوابی وپسپائی کے موڑ پہ آ کھڑے ہوتے تو فوراً مولانا دبیر رحمہ اللہ کے اس فتویٰ کو اچھالتے جو ''الصوارم الہندیہ'' میں مولانا حشمت علی صاحب نے شائع کیا اور اس پر مولانا دبیر رحمہ اللہ اور مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کے دستخط تھے۔ حالانکہ مناظرہ سلانوالی (منعقدہ ۱۹۳۶ء) کے بعد معاندین ومعترضین کا اس ضمن میں کوئی بھی دعویٰ قابل مسترد ہے۔ کیونکہ ''الصوارم الہندیہ'' ۱۳۲۵ھ بمطابق ۱۹۰۷ میں شائع ہوئی جس میں علماء اہل سنت دارالعلوم کے خلاف فتویٰ پر مولانا دبیر مرحوم کے دستخط ہیں، اسی طرح مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان قادری نے جب آل سعود کیخلاف زہر افشانی کرتے ہوئے فتویٰ صادر کیا تھا کہ جب تک آل سعود کی حکومت ہے، تب تک مسلمانانِ ہند پر حج مؤخر ہے، تو یہ کتاب ''**تنویر الحجه لمن یجوز التواء الحجه**'' کے نام سے ۱۳۴۵ھ بمطابق ۱۹۲۷ء میں چھپی، اس پر بھی مولانا دبیر علیہ الرحمۃ کے دستخط ہیں، تو نتیجہ یہ نکلا کہ اول الذکر کتاب مناظرہ سلانوالی سے کم وبیش ۳۰ سال قبل اور ثانی الذکر مذکورہ مناظرہ سے ۹، سال پہلے شائع ہوئیں، اور مناظرہ سلانوالی منعقدہ ۱۹۳۶ء کے بعد مولانا دبیر مرحوم نے جتنا کچھ اثر لیا، وہ سارا تاریخی ریکارڈ آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ تو اب مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ اور ان کی اولاد کی تعریف وتوصیف ہونی چاہیے یا گزشتہ غلط فہمی پر مبنی فتاویٰ کو اچھال کر بلا وجہ بدمزگی کی فضاء پیدا کرنی

چاہیے؟ یہ کونسی علم و تحقیق یا تاریخ کی خدمت ہے؟۔ چنانچہ حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ نے جب اپنی معروف کتاب ''خارجی فتنہ'' شائع کی تو اس پر بطور تنقیدی تبصرہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ بعنوان ''قاضی مظہر حسین چکوالی کے خارجی فتنہ کی اصل حقیقت'' شائع ہوا۔ بظاہر تو اسے مولانا محمد علی سعید آبادی کی طرف منسوب کیا گیا۔ جبکہ درحقیقت یہ طاہر المکی صاحب کا سوختہ اندوختہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے ''خارجی فتنہ'' کے مندرجات کا جواب تو کیا خاک لکھنا تھا؟ ایک جگہ ہڑ بڑا کر لکھتے ہیں:

''چکوالی صاحب کے منتقمانہ مزاج اور کینہ پروری کا ایک اور ہدف شیخ العصر آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ اور ان کے شاگرد شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان مرحوم ہیں اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۳۵۶ھ میں اہل حق (دیوبندی) اور اہل ہوا (بریلوی) کا ایک مناظرہ ہوا جس میں اہل حق کے مناظر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور سرپرست شیخ العصر حضرت مولانا حسین علی تھے، اہل ہوا کی طرف سے صدر جناب کرم الدین صاحب (قاضی مظہر کے والد) اور مناظر جناب حشمت علی صاحب تھے، جو اہل لاہور کے ہاں مظہر اعلیٰ حضرت کہلاتے تھے۔ اللہ کے فضل وکرم سے اس مناظرے میں اہل حق کو زبردست فتح اور اہل ہوا کو شکست فاش ہوئی۔ قاضی مظہر حسین چکوالی اپنے والد کی یہ رسوا کن شکست آج تک نہیں بھلا سکے۔ بلکہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ کے خلاف ان کا بغض حضرت مولانا کے شاگردوں (شیخ القرآن ورفقاءٔ) تک کے متعلق سرایت کر گیا ہے اور قاضی جی آج تک کسی نہ کسی بہانے سے ان حضرات کیخلاف زہر اُگلتے رہتے ہیں۔''

اس عبارت کا جواب دینا ضیاعِ وقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تاریخ پر نگاہ رکھنے والے تو ویسے بھی سارے احوال سے واقف ہیں، اور ناواقفین ہماری یہ کتاب پڑھیں گے تو ان شاء اللہ شکوک وشبہات اور اعتراضات واضطراب کے سارے بادل چھٹ جائیں گے۔

کتاب ''فیضانِ دیوبند'' کے مؤلف کی ناسمجھی

حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب کے ادارہ جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی سے ایک کتاب ''فیضانِ دیوبند'' شائع ہوئی ہے جس کے مولف مولانا سعید احمد قادری ہیں۔ اس کتاب میں ایک مقام پہ وہ بڑی تحدی کے ساتھ لکھتے ہیں:

''مولوی احمد رضا خان بریلوی نے جعلی فتویٰ تکفیر ''حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین'' مرتب کیا

تو اس کی تائید وتصدیق میں مظہر اعلیٰ حضرت مولوی حشمت علی رضوی بریلوی نے علماء اہل سنت دیوبند کے خلاف ''الصوارم الہندیہ'' مرتب کی کہ جس میں مولوی محمد کرم الدین دبیر، والد محترم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا فتویٰ موجود ہے جس کا دل چاہے دیکھ لے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم، فاضل جلیل، فاضل دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ میرے والد محترم دیوبندی تھے۔ خدا جانے وہ کس ثقہ دلیل سے اپنے والد محترم کو دیوبندی ثابت فرما رہے ہیں، یہ ان کا اپنا تفرد ہے اور کچھ نہیں۔''[1]

عجیب بات یہ ہے کہ یہ کتاب حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب کی تقدیم کے ساتھ ان کی زیر نگرانی ان کے ادارہ سے شائع ہوئی ہے۔ جبکہ اس سے قبل حضرت مفتی صاحب اپنے ایک طویل مضمون میں مناظرہ سلانوالی پر مفصل تبصرہ فرما کر اقرار کر چکے ہیں کہ مذکورہ مناظرہ خاندانِ مولانا دبیر کی ابدیتِ ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوا، ان کا یہ مضمون ماہ نامہ حق چار یار لاہور کے قائد اہل سنت نمبر بابت مارچ اپریل ۲۰۰۵ء میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ جو دس صفحات پر پھیلا ہوا عالمانہ اور عادلانہ مضمون ہے۔ مولوی سعید احمد قادری صاحب کی یہ عبارت یقیناً حضرت مفتی صاحب کی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔ وگرنہ وہ ضرور اسے حذف کر دیتے۔ جہاں تک مولوی سعید احمد صاحب قادری کی ذات شریف کا تعلق ہے تو ہم ان کے حوالہ سے کچھ کہنے سے قاصر ہیں کیونکہ وہ نظریہ ضرورت کے تحت آئے روز ہی دیوبندیت سے بریلویت اور بریلویت سے دیوبندیت کا سفر کرتے رہتے ہیں۔ اور ہمیں بھی چونکہ ان دو مسالک کے فضولی اختلافات سے کوئی سروکار نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شکم پُری و پروری کے لیے اس پالیسی پر گامزن ہے تو ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد کرم الدین رحمۃ اللہ اور قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کے عظیم اور تاریخی وعلمی خاندان کی عظمت کے تناظر میں حقائق کو مسخ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ یہ صریح بددیانتی ہے جسے علمی طبائع برداشت نہیں کرتے۔

مولوی سعید احمد قادری کے متضاد فکری اسفار

اسی دوران ہمیں اپنے پارینہ کاغذات کے پلندہ میں سے مولوی سعید احمد صاحب قادری کا ایک ''اعلانِ حق'' دستیاب ہو گیا ہے۔ جو رجوع کے طور پر اُن کے لیٹر پیڈ پر بدستِ خود رقم کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

---

[1] سعید احمد قادری رفیضانِ دیوبند، صفحہ نمبر ۳۸۸، مطبوعہ کراچی، جامعہ احسن العلوم

''بندہ سعید احمد قادری کی تقدیر میں کچھ ایسے ہی لکھا ہوا تھا کہ بندہ اپنی بدقسمتی اور کم فہمی کی بناء پر ۲۳ جولائی ۱۹۹۲ء کو حامیانِ قرآن و سنت علماء دیوبند کو چھوڑ کر بدعات کے اندھیروں میں چلا گیا، یعنی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی قرآن وسنت سے متضاد و متصادم تعلیماتِ رضا کو دل و جان سے قبول کر کے اہل بدعت کی صف میں شامل ہو گیا اور ایک طویل عرصہ تک نہایت فراخ دلی اور بڑی حسن وخوبی سے بریلویت کے تمام اقوال وافعال کا پرچار کرتا رہا (وہاں) رہ کر میں نے پایا تو کچھ نہیں، البتہ کھویا ضرور ہے جس کی تلافی بالکل ممکن نہیں۔ جن علماء اہل سنت دیوبند نے بندہ کو درجہ اُولیٰ سے لے کر بخاری شریف تک پڑھایا، ان سے بے وفائی کر کے بریلویت کی صف میں جا کھڑا ہوا۔ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رُو سے بندہ نے بہت غلط قدم اٹھایا۔ بندہ بریلویت میں ۲۳ جولائی ۱۹۹۲ء سے لے کر ۳۰ مئی ۲۰۱۳ء تک بریلوی اقوال وافعال کا خوب پرچار کرتا رہا یعنی ۲۰ سال ۱۰ ماہ ۸ دن وابستہ رہا اور اب بندہ باہوش وحواس برملا بیزاری وبرات کا اعلان کرتا ہے۔ آج سے میرا تعلق اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند سے پھر سے قائم ہو گیا ہے۔''[1]

اس رجوع نامہ سے عیاں ہے کہ قادری صاحب کے ذہن میں مختلف مکاتب فکر کا منفی عکس کلبلاتا رہا اور جو شخص خود بے برگ و گیاہ چٹانوں پر کھڑا ہو، وہ اعتدال وانصاف کا ٹھنڈا سایہ دوسروں کو مہیا نہیں کر سکتا، جہاں تک بریلوی، دیوبندی مسلک کے اختلاف کا تعلق ہے، ہم اپنے بزرگوں اور خصوصاً اپنے ممدوح قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے اُن اصولوں کے پابند ہیں، جن پر وہ خود پوری زندگی کاربند رہے، یعنی علمی وفکری انداز میں مبادلۂ افکار کی حد تک تو ذہنی تسکین حاصل کرتے ہیں، مگر جو خود فریبیاں تعصب وعناد کے شعلوں کو سرد نہ کر سکیں، ان کی جانب قطعاً التفات نہیں کرتے۔ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور ان کے خانوادہ کے متعلق موصوف قادری صاحب بھی اس لیے منصفانہ تجزیہ نہ کر سکے کہ وہ تعصب وعناد کی راہوں سے فکری سفر کرتے رہے، تحقیقی وعلمی شاہراہ پر چلتے تو شاید ان کے لیل ونہاریوں روزنوں اور دریچوں کی نذر نہ ہوتے۔

[1] سعید احمد قادری، مولانا/رجوع نامہ، مرقومہ ۲۰۱۳ء/از چشتیاں، بہاولنگر

دارالعلوم دیوبند کے معروف اساتذہ، اسباق اور ہم کلاس

دارالعلوم دیوبند میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے دوسالہ دورِ قیام میں مندرجہ ذیل اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا:

① شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

② شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ

③ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ

④ حضرت مولانا میاں اصغر حسین رحمہ اللہ

⑤ حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

⑥ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (کراچویؒ)

قائد اہل سنت کی بیاض کے مطابق پہلے سال کے اسباق میں مشکوٰۃ شریف، شرح عقائد نسفی، تلخیص المفتاح، نخبۃ الفکر، مختصر المعانی اور متنبی نیز تفسیر قرآن مجید وغیرہم شامل ہیں جبکہ دوسرے سال بخاری شریف، اور ترمذی شریف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے پاس، مسلم شریف مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ سے، ابوداؤد شریف حضرت مولانا میاں اصغر حسین رحمہ اللہ سے اور کچھ حصہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سے نیز طحاوی شریف علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ باقی اسباق اور اساتذہ کی تفصیلات میسر نہ آسکیں۔ دارالعلوم دیوبند کے دارِ جدید میں کمرہ نمبر ۱۶ میں آپ کا قیام رہا، اور آپ کے چند ہم کلاس دوستوں میں حضرت مولانا سید گل بادشاہ (پشاور) حضرت مولانا عبدالکریم کلاچوی رحمہ اللہ (ڈیرہ اسماعیل خان) مولانا امیر محمد (لکی مروت)، مولانا سردار گل مندرہ خیل اور حضرت مولانا احمد علی شاہ صاحب (تیرہ خیل) شامل تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے وطن مراجعت

شعبان ۱۳۵۸ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۳۹ء آپ کا سن فراغت ہے۔ اس کے دو ماہ بعد اپنے وطن ''بھیں'' چکوال واپس آگئے اور اپنے والد گرامی کی سرپرستی و رہنمائی میں دعوت وتبلیغ، درس وتدریس اور رفض و بدعت کیخلاف مناظرانہ سرگرمیوں میں مشغول ہوگئے۔ یہاں یہ دلچسپ واقعہ پیش نظر رہے کہ دسمبر ۱۹۳۹ء میں آپ کی وطن واپسی ہوئی اور اس کے دو ماہ بعد آپ کا ایک معروف شیعہ مناظر سے

مناظرہ طے ہوگیا۔ مدمقابل مناظر کون تھے؟ مقامِ مناظرہ کیا تھا؟ موضوعِ مناظرہ کیا تھا؟ اور نتیجہ مناظرہ کیا برآمد ہوا؟ آیئے اس تاریخی گھاٹی کو عبور کرتے ہیں اور قائد اہل سنت کی علمی زندگی کے اس عملی نمونے کا جائزہ لیتے ہیں۔ البتہ اس سے پہلے قیام دارالعلوم دیوبند کے دوران اپنے والد گرامی کو ارسال کیے گئے دو عدد خطوں سے حظ اٹھایئے اور چوبیس سالہ ''مظہر حسین'' کی سنجیدگی، متانت، بردباری، اور شائستگی کی داد دیجیے۔

دارالعلوم دیوبند سے والد گرامی کے نام یادگار خطوط

دورانِ تعلیم اور بحالتِ پردیس طلبہ اپنے والدین سے عموماً ضروریاتِ زندگی اور اپنی گزری بسری صورتحال کا تبادلہ کیا کرتے ہیں جو کہ ایک فطری امر ہے۔ مگر قائد اہل سنت رحمہ اللہ جو ابھی لڑکپن سے شباب کی دہلیز پہ پہلا قدم رکھا ہی چاہتے تھے، ان کی تہذیبی و اخلاقی کیفیت کیا تھی؟ نیز سماجی، سیاسی اور معاشرتی حوالہ سے ان کا طائرِ فکر کہاں پرواز کر رہا تھا؟ اس کا اندازہ ہمیں ان خطوط سے بخوبی ہوتا ہے جو آپ رحمہ اللہ نے دورانِ تعلیم دارالعلوم دیوبند سے اپنے والد گرامی ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین رحمہ اللہ، برادرِ کبیر حضرت غازی منظور حسین شہید رحمہ اللہ، اور اپنی والدۂ ماجدہ یا ہمشیر صاحبہ کے نام تحریر کیے۔ یہ تمام کے تمام خطوط تو اب کہیں موجود نہیں ہیں، یا فی الحال ہماری اُن تک رسائی نہیں ہوسکی ہے مگر جو چند ایک دستیاب ہوئے ہیں وہ بھی کسی انمول خزانے سے کم نہیں ہیں۔ ان خطوں میں معلوماتی اعتبار سے مختلف ذوق رکھنے والے لوگوں کے لیے تحقیق کا وہ بنیادی پتھر کہیں نہ کہیں ضرور نظر آجاتا ہے جس پر کھڑے ہوکر ''بحرِ تحقیق'' کی موجوں کا نظارہ کیا جاسکے۔ ملاحظہ کیجیے:

باسمہٖ تعالیٰ۔ حضرت سیدی و مولائی والدی الماجد المکرم لازالت فیوضہ۔

السلام علیکم ورحمت اللہ و برکاتہٗ۔ ہر دو گرامی نامہ موصول ہوئے اور ہر دو عطیہ ایضاً۔ بخاری شریف اس وقت کتب خانے میں موجود نہیں ہے تقریباً دو ہفتہ تک مہیا ہو جائے گی، اس کی قیمت میں پہلے سے بھی زیادہ رعایت ہوگئی ہے۔ چنانچہ ایک روپیہ چودہ آنہ پر اس وقت فروخت ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جب کتابیں آجائیں گی، خرید لوں گا۔ اس قیمت پر بخاری شریف جیسی مُہتم بالشان کتاب گویا کہ مفت مل رہی ہے۔ معری تمام کتابیں ارزاں قیمت پر مل رہی ہیں۔ اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں جن کی قیمت پہلے سو، سو روپیہ سے بھی زیادہ تھی، پندرہ پندرہ اور اٹھارہ اٹھارہ روپیہ تک فروخت ہو رہی ہیں۔ تشنگانِ

علوم کے لیے عربی ذخائر کے حصول کا یہ نادر موقع ہے۔ ''آفتاب ہدایت'' کی کتابت کا سلسلہ مبارک ہو۔ خداوند کریم اس کو انجام تک پہنچائے (آمین) تاکہ ظلماتِ کفر و بدعت کے لیے پھر دوبارا خورشید تاباں ثابت ہو، بلاشک یہ باطل کے مقابلہ میں ایک زبردست حربہ ہے۔ جو بحث آیت کریمہ هٰذا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ کے متعلق جس میں رافضی مرزا[1] کے اعتراضات کا آپ نے جواب دیا ہے، اس کے متعلق میں نے مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب سے دریافت کیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ میرے علم میں علیٰ بمعنی الیٰ کا استعمال لغت عرب میں نہیں ہے[2] اس لئے یہ مقصود تو پورا نہیں ہوسکتا، اس کے متعلق احقر کی عرض یہ ہے کہ اس وقت غالباً ہم نے کسی تفسیر کا حوالہ نوٹ کیا تھا کہ علیٰ بمعنی الیٰ بھی مرادلیا گیا ہے۔ قطع نظر اس کے علیٰ بمعنی الیٰ اگر نہ بھی لیا جائے تو احمد علی نے جو اعتراضات کیے ہیں وہ وارد نہیں ہوئے۔ کیونکہ کتب تفسیر میں اس میں مختلف قسم کی عبارت کی تقریر مانی گئی ہے اور مشہور یہ ہے جو بیضاوی نے بھی لکھا ہے۔ کہ "وهٰذا صراطٌ علی الخ ای حق علی ان اراعی علیه۔ اور صاوی علیٰ جلالین جلد دوم میں یہ لکھا ہے کہ ای هذا دین مستقیم لا اعوجاج فیه فعلی تفضیلاً و احساناً نیز بخاری شریف کتاب التفسیر میں اس آیت کے ماتحت قسطلانی کی یہ عبارت درج ہے وقال مجاهد هو ابن جبیر فیما وصله الطبری فی قوله تعالیٰ هذا صراط علی مستقیم ای الحق یرجع الی الله وعلیه طریقه لا یعرج علی شیء وقال الاخفش علی ای علی رضوانی و کرامتی وقیل علی بمعنی الی و هذا اشارة الی الاخلاص المفهوم من المخلصین الخ۔ بہرحال ان عبارات میں سے اگر آپ چاہیں تو کتاب میں کسی کو مستدل بنالیں۔ تاکہ اس مسئلہ پر مفصل محققانہ حیثیت میں بحث ہو جائے اور کسی قسم کا اشکال باقی نہ رہے یا جیسے آپ مناسب خیال فرمائیں۔

---

[1] مراد مولانا مرزا احمد علی امرتسری ثم لاہوری ہیں، جو کندیاں کے مناظرہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ سے زبردست شکست کھا چکے تھے۔ (سلفی)

[2] ممکن ہے شیخ الادب نے عربی قانون کی وجہ سے یہ بات کہی ہو، جبکہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی مراد یہاں اردو ترجمے کے لحاظ سے علیٰ بمعنی ''الیٰ'' ہو، اللہ تعالیٰ اعلم۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے استفسار سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ شاگرد غایت ادب کی وجہ سے جلیل القدر استاد سے پورا سوال نہیں کر پاتا، جس کی وجہ سے بات تشنہ تکمیل رہ جاتی ہے۔ (سلفی)

آفتابِ ہدایت کا انتساب تبدیل کرنے کا مشورہ

علاوہ ازیں ایک اور عرض ہے کہ پہلے اڈیشن میں آپ نے کتاب کا انتساب جناب پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کی طرف کیا تھا، لیکن اس کے ذریعے کوئی دینی یا دنیاوی (مالی) نفع غالباً زیادہ حاصل نہیں ہوا۔ نیز اس کتاب کی علمی شان اس سے بلند ہے کہ کسی موجودہ شخصیت کی طرف اس کی نسبت کی جائے۔ بالخصوص اس تالیف کے مطالعہ سے حضرت مؤلف کی شان منسوب الیہ کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ اگر احقر کی عرض قبول ہو تو اس دفعہ کسی ایسی شخصیت کی طرف اس کا انتساب نہیں کرنا چاہیے جس سے نفع مالی وغیرہ مقصود ہو، کیوں نہ اس کو شہنشاہ کونین سرور دارین حضور پُرنور ﷺ کی طرف اس تالیف کا انتساب کیا جائے؟ جن کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموس کے تحفظ کے لیے یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے، جن کے اعداء کا قلع قمع مقصود اصلی ہے یہ ایک ایسا انتساب ہے کہ تمام دنیا کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو لازوال دولت ابدیہ کے حصول کا ذریعہ ہے، دوسرے انسانوں کی کیا بساط ہے؟ جبکہ خود خالق کائنات رزاق ہے۔ اور اس کے محبوب آقائے دو جہاں ﷺ اس کے خزائن کو تقسیم کرنے والے ہیں: **انما انا قاسم واللہ یعطی** کا فرمان ہمارے قلوب کی تسلی کے لیے کافی ہے۔ امید ہے کہ میری اس گزارش کو آپ قبول فرمائیں گے۔ اور کسی رہین منت کی ضرورت و حاجت ہی کیا ہے؟ **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** ششماہی امتحان کا نتیجہ نکل آیا۔ خدا کے فضل و کرم سے امتیازی نمبروں پر کامیابی حاصل ہوئی۔ والحمد للہ علی ذالک۔ سالانہ امتحان قریب آ گیا ہے، کامیابی کے لیے خصوصی دعا مطلوب ہے۔ ماہِ شعبان کے ابتدائی ہفتہ میں تو غالباً شروع ہوگا اور تقریباً بیس تک رہے گا، لیکن اس وقت بخاری شریف باقی رہ جائے گی جس کو بعد میں ختم کیا جائے گا۔ اس لیے ہم کو شعبان کے اختتام پر فراغت ملے گی، ابھی دو ماہ کامل باقی ہیں، فکر نہ فرماویں۔

مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ کی وصیت کہ میرا آدھا کتب خانہ مولانا کرم الدین دبیر کو دے دیا جائے، پسرِ خوشحال کی یاددہانی

ایک اور عرض یہ ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ مولوی فقیر محمد صاحب مرحوم نے نصف کتب خانہ کی وصیت آپ کے نام کی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ ان کے ورثاء ان کو نیلام کرنے والے ہیں اور یہی ان سے توقع ہوسکتی ہے اس لیے آپ اس کی کوشش فرمائیں کہ حسب وصیت آپ کا حق مل جائے اور

بالفرض ان کے ورثاء فروخت کرنا چاہتے ہوں تو بہت ارزاں قیمت پر مل جائیں گی۔ ورنہ وہ تو چند ٹکوں میں ان کو نیلام کر دیں گے۔ اگر نیلام کر دی ہوں تو مزید اس کی تلاش فرماویں، تاکیداً عرض ہے۔

نیازمند
احقر الانام مظہر حسین عفی عنہ
متعلم دار العلوم دیو بند
۴ رجمادی الثانی ۱۳۵۸ھ

اس خط میں مندرجہ ذیل باتوں کی توضیح وتصریح فائدے سے خالی نہ ہوگی۔

① ''آفتاب ہدایت'' مصنفہ مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ پہلے پہل ستمبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ جس کی کتابت اس زمانہ میں جمیل احمد خوش نویس لکھنوی مقیم لاہور نے اور ٹائٹل کی کتابت عبدالمجید خوش نویس (لوہاری منڈی، لاہور) نے کی تھی جبکہ کریمی سٹیم پریس لاہور سے اس کی طباعت ہوئی تھی اور پہلا اڈیشن ایک ہزار کی تعداد میں چھپا تھا، تب قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی عمر محض ۱۱، برس تھی۔ اور آپ چکوال اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ اب اس کا دوسرا اڈیشن کم وبیش چودہ سال کے بعد دوبارہ شائع کرنے کا فیصلہ ہوا تو مولانا دبیر رحمہ اللہ نے بذریعہ خط اپنے لختِ جگر کو مطلع کیا، جس پر قائد اہل سنت نے چند مفید تجاویز دیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ ''آفتاب ہدایت'' کا انتساب بدل دیں، کیونکہ پہلے اڈیشن کا انتساب مولانا پیر جماعت علی شاہ صاحب کے نام تھا، جس کا مضمون مندرجہ ذیل تھا:

> ''میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو خلوصِ قلب سے حضرت اقدس مولانا حافظ حاجی مولوی سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری مدظلہم العالی کے اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں۔ ماشا اللہ اس زمانہ قحط الرجال میں آپ ہی وہ بزرگ ہستی ہیں جن کو اوجِ فضل وکمال کا درخشندہ نیر اور فلک علم وعرفان کا روشن آفتاب کہنا بجا ہے۔ مذہب حق اہل السنۃ والجماعۃ کو آپ کی ذاتِ والا پر فخر وناز ہے اور اہل باطل آپ کا نام سن کر جا بجا لرزہ براندام ہیں۔ خدا کے فضل سے خلوت میں ہزارہا نفوس آپ کی توجہ باطن سے تزکیہ حاصل کر رہے ہیں اور جلوت میں آپ کے وعظ وبیان سے لاکھوں انسانوں کو ہدایت ہو رہی ہے آپ ہی وہ مقدس ہستی ہیں جنہوں نے اپنی علو ہمت سے فتنہ ارتداد کے بہتے ہوئے سیلاب کو روک کر سد سکندری حائل کر دی اور خلقِ خدا کو ضلالتِ مرزائیت، وہابیت، نیچریت، رفض وغیرہ سے نجات دلائی ہر ایک اسلامی

انجمن آپ کے دستِ جود وسخا کی مرہون اور ہر ایک مبلغ ومصنف اسلام آپ کے لطف وکرم کا ممنون ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ میں برکت کرے اور تا ابد آپ کا ظل عاطفت مستر شدین کے سروں پر قائم رہے''۔ آمین ثم آمین

خاکسار مصنف[1]

اس کے بعد جب دوسرا اڈیشن شائع کرنے کا پروگرام بنا تو پدر گرامی نے اپنے ہونہار فرزند کا خط میں دیا گیا مندرجہ مشورہ قبول کرتے ہوئے ''انتساب'' کا مضمون تبدیل کر کے یوں شائع کیا:

میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو حضور سرورِ دو عالم ﷺ سرکارِ مدینہ فداہ ابی وامی کی ذات اقدس سے منسوب کرتا ہوں جن یارانِ خاص اصحابِ پاک وازواج مطہرات کے تحفظ ناموس ودفع مطاعن معاندین کے لیے لکھی گئی ہے کیا عجب کہ یہ میری ناچیز خدمت بارگاہِ الٰہی اور دربار مصطفوی ﷺ میں منظور ہو کر میرے گناہانِ بے حد وعد کی مغفرت کا وسیلہ بنے اور یہ ذرۂ بے مقدار (کتاب) آفتاب نصف النہار ہو کر میری اندھیری گور کو روشن کرے اور جسرِ جہنم کے اس ہولناک راہگزر سے مرکب باز رفتار بن کر مجھے پار کر دے اور قیامت میں شفیع المذنبین ﷺ اور دیدارِ رب العالمین نصیب ہو رب اغفر لذنوبی واستر لعیوبی بحرمة نبیك الکریم وآله الاطهار واصحابه الکبار رضوان الله علیهم اجمعین۔[2]

گویا یہ انتسابی مضمون قائد اہل سنت کی ایماء پر ہی مولانا دبیر علیہ الرحمۃ نے تبدیل فرما دیا تھا، یاد رہے کہ مولانا پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی طرف انتساب کرنے میں جو لفظ ''مالی نفع'' خط میں استعمال ہوا ہے اس سے مراد شاہ صاحب علی پوری رحمہ اللہ کے ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے معتقدین میں کتاب ''آفتاب ہدایت'' کی دعوتی نشر واشاعت مطلوب تھی۔ وگرنہ کتابوں کی فروخت سے مصنفین کو کس قدر مالی فوائد حاصل ہوتے ہیں؟ یہ مصنفین ہی جانتے ہیں۔ چونکہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے یہ الفاظ طالب علمی دور میں لکھے تھے اور یہ دورِ زندگی ان چیزوں کے تجربات سے قبل کا

---

[1] محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، مولانا / آفتاب ہدایت طبع اول ۱۳۴۴ھ، ستمبر ۱۹۲۵ء مطبوعہ کریمی سٹیم پریس لاہور، صفحہ اول

[2] ایضاً، طبع دوم ۱۹۳۹ء

ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے اتفاق ممکن نہیں ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ کا مقصد یہ تھا کہ پیرانِ عظام اپنے حلقہ اثر میں ایسی کتابوں کی اشاعت کر کے مختصر مدت میں لاتعداد لوگوں کو رفض و بدعت کے ناپاک اثرات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں مگر تلخ حقیقت یہ ہے کہ بہت کم تعداد میں مشائخ طریقت ایسے ہوتے ہیں کہ جو ان موضوعات میں دلچسپی لیتے ہیں وگرنہ اکثریت ان ''تکلفات'' میں نہیں پڑتی۔ دوسری طرف برصغیر پاک و ہند میں ایسے مشائخ بھی ہو گزرے ہیں کہ جن کا اوڑھنا بچھونا ہی اپنے متوسلین کو فتنوں سے بچانا تھا، ان میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ، خاندانِ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ، حضرت شاہ محمد غوث پانی پتی رحمہ اللہ، حضرت شاہ غلام علی رحمہ اللہ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ، مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ وغیرہم شامل ہیں۔ مگر ایسے حضرات کو انگلیوں کے پوروں پر ہی گنا جا سکتا ہے، ان کے مقابلے میں وہ لوگ بہت زیادہ ہیں جن کے ہاں عقائد و اعمال کی اصلاح کا کوئی تصور نہیں ہے اور وہ محض رسمی اور ریتی ''مشائخ'' کہے جا سکتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ''آفتاب ہدایت'' کو حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ کے حلقہ اثر میں ان کی جانب سے زیادہ پذیرائی نہ مل سکی ہو مگر اللہ رب العزت نے اپنے نظامِ تکوینی کے تحت اس کا شہرہ ہندوستان بھر کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا اور اس زمانہ میں چونکہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی ذات اور قصبہ ''بھیں'' ہر خاص و عام میں معروف ہو چکے تھے، جسے ''آفتاب ہدایت'' نے مزید چار چاند لگا دیئے۔

② قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے خط میں مولانا مرزا احمد علی صاحب امرتسری (شیعہ) کے ساتھ جس بحث کا حوالہ دیا ہے وہ ''آفتاب ہدایت'' صفحہ ۳۹ پر موجود ہے، تاہم دوسرے اڈیشن میں اس بحث میں مزید چند سطور کا اضافہ بھی کر دیا گیا تھا۔ مگر مولانا محمد حسین صاحب ڈھکو (آف سرگودھا) نے جب ''آفتابِ ہدایت'' کا جواب لکھا تو وہ مذکورہ بحث میں مرزا احمد علی صاحب امرتسری کے حوالہ سے مولانا دبیر علیہ الرحمۃ کی تنقیدات کو سرے سے ہی پی گئے اور ان کے جوابات کی طرف منہ تک نہ کیا[1]۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے والد گرامی مرحوم کی اس کتاب ''آفتاب ہدایت'' پر خاص توجہ دی اور متواتر اس کی اشاعت کا اہتمام فرماتے رہے۔ تا آنکہ اہل تشیع کو کہنا پڑا:

---

[1] محمد حسین ڈھکو، مولانا / تجلیات صداقت صفحہ ۱۶، طبع اول، سرگودھا

''موضع بھیں کے ایک مولوی کرم الدین صاحب نے (جو اپنی فتنہ سامانیوں میں مشہور تھے) ایک نہایت مفسدانہ حرکت کرتے ہوئے آفتاب ہدایت نامی کتاب لکھ کر مذہب حق کے خلاف دل کھول کر زہر اُگلا مگر شیعوں نے اتحاد اسلامی کو برقرار رکھنے، نیز کتاب کے غیر مہذبانہ اندازِ تحریر کے پیش نظر، نظر انداز کر دیا اور شاید اب بھی وہ خاموش رہتے مگر اس کا کیا علاج کہ مؤلف کے حواریوں (خدام اہل سنت، جن کا اہل سنت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے) اسے شیعوں کی کمزوری پر محمول کیا اور اس کتاب کے نئے نئے اڈیشن شائع کر کے اور اسے لاجواب کتاب ظاہر کر کے ان کی ملی غیرت کو للکارا۔''[1]

بہر کیف اس عظیم الشان کتاب کی دوسری اشاعت میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کو جو صائب مشورے دیئے تھے وہ انہوں نے قبول کیے اور اپنے لائق و فائق لخت جگر کی آراء کی روشنی میں اسے شائع کر دیا۔

③ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے اپنے والد مرحوم کے نام اس خط میں مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ کے کتب خانہ کا تذکرہ بھی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ نے ۵ جنوری ۱۸۸۵ء بمطابق ۱۸ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ کو جہلم شہر سے ایک ہفت روزہ اخبار بنام ''سراج الاخبار'' جاری کیا تھا جو ان کے ذاتی پریس ''سراج المطابع جہلم'' سے چھپتا تھا۔ ابتداء میں ادارتی ذمہ داریاں خود اٹھاتے رہے بعد میں حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے سپرد کر دیں، کیونکہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے پرانے، مخلصانہ تعلقات تھے جو زندگی بھر قائم رہے۔ مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کے بے شمار مضامین، مقالات، مناظروں کی تفاصیل اور تبلیغی و اصلاحی جلسوں کی خبریں مذکورہ روزنامہ میں شائع ہوتی تھیں۔ مولانا فقیر محمد ۲۵/اکتوبر ۱۹۱۴ء بمطابق ۲۷ ذوالحج ۱۳۳۴ھ کو وصال فرما گئے تھے تو قبل از وصال انہوں نے وصیت فرمائی کہ میرے کل کتب خانہ میں سے نصف کتب خانہ مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ مگر گوں ناگوں حالات کی بناء پر اس وصیت پر عمل نہ ہو سکا تھا۔ پھر آگے چل کر حالات دن بدن کچھ ایسے انحاط کی جانب گزرے کہ خود مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا ذاتی کتب خانہ بھی مرورِ زمانہ کی نذر ہو گیا، اس ناقابل تلافی نقصان کی وجوہات مع تفاصیل آگے مذکور ہوں

[1] ایضاً، عرضِ ناشر

گی۔قائداہل سنت رحمۃ اللہ نے اپنے والد صاحب مرحوم کی اسی جانب توجہ دلائی تھی کہ اگر ممکن ہو سکے تو مولانا فقیر محمد مرحوم کے ورثاء سے حسب وصیت عمل کروالیا جائے یا قیمتاً ہی ان سے کتابیں خرید لی جائیں تاکہ وہ کوڑیوں کے مُول فروخت ہو کر ناقدر شناس ہاتھوں میں جانے کی بجائے کارآمد جگہ پر پہنچ جائیں۔اس سے قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کے ذوق علمی اور احساس ذمہ داری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اب دوسرا مکتوب ملاحظہ ہو۔

② بخدمت اقدس جناب والدی الماجد مدظلہ العالیٰ

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔گرامی نامہ کاشفِ حالات ہوا، جناب مولوی صاحب[1] کے انعقاد نکاح کی اطلاع سے بہت مسرت حاصل ہوئی، مبارک ہو۔خدا کرے جلد شادی کی رسم بھی بمطابقتِ شریعت ادا ہو جائے۔تمام گھر والوں کو اس شادی کی مبارک اور بالخصوص ماں جی صاحبہ مستحق صد مبارکباد ہیں کہ ان کی مدتوں کی دلی تمنا خداوند کریم نے پوری کی ہے۔مبارک ہو! میرے خیال میں ان کی بڑی تمنا تو یہی تھی جس میں تاخیر ہوتی رہی ہے۔خدا کے فضل وکرم سے گھر بھی بہت اچھا مل گیا ہے جہاں ہر قسم کی سہولت بھی رہے گی۔ہاں یہ عرض ہے کہ شادی کی رسوم شریعت کے خلاف نہ ہونی چاہئیں۔ زیادہ اسراف کی کوشش نہ کی جائے اور جو مردانہ کپڑے بنوائے جائیں۔ وہ حرمت کے دائرہ میں نہ آئیں۔مثلاً کنگیاں وغیرہ اگر بنوائیں بھی تو تمام ریشم نہ ہو اور نہ بانا[2] ریشم کا ہو اور نہ اطراف میں ریشم چار اُنگل سے زیادہ لگایا جائے۔

ورنہ سب کپڑے بےکار جائیں گے۔اور بجز اخراجاتِ بے جا کے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔جب تک ہم اپنے گھر کی رسوم کو بمطابق احکام شرعی نہ کریں گے دوسروں کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور علاوہ ازیں تمام تر بوجھ بھی ہم پر آتا ہے ویلٌ للجاھل مرۃ وللعالم سبع مراتٍ او کما قال علیہ الصلوۃ

---

[1] مراد بڑے بھائی غازی منظور حسین شہید رحمۃ اللہ ہیں، جو برادری میں ''مولوی صاحب'' کر کے مشہور تھے، ان کی شخصیت پر اگلے صفحات میں تذکرہ ہوگا۔ان شاء اللہ تعالیٰ

[2] یعنی تانا کی ضد، وہ باریک تار جسے کپڑے میں عرضاً بُنا جاتا ہے۔طول وعرض میں بُنے جانے والے دھاگوں کو ''تانا بانا'' کہا جاتا ہے، اس پر کئی ایک محاورے بھی وضع ہو چکے ہیں۔سلفی

والسلام۔ ان شاء اللہ تعالیٰ احقر بھی اس وقت تک حاضر ہو جائے گا۔ جس دن آپ کا نوازش نامہ یہاں پہنچا ہے، اس کے دوسرے دن ہی جناب حکیم صاحب دیالوی[1] کا پانچ روپے کا منی آرڈر کتاب کے لیے پہنچ گیا ہے انہوں نے بڑی نوازش و تکلیف کی ہے۔ خیر ہم پر بوجھ نہیں رہا آپ اس کی فکر نہ کریں۔ دارالعلوم کے امتحاناتِ تقریری تو قریب الاختتام ہیں، آئندہ بدھ کو تحریری امتحانات شروع ہو جائیں گے اور ہمارا امتحان غالباً دس شعبان کو شروع ہو کر بیس تک رہے گا، سب سے آخر میں بخاری شریف کا پرچہ ہوگا۔ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ امتحانات میں کامیابی تام نصیب فرماوے کیونکہ دس کتابوں کا امتحان دینا ہے اور تمام بڑی بڑی کتابیں ہیں اور مشکل یہ ہے کہ امتحانات کے ایام میں بھی ہمارے اسباق برابر جاری رہیں گے۔ ترمذی شریف تو ختم ہونے والی ہے مگر بخاری شریف باقی رہ جائے گی۔ جو امتحان کے بعد آخر شعبان تک ختم ہوگی۔ بہر حال ایام محدود ہی ہیں (زادِ راحلہ وغیرہ کے لیے مطلوب معہود ارسال فرمادیں) بخاری کی قیمت کتب خانے میں جمع کردی ہے۔ گھر جانے پر کتاب لے لوں گا۔ اگر ارشاد ہو تو جلد یہاں سے تیار کرالاؤں؟ اور اگر وہاں کوئی اچھا انتظام ہو سکے تو اس پر موقوف رکھوں، ارشاد کی تعمیل کی جائے گی، ایک عمامہ بھی یہاں سے خریدنے کا ارادہ ہے کیونکہ سابقہ پھٹ گیا ہے اور ہر طرح کی خیر و عافیت ہے کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ ایام بہت زیادہ مصروفیت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائیں آمین۔ گھر کے تمام رجال ونساء کو ہدیہ تسلیم! عزیزہ کو پیار۔ یہاں پر شہر میں ہندو مسلم کا سخت تنازع ہے، گزشتہ چند سالوں سے ہنود اپنا ''کرشن لیلیٰ''[2] نکالنا چاہتے تھے اور مسلمان نہیں نکالنے دیتے اس سے پہلے بھی حکومت کی طرف سے انتظامات کیے جاتے تھے۔ امسال تو ہندوؤں نے بہت زیادہ شورش کی ہوئی ہے،

---

[1] حکیم غلام محی الدین مرحوم جو قصبہ دیالی ضلع جہلم کے رہنے والے تھے اور مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے ہمدمِ دیرینہ اور باوفا دوستوں میں سے تھے، اور اسی نسبت سے حضرت قائد اہل سنت کے ساتھ بھی بذریعہ خط و کتابت اپنا تعلق قائم رکھتے تھے۔ سلفی

[2] کرشن جی کے نام پر وہ کھیل تماشے جو ہولی، دیوالی پاڑوا، بھائی دُج اور دھنتیر کی طرح کئے جاتے ہیں اس طرح ہندوازم میں قدیم زمانہ سے یہ تہوار چلے آرہے ہیں۔

پانچ چھ دن سے یہاں فوج اور پولیس کے دستے موجود ہیں، ہندو گرفتار ہو رہے ہیں اور باہر سے بھی آرہے ہیں، فائرنگ کا بھی احتمال ہے اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ ہندو مسلم کی آپس میں جھڑپ ہو جائے ابھی تک تو مسلمان گویا کنارہ کش ہیں اور حکومت ہندوؤں کے آگے حائل واقع ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاملے کو حسن انجام کے ساتھ رفع فرمادے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی مصیبت اور ابتلاء مسلمانانِ ہند پر جنگ کی وجہ سے آ گیا ہے اور وہ یہ کہ انگریز نے فوجی بھرتی شروع کر دی ہے تمام ٹوڈی حضرات پُرزور تائید کر رہے ہیں۔ سکندر حیات متعدد بار اپنی وفاداری کا اعلان شائع کر چکا ہے۔ تمام مسلم لیگ نے انگریز کی وفاداری پر کمر باندھ لی ہے، کانگریس کے بازو بھی ڈھیلے نظر آتے ہیں۔ اگر میدان میں اس خبیث (انگریز) کے خلاف نعرہ حریت بلند کریں گے تو علماء کرام کی جماعت ہوگی۔ انگریز اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے...... جو فلسطین پر بھی ابھی تک ظلم ڈھا رہا ہے، وزیرستان پر بھی بمباری شروع کر دی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے مسلمان بھائی کس منہ سے خدائے قادر و قیوم کی بارگاہ چھوڑ کر اس دشمن اسلام کی حمایت پر جبین رسائی کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ منافقین کو ہدایت دے کہ اسلام دشمنی سے باز آجائیں اور علماء حق اور مسلم و مومنین کو استقامت فی سبیل اللہ عطا فرمائے، حق پر قائم رکھے اور باطل کی طرفداری سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

نیاز مند۔ احقر الانام مظہر حسین غفرلہ

متعلم دارالعلوم دیوبند

مؤرخہ ۲۹ رجب المرجب ۱۳۵۹ھ

یوم الجمعۃ (المبارک)

دارالعلوم دیوبند کے دورِ قیام میں اپنے والد گرامی کے نام ان دو خطوط میں ایک سلیم فطرت قاری قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے جوہر فطرت کا پوری طرح جائزہ لے سکتا ہے کہ دین متین کی بے لوث

خدمت کے جذبات، اپنے عظیم والد گرامی کی بے مثال تربیت اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی صحبت وشرفِ تلمذ نے آپ کے اندر کس قسم کی آرزوؤں کو برانگیختہ کر رکھا تھا؟ یہ حقیقت ہے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی عملی زندگی میں جتنا کچھ بھی انقلاب آیا تھا، وہ انہی بزرگواروں کے فیضان کا خوبصورت نتیجہ تھا۔

رودادمباحثہ چک عمراء (چکوال)

۱۹۴۰ء

مابین

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ

و

شیعہ مناظر مولوی غلام حسین میالوی

قائد اہل سنت کا ۲۶ سال کی عمر میں پہلا مناظرہ

مناظرہ چک عمراء (چکوال) ۱۹۴۰ء
قائد اہل سنت کا ۲۶ سال کی عمر میں پہلا مناظرہ

جیسا کہ یہ بات اظہر من الشّمس ہو چکی ہے کہ وسطی خطہ پنجاب میں بالعموم اور برطانوی دورِ ہندوستان میں بالخصوص ابو الفضل مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے مرزائیت اور رافضیت کا علمی تعاقب کرنے میں بہت موثر، تسلسل اور ربط و استقلال کے ساتھ مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اس ضمن میں انہوں نے ہر اس صلاحیت کا بھرپور استعمال کیا جو بارگاہِ ایزدی سے انہیں ودیعت ہوئی تھی۔ اور اپنے دور کے معاصرین اہل علم کو آپ پر بہت زیادہ اعتماد تھا جو فقط زندگی کے آخری سانسوں تک ہی نہیں بلکہ آگے چل کر خاندانِ دبیر کو اب تک حاصل ہے ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ عبد الشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کے شہرہ آفاق رسالہ ''النجم'' کی ایک قدیم فائل اس وقت بندہ کے پیش نظر ہے۔ اس میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کا ایک حوالہ پڑھیے۔ فتنہ رفض کے استیصال کی طرف علماء ہند کو متوجہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> ''خدا کے لیے دوسرے کاموں کو بالفعل کم کر کے فتنہ رفض کی طرف توجہ کریں۔ مثلاً میرے مکرم مخلص جناب مولوی ابو القاسم صاحب ساکن کولوتارڑ اور مولوی کرم الدین صاحب ساکن بھیں، اور بھی بہت سے حضرات ہیں جن کا نام لکھنے کی ضرورت نہیں۔''[1]

جن کے نام لکھنے کی ضرورت تھی، ان میں مولانا کرم الدین کا نام علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کے قلم سے صفحہ قرطاس سے صفحہ ہستی پر ثبت ہو چکا ہے۔ یہ صداقت کی روشن کرنیں ہیں جو چھن چھن کر عقلاء کے آنگن روشن کر رہی ہیں، البتہ ''تیرا دل ہی نہ مانے تو بہانے ہزار ہیں''۔ تو قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے اندر بالخصوص فتنہ رفض و بدعت کے استیصال اور مدح صحابہ و اہل بیت کے پاکیزہ جذبات اپنے والد مکرم سے گویا خون میں منتقل ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ جب ۱۹۳۹ء کے اواخر میں دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر اپنے ''بھیں'' گاؤں واپس آئے تو آتے ہی علمی سرگرمیوں میں مصروف

---

[1] عبد الشکور، علامہ / پندرہ روزہ ''النجم'' لکھنؤ صفحہ نمبر ۶۹ / ۷ تا ۲۱ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ، بمطابق ۱۹۲۶ء مطبوعہ پاٹانالہ لکھنؤ

ہو گئے۔ اور اس کی ابتداء ایک مناظرہ سے ہوئی، یہ مناظرہ ۱۹۴۰ء میں چک عمراء کے اندر منعقد ہوا تھا، چک عمراء چکوال کے مشہور و معروف اور قدیم دیہاتوں میں سے ہے۔ یہ ۸۰ برس پہلے والے چک عمراء کی بات ہو رہی ہے۔ جہاں اب جدید دور کے تیز رفتار پہیے گھومتے نظر آتے ہیں وہاں آبادی کا تناسب بھی یقیناً پہلے کی نسبت، کہیں زیادہ ہو چکا ہے کاتب السطور کو اکثر و بیشتر تحریک خدام اہل سنت والجماعت کے زیر اہتمام منعقدہ جلسوں میں بغرضِ وعظ و تقریر اس گاؤں میں جانے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ اس مناظرہ کا قصہ یوں ہے کہ ایک شیعہ عالم، جو خود کو ''مناظر'' کہلوانے میں خاصے شوقین واقع ہوئے تھے۔ یعنی مولانا محمد حسین میالوی، یہ بغرضِ ذاکری چک عمراء وارد ہوئے اور وہاں کے اہل سنت مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دینے لگے۔ موصوف کا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ اس علاقہ کی کسی مسجد کے سنی امام صاحب سے سینگ اڑا لوں گا، اور کچھ نہ سہی، ''مناظر'' کی دم تو لگ ہی جائے گی۔ مگر ہوا یہ کہ مقامی لوگوں نے مناظرہ کا چیلنج منظور کیا اور فوراً ''بھیں'' جا پہنچے اور ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو چک عمراء آنے کی دعوت دی۔ حضرت قائدِ اہل سنت تازہ تازہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تھے۔ ۲۶ سال کے کڑیل جوان تھے۔ سیدھا، اونچا قد، سرخ رُخسار، مضبوط ہڈیاں، چمکدار آنکھیں عمل و تقویٰ سے معمور اور نورِ علم سے پُرنور، بیدار مغز اور ہمت مردانہ کے پیکر! دوسری جانب حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر ۸۸ سال کے بوڑھے شیر، مگر ایمان و علم کے اعتبار سے نوع بنوع تھے۔ چنانچہ دونوں باپ بیٹا چک عمراء کو روانہ ہوئے۔ حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ تو پوری زندگی برصغیر کے نامی گرامی اہل علم وفن سے مباحثے کر چکے تھے، اس لیے غلام حسین میالوی سے حضرت دبیر کا مباحثہ کرنا اسے شارٹ کٹ رستہ سے مشہور کرنے کے مترادف تھا۔ اس لیے عظیم والد کی رہنمائی میں عظیم فرزند جو میدانِ مناظرہ میں اترے تو لوگوں نے دیکھا اور تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کیا کہ شرائط مناظرہ ہی میں مولوی میالوی صاحب کو دن میں تارے نظر آ گئے اور انہوں نے اس قدر شرمناک شکست کھائی کہ پھر زندگی بھر اللہ کے ان دو شیروں کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اس مناظرے کا مکمل ریکارڈ ہمیں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ذاتی ذخیرہ سے دستیاب ہو گیا ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ اس مباحثے کی مختصر کارگزاری ماہ نامہ ''ضیاء الاسلام امرتسر، ماہ نامہ شمس الاسلام، بھیرہ اور ''النجم'' لکھنؤ وغیرہم میں بھی شائع ہوئی تھی۔ تاہم اس وقت آپ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے اپنے ہاتھ سے لکھی وہ تحریر ملاحظہ فرمائیں جو آپ رحمہ اللہ نے دورانِ مناظرہ ساتھ ساتھ قلمبند کی تھی۔

روداد مباحثہ چک عمراء بدستِ خود حضرت قائد اہل سنت

(۲۰ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ بمطابق ۱۹۴۰ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یریدون لیُطفِئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولَو کرہ الکافرون۔

برادرانِ اسلام کی خدمت میں التماس ہے کہ زمانہ حاضرہ میں الحاد و بے دینی اور کفر و شرک کا اتنا زور پیدا ہو گیا ہے کہ عقل مند سے عقل مند انسان کا قدم بھی صراط مستقیم پہ ثابت رہنا مشکل نظر آتا ہے۔ یوں تو تمام فرقہ جات باطلہ، مذہب اسلام کی تخریب میں کوشاں رہتے ہیں اور سب کا فرضِ اولین یہی ہے کہ دین فطرت (اسلام) کا نام ہی دنیا میں باقی نہ رہنے پائے۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک اور اصولِ اسلام کو تبدیل کرنے والا فرقہ شیعہ کا ہے جو اہل بیت کی محبت کا نقاب اوڑھ کر اسلام اور مقتدایانِ اسلام کی عداوت اور دشمنی میں پوری تندہی سے سرگرم عمل ہے۔ اس کی بنیاد ہی اس اصول پر ہے کہ وہ مقدس ہستیاں جنہوں نے دین اسلام کو عالم کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا ہے اور جن کو اپنے اور بیگانے سب اصحاب رسول ﷺ اور خلفائے راشدین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تکفیر و تفسیق کی جائے۔ اور نعوذ باللہ ان کو سب و شتم کی آماجگاہ بنایا جائے۔ چنانچہ "لکھنؤ گالی ایجی ٹیشن" اس گمراہ کن جماعت کا ایک تازہ کارنامہ ہے۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔ اور اس سے زیادہ تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ جماعت میں سے اگر کوئی آدمی راگ و سرود، رنگ و خوش الحانی سے مرثیہ خوانی کر سکتا ہو تو وہی ان کا مبلغ اور وہی ان کا عالم کہلاتا ہے۔ اگرچہ الف، ب تک ہی پڑھنا نہ جانتا ہو۔ اور اس کے نام کو عجیب و غریب القابات سے مزین کیا جاتا ہے۔ ہمارے علاقہ میں اس وبائے ابن سبائی کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ جو بعض لاعلم مسلمانوں کے لیے بڑی ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں۔ لیکن جب کہیں علمائے اہل اسلام کے مقابلہ کی نوبت آجاتی ہے تو ان کی علمیت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور اصل حقیقت مسلمانوں پر واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک تازہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس سے ناواقف مسلمان بھائیوں کو معلوم ہو جائے گا کہ شیعہ مذہب کی حقیقت کیا ہے؟ یہ بالکل بے بنیاد اور غلط مذہب ہے۔ اور ان کے ذاکرین و مرثیہ خواں بالکل جاہل ہوتے ہیں۔ چک عمراء تحصیل چکوال میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ جہاں کی تمام آبادی مسلمانانِ اہل السنۃ والجماعۃ کی ہے۔ البتہ کچھ عرصہ سے یہاں چند شیعہ پیدا

ہو گئے ہیں جن میں دو آدمیوں نے تو اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہوئے اس دفعہ لکھنؤ گالی ایجی ٹیشن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کر کے قید و بند کی سزا بھگتی ہے۔[۱] انہوں نے اس سال موضع مذکور میں بتاریخ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ ایک مجلس قائم کی اور یہ مشہور کیا کہ ہمارے دو بڑے مولوی آئیں گے اگر سنیوں کو مناظرہ کرانا منظور ہو تو وہ بھی اپنے مولویوں کو بلا لیں۔ یہ سن کر مسلمانان اہل سنت سے رہا نہ گیا اور وہ حضرت مولانا ابو الفضل محمد کرم الدین صاحب ساکن بھیں ضلع جہلم کو لائے۔ احقر[۲] بھی ساتھ ہی تھا۔ تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ جس جگہ فاضل بھیں کا نام لیا جائے وہاں شیعہ مذہب کے مولویوں کے ہوش وحواس قائم نہیں رہتے اور دور سے سن کر ہی بھاگ جاتے ہیں۔ حضرت مولانا موصوف تو اس خیال سے تشریف لے آئے تھے کہ شاید کوئی شیعوں کا بڑا مناظر آنے والا ہے۔ جس کی وجہ سے دعوتِ مناظرہ دے رہے ہیں۔ چونکہ شیعوں کو خوب معلوم تھا کہ مناظر اسلام فاضلِ بھیں کے مقابلہ میں آنے کی کوئی شیعی مولوی جرأت نہیں کرے گا۔ لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شیعوں کو کوئی بڑا مناظر نہیں مل سکا۔ صرف ایک گمنام مولوی غلام حسین میانوی کو مدعو کیا گیا ہے اور انہوں نے اپنے مولوی کو یہ نہ بتایا کہ تم کس شیر کے منہ میں جا رہے ہو؟ بلکہ کہا کہ کوئی مناظرہ نہیں بلکہ مرثیہ خوانی ہی ہوگی۔ لیکن جب شیعی مولوی غلام حسین میانوی کو یہ حقیقت معلوم ہوگئی کہ موضع چک عمراء میں شیر اسلام کا ورودِ مسعود ہو چکا ہے تو سخت گھبراہٹ لاحق ہوئی اور یقین ہو گیا کہ اب پیاری زندگی کے چند لمحات ہی رہ گئے ہیں۔ کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ موت کے منہ میں جانے کی نوبت بھی نہ آئے اور اپنی استعداد علمی کا پردہ بھی چاک نہ ہو۔ چنانچہ ٹال مٹول کرنا شروع کر دیا۔ کبھی یہ بہانہ کیا کہ میرا بیٹا بیمار ہے اور کبھی کہا کہ مجھے مناظرہ کی اطلاع نہ تھی اس لیے کتابیں ساتھ نہیں لایا۔ لیکن مقدر میں جو آ چکا تھا اس کا ہونا اٹل تھا۔ اللہ جل شانہٗ کو یہ منظور تھا کہ دشمن اسلام کا صحیح فوٹو مسلمانوں کے سامنے آجائے اور اس کا دام تزویر پاش پاش کر دیا جائے۔ اس لیے اپنے شیعوں نے اس کو بھاگنے نہ دیا اور گاؤں میں کشاں کشاں لے آئے۔ اس وقت شیعی مولوی کی بے بسی اور درماندگی کا اندازہ وہ شخص کر سکتا ہے کہ جس نے اپنی آنکھوں سے اُن کی اس

---

[۱] ۱۹۴۰ء کے زمانہ میں لکھنؤ کے اہل تشیع نے ''ایامِ تبرا'' منانے کے لیے ہندوستان بھر سے شیعوں کو لکھنؤ میں جمع کیا تھا، حکومت ہند نے اسے خالص مفسدانہ حرکت قرار دے کر پابندی لگا دی تھی، اور بے شمار روافض کو گرفتار کر کے ان پر باقاعدہ مقدمات چلائے گئے تھے۔ اس کو گالی یا ''تبرا ایجی ٹیشن'' کہا جاتا ہے۔ سلفی

[۲] یعنی قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

حالت کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ بہرصورت جمعۃ (المبارک) کے دن مولوی غلام حسین میانوی موضع چک عمراء میں پہنچ گئے، جو اُن کے لیے مقتل گاہ سے کم نہ تھا۔ اس سے قبل جمعرات کو بھی بڑی مسجد میں اہل السنۃ والجماعۃ کا جلسہ ہوا تھا اور مناظر اسلام فاضل بھیں نے کفر شکن تقریر کی جس میں شیعہ مذہب کے عقائد باطلہ کی تردید کی۔ احقر نے بھی بتوفیق ایزدی اس مذہب کے ناپاک اصولوں پر کافی روشنی ڈالی اور ان کے الزامات واتہامات کے جوابات دیئے۔ دوسرے روز جمعہ کے بعد بھی فاضل بھیں کا اثر انداز، پُرزور وعظ ہوا۔ اور احقر نے بھی تقریر کی اور جلسہ بہت پُر رونق ختم ہوا۔ رات کو جب ہماری تقاریر کی اطلاع شیعی مولوی کو دی گئی تو اس نے کہا کہ میں مناظرہ کروں گا اور ثابت کروں گا کہ جناب رسولِ خدا ﷺ کی ایک ہی صاحبزادی تھی وغیرہ۔ جب ہم کو شیعہ مولوی کی زٹلیات کا علم ہوا کہ اپنی جگہ پہ یوں لن ترانیاں ہانک رہے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ اپنی پارٹی پر اثر ڈالا جائے۔ تو بروز ہفتہ صبح کو احقر نے مندرجہ ذیل عربی مکتوب مولوی موصوف کو صرف اس غرض سے بھیجا کہ پہلے ان کی علمیت معلوم ہو جائے۔ پھر مناظرہ! کیونکہ اگر کچھ علوم عربیہ سے تعلق رکھتے ہیں تو پھر تو مناظرہ ہو سکے گا۔ اور اگر جہالت کی گٹھڑی ہیں تو **واذا خاطبھم الجاھلون قالو اسلاماً** پر عمل کرنا بہتر ہے۔ نقل مکتوب بمطابق اصل یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا و مصلیا و مسلماً

ایھا المولوی الشیعی السلام علٰی من اتبع الھدی۔

قد جئنا وجئتم لتبلیغ المذھب وتوضیح المشرب واحقاق الحق وابطال الباطل وعلینا ان نقیم مجلس المناظرۃ محترزًا عن المجادلۃ والمکابرۃ فعلیک ان تطلعنی عن الوقت والمقام و موضوع الکلام ونثبت ما نحن علیہ بالادلۃ القاھرۃ والحجج الباھرۃ ونتکلم اولا فی ان القران الذی جاء بہ جبریل علٰی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ھل ھو ھذا القران الذی موجود بین الدفتین وھل ھو کامل و مکمل ام بدلہ وحرفہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، بحیث اخرجت منہ آیات وسور وصار فیہ التحریف اللفظی والمعنوی وھل ھو لنا ولکم حجۃ وھل تعتقد ان القران الاصلی الذی جمعہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضي اللہ عنہ وجاء بہ الٰی ابی بکر و عمر وقال انی جمعت جمیع الأیات

والسور فخذوه فكالوا ليس لنا حاجة الٰى قرأنک بل القران فی ایدینا کامل و مكمل ليس فيه زيادة ونقصان فغضب امير المومنين على كرم الله وجهه وقال اما والله ما ترونه بعد يومكم هذا ابدًا ونتكلم ثانيا فی ان بنات النبي صلى الله عليه وسلم هی اربعة امر واحدة ثم فثم ! فلٰكن جوابكم بالعربية الفصيحة عاجلاً غير أجلٍ۔

اناعبد خالق الكونين مظهر الحسين ايده الله فی الدارين

۲۲ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ

اس چٹھی میں شیعی مولوی کو دعوتِ مناظرہ دی گئی ہے کہ سب سے پہلے قرآن (مجید) کے متعلق بحث ہوگی اور شیعہ کی معتبر کتابوں کی رُو سے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ اس موجودہ قرآن مجید کو کامل و مکمل غیر محرف مانتے ہیں۔ اور اس کے بعد دوسری بحث یہ ہوگی کہ حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادیاں چار تھیں یا صرف ایک؟ نیز یہ لکھا گیا کہ جواب فصیح عربی میں بہت جلد دیا جائے۔ یہ چٹھی لکھی جا چکی تھی کہ شیعوں کا ایک نمائندہ آ گیا اور کہا کہ ہمارے مولوی صاحب مناظرہ کے لیے تیار ہیں۔ اس پر اُسے یہ چٹھی دے دی گئی اور اپنے آدمی ساتھ بھیجے کہ اس کا جواب تحریری شیعی مولوی صاحب سے طلب کرو۔ چنانچہ جب مولوی موصوف نے عربی مکتوب کو دیکھا تو سہم گیا اور زبانی ٹال مٹول کرنے لگا۔ لیکن سنی ہوشیار قاصد نے تحریری جواب دینے پر مجبور کیا آخر طوعاً و کرھاً آپ نے عربی میں جواب لکھا جو اپنے زعم کے مطابق تو عربی میں لکھا گیا ہے لیکن اس کو عربی مکتوب کہنا عربی زبان کی توہین ہے۔ وہ خط بعینہ درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا و مصليًا و مسلماً۔

يايها العالم المتدبر الحنفی السنی المرجی على كل من اتبع الهدٰى سلام الله۔ حررت ودعوت وارسلت الى السفراء والوكلاء نتكلم ونناظر وفی تحقيق الحق هل كان القرآن الذی بين الدفتين مجتمع عليه بين الصحابة ام مختلف فيه وثانيا هل كانت بنات النبی اربعة ام واحدة ايها الاخی طريقة التحقيق عند اهل النظر والسياسية هذا اولا نعتبر ونقرر الحكم العالم من غير اهل الاسلام الذی يعلم بعلم العربی والفارسی وثانياً نشخص المكان الكلام ونشرع فی تحقيق

الخلاف بین الشیعة و اهل السنة و الجماعة ماهو المشهور فی العالم هل ادعت سیدة نساء اهل الجنة فاطمة الزهراء التی اتفق المسلمون علٰی انها بنت النبی صلی اللہ علیہ و سلم لحقوق التی تثبت لها عند ابی بکر ام لا و ان ادعت فاعطی لها ابو بکر لا و ان لم یعط هل رضیت ام غضبت و هل کان ابو بکر و عمر شملا فی جنازتها ام لا؟ و هل کان ادعائها مطابقا للقرآن ام لا؟ فقط حررهٗ غلام حسین میالوی بقلمہٖ۔

اہل علم پر مخفی نہیں کہ شیعی مولوی نے اپنی عربی چٹھی میں کیا کچھ صریح غلطیاں کی ہیں یہ خط سراسر اغلاط فاشہ کا پلندہ ہے اور یہ اس قابل نہیں کہ اس کی تصحیح کی جائے تاہم اس کی اغلاط فاشہ کو (بغرض افادۂ مسلمین) ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

① میالوی صاحب کو بسم اللہ اور حمد و صلوٰۃ کے لیے کوئی اور الفاظ نہیں مل سکے اور اس میں ہماری پوری تقلید کی گئی ہے۔

② المتدبر کا لفظ یہاں بے محل ہے اور اگر تدبر کے معنی مراد ہوں تو ہماری تعریف ہی ثابت ہوگی، حالانکہ مخالف کا مقصود یہ نہیں ہوسکتا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ میالوی کو اس لفظ کا معنی ہی معلوم نہ تھا۔ اور یونہی ایک عربی لفظ سمجھ کر لکھ دیا۔

③ میالوی نے حسب معمول بسم اللہ کے بعد ہی سب و شتم شروع کر دیا کیونکہ سنی حنفی کو مرجی کہنا اس کی سخت توہین ہے۔ حالانکہ ہم نے تو اس ملا میالوی کو لفظ رافضی سے بھی مخاطب نہیں کیا جو بقول حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ شیعوں کو درگاہ خداوندی سے عطا ہوا ہے۔

④ یہاں جز کی تقدیم اور مبتدا کی تاخیر بلا وجہ صحیح نہیں، دوم قران پاک میں ہر جگہ سلام کا لفظ مسلّم علیہ پر مقدم ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ، سَلَامٌ عَلٰی نوحٍ فی العالمین۔ سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی، سلام علیکم طبتم فادخلوها خٰلدین۔ سلام علی الیاسین وغیرہ۔ لیکن میالوی کو اتباعِ قران سے کیا غرض؟ البتہ احقر نے چونکہ سلام کا لفظ مقدم لکھا اس لیے اس کا الٹ کرنا ہی مناسب سمجھا۔

نہ ہو کیونکر تمہارا کام اُلٹا
تم اُلٹے ، بات اُلٹی یار الٹا

⑤ ''حررت'' کا کوئی مفعول نہیں ذکر کیا گیا، کیا لکھا اور کس کو لکھا؟

⑥ ''دعوت'' میں بھی مفعول ذکر نہیں۔

⑦ ''تناظر'' کے بعد اول تو تحقیق الحق لکھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ تحقیق حق کا معنٰی خود لفظ مناظرہ میں پایا جاتا ہے، دوم اگر تجرید مقصود ہو تو پھر لفظ ''فی'' کا لکھنا بالکل غلط ہے بلکہ یہاں لام تعلیلیہ ہونا چاہیے۔ ''ای لتحقیق الحق''

⑧ ''مجتمعٌ علیہ'' کان کی خبر ہے جو منصوب ہوا کرتی ہے اس کو مرفوع لکھنا میالوی کی جہالت و عدم علم کی دلیل ہے۔

⑨ ''مختلف فیہ'' بھی بوجہ کان کی خبر ہونے کے منصوب ہونا چاہیے لیکن میالوی غریب کو اس کی کیا خبر؟ مرثیہ خوانی کرتے کرتے شیعوں کے مناظر بن گئے۔

⑩ ثانیاً کا لکھنا غلط ہے، کیونکہ پہلے اَوّلاً کا لفظ مذکور نہیں ہے جس پر اس کا عطف ہو۔

⑪ ''الاخی'' یہاں پر اَخ کا لفظ مضاف ہے جس پر الف لام لایا گیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ ہاں میالوی یونیورسٹی نے اگر مضاف پر الف لام کا لانا جائز رکھا ہو تو کچھ غم نہیں۔ کیونکہ وہاں سے جہالت ہی کی ڈگری مل سکتی ہے۔

⑫ یہاں پر تو جہالت یونیورسٹی کے سند یافتہ نے کمال ہی کر دیا ہے۔ طریقۃ التحقیق مبتدا ہے اور اس کی خبر ''ہذا'' ہے جو صریح غلط ہے۔ کیونکہ مبتدا خبر میں تذکیر و تانیث میں بھی مطابقت چاہیے اس لیے ہذا کی جگہ ہذہٖ ہونا چاہیے تھا جس شخص کو تذکیر و تانیث کا بھی امتیاز نہیں، کیا وہ بھی اپنی علمیت کا ڈھنڈورا پیٹ سکتا ہے؟ پھر یہاں پر لفظ ''سیاسۃ'' کا ٹھونسنا میالوی موصوف کے مختل الدماغ ہونے کی دلیل ہے۔ یہاں سیاست سے کیا مطلب ہے؟

⑬ ''نعتبر'' کا لفظ یہاں اس معنی میں غلط ہے۔ نیز اس کا صلہ ''علیٰ'' ہونا چاہیے جو یہاں مذکور نہیں۔

⑭ ''نقرر'' کا لفظ عربی میں مقرر کرنے کے معنی میں نہیں آتا، لہٰذا یہاں غلط استعمال کیا ہے۔

⑮ ''یعلم بعلم العربی'' کی عبارت غلط ہے کیونکہ اگر علم کا ''صلہ'' باء ہو تو پھر ''یعلم بالعربی'' ہونا چاہیے۔ یعلم کے بعد علم کا لفظ عبث ہے۔

⑯ یہاں ''نشخص'' کا لفظ بے معنی ہے۔ کیا میالوی صاحب تشخیص امراض کرنا چاہتے ہیں؟ اگر یہی مقصود ہے تو پھر کسی ہسپتال میں جگہ تلاش کرنی چاہیے۔

⑰ المکان الکلام کی ترکیب ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر المکان مضاف مراد ہے تو الف لام غلط ہے اور اگر موصوف صفت بنانا ہے تو معنی درست نہیں۔ کیونکہ مکان کلام نہیں ہوسکتا۔ نیز مکان کی جگہ لفظ ''مقام'' ہونا چاہیے۔

⑱ ''ادعت'' جب باب افتعال سے متعدی بنفسہ ہوتا ہے تو اس کا صلہ لام نہیں آتا لہٰذا اس سے آگے ''لحقوق'' پر لام جار غلط ہے۔

⑲ ''لحقوق التی'' اس میں حقوق موصوف ہے اور ''التی'' صفت ہے۔ اس لیے الحقوق معرف باللام ہونا چاہیے۔

⑳ ''فاعطی لھا'' غلط ہے کیونکہ اعطاء متعدی بجنسہ بغیر لام کے آتا ہے۔

㉑ ''یعط'' کا مفصول مذکور نہیں۔

㉒ ''ھل رضیت'' غلط ہے کیونکہ ھَلْ سے پہلے فاء جزائیہ چاہیے۔

㉓ ''شملا'' یہاں پر یہ لفظ معناً غلط ہے کیونکہ ''شمل یشمل'' عربی زبان میں شامل اور شریک ہونے کے معنی میں نہیں آتا۔ اب ناظرین غور فرمائیں کہ میالوی نے اپنے مختصر سے مکتوب میں دو درجن سے زائد موٹی موٹی غلطیاں کی ہیں۔ کیا ایسا شخص بھی احقاقِ حق کے لیے میدانِ مناظرہ میں آسکتا ہے؟

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
کہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اور پھر طرفہ یہ ہے کہ اس جہالت کے ہوتے ہوئے اپنی چٹھی میں یہ لکھا جاتا ہے کہ مناظرہ کا منصف ایک غیر مسلم عربی دان عالم ہونا چاہیے۔ میالوی کی مندرجہ بالا چٹھی کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ مناظرہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ منصف ایک غیر مسلم عربی دان عالم ہو۔ اس شرط سے اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ نا قابل تسلیم شرط مانی ہی نہ جائے گی اور اگر تسلیم کرلی گئی تو ایسا منصف ملنا دشوار ہے جو عربی علوم کا ماہر ہو۔ لہٰذا مناظرہ سے جان چھوٹ جائے گی۔ دوسری چیز یہ پیش کی گئی کہ موضوعِ مناظرہ ''ایمان بالقرآن'' اور ''اثبات بنات النبی ﷺ'' نہیں ہوگا بلکہ صرف باغِ فدک کی بحث ہوگی۔ اس سے غرض یہ تھی کہ اگر ایمان بالقران کی بحث شروع ہوگئی تو شیعہ مذہب کی حقیقت کھل جائے گی کہ ان کا قرآن موجود پر ہرگز ایمان نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ اس طرح تمام لوگوں کے سامنے رسوائی حاصل ہوگی۔ علاوہ ازیں یہ امر قابل غور ہے کہ اسلامی مسائل کے فیصلہ کے لیے غیر مسلم شخص کو منصف ٹھہرانا قرین عقل

نہیں اور آیات قرآن اِنْ تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول اور من لم یحکم بما انزل اللہ کے بھی خلاف ہے۔

میالوی کے قاصد جب یہ چٹھی لے کر آئے تو انہوں نے زبانی گفتگو میں بھی یہی اصرار کیا کہ ثالث ضرور کوئی غیر مسلم آریہ یا سکھ یا عیسائی مقرر کیا جائے۔ چنانچہ ہم نے ان کی اس ناجائز شرط اور ناقابل العمل شرط کو بھی اس غرض سے منظور کر لیا کہ شیعی مولوی کے لیے کوئی سبیل فرار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اُن سے کہا کہ اپنے مولوی صاحب سے پوچھ کر مناظرے کا دن مقرر کرو تا کہ اس کے بعد حکم کی تلاش کی جائے۔ چنانچہ وہ اپنے مولوی سے مشاورت کرنے کے لیے چلے گئے۔ اور کچھ دیر کے بعد مولوی میالوی کی ایک اور عربی چٹھی لے کر واپس آئے کہ اس کا جواب عربی میں مطلوب ہے۔ مقام غور ہے کہ میالوی کو اپنی پہلی چٹھی لکھنے سے یہ گمان پیدا ہوا کہ مجھے بھی عربی لکھنا آتا ہے اس لیے تو دوسری چٹھی فوراً روانہ کی اس کو جہل مرکب کہتے ہیں:

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابد الدھر بماند

ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اور مزید انکشاف (کے لیے) اس چٹھی کی نقل بھی بعینہ درج کی جاتی ہے۔ وھو ھذا

حامدًا و مصليًا۔ سلام الله على من اتبع الهدٰى و اتبع سبيل الحق تبعا كاملا: ايها العالم المتدين انت خبير بان لا اختلاف بين الشيعة و السنية على ان فاطمة بنت النبى ﷺ سيدة نساءِ اهل الجنة التى قال النبى فى حقها من اغضبها فقد اغضبنى هل ادعت و طلبت حقوقها عند خليفة المسلمين وهى فدك و اموال الفى و خمس ما بقى خيبر ام لا؟ وان ادعت فهل اعطاها ام لا؟ وان لم يعط فهل رضيت ام غضبت و فى الصورتين هل كان دعوى فاطمة الزهرا مطابق للقرآن ام لا؟ وهل كان انكار ابى بكر مطابق للقرآن ام لا؟ وبعد ذالك يفصل و يشرح اى الفريقين من الفريقين يومن على قاعدة القرآن و ملة الباهرة و دين الحق ثم ايها المبدئ بالدعوة بتحقيق الحق ان كنت رضيت على تحقيق هذا المسئلة فاكتب بقلمك على ان الموضوع للمناظرة

ودعویٰ فاطمۃ الزھراء والجواب عن الخلیفۃ صحیح ومسلم فانی حاضرا تکلم وانا ظر بعد الحکم العالم بین یدیك علی سبیل بتطیل الباطل وتحقیق الحق وادلل من الکتاب والسنۃ ان شاء اللہ فی ای تاریخ ومکان شئت ثم اعلم انی بفضل رب الانام اعلم العربیۃ والفارسیۃ علی قدر علمك بل اعلم منك۔

حررہ غلام حسین میالوی بقلمہ

اغلاطِ فاشہ۔

① بجائے بسم اللہ کے صرف ہندسوں پر اکتفاء کرنا باوجودیکہ اس کے بعد حمد وصلوٰۃ کی تصریح ہے۔میالوی کے اختلالِ حواس کی دلیل ہے۔

② مصلیاً کے بعد مسلماً کا چھوڑ دینا فرمان ایزدی صلوا علیہ وسلموا تسلیماً کی خلاف ورزی ہے۔

③ المتدین اس میں مکتوب الیہ کی دینداری وراستگاری کا اعتراف ہے کیونکہ متدین کا معنیٰ راستگاہ اور دیندار ہے۔(منتہی الادب)

ع۔ والفضل ما شھدت بہ الاعداء

④ اِنَّ کی خبر کہیں ذکر نہیں کی۔

⑤ علی ان فاطمۃ الخ اس کی خبر نہیں بن سکتی کیونکہ خبر کا اسم یا فعل ہونا ضروری ہے اور یہ جار مجرور ہے۔

⑥ لفظ ''علیٰ'' غلط ہے، کیونکہ اختلاف کا صلہ علیٰ نہیں آیا کرتا۔

⑦ خلیفۃ المسلمین۔ کیا میالوی فی الواقع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کرتا ہے؟ یہ بھی بدحواسی کی دلیل ہے۔

⑧ مابقی خیبر۔ یہ غلط ہے ''من اموال خیبر'' ہونا چاہیے۔

⑨ لم یعط کا مفعول ذکر نہیں کیا۔

⑩ ''مطابق'' کو مرفوع لکھنا بالکل غلط ہے کیونکہ کان کی خبر منصوب ہوا کرتی ہے۔

⑪ ''للقرآن'' یہاں لام غلط ہے۔ کیونکہ ''مطابق'' کا صلہ باء ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ''طابق النعل باالنعل''

⑫ "یومن علیٰ" غلط ہے۔ کیونکہ ایمان کا صلہ علیٰ نہیں آتا بلکہ آتا ہے۔ (یؤمنون بالغیب)

⑬ "قاعدۃللقرآن" یہ ترکیب بالکل غلط اور بے محاورہ ہے۔

⑭ "مسلۃالباھرۃ" غلط ہے اور "مسلۃ" پر الف لام ضروری ہے۔ کیونکہ صفت و موصوف میں تعریف و تنکیر میں مطابقت شرط ہے۔ شاید میالوی یونیورسٹی کی گرائمر اس کی مؤید ہو۔

⑮ "بتحقیق الحق" میں باء غلط ہے۔ لام چاہیے

⑯ "رضیت علی" غلط ہے کیونکہ رضیت کا صلہ علی نہیں آتا۔

⑰ علیٰ یہاں زائد ہے اور غلط ہے۔

⑱ "دعویٰ" کو ان کی خبر بنانا غلط ہے بلکہ اس سے آگے صحیح و مسلم تک تمام عبارت قواعد عربیہ کے لحاظ سے غلط ہے۔

⑲ "بین یدیك" بے معنی ہے۔ بك چاہیے۔

⑳ "ادلل" یہاں غلط استعمال کیا ہے۔ کیونکہ محرر کا مقصود دلیل پکڑنا ہے جس کے لیے لفظ "استدل" ہونا چاہیے۔

㉑ "فی" کا لفظ یہاں غلط ہے، باء چاہیے۔

㉒ "مکان" کا لفظ یہاں غلط استعمال کیا ہے اس کی بجائے لفظ "مقام" ہونا چاہیے۔

㉓ "علیٰ" یہاں غلط ہے کیونکہ علم کا صلہ علیٰ نہیں آیا کرتا۔

اس چٹھی میں بھی موٹی موٹی اغلاط کی تعداد دو درجن تک پہنچ گئی ہے۔ اور اس پر دعویٰ یہ کہ "انا اعلم منك" اگر علم کا معنی آپ کی لغت میں جہل ہے تو یقیناً آپ سے بڑا عالم کوئی نہیں، اس چٹھی میں بھی قرآن کریم کی بحث سے اعراض کیا گیا ہے اور وہی رٹ لگائی گئی ہے کہ مناظرہ فدک پر ہوگا۔ اور منصف کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جس سے صرف جان بچانا مطلوب ہے۔ احقر نے جواب الجواب میں حسب ذیل مکتوب روانہ کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

حامدًا و مصلیًا و مسلماً۔

ایھا المولوی الشیعی انک کتبت الینا مملوا من اغلاط کثیرۃ و مع ھذا انت تدعی انک تعلم العربیۃ و لکن الحق انک لا تدری العربی کتبت ایضاً ان قضیۃ فدک ھی مسئلۃ اصلیۃ و نزاع حقیقی بین الشیعۃ و اھل السنۃ و الجماعۃ لکن

لا نه لان بحث فدک ليس مدار الايمان بل مدار الايمان هو القران الذی يحق الحق ويبطل الباطل وهذا الکتاب لا ريب فيه هدی للمتقين فظهر ان القرآن الفرقان هو مدار الايمان فی ينکر القرأن ينکر الاسلام بل هو کافر ومن لا ينکر و يسلم الفرقان هو من اهل الحق وهو المسلم والمومن الکامل عند الحق فلهذا انکار القرآن وتسليمه يکون فارق بين اهل الحق وبين اهل الباطل انا ندعی ان الشيعة ينکرون القرآن ويزعمون ان الصحابة بدلوا الآيات الکثيرة وحرفوا فيه وهذا ثابت فی کتب الشيعة وان کنت تدعی ان تومن بالقرأن بحسب روايات الشيعة فاثبت دعواک هذا اولاً وان لا تستطيع ثبوت هذا لدعوی فاترک مذهبک والحق باهل الاسلام ای اهل السنة والجماعة واعلم انی عالم واکنک لست بصادق فی دعواک بعلم العربية لان فی مکتوبک اغلاطاً کثيرة لا تعدو لا تحصٰی۔

نمقۂ عبد خالق الکونین مظہر الحسین ایدہُ اللہ فی الدارین

مندرجہ بالا مکتوب میں شیعہ مولوی کو یہ لکھا گیا ہے کہ کفر وایمان کا مدار قرآن حکیم پر ہے کیونکہ یہی کتاب ہدایت ہے جو شخص اس کو تسلیم نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہی شخص مومن و مسلم کامل ہو سکتا ہے جو اس فرقان حمید پر کامل ایمان رکھتا ہو اس لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ کو اپنا ایمان بالقرآن ثابت کرنا چاہیے کیونکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ شیعوں کا اس قرآن موجودہ پر ایمان ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر آپ کو قرآن پر ایمان کا دعویٰ ہے تو اس کے اثبات میں دلائل پیش کیجیے اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو اپنے شیعہ مذہب کو ترک کر کے مذہب حق یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کے زمرہ میں داخل ہو جانا چاہیے اور یہ جو آپ نے عالم ہونے کا دعویٰ کیا ہے، بالکل غلط ہے۔ کیونکہ آپ کے مکتوب میں لاتعداد غلطیاں موجود ہیں۔اس مکتوب کے بعد شیعی مولوی نے جوابی مکتوب لکھنے کی جرأت نہ کی۔ یہاں تک کہ جب بہت زیادہ دیر گزر گئی تو ہم نے اپنے قاصد کو اس کے پاس زبانی آخری پیغام دے کر بھیجا کہ اچھا اگر تم قرآن کی بحث نہیں کرنا چاہتے تو ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور جب آپ کا اصرار ہے (تو) بحث فدک ہی کریں گے لیکن اس شرط پر کہ آپ پہلے ہمیں یہ تحریر دے دیں کہ ”میں اس قرآن مجید بین الدفتین کو کامل و مکمل اور

غیر محرف سمجھتا ہوں میرا اس قرآن پر ایمان ہے اور جو شخص اس میں تحریف وتبدیل کا قائل ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے'' جب ہمارے قاصد نے یہ پیغام پہنچایا تو میالوی کو سنبھلنے کی طاقت نہ رہی اور ایسے الفاظ لکھنے سے بالکل انکار کر دیا۔ ہر چند قاصد نے مجبور کیا کہ آپ یہ کیوں نہیں لکھ دیتے کہ میرا اس قرآن موجود پر ایمان ہے لیکن شیعی مولوی نے صاف کہہ دیا کہ میں یہ الفاظ لکھ کر نہیں دے سکتا۔ اس سے اپنوں اور بیگانوں سب پر منکشف ہو گیا کہ شیعہ مذہب کا حقیقتاً اس موجودہ قرآن مجید پر ایمان نہیں ہے بعد ازاں سنی قاصد مایوس ہو کر واپس آ گیا۔ ہمیں تو پہلے ہی میالوی کے خطوط سے یقین ہو گیا تھا کہ بے چارہ میدان مناظرہ میں نکلنے سے معذور ہے لیکن عامۃ المسلمین کی تسلی کے لیے ہم نے اس کے ساتھ سلسلۂ نام و پیام کو جاری رکھا۔ آخر کار جب کوئی راہ نجات نہ پا کر میالوی نے قرآن سے صاف انکار کر دیا تو تمام مسلمانوں کو شیعہ کے عدم ایمان بالقرآن کا حق الیقین ہو گیا اور یہی ہمارا مقصد اصلی تھا جو بفضلہٖ تعالیٰ پورا ہو گیا۔ بعد ازاں بعد نماز ظہر مسلمانانِ اہل السنۃ کا جلسہ ہوا جس میں عقائد شیعہ کی مکمل تردید کی گئی اور بالخصوص مسئلہ فدک کو خوب کھول کر بیان کیا گیا اور اہل باطل کے الزاماتِ فاسدہ اور مزعوماتِ باطلہ کی قلعی کھل گئی اور جلسہ اہل حق کی فتح کے ساتھ ختم ہوا۔ چونکہ ملا میالوی نے قرآن کا صاف انکار کر دیا تھا اور میدانِ مناظرہ میں نکلنے کی تاب نہ لا سکا اس لیے ہم صبح کو اپنے موضع بھیں میں واپس چلے گئے۔ ہماری عدم موجودگی میں میالوی باسی کڑھی کو اُبال آیا اور اپنی مجلس میں یہ لاف زنی کی کہ شیر پنجاب کو میرے مقابلہ میں مناظرہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ واہ چہ خوش؟ کیا میالوی کے جاہلانہ خطوط کو دیکھ کر بھی کوئی شخص یقین کر سکتا ہے کہ میالوی بے چارہ مناظرے کی تاب لا سکتا ہے؟ خدا کی قسم ایسے لاعلم آدمی کے ساتھ تو شیر پنجاب کی گفتگو بھی باعث توہین علمی ہے۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ! جہاں مرزا احمد علی امرتسری جیسے شیعی مناظر اپنے ہتھیار پھینک چکے ہوں وہاں غلام حسین میالوی کی کیا حیثیت ہے؟ جس کو تذکیر و تانیث کی بھی خبر نہیں یہی وجہ ہے کہ احقر نے خود اس کو دعوتِ مناظرہ دی اور سلسلہ مکاتبت شروع کیا لیکن یہاں بھی اس کی عجز و درماندگی ظاہر ہو گی، دوسرے دن ملا میالوی چک عمراء سے موضع ڈھوڈیال میں چلا گیا اور اپنی فتح کی لن ترانیاں ہانکیں اور یہاں تک کہہ دیا کہ میں تو موضع بھیں میں شیر پنجاب کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے جاؤں گا یہ سن کر احقر نے خیال کیا کہ اب میالوی کے دعاوئ باطلہ کا پورا انسداد کرنا چاہیے۔ اس لیے مندرجہ ذیل مکتوب احقر نے اس کی طرف روانہ کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الملک الغفار و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ سید الابرار و علٰی اٰلہ الاطہار و اصحابہ الاخیار و من جہلت نفسہ قدرہ۔ رائ غیرہ منہ مالا یری۔

ایہا الذاکر الشیعی المیالوی علیک ما انت اہلہ ۔ وبعد فانا علمنا من رقیماتک انک رجل قلیل العلم و الفہم کثیر الجہل و الوہم و انت جاہل لا بالعلوم العربیۃ و الدینیۃ لیس فیہ شک و لا الارتیاب فیظہر لک حین یکشف العطاء عن بصرک یوم الجزاء و الحساب فاعلم ایہا المتعالی ان الحق احق ان یتع و الباطل احق ان یترک و الجہل المرکب اہلہ فی نار الہواء و الفساد لا یخرج منہا ابد الآباد۔ فایہا الجائر عن طریق الحق و الصواب و المائل انی صراط الجحیم و العذاب انی کتبت الیک اولا مکتوبا فاصلا بین الرشد و الغوی و دعوتک الی المناظرۃ احقاق للحق و اظہار للصواب و کتبت الیک ان موضوع المناظرۃ ہو ما فیہ النزاع بین اہل السنۃ و الشیعۃ ان القران الذی موجود فی ایدینا ہل ہو کامل و مکمل ام بدلہ و حرفہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بحیث اخرجت منہ آیات و سور و صافیہ التحریف اللفظی و المعنوی و ہل ہو لنا و لکم حجۃ۔ انتہی۔ و لکنک فررت من ہذ الموضوع الذی ہو اصل النزاع و کتبت ان اول الشرط ان نحکم امحکم العالم من غیر اہل الاسلام و ہٰذا کان اول فرارک من البحث لانک تعلم ان لا تحکیم یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا و ایضاً قال فان تنازعتم فی شیی فردوہُ الی اللہ و الرسول فواعجبا علٰی فرارک فدک الذی ہو لیس النزاع الحقیقی بنینا وبینکم و ما کان وجہ فرارک من بحث القراٰن و اخترت الا علمک بما فی کتب الشیعہ و لکن ما ذادتک دعوتی الا جحدًا و انکارًا و ما اظہرت عجزا و فرارًا۔ فعلمت انک من المنکرین الذین بآیات اللہ و احکامہ یجحدون ثم لما ینقنت انک ترید ان تخرج من مخالب اسود للطائف الحیل کحیلۃ ثعلب مکروب اردت ان اسد کل الباب لیضیق علیک سبیل الفرار و لا یبقی لک

مخرج و مفر و تکون من الحائرین الخاسرین القراٰن المنزل علٰی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ و سلم کامل و مکمل و منزہٌ من التحریف اللفظی و المعنوی حیث قال اللہ تعالٰی انا نحن نزلنا الذکر و انَّا لہ لحافظون و من انکر ھذا فھو کافر خارج عن الاسلام لکفک انکرت ان تکتب ھذا و قلت کلاما اکتب ھذا ابدًا۔ فیا اسفا علی اعراضک عن کلام اللہ المجید و عدم ایمانک بفرقانہ الحمید اما قرأت قولہ سبحانہٗ و من اعرض عن ذکری فان لہ معیشتا ضنکا و نحشرہ یوم القیامۃ اعمٰی۔ ارأیت ان کنت من اھل الایمان فلم اعرضت عن کلام اللہ تعالٰی و صرت من المنکرین الھالکین ابعد ذالک تدعی انک من المومنین المسلمین فاذا رأیت انک لم تومن بالقراٰن و انت الذی لا علم لہٗ عملت علٰی قول اللہ عزوجل و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً فترکتک و کنت کمثل الذی استوقد نارا فلما رضاءت ماحولہ ذھب اللہ بنورھم و ترکھم فی ظلمت لا یبصرون لکنا سمعنا اذا رجعنا الی بیتنا ان حرت کان لک اربعۃ اعین و قلت ھرب اسد الفنجاب و ماناظر بی و ساتعبہ فی بلدتہ بھیں فاعلم ایھا المعرض عن الحق این الثعلب من الاسد و این الظلمۃ من النور و این الجھل من العلم و این الضلالۃ من الھدایۃ؟ و انک ان ترید البحث بی فاقسمک باندی تومن بہ ان تصدق قولک و لا تکون من الذین یقولون ما لا یفعلون تعال الینا عاجلا غیر أجل فی ھذا الیوم او الغد و اعلم انک لا تجیٔ فان مجیئتک بین ایدینا مرادفک لموتک۔ فلیکن جوابک فی العربیۃ الفصیحۃ۔

انا خادم الاسلام مظہر الحسین عفا اللہ عنہ

۲۴/ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ

یہ خط مفصل لکھا گیا ہے لیکن بوجہ خوفِ طوالت اس کا مکمل مفہوم نہیں لکھا جاتا۔ اس میں میاں لوی کو آخر میں پُرزور دعوت دی گئی ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں صادق ہو تو تم کو قسم ہے اس چیز کی جس پر تمہارا ایمان ہے کہ تم ضرور میدان مناظرہ میں نکلو ہم تجھ سے بغیر کسی تحریر لینے کے فدک پر ہی مناظرہ کریں گے لہٰذا آج یا کل صبح ضرور آجاؤ لیکن یہ یاد رکھو کہ تم ہرگز نہیں آؤ گے کیونکہ ہمارے مقابلہ میں آنا تمہارے لیے

موت کے مترادف ہے۔اس کے جواب میں میالوی صاحب نے ایک عجیب وغریب عربی مکتوب روانہ کیا لیکن ناظرین پر چونکہ میالوی کے پہلے دوخطوں سے اس کی علمی قابلیت کا مکمل انکشاف ہو چکا ہے۔ اس لیے بخوف طوالت اس کو یہاں نقل نہیں کیا جاتا۔اس میں بھی درجنوں غلطیاں ہیں۔اوراس میں یہ پُر از اسرار جملہ لکھا ہے کہ "والانکارعن اعطاھاخلیفۃ المسلمین"اس عبارت کی ترکیب تو کسی شیعہ مجتہد ہی سے پوچھئے (کیونکہ) یہ ایک ایسا معمہ ہے جو نا قابل حل ہے بقیہ مکتوب کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ یہیں سے کرلیجیے:

قیاس کن زگلستان من بہار مرآ

اس مکتوب کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بسم اللہ اور حمد وصلوٰۃ کے بعد مکتوب الیہ کو بے نقط گالیاں سنائی ہیں جو کاتب کی مذہبی خصوصیات سے ہے۔

دشنام بمذھبے کہ طاعت باشد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

آخر میں یہ لکھا ہے کہ اگر تم مناظرہ کے لیے مجھے لکھوتو میں تمہارے گھر آ کر مناظرہ کروں گا۔ حالانکہ احقر نے اپنے مکتوب میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ آج یا کل ضرور میدان میں نکلو اور جن موضوعات پر چاہو مناظرہ کرلو شاید میالوی جی کو عربی عبارت سمجھ میں نہیں آسکی۔یا تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔اس کے بعد احقر نے بجائے عربی کے سلیس اردو میں مکتوب بھیجا، اس غرض سے کہ سمجھنا آسان ہو جائے اوراس میں مکرر لکھا کہ میں مناظرہ کے لیے بالکل تیار ہوں اور آپ کل صبح کو آ کر موضوع فدک پر ہی بحث کرلیں لیکن یہ یاد رہے کہ سب سے پہلے آپ کو اپنے خطوط کو قواعد صرف ونحو ومعانی کی رُو سے ثابت کرنا ہوگا۔اس رقعہ کے جواب میں میالوی نے میدان مناظرہ میں آنے اور مناظرہ کرنے سے صاف انکار کردیا۔ جاء الحق وذھق الباطل ان الباطل کان ذھوقاً۔ رودادِ مناظرہ بالکل صحیح واقعات پر مبنی ہے جو نا قابلِ رد ہے اور ہمارے پاس ملا میالوی کے اصل خطوط محفوظ ہیں۔جو من وعن نقل کردیئے گئے ہیں۔اصحاب علم وفراست پر واضح ہوگیا ہوگا کہ غلام حسین میالوی غیر معمولی جہالت کا مالک ہے اور حقیقت ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ مناظرہ کرنا ہتک علم ہے اوراس کاروائی کے شائع کرنے سے اپنی علمیت کا اظہار مقصود نہیں ہے، بلکہ بے خبر اور ناواقف مسلمانوں کو ذاکرین شیعہ کے ہتھکنڈوں سے بچانا مطلوب ہے۔کیونکہ میالوی کی طرح کئی ایک جاہل مرثیہ خوانوں نے دام تزویر پھیلا رکھا ہے۔ جو وعظ وبیان کے پردہ میں ٹکر گدائی کرتے پھرتے ہیں۔بلکہ شیعوں کے بڑے بڑے مشہور مناظر بھی علم

وفہم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ مرزا احمد علی صاحب امرتسری جو عند الشیعہ ''سلطان المناظرین'' ہیں ان کی علمیت کی یہ حالت ہے کہ امسال بہاولپور کے شیعہ، سنی مقدمہ میں شہادت کے سلسلہ میں لفظ'' یُصْنَعُ'(بالصاد المهملة) کو پہلے یَصْنَعُ(بالصاد المعجمہ)اور پھر 'یُصْنَعُ' (مجہول بالصاد المعجمہ) پڑھا تھا جب سلطان الناظرین کی یہ حالت ہے تو پھر بے چارے یہ میالوی کس گنتی میں ہیں؟ آخر میں احقر کا اپنے مدمقابل مولوی غلام حسین میالوی کو یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ فی الواقع علم عربی سے نابلد ہیں۔اگر آپ کے دماغ میں مناظر بننے کا سودا ہے تو پھر آپ کو سب سے پہلے کسی صرف ونحو کے ابتدائی مکتب میں داخل ہو کر ضَرَبَ یَضْرِبُ کی گردان رٹنا چاہیے۔اور کم از کم.....[1] اور اگر اپنے زعم باطل میں آپ علوم عربیہ کے ماہر ہی ہیں تو پھر سرزمین ہند آپ جیسے یگانہ فاضل کے لیے موزوں نہیں، بلکہ عراق یونیورسٹی میں آپ کو شیخ الادب کا عہدہ حاصل کرنا چاہیے۔تا کہ آپ کے مایہ ناز قواعد صرف ونحو سے مجتہدین عصر پیدا ہوں۔

میرے سادہ لوح مسلمان بھائیو! آپ نے دیکھ لیا کہ شیعی مولوی نے کس طرح قرآن حکیم کا انکار کیا ہے؟ نہیں بلکہ شیعہ مذہب کی بنیاد ہی انکارِ قرآن پر ہے اور کوئی بڑے سے بڑا مجتہد بھی اپنی یہ تحریر نہیں دے سکتا کہ میرا اس قرآنِ موجودہ پر ایمان ہے اور میں اس کو کامل ومکمل وغیر محرف سمجھتا ہوں اور اس کا منکر کافر ہے۔شیعہ مذہب عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے،ان کے تمام تر عقائد اصول وفروع دین فطرت کے خلاف ہیں۔شیعوں کے ساتھ مسلمانانِ اہل السنۃ والجماعۃ کو کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہیے۔ ان کی صحبت کا اثر ہلاکت خیز ہے جن لوگوں کا شیوۂ مذہبی اور طریق عمل ہی پیشوایانِ دین اصحاب رسول ﷺ کو سب وشتم اور لعن وطعن کرنا ہو،ان کا مسلمانوں سے کیا واسطہ؟ **لاتقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔**

نوٹ: موضع چک عمراء کے جلسوں میں جن مسائل پر اہل حق کی کفر شکن تقاریر ہوئیں ان کا خلاصہ بغرضِ افادۂ مسلمین درج ذیل ہے[2]۔

---

[1] متعدد مرتبہ غور کرنے کے باوجود بھی ہمیں اصل مُسوّدہ سے یہاں مندرج الفاظ سمجھ نہ آسکے،اس لیے اسے جوں کا توں خالی رکھا گیا ہے۔سلفی

[2] افسوس کہ اس قدیمی ریکارڈ میں سے ہمیں جتنے صفحات میسر آئے ہیں،ان میں وہ صفحہ فی الوقت دستیاب نہ ہوسکا جس پر تقاریر کا خلاصہ درج ہے،اس لیے ان علماء کرام کی نشاندہی نہ ہوسکی جن کی تقریریں ہوئیں،تاہم مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تو یقیناً تھے،اور یہی ہمارا موضوع سخن ہے۔سلفی

ایک پنجابی نظم (بسلسلہ فتح مباحثہ چک عمراء)

اس موقع پر ایک پنجابی نظم کہی گئی تھی، جسے قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس روداد کے آخر میں درج فرمایا تھا، قارئین کی پنجابی طبع کی تسکین کے لیے یہ نظم بھی پیش کی جا رہی ہے، اس سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کس کے تخیل کا شاہکار ہے؟۔ اگرچہ دونوں باپ بیٹا عربی و فارسی، اور اردو و پنجابی میں فی البدیہہ اشعار کہتے تھے:

چک عمراء دے شیعاں سد بلایا میاں میانآلی
لیکن اوہ بیچارہ ہیسی علموں، عقلوں خالی
شیر بھیاں دے وچ گج کے آئے دتی آن وکھالی
نکل گیا پیشاب تنبی وچ ہوش سرت نہ گئی سنبھالی
کیندا شیعاں دھوکا کرکے مینوں آ پھسایا
دسی کجھ حقیقت ناہیں ایویں سد بلایا
گرج شیراں دی سن کے عاجز ڈریا تے گھبرایا
نسن دی کوئی جگہ نہ ملدی ہوش حواس گنوایا
کیندا توبہ تائب میری ہرگز بحث نہ کرساں
جے شیراں دے منہ وچ جاواں بن آئی میں مرساں
ہار گئے اتھے چنگ چنگیرے میں ہاں کون بے چارہ
نذر امان دی میں دیساں جے ہووے چھٹکارا
جے اک واری بچ کے ایتھوں خیری گھر ول جاواں
مڑ کے اس علاقے اندر ہرگز قدم نہ پاواں
شیعہ کہندے تُسی میاں جی اتنے نہ گھبراؤ
ہرگز بحث نہ ہونڑ دیواں گے ایویں شور نہ پاؤ
سنیاں کہیا اول مبحث ہووے گی قرآنی
ایہو بات مسلماناں دے اندر ہے ایمانی
شیعہ کہندے قرآن دے ول ہرگز اساں نہ جانڑاں
باغ فدک دا جھگڑا کر کے غوغہ شور مچانڑاں

کوئی وھابی منصف ہوسی نہ کوئی مرزائی
ثالث عربی دان ہووے گا آریہ، سکھ، عیسائی
سنی کہندے شرم کرو کچھ ایڈا قہر نہ پاؤ
موموناں اُتے کفاراں نوں نہ حکم بناؤ
لیکن بحث ٹلاوَن کارن جے ایہہ شرط مناؤ
ایہہ بھی ہے منظور اسانوں ثالث ڈھونڈ لیاؤ
بحث فدک دی ضد تاڈی ہے منظور اسانوں
رفع کراں گے ان شاء اللہ جو کچھ شبہہ تانوں
اتنا ہی کجھ لکھ دیوے ملا قرآن ایہہ ہے سچا
جو کوئی اس نوں مندانا ہیں او ہے کافر پکا
شیعہ ملا آکھے ہرگز میں ایہہ من دانا ہیں
ایہہ لکھاں تاں رد کراں میں اپنے مذہب تائیں
جھگڑا ختم ہو یا بس ایتھے کیندی کل لوکائی
شیعہ قرآن مندانا ہیں اس وچ شک نہ کائی
کردے رہے ہمیش تقیہ کھل گیا ہُن پردہ
باہجھ میالی دے ایہہ ظاہر بھید نہ کوئی کردا
حق دا جھنڈا بالا ہویا باطل منہ چھپایا
گدڑ میالی نوں شیراں نے پل وچ مار بھگایا
سنی کرن بلند آوازے پڑھ پڑھ کے تکبیراں
شیعہ آکھدے پھرن نمانے بھل گیئیاں تدبیراں
حق نوں فتح ہمیشہ مل دی باطل اوڑک ہارے
وچ قران ایہہ وعدہ سچا لکھیا رب جبارے[1]

یہاں تک تو مکمل روداد قائد اہل سنت کی اپنے ہاتھ سے مرقومہ ہے۔ جو من وعن درج کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک ہم عصر اور شریک مباحثہ کا وہ مختصر مضمون بھی پیش خدمت ہے جو انہوں نے قلمبند کر کے اس وقت کے معروف رسالوں کو ارسال کیا تھا اور وہ ماہ نامہ ضیاء الاسلام امرتسر، شمس الاسلام بھیرہ

[1] مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ / رودادِ مباحثہ چک عمراء چکوال ۱۹۴۰ء / مخزونہ حضرت قائد اہل سنت

اور النجم لکھنؤ میں شائع ہوا۔ یوں ۲۶ سالہ قائد اہل سنت کی علمیت کی دھوم برصغیر کے نامی گرامی رسالوں اور بیانوں میں تواتر کے ساتھ ہونے لگی۔ یہ مضمون ''عبدالخالق'' (ایف اے) کے نام سے شائع ہوا تھا، ملاحظہ کیجیے:

''موضع چک عمراء تحصیل وضلع چکوال میں ایک شیعی ملا کا مناظرہ سے فرار اور قرآن کریم کا صاف انکار، چک عمراء تحصیل چکوال ضلع جہلم میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جہاں کی تمام آبادی مسلمانانِ اہل السنۃ والجماعۃ کی ہے تھوڑے عرصہ سے چند آدمی سبی[1] شیعہ ہو گئے ہیں جن میں دو اس دفعہ لکھنؤ گالی ایجی ٹیشن میں شامل ہوئے۔ شیعوں نے ایک مجلس ۲۰ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ کو قائم کی اور اپنے ایک مولوی غلام حسین میانویؔ کو مدعو کیا اور مسلمانانِ اہل سنت کو مناظرہ کا چیلنج دیا جس کو مسلمانانِ اہل السنۃ نے منظور کر لیا شیر اسلام حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب رئیس بھیں ضلع جہلم اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب فاضل دیوبند کو بلایا۔ جب ملا میانویؔ کو معلوم ہوا کہ اس کو دو شیروں سے مقابلہ کرنا ہے تو سخت گھبرایا اور شیعوں سے کہنے لگا کہ تم لوگوں نے مجھے دھوکا دیا ہے کہ مناظرہ کرنا ہے میں کوئی کتاب ساتھ نہیں لایا میرا بیٹا سخت بیمار ہے مجھے واپس گھر جانے دو مجھے مناظرہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ شیعوں نے کہا کہ اطمینان رکھو ہم مناظرے کی نوبت ہی نہ آنے دیں گے تم اندر بیٹھے رہو ہم جا کر سنیوں سے بات چیت کرتے ہیں، ایسی شرائط پیش کریں گے جو قابل تسلیم نہ ہوں گی اور مناظرہ ہونے ہی نہ پائے گا۔ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے ایک عربی مکتوب کے ذریعہ شیعہ مولوی کو دعوتِ مناظرہ دی اور لکھا کہ موضوعِ مناظرہ ''ایمان بالقرآن'' ہوگا۔ شیعوں کو اپنی کتابوں کی رُو سے ثابت کرنا ہوگا کہ ان کا ایمان قرآنِ موجود پر ہے اور دوسری بحث اس میں ہوگی کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیاں چار تھیں یا صرف ایک؟''

تحریر مکتوب کے وقت شیعوں کا ایک نمائندہ (سزا یافتہ لکھنؤ) آ گیا اور کہا کہ ہم مناظرہ تب کریں گے جب کہ ایک ثالث غیر مسلم عربی دان آریہ یا سکھ یا عیسائی ہوگا۔ ہر چند یہ شرط قابل تسلیم نہ تھی کیونکہ ایک اسلامی مذہبی مسئلے کا منصف کسی کافر کو کرنا فرمانِ ایزدی کے خلاف ہے، دوم ایسا غیر مسلم عربی دان اس علاقہ میں کوئی مل ہی نہیں سکتا، تاہم یہ ناجائز شرط بھی تسلیم کر لی گئی تا کہ شیعہ کو راہ فرار باقی نہ رہے۔

---

[1] یعنی تبرے باز شیعہ۔

جب یہ مکتوب شیعہ مولوی کو پہنچا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے اور اس کا جواب صرف زبانی دینا چاہا لیکن ہوشیار سنی قاصد نے مجبور کیا کہ جواب تحریری اور عربی میں ہونا چاہیے۔ شیعی مولوی عربیت سے بے بہرہ تھا تاہم اس نے کچھ اناپ شناپ لکھ ہی دیا جو اغلاط سے پُر تھا کہ ہم ثالث کسی غیر مسلم ہی کو بنائیں گے۔ اور بحث و موضوع صرف غصب فدک ہوگا اور بس! اس رقعہ کے آنے پر شیعوں سے تقریرِ تاریخ کا مطالبہ کیا گیا لیکن انہوں نے لیت ولعل سے کام لیا اور اپنے مولوی کے پاس مشاورت کے لیے گئے تو اس نے ایک دوسرا رقعہ عربی میں ہی لکھ بھیجا جو پہلے سے بھی زیادہ اغلاط کا مرقع تھا اس میں بھی یہی لکھا تھا موضوع مناظرہ ایمان بالقرآن نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف غصب فدک ہی مابہ النزاع رکھا جائے گا۔ اس کے جواب میں اہل سنت کی طرف سے پھر ایک عربی فصیح مکتوب بھیجا گیا کہ مدارِ ایمان قرآن کریم ہے نہ کہ فدک! جو منکر ہے اس کا ایمان ہی نہیں۔ تو پھر بحث فدک فضول! اولین شیعوں کو اپنا ایمان بالقرآن ثابت کرنا چاہیے اس کا کوئی جواب شیعہ مولوی نے نہ دیا۔ آخر بہت کچھ انتظار کے بعد اہل سنت کی طرف سے ایک معزز قاصد کو بھیج کر زبانی پیغام دیا گیا کہ ہم موضوعِ مناظرہ فدک ہی طے کر لیتے ہیں لیکن میا لوی اپنے قلم سے یہ لکھ کر دے دے کہ میں اس قرآن موجود بین الدفتین کو کامل ومکمل وغیر محرف سمجھتا ہوں اور اس پر میرا ایمان ہے جو شخص اس کا منکر ہو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ شیعی مولوی کو ایسا لکھ دینا موت کے مترادف تھا۔ سخت گھبرایا اور زبانی ٹال مٹول کرتا رہا لیکن سنی قابل قاصد نے مجبور کیا کہ اگر تمہارا اس قرآن پر ایمان ہے تو پھر ضرور لکھنا پڑے گا۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں ہرگز نہیں لکھوں گا۔ جس سے اپنے اور بیگانوں پر آشکار ہو گیا کہ شیعوں کا اس قرآنِ موجود پر ہرگز ایمان نہیں ہے۔ شیعہ کے اس انکار پر سلسلۂ بحث ختم کرنا پڑا اور مسلمانوں میں غلغلۂ فتح فضلائے اہل سنت بلند ہوا اگرچہ شیعوں نے اپنے مولوی کو میدان مناظرہ میں نکلنے نہ دیا، لیکن اس کی تحریرات ہمارے قبضہ میں آ گئی ہیں جو صرف اس کی جہالت کا مکمل آئینہ ہے۔ ہر دو فریق کی تحریرات اور مناظرہ کی مفصل روداد ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہو جائیں گی۔ یہاں قابل ذکر امر یہ ہے کہ فضلائے بھیںؔ کے تین جلسے ہوئے ہیں جن میں شیعوں کی مستند کتابوں سے ان کے وہ مسائل بیان کیے گئے جن سے شیعہ مذہب کی قلعی کھلی ہے۔ ان جلسوں سے شیعہ مذہب کی اصلیت کا لوگوں پر انکشاف ہو گیا۔ اور آئندہ یہاں ان کا پورا انسداد ہو گیا۔ جب مناظرہ کی شیعہ مولوی تاب نہ لا سکا اور قرآن مجید سے بالکل انکار کر دیا تو فضلائے بھیں اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ تو مولوی میالوی کے حواس درست ہوئے اور ڈینگ لگانی شروع کی کہ میں سنی علماء

سے بحث کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں بلکہ اگر مجھے موضع بھیں میں بلایا جائے تو بھی مجھے کوئی دریغ نہیں ہوگا اس پر ان کو اتمام حجت کے لیے آخری رقعہ میں لکھ کر للکارا گیا کہ اگر کچھ غیرت ہے تو اپنی لاف کے مطابق موضع بھیں میں جلدی آ جاؤ اور میدانِ مناظرہ میں نکل کر جس موضوع پر چاہو، مناظرہ کر لو۔ لیکن پہلے اپنے عربی مکاتیب کو قواعد صرف ونحو و معانی سے صحیح ثابت کرنا ہوگا۔ اس پر شیعہ مولوی کی شیخی کرکری ہوگئی اور جوابی رقعہ میں موضع بھیںؔ میں آنے اور مناظرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ امید ہے کہ آئندہ کے لیے اس بزدل مولوی کو اس علاقہ میں داخلہ کی جرأت نہ ہوگی۔ الاسلام یعلو ولا یعلٰی۔

راقم محمد عبدالخالق ایف اے ساکن موضع چک عمراء تحصیل چکوال ضلع جہلم [1]۔

یاد رہے کہ جہاں تک قلمی وتحریری مضامین کا تعلق ہے تو اس میں دورانِ طالب علمی ہی قائد اہل سنت نے طبع آزمائی شروع کر دی تھی جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ سے آپ کے منظوم کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اسی طرح مذکورہ ماہ نامہ میں بابت مئی ۱۹۳۸ء میں آپ کا مضمون ''خاکساری فتنہ'' کے زیرِ عنوان شائع ہوا تھا، اس مضمون کی ایک جھلک یہاں پیش کی جاتی تو قارئین محظوظ ہوئے بنا نہ رہ سکتے، مگر ہم نے چونکہ کافی سفر طے کرنا ہے اور صاحب سوانح کی بھرپور عملی زندگی کے مزید کئی گوشوں کو آشکار کرنا ہے۔ فلہٰذا فی الوقت تو اُسے موقوف کرتے ہیں، حسب ضرورت وگنجائش اور حسب ممکنات آگے کہیں اس کے اقتباس دے دیئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ راقم الحروف نے اپنی مطبوعہ کتاب ''ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ، احوال و آثار'' کے صفحہ نمبر ۱۶۸ پر موضع بھیںؔ کے ایک تاریخی قضیہ (جس کی تفصیل مذکورہ کتاب میں بھی، اور اب اضافی معلومات کے ساتھ اسی کتاب میں آئندہ صفحات پہ آ رہی ہے) کے حوالہ سے منعقدہ مجلس مناظرہ کو قائد اہل سنت کا بعد از رسمی فراغت تعلیم پہلا مناظرہ قرار دیا تھا، مگر اب جب بندہ نے قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کے ذاتی ریکارڈ میں نادر و نایاب ذخیرۂ علمی کا جائزہ لیا تو راز کھلا کہ اس سے چند ماہ قبل شیعہ مولوی غلام حسین میانویؔ کے ساتھ متذکرہ مباحثہ پیش آ چکا تھا۔ جس کی مکمل روداد نظر نواز کی جا چکی ہے۔

[1] بحوالہ ذاتی ریکارڈ، مخزونہ قائد اہل سنتؒ، محررہ ۱۹۴۰ء، بہ استفادہ مصنف کتاب ہذا (نوٹ) مذکورہ تحریر ماہ نامہ ''ضیاء الاسلام امرتسر'' بابت اپریل ۱۹۴۰ء میں بھی چھپی تھی۔ تاہم ہمارے پاس اصل تحریر موجود ہے۔ سلفی

6
بابِ ششم

(جولائی ۱۹۴۰ء)

❀ سلسلۂ نزولِ حوادث

(قائد اہل سنت کا خاندان آزمائشوں کے گرداب میں)

❀ موضع بھیں میں ایک تاریخی قضیۂ نکاح کی داستان

(حاسدین اور معاندین کا آپسی گٹھ جوڑ)

❀ چک عمراء والے مناظرہ کی شکست کا انتقام

(الزامات واتہامات کی صورت میں)

❀ صبر واستقامت، خندہ پیشانی، خوش دلی اور استقلال کے انمٹ نقوش

؎ میرے سینے میں تراز و تھے مرے اپنوں کے تیر
میں عدوّ کے روبرو سینہ سپر آیا تو کیا آیا

”بھیں“ کا تاریخی قضیہ اور قائد اہل سنت کی عالم جوانی میں معاملہ فہمی کا ایک روشن نمونہ (جولائی ۱۹۴۰ء)

دارالعلوم دیوبند سے واپسی پر گردونواح بلکہ دور دراز علاقوں میں یہ خبر علمی حلقوں کے لیے روح افزاء ثابت ہورہی تھی کہ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے نورِ نظر دارالعلوم دیوبند سے سند یافتہ ہوکر واپس آ گئے ہیں اور علم وتقویٰ سے مزین ہیں نیز ابطال باطل اور احقاقِ حق کے جذبوں سے اپنے ضعیف العمر والد گرامی کی ہو بہو تصویر اور صحیح جانشین ہیں، چک عمراء کی داستانِ مناظرہ جو گزر چکی ہے، اس میں بھی اہل علاقہ آپ رحمہ اللہ کی خداداد صلاحیتوں کا بچشمِ خود مشاہدہ کر چکے تھے، اس صورتحال میں جہاں مخلصین مطمئن وشادکام تھے وہاں مخالفین اور حاسدین بھی موقع کی انتظار میں اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا رہے تھے کہ اس خاندان کی علمی حیثیت اور شخصی وقار کو کسی طرح مجروح کیا جائے اور برصغیر کے چپے چپے میں جو مولانا دبیر علیہ الرحمہ کے کام وکردار کا طُوطی بول رہا ہے، ان کی ساکھ کو متاثر کیا جائے چنانچہ اس بدنیتی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یار لوگوں نے وہی کچھ کیا جو روزِ اول سے قابیلی طبیعت کے لوگ کرتے چلے آرہے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے سورۃ الفلق کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دنیا بھر کے تمام شرور وفتن میں بنیادی کردار مرض حسد کا ہوتا ہے۔ تاریخ میں بڑے بڑے باکمال لوگوں کو حاسدین کی نشتر زنیوں کے وار سہنا پڑے۔ چشم فلک نے بارہا ایسے مناظر بھی دیکھے کہ سامنے آنے پر کچھ لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے جوتے تک اٹھا لیتے تھے اور تعظیم وتادیب میں نگاہیں جھکائے اپنے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے دم بخود رہتے تھے۔ جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ گفتگو فرماتے تو ان لوگوں کی بغلوں سے پسینے چھوٹ پڑتے تھے اور امام عالی مقام کے مقام تفقہ کے آگے ان کے پَر جل جاتے اور پنجے تپ جاتے مگر اچانک جب امام صاحب واپس ہوتے تو آپس میں دل آزار تبصرے شروع کر دیتے اور یہاں تک کہا جاتا کہ انہیں تو علم کی ہوا تک نہیں لگی، اور شاگردوں کی وساطت سے جب آپ کو اس قسم کی رپورٹیں ملتیں تو اکثر اوقات تو تبسم زیرلب ہو جاتے مگر بعض دفعہ گھرے صدمات میں کچھ ایسا اترتے کہ عشروں تک محوالم رہتے۔ برصغیر پاک وہند کی تاریخ پہ اُچھلتی اور طائرانہ سی

نگاہ دوڑائیے، خاندان شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے چمکتے ستاروں کو حاسدین نے ماند کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے جب اکبر و جہانگیر کے ادوارِ حکومت میں اصلاحانہ تحریک چلائی تو حاسدین بادشاہوں کی کاسہ لیسی کرنے میں پیش پیش رہے، اور حضرت مجدد رحمہ اللہ کو جس قدر اذیت ناک مراحل سے گزرنا پڑا، وہ سب حاسدین کا ہی کیا دھرا تھا۔ اگرچہ حسد ہر طبقہ انسانی میں ہوتا ہے مگر اہل علم جب ایک دوسرے کو مینڈھے کی طرح ٹکریں مارتے ہیں تو ان کے اس عمل سے محض ان کی ذات کو نہیں بلکہ دینی اداروں، تحریکوں اور مذہبی کاز کو شدید نقصان ہوتا ہے۔ حاسدانہ رقابتوں اور عداوتوں کی پوری تفصیل دینا یہاں مقصود نہیں ہے، خطۂ ہند میں اس مرضِ مزمن نے دینی تحریکوں کو کس قدر نقصان پہنچایا؟ اس کے لیے شورش کاشمیری کی خودنوشت دیکھی جاسکتی ہے جس میں انہوں نے اس مردود خصلت کے نقصانات ذکر کیے ہیں[1]۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے معاصرت کے ضمن میں واقعہ کربلا کو بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کی حاسدانہ رقابت کا شاخسانہ قرار دے دیا، شورش لکھتے ہیں:

''ابوسفیان اور اس کی اولاد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے لیکن اپنا قرض کربلا میں چکا دیا۔''[2]

ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

''معاویہ رضی اللہ عنہ نے رحلت کے وقت اپنے بیٹے کو جن دو عربوں سے بچنے اور نمٹنے کے لیے کہا تھا ان میں ایک امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے ابن زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔''[3]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد یعنی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تھا تو اس وقت قاتلِ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، یزید پیدا بھی نہیں ہوا تھا تو فتح مکہ کے موقع پر ان دو حضرات کے شرفِ صحبت کو شکست سے تعبیر دے کر پھر اسے کربلا میں انتقام کا شاخسانہ قرار دے دینا کتنا بڑا ظلم ہے؟ شورش خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے مگر ان صلاحیتوں کی بناء پر انہیں یہ حق کیسے مل گیا کہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ نیتوں پر حملے کریں اور ان کے ایمان و قبولِ اسلام کو شک کی نگاہوں سے دیکھیں؟ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے موقف میں حق پر

---

[1] بُوئے گل، نالۂ دِل دودِ چراغِ محفل، صفحہ ۴۱۳ تا ۴۱۸، جلد اول، طبع اول ۱۹۷۸ء/ لاہور

[2] ایضاً، صفحہ نمبر ۴۱۲

[3] شورش/ شب جائے کہ من بودم، صفحہ نمبر ۸۵، مطبوعات چٹان لاہور

تھے اور یزید فاسق و فاجر تھا اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی شہادت میں براہِ راست ملوث تھا، مگر یہ نظریہ رکھنے کے لیے کیا یہ لازمی ہے کہ اس کے باپ دادا، جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے، کی توہین و بے توقیری کی جائے؟ فلہٰذا شورش کی ان باتوں سے اتفاق ممکن نہیں ہے، دراصل موصوف ایک صحافی، قلمکار، خطیب اور تحریکی مزاج کے انسان تھے اور ماہ محرم الحرام میں اہل تشیع کی مجلسیں پڑھنے کربلا گامے شاہ (لاہور) وغیرہ میں بے جھجک چلے جایا کرتے تھے، چنانچہ شیعہ ذاکروں کے ساتھ تعلقات کا ہی یہ اثر تھا کہ موصوف سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد گرامی سیدنا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر بلاخوفِ خدا طعن کرتے تھے۔ ہم کہیں سے کہیں جا نکلے! حاسدانہ رویوں کے خطرناک اثرات پر بات ہو رہی تھی حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے حاسدین نے ان پر قاتلانہ حملہ کرنے تک سے دریغ نہ کیا، بلکہ سری نگر سے ایک ہندو برہمن سے ایسا جادو کروا دیا گیا تھا کہ پیر صاحب رحمۃ اللہ ایک مہینہ چارپائی سے لگے رہے، سخت بیمار پڑ گئے اور بے ہوشی کے دورے پڑتے رہے، آخر کار اللہ تعالیٰ نے حضرت پیر صاحب کی روحانی پرواز کو اس پر مسلط کیا اور وہ جادوگر اور حاسدین خائب و خاسر ہوئے[1]۔ قصہ مختصر یہ کہ ہابیل سے لے کر چاہِ یوسف علیہ السلام تک، سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہودیوں کی مخالفتوں سے لے کر ام المومنین عفیفہ کائنات حضرتِ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی ہرزہ سرائی تک حسد ہی انسان کو انتہائی قدم اٹھانے تک مجبور کر دیتی ہے اور حاسد اپنے محسود کو ٹھکانے لگانے کے لیے کوئی بڑے سے بڑا کام کرنے سے بھی نہیں چوکتا، اعاذنا اللہ منہ...... حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین کو بھی اس خار دار وادی سے گزرنا پڑا۔ اللہ کریم اپنے محبوب بندوں کو آزمائشوں کی بھٹی میں ڈال کر ہی کندن بناتے ہیں۔ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر واپس اپنے گاؤں لوٹے تو بہ مشکل چند ماہ ہی عافیت سے گزرے ہوں گے کہ حوادث کے نزول کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اس سلسلہ میں جو سب سے پہلی آزمائش آئی وہ ''حاسدین'' کی جانب سے تھی۔ یہ موضع بھیں کا ایک تاریخی واقعہ ہے جو ماہِ جولائی ۱۹۴۰ء کے تپتے دنوں پیش آیا۔ اس تفصیلی واقعہ کا تذکرہ اگرچہ کاتب السطور نے اپنی مطبوعہ کتاب ''ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ احوال و آثار'' میں کر دیا ہے لیکن قائد اہل سنت کی ذات سے متعلقہ تاریخی حقائق کا یہاں پیش کرنا بھی ضروری ہے۔ اس قضیہ نامرضیہ کی روداد پڑھنے سے قبل مرزائی مورخ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے:

---

[1] فیض احمد فیض، مولانا/ مہر منیر، صفحہ نمبر ۳۰۲، گولڑہ شریف، اسلام آباد

''مولوی کرم الدین صاحب کی زندگی کے آخری سال انتہائی دکھ میں گزرے اور کئی قسم کی ذلتیں انہیں اٹھانا پڑیں مثلاً ۱۹۴۰ء میں انہوں نے ایک ساس اور داماد کا نکاح پڑھا، جس پر ان کے گاؤں ''بھیں'' اور گردونواح میں شور پڑ گیا اور انہی کے ہم عقیدہ مشہور علماء نے ان کے مقابلہ پر موضع بھیں میں جلسہ کیا جس میں دوسو افراد نے مولوی کرم دین صاحب کے عذرات کے بارے میں گواہی دی، لوگوں نے بکثرت یہ شکایات کیں کہ فلاں جگہ میں مولوی کرم دین صاحب نے کس قدر تعصب اور عناد سے کام لیا ہے کہ خوامخواہ اہل السنۃ والجماعۃ کے لوگوں کو شیعہ قرار دیا (بحوالہ) اشتہار بعنوان ''ننگ اسلام مولوی محمد کرم الدین صاحب کی عبرت آموز شکست'' از قاضی محمد عابد موہڑہ کدلتھی متصل بھیں۔''[۱]

مرزائی مورخ کی اس عبارت میں کتنا سچ ہے اور کتنی ملاوٹ، مبالغہ، مغالطہ، اور صریح جھوٹ ہے؟ وہ ہماری اس مکمل کارگزاری پیش کردینے کے بعد قارئین پر خودبخود آشکار ہوجائے گا۔

موضع ''بھیں'' سے متصل ایک آبادی ''کدلتھی'' کے نام سے معروف ہے۔ یہاں مولانا محمد ثناء اللہ صاحب رہا کرتے تھے جن کی آبائی بستی تو موضع ''کدلتھی'' تھی مگر وہ چکوال سے جہلم روڈ پر دس بارہ میل کے فاصلے پہ واقع ایک گاؤں موضع ''پنجائن'' میں رہائش پذیر تھے جہاں وہ امامت وتدریس کرتے اور پنجاب وہزارہ کے دور دراز علاقوں سے طلبہ ان کے پاس آکر علم نحو کی کتب پڑھتے تھے، جس کی بناء پہ وہ عموماً طلبہ کے ہاں ''امام النحو'' معروف ہوگئے تھے۔ مولانا قاضی ثناءاللہ صاحب کے بیٹے مولانا قاضی محمد عابد صاحب البتہ اپنے گاؤں ''کدلتھی'' میں ہی رہتے تھے۔ اور ان کے پاس بھی بعض طلبہ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یاد رہے کہ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے گاؤں ''بھیں'' میں بھی مدرسہ تھا جہاں جموں وکشمیر تک سے طالبانِ علوم آکر رہائش پذیر ہوتے اور کسبِ فیض کرتے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے وسعتِ ظرف کا یہ عالم تھا کہ کئی ایک طلبہ پڑھتے تو موضع ''کدلتھی'' میں تھے مگر وہاں قیام و طعام کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسباق پڑھ کر ''بھیں'' آجاتے۔ یہاں ان کو مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ہاں رہائش وکھانا بھی ملتا اور وہ آپ رحمہ اللہ کے علوم وفنون سے اضافی مستفید بھی ہوجاتے۔ اس بات کا ثبوت مولانا محمد عنایت اللہ چشتی آف چکڑالہ کے مکتوب میں بھی موجود ہے (جو گزشتہ صفحات میں گزر آیا ہے) کہ وہ پڑھتے تو ''کدلتھی'' میں تھے مگر رہائش ''بھیں'' میں رکھتے تھے۔ مولانا قاضی ثناءاللہ مرحوم اور

---

[۱] دوست محمد شاہد/تاریخ احمدیت/جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۰۸/ادارۃ المصنفین، چناب نگر (ربوہ)

ان کے بیٹے قاضی محمد عابد مرحوم کا محض علاقائی تعارف تھا، اور اپنے گاؤں سے باہر ان کو صرف مخصوص طلبہ ہی جانتے تھے جنہوں نے ان سے تعلیم حاصل کی ہوتی تھی۔ ان کے بالمقابل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نہ صرف منجھے ہوئے مدرس تھے بلکہ اعلیٰ پائے کے خطیب، کامیاب مناظر، ماہر نثر نگار، عمدہ شاعر اور دیگر کئی صفات سے متصف تھے۔ پھر مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ بھی بعینہٖ اپنے والد گرامی کی تصویر تھے۔ اس لیے علاقہ بھر میں بھی ان کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ اس عزت و شہرت نے بعض مقامی معاصرین کو مرضِ حسد میں مبتلا کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ ان عظیم المرتبت باپ بیٹے سے فاصلے پر رہنے لگے تھے اور اپنے محدود حلقوں میں فقرے چست کرکے دلِ ناداں کی تسکین کا غیر فطری سامان کرتے رہتے تھے۔ اسی اثنا میں موضع ''پنجائن'' میں ایک واقعہ یہ پیش آ گیا کہ عرفان نامی ایک نوجوان کے ایک بیوہ مسمات عنایت بی (بیوہ غلام حسین مرحوم) کے ساتھ ناجائز تعلقات پروان چڑھنے لگے جب گاؤں میں اس کی عام شہرت ہوئی تو اس تعلقِ ناجائز پر پردہ ڈالنے کے لیے عنایت بی کی لڑکی مسمات زبیدہ سے عرفان کا نکاح کر دیا گیا۔

جب یہ نکاح ہوگیا تو عرفان نے اپنے گاؤں کے چند شرفاء کے سامنے اپنی اس خجالت کا یوں اظہار کیا کہ میں نے بارہا مرتبہ اپنی ہونے والی ساس یعنی مسمات عنایت بی سے بدکاری کا ارتکاب کر رکھا ہے تو کیا اب اس کی بیٹی سے میرا نکاح جائز بھی ہوا ہے یا نہیں؟ ظاہری بات ہے کہ ایسے نکاح کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں، جب کوئی مرد کسی بھی عورت کے ساتھ حرام کاری کا مرتکب ہوتا ہے تو اس عورت کی بیٹی اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے اس صورت میں یہی شرعی رستہ ہوتا ہے کہ اگر وہ عورت کنواری، مطلقہ یا بیوہ ہو تو اسی مرد کے ساتھ اس کا نکاح ہو جانا چاہیے۔ یہاں صورتحال یہ تھی کہ عنایت بی کے ساتھ غلط کاری کا اعتراف تو خود عرفان نے کیا تھا، اب اگر جہالت کی بناء پر عورت کی بیٹی کا نکاح کر دیا گیا تھا تو لازمی بات ہے کہ یہ نکاح شرعاً باطل ہے۔ جب اس صورتحال نے طول پکڑا تو فیصلے کے لیے ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے پاس یہ لوگ شرعی رہنمائی لینے کے لیے قصبہ بھیں وارد ہوئے۔ حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ اس زمانہ میں نکاح خوانان کے ضلعی گرداور تھے۔ بچوں کی پیدائش اور شادی شدہ جوڑوں کی مذہبی و سماجی تفصیلات کے جو رجسٹرز گورنمنٹ برطانیہ کی جانب سے برائے اندراج جاری ہوتے تھے، وہ رجسٹر حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ کو بھی ملتا تھا نیز راقم الحروف کے پاس اُس دور کے مولانا دبیر رحمہ اللہ کے لیٹر پیڈ اور مہروں کے نمونے موجود ہیں۔ جب

یہ قضیہ حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ کے پاس پہنچا تو اس وقت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ ان امور میں اپنے والد گرامی کے شانہ بشانہ ہوتے تھے کیونکہ حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ قائد اہل سنت کو اپنی رہنمائی میں خدمت دین اسلام کے پر پیچ رستوں سے واقف کروا رہے تھے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے مکمل وضاحت کے ساتھ جب مختلف لوگوں سے بیانات لیے تو محمد عرفان نامی اس نوجوان نے اپنے گاؤں کے کئی ایک بندوں کی موجودگی میں اقرارِ گناہ کیا۔ اس کے بعد اگلا مرحلہ یہ درپیش تھا کہ عنایت بی کی لڑکی مُسمّاۃ زبیدہ بی بی سے فقط نکاح ہوا تھا یا رخصتی بھی عمل میں آئی؟ تو بعد از تحقیق یہ عقدہ کھلا کہ فی الحال ابھی نکاح کیا گیا، نوبت مقاربت نہ آئی تھی۔ تو قائد اہل سنت نے اپنے والد گرامی کا یہ فیصلہ (جو عین شریعت کے مطابق تھا) مجمع عام میں سنایا کہ شرعاً عرفان کا نکاح عنایت بی کی لڑکی سے ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ وہ دونوں (عنایت بی و عرفان) اقراری ہیں کہ متعدد مرتبہ ہم ارتکاب جرم کر چکے ہیں۔ چنانچہ عرفان کا مسماۃ عنایت بی سے نکاح ہو گیا۔ یہ نکاح موضع پنجائن میں ہوا تھا جس میں جانبین کی برادری کے لوگ موجود تھے اور مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے صرف قاضی ہونے کی حیثیت سے اس کا اندراجِ نکاح سرکاری رجسٹر میں کیا تھا، پڑھانے والا کوئی اور تھا، کیونکہ ''موضع بھیں'' سے موضع پنجائن کا خاصا فاصلہ ہے، اور یہ واقعہ ۱۹۴۰ء کے ماہ جولائی کا ہے۔ حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ ان دنوں زیادہ لمبے سفر نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بدن میں ضعف تھا، ۹۰ سال کی عمر تھی، زیادہ سے زیادہ اپنے قریبی گاؤں مثلاً چک ملوک، چک عمراء پادشاہان اور کدلٹھی تک ہی گھوڑی پر آتے جاتے تھے، اس سے زیادہ چکوال شہر تک بھی آپ کا آنا مشکل ہو کر رہ گیا تھا، اور آپ اپنی جگہ نیابت کے طور پر لختِ جگر قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو بھیج دیتے تھے، اس نکاح کے چند دن بعد مولانا قاضی ثناء اللہ اور ان کے بیٹے قاضی محمد عابد صاحب کو اللہ جانے کیا سوجھی کہ انہوں نے اس عنوان پر ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ ''یہ تو ساس، داماد کا نکاح'' ہو گیا! اللہ اکبر کبیراً، اس عمل کی توقع تو کسی معمولی حیثیت کے امام مسجد سے بھی نہ تھی جس کا الزام ایسے باپ بیٹا پر دھر دیا گیا جن کی علمی و دینی خدمات سے ارضِ ہند کا چپہ چپہ واقف تھا، ان حضرات کو مطمئن کرنے کے سو جتن کیے گئے مگر ان کے ہاں مرغ کی ایک ٹانگ کی رٹ برابر جاری رہی۔ تا آنکہ دھیرے دھیرے یہ بات قادیانیوں اور اہل تشیع تک بھی پہنچ گئی جو قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خاندان سے کاری ضربیں کھاتے چلے آ رہے تھے، چنانچہ دین دشمن قوتوں کو جب کچھ حاسدین کی بیساکھیاں ملیں تو طوفان کھڑا کر دیا گیا، اور نوبت بایں جا رسید کہ موضع بھیں سے متصل ایک

کھلے میدان میں قائد اہل سنت اور آپ کے والد گرامی قبلہ کو زچ کرنے کے لیے ایک جلسے کا انعقاد کیا گیا اور عین موقع پر مناظرے کی چیلنج بازیاں بھی ہونے لگیں، شگفتہ خاطری کے طور پر ایک یہ لطیفہ بھی ریکارڈ پہ آجانا چاہیے کہ بھیں سے متصل کوئی شخص اس جلسہ کے لیے زمین فراہم کرنے کو تیار نہ ہوا، محنت بسیار کے بعد جب مایوسی ہوئی تو ایک ہندو کھتری کے زرعی رقبہ پر کانفرنس شروع کر دی گئی، یعنی ہندو کھتری کی زمین، شیعہ میزبان، قادیانی تماش بین اور چند علماء حاسدین کے بپا کردہ جلسہ کا عنوان تھا خاندان مولانا کرم الدین کی ہتک وتوہین! اور مقررین کون تھے؟ لیجیے!

① حضرت مولانا غلام خان (جو بعد میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ مشہور ہوئے)

② مولانا احمد الدین جسیالی

③ مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب (پنجائن)

④ قاضی محمد عابد صاحب (کدلتھی)

جلسۂ تہمت کے حوالہ سے دو تاریخی اشتہارات کا تعارف اور اُن کا مکمل متن

اس وقت میرے سامنے فل بڑے سائز کے دو اشتہارات اپنے پر پھیلائے موجود ہیں جو تاریخ کے دو مظلوم مگر عظیم باپ، بیٹا پر دھری جانے والی تہمت کا پردہ چاک کر رہے ہیں، اس قضیہ سے متعلقہ کرداروں میں جو مرزائی اور اہل تشیع تھے وہ اپنے انجام کو پہنچ چکے، اور جو نادان تحاسد وتباغض کی بناء پر اپنے ہم مذہب ہو کر غیروں کے لہجہ کی ہمنوائی کر رہے تھے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ چکے ہیں، اللہ کریم ان کی مغفرت فرمائے اور بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے **اللھم آمین**۔ لیکن اس حوالہ سے چونکہ معاندین ومخالفین آئے روز نت نئی اور سنی سنائی وضعی داستانیں دہراتے رہتے ہیں، اس لیے اس واقعہ کا اصل چہرہ ریکارڈ پر رہنا چاہیے۔ اس مناظرہ کی روداد میں تین تفصیلی اشتہارات شائع ہوئے تھے جو تینوں کے تینوں اصلی حالت میں راقم کے پاس موجود ہیں، جن میں سے ایک کے آخر میں حکیم غلام محی الدین دیالویؔ (سرگڈھن، جہلم) کا نام بھی درج ہے۔ اور دوسرا اشتہار فریق ثانی کی جانب سے قاضی محمد عابد (کدلتھی متصل بھیں) کی جانب سے شائع ہوا جس کا عنوان مندرجہ ذیل ہے:

”موضع بھیں ضلع جہلم میں ایک تاریخی مناظرہ، شیخ الاسلام مولانا احمد الدین صاحب کی فتح اور ننگ اسلام مولوی محمد کرم الدین صاحب کی عبرت آموز شکست۔“

اس طویل وعریض اشتہار میں مولانا ثناء اللہ (پنجائن) کا موقف یہ دیا گیا ہے کہ عنایت بی کے شوہر غلام حسین نے زندگی ہی میں اپنی لڑکی زبیدہ کا نکاح عرفان سے کر دیا تھا جو میں نے (مولانا ثناء اللہ) پڑھایا تھا، البتہ وہ نکاح اس وقت درج رجسٹر نہیں کیا گیا تھا، نکاح کے بعد عرفان بسلسلہ ملازمت کہیں دوسرے شہر چلا گیا اور تقریباً ایک سال کے بعد واپس آیا تو غلام حسین چند ماہ قبل فوت ہو چکا تھا، عرفان نے اپنے مرحوم سسر غلام حسین کے گھر رہائش اختیار کر لی جب اس بات کو پانچ سال گزر گئے تو ایک دن عرفان میرے پاس آیا اور کہا کہ میرا نکاح عنایت بی (والدہ زبیدہ) سے پڑھ دیں میں نے کہا وہ ناجائز ہے تو اس نے اقرار کیا کہ میرا تعلق فحش عرصہ ڈیڑھ سال سے اس کے ساتھ ہو گیا ہے، اور اس کی لڑکی سے میں نے ہم بستری نہیں کی، اسے میں اپنی لڑکی تصور کر چکا ہوں، جس پر اسے کہا گیا کہ تو نے نکاح تو کیا تھا، لہٰذا اب اس کی ماں سے نکاح نہیں ہوسکتا، اس کے بعد عرفان مولوی کرم الدین سے مسئلہ پوچھنے چلا گیا تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ تمہارا نکاح عنایت بی کے ساتھ جائز نہیں ہوسکتا، تم کو رجم کرنا چاہیے۔ (اس کے بعد روئیداد مناظرہ یوں درج کرتے ہیں):

''مناظرہ بھیں کی روئیداد مختصراً اور اجمالاً یوں ہے کہ مسماۃ زبیدہ ساکن پنجائن کا نکاح باجازت والد غلام حسین مسماۃ مذکورہ، مسمی محمد عرفان سے کیا گیا تھا اور امام النحو مولانا ثنا اللہ صاحب پنجائن والوں نے بحیثیت امام دیہہ ہونے کے پڑھایا، عرصہ پانچ سال عرفان بھی اپنی ساس عنایت بی کے ساتھ رہنے لگا، اسی اثنا میں محمد عرفان کو ابلیس لعین نے اپنے پھندے میں پھنسایا کہ ساس سے نکاح کیا جائے، مولانا صاحب چونکہ غایت درجہ متقی اور محتاط ہیں۔ اس لیے شدت سے روکا اور کہا کہ تیرا نکاح از روئے شریعت عنایت بی سے حرام قطعی ہے جو کسی صورت بھی نہیں ہوسکتا، اس کے بعد عرفان کمر ہمت باندھ کر عازمِ بھیں ہوا، تو آگے شیر پنجاب نے بلا تامل جائز قرار دے دیا۔ بالآخر ۲، جولائی ۴۰ء کو عین فریق مخالف کی زمین کے قریب جا کر جلسہ کیا گیا تا کہ نقص امن کے خطرات سے بے نیاز ہو کر شاید ننگ اسلام مولوی کرم الدین صاحب مع اپنے چند حواریوں کے میدان میں نکلیں تا کہ احقاقِ حق وابطالِ باطل ہو جائے، بہر کیف صبح سویرے امام النحو مولانا ثناء اللہ صاحب کی صدارت میں مولانا غلام خان صاحب[1] فاضل ڈابھیل نے علماء سو کے متعلق نہایت مدلل اور پُر جوش تقریر

[1] آپ کی دادی محترمہ کا رکھا ہوا نام ''غلام خان'' تھا، ایک مدت تک اسی نام سے معروف رہے، بعد میں مولانا عبدالقادر رائپوریؒ نے ''غلام اللہ'' نام تجویز فرما دیا تھا، جو عالمی شہرت کا حامل بنا۔

فرمائی، جس سے سامعین پر کافی زیادہ اثر ہوا، مولانا غلام خان صاحب کی تقریر شروع ہی تھی کہ ننگ اسلام مولوی کرم الدین صاحب کی طرف سے کامل دو دن اور دو رات کے بعد جلسہ گاہ میں دستی رقعہ موصول ہوا کہ ہم تین بجے مناظرہ کریں گے، یاد رہے کہ یہ بھی ایک چال تھی جو ننگ اسلام نے چلی تھی، علماء حق کی طرف سے مناظر شیخ الاسلام مولانا احمد الدین صاحب فاضل ڈابھیل جسیالوی مناظر مقرر ہوئے اور مولانا غلام خان صاحب فاضل ڈابھیل معاون مناظر مقرر ہوئے۔ دوسری طرف مولوی کرم الدین صاحب یلیتنی مت قبل هذا و کنت الخ کا ورد الاپتے رہے اور ان کی وکالت و نیابت مولوی مظہر حسین (تو مان نہ مان میں تیرا مہمان) کی طرح خود بخود مناظر بننے کی کوشش کرتا رہا اور اسی تاک میں رہا کہ کسی طرح ابا جان کی جان چھوٹ جائے، بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ والد ماجد کم از کم آج میری موجودگی میں ذلت کا تمغہ حاصل نہ کریں۔ الخ''[1]

اس کے جواب میں قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی کی جانب سے جو اشتہارات چھپے وہ بھی خاصے طول طویل اور عرض و عریض ہیں جن پر بطور مرتب حکیم غلام محی الدین دیالوی کا نام درج ہے۔ اس اشتہار میں مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے والد گرامی کی جانب سے جو قصہ نکاح اور روداد مناظرہ بھیں درج کی گئی ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ ان میں خاصا وزن ہے اور یہ بات ہم محض عقیدت کے رنگ میں نہیں بلکہ جانبین کے اشتہاروں، بیانوں، مناظروں، رودادوں اور دیگر ذرائع کی مکمل چھان بین کرنے کے بعد بطور دعویٰ کہہ رہے ہیں کہ اس تاریخی قضیہ میں حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ بالکل بے گناہ اور سچ کی مضبوط چٹان پر کھڑے تھے، اور عرفان نامی جس شخص اور عنایت بی نامی جس خاتون کے عمل قبیح کی وجہ سے جانبین کے ان بزرگوں کو نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا، ان میں سب سے زیادہ مظلوم یہی دو باپ بیٹا تھے کہ جن کے خلاف مرزائی، شیعہ اور مَرِیضانِ حسد جمع ہو گئے تھے۔ اس جوابی اشتہار کا مکمل مضمون ہم نے اپنی کتاب ''ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ احوال و آثار'' میں از صفحہ ۱۴۸ تا صفحہ ۱۶۷ درج کر دیا ہے، اب یہاں دوبارہ من و عن اس کی اشاعت شاید تضیع وقت ہو، البتہ چند اہم اقتباس پیش کر

[1] ''بھیں'' میں ایک تاریخی مناظرہ / اشتہار / مرتبہ قاضی محمد عابد، موضع کدلتھی / مطبوعہ ہمدرد سٹیم پریس راولپنڈی / جولائی ۱۹۴۰ء، مملوکہ مصنف کتاب ہذا

رہے ہیں تاکہ اس بحث کی اختتامی اور تقابلی شکل سامنے آسکے اور پھر اس کے بعد ہم اس قضیہ نا مرضیہ سے اپنے قلم کو واگزار کرا کے آگے بڑھ سکیں۔ مولانا ثناء اللہ صاحب موضع پنجائن والوں کے جواب میں ہمارے ان حضرات کا موقف یہ تھا کہ:

① گورنمنٹ برطانیہ کے ''قانون ساردا[1]'' کے تحت پانچ سات سال کی بچی سے عرفان کا نکاح چونکہ خلاف قانون تھا اس لیے اندراج رجسٹر نہ کروایا گیا جس کا مولانا ثناء اللہ نے اعتراف کیا ہے، اور انہوں نے اس لیے اندراج رجسٹر نہ کروایا کہ اگر بات عدالت تک جائے تو کم از کم نکاح خوانی کے اقرار سے خود کو مبرا کرنے کی گنجائش نکل سکے۔ اور لازمی بات ہے کہ اس عمر کی بچی کی رخصتی ممکن نہیں ہے۔

② اس جلسہ تہمت کے اصل محرکین باقر خان اور شیر خان نے عوام کے سامنے حلف دیا کہ ہم شیعہ نہیں ہیں اور یہ کہ ہم نے اپنے بیٹوں کے نام رجسٹر پیدائش میں سنی لکھوائے ہیں، حالانکہ رجسٹر پیدائش میں سنی یا شیعہ کی تخصیص نہیں کی جاتی صرف مسلم، ہندو، یا سکھ لکھا جاتا تھا چنانچہ یہ دونوں صاحبان رافضی ہی تھے جنہوں نے چک عمراء میں اپنی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا تھا۔

③ انہی دو صاحبان نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے مقابلہ میں مولوی فیض محمد مکھیالوی صاحب کو مناظرے کے لیے لا کھڑا کرنے کی کوشش کی تھی، مکھیالوی صاحب شیعہ مناظر تھے مگر مولانا دبیر کا نام سن کر پانی مثانہ میں ہی خشک کر بیٹھے تھے، تو ایسے میں محرکین جلسۂ تہمت سنی کیسے ثابت ہو سکتے ہیں؟

④ اس جلسہ میں دو مولانا صاحبان تو ایسے ''بامروت وخوشخصال'' نکلے کہ پہلے انہوں نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے حق میں اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ فیصلہ دیا کہ آپ کا فیصلہ برحق ہے، عرفان کا نکاح زبیدہ سے جائز نہیں ہے مگر اب جلسہ تہمت میں یہ دونوں بھی کلف والی پگڑیاں پہن کر قائد اہل سنت اور ان کے خاندان کے خلاف موجود تھے، ان دو ہستیوں کے نام ظفر حسین چکوالی اور منشی فضل نور تھا[2]۔

---

[1] ۱۹۲۹ء میں نابالغ بچوں کی شادی کو ممنوع قرار دیئے جانے کے قانون کو ''ساردا ایکٹ'' کا نام دیا گیا تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ مذکورہ قانون تھوڑا عرصہ ہی نافذ رہا، پھر معطل کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔ دراصل اس کی آڑ میں مخلوط شادیوں کا رجحان بنانا تھا جس کی علماء کرام کی جانب سے بھرپور مخالفت کی گئی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ نے ''مجلس تحفظ ناموس شریعت'' قائم کر کے عام قانون شکنی کا اعلان کر دیا تھا اور مولانا پیر سید جماعت علی شاہ نے بھی اس کے خلاف بھرپور مہم چلائی تھی۔

[2] ان کی دستی تحریر کا نمونہ ہماری کتاب ''ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ صفحہ ۱۴۴ پر دیکھئے۔ سلفی

⑤ مولوی غلام خان صاحب ہزاروی کو اپنی علمیت پر بڑا ناز ہے، اور یہ لاف زنی کرتے پھرتے ہیں کہ میں نے خوب تقریریں کیں، صد افسوس کہ ان کی علمیت کا پرچہ چاک ہوگیا، قاضی مظہر حسین صاحب کی تقریر کا کچھ ایسا رعب پڑا کہ حواس بجا نہ رہے اور اُن کی زبان سے صریح غلط الفاظ نکلنے لگے۔ حاضرین مناظرہ میں سے ہر شخص کو معلوم ہے کہ مولوی غلام خان صاحب نے اپنی کسی تقریر میں کوئی آیت یا حدیث یا فقہ کی عبارت ہرگز نہیں پڑھی، ایسا ہی قرین قیاس بھی تھا، کیونکہ آپ نے ساری عمر منطق و فلسفہ پڑھنے میں گزار دی ہے۔ اس کے علاوہ اس جوابی اشتہار پر مولانا احمد الدین جسیالی اور مولانا غلام اللہ خان کے بے شمار تسامحات کا جائزہ لیا گیا اور یہ ثابت کیا گیا کہ مذکورہ مباحثہ میں بھیں کے ان دو عظیم باپ اور بیٹا کے مقابلہ میں ان کا موقف بالکل بے وزن اور ردی تھا[1]۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ مدرسہ عزیزیہ بھیرہ میں مولانا غلام خان صاحب سے قائد اہل سنت ''ایساغوجی'' (رسالہ منطق) پڑھ چکے تھے۔ جس کی کاپی بندہ نے دیکھ رکھی ہے۔ اب جب قضیہ نکاح پیش آیا اور مہربانوں نے جلسہ تہمت بپا کیا تو مولانا احمد الدین جسیالی اور مولانا غلام خان رحمہ اللہ کے مقابلہ میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ تھے، جہاں قائد اہل سنت نے شرعی تقاضوں کے عین مطابق اپنے عظیم اور حق گو والد گرامی کی بھرپور نیابت کی۔ اور اس مناظرہ کے بعد پروپیگنڈہ کے سارے بادل چھٹ گئے، لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ موضع بھیں جا کر جلسہ منعقد کرنے کا کونسا جواز تھا؟ صرف یہی کہ اس خاندان کی تضحیک کی جائے اور جتنا کچھ بن سکے لوگوں کی نگاہوں میں ان کی عظمت و وقعت کم کی جائے اور گزشتہ پون صدی سے جو مرزائیت و شیعیت کا مسلسل تعاقب کرنے کی وجہ سے، اور فرزند دبیر، قائد اہل سنت کو دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت ملنے کے بعد اس خاندان کو مطلع ہند پہ جو آفتاب نصف النہار کا سا مقام حاصل تھا، اسے نقصان پہنچایا جا سکے، مگر عزتوں کو تقسیم کرنے والی ذات نے اس آزمائش کی گھڑی میں انہیں سرخرو کیا، اور اگلے ساٹھ سالوں میں قائد اہل سنت نے دین اسلام کی وہ بے لوث خدمت کی کہ اپنے خاندان کا نام عالم اسلام میں روشن کر دیا۔ اس قضیہ کے بعد محرکین جلسہ تو ٹھنڈے ہوگئے اور دھندلی دھندلی منفی کارستانیاں کرنے کے بعد آخر کار معدوم ہو کر رہ گئے۔ تاہم قائد اہل سنت اور حضرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو ابھی

[1] مناظرہ بھیں، مخالفین کے طولانی اشتہار کا دندانِ شکن جواب/ از جانب حکم غلام محیی الدین دیالوی / مطبوعہ ہمدرد سٹیم پریس دینہ ضلع جہلم/ ۵ ستمبر ۱۹۴۰ء۔

مزید آزمائشوں سے گزرنا تھا، کیونکہ اہل ہدایت و اخلاص کو کندن بنانے کے لیے ضابطہ اور سنت اللہ یہی ہے نیز دوسروں کو سبق دینا مقصود ہوتا ہے کہ جو صرف اللہ کریم کو اپنا مرجع و مولیٰ بناتے ہیں وہ سخت و سنگین آزمائشوں میں بھی استقلال و استقامت کے لائق تقلید نمونے بایں طور چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کے نقوشِ پا سے نسلوں کی نسلیں اپنی تقدیر بدل دیتی ہیں۔ بہرحال یہ قائد اہل سنت کی عالم جوانی میں معاملہ فہمی کی ایک خوبصورت مثال ہے کہ آپ نے مختلف الخیال لوگوں کے ایک طوفانی ریلے اور خطرناک منصوبہ بندی کو علمی شکل دے کر مسئلہ حل کروا دیا اور اپنے عظیم والد گرامی کو شر ورالناس کے جان لیوا فتنے سے محفوظ کر دیا۔

ایک شیعہ ایڈیٹر کو نوٹس

قضیہ نکاح کی مکمل صورتحال لوگوں کے سامنے آ چکی تھی اور غلط بیانیوں کے زہریلے بادل چھٹ چکے تھے۔ تاہم روافض اور قادیانیوں نے اپنی مشق ستم جاری رکھی، کیونکہ ان کے لیے تو یہ سنہرا موقع تھا جس کی بنیاد پر وہ قائد اہل سنت کے خاندان کے علمی وقار کو مجروح کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے اس سلسلہ میں اس زمانہ میں جہلم سے نکلنے والا ایک شیعہ اخبار ''نئی زندگی'' بھی پیش پیش تھا۔ قائد اہل سنت نے اپنے اور والد گرامی کی جانب سے اس کو مندرجہ ذیل نوٹس ارسال کیا تھا۔

نوٹس بنام مسٹر خادم حسین صاحب حیدری ایڈیٹر اخبار ''نئی زندگی''، جہلم۔

آپ نے اپنے اخبار ''نئی زندگی'' مطبوعہ یکم مارچ ۱۹۴۰ء کے صفحہ ۸ کالم ۲، ۳ میں بعنوان ''ساس کے ساتھ داماد کا نکاح'' ہمارے خلاف مزیل حیثیت و توہین آمیز مضمون درج کیا ہے۔ جو سراسر غلط واقعات پر مبنی ہے اور آپ نے اس بغض و عناد کی وجہ سے جو بحیثیت شیعہ ہونے کے آپ کے دل میں ہماری نسبت ہے یہ غلط مضمون بلا کسی تحقیق کے لکھ کر ہماری اُس عزت و آبرو کو جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے، زائل کرنا چاہا ہے۔ اور اس سے ہمارے عز و وقارِ مذہبی کو سخت نقصان پہنچا ہے مسلمانوں کے دلوں میں ہماری نسبت نفرت پیدا کر دی ہے، نکاح جس کی نسبت مضمون میں ذکر ہے بالکل جائز اور درست ہے جلیل القدر علماء اور فضلاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے۔ اس لیے بذریعہ نوٹس ہذا آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ اپنے اس غلط مزیل حیثیت مضمون کی دو ہفتہ کے اندر تردید کر کے معافی مانگ لیں ورنہ آپ کے خلاف دعویٰ فوجداری و دیوانی دائر کر دیا جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ آپ اپنے نامہ نگار چکوال کا بھی نام ظاہر کر دیں تا کہ اس کو بھی دعویٰ میں شامل کر دیا جائے۔ اور آپ کو تنہا جوابدہی نہ کرنی

پڑے۔ اگر آپ کو اپنے مضمون کی تردید کر کے معافی مانگنا منظور ہو تو فتویٰ جواز نکاح بھی جو علماء کرام نے دیا ہے اور جس کی نقل مطابق اصل آپ کے پاس بھیج دی جاتی ہے، درج اخبار کر دیں۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ دو ہفتے کے انتظار کے بعد چارہ جوئی عدالت کر دی جائے گی۔

① احقر الانام مظہر حسین عفی عنہ

سند یافتہ اشاعت اسلام کالج لاہور، وفاضل دیوبند، بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

② ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین دبیر عفاعنہ

از بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

مؤرخہ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ [1]

بسمہٖ تعالیٰ

تاریخی اشتہار -- مناظرہ بھیں ضلع جہلم

مؤرخہ ۳، جون ۱۹۴۰ء

شیر اسلام کی شاندار فتح اور مولوی صاحب جسیالی کی عبرتناک شکست

(جوابی اشتہار مرتبہ حکیم غلام محی الدین دیالویؒ)

شیر اسلام مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب سکنہ بھیں ضلع جہلم کے اسم گرامی سے نہ صرف ضلع جہلم بلکہ پنجاب بھر کے مسلمان آشنا ہیں۔ آپ ہی نے گورداسپور میں جا کر مرزائے قادیان مدعی نبوت کو مقدماتِ فوجداری کے شکنجہ میں کھینچ کر ذلت آمیز شکست دی، آپ ہی نے غیر مذاہب کے چوٹی کے مناظرین کا ہمیشہ کے لیے ناطقہ بند کیا ہے، جو بھی باطل کی حمایت میں اٹھا، شیر اسلام کے مقابلہ میں منہ کی کھا کر بیٹھ گیا۔ بالخصوص روافضِ پنجاب کے لیے تو آپ کا وجود مسعود سہیل ہے اور طلوعِ سہیل کے مترادف ہے۔ اپنی تمام زندگی میں مولانا موصوف ان کے بغض وعناد کا نشانہ بنے رہے ہیں آپ کے خلاف ہر قسم کی حیلہ سازیاں کی گئیں لیکن نتیجہ خیبت وخسران کے سوا کچھ نہ ہوا۔ ہمیشہ حق کا ہی پہلو غالب

---

[1] نوٹس بنام خادم حسین شیعہ از جانب مولانا قاضی مظہر حسین ۱۹۴۰ء مملوکہ ورثاء قائد اہل سنت چکوال (استفادہ، مصنف)

رہااور باطل سرنگوں ہوا،لیکن نہایت تعجب ہے کہ اس دفعہ موضع بھیں کے ایک سنی نما امام مسجد نے آپ کی مخالفت میں نہایت ناعاقبت اندیشانہ حرکات کی ہیں اور قصہ یوں ہے کہ امام مذکور نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی جس میں ہنود پرست بائیکاٹیوں کے علاوہ ان سبی روافض کو بھی شامل کیا جو لکھنؤ گالی ایجی ٹیشن میں جاکر اپنی عاقبت خراب کر چکے تھے چونکہ شریعت عزاء میں یہ ایک سنگین جرم تھا اس لیے حضرت مولانا نے اس کے خلاف ایک شرعی فتوی شائع کیا جس پر برگزیدہ علماء اہل سنت کے دستخط تھے۔ بدنصیب ملا بجائے اس کے کہ تائب ہوکر اپنی دین داری کا ثبوت دیتا، اُلٹا سیخ پا ہوگیا۔اوراس کے بعد ضد میں آکر علی الاعلان کئی ایک جنازوں کا امام بنا جس میں سبی روافض کو شامل کیا،شیعوں اور سکھوں کے ساتھ گہرے روابط وابستہ کر لیے اور مولانا کے خلاف زہر اُگلنا شروع کیا۔ دشمنانِ اسلام اور کیا چاہتے تھے؟اس دشمن اسلام ملا کو اپنا آلہ کار بنالیا اور اہل سنت وجماعت کے مقابلہ میں اس سے وہ کام لیا جو خود نہیں کرسکتے تھے۔اس نے شیر اسلام کے خلاف دیگر اتہامات کے ایک یہ غلط اور مکروہ پروپیگنڈہ بھی کیا کہ آپ نے موضع پنجائن کے معاملہ میں ساس اور داماد کا نکاح جائز کردیا ہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ متناکحین کا رشتہ ساس اور داماد کا نہیں بن سکتا کیونکہ ان کا ایک عرصہ سے باہمی ناجائز تعلق رہا اور پھر محمد عرفان نے اپنی عیب پوشی کے لیے عنایت بی (مزنیہ) کی خورد سالہ لڑکی زبیدہ سے نکاح کرلیا، نکاح خواں کو یہ خوب علم تھا کہ لڑکی کی والدہ سے محمد عرفان کا ناجائز تعلق رہا ہے اور پہلے اس کو کہہ بھی دیا کہ تمہارا نکاح اس لڑکی سے کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ تم اس کی ماں سے بدکاری کرتے رہے ہو؟لیکن محمد عرفان نے آخر کاران کو راضی کرکے نکاح پڑھوالیا۔حالانکہ یہ نکاح بوجہ کالعدم ہونے کے اس کی ماں سے نکاح کا مانع نہیں ہوسکتا تھا، جب پہلا نکاح ہی صحیح نہیں تو اس کی ماں،ساس کس طرح بن سکتی تھی؟اس کے متعلق ایک مفصل ومدلل فتوی بھی شائع ہوچکا ہے،جس کی تصدیق فضلائے دین نے کی ہے۔جس کی کوئی تردید اب تک مخالفین نہیں کرسکے۔اس پر جاہل ملاں کے دل میں آتش بغض وحسد بھڑک اٹھی،روافض سے زرومال کی استعانت کی انہوں نے فوراً لبیک کہا اور بیچارے کو اور زیادہ برانگیختہ کیا،اس نے علماء اہل سنت کے پاس دوڑ دھوپ شروع کردی لیکن کسی نے ہامی نہ بھری۔آخر کار شیعوں کی مشاورت سے ایک آخری چال یہ اختیار کی کہ ایک لمبا چوڑا اشتہار شائع کردیا کہ موضع بھیں میں ایک اسلامی تبلیغی جلسہ ہوگا۔ اس اشتہار میں سترہ علماء اہل سنت کے نام لکھے گئے اوران کو دعوتی خطوط بھیجے گئے۔بزدل ملاں کو اشتہار کے نیچے اپنا نام لکھنے کی جرأت تو نہ ہوسکی،شومئ قسمت سے اپنے دو ہمراز شیعوں کے نام لکھ دیئے،اشتہار

شائع ہونے پر علاقہ میں ایک شور مچ گیا کہ بس اب کیا ہے کہ شیر اسلام کے مقابلہ میں خود ان کے سنی علماء آرہے ہیں جو ان کی عزت وشہرت کو خاک میں ملا دیں گے۔ دور دور تک اشتہارات تقسیم کیے گئے اور طرفہ یہ ہے کہ بدقسمت مُلاں نے اشتہارات تقسیم کرنے کی خدمت ان مخصوص روافض کے سپرد کی جو لکھنؤ میں جا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کے جرم میں سزایاب ہوئے تھے۔

تفو بر تو اے چرخِ گردوں تفو

اور زر وگندم اکٹھی کرنے والے اور دینے والے بھی سبی روافض وہنود تھے۔ کاش کہ نیم سنی ملاں یوں کھلے دشمنانِ اسلام کے ساتھ اتحاد ویگانگت پیدا کر کے اپنی عاقبت سیاہ نہ کرتا اور علماء اہل سنت کو دھوکہ دے کر (خود کو) خراب نہ کرتا، سنی علماء کو بطورِ فرض مذہبی کے، حقیقت حال سے آگاہ کیا گیا کہ یہ تبلیغی جلسہ نہیں بلکہ مناظرہ ہے اور اس کے پشت پناہ تمام علاقہ کے روافض ہیں۔ اس لیے آپ تشریف نہ لائیں مبادا کہ شیعیت کی تقویت کا باعث بنیں۔

مولوی احمد دین صاحب جسیالی کا افسوسناک رویہ

مخالفین کا جلسہ بتاریخ ۳۱ مئی اور یکم، ۲ جون ۱۹۴۰ء مقرر تھا، حقیقت پر مطلع ہونے کے بعد دین دار سنی علماء نے اس جلسہ میں شمولیت سے انکار کر دیا جزاہم اللہ خیر الجزاء لیکن مولوی احمد دین صاحب جسیالی ایک نیم ملا چکوالی کو ساتھ لے کر موضع بھیں میں پہنچ گئے حالانکہ ان کو بھی پہلے حالاتِ واقعہ سے مطلع کیا گیا تھا ان کا استقبال اعدائے صحابہ کی طرف سے ہوا اور گولے سر کئے گئے۔ ۳۱ مئی بروز جمعۃ المبارک ۱۹۴۰ء کو مسجد زمینداراں میں سنی مسلمانوں کا ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا جس میں گردونواح کے سنی مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوئے بیرونی علماء وشرفاء میں جناب مولانا پیر احمد غوث شاہ صاحب سجادہ نشین ترمنی شریف، ان کے برادر زادہ پیر محمد توفیق صاحب جناب صاحبزادہ حافظ ظہور علی شاہ صاحب (چورہ شریف جناب قاضی فضل حق (ڈھاب کلاں) جناب غلام نبی صاحب (تھنیل کمال) جناب صاحبزادہ مولوی عمر حیات صاحب، (ہمشیر زادہ واعظ الاسلام جناب مولوی شاہنواز صاحب مرحوم) رونق افروز ہوئے۔ تیسرے دن قاضی محمد عبدالرحمن صاحب منشی فاضل ومولوی عالم بھی پہنچ گئے۔ جناب پیر صاحب ترمنی شریف نے نماز جمعہ پڑھائی اور بعد ازاں آپ نے ایک بصیرت افروز وعظ سے حاضرین کو محظوظ کیا، اور آخر میں مسئلہ نکاح پنجائن پر ایسی مفصل روشنی ڈالی کہ حاضرین پر حقیقت منکشف ہوگئی۔ پیر صاحب ترمنی شریف، مولوی پیر محمد توفیق صاحب، مولوی عمر حیات شاہ صاحب اور جناب

مولوی منظور حسین صاحب کی پُر مغز تقاریر ہوئیں، مسلمانوں کو اعدائے اسلام کی چالبازیوں سے آگاہ کیا گیا، اُدھر مخالفین نے گاؤں کے باہر ہنود کی جگہ میں اپنا اجتماع کیا اور علاقہ بھر کے روافض شامل جلسہ ہوئے۔نماز باجماعت میں **لاتو اکلوھم ولاتشاربواھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلو معھم** کو پس پشت ڈال دیا۔دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ سے جمع کیا ہوا کھانا کھایا، شومئ تقدیر سے پاک پانی بھی نصیب نہ ہوا، بلکہ ہندوؤں کے کنویں کا پانی جلسہ میں نوش کیا گیا جو کہ پلید و ناپاک تھا۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

کیا شیر اسلام کی ضد میں آ کر اعداء اسلام کے ساتھ اکل و شرب روا رکھنا اسلام اور اس کے مقدس نفوس اصحاب رسول ﷺ کی ناموس وعزت پر ایک ظالمانہ حملہ نہیں ہے؟ بخدا یہ حالات دیکھ،سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ایک عالم اہل السنۃ (کی مخالفت میں) دشمنانِ اصحاب رسول ﷺ کے ساتھ مجالست وموانست؟ توبہ توبہ! مسلمانانِ اہل السنۃ کے لیے یہ ایک نازک مرحلہ تھا اگر مقابل میں خالص شیعہ ہوتے تو علمائے اسلام مردانہ وار فوراً ان کے جلسہ میں جا کر جھپٹتے لیکن مقابلہ میں اپنے بھی نظر آتے تھے جن کے ساتھ ٹکراؤ مسلمانوں کے لیے سخت مضر تھا۔کیونکہ اس میں اغیار کی قلبی تمناؤں کی تکمیل تھی۔ان کے لیے تو یہ ایام عید سے کچھ کم نہ تھے لیکن افسوس کہ مولانا جسیالی نے دور اندیشی سے کام نہ لیا اور اپنی جگہ پر میدان خالی پا کر لاف زنی کر کے اعدائے دین کو خوش کرتے رہے کہ شیر پنجاب کیوں میدان میں نہیں آتے؟ میں میدان میں کھڑا ہوں۔یہ سن کر شیر اسلام نے ان کے پاس چار معتبر اشخاص کے ذریعے پیغام بھیجا کہ آپ ہماری طرف اپنا دستخطی رقعہ بھیج دیں، ہم فی الفور آپ کے جلسہ میں پہنچ جائیں گے لیکن ان کو اس کی جرأت نہ ہو سکی اور تحریر دینے سے صاف انکار کر دیا۔اسی دن مولوی جسیالی نے ایک خاص آدمی بھیج کر اپنے شاگرد رشید مولوی غلام خان صاحب فاضل ڈھابیل کو بھی راولپنڈی سے بلوالیا، وہ رستہ میں شیعوں کی سلامی لیتے ہوئے شام کو موضع بھیں میں پہنچ گئے۔افسوس کہ ان کو بھی تمام تفصیلی حالات کی اطلاع دی گئی تھی۔لیکن آپ نے بھی بلا غور وفکر اعدائے دین کی معاونت کا بوجھ اپنے سر اٹھالیا جس کی ان سے توقع نہ تھی، جلسے کے تیسرے دن تک چونکہ مولوی جسیالی بہت کچھ لوگوں کو دھوکا دے کر مناظرہ پر آمادگی ظاہر کر رہے تھے۔اس لیے تیسرے دن ۲، جون اتوار کی صبح کو حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب نے ان کو مناظرہ کے لیے چیلنج دیا اور لکھا کہ مناظرہ بعد نماز ظہر ۳ بجے شروع ہوگا اور ہم آپ کے جلسہ میں پہنچ جائیں گے۔اس چیلنج حق نے فریق مخالف میں ابتری ڈال دی۔

انہوں نے یقین کرلیا کہ اس بلائے بے درماں سے اب نجات مشکل ہے۔طوعاً وکرہاً چیلنج کو منظور کیا،شیر اسلام بعد از نماز ظہر علماء اہل السنۃ کے لشکر جرار کے ساتھ نہایت شوکت وحشمت سے گاؤں سے باہر نکلے، پیر صاحب ترمنوی اور شیر اسلام گھوڑوں پر سوار تھے،اسلامی جھنڈا لہرا رہا تھا اور درودیوار سے فتح ونصرت کے شادیانے بج رہے تھے۔نعرہ ہائے تکبیر اعداء اسلام کے سینوں میں تیر وتفنگ کا کام کررہے تھے۔ آتشبازی سے لوگوں نے فضاء میں ایک گونج پیدا کردی تھی اور ان کی ہیبت ناک آواز مخالفین کے دلوں پر بجلی گرا رہی تھی۔زمین پر چپہ چپہ اس حیرت ناک منظر کو دیکھ کر زبانِ حال سے پکار رہا تھا۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رَن ایک طرف چرخِ کُہن کانپ رہا ہے

شیر اسلام کی اس شیرانہ آمد کو دیکھ کر مخالفین سہم گئے۔جیش اسلام نے فریق مخالف کے بالکل متصل اسلامی جھنڈا اگاڑ دیا اور تمام لشکر رو بقبلہ ہو کر بیٹھ گیا کیونکہ مخالفین دوسری طرف پشت بہ قبلہ بیٹھے ہوئے تھے۔درمیان میں چوہدری صاحب......صدیقی سب انسپکٹر پولیس انتظام کے لیے بمع مسلح گارڈ پولیس کھڑے تھے۔انہوں نے حاضرین کو مخاطب کرکے نہایت سنجیدہ اور پُر مغز الفاظ سے فریقین کو پُر امن رہنے کی تلقین کی۔

مناظرہ کی کاروائی

شیر اسلام مولانا محمد کرم الدین صاحب کی طرف سے شرائط مناظرہ مدمقابل کے پیش کئے گئے فریق مخالف نے موضوع مناظرہ پنجائن پیش کیا تھا جس پر بحث منظور کی گئی۔اہل حق کی طرف سے یہ موضوع پیش ہوا کہ امام الروافض نے جو جنازہ سبی رافضیوں اور ہنود پرست بائیکاٹیوں کو شامل کرکے پڑھا، وہ جائز تھا یا ناجائز؟ فریق مخالف نے اس کو منظور کرلیا۔اہل سنت کی طرف سے مناظرہ کے لیے قاضی مظہر حسین فاضلِ دیوبند کا نام پیش کیا گیا اور معاون شیر اسلام قرار دیئے گئے اور صدر جناب پیر احمد غوث شاہ صاحب ترمنوی کو ٹھہرایا گیا۔مناظرہ کا نام سن کر مخالفین سٹ پٹائے اور کہنے لگے کہ مولانا احمد دین صاحب جسیالی شیر اسلام ہی سے مناظرہ کریں گے۔اس کے جواب میں مناظر اہل سنت نے کہا کہ مولانا جسیالی بھی فاضل دیوبند کہلاتے ہیں اور میں بھی فاضل دیوبند ہوں۔اس لیے مقابلہ کے لیے یہی جوڑ موزوں ہے۔شیر اسلام (مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ) سے تو مولانا جسیالی متعدد بار ہزیمت اٹھا چکے

تھے۔ نیز حضرت جسیالی پر آج سے بارہ سال پہلے شیر اسلام کی طرف سے نکاح پر نکاح پڑھنے کی وجہ سے ایک شرعی فتویٰ صادر ہو چکا ہے جو صحیح واقعات پر مبنی ہے اور انسٹھ برگزیدہ علماء کرام کی مواہیر ہیں، جن میں دربار تونسہ شریف، دربار سیال شریف اور دربار گولڑہ شریف کے علاوہ جناب مولانا حسین علی صاحب (واں بھچراں) کی بھی تصدیق موجود ہے جو مولانا غلام خان صاحب کے بھی شیخ ہیں، اس فتویٰ کا جواب آج تک شائع نہیں کیا گیا۔ مولانا جسیالی جب تک اس فتویٰ کا جواب نہ دے لیں، شیر اسلام کے مقابلہ میں نہیں نکل سکتے، اس کا جواب فریق ثانی سے نہ ہو سکا تو مولوی غلام خان صاحب نے بلا کسی ثبوت کے شیر اسلام کے خلاف یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر یہ بات ہے تو میں دو سو فتوے ان کے خلاف دکھا سکتا ہوں، اس پر ان سے پُرزور مطالبہ کیا گیا کہ دو سو نہیں (فقط) دو ہی دکھا دیں؟ بلکہ شائع شدہ ایک ہی فتویٰ پیش کر کے اپنے دعویٰ باطل کو ثابت کریں لیکن آخر تک وہ کوئی ایک فتویٰ بھی پیش نہ کر سکے۔ اور اپنی خلاف حقیقت بات پر مہر کر دی۔ فاضل دیوبند قاضی مظہر حسین صاحب بار بار مولوی جسیالی کو مناظرہ کے لیے للکارتے رہے لیکن وہ آنکھیں نیچے کر لیتے تھے، اسی سلسلہ میں فاضل دیوبند اور مولوی غلام خان صاحب کے مابین دو گھنٹہ تک بحث ہوتی رہی۔ اس دوران مولوی غلام خان صاحب نے بدحواسی کی حالت میں بعض ایسے الفاظ زبان سے نکالے جو بالکل غلط تھے۔ فاضل دیوبند نے یہ بھی کہا کہ میں شیر اسلام کی طرف سے وکیل ہوں اور ہار جیت کا ذمہ دار ہوں۔ مولوی صاحب جسیالی ہمت کر کے میدان میں نکلیں۔ اسی اثنا میں مولوی جسیالی نے کھڑے ہو کر آیت حُرمت علیکم امھاتکم پڑھی تو فاضل دیوبند نے کہا ''مولوی صاحب یہ بتایئے کہ امہات اور اُمات میں کیا فرق ہے؟ اس پر مولوی صاحب اور بھی زیادہ مرعوب ہو گئے اور دونوں مولوی صاحبان سے اس علمی سوال کا جواب اختتام مناظرہ تک نہ ہو سکا، جس سے تمام حاضرین نے سمجھ لیا کہ فاضل دیوبند سے مناظرہ کرنے کی فریق مقابل کو ہرگز جرأت نہ ہو سکی، مولوی صاحب جسیالی کے بے حد اصرار پر شیر اسلام (مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ) جوش میں آئے اور حریف کو للکارا کہ آیئے شیر میدان میں نکلا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ آپ کا پردہ ڈھکا رہے لیکن آپ خود ہی اپنی عزت وشہرت کو خاک میں ملانا دیکھنا چاہتے ہیں، شیر کی گرج سے میدانِ مناظرہ گونج اُٹھا، مولوی جسیالی کا چہرہ تبدیل ہو گیا، نہ جائے ماندہ نہ پائے رفتن۔ یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس سے پہلے دو دن شدت کی گرمی تھی۔ مخالفین دو دن گرم لُو میں پڑے تھے جس نے ان کے دل ودماغ کو پراگندہ کر دیا تھا یہ لُو نہیں تھی بلکہ آسمانی عذاب تھا جو دشمنان صحابہؓ کی معاونت کی پاداش میں نازل ہوا

تھا۔ بروز مناظرہ آسمان ذرا دھندلا سا ہو گیا تھا، ہوا بھی چلتی رہی۔ لیکن شیر اسلام آئے اور رحمت ایزدی بھی ساتھ لائے آپ کا مناظرہ کے لیے کھڑا ہونا تھا کہ آسمان نے رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ بادو باران کا تانتا بندھ گیا جس کی وجہ سے تقریباً نصف گھنٹہ تک مناظرہ رُکا رہا۔ اسے کہتے ہیں فضل خداوندی، کیوں نہ ہو کہ جب شیر اسلام صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی ناموس کے تحفظ کے لیے میدان میں نکلے تھے، نزولِ رحمت ہی جماعت اہل السنۃ کی صداقت کے لیے کافی ثبوت ہے۔ شیر اسلام کی طرف سے مزنیہ کی لڑکی بھی مجلس عام میں پیش کی گئی، جس کا اب سے چار سال پہلے زانی سے ایک مولوی نے پڑھایا تھا وہ اب بھی ننھی بچی تھی اس کو دیکھ کر حاضرین کو یقین ہو گیا کہ محمد عرفان کا اس سے نکاح کرنا محض اس بناء پر تھا کہ اُن کے اس عمل شنیع پر پردہ پڑ جائے، ورنہ یہ اس کے قابل نہ تھی۔ فاضل بھیں شیر اسلام نے آخری تقریر میں اٹھتے ہی یہ برجستہ شعر اس عجیب انداز میں پڑھا کہ مخالف پر سانپ لوٹ گئے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار اُن سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

سچ ہے ضعف میں بھی شیر کی شیرانہ خو نہیں جاتی۔ آپ نے نہایت زوردار الفاظ میں اپنے دعویٰ کو ثابت کیا اور فرمایا کہ مزنیہ کی لڑکی سے زانی کا نکاح ہرگز درست نہیں ہو سکتا، اور جب وہ پہلا نکاح ہی کالعدم ہے تو پھر محمد عرفان اور عنایت بی بی کا نکاح صحیح، صحیح۔ اس پر بے ساختہ حاضرین کی زبان پر بھی صحیح، صحیح کے الفاظ جاری ہو گئے۔ شیر اسلام کی آخری باطل سوز تقریر ہو چکی تو پھر بارانِ رحمت برسنے لگی۔ شیر اسلام نے فرمایا کہ حرمت مصاہرت کے لیے تو قبل و لمس بھی کافی ہے چہ جائیکہ زنا ہو۔ آپ نے فقہ کی چار معروف کتابوں کے حوالے بھی پیش کیے۔

① فتاویٰ قاضی خان ② کنز الدقائق ③ ہدایہ ④ شامی۔ یہ چار کتابیں نہ تھی بلکہ چار یاری جھنڈا بلند ہوا جس کی روافض اور ان کے معاونین تاب نہ لا سکے، یہ دیکھ کر مولوی جسیالی مایوس ہو گئے۔ آخر شیر اسلام کروفر کے ساتھ نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں نصرت کا پھریرا اڑاتے واپس ہوئے، مخالفین بدحواسی میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیر اسلام گھوڑی پر سوار تھے۔ حضرت جسیالی اور ان کے معاونین زبانِ حال سے کہہ رہے تھے: یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا۔[1]

---

[1] حکیم غلام محی الدین ساکن دیالی (چشم دید مناظرہ بھیں) مورخہ ۳، جون ۱۹۴۰ء، مطبوعہ، ہمدرد سٹیم پریس راولپنڈی

سلسلۂ نزولِ حوادث

❀ آبائی گاؤں میں ایک خطرناک تنازعہ، وجہِ نزاع، مخالف کا قتل اور قائد اہلِ سُنّت رحمہ اللہ کی طویل اسیری

❀ غازی منظور حسین کے ہاتھوں کھیم چند کا قتل، جدوجہدِ آزادی میں ناقابل فراموش کردار، اور غازی صاحب کے سانحہ شہادت کا ایمان افروز تذکرہ

گم ہوئے مجھ سے میرے لختِ جگر
جن کی تھی دُشوار قیمت سے خرید

[مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر]

❀❀❀❀

ایک ناخوش گوار حادثہ (جولائی ۱۹۴۱ء)
ابتداء سے انتہاء تک مکمل تفصیل

قضیّہ نکاح اور مخالفین کے جلسۂ تہمت کے ٹھیک ایک سال بعد اپنے موضع بھیں میں ایک مزید ناخوش گوار سانحہ پیش آ گیا، یہ جولائی ۱۹۴۱ء کا ناقابل فراموش واقعہ ہے جس نے اپنے بطن سے مسلسل چند مزید ایسے حوادثات کو جنم دیا کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مگر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو قدم قدم پر منجانب اللہ صبر وشکر اور تسلیم ورضا کی ایسی دولت ودیعت ہوچکی تھی کہ آپ ہی کے ارشاد کے مطابق کہ طویل ترین زمانہ ابتلاء میں کسی ایک دن میں طبیعت بے قرار یا مضطرب نہ ہوئی۔ اس واقعہ کی ابتداء یوں ہوئی کہ موضع بھیں میں ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنی موروثی زمین کے ایک قطعہ پر بنا ہوا کمرہ نبی بخش میراثی کو رہائش کے لیے دے رکھا تھا۔ نبی بخش میراثی گاؤں کا ایک غریب آدمی تھا اور وہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے گھر کے بیرونی کام کاج اور کھیتی باڑی کی حفاظت کیا کرتا تھا، اس لیے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اسے گذر بسر کے لیے کمرہ نما گھر دے رکھا تھا، کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ چوھدری شیر خان نامی ایک آدمی نے نبی بخش میراثی کو بزورِ بازو کمرے سے نکال دیا اور اپنا تالا لگا کر گویا قبضہ کرلیا، یہ چوھدری شیر خان شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور مذہبی دشمنی میں جب اس قسم کی حق تلفی کے واقعات پیش آتے ہیں تو مزاحمت بھی کسی قدر شدید ہوتی ہے۔ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین کو جب پتہ چلا تو آپ نے یہ بات اپنے بڑے بھائی غازی منظور حسین صاحب اور والد گرامی کو آ کر بتائی جس پر غازی منظور حسین صاحب نے جا کر وہ تالا توڑ دیا اور اس کی جگہ اپنا تالا لگا دیا اور للکار کر فرمایا کہ ایک شیعہ فرد کو جرأت کیسے ہوئی کہ وہ ہماری خاندانی زمین پر بنے ہوئے کمرے سے ہمارے خانگی ملازم کو نکال باہر کرے اور تالا لگا کر قبضہ جمالے؟ خصوصاً شیعہ فرقہ سے متعلقہ آدمی، جو جانتا ہے کہ ہمارا خاندان مناظرہ ومجادلہ میں اہل تشیع کے عقائد کا قلع قمع کرتا چلا آ رہا ہے۔ غازی منظور حسین صاحب کا گمان یہ تھا کہ جب بات چیت کا مرحلہ آئے گا تو ہم یہ ٹکڑا زمین واپس لے لیں گے، ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ نبی بخش میراثی نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے ساتھ احسان فراموشی کرتے ہوئے

جان بوجھ کر چوھدری شیر خان شیعہ کے ہاتھ کمرہ فروخت کر دیا تاکہ وہ شام کو اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر یہاں گپ شپ کیا کرے۔ بہر حال تیسرے چوتھے دن جب کہ غازی منظور حسین اور قائد اہل سنت گاؤں سے باہر زرعی رقبے پر گئے ہوئے تھے تو چوھدری شیر خان اپنے چند دوستوں کے ساتھ آیا اور اس نے غازی منظور حسین صاحب کا لگایا ہوا تالا توڑ کر دوبارا اپنا تالا لگا دیا۔ اس مقصد کے لیے اُس نے قریبی معروف گاؤں پادشہان سے ایک بہادر جوان مہدی خان کو بھی بلا لیا تھا، یہ مہدی خان سُنی العقیدہ تھا مگر اس کی دوستی شیر خان شیعہ کے ساتھ تھی۔ بلکہ یہ ایک ہی برادری سے متعلق تھے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مہدی خان نامی اس جوان کی بہادری اور جرأت مندی کو دیکھ کر غازی منظور حسین صاحب نے اس کو اپنی جہادی جماعت ''خدام الاسلام'' کا رُکن بھی بنایا ہوا تھا۔ یعنی غازی صاحب کے ساتھ اس کے قریبی مراسم تھے۔ مگر برادری کی زنجیر نے اسے غازی صاحب کے مقابلہ پر لا کھڑا کیا تھا۔

غازی صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی یعنی قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو پابند کر دیا کہ وہ گاہے ماہے مکان کا چکر لگاتے رہیں اور خود قصبہ سے باہر چلے گئے۔ وقوعہ کے روز یوں ہوا کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کے ہمراہ ٹیکسلا کے سفر پر روانہ ہونا تھا، یہ سفر بہت اہم تھا، کیونکہ وہاں سُنی شیعہ ایک مسجد کے سلسلہ میں جھگڑا ہوا تھا جس کا مقدمہ عدالت میں زیر سماعت تھا، وہاں عدالت میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے شیعیت کے خلاف دلائل پیش کرنے تھے اور بوجہ ضعف و پیرانہ سالی پسرِ ہونہار کا ہمراہ ہونا لازمی تھا جو ہر دینی و تبلیغی مشن پہ ساتھ جاتے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ شیعہ فرقہ نے اسی سفر کو التواء میں ڈالنے کے لیے یہ جھگڑا پوری منصوبہ بندی سے کھڑا کیا تھا، سفر پہ روانگی والے دن قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو تیز بخار بھی تھا، بعد نماز ظہر گھر سے نکلنے کا ارادہ تھا تاکہ شام تک ٹیکسلا پہنچ کر رات کو آرام کر سکیں اور اگلی صبح حسبِ پروگرام عدالت میں حاضر ہو سکیں۔ چنانچہ قبل از ظہر قائد اہل سنت رحمہ اللہ بخار کی حدت کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے سو گئے، کہ ایک خاتون نے آ کے خبر دی کہ شیر خان مع ہمراہیان آ کر بیٹھ گیا ہے اور آپ کو بلا رہا ہے، حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ ان سے گفتگو کرنے کے لیے چلے گئے اور جاتے ہوئے احتیاطاً برچھی بھی اٹھا لی، اس زمانہ میں آپ تلوار یا برچھی اکثر و بیشتر اپنے پاس رکھتے تھے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ چلے جانے کے بعد جب کافی دیر تک واپس نہ لوٹے تو مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں لڑائی نہ ہو گئی ہو۔ اور ان کا خدشہ درست تھا، چنانچہ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے ملک ستار محمد اور فتح دین نامی دو اشخاص کو جائزہ لینے کے لیے روانہ کیا، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ جگہ اور مکان ہمارا ہے تو آپ نے کیوں اس پر قبضہ کر

رکھا ہے؟ اس بات چیت کے دوران مہدی خان نامی جوان نے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ پر لاٹھی سے حملہ کر دیا جو آپ نے خندہ جبینی سے سہہ لیا کہ معاملہ طُول نہ پکڑے، مگر اس نے اسے آپ کی بزدلی پر محمول کرتے ہوئے سر پر دوسرا وار کر دیا، ظاہر ہے کہ اب بات برداشت سے باہر نکل چکی تھی اور پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تھا، حضرت قائد اہل سنت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اپنا دفاع کرتے ہوئے برچھی سے اس پر جوابی وار کیا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے پیچھے سے دوسرا وار کیا تو وہ زخمی ہو کر گر پڑا اور منت سماجت کرنے لگا کہ مجھے معاف کر دو۔ جس پر آپؒ نے اُسے وہیں چھوڑ دیا اور وہ زخموں سے نڈھال اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا کہ اس کے دوست اسے قریبی ہسپتال واقع تھانہ ڈوھمن لے گئے جہاں اس نے دم توڑ دیا اور انتقال کر گیا۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے ایک مطبوعہ مضمون میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم فرمایا تھا:

''شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد مَیں اپنے وطن موضع بھیں تحصیل چکوال میں ہی مقیم رہ کر وقتاً فوقتاً سنی دیوبندی مسلک کی تبلیغ کے لیے علاقہ بھر میں جلسے کرتا رہا، ہمارا علاقہ اکابر دیوبند سے آشنا نہ تھا۔ رفض و بدعت کے اثرات پھیلے ہوئے تھے چکوال شہر میں بھی صرف چند گنے چنے افراد اکابر دیوبند سے عقیدت رکھتے تھے۔ الحمدللہ ان جلسوں کے ذریعے عوام اکابر دیوبند کے مسلکِ حق کو سمجھنے لگ گئے تھے کہ اچانک اپنے گاؤں میں ایک متنازعہ مکان کے بارے میں ہماری لڑائی ہو گئی، مخالف فریق کا سرغنہ ایک چوہدری تھا جو اہل تشیع سے تعلق رکھتا تھا، چوہدری صاحبان سے قرابت داری کی وجہ سے دوسرے گاؤں کا ایک قدآور سُنی لڑکا بھی اس کی حمایت میں آ گیا تھا۔ اس نے مجھ پر حملہ کرنے میں پہل کی جس سے میں زخمی ہو گیا لیکن میری دفاعی ضرب سے وہ شدید زخمی ہو کر بھاگ نکلا، میں نے اس کا تعاقب کیا تو اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں نے اسے چھوڑ دیا اور فریق مخالف کے چند اور ساتھی سرغنہ سمیت بھاگ گئے اور وہ وہاں انتقال کر گیا **انا للہ وانا الیہ راجعون**، حق تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور جنت نصیب ہو (آمین) غالباً یہ جون، جولائی ۱۹۴۱ء کا واقعہ ہے۔''[۱]

---

[۱] مظہر حسین قاضی مولانا، قائد اہل سنت/ مکاتیب شیخ الادب نمبر صفحہ ۱۶، ماہ نامہ حق چار یار لاہور بابت فروری ۲۰۰۰ء۔

اس سانحہ قتل کے بعد اہل تشیع کو مزید ایک موقع ہاتھ آ گیا اور ان کی ساری تگ ودو اس امر پر وقف ہو کر رہ گئی کہ اب یہ سارا خاندان پسِ دیوارِ زنداں چلا جائے۔ یاد رہے کہ تینوں باپ بیٹے اپنی اپنی جگہ پر خدمات دین کے حوالہ سے مستقل ایک ادارے کا کام کر رہے تھے۔ اس لیے اس خاندان پر اپنے انتقام کی آگ بجھانا دشمن کی فطری وجبلی تمنا پر مبنی تھا۔ حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی اب تک کی پوری زندگی فرقہائے باطلہ کے سدباب میں گذری تھی، قائد اہل سنت بھی اپنے والد صاحب قبلہ کے نقشِ قدم پر تھے اور غازی منظور حسین نے ''خدام الاسلام'' نامی ایک پارٹی بنا رکھی تھی جو علاقہ میں ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف مسلم نوجوانوں کو ہمہ وقت بیدار رکھتی تھی۔ اس لیے ان سب کو اس مقدمۂ قتل میں پھنسا کر اس پورے جہادی سسٹم کو متاثر کرنے کی مذکورہ کوششیں بہرحال کسی نہ کسی درجہ میں وقتی طور پر کامیاب ہو بھی گئی تھیں، جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے۔ غازی منظور حسین صاحب اس لڑائی میں قطعاً شریک نہیں تھے بلکہ وہ تو اپنے گاؤں ہی میں موجود نہ تھے، اور زرعی زمینوں پر گئے ہوئے تھے اور لڑائی ختم ہونے کے بعد وہ واپس آئے تھے۔ وقوعہ کے دوسرے روز تھانہ ڈوہمن کا تھانیدار جس کا نام چوہدری محمد صدیق تھا، بھیں میں وارد ہوا اور اس نے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ سمیت مزید تین افراد ملک ستار محمد، فتح دین اور محمد اکبر کو گرفتار کیا اور ہتھکڑیاں لگا کر تھانہ ڈوہمن لے گئے۔ ان چاروں حضرات کو دفعہ ۳۰۲ کے تحت گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا تھا جنہیں اولاً چکوال حوالات میں اور وہاں سے جہلم لے جایا گیا، جہاں سیشن جج جہلم نے عمر قید کی سزا سنا دی، اس زمانہ میں عمر قید کے سزا یافتہ کو ۲۰ سال قیدی تصور کیا جاتا تھا، جس میں سے ۱۴ سال قید بامشقت کاٹنی پڑتی تھی۔ اس کیس میں ایک دوسرا اور مستقل موضوع یہ بھی تھا کہ مقتول مہدی خان، جو قائد اہل سنت کی ضرب کاری سے زخمی ہوا تھا اس سے نزاعی بیان یہ دلوایا گیا کہ میں غازی منظور حسین کی برچھی سے مضروب ہوا ہوں، یہ نزاعی بیان دینے کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ جبکہ غازی صاحب سرے سے وہاں موجود ہی نہ تھے۔

غازی منظور حسین کی عبوری ضمانت اور کھیم چند نامی ایس ڈی او کا قتل

غازی منظور حسین عبوری ضمانت ہو جانے کی وجہ سے واپس گھر آ گئے تھے اور قائد اہل سنت مع اپنے تین رفقاء حوالۂ زنداں کر دیئے گئے۔ یہ ایک بہت بڑا ابتلا تھا جس سے اس کبر سنی کے عالم میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو گذرنا پڑ رہا تھا، حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے مقدمہ کے سلسلہ میں وکلاء سے مشاورت کا عمل جاری تھا کہ اس دوران ایک اور بڑا واقعہ پیش آ گیا، اور وہ تھانہ ڈوھمن کے ایس ڈی او

کا قتل تھا مگر اس کی تفصیل سے قبل غازی منظور حسین رحمہ اللہ کا تعارف ضروری ہے، پھر اسی ضمن میں اس مقدمہ کی بقیہ داستان بھی درج کر دی جائے گی اور کھیم چند ایس ڈی او کے قتل کی تفصیل بھی پیش ہوگی۔

غازی منظور حسین کا تعارف

غازی منظور حسین صاحب کی ولادت ۱۹۰۸ء میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی ولادت سے چھ سال قبل ہوئی تھی۔ بچپن ہی سے وہ اپنے خاندان میں ''مولوی صاحب'' کے لقب سے مشہور تھے۔ گارڈن کالج راولپنڈی میں زیر تعلیم رہے، B.A تک ہر کلاس میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتے رہے۔ لمبے قد، وجیہہ چہرے اور چوڑے سینے، نیز ذہانت وفطانت کی دولت سے مالا مال غازی منظور حسین اپنے عظیم والد گرامی کی تصویر تو تھے ہی مگر شجاعت و بہادری میں بھی اپنی ایک الگ شناخت رکھتے تھے۔ بچپن ہی سے ان کی طبیعت پر جذبۂ جہاد کا غلبہ رہتا تھا، بلاناغہ ورزش کے عادی تھے۔ سادہ مگر دیسی خوراک کا معمول تھا، بہادر نوجوانوں کی تلاش میں رہتے تھے اور ان کو اپنے حلقہ اثر کا کارکن بنا دیتے تھے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ اپنے بڑے بھائی کا شخصی خاکہ یوں پیش کرتے ہیں:

> ''انہوں نے ورزش کے ذریعے اپنا جسم بہت مضبوط بنا لیا تھا، کالج میں ہی پرنسپل کی کار کو کندھا لگا کر روکنے کا مظاہرہ کیا تھا، ننگی چھاتی پر ہتھوڑی سے ضربیں لگواتے تھے اور نصف انچ موٹا سریا اپنے بازو پر لپیٹ لیتے تھے، بہت زیادہ نڈر اور دلیر تھے، کالج کے ایام میں تو داڑھی منڈواتے تھے، بعد میں داڑھی رکھ لی تھی اور دارالعلوم سے واپس آ کر جب میں نے ان کو حضرت مدنی قدس سرہ کے حالات اور ارشادات سُنائے تو غائبانہ طور پر حضرت کے بہت زیادہ معتقد ہو گئے تھے، کھدر پوش بن گئے، ہر وقت انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے رہتے تھے اور ان کا اصل مقصد شہادت کا حصول تھا جو الحمد للہ بفضلہٖ تعالیٰ نصیب ہو گیا۔ مولوی صاحب باضابطہ عالم تو نہ تھے لیکن کالج میں چونکہ عربی لی ہوئی تھی اس لیے قرآن کریم کا ترجمہ ان کے لیے آسان ہو گیا۔ مجھ سے ہدایہ اولین کے کچھ اسباق پڑھے تھے، فرماتے تھے کہ ہم نے کالج میں فلسفہ بھی پڑھا لیکن علم تو ان کتابوں میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس دور میں مولوی صاحب مرحوم گویا حضرت شاہ اسماعیل شہید ثانی تھے۔''[1]

---

[1] مکاتیب شیخ الادب نمبر صفحہ ۱۸، ماہنامہ حق چار یار لاہور، فروری ۲۰۰۰ء۔

غازی منظور حسین صاحب اگرچہ تعلیمی اور ماحول کے اعتبار سے عصری اداروں میں پلے بڑھے تھے، مگر گھر اور خاندان کی اسلامی و مذہبی تربیت نیز مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی آغوش اور رنگینیٔ بہار میں جھولے جھولنے کی وجہ سے اُن کا مزاج خالص اسلامی، تبلیغی، اصلاحی اور جہادی بن چکا تھا۔ اس لیے انہوں نے مولانا دبیر رحمہ اللہ کی سرپرستی میں ''خدام الاسلام'' کے نام سے ایک عسکری جماعت بھی بنا رکھی تھی جس کا دستور العمل ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ میں مطبع ہمدرد سٹیم پریس راولپنڈی سے شائع ہوا تھا۔ اس کتابچہ کی کتابت قاضی عبدالحق طاؤس نے کی تھی اور ۵۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا تھا۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں اس پارٹی کا ''فوج محمدی'' نامی پارٹی سے الحاق ہو گیا تھا۔ فوج محمدی میانوالی، کالاباغ اور سرگودھا کے عسکری مزاج نوجوانوں پر مشتمل جماعت تھی جسے بھیرہ کے بگوی بزرگوں کی سرپرستی حاصل تھی۔

تھانہ ڈوہمن پر حملہ کرنے کی نیت اور حضرت مولانا کرم الدینؒ کی جانب سے مدبرانہ اصلاح

غازی منظور حسین اور قاضی مظہر حسین دونوں بھائیوں کے مابین محبت اور تعلق مثالی تھا دونوں ہی اخلاص و مروّت، علم و عمل اور شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ جب حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو مع رفقاء ہتھکڑیاں لگا کر تھانہ ڈوہمن لے جایا گیا تو غازی منظور حسین صاحب کے لیے یہ ایک جگر گداز سانحہ تھا، آپ اپنے معصوم طبیعت کے چھوٹے بھائی کو اس حالت میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے، چنانچہ غازی صاحب نے اپنے دوستوں کے ساتھ مشورہ کیا جس میں طے پایا کہ تھانہ ڈوہمن پہ حملہ کر دیا جائے اور بزورِ بازو برادر مکرم کو رہا کروا کر علاقہ غیر کی طرف سفر اختیار کر لیا جائے، یہ بہت خطرناک پروگرام تھا اور پہلی آمدہ مصیبت میں کئی گنا اضافہ اپنے ہاتھوں کرنے کے مترادف تھا کہ گاؤں کے چند سمجھ دار لوگوں نے حضرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو اطلاع کر دی، آپؒ نے سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ تم دونوں بھائی تو یہاں سے دور کہیں چلے جاؤ گے، مگر اپنے بوڑھے والدین، خاندان اور موضع کے دیگر لوگوں کے متعلق بھی سوچو کہ اُن پر کیا گذرے گی؟ یہ غیر دانشمندانہ فیصلہ ہے، لہٰذا اس سے دستبردار ہو جاؤ، اور قانون کے مطابق مقدمہ کا سامنا کر کے نورِ نظر مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو رہا کروانے کی جدوجہد کی جائے۔ چنانچہ غازی منظور حسین صاحب نے اس وقت تو یہ فیصلہ منسوخ کر دیا، مگر جو مقدر ہو چکا تھا اس نے بہرحال اپنے پَر پھیلانے تھے، پھر وہی ہوا جس کا حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو خدشہ تھا، آپ کی تو پوری زندگی علمی ہتھیاروں سے لیس ہو کر مرزائیت و

رافضیت کے تعاقب میں گذری تھی، لیکن اب مخصوص حالات اور لوگوں کے مسلسل منفی رویوں نیز ہندو ایس ڈی او، کھیم چند کے نہایت غیر محتاط جملوں نے غازی صاحب کو اسی نوبت پر پہنچا دیا، جس کا مولانا دبیر رحمہ اللہ کو خدشہ تھا۔ چنانچہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے مقدمہ قتل کی سماعت چوہدری کھیم چند، ایس ڈی او چکوال کے پاس تھی، وہ اس سلسلہ میں ڈوھمن ریسٹ ہاؤس ٹھہرا ہوا تھا، اور وہیں پر حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو مع رفقاء چکوال سے یہاں لایا گیا تھا، ادھر بھیں سے غازی منظور حسین صاحب بھی اپنے والد گرامی مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ہمراہ ڈوھمن ریسٹ ہاؤس پہنچ چکے تھے۔ حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے وکیل کا نام قاضی غلام احمد تھا جو چکوال شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ سماعت کے بعد ایس ڈی او نے غازی صاحب کی عبوری ضمانت منظور کی اور آئندہ کی تاریخ مقرر کر دی مگر اس دوران کھیم چند نے انگلش میں ہڑبڑانا شروع کر دیا، اس کو علم نہیں تھا کہ غازی منظور حسین انگلش سمجھنے اور بولنے پر مکمل قادر ہیں، کہا جاتا ہے کہ اُس بدبخت نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں غیر مودبانہ اور نامناسب الفاظ کہے تھے، جس کا جواب غازی صاحب نے انگلش ہی میں دیا کہ ”تجھے اگلے چار دن کے اندر ہی جواب مل جائے گا۔“[1]

لیکن قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا کہنا تھا کہ ریسٹ ہاؤس میں قبلہ والد صاحب، کھیم چند (ایس ڈی او) بھائی منظور حسین اور ہمارے وکیل قاضی غلام احمد صاحب مرحوم کی گفتگو میں کچھ ایسا شور سا تھا کہ میں اپنے بھائی صاحب سے ایسے الفاظ نہیں سُن سکا۔ کیا کھیم چند نے واقعی نبی علیہ السلام کی شان اقدس میں بے ادبی کی تھی؟ اس کے جواب میں ایک اور حوالہ بھی ہمیں تاریخی ریکارڈ سے ملتا ہے، ایک معاصر صاحب علم کا کہنا ہے کہ:

> ”راقم الحروف کو پہلی دفعہ ملک عبدالکریم (پنڈی بھٹیاں) نے بتایا کہ ایس ڈی او مذکور گستاخی رسول ﷺ کا مرتکب ہوا تھا، طرزِ گستاخی کیا تھی؟ اور اس نے یہ وطیرہ کب سے اختیار کر رکھا تھا؟ اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ تاہم یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس کمینہ فطرت و دہن دراز ہندو نے شان رسالت مآب ﷺ میں بے ادبانہ الفاظ بکے ہوں گے کیونکہ کھیم چند ایس ڈی او چکوال ایک متعصب ہندو تھا اور اس بدطینت کو مہاشہ راج پال آریہ سماجی (جسے غازی علم الدین شہید نے واصلِ جہنم کیا تھا) کا رشتہ دار بتایا جاتا ہے۔“[2]

---

[1] عبدالوحید حنفی، حافظ۔ ہفت روزہ شاہ مراد چکوال، ۱۲، ستمبر ۱۹۹۰ء

[2] محمد کمال / ماہ نامہ ضیائے حرم / اکتوبر ۱۹۸۹ء

علاوہ ازیں معروف شاعر سرور میواتی کی ایک نظم سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ آنجہانی ایس ڈی او اسلام کا شدید ترین دشمن اور مسلمانوں کے حق میں بہت ہی متعصب تھا، ان کی نظم کے یہ اشعار اس حوالہ سے بہت مشہور ہیں۔

کھیم چند ایک خبیث ومتعصب کافر نفرت وبغض وتکبر کے ہنر کا ماہر
شانِ سرکارؐ کا گستاخ ولعین وفاجر دستِ منظور سے پہنچا وہ جہنم آخر

ان شواہدات سے یہ دعویٰ پایۂ حقیقت کو پہنچتا ہے کہ کھیم چند متعصب قسم کا انسان تھا، اور کوئی بعید نہیں ہے کہ اس نے گستاخانہ کلمات کہے ہوں اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ غازی منظور حسین جیسے مرد مومن اور مرد آہن نے اسے ''اس کا جواب تمہیں چار دنوں میں مل جائے گا'' کہہ کر انجام تک پہنچانے کی دھمکی بھی دی ہو۔ تاہم یہ بات احتمال کی حد تک ہی کیوں نہ ہو، مگر اس کا کوئی انکار کرے تو کیسے کرے کہ چند دنوں کے بعد واقعی غازی صاحب نے کھیم چند کو قتل کر دیا۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

کھیم چند پر حملہ کیسے ہوا؟

جون ۱۹۴۱ء کے ابتدائی دنوں میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ہاتھوں مکان والے تنازعہ پر مہدی خان نامی نوجوان شدید مضروب ہو کر بعد ازاں فوت ہوا تھا جس کی پاداش میں آپ دفعہ ۳۰۲ کے تحت سزا کاٹ رہے تھے اور اب ماہ جون ۱۹۴۱ء کے آخری دنوں میں ایس ڈی او کھیم چند کا قتل ہو گیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ کھیم چند تھانہ ڈوھمن کے ڈاک بنگلہ میں رات کو آ کر اپنی بیوی کے ہمراہ ٹھہرا ہوا تھا، غازی منظور حسین اس کے معمولات کی کڑی نگرانی تو کر ہی رہے تھے، یہ شدید گرمی کا موسم تھا، غازی صاحب اپنے جگری دوست ماسٹر عبد العزیز کے ہمراہ تھانہ ڈوھمن کے ڈاک بنگلہ پہنچے اور چار دیواری سے جھانک کر دیکھا تو کھیم چند گہری نیند کے مزے لے رہا تھا اور ساتھ والی چارپائی پر اس کی بیوی محوِ آرام تھی۔ غازی منظور حسین نے اپنے ریوالور سے اس کی پیشانی پر فائر کیا تو ساتھ ہی ماسٹر عبد العزیز نے اپنی برچھی سے سات وار کیے جس سے کھیم چند کا چراغِ حیات گل ہو گیا۔ ساتھ سوئی ہوئی اس کی بیوی کو کچھ نہ کہا کہ وہ بے گناہ تھی، مگر یہ غازی منظور حسین کی دھاک تھی یا خدا جانے کیا معاملہ تھا کہ بعض بتانے والے بتاتے ہیں کہ پسٹل کے فائر کی آواز اور یکے بعد دیگرے برچھی کے واروں کے باوجود اس ساری کارروائی میں مقتول کی بیوی سوئی رہی۔ اب عقلاً یہ تسلیم کرنا محال ہے کہ وہ اس قدر خوابِ خرگوش میں تھی کہ اسے پتہ ہی نہ چلا اور اگر وہ خوف کی وجہ سے سہمی پڑی رہی اور اپنی آہ وبکاء پر کنٹرول رکھا تو یہ بہر حال

ایک خاتون ہونے کے ناطے اس کے برقرارئ حواس کو داد ہے۔

غازی منظور حسین اپنا کام کر چکے تھے۔ غازی صاحب رات ہی کو پیدل وہاں سے چل کر قصبہ بھون پہنچ گئے جب کہ ماسٹر عبدالعزیز صاحب سیدھا اپنے گھر پہنچے اور جا کر سو گئے، اگلی صبح حسب معمول اپنے اسکول چلے گئے، مگر آج خلافِ عادت وہ اپنی کلاس روم میں کُرسی پر بیٹھے مختلف خیالات میں ہی گم رہے، وقوعہ کے فوراً بعد ہر طرف تھرتھلی مچ گئی کہ ایس ڈی او کا قتل ہو گیا ہے۔ تمام سی آئی ڈی کے رپورٹروں نے یہ بیانات نوٹ کروائے کہ ہو نہ ہو یہ قتل مولانا قاضی مظہر حسین کے بڑے بھائی غازی منظور حسین نے کیا ہے۔ کیونکہ ان کے چھوٹے بھائی کا مقدمہ بھی کھیم چند کے پاس زیر سماعت تھا، نیز چند دن قبل والی پیشی کے موقع پر غازی منظور حسین کی آنجہانی ایس ڈی او سے تلخ کلامی بھی ہو چکی تھی، اس کے علاوہ قصبہ ڈھمن، کدلتھی، پادشہان، امیر پور منگن اور ڈھوک کمال وغیرہ سے متعدد ہندو اور سکھ جمع ہونے لگے، کیونکہ غازی منظور حسین سے ہندو اور سکھ بہت نالاں رہتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنے قصبوں دیہاتوں میں جب غازی صاحب نے دیکھا کہ ہندو لوگ مسلمان تاجروں اور دکانداروں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں اور سودی قرضوں میں سادہ لوح مسلمانوں کو جکڑ کر ان سے سُود در سُود لے کر دین و دنیا برباد کرتے ہیں تو آپ نے ہندوؤں کے اس ظلم کے خلاف بڑے پیمانہ پر تحریک چلائی تھی جس نے ہندو کھتریوں کو درد و الم کے بھنور میں بری طرح پھنسا دیا تھا، دوسری جانب سکھوں کو ۱۹۳۹ء میں ہونے والے واقعے پر کافی غصہ تھا، جب اُن کا مذہبی جلوس بھیں کی مسجد ملہاراں کے قریب سے گذرنے لگا اور مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اس وقت جمعۃ المبارک کی نماز سے قبل وعظ کر رہے تھے، غازی صاحب نے سکھوں کا جلوس روکنا چاہا اور کہا کہ یا نماز جمعۃ المبارک کے بعد یہاں سے گزریں یا پھر بغیر نعرہ بازی اور شور و شرابا کے خاموشی کے ساتھ گزر جائیں، مگر سکھوں نے دونوں شرطیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ غازی صاحب جو کہ نمازیوں کے ہمراہ مسجد کے صحن میں کھڑے تھے، سکھوں نے مسجد میں پتھر پھینکنا شروع کر دیئے تو جواب میں مسلمانوں کو بھی غازی منظور حسین صاحب نے حکم دیا کہ پتھروں کی بارش کر دو، چنانچہ اس سنگ باری میں سکھوں کے بہت سارے لوگ زخمی ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے غیظ و غضب کی آتش سکھوں کے دلوں میں بھی خوب شرارے مار رہی تھی چنانچہ ان سب نے مطالبہ کیا کہ غازی منظور حسین کو فوراً گرفتار کیا جائے جنہوں نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے اور نوبت

بایں جا رسید کہ اب حاضر سروس ایس ڈی او کو قتل کر دیا ہے۔ غازی صاحب کو گرفتار کرنے کے لیے پولیس کے دستے بھیں پہنچنا شروع ہو گئے اور اُس زمانہ کی کچھ دھندلی یادیں رکھنے والے لوگوں کے بیان کے مطابق پولیس نے گھروں میں گھس کر چادر و چار دیواری کا بہت بری طرح تقدس پامال کیا، اس خیال کے پیشِ نظر کہ غازی صاحب کسی کے گھر میں روپوش ہوں گے پولیس نے پورے گاؤں کی ناکہ بندی کر کے ہر گھر کے ایک ایک کمرے کو چھان مارا، جانوروں کو چارہ دینے والی کُھرلیوں، مرغیوں کے ڈربوں اور تندوروں تک میں تاک جھانک کرتے رہے مگر غازی صاحب بھیں میں تھے ہی نہیں تو وہ ہاتھ کیسے آتے؟ وہ تو رات ہی کو دور دراز قصبہ بھَون میں ایک دوست کے پاس جا ٹھہرے تھے، طے شدہ سکیم کے مطابق اگلی شام کو ماسٹر عبدالعزیز بھی غازی منظور حسین کے پاس پہنچ گئے اور جا کر تازہ رپورٹ دی کہ پولیس ہر ہر گاؤں کا چپہ چپہ چھان رہی ہے، اگر ہم یہیں مقیم رہے تو گرفتاری کا خطرہ ہے چنانچہ وہاں سے مفرور ہو کر علاقہ غیر نکل جانے کا فیصلہ ہوا۔ یہ دونوں مجاہد خدا جانے کن کن خفیہ رستوں سے ہوتے ہوئے ترنگزئی شریف میں حضرت بادشاہ گُل صاحب رحمہ اللہ کے جانشین بطلِ جلیل حضرت حاجی صاحب کے پاس جا پہنچے اور ان کو جا کر ساری تفصیلات سے آگاہ کیا، حاجی صاحب آف ترنگزئی شریف نے ان دونوں مجاہدوں کو پناہ دی اور کئی دنوں کی بدنی تھکاوٹ سے چُور چُور اور ذہنی انتشار کی وجہ سے پریشان حال غازی منظور حسین صاحب اور ماسٹر عبدالعزیز کو قدرے آرام کرنے کا موقع ملا۔ ذہن نشین رہے کہ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی والے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی تحریک آزادی ہند کے صف اول کے بزرگوں میں سے تھے۔

غازی منظور حسین کا عزم، کہ سنٹرل جیل لاہور سے اپنے بھائی کو زبردستی نکال لاؤں گا

کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد ایک دن غازی منظور حسین کو پتہ چلا کہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی ہائیکورٹ سے اپیل خارج ہوگئی ہے تو غازی صاحب نے فوراً ایک اور پُرخطر راہ سے گذرنے کا فیصلہ کیا، مگر وہ اس ہدف تک پہنچ نہ پائے تھے کہ رستے میں شہید کر دیئے گئے۔ وہ پُرخطر فیصلہ کونسا تھا؟ اور شہادت کہاں پہ ہوئی؟ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سے سنیئے:

> ''بھائی صاحب کو جب اپیل خارج ہونے کی اطلاع ملی تو انہوں نے واپس پنجاب آنے کا ارادہ کر لیا اور پروگرام یہ تھا کہ وہ مجھے سنٹرل جیل لاہور سے زبردستی نکال لیں گے۔ اس مقصد

کے لیے انہوں نے فقیر صاحب ایپی سے اجازت بھی لے لی تھی اور اسلحہ بھی لے لیا تھا اور ماسٹر عبدالعزیز صاحب سمیت تین مزید مفرور ساتھیوں کو ساتھ لے کر پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے تھکے ماندے پولیس چوکی عباسیہ تحصیل لکی مروت ضلع بنوں کے قریب ہی ایک چشمہ پر فروکش ہوئے۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحب مع ایک اور ساتھی کے گاؤں میں کھانا لینے گئے تو مشتبہ سمجھ کر پولیس نے انہیں گرفتار کرلیا چونکہ اُن دنوں اس علاقہ میں ڈاکہ پڑا تھا ان کو ڈاکو سمجھ کر پولیس اور گاؤں والے مسلح ہوکر آئے اور بھائی صاحب وغیرہ پر سوئے ہوئے فائر کھول دیا۔ بھائی صاحب بڑی بہادری سے لڑے اور آخر کار شہید ہو گئے، اور ان کے دو ساتھی بھی وہاں ہی شہید ہوئے بعد میں گاؤں والوں نے ماسٹر عبدالعزیز سے بھائی صاحب کے حالات سنے تو انہیں بڑا افسوس ہوا اور بڑی تعداد میں لوگوں نے ان کا جنازہ پڑھا اور بھائی صاحب کو اور ان کے ایک ساتھی صوفی محمد خان مرحوم، جو بھیں کے قریب گاؤں بڈھیال کے رہنے والے تھے اور فوج سے فرار ہو کر بھائی صاحب کے پاس چلے گئے تھے ان دونوں کو اڈہ کے قریب لکی مروت کے ایک وسیع تر قبرستان میں دفن کیا لکی مروت کے بوڑھے ان کے مزار کو جانتے ہیں اور زیارت کرتے ہیں۔''[1]

غازی منظور حسین کی تاریخ وسن شہادت

اخبار ''پربھارت'' میں شائع شدہ خبر کے مطابق مورخہ ۴ جولائی ۱۹۴۱ء کو مسٹر چوہدری آئی۔سی۔ایس (S.D.O) چکوال کا بمقام ڈوھمن تحصیل چکوال قتل ہوا، اس کے قاتل عبدالعزیز ولد حیات محمد اور منظور حسین ولد کرم دین، بھیں تھے، ہر دو قاتل غیر علاقہ چلے گئے تھے، تقریباً ایک سال بعد بنوں میں پولیس سے مڈبھیڑ ہوگئی، منظور حسین اس لڑائی میں مارا گیا۔

جب کہ مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۴۱ء کو غازی صاحب کی شہادت ہوئی۔ خبرِ شہادت حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو لاہور جیل میں مل چکی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر جمیل عطا فرمایا اور حالتِ اسیری میں اپنے پیارے بڑے بھائی صاحب کی خبر شہادت پڑھ کر آپ کس قدر مغموم ہوئے ہوں گے؟ وہ کیفیت حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتی مگر آپ فرماتے تھے کہ میرا دل مطمئن اور چہرہ شاداب تھا۔ حضرت قائد اہل سنت گرفتاری کے بعد چکوال حوالات میں تھے کہ آپ کے اکلوتے صاحبزادہ حضرت مولانا قاضی محمد

[1] مکاتیب شیخ الادب نمبر، ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور، فروری ۲۰۰۰ء صفحہ نمبر ۱۸۔

ظہور الحسین اظہر کی ولادت ہوئی، یہ جولائی ۱۹۴۱ء کی بات ہے۔ یعنی دورانِ قید حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو جہاں اپنے پہلے لختِ جگر کی ولادت کی خوشخبری سننے کو ملی وہاں حالتِ اسیری ہی میں بمقام سنٹرل جیل لاہور بڑے بھائی صاحب کی شہادت کی اطلاع موصول ہوئی۔ تاہم ابھی صبر کے مزید امتحانات باقی تھے اور قدرت استقامت و استقلال کے اس کوہِ گراں سے چونکہ مستقبل میں بڑے بڑے دینی امور سرانجام دینے کے لیے انتخاب فرما چکی تھی، اس لیے عالم اسباب میں آپ رحمہ اللہ کو ان مراحل سے بالترتیب گذرنا پڑ رہا تھا اور اس بحرِ علم و عمل کی لہریں ہر ساحل کو روشنی سے سیراب کر دینے کے لیے دن بدن پُرعزم ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔ یاد رہے کہ غازی منظور حسین صاحب کی تاریخ وسنِ شہادت کے حوالہ سے بعض کتب میں صریح غلطی پائی جاتی ہے، جیسا کہ محمد متین خالد صاحب نے اپنی کتاب میں جولائی ۱۹۴۴ء لکھا ہے (تحفظ ختم نبوت، اہمیت اور فضیلت، صفحہ نمبر ۲۸۴، جبکہ تحقیق شدہ اور معتبر تاریخ شہادت ۲۹ نومبر ۱۹۴۲ء ہے)۔ غازی منظور حسین شہید رحمہ اللہ کے جنازہ و تدفین کے بعد سارا راز فاش ہو چکا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ایک سال قبل تھانہ ڈھمن کے ریسٹ ہاؤس میں ایس ڈی او کھیم چند کا خون کیا تھا۔ اس مقدمۂ قتل کے اہم مطلوب غازی صاحب تو جام شہادت نوش کر چکے تھے، البتہ ماسٹر عبدالعزیز صاحب کو پولیس نے گرفتار کیے رکھا۔ جنہیں بعد ازاں لاہور سنٹرل جیل میں پھانسی کے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را

پروفیسر غلام ربانی انور کا ایک خط اور مضمون

پروفیسر غلام ربانی انور (ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج لکی مروت) جو اس وقت ڈیرہ اسماعیل خان میں رہائش پذیر ہیں اور اصلاً لکی مروت کے ہیں، انہوں نے اپنے والد مرحوم مولوی غلام محمد سے غازی منظور حسین رحمہ اللہ کے حوالہ سے بے شمار واقعات، ان کی مجاہدانہ خدمات اور سانحہ شہادت کا تذکرہ سُن رکھا تھا جس کی بناء پر ان کے دل میں غازی صاحب شہید رحمہ اللہ کی بے پناہ محبت و عقیدت گھر کر گئی انہوں نے اپنی مطبوعہ کتاب[1] میں ''تحریک آزادی کا گمنام مجاہد'' کے عنوان سے غازی منظور حسین رحمہ اللہ شہید کی جرأت و حمیت کو سلام پیش کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اُن کی شہادت سے اس خطہ

---

[1] غلام ربانی انور، پروفیسر/نقوش حیات/محلہ شیخاں ڈیرہ اسماعیل خان/فروری ۲۰۱۱ء صفحہ نمبر ۲۳۶ تا ۲۴۲۔

میں انگریز کے خلاف جدوجہدِ آزادی کا ایک عہد مکمل ہوا تھا، اور مضمون میں چونکہ کچھ باتیں سنی سنائی تھیں جو انہوں نے نوٹ کر لی تھیں، تو تصدیق کے لیے انہوں نے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا تھا۔

☆ محترم المقام حضرت قبلہ قاضی صاحب مدظلہٗ۔ خدا آپ کا سایہ ہمارے سروں پر برقرار رکھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مدت دراز سے خواہش رہی کہ آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں لیکن مجھے معلومات کم تھیں، آج یہاں لکی مروت میں حضرت مولانا حبیب اللہ رحمہ اللہ، ناظم دارالعلوم لکی مروت کے فرزند سے ملاقات ہوئی تو آپ کے متعلق انہوں نے تفصیل سے آگاہ کیا کہ اب حضرت قاضی صاحب کافی ضعیف العمر ہیں، صحت کمزور ہے، رب العزت سے دست بدعا ہوں کہ وہ آپ جیسی ہستی کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور آپ بخیر و عافیت رہیں آمین۔ گزارش بحضور انور یہ ہے کہ میں ایک نیم خواندہ انسان ہوں کبھی کبھی بزرگانِ دین پر لکھنے کی جسارت کرتا رہتا ہوں، اصل میں لکی مروت کا رہنے والا ہوں لیکن اب ڈیرہ اسماعیل خان میں مقیم ہوں۔ جب میں چھوٹا تھا تو آپ کے برادرِ بزرگ حضرت غازی مولوی منظور حسین شہید رحمہ اللہ کے متعلق اپنے بزرگوں سے سُنا تھا، چنانچہ اس کے بعد میں نے ضلع بنوں کی تاریخ کے مطالعہ کے بعد جو معلومات حاصل کیں تو ان کو ضبطِ تحریر میں لاتا رہا۔ عنوان ہے ''تحریکِ آزادی کا گمنام مجاہد'' جو خط کے ساتھ ارسالِ خدمت ہے یہ تحریر آپ کی خدمتِ اقدس میں اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ واقعات اور طرزِ تحریر کی اصلاح ہو سکے۔

i) مجھے جو اطلاعات بہم پہنچی ہیں وہ میں نے اس مضمون میں لکھی ہیں، یہ کہاں تک درست ہیں؟

ii) کیا آپ اس سلسلہ میں مزید معلومات مہیا فرما سکتے ہیں؟

آپ سے خصوصی درخواست ہے کہ مجھ ناچیز کو خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں، بہت محتاج ہوں[1]۔

بعد ازاں پروفیسر صاحب موصوف کو غازی صاحب رحمہ اللہ سے متعلقہ معروف و معتبر واقعات جہاں سے، جو جو ملے انہوں نے وہ اپنی مطبوعہ کتاب میں ایک مختصر مضمون میں جمع کر دیئے لیکن بنوں اور لکی مروت کے پرانے لوگوں سے انہوں نے جو باتیں سُن رکھی تھیں وہ اگرچہ چھپ نہ سکیں لیکن ان کا ریکارڈ پر آجانا بھی نامناسب نہیں ہے۔ تاہم ان کی ثقاہت و وثاقت کے ضمن میں کچھ کہنا خلاف تحقیق ہے۔

---

[1] پروفیسر غلام ربانی انور، پرنسپل ڈگری کالج لکی مروت، مکتوب محررہ، ۲۷، اپریل ۲۰۰۱ء۔

غازی صاحب کی قبر کشائی کا واقعہ

مثلاً پرانے لوگوں میں یہ واقعہ تواتر کے ساتھ معروف ہے کہ جب حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو غازی منظور صاحب کی خبر شہادت ملی تو آپ نے اپنے گاؤں کے چند افراد اور زوجہ محترمہ کو لے کر میانوالی اسٹیشن سے بذریعہ ریل لکی مروت کا سفر کیا تھا، اور وہ لکڑی کا تابوت بھی ساتھ بنوا لائے تھے تاکہ غازی صاحب کی میت قبر کشائی کر کے نکال کر واپس ''بھیں'' لے جائی جا سکے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ٹرین کی ایک بوگی بھی بک کروائی تھی اور یہاں کے مقامی امام مسجد مولوی محمد یوسف صاحب قریشی اور شہر کے کچھ معززین کی معیت میں حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ اور ان کی اہلیہ محترمہ نے جب آ کر قبر کشائی کی تو یہاں منظر ہی کچھ اور تھا، یعنی شہید کی لحد تا حدِ نگاہ گلاب کے تازہ مہکتے ہوئے سرخ پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی، صرف غازی صاحب رحمہ اللہ کا چہرہ مسکراتا ہوا فرحاں و شاداں نظر آ رہا ہے، لوگوں نے نعرہائے تکبیر بلند کیے اور غازی شہید اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میرا یہ لختِ جگر یہیں پہ اچھا لگتا ہے، ہم اس جنت نظیر قبر سے ان کو کہیں اور منتقل نہیں کریں گے۔ چنانچہ مولوی محمد یوسف قریشی صاحب (امام مسجد مینا خیل) نے وہاں کھڑے کھڑے وصیت کی کہ بعد از مرگ مجھے بھی حضرت غازی شہید کے ہمراہ دفن کیا جائے چنانچہ ان کی قبر بھی آج وہیں پہ موجود ہے۔

مُتذکّرہ واقعہ تجزیہ کے خَراد پر

قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ جو کہ اس زمانہ کے ان تمام تر واقعات کے نہ صرف عینی شاہد تھے بلکہ ان سلسلوں کی بذاتِ خود ایک کڑی بھی تھے، مگر آپؒ نے مرقومہ بالا واقعہ کو کہیں درج نہ فرمایا، وجہ اس کی یہ تھی کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ تو خود اس وقت لاہور سنٹرل جیل میں پابند سلاسل تھے، چنانچہ والدین کریمین کا وہاں جانا، یا قبر کشائی والے واقعہ کا پیش آنا آپ رحمہ اللہ کے علم میں نہیں ہو سکتا تھا اور اگر دوسری جانب دیکھا جائے تو دورانِ اسارت والد صاحب مرحوم لاہور اور ملتان میں بارہا مرتبہ حضرتؒ سے بغرضِ ملاقات آتے رہے، اگر یہ چشم کُشا واقعہ پیش آیا تھا تو یقیناً مولانا دبیر رحمہ اللہ ازراہِ مُسرّت یہ واقعہ ضرور اپنے چھوٹے صاحبزادہ کو سُناتے؟ جب حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے یہ واقعہ کہیں درج نہ فرمایا تو معلوم ہوتا ہے آپ نے کم از کم اپنے والد صاحب مرحوم سے تو یہ بات نہ سُنی تھی۔ تیسرے زاویے سے اگر دیکھا جائے تو وہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی حسّاس طبیعت تھی،

کیونکہ عام طور پر ضعیف الاعتقاد لوگ ایسے واقعات پڑھ، سن کر جذبات کی رَو میں بہہ جاتے ہیں اور شریعت کے قوانین کو عقیدت کی مستی میں فراموش کر دیتے ہیں، پھر قبروں پر مزارات، قُبّے، چڑھاوے، مردوزن کی آمدورفت کا تانتا اور سالانہ عرس میلے وغیرہ کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں، بہت ممکن ہے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے لوگوں کے بدعات و رسومات میں مبتلا ہو جانے کے خدشہ کے پیش نظر اسے پردۂ اخفاء میں رکھا ہو۔ جیسا کہ آپ کی زندگی میں ایسے لاتعداد واقعات ہیں جو دوسرے لوگوں کے مشاہدات و معلومات سے تو اِدھر اُدھر منتقل ہوتے رہے مگر براہ راست آپؒ نے انہیں کسی ضمن میں ظاہر نہ فرمایا، امید کی جاسکتی ہے کہ پس متذکرہ و مرقومہ واقعہ بھی اسی قبیل کا ہوگا، (یہاں تک تفصیلات قلمبند کرنے کے بعد کاتب السطور نے حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر سے صورت حال عرض کی تو انہوں نے فرمایا بالکل، حضرت دادا صاحب اور دادی صاحبہ تابوت لے کر چھوٹی ریل کے ذریعے لکی مروت گئے تھے اور یہ سارا واقعہ سو فیصد درست ہے۔ الحمد للہ علی ذالک)

غازی منظور حسینؒ شہید کے حوالہ سے سیارہ ڈائجسٹ کی عجیب وغریب داستان گوئی اور صوبیدار محمد خان کا ایک خط بنام قائد اہل سنت!

غازی صاحب منظور حسین شہید رحمہ اللہ کے حوالہ سے تاریخ کے قرطاس پر لکھا ایک اور واقعہ بھی باصرہ نواز کیجیے جس سے اہل نظر حظ تو اٹھائیں گے ہی، تاہم مشہور اور زمانہ ساز شخصیات کے تذکروں میں غیر ثقہ اور نامعتبر حوالے کیسے در آتے ہیں؟ اور غیر ذمہ دار مہربان زلف و رخسار کی بھول بھلیوں میں کیسے کیسے چکر کاٹتے آئے ہیں؟ اس ضمن میں پہلے ایک خط پڑھیے۔ جو آج سے ٹھیک پچاس برس پہلے حضرت قائد اہل سنت کے نام لکھا گیا تھا۔ ملاحظہ کیجیے!

☆ محترم جناب قبلہ قاضی صاحب۔

سلام مسنون! طالبِ خیریت تادمِ تحریر بخیر و عافیت ہے۔ یہ ایک کہانی گذشتہ ماہ کے ایک رسالہ میں شائع ہوئی تھی۔ میں نے کہانی پڑھنے کے بعد اندازہ لگایا کہ اس میں کچھ ضروری حقائق اور حالات کو دانستہ یا نادانستہ طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اس کہانی میں جو کردار جناب قبلہ مولوی صاحب منظور حسین صاحب کا تھا، اس کا کچھ بھی حصہ اس میں شامل نہیں، ہوسکتا ہے مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ بھی زیادہ درست نہ ہو کیونکہ عمر کے لحاظ سے اس وقت جب یہ واقعہ پیش آیا تھا میں بمشکل ۷، ۸ سال کا تھا۔ یہ کہانی

پڑھنے کے بعد میرا خیال ہے کہ جو اصل حقائق اور حالات ہیں وہ ضرور شائع ہونے چاہئیں اور جناب کے علاوہ بہت کم لوگ ہوں گے جو اصل حالات سے باخبر ہوں۔ میں اس کہانی کی نقل بمطابق اصل ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔ آپ اسے پڑھنے کے بعد جو موزوں سمجھیں، لکھ دیویں۔ علاوہ ازیں بندہ کے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور تحریر فرما کر سرفراز فرمائیے گا۔ محترم شیر زمان صاحب اور جملہ احباب کی خدمت میں سلام و آداب عرض کر دیں۔ خدا حافظ[1]۔

اس مکتوب میں جس کہانی کا ذکر ہے وہ دراصل ماہ نامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' لاہور میں عنایت اللہ التمش کا ایک ناول تھا جو پہلے ۱۹۶۵ء میں اور بعد ازاں دوبارہ لوگوں کی فرمائش پر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔ عنایت اللہ التمش (ولادت ۱۹۲۰ء وفات ۱۹۹۹ء) ملک کے ایک نامور ادیب، صحافی، مدیر، افسانہ نگار اور بالخصوص جنگی وقائع نگار اور تاریخی ناول نگاری میں کافی شہرت کے حامل تھے۔ عقائد کے لحاظ سے وہ منکر حدیث تھے اور دین بیزاری کے حوالہ سے خاصی شہرت رکھتے تھے۔ ان کی تحریروں نے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگوں میں کافی مقبولیت حاصل کی تھی۔ جب پہلے پہل ماہ نامہ سیارہ ڈائجسٹ ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا تو اس کے پیچھے کافی سالوں تک محنت اسی شخص کی تھی۔ انہوں نے ذاتی اور قلمی ناموں سے بلامبالغہ سینکڑوں ناولز، کہانیاں، داستانیں اور وقائع قلمبند کیے۔ انہوں نے لاتعداد مضامین قلمی ناموں سے بھی لکھے ان کے قلمی ناموں میں میم الف، احمد یار خان، وقاص، محبوب عالم، التمش اور صابر حسین راجپوت جیسے نام شامل تھے۔ یہ ۱۹۳۶ء میں رائل انڈین آرمی میں بحیثیت کلرک بھرتی ہوئے تھے۔ تو انہوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران اُس زمانہ (۱۹۴۰ء) کی کچھ یاداشتوں کو ناول کے انداز میں شائع کیا تھا اور اس میں چکوال سے تعلق رکھنے والے ''محمد سرور پنجابی'' نام کے ایک کردار کا تذکرہ موجود ہے۔ عجیب و غریب اتفاق یہ ہے کہ اس تذکرہ سے یوں مترشح ہوتا ہے جیسے محمد سرور پنجابی نام کا یہ شخص غازی منظور حسین شہید رحمۃ اللہ کے دوستوں میں سے تھا ایس ڈی او کھیم چند کے قتل میں جب غازی صاحب پولیس کے ہاتھ نہ لگ سکے تو پولیس نے محمد سرور پنجابی کو بھی اس میں نامزد کر دیا کہ یہ شخص ایک مدت سے اپنے گھر سے غائب ہے اور علاقہ غیر میں قبائلی پٹھانوں کے شانہ بشانہ انگریزی فوج کے خلاف سربکف رہتا ہے۔ اس لیے غازی منظور حسین بھاگ کر اسی کے پاس چلے گئے ہیں۔ چنانچہ اس وقت ماہ نامہ سیارہ ڈائجسٹ میں شائع شدہ وہ واقعہ جسے ناول کے انداز میں شائع کیا گیا تھا اور مکتوب نگار صوبیدار خان محمد

---

[1] صوبیدار محمد خان رمکتوب ۲۸ ستمبر ۱۹۶۹ء رکلفڈن کیمپ، مری ہلز۔

نے اصل سے ٹائپنگ کروا کر کاپی جو قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کو ارسال کی تھی، وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

① میں اس زمانہ میں فوج میں بھرتی ہوا تھا جب انگریز نے شمال سرحدی اور مغربی صوبے کے قبائلی علاقے پر قابض ہونے کے لیے ہندوستانی افواج کا بیشتر حصہ اور گورا رجمنٹوں کی کثیر تعداد اس علاقے کی وادیوں میں پھیلا رکھی تھی۔ یہ ۱۹۳۹ء کا زمانہ تھا۔ خدا اور رسول ﷺ کے نام لیوا قبائلی پٹھان اپنی بے آب و گیاہ سرزمین کے تحفظ میں جان و مال اور معصوم بچوں تک کو بازی پہ لگائے انگریزی سپاہ کے خلاف سینہ سپر تھے۔

② ''سرور'' میری بٹالین میں سپاہی تھا، (پھر) وہ سپاہی ''محمد سرور خان'' بنا اور پھر قبائلیوں کی صفوں میں ''سرور پنجابی'' کے نام سے پُراسرار انسان بن گیا۔ وہ تحصیل چکوال کے کسی گاؤں کا رہنے والا تھا (افسوس ہے کہ گاؤں کا نام بھول گیا ہوں)۔ وہ میٹرک پاس تھا، پڑھا لکھا ہونے کی بدولت اسے بٹالین کی سگنل سیکشن میں لے لیا گیا تھا۔

③ ایسے ہی ایک دن (قبائیلیوں) کے ساتھ جھڑپوں کے بعد میں شام کو جب رزمک بریگیڈ میں داخل ہوا اور یونٹیں اپنی اپنی بارگوں میں پہنچیں، سب اچھا کی رپورٹ آنے لگی تو پتہ چلا کہ ۸، پنجاب رجمنٹ کا سپاہی سرور خان لاپتہ ہے۔ رسمی سی کورٹ آف انکوائری کے بعد سرکاری کاغذات میں اندراج کر لیا گیا کہ سپاہی سرور خان سنگلنلیر کو پٹھان اٹھا لے گئے ہیں۔ اس کے پسماندگان کو بھی ''بصد افسوس'' یہی اطلاع دی گئی اور پلٹن میں ہر کسی نے اسی رپورٹ پر یقین کر لیا۔

④ قبائلی اسے پیر کی طرح مانتے تھے اور وہ دور دور تک ''سرور پنجابی'' کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ اس کی مقبولیت کی ایک وجہ (ایک اطلاع کے مطابق) یہ بھی تھی کہ فقیر اپی نے اسے اپنا دستِ راست بنا لیا تھا۔ سرور کے گاؤں (تحصیل چکوال) سے تھوڑی دور ایک ایسا حادثہ ہو گیا کہ جس نے سرور کی مجاہدانہ سرگرمیوں میں ڈرامائی تبدیلی پیدا کر دی اور یہ ڈرامہ وقت سے پہلے اچانک فسانہ بن کر ختم ہو گیا۔ ہوا یوں کہ اس کے گاؤں سے تھوڑی دور ہی ڈبلیو ڈی کا ایک ریسٹ ہاؤس تھا، یہ ۱۹۴۱ء کا ذکر ہے اس ریسٹ ہاؤس میں ایک ہندو ایس ڈی او ایک روز کے لیے آن ٹھہرا، اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ تھی۔ رات کے وقت کسی نے ایس ڈی او کو سوتے میں پستول کی گولی سر میں مار کر قتل کر دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کی بیوی جو اس کے پاس ہی سوئی ہوئی تھی، اسے پتہ ہی نہ چلا اور اس کے بیان کے مطابق جب

اس کی آنکھ کھلی تو اس کا خاوند مرا پڑا تھا۔

⑤ پولیس حرکت میں آ گئی، لیکن قتل معمہ بنتا چلا گیا، بیوی کسی پہ شک کرنے پر آمادہ نہ تھی، قاتل کا کوئی سراغ نہ ملتا تھا، نہ قتل کا پسِ منظر کھل کر سامنے آتا تھا، پولیس کو یہ پتہ چل چکا تھا کہ سرور قبائلی علاقے میں رُوپوش ہے اور انگریزوں کے خلاف لڑ رہا ہے اور یہ بھی کہ اس کے گھر قبائلی پٹھان آتے رہتے ہیں۔ ان قرائن سے فائدہ اٹھاتے پولیس نے ایک کہانی گھڑی اور تحقیقات کا رخ سرور کے لواحقین کی طرف موڑ دیا۔ چنانچہ پولیس نے انہیں وقت بے وقت تنگ کرنا شروع کر دیا اس کے بوڑھے باپ کے ساتھ غیر انسانی سلوک کر کے گھر کی عورتوں کی بے عزتی کی اور ان کا جینا حرام کر دیا۔ پولیس چاہتی تھی کہ انہیں میں سے کوئی بیان لکھوا دے کہ ایس ڈی او کو سرور کے ساتھ پٹھانوں نے قتل کیا ہے اور وہ اپنے علاقے میں بھاگ گئے ہیں۔

⑥ گھر والے جب بے حد تنگ ہوئے تو انہوں نے سرور کو اطلاع بھجوا دی اور اسے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ سرور جذباتی اور جوشیلا آدمی تھا، اس نے رائفل سنبھالی، چند کارتوس کمر سے باندھے اور دو مسلح پٹھانوں کو ساتھ لے کر اپنے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ تینوں پولیس سے انتقام لینے جا رہے تھے۔ رزمک سے تینوں پا پیادہ چلے سینکڑوں کوس کی مسافت تھی کئی روز بعد بنوں سے آگے ایک قصبے لکی مروت پہنچے وہ عام شاہراؤں سے ہٹ کر آبادیوں سے دور دور جا رہے تھے، دن کا وقت تھا وہ رکے اور کھانے کی سوچنے لگے۔ ایک ساتھی کو انہوں نے بازار کھانا لانے کو بھیج دیا اور سرور اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ ایک کھڈ میں بیٹھ گیا۔ جانے کسی راہگیر کو کیسے شک گذرا؟ اس نے تھانے میں خبر دے دی کہ اس طرح دو مسلح آدمی مشکوک انداز میں کھڈ میں چھپے ہوئے ہیں، وہ اب غیر علاقے میں نہیں انگریزی راج میں چلے آئے تھے۔ چنانچہ پولیس نے آ کر کھڈ کو گھیر لیا، نہ جانے ابتداء کس نے کی کہ دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ سرور کا تیسرا ساتھی پہنچ گیا اور اس خونریز جھڑپ میں شریک ہو گیا۔ سرور کے دونوں ساتھی مارے گئے، ادھر پولیس کے تین آدمی ہلاک ہو گئے۔ سرور کا ایمونیشن ختم ہو گیا اور وہ پکڑ لیا گیا۔ تھانے میں جا کے راز کھلا کہ یہ فوج کا مشہور سپاہی سرور ہے۔ چنانچہ اسے بنوں بریگیڈ کے حوالے کر دیا گیا۔

⑦ میں اس وقت ۸ پنجاب کی چھٹی بٹالین میں تھا جو بنوں قلعہ میں مقیم تھی ہمیں معلوم ہوا کہ سرور کا کورٹ مارشل ہو رہا ہے۔ فیصلے کا زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ چوتھے پانچویں روز ہی کورٹ مارشل نے فیصلہ سُنا دیا کہ سزائے موت، گولی مار دی جائے۔

⑧ میں ایک دوست کے ہمراہ سرور سے ملاقات کرنے کے لیے بنوں جیل کے قریب بٹالین کوارٹر پہنچا تو دیکھا کہ عام سے چہرے مہرے والا سرور لال سُرخ ہوگیا ہے۔ چہرے پر سیاہ نورانی مُٹھی بھر داڑھی تھی، آنکھوں میں جیسے خدا کا نور چمک رہا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ، گردن تنی ہوئی، اور سینہ کہیں زیادہ چوڑا ہوگیا تھا۔ مجھ پر مقدس سا رعب طاری ہوگیا تھا، مجھ پر رقت طاری ہوگئی تھی اور میں آنسو روک نہ سکا۔ اس نے سلاخوں میں سے ہاتھ باہر نکال کر میرے گال تھپتھپائے اور مشفق اتالیق کی طرح بولا تم بچے ہو، مرد بنو، مرد کو تو ہر وقت پھانسی کے تختے پر کھڑا رہنا چاہیے۔ کہنے لگا ایک دن مسلمان ہندوستان میں حکومت کریں گے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے دو دشمن ہیں ① انگریز اور ② دوسرے مسلمان!

مسلمان؟ میں نے تعجب سے پوچھا۔ ہاں مسلمان، مسلمان کا سب سے بڑا دشمن ہے، وہ اتنا ہی کہہ پایا کہ گارڈ کمانڈر حوالدار دخل اندازی کرتے ہوئے بولا، بس بھائی صاحب یہاں سے چلے جاؤ، ہم گورنمنٹ کی بدخواہی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ سرور کھل کے مسکرایا اور بولا میری بات سمجھ گئے ناں عنایت؟ یہ حوالدار صاحب مسلمان ہیں۔ اچھا خدا حافظ۔ دوسرے دن بنوں شہر کی چھاؤنی کی فضا رائفلوں کی گولیوں اور اللہ اکبر کے نعروں سے گونجنے لگی۔ قبائلی پٹھان سرور پنجابی کا جنازہ لے کر باہر جا رہے تھے، جنازے پر پھولوں کا ایک وزنی ڈھیر تھا۔ قبائلیوں نے مرحوم مجاہد کو آزاد علاقے کے قبرستان میں دفن کر دیا[1]۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ''سرور پنجابی'' غازی منظور حسین رحمہ اللہ کے ہمفکر و ہمعصر کوئی مستقل کردار تھے جو جدوجہد آزادی میں مصروفِ عمل ایک بہادر جوان تھے جو پہلے فوج میں بھرتی ہوئے اور بعد ازاں ممکن ہے انگریزی فوج کے خلاف علم بغاوت اٹھالیا ہو، مگر اس مضمون میں اکثر کڑیاں وہ ہیں جن کا تعلق براہِ راست غازی شہید کے ساتھ ہے۔ مثلاً

① چکوال کے رہائشی

② ایس ڈی او کھیم چند کے قتل کا تذکرہ اور اس میں سرورِ پنجابی کا نامزد ہونا۔

③ فقیرا پی اور قبائلی لوگوں (مجاہدین) کے ساتھ تعلقات۔

④ لکی مروت میں مع تین ساتھیوں کے پولیس کے ساتھ مقابلہ۔

---

[1] عنایت اللہ التمش/سیارہ ڈائجسٹ، ۱۹۶۰ء

⑤ پھر سرور پنجابی کی پھانسی کا واقعہ وغیرہ وغیرہ۔

اللہ جانے مضمون نگار مکمل حقائق سے بے خبر تھے اور انہوں نے فقط سرور پنجابی سے متعلقہ باتیں بصورتِ ناول درج کرنے کی کوشش کی یا پھر قصداً انہوں نے حقائق کو چھپانے کی ناروا روش پر چلتے ہوئے مختلف واقعات کے اِکا دُکّا پہلوؤں کو باہم خلط ملط کر کے ایک داستان قلمبند کر دی، جس کی وجہ سے مکتوب نگار صوبیدار خان محمد کو تشویش لاحق ہوگئی تھی، صوبیدار صاحب مرحوم کے جواب میں حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ نے جو کچھ فرمایا تھا اس میں یقیناً سرور پنجابی کے حوالہ سے معلومات ہوں گی، مگر فی الوقت ہمیں حضرت اقدس رحمۃ اللہ کے ذخیرہ میں سے مزید کوئی چیز اس سلسلہ میں نہ مل سکی، اس لیے اسے تشنۂ تحقیق یہیں پہ اس امید پہ چھوڑ دیتے ہیں کہ کوئی اسے نقطۂ انجام تک پہنچانے میں اپنی حد تک مزید سعی کرے۔ واللہ اعلم بالصواب ہی تمامہ۔

عنایت اللہ التمش کا قائد اہل سنت کے نام خط

ہمارا راہوارِ قلم یہاں تک پہنچا تھا کہ تاریخی پلندہ میں سے ہمیں عنایت اللہ التمش کا اس حوالہ سے ایک نادر خط موصول ہو گیا۔ پڑھیے:

☆ محترم قاضی صاحب۔ السلام علیکم امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے میں نے (موضع) کھوکھر بالا کے سرور شہید کا سارا واقعہ اپنے پرچے میں شائع کیا تھا جس میں ایک ہندو ایس ڈی او کے قتل کا ذکر بھی تھا مجھے چکوال سے ایک خط ملا ہے کہ جس میں مجھے لکھا گیا ہے کہ میں آپ کو خط لکھوں اور اس قتل کے واقعات معلوم کروں۔ مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ اس سلسلے میں آپ کو قید و بند برداشت کرنی پڑی میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری ہمدردیاں قبول فرمائیں اور مجھے اس قتل کے متعلق حالات لکھیں اور یہ بھی لکھیں کہ آپ کو اس میں کس طرح الجھایا گیا تھا؟ آپ ایک مردِ مجاہد اور مردِ مومن ہیں، میں آپ کی داستان پرچے میں شائع کرنا چاہتا ہوں، براہِ کرم جواب دیجیے گا۔ بہت ممنون ہوں گا۔ والسلام۔ نیاز مند[1]

اس خط سے حقائق و واقعات کا مزید ایک باب کُھل رہا ہے کہ حضرت قائد اہل سنتؒ، غازی منظور حسین شہیدؒ اور ماسٹر عبدالعزیز کے ہمراہ چکوال موضع کھوکھر بالا کے سرور پنجابی نام کے مجاہد بھی تھے جن کا

---

[1] عنایت اللہ التمش بنام قائد اہل سنت رحمۃ اللہ / ۲۹، اکتوبر ۱۹۶۹ء / اسسٹنٹ ایڈیٹر سیارہ ڈائجسٹ، لاہور

انکشاف بعد میں، بہت بعد میں ہوا اور اگر کچھ تگ و دو کی جائے تو اس سلسلہ میں دیگر کئی واقعات بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ علاقہ غیر سے واپسی پر جو تین مزید مجاہدین غازی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ چلے تھے ممکن ہے انہیں میں سے کوئی سرور پنجابی ہو۔ اللہ تعالیٰ اعلم!

''مگر مثل منظور پسرِ ندید''

منظوم تاریخ وفات غازی منظور حسین شہیدؒ، بقلم مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ

یہ ایک طویل فارسی نظم ہے، جو پہلی مرتبہ اشاعت پذیر ہو رہی ہے، یہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے مخزونہ علمیہ سے دستیاب ہوئی ہے۔ اور حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا نتیجۂ فکر ہے۔

دریغا کہ آں غازیٔ شیرِ دل	کہ لر زید از وجسم خصمِ پلید
بہ یک گردشِ چرخِ جُور آزما	شدہ ناگاہ از جہاں ناپدید
بہ لکّی چو در خواب خوش خفتہ بود	کہ ناگاہ پیک اَجَلْ در رسید
بیامد یکے سنگدل باسپاہ	بہ گرد سہ گردانِ حلقہ کشید
بہ کردند بر خفتگاں فائرنگ	کہ گشتند ہرسہ جواناں شہید
فغاں از زمین و فلک شد بلند	کہ کرد ایں چہ بدبخت شمر پلید
گذشت از زماں بسکہ لیل و نہار	کسے ایں چنیں ظلم ہرگز ندید
نہ خوفِ حکومت نہ ترس از خدا	کہ بر خفتہ تیغِ جفا برکشید
چو بیدار بودے یک از خفتگاں	نہ ماندے بمیدان فوجِ یزید
کند خلق نفرین بر ظالمے	رَوانِ شہیداں بہ جنت رسید
گواہ ہست قرآن و قولِ رسول	کہ زندہ است جاوید مردِ شہید
بسے مادرِ دھر فرزند زاد	مگر مثل منظور پورے ندید
رُخس بود نازک زوَرد و سَمن	بزور آزمائی تنش چوں حدید
سبق بردہ از پہلوانانِ دھر	کسے در شجاعت نظیرش نہ دید
بذکرِ خدا بود مشاغل مدام	بزھد ووَرَع گوئیش بایزید
بہ دِل داشت شوقِ شہادت مدام	بہر لحظہ چوں مُرغِ بِسمِلْ پسید

بآخر ھمی یافت مقصودِ دل	سرِ خود ہمی داد و جنت خرید
چُو منظور بُد در حضورِ حسینؓ	ہماں جُرعہ از آب کوثر چشید
زگلزارِ جنت خورد میوہ ہا	صدا آمدازِ حق کہ ھَل من مزید
جس گرچہ مدفون شد اندرزمیں	روانش بہ فردوس اعلیٰ رسید
کُجائی تواے قُرۃُ العین من	نظر نامدی مدتِ شد مدید
شدہ روز روشن بچشمِ سیاہ	چویں تیر غم در جگر می حلید
جسد گرچہ مدفون شُد اندر زمین	روانش برفردوس اعلیٰ رسید
برادر عزیزت بہ زنداں اسیر	زہجر تو در ابتلائے شدید
چو گردید ہے بارد از دیدہ خوں	کہ در قید و بند ایں چہ صدمہ رسید
بنالند از فرطِ رنج و اَلَم	ہمہ اقربائے قریب و بعید
مرا موت بہتر ازایں زندگی	کہ مقصودِ شد حِسّ دید و شنید
خدایا رسانش بہ دارالقرار	زالوانِ نعمت شود مستفید
چو پر سیدم از سال و تاریخ فوت	نِداکردہ ہاتف کہ غازی شہید
دبیر ایں ہمہ ہست تقدیر حق	برایں سانحہ صبر باید گزید
کہ چارہ دگر نیست جُز صبر و شکر	بود حاصلِ از صبرِ اجرِ مزید

باپ اور بیٹا کے درمیان بصورتِ اشعار تبادلۂ حالات وخیالات

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ لاہور سنٹرل جیل میں پابندِ سلاسل ہیں اور حضرت غازی منظور حسین شہید اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ چکے ہیں، پیرانہ سالی میں مصائب کے ہجوم کا مولانا دبیر رحمہ اللہ پر زبردست تسلط ہے، مگر اللہ اللہ! صبر واستقامت کے کیا کہنے! غازی منظور حسینؒ کی شہادت کے بعد جب پہلی عید الفطر آئی تو مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنے چھوٹے فرزند حضرت قائد اہل سنتؒ کو اشعار کی صورت میں خط ارسال کیا، اس میں حضرتِ دبیرؒ کا نالۂ دل اور غبارِ خاطر ملاحظہ ہو۔

؎ آ رہی ہے اب مسلمانوں کی عید
مجھ کو لاحق ہے غم و رنجِ بعید

گُم ہوئے مجھ سے میرے لختِ جگر
جن کی تھی دُشوار قیمت سے خرید
ایک ان سے جیل میں محبوس ہے
رہِ حق میں ہوگیا دوئم شہید
نارِ فرقت نے کیاتن کو کباب
آنچہ من دیدم کسے ہرگز نہ دید
کوئی دم میں زندگانی ختم ہے
کٹ چکی مدت سے ہے حبل الورید
پیارے مظہر کو ہو آزادی نصیب
یہ نہیں فضلِ خدا سے کچھ بعید

جواب میں ہونہار فرزندِ دِل بند نے بھی اشعار ہی میں خط ارسال فرمایا ان جوابی اشعار کو پڑھ کر قاری ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ یہ فیضان تھا تو کس کی نظروں کا؟ اور کرامت تھی تو کس مکتب کی؟ ملاحظہ کیجیے:

؎ حضرتِ والا کو لاحق ہے یہ کیسا درد و غم
عید کے ایام میں طاری ہے کیوں کربِ شدید
آیتِ تبشیر سے تسکین خاطر کیجیے
اہل ایمان کے لیے نازل ہوئی حق سے نوید
وعدۂ یسرین ظاہر ہے کلامِ پاک میں
مشکلیں آساں ہونگی آئے گا دورِ جدید

غم زدوں کے واسطے وارد ہوا لاتَیْئَسوا
آیت قرآن را از گوشِ دل باید شُنید
یاس و نا امیدی ہے مُسلم کے لیے جُرمِ عظیم
قادرِ مطلق سے ہر دم چاہیے رکھنا اُمید
راز ہائے حق میں مضمر دنیاوی آلام
فضل ہو جس پر خدا کا اسکی ہے ہر آن عید

کٹ کے دنیا سے لگائیں دِل خدائے پاک سے
نقشِ دل پر چاہیے آیت هَلْ مِن مَّزِيدَ
ہو مبارک صد مبارک اس جہاں کو چھوڑ کر
قُدسیوں میں جا ملا وہ آپکا وُلدِ رشید
راہِ حق میں لے گئی اسکو حیات جاوداں
ہوں خوشا ماں باپ جن کا ہو پسر ایسا سعید
عالَم آخر میں پھر الله يجمع بيننا
عارضی فرقت کا کیا غم ہے نہیں رَجْعٌ بَعِيد
مولوی صاحب کو دیکھا خواب میں کرتے دعا
دو سزا بھائی کے بدلے مجھ کو اے رب حمید
شکوہ بے جا ہے شکایت ہے سراسر بے کار
تھا جو منظور حسین ہوتا نہ وہ کیونکر شہید
ایک دن مسجون کو بھی ہوگی زنداں سے نجات
رحمتِ غفار سے ہے یہ نہیں ہرگز بعید
گرچہ ہے بدکار ظالم اور نالائق جہول
لیک مولائے حقیقی سے نہیں ہے نااُمید
سرورِ عالم محمد مصطفیٰؐ کے واسطے
ہے دعاء مظہر کی یارب کر عطاء صبرِ مزید

یہ ہیں مکمل حالات و واقعات جو حضرت غازی منظور حسین شہید رحمۃ اللہ کی حیات و خدمات سے متعلقہ تھے، اور اس پوری جدوجہد میں قائد اہل سنت رحمۃ اللہ اپنے شہید بھائی کے شانہ بشانہ ہر محاذ پر موجود رہے۔ غازی صاحب رحمۃ اللہ کی شہادت پر اس خاندان کی لازوال قربانیوں کی داستان کا ایک باب تو بند ہو گیا، مگر دوسری طرف کئی ایک ابواب کھلتے چلے گئے کیونکہ قائد اہل سُنت رحمۃ اللہ پابندِ سلاسل تھے اور جہاں ابھی مزید آزمائشیں آپؒ کا مقدر ہیں وہاں ان کے عوض انعاماتِ باری تعالیٰ کا ایک لامحدود سلسلہ بھی جاری و ساری ہے۔ آیئے اگلی منزل کی طرف چلتے ہیں اور صحرا میں گلستانِ ارم کے مہکتے پھولوں کا

نظارہ کرتے ہیں۔اوراس سے قبل سرور میواتی کی وہ مکمل نظم ملاحظہ کیجئے۔جس کے چند اشعار ماقبل کے صفحات میں گزرے ہیں نیز ایک قدیم پنجابی شاعر کی پنجابی سے وہ چند اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے ایک طویل نظم میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی سوانح قلمبند کی تھی۔

حضرت غازی منظور حسین صاحب رحمہ اللہ شہید

غازیٔ راہِ خدا حضرتِ منظور حسین	قلب مؤمن کی جلا حضرتِ منظور حسین
چشم مسلم کی ضیاء حضرت منظور حسین	کفر کے حق میں بلا حضرتِ منظور حسین

عاشقِ شمع ہدائے حضرتِ منظور حسین

زندہ دِل، پاک نظر حب نبیؐ سے سرشار	مَرضِ عشقِ محمدؐ کے مریض و بیمار
نیک بختی کے نمایاں تھے جبیں پر آثار	جان دینے کو رہِ حق میں ہمیشہ تیار

کفر کے سامنے اِک سیسہ پلائی دیوار

کھیم چند ایک خبیث و متعصب کافر	نفرت و بغض و تکبر کے ہنر کا ماہر
شانِ سرکارؐ کا گستاخ لعین و فاجر	دستِ منظورؒ سے پہنچا بجہنم آخر

یوں شہادت کا ملا آپ کو موقع نادر

ماسٹر عبد عزیز آپ کے جو ہمدم تھے	قتل ملعون کی اسکیم میں ہمراہ رہے
قتل مردود کے بعد اپنی حفاظت کے لیے	ساتھ احباب کے سرحد سے پرے جا پہنچے

اِک زمانہ یوں ہی آزاد قبائل میں رہے

آپ کے بعد جو ٹوٹی ہے قیامت گھر پر	ذکر اس کا ہے تب وتاب بیاں سے باہر
کرتے گھر والوں کو تنگ آ کے پولیس آفیسر	پیٹ بھرنے کے لیے روز لگاتے چکر

آخر اِک روز ہوئے قید جنابِ مظہرؔ

بعد مُدّت جو ہوئی یادِ اقارب غالب	لوٹ کر آنے لگے اپنے وطن کی جانب
ایک جگہ جب کہ ہوئی نیند زیادہ غالب	سو گئے آپ بھی اور آپ کے سارے نائب

آگئے نرغۂ پولیس میں چاروں صاحب

آپ نے نوش یہاں جام شہادت کا کیا	ہوگیا درجہ بلند ارض لکی مروت کا

بھیں و چکوال کو بھی فخر کا اعزاز ملا	یہ شرف قاضی مظہر کے بڑے بھائی کا

خانداں بھر کے لیے باعثِ اکرام بنا

کتنا خوش بخت ومبارک یہ لکی مروت ہے	اس شہید رہِ یزداں کی جہاں تربت ہے
یہ مقام اور زمیں باعثِ صد عظمت ہے	اس پہ ہر وقت خدا کی نظرِ رحمت ہے

اہل باطن کی نظر میں یہ زمیں جنت ہے

آپ بی اے بھی تھے اور عالم وفاضل بھی تھے	قوت وطاقت بے مثل کے حامل بھی تھے
کھیم چند افسر چکوال کے قاتل بھی تھے	غازیٔ دین کے اعزاز کے قابل بھی تھے

رنج وتکلیف کے برداشت کے قابل بھی تھے

ماسٹر عبد عزیز آپ کے مخلص ساتھی	دی گئی ان کو بھی لاہور میں آخر پھانسی
قید میں آپ کے چہرے سے شہادت کی خوشی	صاف دورانِ ملاقات نظر آتی تھی!

موت کی ڈال لی خود بڑھ کے گلے میں رسی[1]

احوال مناسب حال بطور تمثیل عالمِ بے بدل ابوالفضل مولانا مولوی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ

''قصص المحسنین'' کتاب کے مصنف وپنجابی شاعر نے کم وبیش ۱۳۰ اشعار میں ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، غازی منظور حسین رحمہ اللہ اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے حالات زندگی درج کیے ہیں، اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قبلہ عالم ، ھادی رہبر فاضل رہِ ہدایت	محمد کرم الدین جو ناموں عجب زباں فصیحت
کئی واری غش کھا کے گریا مرزا وچ عدالت	جھل نہ سکیا تاب علم دی نالے جذب جلالت
اہل شیعہ دا مولوی وڈا فیض محمد مکھیالوی	اوبھی اس صاحب دے اگے نٹھیا سٹ پنجالی
رد شیعہ دی انہاں بنائی عجب کتاب جوابی	''آفتاب ہدایت'' نام رکھایا کارن قوم خرابی
دُوروں دُوروں خلقت آوے مسئلے پچھن والی	سب دے حل کریندے عُقدے کوئی نہ جاندا خالی
محمد ضیا الدین انہاندا وڈا صاحب زادہ	سادی خُو، سوادی چہرہ کرے حیاء زیادہ

[1] سرور میواتی، ماہ نامہ انصاف کی کچہری/ اکتوبر ۱۹۹۲ء/ مقام اشاعت، پادشاہان ضلع چکوال/ جلد نمبر ۲، شمارہ نمبر ۴، چیف ایڈیٹر، راجہ محمد خالد۔

صوبیداری پنشن آیا سن چوداں وچ بھائی [1]	طبع حلیم رکھے ایہہ، نہیں کردا اے وڈیائی
اس تھیں نکا صاحبزادہ صورت شکل نورانی	یوسف ثانی ، رستم ورگا عقل آہی لقمانی
بی اے تک تعلیم انہاندی انگریزی دی آہی	عربی فقہ تے منطق اندر تر دے چال صفائی
ہون شیراں دے شیر ہمیشہ مرد بہادر بھائی	شیر پنجاب جنہاندے والد ملکیں دھوم مچائی
ہورانہاں دے چھوٹے بھائی عالم فاضل دینی	نازک جسم تے صورت سوہنی، ھیسی چال رنگینی
مظہر حسین انہاندا ناواں رکھیا شوق پیاروں	بھولی بھالیاں گلاں کردا خوش سارے گفتاروں
دیوبند اندر کتنا عرصہ علم رہے ایہہ پڑھدے	پھر لاہور اندر آ پڑھیا عاشق کتے نہ اَڑدے [2]

[1] عبدالرحمن درد، قصص المحسنین / صفحہ نمبر ۲۴۷ تا ص ۲۵۲ (مکمل منظوم احوال خاندانِ مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ)

[2] یعنی صوبیدار ضیا الدین صاحب ۱۹۱۴ء میں ریٹائرڈ ہو کر گھر آئے تو اسی سال قائد اہل سنتؒ کی ولادت ہوئی۔ سلفی

8
بابِ ہشتم

(۱۹۴۱ تا ۱۹۴۹ء)

❀ قائدِ اہل سنت رحمہ اللہ کے والدین کریمین کی رحلت

❀ دورانِ اسارت روحانی پرواز، حالاتِ زمانہ کے تغیرات و تبدُّلات، اور مشاہدۂ حق و معرفت کے انمول واقعات و پاکیزہ خیالات

❀ شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ دیوبندی سے مکاتبت، شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا حسن اعتماد، شرفِ بیعت اور اجازتِ بیعت

❀ امتزاجِ فکر و نظر کے قدم بقدم خوبصورت نمونے اور طویل اسارت کے بعد پروانۂ رہائی

"بڑے سلیقے سے کی ہے میں نے
ترے گلستاں کی آبیاری"

اسارتِ جیل سے مشاہدۂ حق و معرفت تک

حالاتِ اسیری ہی میں بڑے بھائی غازی منظور حسین شہیدؒ کی شہادت کی خبر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو لاہور سنٹرل جیل میں اولاً بذریعہ اخبار و بعدہ والد صاحب گرامی سے ملاقات میں ملی، تو اگر چہ یہ صدمہ اور وہ بھی قفس وقید میں، نا قابل برداشت تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کثرتِ ذکر کی برکت سے آپ کو مثالی صبر عطا فرمایا تھا، دوسری جانب حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ پر مصائب و صدمات کے طوفان چل رہے تھے مگر ان کی علم پروری اور دین دوستی کا یہ عالم تھا کہ پیرانہ سالی اور ہجومِ شدائد میں بھی قلم و قرطاس سے رشتہ منقطع نہ ہونے دیا، چنانچہ جیل میں اپنے نورِ نظر کو ملاقات میں یہ خوش خبری سنائی کہ آفتابِ ہدایت جو کہ ستمبر ۱۹۲۵ء میں چھپی تھی۔ اب تمہارے مشورے کے مطابق کچھ حذف و ترمیم کے ساتھ نئی کتابت کروا کر پریس میں دے رہا ہوں۔ ساتھ ہی شاعرانہ تخیل کا تازہ نتیجہ بھی پیش کیا۔ جو فارسی میں ہے مگر اس قدر آسان و عام الفاظ کا چناؤ اور جامعیت کہ فارسی نہ جاننے والا بھی لطف لیے بنا نہ رہ سکے، یہ اشعار دوسرے اڈیشن میں چھپے اور پھر مسلسل اشاعت پذیر ہوتے چلے گئے۔ وہ منظوم فارسی کلام یہ ہے، جو اصلاً ''مُناجات'' کہلانے کا زیادہ حق دار ہے۔

دراں روزے کہ از اہوال دوزخ پُرخطر باشد
شفیعِ من رسولِ پاکؐ وصدیقؓ وعمرؓ باشد
بزیرِ ظلِّ عثمانؓ و علی المرتضیٰؓ باشم
چُرا از فتنۂ محشر مرا باک و حذر باشد
دودستِ من بہ دامانِ بتولؓ و جُملہ اولادش
شفیقِ حال زارم سرورِ جن و بشر باشد
چو عُمرِ خویش کردم وقف بہرِ خدمتِ اسلام
چُرا از شرِّ شیطاں بس مرا رنج و ضرر باشد
سرِ خود فی سبیل اللہ پورِ من فدا کردہ
اگر منظور حق شد یا ورم لختِ جگر باشد

الٰہی رحم فرما بردبیر خستہ حالِ خود
بہ فردوسِ برینش یوم محشر مستقر باشد

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے استاذِ محترم حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ (شیخ الادب، دارالعلوم دیوبند) چونکہ دورانِ تعلیم قائد اہل سنت پر بہت شفیق تھے اس لیے آپؒ کی اسارت سے وہ بہت مغموم و متفکر رہتے تھے اور متواتر خط و کتابت کے ذریعے احوال پُرسی کرتے رہتے تھے، وہ خطوط قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ماہ نامہ حق چاریارؓ لاہور بابت فروری ۲۰۰۰ء میں ''مکاتیب شیخ الادب نمبر'' کے نام سے شائع فرما دیئے تھے، تاہم اُن سے استفادہ ہر کہہ ومہہ کے لیے اس لیے مشکل ہے کہ وہ عکسی اشاعت تھی جس سے استفادہ و مطالعہ مشکل تھا، اس لیے اب یہاں ضرورتاً ہم کمپوزنگ کے ساتھ انہیں پیش کرتے رہیں گے، چنانچہ شیخ الادب کے مولانا دبیر رحمہ اللہ کے نام خطوط ملاحظہ ہوں۔

①

جناب مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب زید مجدہ
جناب محترم زیدت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ نے شرف صدور سے مشرف فرمایا۔ انسانی قتل ایک شدید ترین گناہ ہے، اس کی اجازت بہت ہی مشکل سے دی جاسکتی ہے۔ عزیز مذکور سے یہ جرم تو ہوا اور اس کی سزا، لانبی سزا کی صورت میں ان کو مل رہی ہے، یہ سزا دنیوی سزا ہے، آخرت کا معاملہ جُدا ہے۔ میرے خیال میں عزیز مذکور اگر اس پر راضی ہیں اور دارِ آخرت کے گناہ سے خائف ہیں تو ان کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ استغفار کرنے میں اور خدا کے سامنے گڑگڑا کر معافی (مانگنے میں) گناہ کی معافی کے علاوہ رفعِ درجات کی بھی امید ہے۔ میرے نزدیک ان کی یہ ندامت بہت اچھی چیز ہے۔ اس کو کم نہ ہونا چاہیے اور عجب نہیں کہ یہ ندامت اس ذکر ہی نے کی ہو جس کو وہ جیل میں بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان کو استغفار کرنا چاہیے اور ایسے بڑے جرم کی ندامت ہونی ضروری ہے۔ گناہوں پر ندامت کا نہ ہونا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عزیز مذکور کا ارادہ قتل کا نہ ہو بلکہ مدافعت کا ہی مقصود ہو لیکن گناہ بہرصورت گناہ ہے اور اگر عزیز مذکور سے ملاقات ہو تو میرا اسلام عرض کر دیں، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ مراحم خسروانہ کے سلسلہ میں جو درخواست کی گئی تھی اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ والسلام[1]

---

[1] محمد اعزاز علی (غفرلہ) مولانا/ از دیوبند مکتوب محررہ ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ

(۲)

عالی جناب مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب بھیں، تحصیل چکوال ضلع جہلم۔

میرے محترم زیدت معالیکم۔ السلام علیکم! میں منتظر تھا کہ جناب کا والا نامہ عزیزم قاضی مظہر حسین سلمہ کی رہائی کی خبر دے گا، لیکن مقدوراتِ الٰہیہ کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جگر پاروں کے یہ صدمے دردناک صدمات ہیں لیکن مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں کہ قضاء وقدر کے احکام کے بعد صبر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

اورعزیزم قاضی مظہر حسین سلمہ کو نجات عطا فرمائے۔ آمین[1] دعا گو۔

(۳)

جناب محترم مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب، مقام وڈا کھانہ بھیں، تحصیل چکوال، ضلع جہلم۔

جناب محترم زیدت معالیکم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا، عزیزم قاضی مظہر سلمہ کے حالات تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ معلوم ہوئے۔ آپ کے ارشاد کے موافق میں عزیز مذکور کو ابھی خط لکھ رہا ہوں۔ شاید وہ میرا کہنا مان لیں، جس کتاب کے متعلق جناب نے ارشاد فرمایا ہے، میں ان شاء اللہ جلد ہی عزیز مذکور کے نام بذریعہ پارسل روانہ کر دوں گا۔ قیمت روانہ فرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ کو ان سے زیادہ تعلق (ہے) تو کسی نہ کسی درجہ میں میرا بھی تعلق ان سے ہے۔ حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ مدظلہ مراد آباد جیل میں ہیں، اسارت کی مدت زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں ختم ہو جانی چاہیے لیکن گورنمنٹ کو جو آج کل غصہ کانگرسیوں پر ہے اس سے خوف ہے کہ شاید رہائی میں خدانخواستہ کچھ اور تعویق ہو، دعا کی ضرورت ہے۔ مراحم خسروانہ کی درخواست کے لیے بھی میں دعا کرتا ہوں، قادرِ مطلق کامیابی عطا فرمائے۔ والسلام[2]

حضرت شیخ الادبؒ کون سی بات منوانا چاہتے تھے؟

مرقومہ بالا خط میں جو کہا گیا کہ ''شاید عزیز مذکور میرا کہنا مان لیں۔'' یہ بھی ایک دلچسپ اور ایمان افروز پہلو ہے جو قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی تابناک زندگی کا قابل رشک نمونہ ہے۔ یہ معاملہ ہے اذان کا، جو قائد اہل سنت رحمہ اللہ جیل میں دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپؒ اپنی خودنوشت میں ارقام فرماتے ہیں:

''باقی تین احباب کو چکیوں میں رکھا گیا، میں کوٹھڑی میں اکیلا تھا، پانچوں وقت اذان دیتا رہا،

---

[1] محمد اعزاز علی غفرلہ/ از دیوبند، مکتوب محررہ، ۳۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ

[2] محمد اعزاز علی/ دیوبند، مکتوب ۸ شوال ۱۳۶۱ھ

گو جیل کے حکام زبانی روکتے رہے لیکن انہوں نے تشدد نہیں کیا۔ سنٹرل جیل لاہور میں بھی بندہ نے اذان شروع کر دی اور میرے کہنے پر چار پانچ اور قیدیوں نے بھی اذانیں شروع کر دیں، انگریزی دور میں بیس سالہ قیدیوں کو ایک بیرک میں نہیں رکھتے تھے ان کی روزانہ ازدی لگتی تھی یعنی شام کو دوسری بیرک میں بھیج دیا جاتا تھا۔ فیصل آباد کے ایک دس سالہ قیدی صوفی نور محمد تھے، وہ بیرک ۱۶ میں ہی رہتے تھے ایک رات میری ازدی اس بیرک میں تھی۔ صوفی نور محمد صاحب نے صبح کی اذان دی تو اس سرکل کے ایک اسسٹنٹ ڈپٹی کی طرف سے ایک قیدی نمبردار آیا اور دریافت کیا کہ اذان کس نے دی ہے؟ ڈپٹی صاحب بلا رہے ہیں، صوفی نور محمد نے کہا میں نے دی ہے۔ نمبردار نے اس کو ساتھ لیا تو میں بھی ساتھ چل پڑا۔ اسسٹنٹ ایک سکھ تھا اس نے صوفی نور محمد صاحب سے کہا تم نے اذان کیوں دی ہے؟ یہ جیل ہے۔ اس پر میں نے کہا ہم مسلمان ہیں اور جیل میں آئے ہیں تو اپنا ایمان ڈیوڑھی میں نہیں چھوڑ آئے، بلکہ ساتھ لائے ہیں، اس پر وہ آگ بگولا ہو گیا اور کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کیا، لیکن کانپ گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمت نہ دی۔''

جوشِ جوانی اور جذبۂ دین

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے قائد اہل سنت لکھتے ہیں:

''ورنہ اگر وہ (سکھ اسسٹنٹ) ہاتھ اٹھاتا تو میں بھی مقابلے کے لیے تیار تھا، کچھ دین کا جذبہ بھی تھا اور کچھ جوانی کا جوش بھی، کیونکہ اس وقت میری عمر ۲۷ سال تھی۔ اسسٹنٹ نے نمبردار سے کہا کہ انہیں ڈپٹی سپرٹینڈنٹ کے پاس لے جاؤ، ان کا نام امیر شاہ صاحب تھا اور وہ گجرات کے رہنے والے تھے، اور عقیدہ کے لحاظ سے سُنی تھے۔ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے شاہ صاحب نے میری ڈیوٹی جیل کے پریس میں لگائی تھی، جہاں شہر سے افسران اور کلرک آتے تھے۔ جب جیل میں چار پانچ بیرکوں میں اذانیں شروع ہو گئیں تو جیل انتظامیہ میں ہلچل مچ گئی۔ ایک دوسرے قادیانی سپرٹینڈنٹ نے مجھے کہا کہ تو بڑا مذہبی بنا ہوا ہے حالانکہ تو نے قتل کر رکھا ہے، اور ساتھ ہی اس نے آیت پڑھی **ومن قتل مومنا متعمدًا فجزاءہ جھنم وساءت مصیرًا** (جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے میں نے جواباً کہا کہ یہ قتل عمد نہیں اور یہ آیت

پڑھی فو کزھموسیٰ فقضی علیہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو مکا مارا اور اس کی جان نکل گئی) اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قتل کا نہ تھا، یہ سن کر وہ پریشان ہوگیا اور اہلکاروں سے کہا پریڈ کے بعد اسے میرے دفتر لے آؤ، چنانچہ دورہ ختم ہونے پر وہ مجھے جیل کے ڈیوڑھی میں لے گئے جہاں اس کا دفتر تھا، مجھے کہنے لگا کہ جیل میں اذان ممنوع ہے، میں نے کہا یہ حکم شریعت ہے، میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس پر اس نے کہا ''تو پاگل ہے'' میں نے یہ حدیث سنائی کہ ''لن یؤمن احدکم حتی یقال لہ انك لمجنون'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا، جب تک لوگ اسے مجنون نہ کہہ دیں۔ اس پر قادیانی افسر نے کہا کہ اسے یہاں سے نکال دو۔ مجھے واپس بیرک لے جایا گیا جہاں ہم نے اذانیں جاری رکھیں۔ جیل میں ہماری کامیابی کا بڑا چرچا ہوا کہ باوجود افسران کے منع کرنے کے انہوں نے اذان نہیں چھوڑی۔ یہ نصرت الٰہی کا کرشمہ تھا ورنہ انسان بہرحال عاجز ہے۔ چند دنوں کے بعد ہمیں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لگا کر سنٹرل جیل ملتان بھیج دیا گیا، وہاں بھی اذانوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک ماہ بعد دوبارہ لاہور سنٹرل جیل لایا گیا تو میرے والد صاحب گرامی مجھے ملنے جیل آئے جہاں میں چکیوں میں تھا۔ جیل سپرٹینڈنٹ سید امیر شاہ صاحب قبلہ والد صاحب کے واقف تھے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ اسے پریس پہ لگا دو، میں نے پریس میں بھی اذان جاری رکھی۔ پھر مجھے راولپنڈی جیل منتقل کر دیا گیا، جہاں اڑھائی برس رہا۔''[1]

والد گرامی اور استاذِ ذی قدر کا مشورہ صائب، مگر ''مجھے ہے حکم اذان''

اب آیئے دوبارہ شیخ الادب رحمہ اللہ کے گذشتہ صفحات پر مندرجہ خط کی طرف، دراصل جب قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے جیل میں ''تحریک اذان'' جاری فرمائی تو آپ کا یہ عمل چونکہ خالص مومنانہ ومجاہدانہ صفت جمیل کا مظہرِ اتم تھا، اس پر آپ کو مختلف جیلوں میں منتقل کر دیا جاتا، اور مشقت میں بھی اضافہ کر دیا جاتا، کبھی لاہور، کبھی ملتان تو کبھی راولپنڈی، والد گرامی مولانا دبیر رحمہ اللہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ جیل قوانین کی خلاف ورزی کر کے خود کو اور ساتھ مجھے بھی مزید تکلیف سے دوچار کر رہے ہو۔ کیونکہ کبر سنی کے عالم

[1] قائد اہل سنت رحمہ اللہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ / آپ بیتی بدستِ خود / ماہنامہ حق چار یار فروری ۲۰۰۰ء

میں بھیں سے دور دراز شہروں تک سفر کرنا اور عدالتوں، کچہریوں میں حاضر ہونا بہت مشکل کام تھا، بالخصوص اس زمانہ میں جب کہ سفری آمدورفت کے ذرائع بہت ہی محدود تھے۔ ایک باپ کو یہ کہنے کا پورا حق تھا، وہ محبت میں کہہ سکتے تھے اور ڈانٹ ڈپٹ کر بھی! لیکن یہاں بات فتوے کی نہیں، تقوے کی تھی! والدگرامی قبلہ فتویٰ کی گنجائش پر تھے اور پسرِ ذی محتشم ''تقوے'' کے نور سے منور! اللہ اللہ! کیا سماں تھا، چنانچہ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمۃ اللہ نے ایک مفصل عریضہ حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ کو ارسال کیا کہ آپ انہیں سمجھائیں کہ اذان ترک کر دیں، شیخ الادبؒ نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ ''میرے کہنے سے شاید وہ ضد چھوڑ دیں'' چنانچہ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اپنی تکلیفوں میں اضافہ نہ کریں، اگر موقع ہو تو آئینی حدود میں رہ کر کارکنان جیل سے اجازت لے کر واجباتِ شرعیہ و فرائض اسلامیہ کو ادا کریں اور اگر خدانخواستہ اجازت نہ ملے تو ایسی صورتوں (میں) غالب درجہ یہ ہے کہ اشارے تک سے نماز پڑھ لینے کا بھی حکم ہے۔ شرع کی عطا فرمائی سہولتوں پر عمل کریں۔''[1]

مگر قائد اہل سنت رحمۃ اللہ نے عزم کر رکھا تھا کہ انگریزی دورِ استبداد میں جہاں بڑے بھائی غازی منظور حسین نے اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کر دیا تھا وہاں دورانِ اسارت اذان کہنے پر مصائب و معائب اگر آتے ہیں تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ چنانچہ عظیم والدگرامی نے بھی پھر منظور نظر کی پشت پہ ہاتھ رکھا، اور آشفتہ حالی میں اپنے لختِ جگر کے اس قدر عزمِ مصمم کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور پھر دوبارہ کبھی منع نہ فرمایا۔

روشن ہے شمع دِل میں خدا کے جمال کی
پاکیزگی عجیب ہے میرے خیال کی

مکان وجائیداد کی قُرقی، عدالت میں جرح، ضبطی سے واگذاشتی اور پولیس پر جرمانہ

اسی دوران ایک حوصلہ افزاء عدالتی فیصلہ بھی ہوگیا۔ یہ بھی ایک مستقل داستان ہے، اگرچہ اس کا تذکرہ ہمیں شہید غازی منظور حسین رحمۃ اللہ والے باب میں کرنا چاہیے تھا، مگر چونکہ یہ عدالتی فیصلہ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کی اسارت اور والدگرامی کی جانب سے رہائی کے لیے کی جانے والی تابڑ توڑ کوششوں کے

[1] مولانا اعزاز علیؒ دیوبندی/مکتوب، ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ

دوران ہوا، اس لیے یہیں یہ درج کرنا مناسب قرار پایا، اس داستانِ ہوش رُبا کی تمہید یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا ذاتی مکان جہاں (اب امیر مرکزی تحریک خدام اہل سنت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر کی رہائش ہے) صدیوں سے آباء واجداد کے ترکہ میں چلا آ رہا تھا، اس کے بڑے دروازہ پر ''منظور منزل'' کی تختی نصب تھی۔ جب ایس ڈی او کا قتل ہوا اور غازی صاحب علاقہ غیر میں چلے گئے تھے تو حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ پر گورنمنٹ کی جانب سے اصرار تھا کہ بیٹے کو پیش کرو! حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ کہاں سے پیش کرتے؟ چنانچہ آئے روز تفتیشی ٹیموں کی وقت بے وقت آمد اور مولانا کو مختلف مقامات پر لے جانے کی اس اذیت ناک روش سے اگرچہ آپ مجسمہ صبر اور کوہِ استقامت بن کر رہے، تاہم آخر گوشت پوست کے انسان تھے۔ خوددار، غیور اور شرافت نفس کے سارے تقاضوں کو سمجھنے والے تھے، علاوہ ازیں مرزا قادیانی اور اہل تشیع کے ساتھ سلسلہ احقاقِ حق اور ابطال باطل میں پوری زندگی عدالتوں، تھانوں، کچہریوں اور پنچائتوں میں گذار کر بیٹھے تھے۔ آپ نے غازی منظور حسین رحمہ اللہ کے رُوپوش ہوتے ہی مخدراتِ خانہ کو بھیں اور اردگرد کے علاقوں میں پھیلے ہوئے اپنے خونی رشتہ داروں کے ہاں منتقل فرما دیا تھا، تا کہ چادر و چار دیواری کا تقدس متاثر نہ ہو سکے۔ قادیانی مورخ کا یہ کہنا بالکل خلافِ تحقیق ہے کہ پولیس نے۔ (''مولوی کرم دین صاحب کو ۲۱، جولائی ۱۹۴۱ء کو ڈھاب کلاں تحصیل چکوال میں گرفتار کر لیا اور اسے شہر بہ شہر لیے پھرتی رہی، اور اُن کی بیوی بھی کئی دن تک پولیس کی تحویل میں رہی۔'' دوست محمد شاہد/ تاریخ احمدیت، جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۰۸، مطبوعہ چناب نگر ربوہ)

حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ مفرور ہی نہ تھے تو گرفتاری کا کیا سوال؟ جب اور جہاں پولیس آپ کو طلب کرتی آپ وہاں پہنچ جاتے یا پولیس کی تفتیشی ٹیم موضع ''بھیں'' پہنچ جاتی تھی، موضع ڈھاب کلاں میں آپ کے جدی رشتہ دار موجود تھے، اُن کے ہاں بمطابقِ معمول گئے ہوئے تھے کہ ایک پولیس کی ٹیم نے وہاں جا کر بیانات قلمبند کیے۔ مخدرۂ مولانا دبیر رحمہ اللہ کا پولیس کی تحویل میں رہنے والا بیان بھی اُسی بازار کی جنسِ بے قیمت ہے جس بازار سے مرزا قادیانی کو ''الہامات'' مہیا ہوتے تھے، یہ کذب محض ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ پولیس نے بذریعہ حکم عدالت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کا ذاتی مکان اور کچھ زرعی اراضی یہ کہہ کر قُرق کر لی کہ اس کے مالک غازی منظور حسین ہیں، حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ نے اس کے خلاف راولپنڈی عدالت میں مقدمہ داخل کروایا اور دعویٰ دائرہ کرتے ہوئے یہ موقف اختیار

کیا کہ جب میں زندہ ہوں اور اپنی جائیداد کا خود مالک ہوں تو میرے ہوتے ہوئے مال و جائیداد بصورتِ ترکہ میری اولاد کو کیسے چلا گیا؟ پولیس نے وہاں گھسا پٹا موقف پیش کیا کہ گھر پر ''منظور منزل'' کی تختی نصب ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دلیل بے وزن تھی، سو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا وہ مکان جس کی ضبطی یا نیلامی کا حکم مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۴۲ء کو دیا گیا تھا، منسوخ کر دیا گیا اور حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ کو نہ صرف جائیداد واپس مل گئی بلکہ اُلٹا محکمہ پولیس پر جُرمانہ عائد کیا گیا، جو مولانا دبیر رحمہ اللہ کی جرح و درخواست کو منظور کرتے ہوئے عدالت نے حکماً پولیس کو جرمانہ دینے کا پابند کیا تھا، بقول مولانا دبیر رحمہ اللہ کے پوتے مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر، کہ دادا صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے، جج نے مسکراتے ہوئے مجھے کہا تھا کہ آپ وہ واحد انسان ہیں جو پولیس سے جرمانہ وصول کر رہے ہیں۔

شیخ العرب والعجم مولانا سید حُسین احمد مدنیؒ کا والا نامہ

اسی دوران فرزند دِل بند کے مشورے کے مطابق مولانا دبیر رحمہ اللہ نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بذریعہ خط بیعت کی خواہش ظاہر فرمائی۔ تو آپؒ نے جوابی خط میں فرمایا کہ آپ کو تجدید بیعت کی حاجت نہیں ہے۔ سابقہ شیخ کے اوراد و وظائف جاری رکھیں۔ اس پر قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی قبلہ کو جیل سے مندرجہ ذیل عریضہ ارسال کیا۔

بخدمت جناب والدی المکرم مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آج ہی آپ کا کارڈ مل کر کاشف احوال ہوا۔

① کل مورخہ ۱۱، مئی کو چالان کا حکم ملا تھا لیکن تین چار روز سے ہسپتال میں داخل ہوں لہٰذا چند ایام کے لیے التواء ہو گیا ہے صرف بول احمر اللون کی شکایت ہے۔ اور کسی قسم کا دکھ درد لاحق نہیں اور یہ بھی منجملہ حکم خداوندی سے ہے۔ لعل ھذا یکون سببا للنجاۃ ور ائیت فی المنام ھکذا من قبل۔

② حضرت مدنی کا گرامی نامہ باعث شرف ہے۔ یہ ہے اہل اللہ کی علامت، اگر وہاں ہوا و ہوس ہوتی تو آپ جیسے مشہور عالم کی بیعت پر فخر کیا جاتا، تجدید بیعت نہ کرنا حضرت کی غایت تواضع ہے اور شاید حضرت سیالوی رحمہ اللہ کا ادب بھی ملحوظ رکھا ہو، حضرت کی انکساری کا تو یہ حال ہے کہ مہمانوں کے لیے خود کھانا اٹھا کر لاتے دیکھا ہے۔''[1]

---

[1] مظہر حسین، قاضی، مولانا رمکتوب محررہ ۱۲، مئی ۱۹۴۵ء بنام ابو الفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ

تبصرہ

① اس خط میں حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ آپ اپنے پہلے والے شیخ کے اوراد و وظائف جاری رکھیں تو اس سے مراد خواجہ محمد الدین سیالوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۰۹ء) ہیں۔ جو حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے فرزند تھے۔ علاوہ ازیں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ خانقاہ چُورہ شریف سے بھی مُجاز بیعت تھے اور وہ اجازت نامہ ہم نے اپنی مطبوعہ کتاب ''ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ'' ''احوال وآثار'' میں عکسی صورت میں شائع کر دیا ہے۔

② اس خط میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے جیل کے اندر اپنی تکلیف بول احمر اللون کا ذکر کیا ہے۔ یہ تکلیف حضرتِ والا کو بچپن میں بھی رہی، اگرچہ مستقل طور پر تو اللہ کریم نے آپ کو محفوظ رکھا تھا لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات کھانے پینے یا دیگر معمولات یومیہ میں اگر معمولی سا بھی فرق آ جاتا تو یہ تکلیف گاہے ماہے عود کر آتی تھی۔ مگر اس دوران بھی آپ کا صبر و تحمل قابل دید تھا، جو خط میں مندرجہ الفاظ سے ظاہر ہے۔ نیز بچپن میں جب کہ آپ کی عمر محض ۱۰/۱۱ سال تھی تب تو آپ کو اس قدر تیز بخار بھی ہو جاتا تھا کہ حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ دور دراز کے حکماء و اطباء سے علاج کرواتے تھے اور خود بھی ایک کامل طبیب ہونے کی حیثیت سے علاج فرماتے رہتے تھے بلکہ اس دوران آپ اپنے اہم تبلیغی دورے بھی منسوخ کر دیتے تھے۔ چنانچہ اُس زمانے میں ایک مرتبہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کو مدرسہ نعمانیہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کرنا تھی کہ اچانک قائد اہل سنت بیمار پڑ گئے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے منتظمینِ جلسہ کو جو خط روانہ فرمایا تھا، اس کا ذکر مدرسہ نعمانیہ کے ماہوار رسالہ میں جلسہ کی روداد کے اندر شائع کیا گیا تھا۔ چنانچہ روداد نگار نے لکھا:

> ''مولوی کرم الدین صاحب رئیس بھیں تشریف نہ لا سکے تھے، مولوی جمال الدین صاحب امام مسجد کوٹھی داراں نے عالمانہ وعظ فرمایا۔ مولوی کرم الدین صاحب بوجہ علالت اپنے صاحبزادے کی، نہ پہنچ سکے تھے جن کا کارڈ آ گیا تھا، جس میں درج تھا کہ کل تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ لیکن دوسرے دن کے لیے بھی کارڈ آ گیا کہ تکلیف زیادہ ہوگئی ہے، آج بھی نہیں پہنچ سکتے۔''[1]

---

[1] روداد جلسہ سالانہ انجمن نعمانیہ ہند لاہور ۲۵ تا ۲۷ ستمبر ۱۹۲۵ء، مشمولہ ''صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور/ عکسی اشاعت/ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی/ سال طباعت ۲۰۱۲ء۔

قائد اہل سنت کا اپنے والد گرامی کو ایک مشورہ، جس کی تعمیل آخر کار سببِ وفات بن گئی

قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے دورانِ اسارت ایک مرتبہ ملاقات میں اپنے والد صاحب قبلہ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ غازی منظور حسین شہید رحمہ اللہ کے سوانح قلمبند کریں کیونکہ آپ جیسا عظیم و باکمال والد جب اپنے مجاہد بیٹے کے احوال لکھے گا تو اسے پڑھ کر لوگوں کو بہت کچھ سمجھنے اور سیکھنے کا ایک نادر موقع ہاتھ آئے گا نیز غازی صاحب شہید رحمہ اللہ کے مکمل حالاتِ زندگی بھی محفوظ ہو جائیں گے، ان دنوں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ پر کبرسنی کا غلبہ تو تھا ہی اور مصائب و شدائد کا ہجوم اس پر مستزاد تھا لیکن اس سے بڑھ کر آنکھوں کے موتیا کا مسئلہ درپیش تھا۔ کیونکہ آنکھوں میں موتیا اتر آنے کی وجہ سے آپ بہت مشکل مراحل سے گذر رہے تھے، دو چار رفقاء کی مستقل رفاقت سے جیل و عدالت تک اسفار تو جاری رہے مگر اب مطالعہ وتصنیف ناممکن ہو کر رہ گیا تھا، اسی دوران آپ نے راولپنڈی سے آنکھوں کا آپریشن کروالیا تھا جس سے بصارت لوٹ آئی اور عینک لگ گئی اس موقع سے آپ نے پہلے پہل یہی فائدہ اُٹھایا کہ اسیر فرزند کی خواہش پر شہید فرزند کی سوانح عمری لکھی۔ اب اس کی کتابت کا مرحلہ آیا تو آپ نے قائد اہل سنت کو خط لکھا کہ حافظ آباد میں مسودہ کاتب کے سپرد کروں گا اور شب بھر وہاں ٹھہر کے پرسوں تمہاری ملاقات کے لیے سنٹرل جیل لاہور آجاؤں گا۔ لیکن یہ ایک انسانی پروگرام تھا، بشری تدبیر تھی جسے دیکھ کر تقدیر مسکرا رہی تھی کیونکہ حق تعالیٰ کے ہاں کچھ اور ہی مقدر تھا۔ ماہِ جولائی کا شدید گرم موسم تھا۔ آپ اپنے تیسرے بیٹے صوبیدار ضیاء الدین کے ہمراہ اولاً حافظ آباد پہنچے، جہاں غازی شہید کی سوانح عمری والا مسّودہ کاتب کے حوالے کیا اور رات کو جس مکان میں مقیم تھے، اس کی چھت پر چارپائی لگوادی، اور سو گئے۔ شب کسی وقت پیشاب کی حاجت ہوئی تو پاس سوئے ہوئے بیٹے کو جگانا گوارا نہ کیا، عجیب خود دار طبیعت کے مالک تھے اور دوسروں کے خیال کا اس قدر احساس کہ بیان وتحریر سے اس کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اکیلے ہی قضائے حاجت کے لیے اٹھے اور بجائے سیڑھیوں کی طرف جانے کے اندھیری رات میں غلطی سے گلی کی طرف مڑ گئے، مکان کی چھت پر کوئی حفاظتی دیوار نہ تھی۔ دھڑام سے نیچے گرے اور اللہ کا یہ شیر دنیاوی مصائب وآلام سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پا کر جنت الفردوس کا مکین بن گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یقین کرو نہ کرو، مستعار ہے یہ حیات
سفر ہے یہ تو گزارو اسے سفر کی طرح

آپ کی میت واپس ''بھیں'' لے جائی گئی اور مولانا قاضی ثناء اللہ امام النحو نے نماز جنازہ پڑھائی، وہی مولانا ثناء اللہ جو ۱۹۴۰ء کے قضیہ نکاح میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کے مخالف کیمپ میں تھے اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ تاریخ وفات ۱۷، جولائی ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۸، شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ ہے۔ اس سے ٹھیک ایک سال بعد ہندوستان تقسیم ہو گیا اور پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ گویا مولانا دبیر رحمہ اللہ کو ''پاکستان'' دیکھنے کا موقع نہ ملا، کاتب السطور نے اس پر کافی غور و خوض کیا تو ایک نتیجہ دماغ میں آیا جو قلم کے ذریعے صفحہ قرطاس پہ ثبت ہو گیا کہ جغرافیائی تقسیم سے شخصیتیں بھی تقسیم ہو جاتی ہیں، بلکہ بکھر جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ ہوا کہ آنے والا کوئی مؤرخ میرے اس محبوب بندہ کو ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کے باشندہ کے رُوپ میں دیکھے۔ کیونکہ مولانا دبیر متحدہ برصغیر کے طویل وعریض رقبے پر پھیلے ہوئے تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے مقتداء و رہبر تھے، نہیں بلکہ محسن بھی تھے، جنہوں نے خود ہی نہیں بلکہ اپنے لائق وارجمند بیٹوں کو بھی ملک وملت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا، تاہم جاتے جاتے وہ قائد اہل سنت کے روپ میں اہل پاکستان کو، اہل سنت کو تحفۂ نادر دیئے جا رہے تھے جو اپنے حُسنِ کردار اور پاکیزہ جذبات کے ذریعے ایک نیا باب اور نئی تاریخ رقم کریں گے۔

مولانا محمد کرم الدین دبیر کے کتب خانہ کا کیا ہوا؟

غازی منظور حسین صاحب کی شہادت اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی اسارت کے بعد جب مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی جائیداد اور ذاتی مکان بحق سرکار قُرق ہوا تو آپ نے اپنا وسیع کتب خانہ موضع دیالی (سرگڈھن) ضلع جہلم کے حکیم غلام محی الدین دیالوی کے گھر منتقل فرما دیا تھا، جب مکان واگذار ہوا تو مولانا دبیر رحمہ اللہ زندگی کی بالکل آخری بہاریں دیکھ رہے تھے، مُسلسل مصائب اور حوادث نیز کبرسنی کی وجہ سے اب پہلے والی تُرت پھُرت نہ رہی تھی۔ اس اثنا میں آپ کی رحلت ہو گئی، جس کے چند سال بعد قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی رہائی عمل میں آئی اور جب آپ رہا ہوئے تو ابتدائی کئی سال تو اسی تحقیق میں گذر گئے کہ کتب خانہ کہاں منتقل کیا گیا تھا؟ اس دوران حکیم غلام محی الدین دیالوی کا بھی انتقال ہو گیا، وہ لاولد تھے اور ورثاء نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا کتب خانہ اونے پونے میں فروخت کر دیا جب قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو پتہ چلا تو آپ نے قصبہ دیالی (سُرگڈھن) رابطہ کیا، چنانچہ اس وقت سوائے ڈیڑھ دو درجن بھر کتابوں کے سارے کا سارا کتب خانہ فروخت ہو چکا تھا[1] **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

---

[1] روایت حکیم مختیار احمد الحسینی مرحوم (سرگڈھن، جہلم، مصنف سے ملاقات)۔

والدِ گرامی کی رحلت کے بعد ہمشیر صاحبہ کو جیل سے پہلا خط، صبر و ہمت کی تلقین، احساس ذمہ داری کی ترغیب اور رسم و ریت پہ تشویش

والدگرامی قبلہ کی وفات کے بعد جو آپ نے پہلا خط اپنی ہمشیر صاحبہ کو سنٹرل جیل لاہور سے ارسال کیا، وہ ملاحظہ کیجیے:

اُختنا المحترمہ سلمہا اللہ الکریم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الحمد للہ! آپ کو صبر و استقلال عطا ہوا ہے۔ اہل ایمان کا یہی شیوہ ہے کہ ہر حال میں متوکل علی اللہ رہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ان مصائب میں ہم ضعفاء کو صبر عنایت فرمایا ورنہ ہم کیا ہیں؟ بے اختیار و بے بس! وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ آئندہ بھی اس کی بارگاہ سے امید رحمت رکھتے ہیں۔ موت کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ بشرط زندگی مصیبتِ موجودہ بھی ان شاء اللہ ایک دن زائل ہوجائے گی اور مفارقت کے داغ مٹ جائیں گے۔ احقر اپنے اندر کوئی کمال نہیں رکھتا۔ سراپا غافل و عاصی ہے اور اصلاحِ نفس میں بہت زیادہ کاہل! لیکن بایں ہمہ احقر یہی کہتا ہے کہ ہماری مصیبت ہمارے ہی اعمالِ سیئہ کا نتیجہ ہے۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِي اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ، اور باوجود سزا ہونے کے یہ مصیبت ہمارے لیے سراسر رحمت الٰہیہ ہے کیونکہ سزا سے مقصود بھی بندہ کی اصلاح ہی ہے (جو) ہر لحاظ سے ہمارے لیے جالبِ رحمت ہے اور آپ کے لیے اور ہمارے جملہ احباب و متعلقین کے لیے بھی! اس لیے میری اسارت کا غم تو بالکل بھلا دیں۔ ہماری نجات کا وقت مقرر ہے اس کے مطابق باذن اللہ ضرور واقع ہوگا۔ البتہ نفس دعا میں کوئی مضائقہ نہیں۔ الحمد للہ! اب تک بہت راحت سے دن گذرے ہیں اور آئندہ بھی ان شا اللہ فضل خداوندی کے امیدوار ہیں۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ۔ اس وقت آپ کی ہمت یہی ہے کہ والد مرحوم کے غم کو دل میں جگہ نہ دیں اور اگر کسی امر میں بے اختیار ایسا خیال آ بھی جائے تو معیت و مشیتِ خداوندی کا مراقبہ کریں کہ اللہ جل شانہ قدیر بھی ہے اور حکیم بھی۔ اس کو قدرت تھی کہ والد صاحب کا سایہ اور زیادہ مدت کے لیے ہمارے سروں پر رہتا لیکن ان کی حکمتِ بالغہ یہی تھی کہ ان کو ہم سے جدا کر کے اس دار فانی کے مصائب سے نجات دی جائے۔ اس میں ہم کو تردّد زیادہ نہیں کرنا چاہیے۔ باقی دیگر معاملات میں اللہ تعالیٰ خود دستگیری فرمانے والے ہیں۔ وہ خود ہمارے ضُعف کو جانتے ہیں۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ ان شاء اللہ ایسا خیال کرنے سے کوئی خاص ملال لاحق

نہیں ہوگا۔ اس وقت آپ کا کام یہی ہے کہ احکام شرع کے ماتحت گھر کے مشاغل کو جاری رکھیں۔ حتی الوسع معاملات میں مخلوق سے نظر اٹھانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ مخلوق کی ہر خواہش کو آدمی پورا نہیں کر سکتا، البتہ ہر ایک سے حُسنِ خلق کا برتاؤ کرنا ضروری ہے جب تک کہ اپنے ضروری مشاغل دینیہ میں خلل انداز نہ ہوں۔ **وما التوفیق الا باللہ العلی العظیم**۔

میرا خیال بھی ہے کہ ایک دفعہ ملاقات ہو جائے تا کہ آپ کی مزید تسلی ہو اور عزیز[1] کی بھی تمنا پوری ہو لیکن کچھ دن اور صبر کریں۔ میں خود آپ کو لکھوں گا۔ جب تک باپردہ مستورات کی ملاقات کا خاص انتظام نہ ہو، ملاقات فضول ہے۔ نیز ان دنوں شہروں میں فسادات کا بھی خطرہ ہے۔ بہرحال میری اطلاع کا انتظار کریں نیز میرا ارادہ ہے کہ جائیداد کی تقسیم کے لیے دیوبند سے افتاء منگواؤں گا اور تمام بھائی بہنوں میں شرع کے مطابق جائداد تقسیم کی جائے گی۔ یہ ضروری فرض ہے، لوگوں نے اس کو بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ نیز اپنے اور بیگانے کا جو قرض والد صاحب پر باقی رہ گیا ہے اس کی فہرست تیار کریں اور آپ اپنا حساب بھی کریں، بحکم شریعت میت کے ترکہ میں سے پہلے قرض ادا کرنا ضروری ہے، اس کے بعد وارثوں میں جائداد تقسیم ہوتی ہے۔ **مِنۡ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ**۔ قاضی محمد حنیف صاحب[2] کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ رمضان (المبارک) کے بعد والد محترم کے چالیسویں کی رسم ادا کی جائے گی۔ یہ خلافِ شرع رسمیں ہیں اور دن متعین کر کے ایصالِ ثواب ضروری سمجھنا بدعت و گناہ ہے۔ ہرگز اس رسم کو ادا نہ کیا جائے۔

اسی طرح آئندہ مولوی صاحب[3] اور والد صاحب[4] وغیرہ کا کسی قسم کا عُرس قائم نہ کیا جائے، تاکید ہے۔ اس میں طرح طرح کے مفاسد ہیں بندہ ان رسموں کو کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتا، ایصالِ ثواب کے متعلق پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ صدق و اخلاص سے خدا کی راہ میں صدقہ کر کے اس کا ثواب بخشنا جائز ہے۔ بشرطیکہ خلافِ شرع اجتماع نہ ہو جائے۔ سوا لاکھ آیت کریمہ یا درود شریف یا کلمہ شریفہ

---

[1] صاحبزادہ قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مُراد ہیں جن کی اس وقت ۶ / ۷ سال عمر تھی۔

[2] قاضی محمد حنیف مرحوم اصلاً دینہ ضلع جہلم کے رہنے والے تھے اور قصبہ بھیں میں ''پٹواری'' تھے، حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین صاحب دبیرؒ کے یارانِ وفا میں سے تھے۔

[3] غازی منظور حُسین شہیدؒ، جو بچپن ہی سے ''مولوی صاحب'' مشہور تھے۔

[4] ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیرؒ

کا لاکھ پڑھ کر والد مرحوم کو ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں۔ پڑھنے والے بے طمع اور نیک لوگ ہوں تو بہتر ہے اس کے ساتھ کھانے کا انتظام کرنا ضروری نہیں، اگر نقدی یا طعام یا کپڑوں کا صدقہ کرنا ہو تو بغیر کسی اہتمام کے کسی اور دن کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں نے خواہ مخواہ تکلفات کو اختیار کر لیا ہے، ورنہ شریعت میں بہت آسانی رکھی گئی ہے۔ چوتھا، چالیسواں نہ کیا جائے تو ملامت کرتے ہیں اور اگر کوئی مسلمان نماز، روزہ نہ ادا کرے تو کوئی رنجش نہیں کی جاتی۔ مردوں اور عورتوں میں سے کتنے بالکل تارکِ نماز ہیں ان پر کوئی نکیر نہیں کرتے، عورتوں میں تو نماز کی پابندی کوئی ہی ہوتی ہے۔ یہ زمانہ بے دینی اور مخالفتِ شرع کا ہے۔ رسوم و بدعات سے بالکلیہ اجتناب کرنا اور صوم و صلوٰۃ اور دیگر ضروریاتِ اسلام کی پابندی کے لیے مسلمانوں کو تلقین کرنا بہت ضروری ہے۔ موت و حیات اور شادی، غمی کی رسموں کو مطابق شرع ادا کرنا ضروری ہے، بدعت کو مٹانے اور سنتِ پیغمبرِ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کو زندہ کرانے میں بڑا ثواب ہے اور یہی کمالِ ایمان ہے، مشکوٰۃ شریف کی حدیث کا مطالعہ کر لیں، خداوندِ کریم ہم کو شریعتِ مُقدسہ کی اتباع کی توفیق و استقامت نصیب فرمائیں، اَلْاِسْتَقَامَۃُ فَوْقُ الْکَرَامۃ۔ ماہِ رمضان (المبارک) کا حق تو ادا نہیں ہوا، البتہ دنیاوی حیثیت سے روزِ عید اچھی طرح منایا گیا۔ بفضلہ تعالیٰ چار پانچ قسم کا کھانا میسر ہو گیا، احباب کی تسلی ہو گئی، نمازِ عید بھی پڑھی گئی اور اُساریٰ کا کافی اجتماع ہو گیا۔ محمد اکبر بخریت ہیں ان کے گھر میں سلام مسنون پہنچا دیں، محمد اسلم کا خط بھی مل گیا تھا ایک ضروری بات محمد اکبر کی طرف سے عرض کی جاتی ہے اور میرے نزدیک بھی اس کا انجام دینا بہت ضروری ہے۔ غلام حسین کی وفات کے بعد اہل و عیال پریشانی میں ہوں گے۔ دونوں لڑکیوں کا شرع کے مطابق نکاح ہو چکا ہے محمد اسلم کی موجودگی میں ان کو گھر لے آنا چاہیے وہ والدہ اسلم کے پاس ہی رہیں، ان کا گھر اب یہی ہے۔ محمد اکبر کو اس کا بڑا فکر ہے کہ سسرال والے کوئی خرابی نہ کریں اس کا جلد انتظام کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں یہاں ان کی تربیت اچھی ہو جائے گی، چھوٹی عمر میں گھر سے مانوس ہو جائیں گی۔ نیز آپ کے پاس پڑھتی رہیں گی، بڑی بے بے صاحبہ بھی یہاں ہی ہوں گی تو وہ بہت خوش رہیں گی۔ چھوٹی لڑکیوں کا موضع جھالے میں رہنا ہرگز مناسب نہیں [۳]۔

☆ یہ خط ۳۲ سالہ ایک ایسے نوجوان کا ہے جو جیل کی تنہائیوں میں اس حال میں ہے کہ جیل ہی میں والد مکرم کی وفات کی خبر آتی ہے، جیل ہی میں بڑے بھائی غازی منظور حسین شہید رحمہ اللہ کی شہادت کی

۳؎ مکتوب قائد اہل سنت بنام ہمشیر صاحبہ/۔۔۔شوال ۱۳۶۵ھ/سنٹرل جیل، لاہور

خبر آتی ہے اور والدہ ماجدہ سمیت دیگر خاندان کے کئی ایک بزرگوں کی اموات بھی اس قید و قفس کے دوران ہوجاتی ہیں، مگر جوانِ رعنا کا حوصلہ کس قدر بلند ہے؟ شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنے اور کروانے کا دعوتی انداز کس قدر اعلیٰ ہے؟ رسومات و روایات سے پرہیز کرنے میں کتنا پُرعزم ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل و یقین کی دولت سے کتنا لبالب ہے؟ یہ سب کچھ اس خط کی سطر سطر سے عیاں ہے۔

ایامِ قفس میں شیخ العرب والعجم کی جانب سے اجازتِ بیعت وخلافت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قِبطی کو مُکا ارادۂ قتل سے نہیں مارا تھا، مگر وہ تاب نہ لاتے ہوئے مر گیا، ایسے ہی قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے بھی متنازعہ مکان کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے جھگڑے کے اندر چوہدری مہدی خان کو جان سے مارنے کا ارادہ نہیں کیا تھا، ان کی جانب سے حملے کی ابتدائی ہوئی تھی تو آپ نے مدافعت کرتے ہوئے جوابی کارروائی کی جو ''لطمۂ موسوی'' ثابت ہوا اور وہ مجروح ہو کر بعدازاں فوت ہوگیا (مکمل تفصیل گذر چکی ہے) قائد اہل سنت رحمہ اللہ چونکہ عالم دین ہونے کی حیثیت سے وارث انبیاء تھے، چنانچہ ہر حق گو اور متقی عالم کو کسی نہ کسی نبی یا رسول سے ایک لطیف تشبیہ حاصل ہوتی ہے، یہ ایک دلچسپ موضوع ہے، مگر اس قدر طُول وطویل کہ یہاں فی الوقت گنجائش ممکن نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس زمانہ میں رائج قانون کے مطابق جلاوطن ہوئے، مگر اُن کے دل میں ایک زبردست اضطراب رہا کہ ان کے ہاتھوں ایک انسانی جان ضائع ہوئی ہے جسے وہ ''اِنَّهٗ مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ'' سے تعبیر فرما کر عنداللہ اظہارِ ندامت کرتے رہے اور اُن کا رجوع الی اللہ اس شان سے مقبول ہوا کہ ''پیغمبری'' مل گئی۔ اسی طرح حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو بھی ازروئے قانون جیل جانا پڑا، مگر آپ نے بایں طور انابت الی اللہ پہ تذکیہ ومجاہدہ کیا کہ رہائی سے قبل آپ کو قفس ہی میں عالم اسلام کے ایک بہت بڑے روحانی مقتداء اور لائق فخر پیشوا کی جانب سے روحانی سلسلہ میں اعتماد کی دستار دی گئی۔

عالم اسلام کے اس روحانی پیشوا کا نامِ نامی اسم گرامی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ ہے۔ جو اپنے ہزاروں تلامذہ کی طرح قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے بھی استاذ محترم تھے اور عظیم المرتبت شیخ بھی! دوران اسیری بذریعہ شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ قائد اہل سنت رحمہ اللہ سے رابطہ رہا اور ان دونوں کے درمیان حضرت شیخ الادبؒ ایک پُل کا کردار فرماتے رہے اور بلاشبہ یہ اُن کا بہت بڑا احسان تھا کہ تدریسی و تعلیمی انتہائی مصروفیات میں رہ کر وہ متواتر قائد اہل سنت رحمہ اللہ سے رابطہ میں رہے، اور شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ سے معمولات، وظائف و اوراد اور اصلاح و ارشاد پر مشتمل باتوں کو

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ پھر وہ دن آ گیا جس دن کے لیے آزمائشوں کی ان بھٹیوں کو سُلگایا گیا تھا، اور جس میں اتر کر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کُندن بن چکے تھے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے ایک تفصیلی والا نامہ ارسال فرمایا، جس میں مقصودی بات جو اس بحث سے متعلق ہے وہ دی جارہی ہے اور آگے حسب ضرورت خطوط و ارشادات کے دیگر حصے بھی آتے رہیں گے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا خط ملاحظہ کیجیے!

''میں پہلے بھی غالباً آپ کو لکھ چکا ہوں کہ آپ کو اجازت ہے جو بھی آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کرے اس کو بیعت کر لیا کریں اور اشغال سلوک تلقین فرما دیا کریں، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا، اتباعِ سُنت کا ہمیشہ اور ہر امر میں خیال رکھیں، علاوہ مراقبۂ معلوم کے دوسرے اذکار کی ضرورت اگرچہ اب نہیں ہے۔ مگر تائید اور تقویت کے لیے جونسا ذکر مناسب سمجھیں، کرتے رہا کریں، صراطِ مستقیم اور امداد السلوک کو زیر مطالعہ رکھیں۔ خواب سب اچھے ہیں اور امید افزاء، تعویذوں کی بھی اجازت دیتا ہوں۔ القول الجمیل میں سے لکھ دیا کریں۔ یا مقصود کے مطابق کوئی آیت لکھ دیا کریں۔ قرآن شریف کا ترجمہ پڑھانا بھی تبلیغ ہے۔ بہر حال جس قدر ممکن ہو، انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کی اصلاح اور ہدایت میں بلا طمع کوشاں رہیں، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ واقفین پُرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ آپ کا لفافہ کارآمد نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہے''۔ والسلام[1]

شیخ مدنی رحمہ اللہ کا دوسرا خط بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ

پس مرقومہ خط سے پہلے ایک خط، جب کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ جیل میں ذکر و اذکار اور وظائف نیز مجاہدات و اصلاح نفس میں پوری طرح منہمک تھے، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل خط ارسال فرمایا تھا۔

محترم المقام زید مجدکم۔

جس دُھن میں آپ لگے ہوئے ہیں بہت مبارک دُھن ہے۔ تمام جیل کی تکالیف پر پانی پھیر دینے والی ہے۔ اللھمز دفزد۔

---

[1] حسین احمد مدنی، حضرت مولانا رمکتوب ۷، ربیع الاول ۱۳۶۹ھ ربنام قائد اہل سنت رمکتوبات شیخ الاسلام (سلوک وطریقت) مکتبہ دینیہ دیوبند۔

کفر کافر را و دین دیندار را
ذرۂ درد دل عطار را

یہ دُھن اگر برسوں میں بھی حاصل ہو جائے (تو) بسا غنیمت ہے۔ ذکر و شغل میں جو حصہ بھی عمر عزیز کا صَرف ہو جائے، وہ ہی زندگی ہے۔

ہر نفس بہرت مسیحائیست چست
گرنداری پاس اواز جہل تست
ایں چنیں انفاسِ خوش ضائع مکن
غفلت اندر شہر جاں شائع مکن

حضرات چشتیہ قدس اللہ اسرارہم تمام لطائف کو قلبی ہی میں مندرج مانتے ہیں اور اس طرف توجہ کرنے سے تمام لطائف کو طے کرتے ہیں۔ میرے محترم یہ سب لطائف وسائل اور ذرائع ہیں، انوار وغیرہ بھی مقاصد اصلیہ نہیں ہیں۔ وصل اور فراق بھی مقصد اصلی نہیں ہے۔

وصال قرب چہ خواہی رضاء دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر غیر ازیں تمنائے

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم، جن کے درجہ پر کوئی ولی نہیں پہنچ سکتا۔ ان کی شان میں فرمایا جاتا ہے "یبتغون فضلامن اللہورضوانا" معیت اور دوامِ حضور بڑی چیزیں اور انعام عظیم ہیں مگر مقصودو اصلی رضاء خداوندی ہے اگر شہنشاہ کی دربارداری اور حاضر باشی حاصل ہو جائے اور معاذ اللہ رضاء شاہی نصیب نہ ہو تو خسارہ ابدی ہے اور اگر رضاء شہنشاہی حاصل ہو تو دوری مسافت اور غیر حاضریٔ دربار کوئی چیز نہیں۔ بسا اوقات مجرمین بھی دربار میں حاضر ہوتے ہیں مگر ان کی یہ حاضری خوش نصیبی نہیں سمجھی جاتی۔

طلب رضاء خداوندی اور اس کا حصول سلوک ثانی ہے جس سے مراتب اولیاء اللہ کی عظمت حسبِ مراتب ہوتی ہے اس کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ انوار، کیفیات، مکاشفات، الہامات وغیرہ کے لیے فرماتے ہیں۔ تلك خيالات تربى بها اطفال الطريقة یہ وسائل ہیں، مقاصد نہیں۔ کسی سے بھی دل نہ لگایئے اور کسی مقام پر قرار نہ پکڑیئے بلکہ ہمیشہ آگے بڑھتے رہیے۔ قبض و بسط لوازمات بشری ہیں۔ بسط میں شکر گذاری ضروری ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اور قبض میں استغفار کی کثرت اور عدم مایوسی لازم ہے۔ ہنوز دائم بلا کیف وکم کی جدوجہد کرتے ہوئے رضاء وخوشنودی کے خواہاں رہیں جس کے لیے اتباع سُنن سید المرسلین علیہ السلام ازبس ضروری اور لازم ہے "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"

اسی سے محبوب خداوندی بنتا ہے۔ ھنیئًا لارباب النعیم نعیمھم۔

خوابہائے مختلفہ اور کیفیات متنوعہ مبارک اور امید افزا ہیں اور "**ذات منزھہ عن جمیع الحوادث والنقائص متصفہ بجمیع صفات الکمال الذی لیس کمثلہ شیٔ**" کا دھیان دائم ہونے کے لیے کوشاں رہیے۔ انوار اور ذوات الانوار غیر ہیں، ان سے دل نہ لگائیے۔ **والذین ھم علیٰ صلاتھم دائمون** کی نعمت حاصل کیجیے۔

ہر آنکہ غافل از وے یک زمان است
ہماں دم کافر است اما نہاں است
مبادا غائبی پیوستہ باشد
در اسلام بروے بستہ باشد

اس راہ میں غفلت بھی گناہ ہے اس سے بار بار توبہ اور استغفار ہونی چاہیے۔ **رزقنا اللہ وایاکم**۔ آمین پڑھانے میں اگر چہ توجہ الی الخیر ہوتی ہے مگر اس سے نسبت میں قوت ہوتی ہے اور نشر و اشاعت دین اور وظیفہ نبویہ (علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی جو کہ تبلیغ و ہدایت ہے، ادائیگی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے ادا کرنے میں حسبِ استطاعت کوشش کیجیے۔ وضو جب ٹوٹ جائے اور وضو کرنے میں دقت ہو تو ان اشیاء کی ادائیگی کے لیے جن میں وضو لازم نہیں ہے، تیمم کر لیا کیجیے اگر چہ پانی موجود ہو۔ جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے جواب سلام کے لیے تیمم فرمایا تھا۔ توجہ الی اللہ میں استغراق ضروری نہیں ہے۔ "لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار" بے کیف اور بے کم کی طرف قلبی توجہ ہونی چاہیے۔

ہست رب الناس را باجان ناس
اتصالے بے تکیف و بے قیاس

حجابات اور انوارات اور کیفیات اور لطائف کے متعلق مندرجہ بالا مضمون میں جواب آ گیا۔ حضرت سید آدم نبودی رحمۃ اللہ خلیفۂ خاص حضرت مجدد رحمۃ اللہ نے ان تفصیلات کو جن کو مجدد رحمت اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ترک کر دیا تھا۔ آپ توجہ الی الذات بلا کیف ہی کو مدار سلوک قرار دیتے ہیں۔ جیل سے رہائی کے لیے ظاہری کوشش میں کوئی حرج نہیں ہے۔ توکل اور اعتماد اللہ ہی پر رہنا چاہیے، کامیابی ہو تو فبہا، ورنہ کبیدہ خاطر نہ ہونا چاہیے، رضاء دوست جس میں ہو وہی عبد کا مقصد ہے۔ اسی میں خوش رہنا چاہیے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اپنے رفقاء کو جو بھی لائق ہوں مزید ذکر تعلیم دیتے رہیے۔ والسلام [1]

[1] ایضاً / محررہ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ / ایضاً / ایضاً

شیخ مدنی رحمہ اللہ کا تیسرا خط بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ

یہ خط بطور خاص مندرجہ ذیل تین سوالات کے جواب میں ہے۔

① ''مناظرہ'' وغیرہ کا چونکہ موروثی شوق ہے اور علاقائی ضرورت بھی، اس میں کس حد تک دلچسپی ہونی چاہیے؟

② اگر بیعت کے خواہش مند رابطہ ورجوع کریں تو کیا جواب ہونا چاہیے؟

③ چند ایک معاصر بزرگانِ دین سے متعلق نظمِ رابطہ و ضابطۂ تعلق کس قدر رہنا چاہیے؟ اس کے جواب میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اپنے جوابی خط میں لکھا:

''اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کریم کارساز بندہ نواز نے آپ کو قرب وحضور اور معیت کی نعمت وجدانی طور پر عنایت فرمائی اور نسبت میں قوت اور ترقی عطا فرمائی۔ فللہ الحمد والمنۃ۔ میں دعا کرتا ہوں میرے پاس آنا کوئی ضروری نہیں ہے میں اسلافِ کرام کا بدنام کرنے والا اور نفس اور خواہشات کا بندہ ہوں اللہ تعالیٰ تعالیٰ فضل فرمائے تو نجات کی امید کرسکتا ہوں، عدل کرے تو لٹیاں فضل کرے تو چھٹیاں'' بزرگانِ پنجاب کا صحیح مقولہ ہے۔ اخلاص اور سچی ہمدردی کو ہاتھ سے جانے نہ دیجیے۔ مجادلات اور فضول بکواس سے حتی الوسع اجتناب فرمایئے۔ اس زمانہ میں مناظرہ حقیقی نہیں ہوتا۔ نفس پرستی اور خودنمائی مقصود ہوتی ہے۔ کہہ دیجیے کہ ہم نے حق بات ظاہر کردی ہے، ہمارا فریضہ صرف تبلیغ اور واضح کردینا ہے ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ ہاں اگر سخت ضرورت پیش آجائے تو اولاً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیجیے اور اس سے استمداد باطنی کرنے کے بعد میدانِ مناظرہ میں قدم رکھیے۔ اور اس کی بے نیازی سے مطمئن نہ ہوجایئے۔ ولو شاء ربك ما فعلوه فذرهم وما يفترون کو کبھی ذہن سے نہ نکالیے۔

ہدایت اور اضلال دونوں اس کے اختیار میں ہیں۔ "يضل به من يشاء ويهدي من يشاء وقال سبحانه وتعالىٰ ولو اننا نزلنا اليهم الملئكة وكلمهم الموتىٰ وحشرنا عليهم كل شيء قبلا ما كانوا ليومنوا الا ان يشاء الله ولكن اكثرهم يجهلون" اس لیے تنگ دل نہ ہوجیے یہ اس کی شئون ہیں۔ آپ کو جو تعلیم دی جا چکی ہے یہ آخری سب طرق کی تعلیم ہے اس پر کاربند رہیے اور اس میں ترقی اور مداومت جاری رکھیے۔ استقامت اور کوشش سے آپ بڑے سے بڑے مقامات پر پہنچ سکتے ہیں۔ الاستقامة فوق الكرامة، اتباع سنتِ سنیہ کا انہماک اور توجہ الی الذات المقدسہ تمام ترقیات

کی مفتاح ہیں اسی میں لگے رہیے۔ بزرگانِ دین مولانا محمد حسن صاحب امرتسری[1] یا مولانا خیر محمد صاحب[2] یا مولانا عبدالمالک[3] وغیرہ حضرات سے آداب اور احترامات کے ساتھ ملئے۔ کسی کی بے ادبی غیبت یا حضور میں عمل میں نہ لائیے۔ اور نہ کسی کو حقارت سے دیکھیے۔ یہ حضرات اور دیگر بزرگان تو بڑے ہیں، کسی عامی مسلمان کو بھی حقارت سے نہ دیکھیے۔ اگر کوئی عمل اس کا غلط ہوتو اس پر گرفت کیجیے مگر اس کی حقارت قلب میں ہرگز نہ لائیے۔ صراطِ مستقیم اور امداد السلوک کو زیرِ مطالعہ رکھیے۔ مولانا خورشید احمد صاحب ساکن قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان بھی مجاز ہیں۔ اگر ممکن ہوتو ان سے ملاقات جاری رکھیے۔ لوگوں کو ارشاد و ہدایت کرتے رہیے۔ جو بھی آپ سے طالب رہنمائی ہوان شاء اللہ اس کو نفع پہنچے گا۔ سردار محمد صاحب، میاں خان صاحب اور ماسٹر عبدالمجید صاحب کی حسب استعداد و ترقی تعلیمات جاری رکھیے۔ میاں فیروزالدین صاحب کو آپ خود بیعت کر کے تلقینات جاری رکھیے۔ تسبیحات ستہ وظیفہ ہیں۔ ذکر مقدم از وظائف ہے۔ ذکر اسم ذات پاسِ انفاس وغیرہ حسب فرصت و ترقی تعلیم کرتے رہیں، جو شخص بھی بیعت کا خواہش مند ہو، اس کو ردنہ کریں۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات میرے پاس بالکل نہیں ہیں پہلی جنگ عمومی میں میں مالٹا میں قید ہو گیا، ترکی حکومت نے جملہ کاغذات ضائع کر دیئے۔ والسلام[4]

شیخ مدنی رحمہ اللہ کا چوتھا خط بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ

قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنی دو ہمشیروں کی بیعت کے متعلق لکھا تھا جس کا جواب اس خط میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں اپنے گاؤں میں مدرسہ کے اجراء اور حضرت مولانا حسین علی واں بھچروی رحمہ اللہ کی نسبت سوالوں کا جواب بھی اس خط میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''ہر دو ہمشیروں سے بعد از سلام مسنون کہہ دیجیے کہ میں نے ان کو بیعت کر لیا ہے ان کو تسبیحاتِ ستّہ صبح و شام بتا دیجیے اور اتباعِ شریعت کی تاکید کر دیجیے۔ عورتوں کی طبیعت ضعیف ہوتی ہے۔ ذکر کی زیادتی سے اور امور خانہ داری سے بسا اوقات عاجز آجاتی ہیں۔ اس لیے ان کی تعلیم میں اسم ذات کے ذکر لسانی پر اکتفاء کیجیے۔ گیارہ ہزار جو آپ نے بتا رکھا ہے،

---

[1] بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور

[2] بانی جامعہ خیر المدارس، ملتان

[3] مولانا عبدالمالک صدیقی، خانقاہ مالکیہ خانیوال

[4] ایضاً / محررہ ۲، ذیعقدہ ۱۳۶۹ھ / از دیوبند / ایضاً

مناسب ہے، بڑی ہمشیر صاحبہ کو حسبِ حکم بیعت کرلیا، ان کو پاسِ انفاس کی مداومت کی تاکید کر دیں اور ذکر قلبی میں بھی ''اللہ ھُوْ'' روزانہ دو ہزار مرتبہ کا تصور باندھیں۔قریب میں قصبہ میں مدرسہ قائم کرنا مناسب ہے بشرطیکہ اس کی طرف توجہ تام کی جائے۔آپ اور آپ کے احباب مشورہ اور استخارہ کر کے انجام دیں، حضرت مولانا حسین علی صاحب مرحوم کے متوسلین میں تشدد بہت زیادہ ہے۔ جو کہ غلو کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ **یسرو ولا تعسروا وابشروا ولا تنفروا وتطاوعاولا تختلفا**۔ اور **الدین یسر واحب الدین الی اللہ الحنفیۃ السمحۃ البیضاء** (الحدیث) کے خلاف ہے۔حتیٰ کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے مکتوب ''انوار القلوب'' کے بالکل مخالف ہے۔ اگرچہ بریلویوں کے غلو کا جواب اس طرح ہوتا ہے۔والسلام[1]

شیخ مدنی رحمہ اللہ کا پانچواں خط بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ

☆ ''ذکر لسانی ہمیشہ اپنی کثرت اور مداومت سے، ذکر قلبی جس کا مرکز زیر پستانِ چپ چار انگل ہے اور ذکر روحی کی طرف جس مرکز زیر پستانِ راست ہے۔منجر ہوتا ہے مگر ہم کو لطائف کے جاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس میں مسافت طویل ہے بہرحال ۲۵ ہزار ذکر لسانی پر مداومت فرمایئے اور جس قدر اس میں زیادتی ممکن ہو عمل میں لاتے ہوئے قلبی ذکر کی طرف بھی توجہ فرمایئے۔یعنی قلب جو کہ بائیں پستان سے چار انگل نیچے ہے۔تصور کیجیے کہ اس سے لفظ اللہ برابر نکلتا ہے، ذات مقدسہ چونکہ محبوب قلب ہے اور حسب قاعدہ ''**من احب شیئًا اکثر ذکرہ**''قلب بے چینی کے ساتھ محبوب حقیقی کو یاد کر رہا ہے اس میں ذکر لسانی کو کوئی دخل نہ دیجیے۔فقط دھیان اور تصور ہوگا اور خیال ہی خیال میں ذکر کرتے ہوئے کم از کم دو ہزار روزانہ خواہ ایک ہی مجلس میں یا متعدد مجالس میں اس کو پورا کیجیے جو حرکت سینہ میں محسوس ہوتی ہے، سلطان الاذکار کا مقدمہ ہے اللہ تعالیٰ روز افزوں ترقی عطا فرمائے اور ماسوا اللہ سے کلی انقطاع نصیب ہو۔آمین۔حصول زیارت مقدسہ مبارک ہو، آنکھ بند ہونا غالباً اشارہ اس طرف ہو کہ ذکر میں انہماک کیجیے اور اغیار سے انقطاع کیا کیجیے۔مستری سردار محمد صاحب سے بھی سلام مسنون کہہ دیں، میں ان کو غائبانہ بیعت کیے لیتا ہوں، ان کو اتباعِ شریعت کی تاکید اور تسبیحاتِ ستہ کی تعلیم کر دیجیے۔ اس زمانہ کے قطب الارشاد اور مجدد کو میں نہیں جانتا، مجھ جیسا ناکارہ اور نالائق کس

[1] ایضاً، مرقومہ ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ/ایضاً/ایضاً

طرح جان سکتا ہے؟ والسلام[1]

شیخ مدنی رحمہ اللہ کا چھٹا خط بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ

☆ پھر جناب شاہ صاحب[2] کو آپ نے غلطی میں مبتلا کر دیا ہے وہ بے چارے مجھ کو کیا جانیں؟ میں خود سخت نالائق اور ناکارہ ہوں، ان کو آپ وہاں کسی بزرگ سے مرید کرا لیجیے، یا خود کر لیجیے۔ میں تو خود نااہل و ناکارہ ہوں۔ ذکر کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے، بہتر اور امید افزا ہے۔ ہمیشہ ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے جو کہ بے چون بے چگون تمام کمالات سے موصوف اور تمام نقائص سے پاک اور منزہ ہے۔ یہ ملکۂ راسخہ جامۂ فعلیت بصورت "**وھو علی صلاتھم دائمون**" قائم ہو جائے، مدرسہ کا چکوال میں ہونا زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے، استخارہ مسنونہ سات مرتبہ کیجیے۔ اگر جواب میں کوئی ہدایت ہو فبھا ورنہ رجحان قلبی پر عمل کیجیے۔ والسلام[3]

یہ خط سنٹرل جیل لاہور سے رہائی کے بعد کا ہے جب قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے دینی، تعلیمی مقاصد کے لیے ادارہ قائم کرنے کا ارادہ فرمایا تو اپنے استاذ و شیخ، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بذریعہ خط مشورہ طلب کیا تو آں جناب رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا خط ارسال فرمایا تھا، ان خطوط سے یہ بات بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ پر اپنے استاذ گرامی اور شیخ گرامی کو کتنا اعتماد اور بھروسہ تھا، اس کی تائید علاوہ دیگر خطوط کے اُس مکتوب گرامی سے بھی ہوتی ہے جو حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب رحمہ اللہ (مخدوم پور پہوڑاں، خانیوال) کے نام ہے۔ اس میں شیخ مدنی رحمہ اللہ نے لکھا:

> "محترم المقام زید مجدکم سلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ والا نامہ باعثِ عزت افزائی ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، مولانا سید خورشید صاحب کی خدمت میں قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان میں چلے جائیں اگر بالفرض وہ وہاں نہ ملیں تو اُن کا پتہ کسی سے قصبہ مذکور میں معلوم کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ دوسرے مولانا مظہر حسین صاحب مقام بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم میں مقیم ہیں ان کے پاس تشریف لے جائیں۔ والسلام[4]

---

[1] ایضاً/مرقومہ ۸، رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ/ایضاً/ایضاً

[2] پیر عمر حیات شاہ مراد ہیں۔ (تفصیل)

[3] مرقومہ ۱۵، ذوالحجہ ۱۳۷۳ھ/ایضاً/ایضاً

[4] مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ/مکتوب بنام مولانا سید محمد امین شاہ/مرقومہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ/عکسی حوالہ، شجرۂ مبارک، مطبوعہ مخدوم پور ضلع خانیوال/نومبر ۲۰۰۷ء

مولانا مدنی مدظلہ کی خلافت حاصل کر لیتے ہیں مگر کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے،

حضرت شیخ الادب کا دلچسپ تبصرہ

پسِ دیوارِ زنداں اجازتِ بیعت وخلافت کی خلعت پہننے کے بعد جیل ہی میں تھے کہ استاذ گرامی حضرت مولانا شیخ الادب اعزاز علیؒ کا خط قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے نام پہنچا، ملاحظہ کیجیے!

مولانا مولوی مظہر حسین صاحب فاضل دیوبند، بھیں۔

برادر عزیز زیدت معالیکم۔ پس از سلام مسنون، سنا کرتے تھے کہ بعض لوگ دریا کو ہضم کر لیتے ہیں اور ڈکار نہیں لیتے، ایسے لوگ دیکھے نہ تھے، مگر ایسے لوگ دیکھے کہ حضرت مولانا مدنی مدظلہ کی خلافت حاصل کر لیتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے ہیں، معلوم نہیں کہ آپ بھی ان میں سے ہیں یا نہیں؟ حضرت مولانا کے معالجے کے لیے ایک صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔ منضج پلا رہے ہیں، کل ایک سہل بھی ہوا ہے، ایک ماہ تک سفر قطعاً نہ ہوگا۔ دارالعلوم میں خیریت ہے۔ حضرت مہتمم صاحب آپ کے یہاں پاکستان پہنچ گئے ہیں۔ افواہ ہے کہ اب واپس تشریف نہ لائیں گے اور بہمہ وجوہ خیریت ہے۔ میں حُسن خاتمہ کی دعا کا طالب ہوں[1]۔

مکتوب شیخ الادب میں ایک اہم بات کی وضاحت

''حضـــرت مہتمم صاحب آپ کے یہاں پاکستان پہنچ گئے ہیں، افواہ ہے کہ اب واپس تشریف نہ لاویں گے۔'' شیخ الادب رحمہ اللہ کی یہ بات ایک اہم قضیہ کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔ اور اس کا تعلق بھی نہایت اہم معلومات کے ساتھ ہے، اس لیے حسبِ ضرورت اس کا ریکارڈ پہ رہنا بھی ضروری ہے۔ یہاں ''حضرت مہتمم صاحب'' سے مراد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) ہیں، یاد رہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۵۰ء میں حکیم الاسلام ہندوستان سے پاکستان تشریف لائے تو میمن برادری کے بعض حضرات جو حضرت حکیم الاسلام سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے، نے حکیم الاسلام رحمہ اللہ کو روکنے کی کوشش کی اور اس کے لیے انہوں نے حضرت حکیم الاسلام کی تقریر کے دوران ایک تحریر پر دستخطی مہم چلائی جس میں حضرت حکیم الاسلامؒ سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ کراچی میں

---

[1] مولانا اعزاز علی، شیخ الادب/ بنام قائد اہل سنت مرقومہ ۷، ذوالحج ۱۳۶۹ھ، چہار شنبہ

مستقل سکونت اختیار کریں۔ یہ مہم بہت زور وشور سے چلی اور کامیاب بھی ہوگئی۔ اس مہم کی بعض بزرگوں نے مخالفت بھی کی تھی، یہ مخالفت دو قسم کی تھی ایک تو وہ بزرگانِ دین تھے جنہیں حضرت حکیم الاسلامؒ کا کراچی اور پاکستان میں مستقل قیام اس لیے پسند نہیں تھا کہ اُن کے ہوتے ہوئے انہیں کوئی پوچھے گا نہیں، ان میں کراچی کے مشہور خطیب حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کے ناقدین بھی ان کا نام لیتے ہیں۔ دوسری مخالفت کرنے والوں میں وہ حضرات تھے جن کا موقف تھا کہ دار العلوم کو حضرت قاری صاحب کی یہاں سے کئی گنا زیادہ ضرورت ہے۔ یہ بیان حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب کے پوتا قاری تنویر احمد شریفی (مکتبہ رشیدیہ کراچی) والوں کا ہے، ان کا مزید کہنا ہے کہ میمن برادری حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ سے مخلص تو تھی مگر ان میں دور رس نگاہ نہ تھی۔ حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کے جتنے قدردان حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تھے، اُتنا شاید ہی کوئی اور ہو۔ حضرت مولانا قاضی شریف احمد کا بیان ہے کہ میں نے آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا کہ حضرت حکیم الاسلامؒ کے ایک قریبی عزیز جن کے اس وقت حکمرانوں سے قریبی مراسم تھے، انہوں نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی پاکستانی شہریت کی مخالفت اپنے مفادات کے خاطر کی اور بڑے بھونڈے انداز میں کی، بھری مجلس میں اس شخص نے[1] دونوں ہاتھ اپنی سرین پر رکھ کے حضرت حکیم الاسلام سے گرج دار الفاظ میں کہا:

> ''تو پاکستان میں شیخ الاسلامؒ بننے کے لیے آیا ہے''؟ اس متکبر شخص کا باپ بھی حضرت حکیم الاسلام کے پہلو میں اُسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، اُسے اپنے لڑکے کی اس حرکت پر کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ اس واقعے کے بعد حضرت قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں ساری رات لیٹ نہیں سکتا، لیٹتا ہوں تو بدن میں سُوئیاں چبھتی ہیں۔ چہل قدمی کرتے ہوئے ساری رات بیت جاتی ہے، ہر صبح خط حضرت شیخ الاسلام (مولانا مدنی رحمہ اللہ) کو لکھتا ہوں کہ مجھے دیوبند بلالیں۔ حضرت قاری محمد طیبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے غیروں سے کوئی گلہ نہیں، مجھے اپنوں نے بہت تکلیف پہنچائی ہے۔''

دوسری طرف حضرت مدنی رحمہ اللہ نے حضرت قاری صاحبؒ کی واپسی کے لیے بہت جدوجہد فرمائی، اُس وقت کے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزادؒ سے ملے، مولانا آزادؒ نے کچھ پس وپیش کے بعد وزیر اعظم ہندوستان جواہر لال نہرو سے کہہ کر حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو دوبارہ ہندوستان کی شہریت دلوادی اور

---

[1] قاری زاہر قاسمی صاحب مراد ہیں۔

قاری صاحبؒ دوبارہ جب ہندوستان پہنچے تو آپ کا فقید المثال استقبال ہوا۔ پھر تادم وفات آپ رحمہ اللہ مسند اہتمام دارالعلوم دیوبند پر فائز رہے[1]۔ یہ تھی اس امر کی تفصیل جو حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ کے سلسلہ میں شیخ الادبؒ نے قائد اہل سنت کے نام اپنے خط میں ظاہر فرمایا، اس کی روداد تو آگے بھی ہے مگر وہ نہایت اندوہناک، بلکہ اہل دیوبند کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش تھی اور ایک گونہ باعث ندامت بھی! تاریخ نے نہایت کریہہ اور عجیب منظر دکھایا کہ ایک وہ وقت تھا جب مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ حضرت قاری صاحب محمد طیبؒ کو واپس لانے کے لیے اس قدر بے چین و بے قرار تھے کہ اس مقصد کے لیے ہندوستان کی سرکاری مشینری تک ہلا کر رکھ دی تھی مگر ۱۹۸۰ء میں حضرت قاری صاحبؒ نے مجلس شوریٰ کو ختم کر کے اپنی صوابدید پر مولانا محمد سالم قاسمی کو مہتمم بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت مدنی رحمہ اللہ کے صاحبزادگان قاری صاحبؒ کے خلاف صف آراء تھے، حضرت قاری صاحبؒ کا فیصلہ درست تھا یا نادرست! اس میں ہر فریق کی اپنی نیک نیتی پر مبنی رائے موجود ہے مگر اس اختلاف میں جس انداز سے مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کی ہتک و تضحیک کی گئی اور پھر مخلصین کے اس اصولی اختلاف میں شر پسند لوگوں نے بیچ میں کُود کر جو طوفان بدتمیزی اٹھایا، اور الزامات و اتہامات تک سے دریغ نہ کیا، وہ اُن شر پسندوں کے لیے دنیا و آخرت میں ایک تازیانہ ہے، تاہم اس سب کچھ میں اللہ تعالیٰ کی جن تکوینی حکمتوں کا دخل ہوتا ہے، اُنہیں میں مومنین کے لیے خیر ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ خالی از حکمت نہیں ہوتا۔

سنٹرل جیل لاہور میں شیخ الادبؒ کے آمدہ اہم خطوط

پہلے عرض کیا گیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو اپنے اساتذہ میں سے حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کے بعد سب سے زیادہ طبعی مناسبت شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کے ساتھ تھی۔ اس کی ایک وجہ تو قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی بے مثال ذہانت و خزانت تھی کیونکہ ہر استاذ کو اپنے شاگردوں میں سے لائق فائق شاگرد کے ساتھ فطری محبت ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ شیخ الادب رحمہ اللہ آپ کے والد گرامی ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرمُ الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ کے علمی وعملی کارناموں سے آگاہ رہتے تھے، خصوصاً مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف عدالتی معرکے اور اہل تشیع

---

[1] تنویر احمد شریفی، قاری / پاکستانی شہریت اور واپسی مولانا قاری محمد طیبؒ / ماہ نامہ انوارِ مدینہ / جنوری، فروری ۲۰۰۷ء / لاہور

کے ساتھ مناظرانہ فتوحات کو شیخ الادب رحمہ اللہ بہت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے تدریسی ایام، مختلف اساتذہ سے اسباق اور بالخصوص حضرت مدنی و حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہم کی صحبتوں کی روحانی کیفیات کو بجائے بقلم خود تحریر کرنے کے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی خود نوشت کارگذاری درج کر دی جائے تو الگ ہی لطف دے گی، پڑھیے۔ قائد اہل سنتؒ رقمطراز ہیں:

''رمضان شریف کے بعد شوال ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۹۳۸ء (کو) میں والد صاحب کا رقعہ لے کر دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے انتہائی شفقت سے نوازا اور چند دنوں کے بعد دارالعلوم دیوبند کے دار جدید کمرہ نمبر ۱۴ میں رہائش کے لیے مجھے بھیج دیا، وہاں تین پشتون طلبہ تھے اور صرف میں اکیلا پنجابی تھا، اس کمرہ میں مولانا امیر محمد صاحب متعلم دورۂ حدیث ساکن لکی مروت ضلع بنوں، مولانا گل سردار صاحب، ساکن مندرہ خیل ضلع بنوں اور مولانا احمد شاہ صاحب ساکن تترہ خیل ضلع بنوں تھے، دو سال ہم نے اس کمرہ میں بڑے اچھے برادرانہ تعلقات کے ساتھ گذارے۔ دوسرے سال مولانا سردار گل صاحب دورہ حدیث میں میرے ساتھ تھے اور مولانا احمد علی شاہ صاحب ہم سے ایک کلاس بعد دورۂ حدیث میں شریک ہوئے۔ مذکورہ تینوں حضرات میں سے جناب مولانا گل سردار (متوفیٰ ۱۹۹۴ء) اور مولانا احمد علی شاہ صاحب وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب ہو۔ (آمین)

اور جناب مولانا امیر محمد صاحب فاضل دیوبند بھی اب بڑھاپے کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ پہلے سال مشکوٰۃ شریف۔ مختصر المعانی، اور متنبی کے اسباق تھے۔ مشکوٰۃ شریف اور مختصر المعانی حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب کے پاس تھیں اور گو میں بھیرہ میں مشکوٰۃ شریف پڑھ چکا تھا لیکن حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رحمہ اللہ کے پاس پڑھنے سے ایک خاص لذت محسوس ہوتی تھی۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رحمہ اللہ، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ہم درس رہے ہیں، حماسہ کچھ پہلے پڑھا ہوا تھا لیکن امام فن حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ نے جب متنبی پڑھائی تو اس کی کیفیت ہی نرالی تھی۔ صرف و نحو کے دقائق بیان فرماتے تھے، میں نے متنبی کی تقریر بھی لکھ لی تھی جو بعد میں ضائع ہوگئی۔ اور الحمد للہ متنبیؔ کے ششماہی امتحان میں بندہ اول آیا اور سالانہ امتحان میں دوسرے نمبر پر رہا اور مشکوٰۃ شریف کی کاپی بھی لکھ لی تھی جو گول چوک سرگودھا کے خطیب قاری جلیل صاحب مرحوم نے لی اور کہیں ضائع کر دی۔ دورۂ حدیث سے فارغ ہونے پر امرتسر کے مولوی احمد سعید نے نقل کرنے کے لیے متنبیؔ کی کاپی لی تھی لیکن ۱۹۴۷ء کے

ہنگاموں میں ان کا حال معلوم نہ ہوسکا۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب اسیر مالٹا کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا نافع گل رحمہ اللہ صاحب خارج وقت میں شرح عقائد نسفی پڑھایا کرتے تھے، بندہ بھی ان کے درس میں شریک ہوتا رہا۔ شوال ۱۳۵۷ھ بمطابق نومبر ۱۹۳۹ء میں دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا، بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کے پاس تھیں، ترمذی شریف دن کو اور بخاری شریف رات کو پڑھاتے تھے اور درس بخاری میں تو حضرت کی روحانیت کا کچھ ایسا اثر محسوس ہوتا تھا کہ گویا دل دُھل گئے ہیں، درس بخاری اور درس ترمذی کے دوران ہی حضرت کے ارشادات لکھ لیتا تھا ترمذی شریف میں حنفیت کے دلائل ہوتے تھے اور بندہ کو تقلید شخصی کے بارے میں شرح صدر حضرت کے درس کے فیضان ہی سے ہوا تھا، وللہ الحمد۔ دیگر اساتذہ کرام میں مسلم شریف حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ، ابوداؤد شریف، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (بانی دارالعلوم کراچی) کے پاس تھیں، البتہ شروع میں چند دن حضرت مولانا میاں اصغر حسین رحمہ اللہ نے پڑھائی اور طحاوی شریف حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے پاس تھی لیکن وہ درمیان سال میں بحیثیت وزیر تعلیمات ریاست قلات تشریف لے گئے تھے۔ مسلم شریف اور طحاوی شریف کی تقریریں بھی میں نے قلمبند کر لی تھیں لیکن وہ استفادہ کے لیے جناب مولانا غلام یحییٰ صاحب صدر المدرسین جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم نے لیں لیکن اچانک کار کے ایکسیڈنٹ میں ان کا انتقال ہوگیا، پھر وہ کاپیاں نہیں مل سکیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور الحمدللہ دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں بندہ تیسرے نمبر پر پاس ہوا۔ ایک طالب علم مولوی محمد شریف پشاوری نے بھی میرے نمبرات مجھے بھیجے تھے اور اب حضرت مولانا عبدالدیان صاحب نے بھی دارالعلوم سے نمبرات حاصل کر کے مجھے بھیج دیئے ہیں[1]۔

تو دورانِ اسارت حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ کا آپ کے والد گرامی قبلہ اور آپ رحمہ اللہ کے نام خطوط کا تبادلہ برابر جاری رہا۔ چند ایک خطوط ربطِ مضمون کے لحاظ سے گذشتہ اوراق میں گذر چکے ہیں اور مزید چند ایک یہاں ملاحظہ فرمائیں۔

① عزیز مکرم زیدت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کے والد صاحب کے عریضہ سے فیصلے کا حال معلوم ہو کر طبیعت پر اور صدمہ ہوا، ممدوح ہی کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہائی کورٹ میں

---

[1] خودنوشت، مشمولہ شیخ الادب رحمہ اللہ نمبر/ ماہ نامہ حق چار یارؓ، فروری ۲۰۰۰ء۔ لاہور

اپیل دائر کر دی گئی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم آں عزیز کو اس مصیبت عظیم سے نجات عطا فرمائے، مجھ کو امید ہے کہ آپ اس سخت مصیبت میں مسبب الاسباب پر اپنے علم سے کام لے کر کے پورا توکل کریں گے اور ''ہر چہ از دوست می رسد از دوست'' اس کو خدا کی جانب سے ابتلا اور آزمائش قرار دیں گے۔ والسلام[1]

② عزیز مکرم ذیدت معالیکم۔ السلام علیکم!

آپ کا خط انتظار کے بعد آیا یہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ آپ جیل کے مصائب میں بھی راضی برضائے خالق عالم ہیں۔ عالم کی شان یہی ہے اور عالم کا امتحان ایسے ہی وقت میں ہوتا ہے، قرآن شریف کی تلاوت اور مکتوبات امام ربانی سے استفادہ بڑی دولت ہے۔ جن مرشد صاحب کا آپ نے حال تحریر فرمایا ہے میں نہیں سمجھتا کہ ان کو بیعت کرنے کا حق ہے۔ بھائی میرے نزدیک تو متبع شریعت ہونا ہی ایک بڑی نعمت ہے اور کامل درجہ پر اتباع شریعت، کہ اس کے بعد انسان میرے خیال میں بیعت کا مستحق ہوتا ہے، اس لیے بیعت میرے خیال میں قابلِ فسخ ہے۔ موجودہ دور میں خدا رسیدہ بزرگوں کی کمی نہیں ہے آپ جس کو کتاب وسنت کے موافق متبع شریعت خیال کریں اس سے بیعت کر لیں۔ جمعہ اور عیدین کے لیے اذن عام شرط ہے اور میرے خیال میں جیل کے قیدیوں پر نہ جمعہ کی نماز فرض ہے اور نہ عیدین کی نماز واجب ہے۔ نماز کے بعد الٹے ہاتھوں سجدہ پر میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ دعا کے لیے تضرع ضرورت ہے۔ تضرع کی جو حالت بھی ہو اس میں دعا پسندیدہ ہے حضرت مولانا مدنی مدظلہ کی خدمت میں آپ کا سلام عرض کر دیا تھا اور دعا کی درخواست بھی کر دی۔ والسلام[2]

③ عزیز مکرم جناب مولانا مولوی مظہر حسین صاحب (قیدی سنٹرل جیل (پریس) لاہور۔

السلام علیکم۔ آپ کا خط ملا، یہ خبر سُن کر کہ آپ کو تکلیف رہتی ہے لیکن یہ خوشی بھی ہوتی ہے کہ خداوند عالم نے آپ کو صبر کا مرتبہ عطا فرمایا، میں بھی دعا کرتا ہوں اور ان شاء اللہ بخاری شریف کا اگر ختم ہوگا تو اس میں بھی دعا کی تحریک کروں گا۔ برادرم میری نظر میں تو یہی مفید ہے کہ اگر موقع ہو تو آپ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کی بیعت کر لیں۔ بیعت کے سلسلہ میں نہ میں قابل ذکر ہوں نہ میری بیعت! طالبِ علمی سے فارغ ہو کر ایک معمولی سی ملازمت پر بھاگلپور جانے لگا تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ

---

[1] مرقومہ، ۵، ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ، از دیوبند

[2] مرقومہ ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ، دیوبند۔

کے ارشاد سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی بیعت ہوگیا تھا۔ آپ نے چونکہ مجھ سے استشار کیا تھا، اس واسطے میں نے المستشار مؤتمن کے موافق اپنا خیال صاف صاف ظاہر کر دیا، اللہ تعالیٰ وہ وقت لاوے کہ آپ جیل خانہ سے عزت کے ساتھ بری ہوں (اللّٰھم آمین) والسلام[1]

④ جناب مولانا مولوی مظہر حسین صاحب ولد مولوی کرم دین صاحب، احاطہ اول سنٹرل جیل لاہور۔

عزیز مکرم زیدت معالیکم۔ آپ کا خط شعبان میں آیا تھا حضرت مولانا مدنی مدظلہ ترمذی و بخاری شریف کے ختم کرانے میں اس مرتبہ غیر معمولی منہمک تھے۔ اس واسطے ان سے نہ کچھ کہنے کا موقع ملتا تھا نہ خط دکھانے کا، بالآخر ایک روز میں دولت خانہ پر اس وقت حاضر ہوا جب کہ آپ چائے نوش فرما رہے تھے۔ میں نے آپ کا خط ان کے سامنے رکھ دیا، خط ملاحظہ فرما کر اُن صاحب کی بیعت فرمالی جن کی بیعت کے لیے آپ نے مجھے لکھا تھا۔ بقیہ کسی اور امر کا جواب زائرین کی کثرت کی وجہ سے نہ دے سکے۔ میری گزارش یہ ہے کہ شوال کے آخر میں جب حضرت تشریف لے آئیں تو آپ اپنے حالات سے متعلق ایک دوسرا مفصل خط لکھیں، میں اس خط کا جواب مفصل حضرت کے قلم سے لکھ کر یا جو کچھ مجھ سے فرمائیں گے، وہ خود لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کر دوں گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جس راستہ پر آپ خداوند کی امداد سے چل رہے ہیں، میں اس سے بالکل نابلد ہوں، لیکن اس کے باوجود اس قدر سمجھا ہوں کہ توفیق الٰہی نے آپ کی دستگیری کی ہے اور آپ کے حالات قابل غبطہ ہیں، خدا کا شکر کیجئے، ذکر الٰہی میں کوتاہی نہ کیجئے۔ آپ کا ذکر ریاء سے خالی اور اخلاص سے بھرا ہوگا ''انا عند المنکسرۃ قلوبھم'' کا وعدہ آپ کے ساتھ ہے۔ ان تکالیف کی حالات میں آپ خدا کی بہت سی نعمتیں لے کر ان شااللہ جیل سے رہا ہوں گے۔ ما من مسلم یشاک شوکۃ الا وضع اللہ عنہ خطیئۃ و عطا بھا حسنۃ۔ والسلام[2]

⑤ برادرعزیز جناب مولوی مظہر حسین صاحب، قید بست سالہ سنٹرل جیل......لاہور

برادرعزیز زیدت معالیکم۔ پس از سلام مسنون۔ عرصہ سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے فکر ہے۔ ملکی حالات کچھ ایسے بدتر ہو گئے ہیں کہ قابل بیان نہیں ہیں۔ ہم جیسے ضعفاء کے لیے اس

---

[1] مرقومہ ۱۰، صفر ۱۳۶۱ھ، دیوبند

[2] ۱۷، رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ، از دیوبند

کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ خدا سے دعا کریں کہ وہ ہمارے حال پر رحم فرماوے آمین۔ نہ ہماری رائے کوئی کام دیتی ہے نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ اپنے متعلق اور آپ کے متعلق میری رائے یہی ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر توجہ الی اللہ کریں جو کچھ اس کو منظور تھا وہ ہوا اور جو کچھ منظور ہوگا وہ ہو کر رہے گا۔ ذکر کا اثر محسوس ہونا موجب مسرت ہے خداوند عالم اس سے زیادہ برکت عطا فرمائے آمین۔ میرے حُسن خاتمہ کی دعا ضرور کیا کریں۔ حضرت مولانا مدنی مدظلہ سے آپ کے حالات عرض کرتا رہتا ہوں، آج کل دارالعلوم میں تعطیلات ہیں۔ پرسوں سے اسباق شروع ہوں گے۔ میں نے ایک عربی کی کتاب ''**نفحۃ العرب**'' لکھی ہے جو کئی مرتبہ طبع ہوئی اور بعض مدارس عربیہ کے نصاب میں بھی داخل ہے۔ اس مرتبہ کچھ زیادہ اچھی طبع ہوئی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ آپ بھی اُس کو دیکھتے، اگر کتابیں آپ تک پہنچ سکتی ہوں تو آپ پتہ تحریر فرمادیں، میں ایک نسخہ خرید کر روانہ کر دوں گا۔ کتاب عربی زبان میں ہے اور ''**نفحۃ الیمن**'' کی طرح اس میں چند حکایتیں ہیں[1]۔

⑥ عزیز مکرم زیدت معالیکم السلام علیکم! آپ کا خط آیا، میں ندامت کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوں کہ آپ کے اس خط کا جواب بہت دیر سے روانہ کر رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اب ضعیف بھی ہو گیا ہوں۔ مشاغل ضروریہ کی کثرت ہے، سال ختم ہونے کو ہے تو بعض اسباق بھی معلّق ہو گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ اپنی عدیم الفرصتی کے اسباب غیر محدود ہیں۔ آج آپ کی خدمت میں عریضہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ پہلا لفافہ جس میں آپ نے بقول اپنے دو صاحبوں کی بیعت کی نسبت حضرت مولانا مدنی مدظلہ کی خدمت میں عرض کرنے کو کہا تھا۔ مجھ کو نہیں ملا۔ ورنہ میں حضرت کی خدمت میں ضرور پیش کرتا۔ دارالعلوم کے حالات تفصیل طلب ہیں، مخالفین کی نظریں دارالعلوم کو تباہ کرنے کے لیے تُلی ہوئی ہیں۔ موقع ڈھونڈ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ علامہ عثمانی کے خلاف خدا جانے آپ کو کیوں گراں گذر رہا ہے؟ خدا نے آپ کو عالم بنایا ہے۔ زمانہ ماضی میں اس کی مثالیں بہت ملیں گی۔ یہ سچ ہے کہ گھر میں آگ گھر کے چراغ سے لگی ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ چراغ بھی وہ تھا جو مٹی کے تیل سے روشن کیا جاتا تھا۔ حضرت علامہ عثمانی لیگ کے مقاصد کو پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور حضرت مولانا مدنی مدظلہ لیگ کو اسلام کا بیخ کن قرار دیتے ہیں۔ لفظی چکر سے نکل کر اعمال کی تنقید کے بعد حضرت مولانا مدنی مدظلہ کا فرمانا ہی صحیح معلوم ہوتا ہے، جمعیت نے حضرت مولانا مدنی مدظلہ کی سرپرستی میں ترقی کی ہے۔

---

[1] مرقومہ ۱۹ ذوالحج ۱۳۶۹ھ پنج شنبہ۔

آپ کے اطراف میں ممکن ہے کہ وہ اب تک گمنام ہوں مگر وہ اب زیادہ گمنام نہیں رہے۔ تالیفات کی اشاعت حتی الامکان بہت زیادہ کی جارہی ہے۔ لاہور میں ان تالیفات کی کوئی ایجنسی قائم ہے یا نہیں، مجھ کو معلوم نہیں۔ حضرت مولانا مدنی مدظلہ کے متعلق لکھنے میں دشواری یہ ہے کہ ان کے صحیح حالات اس وقت خود انہیں کو معلوم ہیں، دوسرے لوگ ناواقف ہیں اور اگر ان کو یہ معلوم ہوجائے کہ میرے حالات اس غرض سے شائع کیے جارہے ہیں کہ میری عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو، تو وہ سخت ناراض ہوں گے، علاوہ ازیں میرٹھ کے ایک صاحب نے چند واقعات ذکر کر کے چند اوراق کا ایک رسالہ شائع کیا ہے۔ میرے نزدیک غلطی کی، حالات لکھنا تھے تو پوری تحقیق کے ساتھ اور بہت زیادہ مفصل! اس کے لیے ایک جماعت کی ضرورت ہے جو سرگرمی سے سوانح حیات مرتب کرے اور بہت زیادہ روپے کی ضرورت ہے۔ جو ان کام کرنے والوں کی تنخواہ پر صَرف کیا جائے۔ جو حالات آپ نے تحریر فرمائے ہیں ان کے ہوتے ہوئے افسوس کرنا، آپ معاف کریں میرے نزدیک کفرانِ نعمت الٰہیہ ہے۔ آپ ذکر قلبی بھی کرتے ہیں اور ذکر لسانی بھی، اور یہ بھی امید ہے کہ ذکر تمام بدن پر مستولی ہوجائے، پھر جو آپ کا فرض منصبی ہے کہ گمراہوں کو راہ ہدایت پر لائیں، وہ بھی ادا کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اب آپ اور کیا چاہتے ہو؟ اب اور چاہتے ہو کہ پیغمبری مل جائے؟ خدا کا شکر کیجئے آپ کی یہ حالت ہم جیسے ناکاروں کے لیے غبطہ کے قابل ہے۔ آپ نے جیل خانہ میں رہ کر قلب کی ایسی اصلاح کی جو ہم جیسے آزادرہ کر نہ کرسکے۔ ہماری حالتوں سے عبرت حاصل کیجئے اور خدا کا شکر کیجئے۔ اور دعا کیجئے کہ خداوند عالم ہم جیسوں کو بھی توفیق عطا فرمائے اور اس کی مرضیات کو حاصل کریں۔ حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں بہت سے اردو دانوں نے کتابیں لکھی ہیں، چالیس برس پہلے بعض کتابیں دیکھی بھی تھیں مگر کسی مستند کتاب کا نام اس وقت یاد نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ مجھ کو دعا میں ضرور یاد رکھیں گے۔ والسلام [1]

⑦ برادر عزیز زیدت معالیکم۔ پس از سلام مسنون! آپ کے والد کے انتقال کا سانحہ شدید سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔ آمین

آپ نے علم و عقل کی روشنی میں جس طرح صبر کیا ہے اور وہ نہ صرف قابل تحسین ہے بلکہ لائق تقلید بھی ہے۔ خدا کرے کہ ہم ضعفاء بھی اس صبر و ثبات کا ثبوت دیں۔ آمین۔ آپ کے حالات قابل غبطہ

---

[1] مرقوم ۲۳ جمادی الاولی ۱۳۶۰ھ، از دیوبند۔

ہیں، میں نے ایک دفعہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی خدمت میں شکایت کی تھی تو یہ شعر تحریر فرما دیا تھا۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مراد مکن
کہ خواجہ خود روشن بندہ پرور داند

بہت بڑی نعمت ہے کہ آپ مولائے حقیقی کی یاد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر استقامت عطا فرمائے آمین۔ میری رائے ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ آپ بالکل یکسو ہو کر توجہ الی اللہ میں مشغول رہیں، بخاری شریف ختم ہو چکی، بجنور کے جوہر صاحب کون بزرگ ہیں؟ واقف نہیں، نہ ہی میں نے مدنی نمبر دیکھا، نہ کسی نے آج تک اس کا تذکرہ کیا۔ رمضان المبارک کے ماہ میں حسن خاتمہ کی دعا کا میں بھی خواستگار ہوں[1]۔

⑧ جناب محترم زیدت معالیکم۔ پس از سلام مسنون! طالب خیر بخیر ہے۔ گرامی نامہ مل کر کاشف حالات ہوا۔ میں آپ کے پاس اس سے پیشتر بھی کئی خطوط روانہ کر چکا ہوں مگر ڈاک کی بدنظمی کی وجہ سے شاید آپ کو نہیں ملے۔ آپ کو جو کچھ دلی وساوس پیش آتے ہوں، آپ ان کو تحریر کر کے میرے پاس حضرت شیخ مدظلہ کے نام روانہ کر دیں۔ میں ان کا جواب حضرت شیخ مدظلہ سے لے کر آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں گا، باقی میں آپ کے لیے دعا گو ہوں یہاں متعلقین بخریت ہیں۔ والسلام[2]

یہ چند اہم خطوط قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی اسیری کی زندگی میں اصلاحِ نفس کے لیے کی جانے والی عملی جدوجہد اور مجاہدات کو سمجھنے میں خاصی مدد دے سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ بقول قائد اہل سنت رحمہ اللہ

> ''شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے بیعت فرما کر شب و روز میں ۲۵ ہزار مرتبہ اسم ذات بلا جہر کا ارشاد فرمایا تھا اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی بندہ کو توفیق مل جاتی تھی۔''[3]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم شباب اور حالت اسیری نیز والدین، اور جان سے پیارے بڑے بھائی (غازی منظور حسین شہیدؒ) کی جدائی کے زخموں سے چُور چُور ''قائد اہل سنتؒ'' کا اپنے مولائے حقیقی سے تعلق کس قدر مضبوط اور لائق رشک و تقلید تھا کہ عملی میدان میں کوئی بڑی سے بڑی آزمائش آپ کے پایۂ استقلال کو متزلزل نہ کر سکی، اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایتِ خاص ہی کا نتیجہ تھا۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء**۔

---

[1] مرقومہ ۱۴، رمضان المبارک ۱۳۶۵، از دیوبند۔

[2] مرقومہ ۷ جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

[3] مقدمہ بر مکاتیب شیخ الادبؒ نمبر/فروری/۲۰۰۰ء/ ماہنامہ حق چار یار، لاہور

مولانا مفتی محمد حسنؒ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) عالم اسباب میں قائد اہل سنتؒ کی رہائی کا سبب بنے

راولپنڈی جیل میں ۱۹۴۶ء کا سال حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے لیے اس لحاظ سے مزید ابتلاء و آزمائش کا سال تھا، کیونکہ اُدھر آپ کے والد گرامی قبلہ کا انتقال ہوگیا تو دوسری جانب آپ کو پیشاب کی تکلیف شروع ہوگئی۔ روزنامہ ''سیاست'' کے ایڈیٹر سید حبیب بھی اتفاق سے اُن دنوں جیل میں نظر بندی کی سزا کاٹ رہے تھے اور سید حبیب صاحب کا حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ کے ساتھ مدتوں پرانا تعلق چلا آرہا تھا، چنانچہ جب ان کو پتہ چلا کہ آپ مولانا دبیر کے لخت جگر ہیں تو انہوں نے قائد اہل سنت کے علاج معالجہ میں مقدور بھر کوشش کی تھی اور اس سلسلہ میں حکام جیل سے بات چیت کر کے آپ کو دوبارہ سنٹرل جیل لاہور منتقل کر دیا گیا تا کہ وہاں سے آپ کا ممکنہ علاج ہو سکے۔

چنانچہ لاہور میو ہسپتال میں آپ کے مثانہ کا آپریشن ہوا، اس دوران حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ بذریعہ خط و کتابت تبادلۂ خیالات اور مبادلہ فکر و احوال کرتے رہے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب، مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی طرز پر میرے خطوں کا جواب دیا کرتے تھے[1]۔ یہ ربط و تعلق مزید بڑھا، تا آنکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جیل میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی ملاقات اور تیمارداری کے لیے بھی تشریف لے آئے۔ اس زمانہ میں میو ہسپتال لاہور کے انچارج ڈاکٹر ضیا اللہ صاحب تھے جو مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ کے مخلص مرید و مُجاز بیعت تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے حکم پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے لیے ڈاکٹری رپورٹ کی درخواست منظور کروا کر تسلی بخش علاج کے لیے ایک ماہ تک جیل سے میو ہسپتال منتقل کروالیا، یہاں پولیس گارڈ کی نگرانی میں ایک ماہ تک علاج ہوتا رہا۔ پہلا آپریشن اگرچہ ۱۹۴۶ء میں ہوا تھا مگر مرض سے کلی طور پر افاقہ نہ ہوسکا تھا اور اگلے دو سال مسلسل تکلیف کی برداشت اور علاج میں گذرے۔

اس دوران جب ڈاکٹر ضیا اللہ صاحب کا تعاون اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ کی شفقتیں ملیں تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے آپ کی رہائی کے لیے کوششیں شروع کر دیں، چنانچہ اُن کی سفارش سے آپ بجائے ۱۹۵۰ء کے ایک سال قبل ۱۹۴۹ء میں ہی قیدِ زنداں سے رہا ہوگئے۔ رہائی پاتے ہی آپ فوراً مفتی صاحب کی خدمت میں نیلا گنبد، جامعہ اشرفیہ پہنچے اور پانچ دن تک ان کے پاس مقیم

---

[1] مظہر حسین قاضی، قائد اہل سنت رحمہ اللہ / مکاتیب شیخ الادبؒ نمبر / فروری ۲۰۰۰ء، ماہ نامہ حق چار یارؓ، لاہور

رہے۔ یہ بھی آپ کی روحانی قوت کی ایک بڑی دلیل ہے، کیونکہ قیدی جیل سے اور پرندہ اپنے پنجرے سے جب نکلتا ہے تو گھر کی چوکھٹ پر پہنچ جانے تک پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا۔ مگر آپ کا صبر و استقلال اور اپنی روح کو تازگی دینے کے لیے صلحاء و علماء کی صحبتوں سے نفع اُٹھانے کا یہ جذبہ لائق آفریں ہے کہ آپ نے پورے پانچ دن مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی صحبت میں گزارے اور پھر اس کے بعد عازم چکوال ہوئے۔

جیل کی اس آٹھ سالہ اسارت کے دوران قائد اہل سنت رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ اس عرصہ میں مجھے یاد نہیں کہ قیدی ہونے کی حیثیت سے مجھے کوئی پریشانی لاحق ہوئی ہو۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ کے توسل سے اللہ تعالیٰ نے حوصلہ و استقامت کے ساتھ ذکر و شغلِ عبادت میں ہی منہمک رکھا۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں گذر چکا ہے کہ اس طویل دور اسارت میں حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کو علاوہ دیگر مصائب کے تین بڑے صدمات جھیلنا پڑے۔ ① بڑے بھائی غازی منظور حسین صاحب رحمۃ اللہ کی شہادت (۱۹۴۲ء) ② والدہ ماجدہ کی رحلت (۱۹۴۴ء) ③ والد ماجد ابوالفضل مولانا دبیر رحمۃ اللہ کی وفات (۱۷ جولائی ۱۹۴۶ء)۔ یہ کرب و ابتلاء اور دیگر آزمائشوں سے گذرنے کے بعد آپ کن قدموں کے ساتھ، کن تصورات کے ساتھ، کن خیالات کی الجھنوں میں اور حادثاتِ شدیدہ کی بھاری بھر کم سلیں اپنے قلب و دماغ پر رکھ کر کس کیفیت کے ساتھ اپنے گھر کی جانب سفر کر رہے تھے؟ اسے الفاظ میں لکھنا ناممکن ہے۔ یہ حالات جس پر بیتتے ہیں وہ خود ہی اپنے الفاظ و محسوسات میں کسی قدر اسے حیطۂ بیان میں لاسکتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہوا کہ حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ جیل سے بری ہو گئے اور یہ ۲۶، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ بروز منگل کا واقعہ ہے، جب آپ کی رہائی عمل میں آئی۔ ۴ ماہ ۲۸ دن کی ابتدائی مدت حوالات میں گذری اور اگلے سات سال، پانچ ماہ اور کم و بیش سولہ دن مختلف جیلوں میں گزرے۔

بڑے قاضی صاحب کی آمد پر چھوٹے قاضی صاحب کا نعرۂ مسرت

''قاضی صاحب آ گئے، قاضی صاحب آ گئے'' یہ الفاظ پسرِ خوش بخت جناب حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر کے ہیں۔ جو آپ نے والد ماجد کے اچانک گھر میں داخل ہونے پر نعرہ مسرت کے طور پر بلند کیے تھے۔ اصل اور خاندانی خون اپنی پہچان آپ کرواتا ہے، مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب کی ولادت اس وقت ہوئی تھی جب حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ سانحہ قتل میں نامزد ہو کر چکوال حوالات میں پہنچ چکے تھے۔ اس کے بعد راولپنڈی جیل میں جب کبھی اہل خانہ ملاقات کے لیے جاتے تو صاحبزادۂ گرامی ہمراہ جاتے تھے۔ لامحالہ اس بچپن اور کمسنی میں رشتوں کی پہچان

نہیں ہوتی، دُھندلے دھندلے نقوش معصوم فطرت پہ ثبت ہوتے ہیں، مگر باوجود اس کے آپ نے اپنے والد گرامی کو فوراً پہچان لیا اور ان کی آمد پر گھر والوں کو کس مسرت آمیز لب و لہجے میں اطلاع کی، یہ صاحبزادہ گرامی سے ہی سنیئے۔

''(والد گرامی قائد اہل سنت رحمہ اللہ) براستہ مندرہ صبح راولپنڈی سے چکوال آنے والی ریل گاڑی پر سوار ہو کر ڈھڈیال یا چک نورنگ ریلوے اسٹیشن پر اترے اور اچانک ۹،۱۰ بجے کے قریب گھر پہنچ گئے، اور ہمارے اگلے کمرہ جس کا دروازہ مشرق کی طرف ہے، کے برآمدہ میں چارپائی پر سامان رکھ کر بیٹھ گئے۔ میں جونہی باورچی خانہ سے برآمدہ میں آیا تو دیکھ کر شور مچا دیا کہ ''قاضی صاحب آگئے، قاضی صاحب آگئے، ہمارے گھر اور برادری والے سب آپ کو ''قاضی جی'' کہہ کر ہی بلاتے تھے اور بچپن سے ہی آپ اس نام سے مشہور تھے۔ دورانِ قید والدہ صاحبہ، والد صاحب اور بڑے بھائی اور کئی عزیز و اقارب فوت ہو چکے تھے، لیکن حسین کے مظہر کا صبر و استقلال دیدنی رہا۔''[1]

اس رہائی کے ساتھ ہی حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک اور باب مکمل ہوتا ہے۔ بچپن کی اداؤں، جوانی کی کچلتی خواہشات، والدین عظیمین کے زیر سایہ معصوم طبیعت کے ساتھ تعلیم و تربیت کے بنیادی مرحلہ جات، چکوال اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے، لاہور کے اداروں اور بھیرہ کے دارالعلوم عزیزیہ سے تعلیمی منزلیں طے کرنے، دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ صافی سے آب چُشیدہ ہونے کے بعد واپس واطن تشریف لانے، چک عمراء کے سنی شیعہ مناظرہ، اور قضیہ نکاح ''بھیں'' کی تمام تر کڑیوں کی کڑی بننے، اپنے گاؤں کے ایک تنازع میں مدمقابل کے قتل ہونے، ایس ڈی او کھیم چند کے آنجہانی ہونے، اور آپؒ کے پابند سلاسل ہونے نیز لاتعداد مشقت آمیز اور صبر آزما لمحات گزارنے کے بعد قائد اہل سنت کی زندگی کا ایک مزید اور اہم باب پوری عزت و وقار کے ساتھ مکمل ہوا۔ الحمدللہ علی ذالک۔ اب دیگر خدماتِ دین اور دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تحفظِ ختم نبوت کی خاطر مزید اپنے آپ کو پیش کرنے کے لیے اور دامے درمے قدمے سخنے ہر ممکن قربانی پیش کرنے کا اگلا مرحلہ درپیش تھا، اللہ کریم کی غیبی طاقت اور نصرت نے اس عظیم خاندان کے چشم و چراغ کو اپنے دین متین کی عالی خدمات کے لیے کیسے کیسے، کہاں کہاں اور کب کب قبول فرمایا؟ آیئے اگلی داستان کے کھلے چمنستان کا سفر کرتے ہیں۔

[1] صاحبزادہ مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر برموقع ملاقات تبادلۂ خیالات، نیز مقالہ مرقومہ ''قائد اہل سنت نمبر'' ماہنامہ حق چار یار لاہور، مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء

۱۹۵۰ تا ۱۹۵۵ء

❀ سلسلۂ تبلیغِ اسلام

(قصبہ بھیں میں مدرسہ و مسجد کی بنیاد، تدریس و خطابت)

❀ دارالعلوم حنفیہ کا قیام، قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی توجُّہات اور جامعہ عربیہ اظہار الاسلام کا چکوال شہر میں اجراء

(لمحہ بہ لمحہ، دن بہ دن، ماہ بہ ماہ اور سال بہ سال کی بہ چشم کُشا تاریخی داستان)

❀ چکوال شہر میں منتقلی اور دینی مرکز کا قیام

❀ تحریک ختم نبوت میں فعال کردار۔ گرفتاری، رہائی اور دیگر ایمان افروز حالات

آبائی قصبہ ''بھیں'' سے تعلیم وتدریس اور وعظ وتبلیغ کا آغاز

ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرمُ الدین دبیر رحمہ اللہ کی ذاتی مسجد باقاعدہ کسی متبرک نام سے موسوم نہیں تھی۔ دور دراز علاقوں کے باسی اسے ''مولانا کرم الدین والی مسجد'' اور مقامی لوگوں میں ''مسجد زمینداراں'' کے نام سے معروف تھی۔اس کے علاوہ اُس دور میں مزید تین مساجد بھی مولانا دبیر رحمہ اللہ کے زیر سرپرستی تھیں، گورداسپور عدالت میں بھی حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ نے یہی بیان ریکارڈ کروایا تھا کہ

''میں چار مساجد کا انتظام چلا رہا ہوں، فیصلوں کی یادداشت کے لیے مجھے سرکاری طور پر رجسٹر ملا ہوا ہے۔وغیرہ''[1]

چنانچہ یہ چاروں مساجد قصبہ میں مندرجہ ذیل ناموں سے مشہور تھیں۔

① مسجد زمینداراں ② مسجد ملہاراں

③ مسجد چودھریاں والی ④ مسجد پاؤلیاں والی

قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے سب سے پہلے ان مساجد کے نام تبدیل کر کے مندرجہ ذیل نام رکھے۔

① مسجد زمینداراں کا نام...... فاروقی مسجد

② مسجد چوھدریاں کا نام...... حمزہ مسجد

③ مسجد پاؤلیاں والی کا نام...... صدیقی مسجد

④ مسجد ملہاراں کا نام...... جامع مسجد اہل السنۃ والجماعت

مؤخر الذکر مسجد کو تعمیری وتعلیمی ہر لحاظ سے مرکزیت کا درجہ حاصل ہے اور اسی مسجد میں تحریک خدام اہل سنت والجماعت کے زیر اہتمام عظیم الشان سالانہ ''سُنی کانفرنس'' منعقد ہوتی ہے جو قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی یاد میں جاری فرمائی تھی اور اب

[1] ورق مسل/صفحہ ۴۳، ۵۳/ ۱۲ نومبر، ۱۹۰۳ء

جب کہ کاتب السطور یہ سطریں رقم کر رہا ہے، ''پچاسویں سالانہ کانفرنس'' کی تیاریاں زور و شور اور جوش و جنون سے جاری ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے فاروقی مسجد میں نمازِ فجر کے بعد درس قرآن مجید کا سلسلہ باقاعدگی سے شروع فرما دیا اور اس کے ساتھ ہی عشاء کی نماز کے بعد نمازیوں سے نماز سننے، یاد کروانے، تصحیح کروانے اور ترجمہ یاد کروانے کے اعمال بھی جاری ہو گئے۔ یہ نظم و ضبط اس معیار کا تھا کہ باقاعدہ نمازیوں کی حاضری بھی لگتی تھی، اب تو نئی روشنی نے شہروں اور دیہاتوں کے معمولاتِ زندگی کو کم و بیش یکساں کر کے رکھ دیا ہے مگر پہلے وقتوں میں دیہاتی زندگی غروب آفتاب کے ساتھ ہی محوِ خواب ہو جاتی تھی اور پابندِ صوم وصلوٰۃ لوگ نماز عشاء پڑھتے ہی سو جاتے تھے۔ چنانچہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حاضری کے دوران کوئی نمازی غیر حاضر ہوتا تو اس کو چند رضا کار جا کر فوراً گھر سے برآمد کر کے مسجد میں لے آتے اور حسبِ رتبہ و عمر اس کی گوشمالی بھی کی جاتی تھی۔ اس ضمن میں کبھی کبھار کوئی لطیفہ نما واقعہ بھی پیش آ جاتا مثلاً بھیں کے ایک رہائشی سیف علی مرحوم کو جب نوجوان عشاء کی نماز پر ان کے گھر سے لینے گئے تو وہ سو رہے تھے، تو یہ نوجوان انہیں یونہی سوتے میں اٹھا کر مسجد میں لے آئے[1]۔ بہر حال ''بھیں'' کے اندر آپ کے یومیہ و ہفتہ وار معمولات کچھ اس طرح ترتیب دیئے گئے کہ جمعۃ المبارک مرکزی جامع مسجد اہل السنۃ والجماعۃ میں پڑھاتے اور جمعۃ المبارک کی تفصیلی تقریر میں توحید، مقام ختم نبوت، مقام صحابہؓ واہل بیتؓ، اعمال صالحہ کی ترغیب، فقہی مسائل سے آگاہی، شرک و بدعات کے افعال سے بچنے کی تاکید، رسوم و رواج کو چھوڑنے کی دعوت اور اتباعِ سنت و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی تبلیغ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ روزانہ کسی نہ کسی نماز کے بعد گاؤں کی دیگر مساجد میں درس قرآن مجید کے ساتھ ساتھ ملحقہ آبادیوں اور قصبوں میں بھی جا کر مذہب اہل سنت والجماعت کی تشہیر و اشاعت فرماتے اور لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی جُہدِ مُسلسل کرتے تھے۔ قصبہ بھیں یا ملحقات میں تو حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی سوسالہ محنت کی وجہ سے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور اپنے والد گرامی کی زرخیز کردہ زمین پر اور انہی کے خطوط و نقوشِ پاء پر رواں دواں رہے، مگر دائیں بائیں کے بعض دور دراز کے قصبہ جات میں جا کر یہ المناک اور بھیانک حالات دیکھے کہ کئی کئی مساجد کا صرف ایک ہی امام ہوتا، کسی مسجد میں ایک نماز کی جماعت ہو رہی ہوتی تو کسی میں دو، شاذ و نادر ہی کسی مسجد میں پنجگانہ نماز کا اہتمام ہوتا تھا، پیر پرستی کا یہ عالم تھا کہ مرید سُنی ہیں تو پیر شیعہ! اور پیر سُنی ہے تو مریدین اہل تشیع!

---

[1] روایت صاحبزادہ مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر

خانگی و ازدواجی زندگیوں کا حال بھی اسی طرح ابتر و بدتر تھا کہ شوہر سنی ہے تو بیوی شیعہ، اور بیوی سُنی ہے تو شوہر رافضی، اور کہیں والدین سنی ہیں تو اولاد سب کی سب شیعہ، بدعات و رسومات اس قدر گُھٹی میں پڑ گئی تھیں کہ جن علاقوں میں ایک گھر بھی شیعوں کا نہیں تھا وہاں کے اہل سنت سالانہ تعزیہ و تابوت اور گھوڑا نکالنا لازمی سمجھتے تھے۔ پوری پوری زندگی نماز نہ پڑھنے والے، ماہِ رمضان المبارک کے روزوں سے کُلی نا آشنا، پاکی و ناپاکی سے یکسر بے نیاز، اور قرآن مجید کو صرف نام کی حد تک جاننے والے مسلمان گیارھویں شریف، ساعتے، چالیسویں اور رسم کونڈا بھرپور اہتمام و اخلاص کے ساتھ کرتے تھے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ایک ایک مسجد کو جا کر آباد کیا، ایک ایک فرد پر محنت کی، عقیدہ سمجھایا، اعمال کی تلقین کی، زیادہ تر سفر پیدل ہوتا تھا، تاہم سائیکل، خچر، اور گھوڑے پر بھی بعید کے قصبوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کے دین کی مخلصانہ دعوت پہنچاتے رہے۔ چنانچہ بہت کم عرصہ میں بہتر اور امید افزاء نتائج سامنے آنے لگے۔ اسی دوران فاروقی مسجد سے متصل ایک قطعہ اراضی خرید کر ایک کمرہ مع برآمدہ اور طلبہ کی ضرورت کا کچن بنا دیا گیا اور مئی ۱۹۵۲ء بمطابق شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ کو ''مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام'' کی بنیاد رکھی گئی، اس مدرسہ میں مولانا امیر زمان، مولانا عزیز الرحمن کوہاٹی، اور مولانا خلیل الرحمن ہزاروی یکے بعد دیگرے تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

مدرسہ عربیہ اظہارُ الاسلام کی چکوال میں منتقلی

قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے آبائی قصبہ ''بھیں'' میں دینی مرکز قائم کرنے کے بعد ضلع بھر میں تبلیغی جلسوں اور وعظوں کا بالترتیب سلسلہ جاری کر دیا تھا، مگر آپ کے ذہن میں مستقبل کے حوالہ سے یہ سوچ منقش تھی کہ مدرسہ و مرکز کا چکوال شہر میں ہونا ضروری ہے۔ کہتے ہیں ضرورت ایجاد کی ماں ہے، اس سے قبل آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی ''بھیں'' ہی میں رہائش رکھی اور ''بھیں'' میں رہتے ہوئے متحدہ ہندوستان کے ہر ہر شہر اور گاؤں گاؤں میں اس قدر جانفشانی کے ساتھ خدماتِ دینیہ کا مربوط و منظم ورک کیا کہ قصبہ بھیں کو شہرتِ عامہ نصیب ہوگئی مگر ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ جب جیل میں گئے تھے تو اس وقت ہندوستان تھا اور جب رہا ہوئے تو پاکستان بن چکا تھا، گویا آپ ہندوستان میں گرفتار ہوئے اور پاکستان میں رہا ہوئے۔ تو اب اس نومولود مملکت میں نئے طور و اطوار اور لوگوں کی نفسیات و مزاج کے مطابق دینی رہنمائی کی ضرورت تھی۔

چنانچہ چکوال میں آتے جاتے آپ نے اپنے رفقاء سے اس معاملہ میں مشاورت کی اور احباب

کے درمیان بھی تفکر و تدبر کے ساتھ اس پر غور و خوض ہونے لگا۔ چنانچہ اس دوران گورنمنٹ ڈگری کالج چکوال کے ایک دفتری جن کا نام صوفی عبدالرشید تھا، کے ساتھ ملاقات ہوئی تو باہم تبادلۂ خیالات میں دونوں کی فکری ہم آہنگی کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے، اور اسی فکری ہم آہنگی نے صوفی صاحب کو قائد اہل سنت کا قدر شناس بنا دیا۔ کیونکہ خاندانی نسبت تو ضلع بھر میں عیاں تھی، جب دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ سے نسبت کا پتہ چلا تو وہ اپنا دل و دماغ قائد اہل سنت کو دے بیٹھے۔ یاد رہے کہ متذکرہ صوفی عبدالرشید صاحب موضع اوڈھروال کے رہائشی اور حافظ عبدالوحید صاحب حنفی کے والد گرامی تھے، حنفی صاحب موصوف کو کم و بیش پچاس سال قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی خدمت و رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے۔ صوفی عبدالرشید صاحب ۱۹۳۰ء میں اوڈھروال سے چکوال منتقل ہو چکے تھے جب کہ گورنمنٹ کالج چکوال کے رہائشی کوارٹر میں مقیم تھے۔ اور کالج والی مسجد میں بلا معاوضہ محض رضاء الٰہی کے حصول کے جذبہ سے بطورِ خادم، خدمت سرانجام بھی دے رہے تھے۔ صوفی عبدالرشید صاحب کی وساطت سے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی مزید چند دیگر احباب سے بھی شناسائی ہوگئی جن میں حاجی احمد حسین، میاں کرم الٰہی، راجہ بوستان، صوبیدار غلام حسن اور چوھدری گل شیر خان کے نام قابل ذکر ہیں۔ ذہن نشین رہے کہ راولپنڈی روڈ پر واقع یہی کالج والی مسجد اب ''امدادیہ مسجد'' کے نام سے مشہور ہے جس میں ''مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام'' کی مستقل بلڈنگ ہے اور مسجد و مدرسہ کا یہ باہمی اتصال قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے علمی و فکری اور نظریاتی جدوجہد کا صبح قیامت تک شہادت دیتا چلا جائے گا...... ان شا اللہ تعالیٰ۔

مولانا حافظ پیر غلام حبیبؒ کی بطورِ مدرس و خطیب تقرری اور دارالعلوم حنفیہ کا قیام

۱۹۵۱ء میں متذکرہ بالا احباب کے ساتھ مشاورت کے بعد شہر میں دینی ضرورت کے تحت کالج والی مسجد (حالاً امدادیہ مسجد) میں ایک ادارہ کی بنیاد رکھی گئی، اور اس دینی درسگاہ کا نام ''دارالعلوم حنفیہ'' تجویز ہوا۔ مذکورہ دینی ادارہ کے ناظم امور حاجی احمد حسین مقرر ہوئے اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ، صوفی عبدالرشید، راجہ بوستان، صوبیدار غلام حسین اور خواجہ عالم دین وغیرہم اشخاص پر مشتمل مجلس شوریٰ کی تشکیل ہوئی۔ اس انتظامی ڈھانچہ کے بعد مولانا حافظ غلام حبیب رحمہ اللہ کو بطور مدرس و خطیب یہاں لایا گیا، اور ان کی تقرری قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی تجویز پر ہوئی تھی، حافظ صاحب رحمہ اللہ اُس زمانہ میں ''وعولہ'' (جہلم) میں امامت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے، بنیادی طور پر آپ موضع کرڈھی، وادی سون ضلع خوشاب کی ''اعوان'' فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۰۴ء آپ کا سن پیدائش اور ۲۰ ستمبر ۱۹۸۹ء کو انتقال ہوا۔

بہر کیف ۱۹۵۱ء میں حافظ غلام حبیب صاحب ''وعولہ'' سے چکوال شہر میں تشریف لائے تو چند ماہ آپ کا قیام اوڈھروال میں صوبیدار غلام حسن کے گھر رہا، وہاں آپ محلہ بافندگان کی صدیق مسجد میں درس قرآن مجید بھی دیتے رہے۔ پھر چکوال شہر میں حافظ صاحب کی رہائش حاجی احمد حسین کے ہاں قرار پائی تو آپ نے کالج والی مسجد میں درس و امامت اور خطابت شروع کر دی۔ جس کا کُل دورانیہ چند سالوں سے زیادہ نہیں تھا۔

۱۹۵۲ء میں کالج والی مسجد کے اندر خطبۂ جمعۃ المبارک کا آغاز

۲۹ رفروری ۱۹۵۲ء کو کالج والی مسجد (جس کا بعد میں امدادیہ مسجد نام تجویز کیا گیا) میں دینی درسگاہ کا قیام عمل میں لانے کے بعد پہلی مرتبہ نماز جمعہ کی ابتدا کی گئی۔ حضرت مولانا عبدالحنانؒ (بھُوسہ منڈی راولپنڈی) کو خطاب کے لیے دعوت دی گئی تھی۔ وہ تشریف لائے اور تقریر کی، خطبہ اور نماز مولانا حافظ غلام حبیبؒ صاحب نے پڑھائی۔ اس موقع پر تقریباً تین سو افراد نے نماز جمعہ ادا کی، اس سے اگلا جمعہ جو مورخہ ۷، مارچ ۱۹۵۳ء کو تھا، اس میں مفصل خطاب قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے فرمایا جب کہ خطبہ جمعۃ المبارک مولانا حافظ غلام حبیبؒ صاحب نے دیا۔ اس موقع پر بھی تین سو سے زائد افراد نے نماز جمعہ ادا کی۔ اس سے اگلے دن یعنی ۸ مارچ ۱۹۵۲ء کو صبح کی جماعت کی امامت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے کروائی اور درس قرآن مجید ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد نظامِ عمل یہ تھا کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ جب تک چکوال میں مقیم رہتے تو صبح کا درس قرآن مجید آپ ہی ارشاد فرماتے اور یہیں سے پھر دیہاتوں میں جا کر جلسے کر کے واپس کبھی چکوال آجاتے اور کبھی اپنے آبائی موضع ''بھیں'' میں چلے جاتے تھے، اس دوران قائد اہل سنت رحمہ اللہ بیرونی علماء کرام کو بھی مدعو فرماتے جو تشریف لا کر خطبات جمعۃ المبارک اور دروس قرآن مجید کے ذریعے سامعین کے قلوب واذہان کو جلا بخشتے۔ چنانچہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۲ء کو حضرت مولانا بشیر احمد پسروری (خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ لاہوری) چکوال تشریف لائے اور متواتر تین دن قیام فرما کر مختلف اوقات میں وعظ وتقریر ارشاد فرماتے رہے۔ اس کے بعد مولانا سعید احمد ساکن چاولی نے جمعۃ المبارک کے موقع پر وعظ کیا[1]، پھر ۲۱ مارچ ۱۹۵۲ء کو

[1] متذکرہ مولانا مفتی سعید احمد بعدازاں میانی ضلع سرگودھا میں منتقل ہو گئے تھے اور تادم آخر وہیں رہے۔ زہد و تقوٰی اور علم ومجاہدہ میں آپ کو منجانب اللہ اہم مقام حاصل تھا مولانا پیر کرم شاہ صاحب بھیرہ والے بھی آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سلفی

سلطان العلماء حضرت علامہ خالد محمود سیالکوٹی تشریف لائے اور آپ کی ذات سے اہل چکوال کو خوب مستفید ہونے کا موقع ملا۔ تب علامہ صاحب کی عمر ۲۷ برس سے زیادہ نہ تھی۔ عمر بھی جوان تھی اور علم بھی اپنے شباب پر تھا، پھر عمر جوں جوں ڈھلتی گئی، علامہ صاحب کا علم و فضل، استحضار، یادداشت اور وھبی نکات کا سلسلہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ اس کے بعد ۲۸ مارچ ۱۹۵۲ء کو مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ گجرات سے تشریف لائے اور آپ نے عقیدۂ توحید کے موضوع پر دلوں کو گرما دیا، شاہ صاحب نے اس کے چند سال بعد ۱۹۵۷ء میں علماء اہل سنت دیوبند سے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اختلاف کیا تو قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے شاہ صاحب سے اپنا تعلق منقطع کر دیا، اس تاریخی قضیّہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ایک بڑے جلسہ کا انعقاد بھی کیا گیا جس میں قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب، مولانا پیر عمر حیات (گورسیاں راولپنڈی) اور مولانا حافظ غلام حبیب صاحب کے جامع خطابات ہوئے۔ اسی ترتیب سے علماء کرام کے خطابات اور مواعظ کا بہ تسلسل سلسلہ جاری رہا۔ جن سے لوگ دور دراز سے آکر فائدہ اٹھاتے اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لیے وقف کرتے رہے۔

ملنگاں والی مسجد میں تبلیغی جماعت کی پہلی تشکیل

بھون چوک چکوال میں جہاں اب مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی رحمہ اللہ کی پُرشکوہ مسجد اور مدرسہ ہے، کسی زمانہ میں یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی جسے ''مسجد ملنگاں'' والی کہا جاتا تھا۔ کالج والی مسجد میں دارالعلوم حنفیہ کے اندر حافظ غلام حبیب صاحب درس و تدریس کرتے تو کبھی کبھار ملنگاں والی مسجد میں بھی درس قرآن مجید دینے تشریف لاتے تھے۔ چکوال میں تبلیغی جماعتوں کی آمد اگرچہ اس سے پہلے بھی تھی مگر مربوط طریقہ کے ساتھ جماعتوں کو بلانے اور دیہاتوں میں تشکیل دینے کی غرض سے مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۵۲ء کو مسجد ملنگاں میں ایک اجلاس رکھا گیا تھا جس میں راولپنڈی سے مولانا احمد اللہ اور مولانا محمد صادق مرحوم تشریف لائے اور شہر کی اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور اٹھائیس افراد پر مشتمل اس اہم اجلاس میں متفقہ طور پر مولانا حافظ غلام حبیب صاحب رحمہ اللہ کو امیر جماعت منتخب کیا گیا تھا۔ چنانچہ اب مسجد و مدرسہ کی تعلیم و تدریس اور جلسوں میں علماء حق کے بیانات و ارشادات کے ساتھ ساتھ تبلیغی جماعت کے ذریعے بھی دعوتِ دین کا کام جوش و خروش کے ساتھ جاری کر دیا گیا اور اس کے انتظامی ڈھانچہ کی نگرانی حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ فرماتے تھے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں فعال کردار، گرفتاری اور پھر رہائی کے موقع پر عجیب اتفاق

۱۹۵۳ء کے دور میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے یہ بڑھک لگائی تھی کہ یہ سال ہمارا ہے اور اب پاکستان میں قادیانیوں کی حکومت بننے والی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد چونکہ پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی کو بنایا گیا تھا تو تب سے قادیانیوں نے پاکستان میں اپنی حکومت کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے تھے اور مرزا قادیانی کی عادت پارینہ کے مطابق آئے دن کوئی نہ کوئی خواب یا پیشنگوئی اس سلسلہ میں داغ دیا کرتے تھے۔ جب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اس نئی مملکتِ خداداد میں مرزائیوں کی مذکورہ کارستانیاں دیکھیں تو آپ کے تن بدن میں پرانی توانائیوں کا ذخیرہ عود کر آیا اور آپ نے اس وقت کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کے خلاف ایک تحریک چلائی، پورے ملک کے مسلمانوں نے امیر شریعت کی قیادت پر اعتماد کیا اور ملک کے طول و عرض میں مسلمانانِ وطن ''تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد'' کے نعروں کے ساتھ گھروں سے باہر نکل آئے۔ مجلس عمل کے صدر مولانا ابوالحسنات کی مسجد وزیر خان تحریک کا مرکز تھی، متعدد بار گولیاں چلیں، لاٹھی چارج ہوا، اور دھڑا دھڑ گرفتاریاں ہونے لگیں مگر تحریک تھی کہ دن بدن تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ ۱۹۵۳ء میں گنبد والی مسجد جہلم تحریک ختم نبوت کا مرکز تھا، حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ نے تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے ایک جلالی خطاب کر کے بعد ازاں شہر میں بڑے عوامی جلوس کی قیادت کی تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا، اس وقت قائد اہل سنت رحمہ اللہ اپنے گاؤں بھیں میں تھے، ضلع جہلم کی پولیس کا پروگرام یہ تھا کہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو چکوال اور جہلم کے جلوسوں کی قیادت کرنے سے پہلے پہلے گرفتار کر لیا جائے، اس کی خبر کسی طرح قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو ہو گئی تو آپ رُوپوش ہو گئے۔ اور ۱۳ مارچ بروز جمعۃ المبارک علی الصبح اپنی خالہ زاد ہمشیر کے چھوٹے بیٹے قاضی محمد فخر الحسن کے ہمراہ سائیکل پر بیٹھ کر براستہ پادشاہان ملہال پہنچے، وہاں سے سائیکل بس کی چھت پر رکھ کر دینہ تک سفر کیا اور پھر دینہ میں اتر کر دوبارہ بذریعہ سائیکل گمنام رستوں سے گزرتے ہوئے جہلم جا پہنچے، نماز جمعۃ کا وقت قریب تھا اور پولیس آپ کو گرفتار کرنے کے لیے چوکنا تھی کہ اچانک طوفانی ہوائیں چل پڑیں، پولیس اہلکار مٹی سے اپنی آنکھیں صاف کر رہے تھے کہ قائد اہل سنت انہیں جُل دے کر پھُرتی کے ساتھ گنبد والی مسجد میں داخل ہو گئے۔ آپ کو دیکھتے ہی لوگ دیوانہ وار نعرے لگانے لگے اور مسجد کے در و دیوار ''ختم نبوت زندہ باد'' کے نعروں سے گونج اٹھے، آپ رحمہ اللہ نے پُرجوش خطاب فرمایا اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ بعد از نماز جمعہ

احتجاجی جلوس نکالا جائے گا، لہٰذا کوئی مسلمان اپنے گھر واپس نہ جائے۔ چنانچہ عوام کے جم غفیر کی قیادت کرتے ہوئے قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ضلع کچہری کے قریب جا کر اپنی گرفتاری پیش کر دی اور نصف درجن کے قریب شہر بھر کے دوسروں علماء کرام کے ہمراہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو جہلم سے لاہور جیل منتقل کر دیا گیا اور کچھ دنوں کے بعد لاہور سے ساہیوال سنٹرل جیل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ ۱۳، مارچ ۱۹۵۳ء کو آپ گرفتار ہوئے اور ۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء کو کم وبیش ۹، ماہ کے بعد آپ کی رہائی عمل میں آئی۔ یاد رہے کہ اس تحریک میں ملک بھر سے ختم نبوت کے پروانوں نے رضا کارانہ گرفتاریوں کا تانتا باندھ کر جیلوں کی جیلیں بھر دی تھیں، اور چشم فلک نے وہ مناظر دیکھے کہ محکمہ پولیس کے ذخیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کم پڑ گئی تھیں، جیلوں میں قیدی رکھنے کی گنجائش ختم ہو گئی تھی۔ اس جذبہ وایمانی کیفیات میں چکوال چھپڑ بازار میں بھی ایک جلسہ رکھا گیا تھا جس میں مولانا حافظ غلام حبیب رحمہ اللہ نے خطاب کر کے اپنی گرفتاری پیش کی تھی اور دو دن کم، تین ماہ تک آپ پابند سلاسل رہ کر رہا ہوئے تھے۔ اُدھر ساہیوال جیل جو کہ ختم نبوت کے پروانوں سے بھر گئی تھی، سے رہائیوں کا عمل شروع ہو گیا تو سب سے آخری قیدی کے طور پر جو جیل سے باہر آئے وہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تھے۔ حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ اور مولانا حکیم سیّد علی شاہ صاحب (المعروف شاہ جی ڈومیلی والے، فاضل دارالعلوم امینیہ دہلی) چند دن قبل رہا ہو کر جہلم پہنچ چکے تھے، قائد اہل سنت رحمہ اللہ ۱۴، جنوری ۱۹۵۴ء بروز جمعرات رہا ہو کر سیدھا جہلم پہنچے، یہاں حُسن اتفاق کا ایک عجیب واقعہ یہ پیش آیا کہ جب آپ رحمہ اللہ گنبد والی مسجد میں پہنچے تو اُس وقت خطبہ ہو رہا تھا، اس کے بعد جب نماز ہو چکی تو حضرت جہلمی رحمہ اللہ نے دعا میں فرمایا کہ ''یا اللہ! ہمارے حضرت قاضی صاحب کو بھی جلد رہائی عطا فرما'' تو قائد اہل سنت اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر بولے ''میں آ گیا ہوں''۔ بس پھر کیا تھا، تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد، قائد اہل سنت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے ماحول گرم ہو گیا۔ یہاں آپ رحمہ اللہ نے مختصراً خطاب بھی فرمایا، صاحبزادہ گرامی مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر کے بقول کہ اُس دور میں نیو جہلم ٹرانسپورٹ کی ایک بس جہلم سے براستہ ملہال پادشاہان آتی تھی جس کے ڈرائیور راجہ کرم داد، آف بھیں یا چوہدری سمندر خان آف موہڑہ ہوتے تھے۔ اس بس پر آپ پادشاہان پہنچے تو ایک جلوس کی شکل میں آپ رحمہ اللہ کو اپنے گاؤں لایا گیا۔

مدرسہ عربیہ ''اظہار الاسلام'' کی چکوال منتقلی

گذشتہ اوراق میں ذکر ہوا ہے کہ اس نام سے بھیں میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ ایک مدرسہ کی داغ بیل

ڈال چکے تھے اور چکوال کے احباب کی جانب سے کالج والی مسجد میں دارالعلوم حنفیہ کے نام سے آپ کی نگرانی میں ادارہ بھی قائم کر دیا گیا تھا۔ اب جب آپ ساہیوال جیل سے رہا ہو کر واپس آئے تو چکوال کے متعلقین نے خواہش ظاہر کی کہ چونکہ اس وقت شہر میں کوئی اہل سنت والجماعت اور مسلک علماء دیوبند کی علمی ترجمانی کرنے والا قابل ذکر عالم دین موجود نہیں ہے تو اس لیے آپ موضع بھیں اور چکوال دونوں جگہوں میں اپنی سوچ منتشر کرنے کی بجائے مستقل طور پر شہر میں ہی منتقل ہو جائیں، تا کہ تمام تر توجہات ایک ہی جگہ پہ مرکوز کر کے یکسوئی کے ساتھ کام ہو سکے۔ لوگوں کی خواہش کے مدنظر اس مقصد کے لیے آپ نے بذریعہ خط شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے مشورہ طلب کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے اپنے جوابی مکتوب میں علاوہ چند دیگر ارشادات عالیہ کے یوں ارقام فرمایا:

''مدرسہ کا چکوال میں ہونا زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے۔ استخارہ مسنونہ سات مرتبہ کیجئے، اگر جواب میں کوئی ہدایت ہو تو فبہا، ورنہ رجحانِ قلبی پر عمل کیجئے۔'' والسلام[1]

ایک طرف تو رفقاء چکوال کا اصرار تھا اور جب حضرت مدنی رحمہ اللہ کے مذکورہ جوابی خط سے بھی شرح صدر ہو گیا تو اب پوری سنجیدگی کے ساتھ چکوال میں منتقل ہونے کے لیے غور و خوض شروع ہو گیا، دوسری طرف صورت حال یہ پیدا ہوگئی کہ مولانا پیر حافظ غلام حبیب صاحب رحمہ اللہ کی دارالعلوم حنفیہ (کالج والی مسجد) کی انتظامیہ کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی نہ ہو سکی اور آئے روز باہم کسی نہ کسی شکل میں اختلاف ہوتا تھا، جو رفتہ رفتہ مخالفت میں بدلتا چلا گیا۔ اس صورت حال میں انتظامیہ نے حافظ صاحب رحمہ اللہ کو مدرسہ کی نظامت اور مسجد کی امامت وخطابت سے دستبردار ہونے کا مشورہ دیا اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ آپ ادارے کا نظم سنبھالیں، یہ مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ حاجی احمد حسین صاحب کے مکان پر ایک اجلاس منعقد کیا گیا، جس کی روداد قلمی بندہ کو دستیاب ہوئی، یہ مختصر روداد چند الفاظ کی ترمیم وتحذیف کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

① ۱۹۵۵ء۔۱۔۲۶، ارکان دارالعلوم حنفیہ چکوال کا جلسہ (اجلاس) بر مکان حاجی احمد حسین منعقد ہوا۔

---

[1] سید حسین احمد مدنی، مولانا، مکتوب مرقومہ ۱۵، ذوالحج ۱۳۷۳ھ، از دیوبند مشمولہ مکتوبات شیخ الاسلام (اول) صفحہ نمبر ۱۹۲، مطبوعہ مکتبہ دینیہ دیوبند۔

② متفقہ رائے سے حکیم عبدالصمد صاحب صدر جلسہ چنے گئے۔

③ مندرجہ ذیل حاضرین موجود تھے۔

حکیم عبدالصمد صاحب، حکیم عبدالحفیظ صاحب، حکیم غلام نبی صاحب سفری، صوفی عبدالرشید صاحب، حکیم نادر بیگ صاحب، حاجی غلام حسین صاحب، میاں محمد ابراہیم صاحب، حاجی احمد حسین صاحب، ملک منظور حسین صاحب، بابو فضل حسین صاحب، حافظ غلام محمد صاحب، مہر فضل دین صاحب، راجہ غلام حسین صاحب، ڈاکٹر صوفی محمد اسماعیل صاحب، حکیم محمد نواز احمد، حوالدار غلام حسین صاحب، شیخ عبدالغنی صاحب، حافظ غلام احمد صاحب، صوفی غلام مصطفی صاحب، صوفی عبدالعزیز صاحب، نذر حسین صاحب، میاں عبدالمجید صاحب۔

④ حاجی احمد حسین صاحب نے دارالعلوم حنفیہ چکوال کی سابقہ کارکردگی پر روشنی ڈالی اور مہتمم حافظ غلام حبیب صاحب کی جانب سے ''عدم دلچسپی'' کا ذکر کیا۔

⑤ حافظ غلام احمد صاحب نے بیان کیا کہ جو کچھ وہ اپنی درخواست میں جو استعفٰی کے وقت دے گئے تھے، سب حالات درست تھے اور میں نے خود لکھائے تھے اور خود ہی دستخط کیے تھے۔

⑥ طے پایا کہ مہتمم حافظ غلام حبیب دارالعلوم چلانے میں (بوجہ دیگر مصروفیات دینیہ) متساہل ثابت ہوئے۔

⑦ طے پایا کہ قاضی مظہر حسین صاحب کو بطور مہتمم دارالعلوم دعوت دی جائے کہ وہ آ کر دارالعلوم کو صحیح طریقہ پر چلا دیں۔

⑧ طے پایا کہ کالج والی مسجد میں دارالعلوم کو جاری رکھا جائے۔

⑨ طے پایا کے مندرجہ ذیل اشخاص کی ایک کمیٹی بنائی جائے جو دارالعلوم چلانے کے ابتدائی کاموں میں قاضی مظہر حسین صاحب کا ہاتھ بٹائیں۔ خواجہ غلام حسین صاحب، حکیم عبدالصمد صاحب، حاجی احمد حسین صاحب، صوفی عبدالعزیز صاحب، حکیم غلام نبی سفری صاحب، حکیم محمد نواز صاحب، صوفی عبدالرشید صاحب، ڈاکٹر صوفی محمد اسماعیل صاحب، محمد یوسف صاحب۔

⑩ بورڈ جو پہلے اعتراضات کے بارے میں منعقد ہوا تھا اس کے پانچ ممبر تھے، تین ممبروں نے جانبداری سے فیصلہ دے دیا تھا، چوھدری وزیر خان موجود نہ تھے۔ آج انہوں نے فیصلہ سنانا تھا لیکن اپنے والد صاحب کے فوت ہو جانے کی وجہ سے وہ نہ آ سکے۔ چند حاضرین نے کہا کہ خود چوھدری وزیر

خان ہی آ کر جمعہ کے روز یا کسی مناسب وقت پر فیصلہ سنا دیں۔

⑪ ایک صاحب نے مدرسہ چلانے کے لیے مبلغ پچاس روپے کی پیشکش کی ہے، دیگر لوگوں نے بھی اپنی اپنی رقم پیش کی۔

⑫ دستخط (اس کے بعد مذکورہ فیصلہ پر شرکاءِ اجلاس کے نام اور آگے ان کے دستخط درج ہیں)[1]

قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ان حضرات کی پیشکش قبول کرتے ہوئے مشروط طور پر کالج والی مسجد اور ملحقہ مدرسہ کی ذمہ داریاں سنبھال لیں اور دارالعلوم حنفیہ نام ترک کر کے ''مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام'' نام رکھا گیا، جو کہ اس سے قبل اسی نام سے ''بھیں'' کے اندر موجود تھا۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی جانب سے اہتمام سنبھالنے کے بعد مذکورہ کمیٹی کے اراکین بلا اختلاف نئے نظم میں تحلیل ہو گئے تھے اور بطور معاون بقدرِ استطاعت خدمات سرانجام دیتے رہے۔

ملنگاں والی مسجد کی آبادکاری

بھون چوک چکوال میں جہاں اب خوبصورت عمارت کی مسجد اور مدرسہ موجود ہے، یہاں ایک چھوٹی سی مسجد ہوتی تھی جو مسجد ملنگاں والی کے نام سے جانی جاتی تھی، اس مسجد سے ملحقہ قدیم مندر بھی تھا۔ مندر کو تو ہندوؤں نے آباد کر رکھا تھا مگر مسلمانوں کی عدم توجہی سے مسجد بالکل ویران تھی اور منشیات کا دھندہ کرنے والے لوگوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ مولانا حافظ غلام حبیب صاحب کو غریقِ رحمت فرمائے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے مسجد کی صفائی کی، اندر کتیا نے بچے دے رکھے تھے اور خانہ خدا کی بے حرمتی ناقابل بیان حد تک ہو رہی تھی مگر آپ نے اس اخلاص کے ساتھ اُس ویران مسجد کی صفائی کی کہ آنے والے وقتوں میں یہ مسجد بھی اہل حق کا مرکز ثابت ہوئی اور یہاں کی فصل گُل پہ چہکنے والی کوئلوں کی روحانی کُوک سے ایک جہان کو معرفت کی راہوں پہ چلنا نصیب ہوا، اور ۱۹۲۸ء میں ایک سادہ مزاج نوجوان جو خوشاب سے چل کر قصبہ ''وعولہ'' میں وارد ہوا، اور وہاں سے چکوال شہر میں ایک امام اور مدرس کی حیثیت سے بلائے گئے۔ اب وہ اپنی دینی جدوجہد، اصلاحِ نفس، پاکیزہ طبیعت اور اخلاص کی بناء پر ''مرشد عالم'' مشہور ہوئے اور اہل حق کے معمولی سے انتظامی اختلاف سے اللہ تعالیٰ نے اس قدر بڑا خیر کا چشمہ جاری کر دیا کہ جو اکناف عالم کے اندر اہل حق کی عزت و وقار میں ایک زبردست اضافے

---

[1] روداد اجلاس منعقدہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۵ء مملوکہ مصنف کتاب ہذا، فراہم کردہ، حافظ عبدالوحید حنفی چکوال

کا موجب بن گیا۔ یہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے تدبر اور فراست کا نتیجہ تھا کہ آپ نے تقابل سے بچنے کے لیے ''دار العلوم حنفیہ'' نام کی بجائے ''مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام'' نام سے کام شروع کیا اور اِدھر ملنگاں والی مسجد کو سابقہ نام یعنی ''دار العلوم حنفیہ'' کا نام دے دیا گیا، یہاں یہ عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ شہر کے بعض نادان اور حاسد طبائع نے یہ مشہور کیا کہ دونوں بزرگوں کے مابین شکر رنجی پائی جاتی ہے، جہاں تک بشری کمزوریوں کا تعلق ہے تو اس سے کم وبیش کوئی بھی معصوم نہیں ہوتا مگر حقیقت حال یہ ہے کہ مذکورہ تقسیم کے بعد مولانا حافظ غلام حبیب صاحب نقشبندی رحمہ اللہ نے قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سے فرمایا تھا کہ نہ ہم آپ کے دینی کام میں رقیب بنیں گے اور نہ آپ ہمارے! اپنا اپنا پلیٹ فارم ہے اور اپنی اپنی سوچ وصلاحیت کے مطابق ہم خدمات دین کا فریضہ سرانجام دیتے چلے جائیں گے، فلہٰذا جانبین سے اس کے برعکس جتنی نفرت انگیز قسم کی باتیں تشہیر ہوتی رہتی ہیں، ان کا حقائق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

مؤلف ''حیاتِ حبیب'' کا قابلِ افسوس رویہ

مولانا پیر حافظ غلام حبیب صاحب نقشبندی کے سوانح حیات ''حیاتِ حبیب'' کے نام سے اُن کے خلیفہ مُجاز مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی نے لکھے ہیں، جس میں عقیدت کے بہاؤ میں بے شمار حقائق کو بہایا گیا ہے۔ کتاب ہذا میں جہاں بعض مقامات پر مبالغہ آرائی سے صاحبِ سوانح کو کہیں سے اٹھا کر کہیں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ وہیں پہ کئی ایک تاریخی حقائق کو بری طرح مسخ بھی کیا گیا ہے، اس وقت چونکہ ہمارا مقصد ''حیات حبیب'' پر نقد وتبصرہ پیش کرنا نہیں ہے، اس لیے اس کے جملہ مندرجات پر قلم کشائی نہیں کریں گے۔ تاہم اس قدر بات تاسف کے ساتھ درج کریں گے کہ پوری کتاب میں جہاں کہیں معاصرین مشائخ اور علماء کرام کا تذکرہ لکھا گیا ہے اُن میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ آخر اس حد تک بے اعتنائی بھی کیا اہل علم وفضل یا صاحبانِ تصوف وسلوک کو زیبا ہے؟ بہت ممکن ہے کہ مؤلف کو ماضی کے حوالہ سے کوئی ایسا ریکارڈ دستیاب نہ ہو سکا ہو جس کی مدد سے وہ کوئی قابل قدر تاریخی چیز پیش نہ کر سکے ہوں، اگر واقعی ایسا ہے تو یہ مزید ظلم ہے، کیونکہ کسی بھی شخصیت کے حالاتِ زندگی لکھنے کے لیے شخصیت سے متعلقہ تمام تر گوشوں اور پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے تب کہیں جا کر صاحبِ سوانح کی حیات وخدمات اور احوال وآثار میں تلطف وچاشنی پیدا ہوتی ہے اور پڑھنے والے بھی اپنے مستقبل کو روشن بنانے کے لیے اس میں سے کوئی فائدے کی چیز نکال سکتے ہیں،

بصورتِ دیگر ایک رسمی اور روایتی کتاب بنا لینے سے محض وقت اور سرمایہ کا ضیاع ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ ایک پوری نسل کو اندھیروں میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ اپنے حصے کا کام کر گئے، اگر کوئی کسی عناد یا نادانی سے اُن کا تذکرہ خیر نہیں کرتا تو اس سے اُن کی عظمت قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر کوئی پیر حافظ غلام حبیب صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے نازیبا گفتگو کرتا ہے تو اپنی قبر کو غیر محفوظ کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں بزرگوں نے دین متین کی سربلندی کے لیے قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور چند جزوی لحاظ سے اگر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو منفرد مقام و مرتبہ حاصل ہے تو اس سے اہل حق کے کسی دوسرے فریق کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ ''مدرسہ عربیہ اظہارُ الاسلام'' کالج والی مسجد میں منتقل ہو جانے کے بعد مسجد کا نام شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب کر کے ''امدادیہ مسجد'' رکھ دیا گیا تھا۔

۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء کو امدادیہ مسجد میں باضابطہ پہلا جمعۃ المبارک

۲۷ جنوری ۱۹۵۵ء کو شہر بھر میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر اعلانات کروائے گئے کہ آئندہ کل جمعۃ المبارک کے اجتماع سے امدادیہ مسجد میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ خطاب فرمائیں گے، یہی مسجد جس کے متعلق پہلے درج کیا گیا ہے کہ اسے کالج والی یا مرکزی مسجد کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ جمعۃ المبارک پوری آب و تاب کے ساتھ پڑھا گیا اور اس حوالے سے ایک مستقل جلسے کا رُوپ دھار گیا تھا کہ قلعہ دیدار سنگھ سے حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ اور جہلم سے حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی رحمہ اللہ بھی تشریف لائے تھے۔ نماز جمعہ سے پہلے مولانا عبد اللطیف رحمہ اللہ کا اولاً اور اس کے بعد قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا جامع خطاب ہوا، حاضرین کی تعداد کم و بیش اڑھائی سو تھی، اس سے اگلے دن صبح کی نماز حضرت مولانا قاضی نور محمد رحمہ اللہ نے پڑھائی اور درس قرآن مجید بھی ارشاد فرمایا، اور یوں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے نام حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کے اُس گرامی نامہ کو تعبیر کی شکل ملی جس میں آپ نے فرمایا تھا ''مدرسہ کا چکوال میں ہونا زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے۔''

مدنی جامع مسجد کی خطابت و اہتمام، حیاتِ مظہر کا ایک اہم باب، روافض کی ریشہ دوانیاں، اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا حُسنِ تدبُّر و مثالی استقامت

اب مرکزی کالج والی مسجد (المشہور امدادیہ مسجد) میں باضابطہ ''مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام'' حضرت

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی زیرِ نگرانی چل رہا تھا اور اہالیانِ شہر چکوال کی اس دیرینہ آرزو کی تکمیل ہو چکی تھی کہ کوئی مستند اور صاحب نسبت عالم دین ان کی شرعی و دینی اور سیاسی رہنمائی کے لیے خود کو وقف کر دے، چنانچہ قائد اہل سنت کی صورت میں انہیں گوہرِ شب تاب مل چکا تھا، ''بھیں'' مدرسہ اور اس کے انتقالِ چکوال دور کی کئی ایک نادر یادیں جذبہ ہائے پاکیزہ کو مہمیز دینے میں موثر کردار ادا کر سکتی ہیں، لیکن ہمیں مضامین کی طوالت سے کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کا بھی خطرہ ہے۔ اس لیے زیادہ نہیں، صرف ایک یادداشت نقل کی جاتی ہے، یہ حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب (راولپنڈی) کے قوتِ حافظہ کی ایک کرن ہے، حضرت مولانا موصوف کو ''بھیں'' والے مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام میں تعلیم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے، چنانچہ آپ کا کہنا ہے کہ

> ''راقم اثیم اس دور میں حضرت کے زیرِ سایہ بھیں میں زیرِ تعلیم تھا، چکوال کے سعادت مند احباب نے انصار مدینہ کے ایثار و فدائیت کی یاد تازہ کر دی، انہوں نے نہایت وسعت قلبی اور خندہ روی سے حضرت کو خوش آمدید کہا، ان کا تعاون اور جذبہ بے حد قابل ستائش اور لائق صد آفرین تھا، اس مقدس مشن کا آغاز خطبۂ جمعۃ (المبارک) اور درس قرآن (مجید) سے ہوا۔ چکوال سے بھیں کا سفر ناہموار، اور دشوار گذار رستہ، حضرتؒ عموماً سائیکل پر طے کرتے اور ایک عرصہ تک یہی طریقہ جاری رہا۔ حضرت اقدس کے خلوص اور للّٰہیّت کا کرشمہ کہ چکوال میں مدرسہ کو تعجب خیز مقبولیت اور کشش حاصل ہوئی، مدرسہ نے جلد ترقی کی منازل طے کر لیں اور مرجع خلائق بن گیا...... حضرت کی باطنی توجہ اور ظاہری تربیت نے طلبہ میں دینی حمیت اور جذبہ نصرت دین اور احیاءِ سنت کی روح پیدا کر دی۔ اس وقت مدرسہ اظہار الاسلام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور علاقہ میں اس کی بے شمار شاخیں قائم ہیں۔ جن کا کفیل مدرسہ اظہار الاسلام ہے۔''[1]

جہاں اب مدنی مسجد، دفتر مرکزی تحریک خدام اہل سنت والجماعت، اور جامعہ اہل سنت تعلیم النساء کی بلڈنگیں ہیں، اس کا قدیم نام ''نیا محلہ'' ہے۔ اس محلہ کی اکثریتی آبادی ہندوؤں اور سکھوں پر مشتمل تھی، ملنگاں والی مسجد (حالاً دارالعلوم حنفیہ) بھی متصلاً قریبی فاصلے پر موجود ہے۔ جہاں ہندوؤں کا مندر رہوا کرتا تھا، اسی طرح مدنی مسجد والی گلی میں بھی زیادہ تر آبادی ہندوؤں کی تھی اور جہاں اہل تشیع

---

[1] عبدالمعبود، مولانا/ مقالہ مردِ درویش/ مشمولہ قائد اہل سنت نمبر، ماہ نامہ حق چاریارؓ/ ۲۰۰۵ء/ لاہور

کی امام بارگاہ مہاجرین ہے، یہ بھی دراصل سکھوں کا ''خالصہ سکول'' تھا، جو قیام پاکستان کے بعد ''محمد علی ہائی سکول'' میں تبدیل ہوا اور اہل تشیع کی امام بارگاہ نے بھی یہاں جگہ پائی، جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی، قیام پاکستان کے بعد یہاں کی مسلم آبادی نے ایک مکان مسجد کے لیے وقف کر دیا تھا اور اُسی مکان کو مسجد کا درجہ دے کر نمازیں ادا کی جا رہی تھیں، اور اسے ''مسجد مہاجرین'' کا نام دے دیا گیا تھا، اس مسجد کے منتظم و خازن اُس زمانہ میں خان سلطان محمود مرحوم ہوا کرتے تھے چونکہ قائد اہل سنت اپنے شہر میں چند ایک نسبتوں کی وجہ سے بہت جلد اور بہت زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل کر چکے تھے، مثلاً

① چکوال کا مقامی باشندہ ہونا۔
② دار العلوم دیو بند سے شرفِ فراغت و تحصیل علوم۔
③ ''مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام'' اور امدادیہ مسجد کا انتظام و انصرام۔
④ ابو الفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ سے شرف پسری۔

نیز شجاعت و بہادری، بے خوفی و بے طمعی، اور تقوی و طہارت سے مزین و مرصّع طبیعت کی وجہ سے اہالیان محلہ کے دل میں بھی یہ داعیہ پیدا ہوا کہ وہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں، چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے ''مسجد مہاجرین'' آپ کے سُپرد کر دی، گویا شہر میں آپ کے پاس دو مراکز آ گئے، اور دین متین کے مزید ترقی و اشاعت کے رستے کھلنا شروع ہو گئے یعنی حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کے کرامت نامہ کا اگلا پرت اپنی چمک دمک کے ساتھ پَرافشاں ہوا کہ

''مدرسہ کا چکوال میں ہونا زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے۔''

چنانچہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے ''مسجد مہاجرین'' کا اہتمام بھی سنبھال لیا اور مورخہ ۵، دسمبر ۱۹۵۸ء کو آپؒ نے مذکورہ مسجد میں پہلا جمعہ پڑھایا۔

قائد اہل سنت کی آمد سے تین ماہ قبل فریقین کا باہم تنازعہ اور مصالحت نامہ

۱۹۵۸ء کے اوائل میں مدنی مسجد میں دو فریقوں کے مابین تنازع ہو گیا تھا، جس کی مقدمہ بازی تک بھی نوبت جا پہنچی تھی، پھر ستمبر ۱۹۵۸ء میں ایک مصالحت نامہ کے تحت صلح ہوئی جو کامیاب نہ ہو سکی، جس پر دسمبر ۱۹۵۸ء میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو متولی و خطیب بنا دیا گیا، متذکرہ ناپائیدار ''مصالحت نامہ'' پہلے ملاحظہ کیجیے:

مصالحت نامہ

مسجد مہاجرین نیا محلہ متصل امام باڑہ جس کے انتظام کے سلسلہ میں بدقسمتی سے ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۸ء کے اہل محلہ میں تنازعہ ہوگیا تھا اس سلسلہ میں آج بتاریخ ۲۵، اکتوبر فریقین کے نمائندگان برمکان شیخ عبدالمجید صاحب فاروقی وائس پریذیڈنٹ جمع ہوئے۔ اس راضی نامہ میں دونوں فریقوں کے مندرجہ ذیل اصحاب نے حصہ لیا۔ فریق اول کی طرف سے سلطان محمود خان، میاں بشیر احمد اور عبدالصمد صاحب، جبکہ فریق دوم کی طرف سے حافظ ظہیر الحسن صاحب، محمد الیاس صاحب، ماسٹر محمد حسین صاحب، فریق اول نے یہ یقین دلایا کہ انہیں ان کی پارٹی کی طرف سے پورا پورا اختیار ہے کہ وہ جن شرائط پہ فیصلہ کریں گے وہ سارے فریق کے لیے قابل قبول ہوں گی۔ اسی طرح فریق دوم کے نمائندگان نے ایسا ہی یقین دلایا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل شرائط پہ راضی نامہ ہوگیا:

① خان سلطان محمود صاحب حسب انتظام سابق مسجد کے منتظم وخزانچی ہوں گے اور مسجد کی تعمیر اور جملہ انتظام کی ذمہ داری ان پر عائد ہوگی۔ ان کے کام میں کسی فریق کو دخل اندازی کا حق نہیں ہوگا۔ خان سلطان محمود صاحب کا کسی گروپ یا پارٹی سے آئندہ کوئی تعلق نہیں ہوگا ان کے نزدیک دونوں پارٹیوں کے ہر فرد کا مساوی حق ہوگا۔ ہر شخص کو وہ اپنا دوست تصور کریں گے۔

② مسجد کی امامت وہی ہوگی جو ۱۱، ستمبر ۱۹۵۸ء کو تھی۔

③ مسجد ہذا میں کوئی اس قسم کا وعظ نہ ہوگا جس سے کسی فریق کے احساسات مجروح ہوں۔ اور نہ ہی کسی ایسے مولوی کا وعظ ہوگا جس سے ہر دو فریق میں تنازعہ کا خطرہ ہو۔

④ جو حالات، مقدمہ بازی اس جھگڑا سے پیدا ہوگئے ہیں وہ سب ختم کردیئے جائیں گے۔ اور آئندہ تاریخ میں عدالت میں دونوں فریقین کی طرف سے مندرجہ بالا شرائط پہ صلح نامہ داخل کرا کے مقدمہ کو داخل دفتر کرا دیا جائے گا۔

(فریق اوّل)

العبد	العبد	العبد
سلطان محمود بقلم خود	میاں بشیر احمد بقلم خود	حکیم عبدالصمد بقلم خود

(فریق دوم)

العبد	العبد	العبد
حافظ ظہیر الحسن بقلم خود	محمد الیاس بقلم خود	محمد حسین بقلم خود

شیخ عبدالرحمٰن صاحب فاروقی ایگزیکٹو آفیسر میونسپل کمیٹی چکوال اور شیخ محمد کاظم صاحب کی موجودگی میں مندرجہ بالا فیصلہ کیا گیا‘‘۔[1]

قائد اہل سنت کی بدستِ خود مرقومہ ایک یادگار تحریر

یہاں ہم قائد اہل سنت کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک یادگار تحریر پیش کر رہے ہیں، جو مدنی مسجد کی تاریخ کے حوالہ سے لاتعداد سوالات کے جوابات پوری حُسن ترتیب کے ساتھ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا یہ یادگار، معلوماتی عریضہ جناب عبدالکریم ایڈووکیٹ کو تب پیش کیا گیا تھا جب مدنی مسجد کی گلی سے اہل تشیع کے سالانہ پُر اشرار جلوسوں کے گذرِ عام کی روک تھام کے لیے قانونی چارہ جوئی کی جارہی تھی۔ اس خط کو پیش کرنے سے قبل دماغوں میں اٹھنے والے چند اہم سوالات کی اگر فہرست پیش کر دی جائے تو اس تحریر کو پڑھنے کے لیے دلچسپی بڑھ جائے گی، کیونکہ ان سوالات کے جوابات قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی اس تفصیلی تحریر کے اندر موجود ہیں۔

① مسجد مہاجرین میں آپ کی آمد اہل محلہ کی دعوت پر ہوئی یا آپ نے بقول اہل تشیع یہاں زبردستی قبضہ کیا تھا؟

② مسجد کا نام کس نسبت سے تجویز کیا گیا تھا؟

③ اہل سنت میں سے کون لوگ تھے جنہوں نے اولاً مخالفت کی، عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا، اور بعد ازاں مصالحت کر لی؟

④ مصالحت کی بناء پر عدالتی مقدمہ کب خارج ہوا؟

⑤ مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام کے تحت ابتداء ہی سے کون کون سی مساجد تھیں؟

⑥ مدرسہ اہل سنت تعلیم النساء کا باقاعدہ آغاز کس تاریخ، کس سن میں ہوا؟

⑦ اہل تشیع کے ساتھ کس معاہدے کے تحت مدنی مسجد کا محرم الحرام میں سالانہ جلسہ بند کر دیا گیا تھا؟ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کس کی جانب سے ہوئی؟

⑧ گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول کے حوالہ سے قائد اہل سنت کے حکامِ وقت سے کون سے اہم مطالبات تھے؟

⑨ دورانِ جلوس ماتمی شیعہ کن الفاظ کے ساتھ تبرا بازی کیا کرتے تھے؟

---

[1] مصالحت نامہ (اصل) مابین فریقین نیا محلہ، بھون روڈ، چکوال، ۱۹۵۸ء

⑩ مدنی مسجد اور مدرسہ اہل سنت تعلیم النساء کو ہر سال کن خطرات سے گذرنا پڑتا ہے؟ اور اس کا متبادل حل کیا ہے؟ ہمیشہ قانون ملکی کا احترام کس نے کیا؟ اور قطع قوانین کے اصل محرکین و مجرمین کون لوگ ہیں؟

اس سوالنامہ کو پڑھ لینے کے بعد آیئے، اب آپ کو قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کی ایک مفصل تحریر سے آگاہ کرتے ہیں، جو کئی ایک گوشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے اہلِ انصاف کو متوجہ کرتی ہے۔

بخدمت جناب محترم عبدالکریم صاحب ملک، سلمہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ طالب خیر بخیر ہے۔ شیعوں نے جو گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول بھون روڈ چکوال کے متعلق ہائی کورٹ لاہور میں رٹ دائر کی ہے، اس میں اپنی طرف سے میں نے صوبیدار احمد خاں صاحب کو مختار نامہ لکھ دیا ہے۔ عزادار حسین صدر ''تنظیم المومنین شیعہ'' چکوال نے رٹ میں میرے متعلق کئی غلط بیانیاں کی ہیں چنانچہ اصل کوائف حسبِ ذیل ہیں۔

① میں نے چکوال میں ۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء کو مسجد امدادیہ بالمقابل گورنمنٹ ڈگری کالج چکوال میں مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام کی بنیاد رکھی ہے اور مجھے اس مدرسہ کے قیام کے لیے چکوال کے دینی احباب نے دعوت دی تھی، قبل ازیں مدرسہ کا قیام اپنے آبائی گاؤں ''بھیں'' تحصیل چکوال میں تھا، چنانچہ اس کا ذکر مدرسہ کے رجسٹر کاروائی صفحہ نمبر ۳ پر موجود ہے، جس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی لف ہذا ہے۔

② میں نے ''نیا محلہ'' چکوال کی مسجد مہاجرین پر زبردستی قبضہ نہیں کیا بلکہ اس محلہ کے مہاجرین احباب نے مجھے اس مسجد میں جمعہ کی خطابت کے لیے دعوت دی تھی، چنانچہ ان کے دعوت نامہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی نمبر ۳ لف ہذا ہے۔ مجھ کو مدعو کرنے والوں میں خان سلطان محمود مرحوم بھی تھے جو اس مسجد کے خزانچی اور خاص کارکن تھے۔ ان حضرات کی درخواست قبول کرتے ہوئے میں نے ۵، دسمبر ۱۹۵۸ء کو اس مسجد میں پہلا جمعہ پڑھایا تھا، چنانچہ اس کا ذکر مدرسہ اظہار الاسلام چکوال کی تیسری سالانہ روئیداد از ۱۱، اپریل تا یکم مارچ ۱۹۶۱ء میں موجود ہے۔ مذکورہ روئیداد بھی ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ چونکہ اس مسجد کا کوئی انتظامی نام نہ تھا، اس لیے سرکارِ مدینہ، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے اس کا نام ''مدنی جامع مسجد'' رکھا گیا تھا۔

③ شروع میں بعض اہل السنت والجماعت نے میری خطابت سے اختلاف کیا، اور مسجد کے محلہ کے شیخ محمد الیاس صاحب [1] وغیرہ نے عدالت میں دعویٰ بھی دائر کر دیا لیکن بعد میں باہمی مصالحت

---

[1] اہل سنت کے بریلوی مکتب فکر سے ان کا تعلق تھا، آڑھت کا کاروبار کرتے تھے، لاولد فوت ہوئے اور چکوال کے مولانا پیر زبیر شاہ صاحب کا تقابلی جلسہ انہوں نے مدنی مسجد کے سامنے رکھا تھا، جس میں کافی بدمزگی بھی پیدا ہوگئی تھی۔

ہوگئی، چنانچہ مصالحت نامہ مورخہ ۳۰، دسمبر ۱۹۵۸ء کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کا صفحہ نمبر ۳ لف ہذا ہے اس مصالحت نامہ کی بناء پر مقدمہ ختم ہوگیا تھا۔

④ مسجد ہذا پہلے چھوٹی تھی جس کی جدید تعمیر کی گئی، اور اس سے متصل متروکہ پلاٹ بھی باجازت حکام حاصل کیا گیا۔ نماز جمعۃ المبارک کے موقع پر اور دروس وتبلیغی جلسوں میں چونکہ مذہب اہل السنت والجماعت کے عقائد ومسائل سمجھائے جاتے ہیں اور رسول پاک، سرور کائنات ﷺ کے صحابہ کرامؓ اہل بیت عظام، اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل وکمالات کا بیان ہوتا ہے۔ خاص کر آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مقدسہ اور آپ ﷺ کے فیوضات وبرکات کی خصوصیت سے تبلیغ کی جاتی ہے۔ اس لیے شہر اور دیہات کے سنی حنفی مسلمانوں کا رجوع بڑھتا گیا، اور یہ مدنی مسجد مستقل طور پر اہل السنت والجماعۃ کا مرکز بن گئی۔ اب انجمن مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام مدنی جامع مسجد چکوال ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے جس کے تحت شہر کی حسب ذیل تین مساجد رجسٹرڈ ہو چکی ہیں۔

① مکی مسجد ② امدادیہ مسجد ③ مدینہ مسجد، مسجد امدادیہ اور مکی مسجد کے معلمین کو مشاہرہ مدرسہ اظہار الاسلام سے ہی دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں علاقہ کے چند دیہات کے، بعض دوسرے اضلاع میں بھی شاخیں قائم ہیں۔ جن کی تفصیل مدرسہ کی سالانہ روئیدادوں میں شائع کی جاتی ہے۔

⑤ مدرسہ کا ایک شعبہ ''مدرسہ اہل سنت تعلیم النساء'' بھی ہے۔ جو ۳۱ دسمبر ۱۹۶۸ء سے قائم ہے اس کی عمارت مدنی جامع مسجد کے عقب میں غربی جانب ہے، اسی عمارت میں میری رہائش بھی ہے۔ مدرسہ تعلیم النساء میں تقریباً ڈیڑھ سو بنات زیر تعلیم ہیں جن کے پردے کا انتظام ہے۔ اب تک ایک سو سے زیادہ طالبات قرآن مجید کی حافظہ بن چکی ہیں۔ جن میں پشاور، مردان، اور ہزارہ کی طالبات بھی ہیں۔ حفظ قرآن مجید کے علاوہ میٹرک تک سکول کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ لیکن سکول کا مکمل نصاب یہاں نہیں ہے۔ بلکہ درسی اور نصابی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

سنی شیعہ نزاع

⑥ مدرسہ تعلیم النساء اور گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول[1] بھون روڈ چکوال کے درمیان صرف ایک مکان حائل ہے۔[2] مدنی جامع مسجد کی تنگ گلی سے سال میں دو مرتبہ ۷، محرم اور ۱۷، صفر کو شیعہ ماتمی جلوس گذرتا ہے چونکہ ہمارے مذہب اہل سنت والجماعت میں مروجہ ماتم، منہ پیٹنا، سینہ کوٹنا، زنجیر زنی

[1] متذکرہ اسکول کی تاریخ اور قضیہ کی مکمل داستان آئندہ صفحات میں ملاحظہ کر لی جائے۔ سلفی
[2] اب وہ حائل مکان بھی جامعہ اہل سنت تعلیم النساء میں شامل کیا جا چکا ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ سلفی

وغیرہ حرام ہے اور شیعہ مدنی مسجد کے دروازہ کے سامنے گلی میں ان افعال ماتم کا مظاہرہ کرتے ہیں، اس لیے ہم نے حکام کو درخواستیں دیں اور مطالبہ کیا کہ مسجد کی گلی سے ماتمی جلوس بالکل خاموشی سے گذارا جائے، لیکن شیعوں نے دن بدن مسجد کے سامنے زیادہ شدت سے ماتم کیا، ایک مرتبہ ۱۶ مئی ۱۹۶۴ء کو ۷ محرم کے جلوس کے متعلق ہماری طرف سے میاں کرم الٰہی صاحب مرحوم اور شیعوں کی طرف سے ریٹائرڈ میجر سلطان سکندر (جوان دنوں ماتمی جلوسوں کی قیادت کررہے ہیں) کے مابین یہ طے ہوا تھا کہ مدنی مسجد کی گلی سے ماتمی جلوس خاموشی سے گذرے گا اور اس سے پہلے اس دن ہمارا مدنی مسجد میں جلسہ ہوتا تھا اور ہم نے اسی معاہدہ کی بناء پر اپنا جلسہ ملتوی کردیا تھا، اہل تشیع نے ۷، محرم کو تو معاہدہ کی پابندی کی، لیکن ۱۷ صفر کو انہوں نے باوجود ہمارا جلسہ ملتوی ہونے کے اس معاہدہ کی پابندی نہ کی اور زور وشور سے ماتم کرتے ہوئے گلی سے گذرے۔ چنانچہ معاہدے کی فوٹو کاپیاں نمبر ۴ اور نمبر ۵ لف ہذا ہیں۔

⑧ اس کے بعد شیعہ ہر سال مدنی مسجد کی گلی سے گزرنے پر ماتم میں اشتعال انگیزی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کے اشتعال انگیز نعروں کی وجہ سے ۷، محرم ۱۳۹۶ھ بمطابق ۱۰ جنوری ۱۹۷۶ء کو مدنی مسجد کی گلی میں سنی شیعہ تصادم ہوگیا۔ جس کا کیس عدالت میں دائر ہوا۔

⑨ اس کے بعد ہم نے اس ماتمی جلوس کی تبدیلی کے لیے قرار دادیں پاس کیں، اور درخواستیں دیں، جن کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں لف ہذا ہیں۔

⑩ محمد علی ہائی سکول کے گورنمنٹ کی تحویل میں آنے کے بعد ہم نے جو درخواستیں دیں کہ اس سکول کی بلڈنگ میں شیعوں کو ماتمی مجالس کے انعقاد کی اجازت نہ دی جائے اور ماتمی عَلَم کو بھی وہاں سے اتارا جائے۔ ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں بھی لف ہذا ہیں۔

⑪ ایک سال ایک A.C صاحب نے بلڈنگ سے عَلَم اتروایا تھا اور لاؤڈ اسپیکر کے ہارن بھی اتروا دیئے تھے لیکن بعد ازاں انہوں نے پھر عَلَم نصب کردیا۔

⑫ چکوال ضلع بننے سے ایک سال پہلے چکوال کے A.C طارق باجوہ صاحب نے ہماری درخواست پر شیعوں سے کہا تھا کہ اپنا عَلَم اتار دیں اور سکول کی دیوار پر جو اشتہارات لگے ہیں وہ بھی اتار دو، انہوں نے اس وقت تو وعدہ کرلیا لیکن پھر اس پر عمل نہ کیا، ماتمی جلوس کے موقع پر سابق ڈی سی صاحب ضلع جہلم کامران رسول نے بھی عَلَم اتارنے کا وعدہ کیا لیکن پھر اس پر عمل نہ کیا گیا۔

⑬ ہم نے حکام کے کہنے پر امن بحال رکھنے کے لیے دو سال محرم اور چہلم کے ماتمی جلوسوں کے

موقع پر مسجد کو بھی خالی کر دیا اور اہل سنت کو باہر پلاٹ میں بٹھا دیا۔ لیکن اس کے باوجود شیعوں نے پُرزور ماتم کیا۔

⑭ چکوال کے ضلع بننے کے بعد ۷، محرم ۱۴۰۵ھ کے ماتمی جلوس کے دوران مسجد کی گلی کے آخر میں پہلی ماتمی ٹولی نے ان الفاظ سے تبرا بازی کی ''حق علی دا، ہٹ پلیدا'' یہ الفاظ کیسٹ میں موجود ہیں۔ اس وقت شیخ ظہور الحق صاحب چکوال کے ڈپٹی کمشنر تھے، وہ مسجد کے دروازے پر کھڑے تھے۔ انہوں نے یہ الفاظ ماتم کے شور میں نہیں سُنے، میں مسجد کے اندر بیٹھا تھا، میں نے بھی یہ الفاظ نہیں سُنے، بعد میں کیسٹ کے ذریعے یہ تبرا سُنا اور ڈی سی صاحب کو بھی ہم نے کیسٹ کے الفاظ سنائے تھے، ان الفاظ میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے خلاف کھلی تبرا بازی تھی اور اہل السنت والجماعت کے لیے سخت اشتعال انگیز تھے، اس لیے اس کے بعد جمعہ کی تقریر میں مَیں نے اعلان کر دیا کہ ان کا ماتمی جلوس اگر ایسا ہے تو آئندہ ہم ماتمی جلوس نہیں گذرنے دیں گے۔ اس کے بعد ڈپٹی کمشنر صاحب موصوف نے شیعہ لیڈروں سے بات چیت شروع کی، ہماری طرف سے بھی وکلاء وغیرہ نے نمائندگی کی، جس کے نتیجہ میں ۱۷ صفر ۱۴۰۶ھ کے چہلم کے ماتمی جلوس سے پہلے ۲۹، اکتوبر ۱۹۸۰ء کو اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع کے مابین ایک تحریری معاہدہ طے پایا جو لف ہذا ہے اس پر آٹھ شیعہ اور چھ اہل سنت کے دستخط ہیں۔ شیعوں میں سرفہرست کرنل محمد خان کے دستخط ہیں جو ماتمی جلوس کی قیادت کرتے ہیں۔ شیعہ تنظیم ضلع چکوال کے علاوہ ڈویژن کے بھی صدر ہیں اور شیعہ تنظیم کے مرکزی شوریٰ کے بھی رکن ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں شیعوں نے اسلام آباد سیکرٹریٹ میں جو تاریخی گھیراؤ کیا تھا اس میں انہوں نے بھی حکومت کے خلاف سخت تقریر کی تھی، ہم نے اس معاہدہ کی بناء پر ماتمی جلوس میں کوئی مزاحمت نہ کی، اور اہل سنت مسجد میں بالکل پُرامن اور خاموش رہے، لیکن اس کے باوجود شیعوں نے پُرزور اشتعال انگیز ماتم کیا، اور انتظامیہ کی موجودگی میں ایک گھنٹہ تک جلوس مدنی مسجد کی گلی سے گذرتا رہا۔

⑮ اس بار چھپڑ بازار میں نہایت اشتعال انگیز میرے خلاف بھی تقریریں کی گئیں اور ڈپٹی کمشنر صاحب موصوف کے خلاف بھی، حالانکہ وہ خود وہاں موجود تھے اور جلوس گذرنے کے بعد بھی محمد علی ہائی سکول کے احاطہ میں میرے خلاف تقریریں ہوئیں، جس کی کیسٹ موجود ہے۔

⑯ اکثر شیعہ اس معاہدہ پر عمل کرنے کے حق میں تھے، صرف اس کرنل مذکور کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پر عمل نہیں ہو سکا، اس معاہدہ پر عاشق حُسین لائسنس دار کی جگہ فاضل شاہ کے دستخط ہیں جو شیعہ تنظیم کا مہاجرین میں پہلے صدر رہ چُکا ہے۔ اس وقت اجلاس میں ڈی ایس پی ہیڈ کوارٹر سے یہ کہہ کر

دستخط کیے تھے کہ عاشق حسین موجود نہیں ہیں، اس وقت میں دستخط کر دیتا ہوں، ہمیں اور ڈی سی صاحب کو بھی اس کا علم بعد میں ہوا کہ اس پر عاشق حسین کے دستخط نہیں ہیں۔ بہر حال اس (معاہدہ) پر ذمہ دار شیعہ لیڈروں کے دستخط تھے لیکن کرنل مذکور نے اس پر عمل نہ ہونے دیا۔

⑰ ۷ محرم ۱۴۰۰ھ کے ماتمی جلوس سے پہلے بھی رات کو پولیس نے مدنی مسجد کا گھیراؤ کر لیا اور مسجد میں آنسو گیس کے شیل پھینک کر مسجد میں موجود سُنی مسلمانوں کو گرفتار کر لیا، اور اس طرح ان کا ماتمی جلوس گذارا گیا، مسجد کی بے حرمتی کے خلاف شہر میں شدید ردعمل ہوا، تین دن تک مسلسل ہڑتال رہی، پولیس سے تصادم ہوا، اس دوران مشتعل ہجوم نے گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول کے ایک کمرے کو آگ لگا دی جو بعد میں گورنمنٹ کے خرچ پر تعمیر کیا گیا۔

⑱ متوقع خطرات کے پیش نظر ۱۷، صفر ۱۴۰۷ھ کو چہلم کا ماتمی جلوس فوج کی نگرانی میں گذارا گیا۔

⑲ پہلے بھی ہم مطالبہ کر چکے ہیں کہ گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول سرکاری مشترکہ تعلیمی ادارہ ہے جس میں سنی و شیعہ سب شہریوں کا حق ہے اس لیے اس پر شیعہ ماتمی علَم کا کوئی جواز نہیں ہے۔ انتظامیہ ہم سے وعدہ کرتی ہے کہ ہم اتروا دیں گے۔ محمد علی ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر بھی یہی چاہتے ہیں لیکن شیعوں کی مزاحمت کے خوف سے عملی اقدام نہیں کیا جاتا۔ شہر میں انتظامیہ کی اس کمزوری کا شدت سے احساس ہو رہا ہے۔ آخر تمام تر معاہدات پر بھی یہ لوگ عمل نہیں کرتے اور اپنا علَم بھی نہیں اتارتے۔ اور نہ ہی گورنمنٹ اپنی عمارت سے جھنڈا اتارتی ہے تو پھر یہ حق ہمارا بھی ہے کہ ہم اپنا مذہبی پرچم وہاں نصب کریں (یہ ملحوظ رہے کہ سکول ہذا میں اس وقت صرف ایک ٹیچر شیعہ ہے اور صرف چند طلبہ شیعہ ہیں، باقی سب اہل سنت کے بچے ہیں) ہم بھی اپنا سُنی پرچم سکول پر نصب کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، کہ جب ہمارا مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو اہل سنت نوجوانوں نے ۲۷ نومبر کی صبح، جب کہ صبح کی روشنی اچھی طرح پھیل چکی تھی۔ اپنا سنی پرچم محمد علی ہائی سکول پر نصب کر دیا گیا، لیکن تھوڑی دیر میں شیعوں نے سُنی پرچم اتار دیا اور پولیس کی موجودگی میں ہی یہ سب کچھ ہوا۔ جس پر باہمی چپقلش رونما ہوئی، پھر پولیس نے فریقین کے افراد کو گرفتار کر کے سکول سے شیعہ علَم بھی اتار دیا۔ اور وہاں پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا اور ۳ دسمبر کی رات کو کسی وقت پولیس گارڈ کے باوجود پھر شیعہ علَم نصب کر دیا گیا۔ جس کے خلاف ہم نے احتجاج کیا۔ چنانچہ اخباری بیانات کی کاپیاں مرسل خدمت ہیں۔ فریقین کو دفعہ ۳۰ وغیرہ کے تحت جہلم جیل بھیج دیا گیا تھا۔ اب ضمانتوں پر رہائی ہو چکی ہے۔ شیعہ علَم پر اب تک پولیس کا پہرہ لگا ہوا ہے۔

⑳ میرے والد گرامی حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب رحمہ اللہ کی ایک مشہور و مقبول کتاب

''آفتاب ہدایت'' ہے۔جس میں شیعہ اعتراضات کا مدلل جواب دے کر صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی شرعی عظمت کا تحفظ کیا گیا ہے۔اس میں خلافِ شرع شیعہ عقائد کی بھی تردید ہے، تقریباً پچاس سال کے بعد شیعہ مہاجرین کی انجمن حیدری بھون روڈ چکوال نے اس کا جواب ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو (مقیم سرگودھا) سے لکھوایا ہے، جن کا نام ''تجلیات صداقت'' ہے۔یہ ۴۱۴ صفحات کی ضخیم کتاب ہے جس میں خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کئی مقامات پر صراحتاً غیر مومن، منافق ظالم اور غاصب لکھا گیا ہے (العیاذ باللہ) بطور نمونہ اس کے چند صفحات کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ یہ کتاب ۱۹۷۳ء کی تصنیف ہے۔اس کتاب نے بھی بہت زیادہ نفرت پھیلائی ہے۔ ہم اس بناء پر شیعوں کے خلاف ہیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفاء راشدین اور امہات المومنین رض کو سوائے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے مومن ہی نہیں مانتے۔ ورنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہم اہل سنت قطعی جنتی اور چوتھا خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ چنانچہ خارجی گروہ کے جواب میں میری ضخیم کتاب ''خارجی فتنہ'' حصہ اول شائع ہو چکی ہے جس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد ثابت کیا گیا ہے۔ہم سُنی حنفی مسلمان حضرات امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو حسب حدیث رسالت جنت کے جوانوں کا سردار مانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات (امہات المومنین) کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جنت کی عورتوں کی سردار مانتے ہیں۔ اب خارجی فتنہ حصہ دوم بھی مکمل ہو چکی ہے۔ جو عنقریب ان شاءاللہ چھپ جائے گی، اس میں فسق یزید کی بحث ہے۔''تجلیات صداقت'' کے جواب میں اس وقت میں نے ایک کتابچہ بنام ''تجلیات صداقت پر ایک اجمالی نظر'' شائع کر دیا تھا جس میں مصنف کے صریح جھوٹ ثابت کیے گئے ہیں۔ بعد میں دوسری تصانیف کی وجہ سے اس کا مفصل جواب نہیں لکھ سکا، جس کے لکھنے کا ارادہ ہے[1]۔

[1] اس کا تفصیلی جواب بھی اگرچہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے لکھنا شروع کر دیا تھا جس کے کم وبیش ۳۳۰ صفحات لکھے جا چکے تھے اور وہ ہمارے پاس مسودہ کی شکل میں موجود ہیں، اس کے نمونے آئندہ کہیں اس کتاب کے اگلے سلسلوں میں پیش ہوں گے۔ تاہم مسلسل علالت، دینی جدوجہد اور انتھک مصروفیات کے باعث قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے جوابی کتاب کی ذمہ داری سلطان العلماء حضرت علامہ خالد محمود دامت برکاتہم کے سپرد کر دی تھی۔ حضرت علامہ موصوف نے تعلق دیرینہ، نیز مذہبی وملی غیرت کا اس قدر شاندار مظاہرہ فرمایا کہ دو ضخیم مجلدات پر مشتمل کتاب ''تجلیات آفتاب'' لکھ کر سُنی قوم پر احسان عظیم فرما دیا۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب — ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

نوٹ: ایک دفعہ پہلے بھی شیعوں نے امام باڑہ کے یہاں سے منتقل ہونا تسلیم کر لیا تھا، اس کی جگہ انہوں نے چھپڑ بازار چکوال کی مرکزی جگہ (جہاں گرلز مڈل سکول ہے) کی خواہش کی تھی اور ہم نے بھی جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے اس کو تسلیم کر لیا تھا اور اس وقت جہلم کے D.C۔ اے کے خالد صاحب تھے (جو بعد میں بہاولپور کے کمشنر اور پھر ریونیو بورڈ لاہور کے چیئرمین رہے ہیں) لیکن شہر کی اکثریت نے اُن کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا تھا کیونکہ یہ جگہ مرکزی اور کافی قیمتی ہے۔ جب پہلے بھی یہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اور ۱۹۸۵ء میں تحریری معاہدہ بھی ہو چکا ہے تو پھر ان کو دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے۔ مدنی مسجد اور امام باڑہ بالکل قریب ہے اور مدرسہ تعلیم النساء کو اس وجہ سے ہمیشہ خطرہ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم [1]

اس خط کا مکمل متن پیش خدمت کر دیا گیا ہے۔ جس سے مدنی مسجد، ملحقہ مدرسہ اہل سنت تعلیم النساء، ملحقہ امام بارگاہ، سالانہ اہل تشیع کے دو جلوسوں کی گذرگاہی، گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول پر شیعہ قبضہ کی کہانی اور ماضی میں سُنی، شیعہ تصادم کے واقعات کی بنیادی جھلکیاں اور اس ضمن میں کئی ایک سوالات کے جوابات موجود ہیں۔ یہ خط اور اس جیسی لاتعداد تحریریں، معاہدات اور اجلاسوں کی کارروائیاں بہ زبان حال قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے احترام قوانین ملکی کا پورا پورا پتہ دے رہی ہیں، نیز اس امر کی بھاری گواہی بھی، کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت کس قدر صُلح جُو اور امن پسند تھی، مگر افسوس کہ نصف صدی سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود بھی آج اہل تشیع کی ریشہ دوانیاں وہیں کی وہیں ہیں اور سرِ عام قانون کی دھجیاں بکھیرنے والا فرقہ آج بھی متشددانہ جلوسوں اور فرقہ وارانہ نعروں کے زور پر مدنی مسجد کی گلی کا ماحول مکدر کیے ہوئے ہے، صرف یہی نہیں بلکہ گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول کی عمارت پر ان کا پرچم اور ناجائز قبضہ بھی جوں کا توں ہے۔ حکمرانوں کی بے حسی و غفلت تو ہے ہی اور قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا مجاہدہٗ صبر و تحمل بھی قابل داد ہے۔ تاہم یہ امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ ملک کے خفیہ ادارے اپنی پالیسی کے تحت ان شر پسند عناصر کو اس لیے باقی رکھنا چاہتے ہوں تاکہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی برطانوی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر اپنے اقتدار کو باقی رکھا جا سکے، حالانکہ یہ فلسفہ نہایت خام خیالی اور آسودہ سوچ پر مبنی ہے۔ مگر انہیں کون سمجھائے جو سمجھنا نہ چاہتے ہوں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

---

[1] مظہر حسین رقاضی، قائد اہل سنت رمضمون مرقومہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ، ۲۸ دسمبر ۱۹۸۶ء...... چکوال ربنام عبدالکریم ملک ایڈووکیٹ۔

ہم نے یہ بحث ۵، دسمبر ۱۹۵۸ء کے ذیل میں شروع کی تھی جب کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ چکوال میں امدادیہ مسجد کے اندر مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام قائم کرنے کے بعد مدنی جامع مسجد بھون روڈ پر بغرض خطابت مدعو کیے گئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔ اُس زمانے کے خدوخال چونکہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ ہی کی کسی تحریر سے عیاں ہو سکتے تھے سو اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ ہمیں جستجو کے بعد اسی دور کا طویل خط مل گیا جو اوراق ماسبق میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ ''بھیں'' دور کے مدرسہ میں نہایت زیرک و باکمال شاگردوں کی چھوٹی سی کھیپ میں سرفہرست نام جس ہستی کا آتا ہے وہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ حضروی ہیں، جنہوں نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی مجالس اور صحبتوں سے اس قدر نفع اٹھایا کہ ان کے مقابل کوئی دوسرا سر نہ اُٹھا سکا، ان کی پوری زندگی سرشاریٔ فکر مظہر رحمہ اللہ سے عبارت تھی۔ آگے چل کر آپ کا تذکرہ خیر آئے گا۔ ان شا اللہ تعالیٰ۔ دوسرے ایک شاگرد کا ذکر ماسبق میں گذر چکا اور حسب ضرورت باقیوں کا بھی آتا رہے گا۔ جب مدنی جامع مسجد بھی قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی تحویل میں آ گئی تو اس سے ملحقہ پلاٹ مدرسہ کے لیے خرید لیا گیا، جہاں اب مدرسہ سمیت تحریک خدام اہل سنت کے مرکزی دفاتر، مہمان خانے، طلبہ کے ہاسٹل اور طہارت خانے وغیرہ ہیں۔ خدماتِ دین کے جملہ شعبوں میں پورے حُسن انتظام کے ساتھ کام جاری تھا کہ مسلمان خواتین کی تعلیمی و اصلاحی تربیت کے لیے الگ مدرسہ کا داعیہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس پاکیزہ سوچ کے تحت ''جامعہ اہل سنت تعلیم النساء'' کا اجراء کیا گیا، جس کی پُرشکوہ عمارت آپؒ کے جذبوں اور ولولوں کی مسلسل گواہی دے رہی ہے۔ اس جامعہ کے ذریعے بلاشبہ ضلع چکوال ہی نہیں بلکہ چاروں صوبوں کی ہزاروں بچیوں کو دینی اور علمی و عملی زندگی گذارنے کی تربیت ملی، پاکیزگیٔ افکار، حُسن اعمال اور تطہیر کردار کے لحاظ سے چکوال کے اس مدرسہ کی ملک بھر میں مثال دی جاتی ہے۔ اللہ کریم دیگر شعبوں کی طرح اسے بھی شرِ شیطان سے قیامت تک محفوظ رکھے۔ آمین۔

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی مدنی جامع مسجد چکوال میں آمد

(احوالِ سابقہ مندرجہ کی تلخیص)

تقسیم ہند کے بعد نیا محلہ چکوال، جس میں سکھ اور ہندو آباد تھے وہ اپنے مکانات خالی کر کے ہندوستان چلے گئے، اس طرح ہندوستان سے آنے والے مہاجرین ان مکانات میں آباد ہوئے تو انہوں

نے ایک خالی مکان میں ''مسجد مہاجرین'' قائم کر کے نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں۔

② ''مسجد مہاجرین'' کے قرب و جوار میں جو گھرانے سنی مسلک سے تعلق رکھتے تھے ان میں شمال کی طرف خان سلطان محمود صاحب اور ایک نابینا حافظ عبدالواحد کا مکان تھا۔ صوفی یٰسین صاحب اور صوفی شمس الدین صاحب بھی اس محلہ میں رہتے تھے مشرق میں حاجی بشیر احمد صاحب اور ان کے ملحق مکان میں مسعود الحسن زیدی صاحب ٹیچر کا مکان تھا۔ ان کے علاوہ اس محلہ میں حکیم عبدالصمد صاحب ،حکیم عبدالحفیظ صاحب، میاں بشیر احمد صاحب اور سلطان خان ریڑی والے قیام پذیر تھے۔ گویا نئے محلہ میں کل چھ، سات مکان اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کے مسلک کے لوگوں کے تھے باقی سب اہل سنت والجماعت بریلوی مسلک یا شیعہ گھرانے تھے۔

③ ۲۶، جنوری ۱۹۵۵ء میں جب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ نے امدادیہ جامع مسجد پنڈی روڈ چکوال میں جامعہ اظہار الاسلام کی بنیاد رکھی تو شہر چکوال کے تمام دیوبند مسلک سے تعلق رکھنے والے احباب امدادیہ مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ مسعود الحسن زیدی صاحب ٹیچر ''مسجد مہاجرین'' کے خزانچی خان سلطان محمود صاحب حضرو، والے کو بھی جمعہ ادا کرنے کے لیے ۱۹۵۸ء میں کسی جمعہ کو وہاں لے گئے۔ خان سلطان محمود صاحب نے جب وہاں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے پاس پہلا جمعہ پڑھا تو ان کے دل میں حضرت قاضی صاحب کی عظمت بیٹھ گئی۔ انہوں نے ''مسجد مہاجرین میں آنے کی ترغیب دیتے ہوئے دعوت دی کہ ''آپ مسجد مہاجرین میں تشریف لے آئیں۔'' حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے ان سے فرمایا کہ مجھے ایک سال تک یہاں امدادیہ مرکزی مسجد میں ہی رہنے دیں۔ لیکن خان سلطان محمود صاحب نے اصرار کیا کہ آپ مسجد مہاجرین میں ضرور تشریف لے چلیں اور درس دیں۔

④ چنانچہ ۱۹۵۸ء میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب تشریف لے گئے اور درسِ قرآن دیا۔ محلہ کے احباب نے اس مسجد میں نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ جب اہل محلہ میں سے اہل تشیع نے یہ سنا اور بعض بریلوی مکتب فکر کے احباب تک یہ خبر پہنچی تو اس پر شور مچ گیا۔

⑤ خان سلطان محمود صاحب نے حضرت کے مشورہ پر حافظ مولیٰ بخش صاحب کو مہاجرین مسجد کا امام اور استاذ مقرر کر دیا۔ اور مسجد کے برآمدے کی تعمیر شروع کر دی۔

⑥ مسجد مہاجرین میں نیا لاؤڈ اسپیکر لا کر فٹ کر دیا گیا۔

⑦ خان سلطان محمود صاحب کے کوئی رشتہ دار فوت ہو گئے، اور حافظ مولیٰ بخش صاحب کے کوئی عزیز فوت ہو گئے، یہ کسی طالب علم کو اپنی جگہ مقرر کر کے چلے گئے تو ۱۱، ستمبر ۱۹۵۸ء کو بعض اہل محلہ مخالفین نے آ کر مسجد پر قبضہ کر لیا۔ جب یہ دونوں گھر سے واپس آئے تو دیکھا کہ مخالفین نے نیا امام مقرر کیا ہوا ہے، اس پر شور مچ گیا۔ تھانہ سے پولیس اور اسسٹنٹ کمشنر شیر بہادر بھی آ گئے۔

⑧ اے سی صاحب نے پوچھا کہ امام مسجد کون ہے؟ حافظ مولیٰ بخش صاحب نے بتایا کہ امام مسجد میں خود ہوں۔ اس پر مخالفین نے شور مچایا کہ یہ وہابی ہیں۔ اے سی شیر بہادر نے پوچھا کہ وہابی کون ہوتے ہیں؟ مخالفین نے کہا کہ یہ کونڈے نہیں کرنے دیتے۔ اے سی صاحب نے پوچھا کونڈے کیا ہوتے ہیں؟ مخالفین مہاجرین نے کہا کہ کونڈے امام جعفر صادق کے ہوتے ہیں۔

اے سی شیر بہادر نے کہا کہ شور مچاؤ گے تو حوالات میں بند کر دوں گا۔ اس پر سب خاموش ہو گئے۔

اس دوران مہاجرین مسجد کے ساتھ جانب شمال سلطان محمود صاحب کے مکان پر حافظ مولیٰ بخش صاحب نے نمازیں پڑھانی شروع کر دیں۔ ایک ماہ تک یہ اختلاف چلتا رہا۔ اور کیس کی پیروی میاں بشیر احمد صاحب کر رہے تھے۔ یہ واقعات حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے ''مسجد مہاجرین'' میں آنے سے قبل کے ہیں۔ آخر میں احباب نے سنی فریقین میں صلح کرانے کے لیے کوششیں کیں جو بار آور ثابت ہوئیں اور فریقین میں تصفیہ ہو گیا۔ اور حسب سابق حافظ مولیٰ بخش صاحب نے مسجد مہاجرین میں نمازیں پڑھانی شروع کر دیں۔ ۲۵، اکتوبر ۱۹۵۸ء کو یہ معاہدہ صلح ہوا تھا۔ مسجد مہاجرین کا انتظام ۳۰، اکتوبر ۱۹۵۸ء کو باضابطہ طور پر سابقہ انتظامیہ کے حوالے کر دیا گیا اور اس معاہدہ کی تکمیل کے طور پر شیخ عبدالرحمن صاحب فاروقی ایگزیکٹو آفیسر میونسپل کمیٹی چکوال اور شیخ محمد کاظم صاحب کی موجودگی میں مندرجہ بالا فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلہ کے بعد ۲۸، دسمبر ۱۹۵۸ء کا جمعہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے ''مسجد مہاجرین'' میں پڑھایا اور پھر اس مسجد کا نام ''مدنی جامع مسجد'' رکھ دیا گیا[1]۔

---

[1] معلومات فراہم کردہ حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر وجناب حافظ عبدالوحید حنفی، چکوال۔

۳۷ عدد، اہلیان محلہ کی قائد اہل سنت رحمۃ اللہ سے مدنی جامع مسجد کی خطابت قبول کرنے کی درخواست

"نیا محلہ" کے کم وبیش ۱۳۷ افراد نے قائد اہل سنت کی جناب میں جو درخواست پیش کی تھی وہ ملاحظہ کیجیے۔

"محترم المقام جناب حضرت مولانا مولوی قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالی

مہتمم مدرسہ اظہار الاسلام، چکوال

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ہم باشندگان، مسلمانان اہل سنت والجماعت، نیا محلہ چکوال جناب کی خدمت بابرکت میں فی سبیل اللہ ملتمس ہیں کہ براہ کرم بزرگانہ آں مکرم مستقل اور مدامی طور پر مسجد مہاجرین واقع نیا محلہ چکوال میں نماز جمعہ کی خطابت وامامت بہ طیب خاطر اطہر قبول فرما کر عنداللہ ماجور اورعندالناس ممنون فرمائیں۔ اُمید واثق ہے کہ درخواست مذکورہ کو باب اجابت کا درجہ بخشا جائے گا"[۱]۔

ایس ڈی او کھیم چند سے ایس ڈی او کیپٹن سعید تک] مدنی مسجد کا ایک تاریخی واقعہ

ملاں کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور

جس زمانہ میں قائد اہل سنت رحمۃ اللہ گرفتار ہوئے تھے یعنی (۱۹۴۱ تا ۱۹۴۹ء) اس دور کے سوانح میں ہم مفصل "اذان تحریک" کا ذکر کر آئے ہیں کہ کس طرح آپ سرکاری قوانین اور جیل افسران کے مزاج کے برخلاف اذان دیا کرتے تھے۔ اِس دور میں بھی تاریخ ایک بار پھر خود کو دہرا رہی ہے۔ مدنی مسجد کی خطابت سنبھالنے کے تھوڑے عرصہ بعد کا واقعہ ہے کہ چکوال کے ایس ڈی او کیپٹن سعید نے ایک خودساختہ قانون وضع کر کے علماء چکوال پر مسلط کر دیا تھا، وہ یہ کہ ماہ رمضان المبارک کی آمد پر شہر بھر کے علماء کرام کو ایک میٹنگ میں بلا کر کہا کہ آپ لوگوں کا اپنی اپنی مسجدوں میں اذانیں دینا مناسب نہیں ہے، اس سے (العیاذ باللہ) آبادیوں کا سکون متاثر ہوتا ہے۔ چھوٹا سا شہر ہے اگر ایک ہی مسجد میں اذان کہی جائے تو بذریعہ لاؤڈ سپیکر شہر کے چاروں کونوں تک آواز پہنچ جاتی ہے۔ اس لیے میں حکم دیتا ہوں کہ آج کے بعد صرف ایک مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر اذان دی جائے گی اور باری باری روزانہ ایک مسجد سے اذان ہوا کرے گی۔ پست ہمتی کا عالَم یہ تھا کہ شہر کے تمام آئمہ وخطباء نے اس پر دستخط کر دیئے۔

---

[۱] اس درخواست پر جن ۳۷، عدد اہلیانِ محلّہ کے دستخط موجود ہیں، وہ ہمارے پاس موجود ومحفوظ ہے، چونکہ ان دستخطوں کا یہاں عکس دینا ایک امرِغیر ضروری ہے، فلہٰذا اسے ترک کیا جاتا ہے۔ سلفی

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی ابتداء سے ہی ایک پالیسی رہی تھی کہ عام اجلاسوں میں اپنا نمائندہ بھیج دیا کرتے تھے اور کسی فیصلہ کن میٹنگ کا مرحلہ آتا تو خود تشریف لے جایا کرتے تھے، چنانچہ مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام کے درجہ حفظ و ناظرہ کے مدرس حافظ غلام اکبر صاحب بطور نمائندہ وہاں موجود تھے جنہوں نے اس قرارداد پر یہ کہہ کر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ اس کا فیصلہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ خود ہی کریں گے۔ قائد اہل سنت اس وقت اپنے گاؤں بھیں گئے ہوئے تھے۔ آپ کو جب اطلاع ملی تو چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا، فرمایا میں صبح خود آ کر اذان دوں گا۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام سے قبل ہی آپ راتوں رات چکوال پہنچ گئے اور صبح مدنی جامع مسجد کے لاؤڈ سپیکروں سے ایک مجاہد باپ کے مجاہد بیٹے کی اذان نے انتظامی حلقوں میں کھلبلی مچا دی۔ سورج نکلنے کے بعد S.H.O آیا اور مسجد کے لاؤڈ سپیکر اتار کر لے گیا، خوف و ہراس کی یہ کیفیت تھی کہ بازار سے نیا سپیکر لانے کے لیے جو بندہ بھیجا گیا تو کوئی سپیکر بیچنے کو تیار نہ تھا۔ محمد اسلم نام کے ایک غیور سُنی مسلمان نے لاؤڈ سپیکر فراہم کر دیا تو منادی نے بحکم قائد اہل سنت اعلان کیا کہ رات کو نماز تراویح کے بعد حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب اذان کے حکم شرعی ہونے کے موضوع پر جامع خطاب کریں گے، یہ پہلی تراویح کی شب تھی یعنی اگلے دن پہلا روزہ تھا۔ شہر بھر سے عوام کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا، قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے خطبۂ مسنونہ کے بعد اولاً اذان کے حکم شرعی ہونے پر کتاب و سنت، آثار صحابہؓ اور تعامل امت کی رُو سے دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے۔ ثانیاً شہر کے آئمہ و خطباء کی غیرت کو للکارا، جھنجھوڑا اور سخت شکوہ کیا کہ آپ نے ایس ڈی او کا حکم مان کر دستخط کیوں کر دیئے؟ ثالثاً آپ نے بہ بانگ دُہل دھمکی آمیز لہجے میں فرمایا کہ کیپٹن سعید کانوں کی کناریاں کھڑی کر کے سُن لو! میں تفاخر کے طور پر نہیں بلکہ امر واقعہ کے طور پر کہتا ہوں کہ گورنمنٹ برطانوی دور میں جب کہ میں ۳۰۲ کا قیدی تھا، اور قانون کی رُو سے جیل میں کوئی قیدی اذان نہیں دے سکتا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ اذانوں کا سلسلہ شروع کیا اور جیل حکام کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، آج ہم آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں تو کیا اذان کے مسئلہ پر سمجھوتہ کر لیں گے؟ کیا تمہاری پیدائش کے بعد کان میں کسی نے اذان نہیں دی؟ میں کل تیری رہائش گاہ پر آ کر اذان دوں گا۔'' اس جرأت رندانہ نے مسلمانان شہر کے اندر حمیت و غیرت کی روح پھونک دی تھی۔ شہر بھر میں ہڑتال ہوئی، احتجاجی سلسلے شروع ہو گئے، چنانچہ راولپنڈی

سے انکوائری کے لیے گورنر اور کمشنر چکوال آئے اور ریسٹ ہاؤس چکوال میں بھرپور اجلاس ہوا، اندر سرکاری افسران اور علماء شہر موجود تھے جب کہ باہر عوام کا ٹھاٹھیں مارتا دریا! کمشنر نے کہا ہم نے صرف قاضی صاحب سے بات کرنی ہے اور پھر نکتہ اعتراض اٹھایا کہ آپ نے ایس ڈی او کے حکم کی خلاف ورزی کر کے عوام کو بغاوت پر کیوں اُکسایا؟ چند سوالات و جوابات کی لے دے کے بعد آخر کار کمشنر موصوف نے کہا "بلند آوازی کوئی اچھی چیز نہیں ہے قرآن مجید میں گدھے کی آواز کو بری آواز کہا گیا ہے" قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس جاہلانہ استدلال پر کھڑے ہو کر فرمایا "آپ علم سے کورے ہیں، آیت کی تفسیر تو یہ ہے کہ گدھے کی آواز کرخت ہے جو سننے والوں کو بری لگتی ہے، جب کہ اذان اللہ تعالیٰ کی مستقل عبادت ہے اور نماز جیسی بڑی عبادت کے لیے مسلمانوں کو اطلاع کرنے کا وہ نبوی فارمولا ہے جس پر بلا اختلاف اس امت کا اجماع کُلی ہے اور اصولِ شرعی ہے کہ عبادت کی تیاری بھی عبادت سے ہوتی ہے، مثلاً نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے تو "وضو" مستقل عبادت ہے اور کارِ ثواب ہے، ایسے ہی اذان کا مقصد لوگوں کو نماز کی جانب متوجہ کرنا ہے لہٰذا یہ بھی مستقل عبادت ہے، فلہٰذا آپ یہ احمقانہ فلسفے اپنے پاس رکھیں اور ہم کسی صورت میں آپ کے موقف کی تائید نہیں کر سکتے، یہاں ہر نماز کے وقت ہر مسجد سے اذان کی آواز گونجے گی۔ اور کوئی حکومتی طاقت ہم سے ہمارا یہ مذہبی حق چھین نہیں سکتی۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی اس مجاہدانہ للکار سے کمشنر موصوف کی زبان سے بہ تکرار یہ الفاظ نکلے، آپ کو اذانیں دینے کی اجازت ہے، اجازت ہے، اجازت ہے، نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوئے، سچے قائد سچے رہبر قاضی مظہر، قاضی مظہر" کے فلک شگاف آوازے رکنے اور تھمنے میں نہیں آرہے تھے اور پھر اہل شہر نے یہ گواہی دی کہ واقعی غیرت مند اور شریعت کی سرحدوں پر پہرہ دینے والے علماء حق ہر دور میں موجود رہتے ہیں اور آج کے دور میں ہماری آنکھوں نے ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر کے ہونہار سپوت، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے رُوپ میں، ایک ہی شخصیت کے اندر قافلہ حق وحریت کے تمام جرنیلوں کا نظارا کر لیا۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ متحدہ ہندوستان کے دور میں جب ایک ہندو ایس ڈی او کھیم چند (مفصل واقعہ گذر چکا ہے) نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بے ادبی کا ارتکاب کیا تھا تو انہی دو بھائیوں غازی منظور حسین شہید اور قاضی مظہر حسین نے اس کا علاج کیا تھا، اور آج جب ایک مسلمان مگر روحِ اسلام سے محروم نادان ایسی

ڈی او نے اذان پر پابندی لگائی تو یہی مردِ میدان پھر میدانِ عمل میں تھا جسے اللہ کریم نے اپنی توحید کے صدقہ میں عزت کے ساتھ فتح یاب کیا، اور واقعی اللہ والے کبھی ناکامیوں کا سامنا نہیں کرتے بلکہ ناکامیاں ان کے قدموں میں آکر ''کامیابیوں'' کا رُوپ دھار لیتی ہیں۔

روشن ہے شمع دل میں خدا کے جمال کی
پاکیزگی عجیب ہے میرے خیال کی

قصبہ ''بھیں'' سے قائد اہل سنتؒ کی چکوال شہر میں منتقلی اور دینی اداروں کے قیام و تعمیر مساجد کے متعلق تاریخی ریکارڈ کی مدد سے ہم نے حقائق درج کر دیئے ہیں، اور درج کردہ ایک ایک ثبوت مع تبصرہ و تجزیہ کے ہم ان شا اللہ ذمہ دار ہیں، البتہ بشری کوتاہی کی بناء پر اگر کوئی بات تشنۂ تحقیق یا نامکمل رہ گئی یا متذکرہ و متعلقہ کسی شخصیت کے حق میں ادب و تعظیم کی رہ گئی ہو تو ہم اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں۔

10
بابِ دہم

❀ جمعیت علماءِ ہند سے جمعیت علماء اسلام تک
(فکری، سیاسی، شعوری اور اسلامی سیاست کی سنہری زنجیر)

❀ قیامِ پاکستان کے بعد جمعیت علماءِ اسلام کے مختلف مراحل، گرانقدر خدمات اور جہابذۂ روزگار شخصیات کی سرپرستی وقیادت

❀ حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے حضرت درخواستی رحمہ اللہ تک، اور مولانا مفتی محمودؒ سے مولانا غلام غوث ہزارویؒ تک، قائد اہل سنت کی شمولیت، حیثیت اور فعال کردار

❀ معاصرین کا اعتماد، مبادلہ خیالات کا حُسن، اہل باطل سے سیاسی، وقتی اشتراک کی پالیسی، قائد اہل سنت کے تحفظات، اختلافات اور بالآخر استعفیٰ اور جماعتی راستے الگ ہونے کے باوجود باہم رشتہ تأدّب و تعظیم

دیا تھا کل جسے میں نے سہارا
ہوا ہے آج وہ میرے مقابل

قائد اہل سنت کا جمعیت علماءِ اسلام میں فعال کردار

جمعیت علماء اسلام کی تاسیس اور نشاط ثانیہ کا ذکر کرنے سے قبل بطور متن قائد اہل سنت کی شمولیت و کردار کے حوالہ سے شروع میں چند سطور درج کی جا رہی ہیں، کیونکہ آگے آنے والے مباحث اسی متن کا ترجمہ، تشریح، حاشیہ اور تفصیل پر مبنی ہوں گے۔ ۱۸، ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۶۲ء) نے ملتان میں ایک اجلاس طلب کیا تھا۔ اس اجلاس کی غرض و غایت یہ تھی کہ گورنر جنرل غلام محمد کی قائم کردہ دستور ساز اسمبلی نے ایک دستور وضع کر کے پاس کیا اور سکندر مرزا کے حکم سے وہ ملک میں نافذ کر دیا گیا۔ اس دستور میں اسلامی مملکت، نفاذ اسلام، اور اسلامی رہنمائی وغیرہ جیسے خوش نما الفاظ تو موجود تھے لیکن تفصیلات میں ایسی دفعات درج کر دی گئی تھیں کہ جن کی وجہ سے ارتداد اور اسلام سے انحراف کا راستہ کھلا رہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے ملتان میں جید علماء کرام کا ایک اجلاس طلب کیا۔ اور اس موقع پر جمعیت علماء اسلام کا نیا انتخاب بھی عمل میں آ گیا۔ مذکورہ اجلاس مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں ہوا تھا اور اس میں کم و بیش ملک بھر سے پانچ سو علماء کرام نے شرکت کی تھی۔ یہاں متفقہ طور پر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کو امیر منتخب کر لیا گیا۔ اور جب ناظم اعلیٰ کے لیے مختلف نام پیش ہوئے تو مولانا لاہوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر آپ ملک بھر میں جمعیت کا کام دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر مجھے ناظم اعلیٰ منتخب کرنے کا اختیار سونپ دیں، میں خود ہی اس عہدہ کے حق دار کو پیش کر دیتا ہوں، چنانچہ پورے اجلاس نے جب آپ کو اختیار دے دیا تو حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کو ناظم اعلیٰ منتخب کر دیا۔ اس کے بعد صوبائی اور ضلعی سطح پر جب جمعیت کی باڈیاں بنائی گئیں تو حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو ضلع جہلم کا امیر اور حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ کو ناظم اعلیٰ بنا دیا۔ اس کے بعد پھر ملک بھر میں جمعیت کا طوطی بولنے لگا۔ انہیں ۱۹۵۶ء والے انتخابات میں حضرت مولانا غلام اللہ خان کو ضلع راولپنڈی کا اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کو ضلع گجرات کا امیر

بنایا گیا تھا مگر موخرالذکر دونوں بزرگوں نے ابتداء ہی میں اکابر جمعیت علماء اسلام سے اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے عنادی رویہ دکھانا شروع کردیا تھا، جس کی کچھ وضاحت آئندہ سطور میں پیش ہوگی۔

جمعیت علماء ہند سے اختلاف کے نتیجہ میں جمعیت علماءِ اسلام کی تشکیل ہوئی تھی

۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء بمطابق ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ کو امرتسر میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی صدارت میں جمعیت علماء ہند کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد عمومی طور پر ہندوستان کے حالات بالکل پراگندہ اور منتشر تھے۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کے دل و دماغ پر گورنمنٹ برطانیہ کی عظمت کا بھوت کچھ اس قدر سوار تھا کہ خوشامد و چاپلوسی اور اظہارِ وفاداری کرنے والوں کو ہی وقت موجودہ کا سب سے بڑا سیاسی مدبر اور قائد سمجھا جاتا تھا۔ اور جن علماء کرام کی فطرت وطبیعت میں خودداری اور قوم کی سیاسی خدمت کرنے کے مخلصانہ جذبات تھے وہ حالات کی ناموافقت کی بناء پر عزلت نشین ہو چکے تھے، اس تبدیل شدہ سیاسی ماحول نے غیرت مند علماء کرام کو ''جمعیت علماء ہند'' قائم کرنے پر مجبور کردیا تھا اور نئے سرے سے شفاف سیاست کی بنیاد ڈالی گئی۔ جمعیت علماء ہند کے مقاصد میں تحفظ اور غلبہ اسلام سرفہرست منشور میں شامل تھا، اور متصادم اسلام کوئی بھی عمل جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ کے اندر جب ''تبرا ایجی ٹیشن'' شروع ہوا تھا جس کی کچھ تفصیل ابتدائی ابواب میں گزر چکی ہے تو مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم نے مرادآباد میں جمعیت علماء ہند کے اجلاس میں مندرجہ ذیل قرارداد پاس کروائی تھی۔

> ''جمعیت علماء ہند کی مجلس مرکزیہ کا یہ اجلاس لکھنؤ میں شیعوں کی طرف سے تبرا ایجی ٹیشن کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس خلاف آئین وانسانیت حرکت کو ملک کے امن کے لیے خطرہ عظیم سمجھتا ہے تبرا کسی حالت میں کسی وقت بھی قابل برداشت نہیں ہے۔ نہ اس کو کوئی ذی فہم انسان ایک لمحہ کے لیے جائز قرار دے سکتا ہے۔ اس لیے یہ اجلاس حکومت سے پُرزور طریق پر استدعا کرتا ہے کہ وہ اس بنیادِ شر وفساد کو جلد از جلد ختم کردے''۔[1]

یہ ۱۹۳۹ء والا سال قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف کا آخری سال تھا۔ اس سلسلہ میں آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] محمد میاں، مولانا ر جمعیت العلماء کیا ہے؟ صفحہ ۲۰۶

''ان ایام میں بندہ بھی دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث شریف میں شریک تھا۔ حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ نے تقریر فرمائی اور رضا کاروں کا ایک دستہ لے کر گرفتاری کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے تھے۔ لیکن حضرت کی مداخلت سے گورنمنٹ نے کچھ مطالبات مان لیے اور گرفتاری کی نوبت نہ آئی۔ مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس ایجی ٹیشن میں احرار رضا کار یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

جن کا ڈنکا بج رہا ہے چار سو لیل و نہار
وہ ابوبکر و عمر ، عثمان و حیدر چار یارؓ

خان لیاقت علی خان سابق وزیر اعظم پاکستان، اہل سنت کی طرف سے وکیل تھے، اور انہوں نے بھی عدالت میں یہ شعر سنایا تھا۔ بہر حال جمعیت علماء ہند کی سیاست دین کے تابع تھی اور اس کے ذریعہ شعائر دین کا تحفظ ہی مقصود تھا''[1]۔

بہر کیف جب تقسیم ہندوستان کے حوالہ سے تحریک اٹھی تو علماء کرام دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ایک طبقے کا موقف یہ تھا کہ تقسیم کے بعد ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوگا، اور وہ ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر ہوں گے، دوسری جانب جو خطہ ''پاکستان'' کے نام سے الگ کیا جائے گا وہاں بھی طرزِ حکومت کی اصل لگامیں مغرب کے ہاتھوں میں ہوں گی، اہل پاکستان اسلام، اسلام، پکارتے رہیں گے مگر ان کی شنوائی نہیں ہوگی، خلاصہ کلام یہ کہ ہندوستان میں مسلمان کو خطرات درپیش ہوں گے تو پاکستان میں اسلام کو! دوسری جانب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور آپ کے بعض مخلص رفقاء پُر امید تھے کہ مسلمانوں کو جب اپنے اکثریتی خطہ میں الگ ملک مہیا ہو جائے گا تو انہیں اسلام نافذ کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی، دونوں طبقے اپنی جگہ اخلاص پر تھے، تاہم سیاسی تدبر، فہم و فراست اور انگریز کی شاطرانہ و عیارانہ پالیسیوں پر نظر رکھنے کے حوالہ سے اس وقت اول الذکر علماء کرام حق بجانب تھے۔ اگرچہ بعض دیگر کئی ایک وجوہات کی بناء پر وقت نے ثابت کیا کہ ''پاکستان'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے، جہاں اہلِ وطن کافی حد تک آزادی و خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں، چنانچہ تقسیم ہند کے حامی علماء کرام نے بمقام کلکتہ ۱۹۴۵ء میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھ دی۔ اس کے پہلے امیر شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو منتخب کیا گیا تھا اور

---

[1] مظہر حسین، مولانا، قاضی، قائد اہل سنت رمولانا عبداللطیف جہلمی نمبر، صفحہ ۱۳ر ماہ نامہ حق چار یارؓ رجولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء، لاہور

نائب امیر مولانا ظفر احمد عثمانی کو، جبکہ متحرک کردار ادا کرنے والوں میں مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، مفتی محمد حسنؒ اور مولانا اطہر علی پیش پیش رہے۔ بلکہ انہی حضرات کی مسلسل سعی سے سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ نے کامیابی حاصل کی تھی اور بالآخر ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان قائم ہوگیا اور خطۂ ہندوستان کی عملی تقسیم ہوگئی۔ قیام پاکستان کے بعد لازمی بات ہے کہ جمعیت علماءِ ہند، ہندوستان میں رہ گئی اور جمعیت علماء اسلام مملکت خداداد کی خوشیاں سمیٹتی ہوئی یہاں منتقل ہوگئی، مگر: ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

یہ آرزوئیں کیسے خاک ہوئیں؟ اس کا ذکر آگے، ابھی آتا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۴۹ء) کے بعد جمعیت علماء اسلام کا کام تعطل کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ۱۹۵۲ء کے اجلاس میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کو امیر اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کو ناظم اعلیٰ چنا گیا تھا، پھر ۱۹۵۴ء کے دوسرے اجلاس میں بانی جامعہ اشرفیہ لاہور حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ کو امیر اور ناظم اعلیٰ بدستورِ سابق مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ قرار پائے۔ پھر کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ نے بوجہ علالت اپنی امارت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے سپرد کردی۔ جمعیت علماء اسلام کے اس دورِ اول میں ایک بار حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ جماعتی دورہ پر جہلم آئے تو ملاقات کے لیے قائد اہل سنت رحمہ اللہ بھی تشریف لائے۔ اس دوران مولانا احتشام الحق رحمہ اللہ نے جمعیت کا رکنیت فارم پُر کرنے کے لیے پیش کیا تو قائد اہل سنت نے یہ کہہ کر معذرت فرمادی کہ میں جمعیت کے کام سے مطمئن نہیں ہوں[1]۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ذوقی لحاظ سے قائد اہل سنت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے طریقہ کار کے حامی، موقف کے مناد اور انہی کے ہم مشرب علماء کرام کے ساتھ تحریکی کام کر سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس کے ٹھیک دو سال بعد جب جمعیت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو اب تقریباً سارے علماء کرام امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی قیادت میں متفق ہو چکے تھے تو قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے باقاعدہ جمعیت علماء اسلام میں شرکت اختیار کر لی اور ضلع جہلم کے امیر نامزد کر دیئے گئے۔ جمعیت کی اس نشاۃِ ثانیہ کے متعلق ہمارے ملک میں تھانوی ذوق کے اکابر نے کچھ عرصہ یہ پروپیگنڈا بطور وظیفہ سمجھ کر جاری رکھا کہ مولانا مدنی کی فکری سیاست کے متوالوں نے جمعیت کو ہائی

---

[1] مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ نمبر، صفحہ ۲۵/ ماہ نامہ حق چار یارؓ ۱۹۹۸ء، لاہور

جیک کرلیا۔ رائے کی حد تک اگر یہ بات ہوتی تو ایک نفیس پیرائے میں لائق سماعت بھی تھی وہ اس لیے کہ ''جمعیت علماء اسلام'' کی بنیاد تو ان بزرگوں نے رکھی تھی جو تقسیم کے حق میں تھے، اور اب زمام کاران کے ہاتھ میں آ گئی جو پہلے تقسیم کے مخالف تھے، لیکن اس موقف میں زیادہ وزن اس لیے نہ تھا کہ اب قیام پاکستان کے بعد حالات اور تقاضے یکسر تبدیل ہو چکے تھے، جغرافیائی تقسیم نے سوچ و سمجھ، ضابطے و رابطے، فہم و تفہیم اور دینی و سیاسی کاموں کے دائرہ کار کا نقشہ ہی بدل دیا تھا، دوسری جانب حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ یا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا مزاج خالصتاً تدریسی، تعلیمی اور متصوفانہ تھا، اور تحریکیں چلانے کے لیے جس مخصوص فراست اور قیادت کی ضرورت ہوتی ہے وہ حضرات اس مزاج کے حامل نہ تھے، جس کا عملی نتیجہ یہ ہوا کہ قیام پاکستان اور بالخصوص شیخ الاسلام مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اُن کی قائم کردہ ''جمعیت علماء اسلام'' بالکل نحیف و کمزور ہو کر رہ گئی تھی، جسے وقت اور ماحول کا احساس کرتے ہوئے مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء نے اپنی روحانی بصیرت اور دانشمندی سے دوبارا کھڑا کر دیا۔ لیکن حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مرحوم نے اس کے بعد خدا جانے کس قسم کا منفی تاثر لیا کہ وہ دن رات ان اکابرین جمعیت علماء اسلام کے خلاف محاذ آرائی قائم رکھتے، بعض پالیسیوں میں بہ تقاضائے بشریت اکابرین جمعیت سے بھی فروگذاشت ہوتی ہوں گی اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب رحمہ اللہ کی رائے صائب و فائق ہوتی ہوگی، مگر وہ اس کو ایک رائے کے دائرہ سے نکال کر دار کشی کا رنگ دے دیا کرتے تھے، مثلاً ۳، اکتوبر ۱۹۷۰ء کو نشتر پارک کراچی میں انہوں نے حضرت مولانا رسول خان رحمہ اللہ کی صدارت میں ایک جلسہ عام سے خطاب فرماتے ہوئے ''اعوذ باللہ'' ہی ان الفاظ سے فرمائی تھی۔

''یہ (مولانا رسول خان رحمہ اللہ) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ ہیں۔ مفتی محمود ان کے شاگرد نہیں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دیوبند میں پڑھا نہیں ہے بلکہ انہوں نے یوپی کے ایک مشہور شہر (مراد آباد) میں پڑھا ہے جہاں کے لوٹے مشہور ہیں، ان لوٹوں میں بعض بے پیندے کے بھی ہوتے ہیں۔ آغا شورش نے لکھا تھا ''لوٹے مراد آباد کے نیلام ہو گئے'' البتہ مولانا غوث صاحب نے دیوبند میں پڑھا ہے اور وہ بھی ہمارے صاحب صدر کے شاگرد ہیں اسی وجہ سے عوام الناس ہم سے پوچھتے ہیں کہ مولانا غلام غوث اور ہم دونوں ایک ہی درس گاہ میں پڑھے ہوئے ہیں، ایک ہی استاذ کے شاگرد ہیں تو مولانا غلام غوث کو ایسی ایسی غلیظ گالیاں آتی ہیں کہ وہ گالیوں کے امام ہیں مگر آپ کو ایک بھی

گالی نہیں آتی تو کیا آپ کلاس سے غیر حاضر رہتے تھے جو گالیاں آپ نے نہیں سیکھیں؟ میں جواب میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ہم تو ایسے بزرگوں کے شاگرد ہیں جو گالیاں تو درکنار کوئی نازیبا کلمہ بھی منہ سے نہیں نکالتے تھے، ہم اب تک انہیں کے دامن سے وابستہ ہیں۔ اس لیے ہمیں گالیاں نہیں آتیں، اور انہوں نے استاذوں کو چھوڑ کر سرخوں کو یار بنالیا ہے، اس لیے وہ گالیوں کے امام بن گئے۔''[1]

دوسری جانب دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں جب حالات کشیدہ ہوئے تو حضرت مولانا احتشام الحق صاحب رحمہ اللہ نے بذریعہ خطوط مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے خلاف نہایت دل آزار قسم کے خطوط اِدھر اُدھر بھیجے جن میں اپنے معاصر علماء کو جلی کٹی سنائی جاتی رہیں، دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار کا تب اہتمام حضرت مولانا احتشام الحق رحمہ اللہ کے پاس اور صدر مدرس حضرت بنوری رحمہ اللہ تھے، چنانچہ ۱۹۵۲ء کے دور کے بعض خطوط بھی مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کی اولاد نے اب شائع کردیئے ہیں، جن کی کوئی ضرورت نہ تھی، اس لیے ہمارے یہاں کسی قدر اندراجِ واقعات سے امید ہے کہ وہ بھی کبیدہ خاطر نہ ہوں گے کیونکہ تاریخ کی دبیز تہوں میں دبے اور حقائق کے ملبے کے نیچے چھپے واقعات کو منظر عام پر لانے کا حق سبھی کو برابری کی بنیاد پر دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس میں بے ادبی اور غیر محتاط لب ولہجہ استعمال نہ کیا گیا ہو۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب ۱۹۴۹ء میں حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی رحلت ہوئی تو ان کے رفقاء میں سے ہر ایک کی اپنی جمعیت تھی، یعنی اس وقت تین گروہ وجود میں آچکے تھے، یہ حضرات آپس میں بھلے شیر وشکر ہوں اور ادب وتادب کا رشتہ قائم رہا ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کی ''جمعیتیں'' الگ الگ تھیں۔

① جمعیت مفتی اعظم پاکستان ② جمعیت خطیب پاکستان ③ جمعیت مولانا اطہر علی۔ دراصل انہی حالات میں مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے جب دیکھا کہ علماء کی طاقت دن بدن کمزور پڑ رہی ہے تو آپ نے ملتان میں کنونشن بلاکر غور وخوض کرنے کی دعوت دی، اگرچہ اس اجلاس کا ایک ایجنڈا اس وقت کی حکومتی بعض خلافِ اسلام پالیسیوں کے نفاذ کی روک تھام بھی تھی۔ یہاں ایک لطیفہ نما بات بھی پیش کردی جاتی ہے کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کے سوانح حیات میں ایک مضمون نگار نے لکھا ہے:

''اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ملتان میں ایک کنونشن منعقد کیا گیا جس میں بعض حضرات نے مفتی محمد حسن

---

[1] مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ / خطاب مورخہ ۳، اکتوبر ۱۹۷۰ء / بمقام نشتر پارک کراچی / مشمولہ ''متاعِ احتشام الحق''، صفحہ نمبر ۱۹۰ / اگست ۲۰۰۵ء مطبوعہ جیکب لائن، کراچی۔

امرتسری کی جگہ مولانا احمد علی لاہوری کو صدر مقرر کیا، مولانا غلام غوث ہزاروی کو ناظم اعلیٰ اور مفتی محمود کو نائب صدر کے عہدے پر فائز کیا، اس اجلاس میں قابل ذکر کسی بڑی شخصیت نے شرکت نہیں کی۔''[1]

مضمون نگار نے خوب کہی، ملتان والے اجلاس (منعقدہ ۱۹۵۶ء) میں ویسے تو امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور انہی کے ہم پایہ کم وبیش ۵۰۰ علماء ومشائخ موجود تھے، مگر چونکہ مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نہیں تھے، یا کم از کم مضمون نگار حاضر نہیں تھے، فلہٰذا نتیجہ خود بخود نکل آیا کہ ''قابل ذکر کسی بڑی شخصیت نے شرکت نہیں کی۔''

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی مایوسی

ہماری ملکی تاریخ کا یہ بھی ایک اندوہناک باب ہے کہ تقسیم ہند کی خاطر جمعیت علماءِ ہند سے فکری تصادم کی وجہ سے جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھنے والے علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ پاکستان بنتے ہی یہاں کی وڈیرہ شاہی، حکومتوں کے نام نہاد جمہوری تماشے اور بعض اپنوں کی انانیت وخرمستی کی وجہ سے بہت زیادہ دلبرداشتہ ہو گئے تھے۔ اگرچہ یہ دل دہلا دینے والا سانحہ ہے لیکن تحریر کیے بغیر چارہ بھی نہیں ہے کہ کراچی میں جو مکان حکومت نے علامہ عثمانی رحمہ اللہ کو رہنے کے لیے دیا تھا وہ کسی اور کے نام الاٹ کر دیا گیا تھا، اور حضرت کا سامان نکال کر گھر سے باہر پھینک دیا گیا تھا۔ اس واقع کے بعد اسلامیہ کالج کراچی کے بانی ایم اے قریشی نے حضرت کی رہائش کا جو انتظام کر دیا تھا وہ بھی شرمناک حد تک ناقابل بیان ہے۔ اس کی تفصیلات ''ملفوظات و واقعات حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمہ اللہ'' میں دیکھی جاسکتی ہیں انہی دنوں حضرت مولانا قاری شریف احمد رحمہ اللہ جب علامہ عثمانی رحمہ اللہ سے ملنے گئے تو دوران ملاقات علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مولوی شریف کیا کروں؟ جس مقصد کے لیے ملک بنایا تھا وہ پورا نہیں ہوا، اسلام کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس تحریک کی حمایت میں دارالعلوم (دیوبند) کو چھوڑا۔ اپنے عزیز ترین دوستوں کا بُرا بنا۔ اب حال یہ ہے کہ یہاں رہنے کے لیے بھی جگہ نہیں ہے۔ سوچتا ہوں

---

[1] محمد صدیق ارکانی، مولانا/حیات خطیب پاکستان، صفحہ ۲۶۱/مشمولہ ''متاعِ احتشام الحق''/۲۰۰۵ء جیکب لائن، کراچی۔

کہ صوبہ سرحد چلا جاؤں، وہاں کچھ احباب اور شاگرد ہیں، زندگی کے آخری ایام اطمینان سے بسر ہو جائیں گے۔ یہاں تو پاکستان کا نقشہ ہی عجیب نکلا؟ کہا کچھ تھا، ہوا کچھ، حضرت قاری (شریف احمد) فرماتے تھے کہ اس واقعے کے ایک دو روز بعد آپ رحمہ اللہ صوبہ سرحد جاتے ہوئے اسلامیہ یونیورسٹی کے اجلاس میں شرکت کے لیے بہاولپور تشریف لے گئے اور وہیں رحلت فرمائی۔ میت کراچی لائی گئی، میں اسلامیہ کالج کی جگہ (جہاں ایم اے قریشی قیام پذیر تھے، وہیں انہوں نے ایک چھوٹا سا کمرہ جس میں ایک چارپائی اور دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں، حضرت علامہ کو دے رکھا تھا)، دیکھنے گیا تو حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کا جسم مبارک نیلا ہو رہا تھا، زبانِ زدعام تھا کہ حضرت کو زہر دیا گیا تھا۔''[1]

بہر حال ان دگرگوں حالات اور نہایت قیمتی اشخاص کے جنازوں سے گزرنے کے بعد جمعیت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ اور ان کے مخلصین رفقاء کار کے نورانی چہرے دیکھے، جنہیں ہمارے مہربانوں کے بقول ''کسی بڑی شخصیت کی شرکت و تائید میسر نہ تھی''۔ تو اب جمعیت العلمائے اسلام نے ایک بار پھر، بلکہ حقیقت میں اصل اُٹھان ہی اب دیکھی تھی۔

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قیام اور اشاعتی بزرگوں کا تقابلی مزاج

جمعیت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ کو ابھی بہ مشکل ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا کہ ۲۹ نومبر ۱۹۵۶ء کو ''جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ'' کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ جس کے امیر مولانا قاضی نور محمد، قلعہ دیدار سنگھ، ناظم اعلیٰ مولانا غلام اللہ خان اور نائب امیر مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری تھے۔ مولانا عنایت اللہ اور مولانا غلام اللہ (جو ظریف الطبع لوگوں میں ''عین غین برادران'' مشہور تھے)۔ اگرچہ اپنے اپنے اضلاع میں جمعیت علماء اسلام کے امیر بنائے گئے تھے۔ بلکہ مولانا غلام اللہ خان نے بہ اصرار حضرت لاہوری رحمہ اللہ کو کہہ کر گجرات کا امیر سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو بنوایا تھا، مگر ان حضرات نے مذہبی و تبلیغی سرگرمیوں کے لیے ایک الگ پلیٹ فارم بنانے کی ضرورت محسوس کی۔ قائد اہل سنت کے بقول کہ:

''حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے خود ہمیں فرمایا تھا کہ مولوی غلام اللہ صاحب اور مولوی عنایت اللہ نے جمعیت کا کوئی کام نہیں کیا۔''[2]

---

[1] تنویر احمد شریفی رمرتب، تذکرۃ الشریف، صفحہ نمبر ۱۳۹ مکتبہ رشیدیہ کراچی راشاعت، دوم، ستمبر ۲۰۱۲ء۔
[2] حضرت جہلمی رحمہ اللہ نمبر ر ماہنامہ حق چار یار ؓ ۱۹۹۸ء رصفحہ ۳۸، لاہور

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جمعیت اشاعت التوحید کے قیام سے حضرت لاہوری علیہ الرحمۃ خوش نہیں تھے۔ اس جماعت میں زیادہ تر وہ علماء کرام شامل ہوئے تھے جو حضرت مولانا حسین علی واں بھچروی رحمہ اللہ سے کسی درجہ میں نسبت رکھتے تھے، یعنی ان کے تلامذہ، خلفاء، مریدین اور معتقدین ہجوم در ہجوم اس میں شمولیت اختیار کرنے لگے، اس لیے ابتدائی ایام میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ بھی بطور سرپرست اشاعت التوحید میں موجود رہے۔ اس جماعت نے ملک بھر میں بہت جلد اپنا اچھا خاصہ جال بچھا دیا، اور میانوالی سے لے کر بہاولپور تک، وسطی پنجاب میں سرگودھا سے جھنگ، ٹوبہ، پیر محل، کمالیہ تا ملتان اور اپر پنجاب میں لاہور، فیصل آباد، گوجرانوالہ، قصور وغیرہ وغیرہ کے دیہات کے دیہات اس کے زیر اثر آئے، گاؤں گاؤں میں اس جماعت کے واعظین، مبلغین اور خطباء نے جلسوں کا ایک سیلاب بہا دیا تھا۔ دینی فوائد سے قطع نظر فقط جماعتی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ جمعیت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے بعد پہلا طوفان تھا جس نے اپنی طرازیوں سے جمعیت علماء اسلام کی افرادی قوت کی آمد کا رستہ محدود کر کے رکھ دیا تھا۔ مگر یہ اس حد تک اس لیے قابل برداشت تھا کہ سیاسی سوجھ بوجھ نہ سہی، کم از کم دیہاتوں کے رہنے والے ہزاروں لوگوں کو مسئلہ توحید، ختم نبوت اور مقام صحابہ رضی اللہ عنہم سے آشنائی ہو رہی تھی اور لوگ بڑی تیزی کے ساتھ علاقائی رسم و رواج اور شرک و بدعات و توہمات و خرافات کو چھوڑ کر دین فطرت کے قریب آ رہے تھے کہ اس دوران اچانک مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے ایک ایسا تودہ گرا دیا جس نے پورے مسلک دیوبند کا اعتقادی و فکری کچومر نکال دیا، نظر بد اپنا اثر دکھا گئی، شاہ صاحب کی غضب آلود طبیعت نے دن میں تارے دکھا دیئے، اور آپ نے ایک ایسا مسئلہ وضع کر دیا کہ جس کے آثار اس سے پہلے گزشتہ کسی صدی میں نہیں ملتے تھے۔ اور وہ تھا مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار!۔ اس موضوع نے علماء دیوبند میں کس قدر تفریق پیدا کی؟ پڑوسیوں کو جگ ہنسائی کے مواقع ملے، دشمن تیر و تفنگ کے ساتھ علانیہ چڑھ دوڑنے میں کامیاب ہوا، مکتب دیوبند کی چولیں ہل گئیں، نفرتوں کے الاؤ روشن ہوئے، اور اہل حق کی اجتماعی قوت دھوئیں کے مرغولوں کی طرح فضائے آسمانی میں تحلیل ہوگئی، مگر بموجب محاورہ ''زمین جنبد نہ جنبد گل محمد'' شاہ صاحب اپنی سوچ سے نہ ہلے، پرانے یارانے ٹوٹ گئے، بزرگان دین و مشائخ کا اعتماد کھو گیا، مساجد میں غل غپاڑے ہوئے، تھانوں کچہریوں میں مقدمات کا اندراج ہوا، گھر گھر میں نفرت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ حیاتی، مماتی اور پنجپیری، مومی، ایسی اصطلاحات نے جنم لیا۔ مگر شاہ صاحب موصوف شاید عالم ارواح سے طے کر کے آئے تھے

کہ انہوں نے لاکھ کوششوں کے باوصف اور اکابرین امت کی منت سماجت کے باوجود ایک مخصوص اور اجماعی مسئلہ کے انکار کو عوام الناس میں لا کر چھوڑا۔ اس سلسلہ میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا اساسی کردار کیا رہا؟ اس کا آگے بیان ہوگا، فی الوقت ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جمعیت علماء اسلام کو سب سے پہلا دھچکا ان دو بزرگوں (عین غین برادران) نے دیا، جو اصلاً جمعیت ہی کے اپنے اپنے اضلاع کے امیر تھے۔ اور انہوں نے بلا کسی اصولی اختلاف کے ایک الگ پلیٹ فارم تشکیل دیا، جس نے ٹھیک ایک سال کے بعد ۱۹۵۷ء میں مستقل فتنے کی بنیاد رکھ دی۔

متحدہ اسلامی محاذ میں کردار

یہاں ہم قائد اہل سنت کے ہاتھ سے لکھی ایک عبارت پیش کر رہے ہیں، اور اس عبارت سے متصلاً ایک تاریخی دعوت نامہ بھی نذر کر رہے ہیں، جو ہمیں نادر و نایاب ریکارڈ سے دستیاب ہوا ہے، اگر یہ خط نہ ملتا تو شاید ہمیں جمعیت علماء اسلام میں آپ رحمہ اللہ کے فعال کردار کے ضمن میں زیر بحث عنوان پر اِدھر اُدھر سے کافی کچھ تراش کر پیش کرنا پڑتا، جس سے طوالت لازم آتی۔ قائد اہل سنت رقمطراز ہیں:

”فیلڈ مارشل ایوب خان نے عائلی قوانین نافذ کیے جس کی بعض دفعات صراحتاً قرآن (مجید) کے خلاف تھیں۔ جس کی وجہ سے اکابر جمعیت علماء اسلام ایوبی آمریت کا مقابلہ کرنے کے لیے میدانِ عمل میں آ گئے۔ اور ایک متحدہ محاذ بنایا، جس کے سربراہ مشہور احراری رہنما شیخ حسام الدین مرحوم تھے۔ لاہور کے ایک احراری سکول میں محاذ کا اجلاس ہوا جن میں بریلوی، اہل حدیث بھی مدعو تھے۔ سنی دیوبندی جماعتوں میں سے تنظیم اہل سنت کے نمائندہ بھی تھے، اس میں مولانا مفتی محمود نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا تھا۔ اس اجلاس میں مولانا غلام اللہ خان اور مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ اجلاس کے بعد جب ہم جمعیت کے مرکزی دفتر چوک رنگ محل میں آئے تو مولانا ہزاروی نے مجھ سے فرمایا کہ قاضی صاحب! مجھے خطوط بھی آتے ہیں اور ویسے بھی لوگ کہتے ہیں کہ آپ متحدہ محاذ میں اہل حدیث اور بریلویوں کو بھی بلاتے ہیں لیکن جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے مولانا غلام اللہ خان اور شاہ صاحب کو نہیں بلاتے، ہم کیا جواب دیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت جواب صاف ہے، بریلوی اور اہل حدیث حضرات کا اپنا اپنا مسلک متعین ہے۔ مولانا غلام اللہ

صاحب کو کس حیثیت سے بلائیں؟ سنی دیوبندی کی حیثیت سے تو ہم ان کو نہیں بلا سکتے کیونکہ وہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کے منکر ہیں، تو اس پر مولانا رحمت اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔''[1]

صدر ایوب کے خلاف قائد اہل سنت نے جمعیت علماء اسلام کے بنائے جس محاذ کا ذکر فرمایا ہے اس کا پورا نام ''متحدہ اسلامی محاذ'' تھا۔ اور اس کے تحت یہ اجلاس مؤرخہ ۲۸، ۲۹ مئی ۱۹۶۶ء کو گوالمنڈی کے ایک اسکول میں ہوا تھا، چنانچہ قائد اہل سنت کے نام لاہور سے جاری کردہ دعوت نامہ کا مکمل مضمون مندرجہ ذیل ہے۔

دعوت نامہ

دفتر متحدہ اسلامی محاذ لاہور

۶، مئی ۱۹۶۶ء

بخدمت گرامی قدر جناب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین، چکوال

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب محترم ملک اس وقت جن مشکلات سے دوچار ہے، مذہبی تقاضوں سے جو بے رخی برتی جا رہی ہے، معاشرہ جس سرعت کے ساتھ مغربی تہذیب کی لپیٹ میں آ رہا ہے۔ حکومت قرآنی قوانین سے جو بے اعتنائی اختیار کیے ہوئے ہے۔ اور حاملین دین اور علماء اسلام کو جن مصائب کا سامنا ہے، یہ باتیں آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ تحفظ ناموس رسالت و ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم انکارِ حدیث، الحاد و دھریت، اور بے دینی کے طوفانوں کی روک تھام کے لیے مل کر سنجیدگی سے سوچنے اور اسلام کو باقی رکھنے کی جدوجہد کی ضرورت جتنی آج ہے، اس سے پہلے اتنی کبھی نہ تھی، اور اگر چند دن دیر کی گئی تو ممکن ہے کہ اصلاحِ احوال کی جو تھوڑی بہت سہولت آج میسر ہے وہ بھی نہ رہے اس لیے آپ کی اسلامی غیرت اور ملی جذبہ سے یقین ہے کہ درج ذیل پروگرام کے مطابق تشریف لا کر متحدہ اسلامی محاذ کو اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید اور اسلام کے خدمتگاروں کی فہرست میں شمولیت کی سعادت حاصل کریں گے۔ قیام و طعام کا انتظام مجلس استقبالیہ کے ذمہ ہوگا۔

[1] حضرت جہلمی نمبر، صفحہ نمبر ۴۰، ماہ نامہ حق چار یار، ۱۹۹۸ء، لاہور

پروگرام

جائے انعقاد ...... عزیز الاسلام ہائی اسکول، گوالمنڈی لاہور

تاریخ ...... ۲۸،۲۹ مئی ۱۹۶۶ء، بروز ہفتہ واتوار

وقت ...... ① ۸ بجے صبح تا ۱۲ بجے دوپہر

② ۳ بجے تا ۵ بجے سہ پہر

الداعون

① مفتی محمود (قائد جمعیت علماء اسلام پاکستان)

② شیخ حسام الدین احرار (صدر احرار اسلام پاکستان)

③ غلام غوث ہزاروی، ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام

④ مولانا محمد اجمل، ناظم متحدہ اسلامی محاذ پاکستان

اس دعوت نامہ پر حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی قائد اہل سنت کے نام الگ سے بھی ایک تحریر ہے۔ ملاحظہ ہو:

''حضرت قاضی جی مدظلہ......سلام مسنون

ضلع جہلم میں مولانا عبداللطیف صاحب مدظلہ اور حضرت شاہ صاحب ڈومیلی کو دعوت نامے ارسال کئے گئے ہیں۔ آپ ان حضرات سے مشورہ کر کے مزید نمائندے، جو مناسب خیال کریں، ہمراہ لائیں۔ غلام غوث ہزاروی۔''

قائد اہل سنت نے ایوبی آمریت کیخلاف جمعیت کے قائم کردہ متحدہ اسلامی محاذ کے جلسوں میں پنجاب بھر میں شرکت کی، اور مقدور بھر کردار ادا کر کے سرخرو ہوئے، بعض علاقوں میں آپ کی تقاریر پر پابندیاں بھی لگیں، گوجرانوالہ جمعیت علماء اسلام کے ناظم اعلیٰ کے ایک خط سے بھی اس دور کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

''مکرمی حضرت قاضی صاحب زادمجدہٗ۔

''بعد از تحیہ مسنون، گزارش ہے کہ والا نامہ بہ وساطت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب ملا، جواباً عرض ہے کہ آپ مجوزہ پروگرام کے مطابق ۱۲، ۱۳ ستمبر کو گوجرانوالہ تشریف لے آویں۔

مقامی جمعیت انتظام کرے گی۔ البتہ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کی بناء پر اگر حکامِ ضلع نے انعقادِ اجلاس کی اجازت نہ دی تو ثانیاً آپ کو اطلاع دی جائے گی۔ بصورت اجازت یہی اطلاع کافی ہوگی۔ والسلام''[1]

قائد اہل سنت کی بطور امیرِ جمعیت شمالی پنجاب تقرری

۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے انتقال فرمایا تو اب جمعیت علماء اسلام کی زمام کار حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کے ہاتھ میں دی گئی۔ اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ بہ دستورِ سابق ناظم اعلیٰ رہے، ان انتخابات میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سرگودھوی کو شمالی پنجاب کا امیر اور قائد اہل سنت کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا، ۱۹۶۵ء میں مفتی صاحب کی رحلت ہوگئی تو قائد اہل سنت کو شمالی پنجاب کا امیر بنا دیا گیا۔ یہاں ایک درمیانی عرصہ کی یادداشت یہ ہے کہ صدر ایوب کے دورِ حکومت میں تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی لگ گئی تھی، جس کی وجہ سے جمعیت علماء اسلام نے ''نظام العلماء'' کے متبادل نام سے کام شروع کر دیا تھا۔ ایوبی آمریت نے حضرت لاہوری رحمہ اللہ اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی زبان بندی کے آرڈر نافذ کئے تو ''نظام العلماء'' کی قیادت بطورِ قائم مقام حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے سپرد کر دی گئی تھی چنانچہ علامہ افغانی رحمہ اللہ نے اپنی مجلس شوریٰ میں قائد اہل سنت کو بھی رکن شوریٰ تجویز فرما دیا تھا، یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ سے کر اب تک قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو اکابرین جمعیت علماء اسلام کا لمحہ بہ لمحہ اعتماد نصیب تھا۔

قائد اہل سنت طبعاً مولانا ہزارویؒ کے ہم ذوق تھے، مولانا مفتی محمودؒ کے نہیں[2]

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ جب امیر بنے تو مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ اپنے ناظم عمومی والے عہدہ پر بحال رہے۔ اس کے بعد انتخاباتِ جدید میں ناظم اعلیٰ کے انتخاب کا وقت آیا تو چند علماء نے باہم مشورہ کیا کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کو ہی

---

[1] محمد یوسف / ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام گوجرانوالہ / بنام حضرت قائد اہل سنت مکتوب مرقومہ، مؤرخہ ۴، ستمبر ۱۹۶۴ء۔

[2] اس میں نہ تو قائد اہل سنتؒ کی منقبت ہے اور نہ مولانا مفتی محمودؒ کی خدانخواستہ تنقیص! اس لیے اس عبارت اور تشریح کو فقط ذوق کے آئینہ میں ہی دیکھا جائے، شکریہ۔ سلفی

اس عہدہ پر بحال رکھنے کے لیے سعی بلیغ کی جائے، چنانچہ جمعیت علماء اسلام کے قدیم انتخابی مزاج کے مطابق جوڑ توڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت ہزاروی رحمہ اللہ کو ناظم اعلیٰ برقرار رکھنے میں مندرجہ ذیل حضرات بہت سرگرم تھے۔

① قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

② حضرت مولانا محمد رمضان رحمہ اللہ، امیر جمعیت علماء اسلام ضلع میانوالی

③ حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی رحمہ اللہ

④ حضرت مولانا سید گل بادشاہ رحمہ اللہ، امیر صوبہ سرحد

مگر اجلاس میں جب علماء کی اکثریت نے مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کو ''ناظم اعلیٰ'' منتخب کر دیا تو یہ حضرات خاموش رہے اور اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

۱۹۶۸ء کی ''آئین شریعت کانفرنس'' اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کا ایک دلچسپ خط بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ

۳ تا ۵ مئی ۱۹۶۸ء کو موچی دروازہ لاہور میں حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی رحمہ اللہ کی صدارت میں ''آئین شریعت کانفرنس'' منعقد ہوئی تو اس کو کامیاب کرنے میں قائد اہل سنت نے بھی انتھک محنت کی تھی۔ مولانا عبد اللطیف جہلمی رحمہ اللہ، مولانا عبد اللطیف بالاکوٹی (سرائے عالمگیر، جہلم) اور قائد اہل سنت کی جلوسوں کی دیکھ بھال کی ڈیوٹی تھی۔ اور ان شاندار جلوسوں نے ملک بھر میں جمعیت کی دھاک بٹھا دی تھی۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا مزاج یہ تھا کہ جماعت میں رہتے ہوئے جماعتی پالیسیوں پر مخلصانہ نقد و جرح کرتے رہتے تھے اور اس مقصد کے لیے جماعت کے اجلاسوں، ذاتی ملاقاتوں اور بعض دفعہ بذریعہ خط و کتابت اظہارِ خیال فرما دیتے تھے۔ چنانچہ آئین شریعت کانفرنس سے تحریک خاکسار کے نمائندہ نے بھی جب خطاب کیا تو قائد اہل سنت نے اس پر اپنا احتجاج قلمبند کروایا۔ خاکساروں کی وہ نمائندگی کوئی اتنی توانا آواز نہیں تھی، وگرنہ مولانا ہزاروی رحمہ اللہ بذاتِ خود اس معاملہ میں حساس تھے۔ لیکن قائد اہل سنت رحمہ اللہ کسی شکل میں بھی باطل یا متاثرین باطل سے اشتراک کے حق میں نہیں تھے۔ آپ نے مولانا ہزاروی کو بانی تحریک خاکسار عنایت اللہ خان المشرقی کی کتب سے کچھ حوالہ جات نقل کر کے بھیجے کہ ان سے اشتراک عمل کیسے ہو سکتا ہے جس کے عقائد بھی خلافِ شرع ہیں؟ جس پر مولانا ہزاروی رحمہ اللہ نے

قائد اہل سنت کو ایک جوابی خط لکھا، اس خط میں برداشت، ظرافت، عاجزی، متانت، وسعت قلب اور حوصلہ و بردباری غرضیکہ شرفِ انسانی کا ہر ذائقہ پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے!

محترم المقام، مخدوم مکرم حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

① آپ کے ارسال کردہ اقتباسات پہنچ گئے ہیں۔ حضرت میں تو ان کتابوں کا حافظ تھا، آپ نے جو تکلیف فرمائی اور مختلف حضرات کو تحریریں بھیجیں، مجھے آپ کی اس تکلیف سے تکلیف ہوئی۔ اجر آپ کو ملے گا، مگر ہمیں آپ کی تکلیف سے کوفت ہوئی۔ بہر حال ہم تو آپ کے مرید ہیں، چاہے بیعت نہ کی ہو۔ اس لیے بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے عقائد پر اثر پڑنے کا خطرہ نہیں ہے باقی دوسرے فریق کو قریب کرنا تبلیغی نقطہ نظر سے مفید ہے۔ واللہ مقلب القلوب یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔ چند حضرات کی غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں تو غنیمت ہے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ جو قدم نیک نیتی سے اٹھایا جائے، اگر خدانخواستہ غلط بھی ہو تو اللہ تعالیٰ نتیجتاً اس کو مفید بنا دیتے ہیں، جیسا کہ پہلے مودودی کے ساتھ ڈھاکہ میں ہوا، اگرچہ میری طبیعت پر اتنا ہی بوجھ تھا جتنا آپ کے قلب مبارک پر، مگر سارے بزرگ بیٹھے تھے۔ نیت صحیح تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حق گوئی و حق پسندی کا اجر دے دیا ہے، ہمیں دوسری طرح کامیاب کر دیا۔ اس کے ہاں کیا کمی ہے؟

③ بعض سیاسی وجوہ ہیں جن کا ذکر خط میں مناسب نہیں ہے۔ بہر حال آپ ہمارے سرپرست ہیں، آپ غلطی کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف گڑگڑا کر درخواست پیش کریں کہ وہ ہمیں غلطی پر گرفت سے معاف کر دے۔ آخر آپ کی شفقت کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے۔ نہ یہ کہ اپنے بچوں، اپنے عزیزوں، اپنے دوستوں اور اپنے معتقدوں کی گردن پر چھری رکھ دیں، ان کو ذلیل کریں، ان کے خلاف محاذ بنائیں، آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ ہمارے گناہ معاف کر دے۔ ہمارے اقدامات کا نتیجہ دینی لحاظ سے اچھا کر دے۔ وہ یہ بھی تو کر سکتا ہے۔

④ آپ دلائل سے بات نہ سمجھائیں، میں آپ کی بات اور اس کا مطلب سمجھا ہوا ہوں کہ ہم ان کو دین داری کا سرٹیفکیٹ کیوں دیتے ہیں؟ محترم المقام، یہ صرف اصطلاحی نام ہے، حقیقت نہیں ہے اور مقصد صحیح، اگر یہ بات میری غلط ہو تو بھی میں اعتراف کرلوں گا مجھے آپ کی بات کی صحت، آپ کی نیت کی صحت اور جذبہ کے صادق ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اور میں بہر حال آپ کی طرف سے دفاع ہی

کرتا ہوں۔ مگر درخواست ہے کہ چھوٹوں کے عیبوں پر پردہ ڈالیں اور حسن انجام کی دعا کریں، اور سب کی ہدایت کی بھی۔

⑤ حضرت کے طریق کار سے اگر ضلعی سطح پر جمعیت کو نقصان پہنچے تو بھی آپ کا اپنا نقصان ہے۔ جمعیت کا نقصان امریکہ، یہود اور مودودی سب چاہتے ہیں۔ بہرحال آپ سے نہ بحث ہے، نہ آپ کے ارشاد پر اعتراض ہے، ایک درخواست ہے، جس کو بالمشافہ پیش کرنے کے لیے حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب مخدوم پوری کی خدمت میں عرض کیا ہے۔ انہوں نے مان لیا، آپ ان کو سادات کا جرگہ ہی سمجھ لیں کہ حضرت مدنی کے خاندان سے ہیں اور ہمارے حال پر رحم کردیں۔ فقط، دعا کا طالب[1]۔

۱۹۶۸ء میں ہونے والی اس ''آئین شریعت کانفرنس'' کے انعقاد سے ماہ، سوا ماہ پہلے جو حضرت ہزاروی رحمہ اللہ نے قائد اہل سنت کو مشاورتی میٹنگ میں شرکت کرنے کے لیے بلایا تھا، وہ خط بھی ملاحظہ ہو:

مکرم ومحترم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

جیسا کہ آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ۳، ۴ مئی ۱۹۶۸ء کو لاہور میں کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس کے انتظامی امور طے کرنے اور مجلس استقبالیہ تشکیل دینے کے لیے ایک خصوصی میٹنگ ۲۷ ذوالحج ۱۳۸۷ھ بمطابق ۲۷، مارچ ۱۹۶۸ء بروز بدھ بہ وقت ۹ بجے دن مرکزی دفتر جمعیت علماء اسلام چوک رنگ محل لاہور میں بلائی گئی ہے۔ جس میں آپ کی شمولیت بھی نہایت ضروری ہے۔ براہِ کرم مقررہ تاریخ اور وقت پر تشریف لاکر اجلاس کو اپنے قیمتی مشوروں، تعاون سے بہرور فرمائیں۔ نیاز مند[2]۔

یہ خط بھی ہمارے اس دعوے کا بھرپور موید ہے کہ اکابرین جمعیت کے ہاں حضرت قائد اہل سنت کے اختلافی آراء کی بہت قدر تھی اور باوجودیکہ بعض مرتبہ شخصی رائے کے اظہار میں لہجے یا تحریر میں تلخی و سختی بھی در آئی مگر اکابرین جمعیت چونکہ آپ کے اخلاصِ قلبی سے واقف تھے، اس لیے وہ پوری خندہ جبینی کے ساتھ آپ رحمہ اللہ کے اختلافات کو سنتے، برداشت کرتے، تبادلۂ خیالات کرتے اور پھر آپ کے مقام ومرتبہ کے پیش نظر جہاں نظر ثانی کی گنجائش ہوتی، اصلاح کر لیتے یا پھر بصورتِ دیگر برداشت پر ہی

---

[1] غلام غوث ہزاروی، مولانا: مکتوب بنام قائد اہل سنت، مرقومہ ۱۸، ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ بمطابق ۱۹۶۸ء

[2] غلام غوث ہزاروی، مولانا: مرقومہ ۱۶، مارچ ۱۹۶۸ء از لاہور

اکتفاء کرتے، مگر جہاں کہیں دین اسلام کے مبادیات یا اہل السنۃ والجماعۃ کے متصادم کوئی بات محسوس کرتے تو قائد اہل سنت رحمہ اللہ اپنی رائے پر جوں کے توں قائم رہتے اور اس سلسلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت یا تعلق کو درخورِ اعتناء نہ سمجھتے جیسا کہ آپ آگے چل کر آپ جمعیت علماء اسلام سے استعفیٰ کی وجوہات کا مطالعہ کرنے سے جان لیں گے کہ اصولوں کی پاسداری کے لیے ایک وضعدار شخصیت کو کس قدر قربانیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

''پاکستان تحریک جمہوریت'' سے اختلاف اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا مفکرانہ پیغام، اکابرین جمعیت کے نام

ایوب کے دورِ حکومت میں جب مشرقی پاکستان کے مجیب الرحمن کو پابند سلاسل کر دیا گیا تھا تو ان کی رہائی کے لیے عوامی لیگ اور ولی خان کی نیشنل عوامی پارٹی نے مل کر مؤرخہ ۸ جنوری ۱۹۶۹ء کو بنگلہ دیش کے شہر ڈھاکہ میں ایک اجلاس منعقد کرنے کا اعلان کیا تو اس میں جمعیت علماء اسلام کو بھی مدعو کیا گیا، حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ نے اس محاذ سے اتفاق فرمانے کی تجویز دی تھی جبکہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ، مولانا سید گل بادشاہ، حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور مولانا محمد رمضان رحمہ اللہ (فاضل دیوبند) میانوالی نے اختلاف کیا تھا، بہر حال جب اس اجلاس میں شرکت کی غرض سے وفد ڈھاکہ جانے لگا تو حضرت درخواستی رحمہ اللہ نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ٹکٹ کا انتظام کر دیا تھا، کیونکہ آپ جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اہم رکن بھی تھے، تو آپ کا جانا بھی ضروری تھا، مگر ہوا یوں کہ روانگی سے چند دن قبل قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو شدید بخار ہو گیا، جس کی بناء پر آپ کا جانا ناممکن ہو کر رہ گیا۔ اس لیے آپ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا شمس الدین قاسمی رحمہ اللہ (ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام مشرقی پاکستان) کے نام بذریعہ ڈاک اپنا مفصل موقف اور تجویز نامہ ارسال فرمایا تھا، جس میں کئی ایک دلائل کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کا ''تحریک بحالی جمہوریت'' میں شامل ہونے کو نامناسب ثابت کیا گیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس محاذ میں زیادہ تر تسلط سیکولر جماعتوں کا تھا، اور جو دین دار جماعتیں تھیں بھی، تو وہ اپنے بعض افکار و خیالات کی وجہ سے متنازعہ بن چکی تھیں (مثلاً تحریک خاکسار اور جماعت اسلامی)، قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے یہ عریضہ اس لیے ارسال فرمایا تھا تاکہ اسے اجلاس سے قبل پڑھ کر سنا دیا جائے، یعنی اکابرین جمعیت کو اس محاذ میں شرکت

کے نقصانات سے آگاہ کر دیا جائے۔حضرت مولانا شمس الدین قاسمی رحمہ اللہ کے نام قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا وہ مفصل عریضہ من وعن پیش خدمت ہے، اسے ملاحظہ فرمائیے اور آپ کی فراست وبصیرت سے متعلق اپنی رائے قائم کیجیے! تاہم یہ یاد رہے کہ کسی کی فراست کو جانچنے کے لیے کسی قدر اپنا صاحب فراست ہونا بھی ضروری ہے۔

☆ مولانا شمس الدین قاسمی رحمہ اللہ کے نام قائد اہل سنت کا تجویز نامہ

بخدمت حضرات علمائے امت وزعمائے ملت نصرکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! عرض آنکہ بندہ بوجہ علالت اس اہم اجلاس میں حاضر نہیں ہوسکا۔ غالباً اس اجلاس کا اہم مسئلہ تحریک جمہوریت کے ساتھ اشتراک یا عدم اشتراک کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس لیے اس بارے میں بندہ کی رائے عدم اشتراک کی ہے اور اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

① جمعیت علمائے اسلام کا نصب العین اور مشن خالص اسلام ہے اور تحریک جمہوریت کا عنوان ومقصد خالص موجودہ مروجہ جمہوریت ہے جو زیادہ تر غیر اسلامی ہی ہے۔ اس اشتراک کے بعد جمعیت علمائے اسلام کا نصب العین سخت مجروح ہوگا۔

② کام کے لحاظ سے بھی اور قوم کے سامنے بھی جمعیت کا نصب العین جمہوریت ہی قرار دیا جائے گا اور اخبارات میں عموماً کاروائی جمہوریت کے عنوان سے ہی شائع ہوگی۔

اس طرح اسلام قوم کی نظر سے اوجھل ہو جائے گا اور جمعیت علمائے اسلام بجائے عروج کے تنزل میں پڑ جائے گی۔

③ بلاشک موجودہ حکومت کی مخالفت اور اس کے اقتدار کو زائل کرنا اہم دینی وملی فریضہ ہے۔ اور قوم تقریباً ساری کی ساری حکومت کے خلاف میدان میں آچکی ہے۔

اس جذبہ سے اگر علماء قوم کا رُخ اسلام کی طرف پھیرنا چاہیں تو بہت آسان ہے۔ لیکن برعکس اس کے اگر قوم کا رُخ جمہوریت کے نعرہ کی طرف پھیرا گیا تو پھر ذہنوں کو اسلام کی طرف لانا بہت مشکل ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس طریق سے مجوزہ جمہوریت کامیاب ہو یا نہ۔

④ بندہ کی رائے میں اب تک پاکستان کا ۲۱ سالہ دور جو اسلام سے محروم رہا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں نے وقتی سیاسی مفادات کی خاطر اسلام کو نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ قومی اسمبلی میں اپوزیشن کی طرف سے مودودی جماعت سمیت ارتداد کی اجازت

دینا اس سلسلے کی ایک منحوس کڑی ہے۔ اور یہ جمہوری لیڈر آئندہ بھی اسلام کے ساتھ یہی معاملہ کریں گے۔ جمہوری تحریک کے لیڈروں کی زندگی پر نگاہ ڈال لیں۔ اور خدا جانے یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟ اگر علمائے حق بھی اسی سیاسی جمہوری چکر میں پڑ گئے تو پھر اسلام کا عنوان اور کام قومی زندگی سے خارج از بحث ہو جائے گا۔ معاذ اللہ۔ گویا اس طرح ہم عملاً دین کو سیاست سے جدا کر دیں گے خواہ وقتی طور پر ہی ہو اور اگر اس کا حل اس صورت میں تجویز کیا جائے کہ جمعیت علمائے اسلام اپنے نصب العین اسلام پر مستقلاً کام کرتی رہے گی اور جمہوریت کا کام تو محض وقتی ضرورت کے تحت مشترکہ طور پر ہوگا جس سے اسلام کی اہمیت باقی رہے گی۔ تو بندہ کی رائے میں اسلام کا کام عملاً قوت کے ساتھ نہیں ہو سکے گا جو مقصود ہے۔ مودودی جماعت نے جس زور سے اسلام کا نعرہ لگایا تھا اور اسلام کے نام پر ہی اس نے کئی لوگوں کو متاثر کیا۔ لیکن تحریک جمہوریت کے ساتھ اشتراک کی وجہ سے اخبارات میں اب اس کا مستقلاً وجود نہیں رہا۔ جمہوریت کے عنوان سے ہی کارروائیاں شائع ہو رہی ہیں اور عوام کی نظر میں بھی یہ جماعت اب اسلامی کے بجائے جمہوری ہی رہ گئی ہے۔ اور یہی تاثر اور خطرہ ہمیں جمعیت علمائے اسلام کے متعلق بھی ہے۔

⑤ اس وقت کامیاب احتجاجی جلوسوں کی وجہ سے جمعیت کا سیاسی وجود ملک میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اور چونکہ جمعیت علمائے اسلام کے کتبے عموماً اسلامی مطالبات پر مشتمل تھے اس لیے روز ناموں میں انہی عنوانات سے جمعیت کا تعارف ہوا۔ مثلاً جمعیت علمائے اسلام اسلامی نظام کے لیے جدو جہد کرتی رہے گی۔ وغیرہ۔ حالانکہ اس سے پہلے جب تحریک جمہوریت کے جلوس نکلے تو اخبارات میں اسلامی عنوانات کے بجائے جمہوری عنوان ہی نمایاں طور پر لکھے گئے۔ مثلاً جمہوریت کاملہ بحال کی جائے گی۔ تو جمعیت علمائے اسلام کے جلوسوں نے قوم کو پھر اسلام کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور جمعیت کی یہی خصوصیت ہونی چاہیے۔ لیکن تحریک جمہوریت میں شامل ہونے کے بعد جمعیت کی کوئی شرعی حیثیت نہیں رہے گی۔

⑥ اس وقت جو جماعت مستقلاً کسی مؤثر عنوان کے تحت کام کرے اور اہل اقتدار کو بھی چیلنج کرتی رہے تو عوام میں اسی عنوان سے مقبول ہوگی اور اسلامی عنوان سے اس وقت جمعیت کے لیے کام کرنا سب سے زیادہ مفید اور مؤثر ہے۔ بھٹو سیاست میں نو وارد ہے لیکن اس نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگا کر کھل کر حکومت کی مخالفت کی ہے۔ تو اس سے اس کی مقبولیت بڑھ گئی ہے۔ اور اس کی پارٹی کو

اپنا نصب العین اتنا عزیز ہے کہ اس نے تحریک جمہوریت کے فیصلہ کی پرواہ کیے بغیر بھٹو کے صدارتی امیدوار ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور غالباً اس نے اپنا مستقلاً وجود منوانے ہی کے لیے ایسا کیا ہے۔ حالانکہ اپنے اسلامی نصب العین کی طرف زیادہ کھل کر موجودہ حالات میں قوم کو دعوت دینا علمائے اسلام کا کام تھا۔ صرف چند جلوسوں کی وجہ سے ہی جمعیت کا وقار بڑھ گیا ہے۔ تو اگر ملک میں مزید مؤثر کاروائیاں کی جائیں تو ان شاء اللہ اسلام کا وقار بہت زیادہ بڑھ سکتا ہے۔

⑦ دوسرا پہلو جس کی وجہ سے بندہ کسی صورت میں تحریک جمہوریت سے علمائے حق کا اشتراک برداشت نہیں کرسکتا وہ مودودی جماعت کی اس میں شمولیت ہے۔ بندہ دینی اعتبار سے مودودی کو صدر ایوب اور دیگر ملاحدہ سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہے۔ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی قدس سرہٗ اور مفسر قرآن حضرت لاہوری قدس سرہ، جیسے اکابر نے اپنی خداداد بصیرت کی بنا پر مودودی کی جو مخالفت کی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں مذہبی طبقے مودودیت سے متنفر ہوئے ہیں۔ اور پھر مودودی کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف نوجوان طبقہ پر جو برے اثرات ڈالے ہیں اسی بنا پر بھی متعدد علماء اس سے بدظن ہوئے ہیں اور اس پارٹی کو علمائے حق کے ساتھ جو بہت زیادہ قلبی عداوت ہے اور مودودی اپنا مفروضہ جدید اسلام ہی لانا چاہتا ہے۔ علمائے حق کے اس اشتراک سے ہی عوام کی نظر میں وہ باہمی نظریاتی کشمکش زائل ہوجائے گی اور اب تک تحریری اور تقریری طور پر خود اکابر جمعیت کی طرف سے جو مخالفت کی گئی ہے اس کا اثر بالکل زائل ہوجائے گا۔ بلکہ من وجہ علمائے حق کے خلاف ہی اثر پڑے گا۔ کیونکہ عوام اس گہرائی میں نہیں جاسکتے کہ یہ اشتراک صرف جمہوریت کی حد تک ہے۔

⑧ تحریک جمہوریت میں بعض جگہ صدر یا سیکرٹری مودودی ہیں بلکہ شیعہ اور دیگر ملحد بھی ہیں۔ اس اشتراک کے بعد علماء کو بعض مقامات پر ان کی قیادت ضرور تسلیم کرنی ہوگی اور کم از کم بندہ کے لیے تو یہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں روافض کے فتنہ سے بھی پالا پڑا ہوا ہے۔

پہلے ہی اہل سنت عوام کی مذہبی پوزیشن ملک میں بالکل ختم ہے۔ اس اشتراک کے بعد تو کوئی روافض کے خلاف بات نہیں کر سکے گا۔ اور نہ مودودی کے خلاف کارروائی ہوسکے گی۔ اور اگر ہم بدستور مخالفت کرتے رہے تو جمعیت کے فیصلہ کے تحت بے ضمیر ہوکر وقت گزارنا ہوگا۔ یا پھر جمعیت کی خدمت سے محروم ہونا پڑے گا۔ تو ان دینی اور سیاسی وجوہ کی بناء پر بندہ اس اشتراک میں نفع

کم اور نقصان زیادہ سمجھتا ہے۔ گویا فیہما اثم کبیرو منافع للناس و اثمہما اکبر من نفعہما کا ہی مصداق ہے۔ علاوہ ازیں مودودی پارٹی امریکن بلاک ہے۔ جس کے ہم سخت مخالف ہیں۔ وہ بنسبت یہود صدر ناصر کی زیادہ مخالف ہے۔ تو اشتراک کے بعد ان تضادات کا کیا علاج ہوگا؟ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ملکی سیاست کے اس نازک موڑ پر جمعیت علمائے اسلام کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ بجاہ النبی الکریم ﷺ۔[1]

مولانا شمس الدین قاسمی رحمہ اللہ کی قائد اہل سنت سے ملاقات، اور موقف کی بھرپور تائید

ڈھاکہ والے اس اجلاس کے چودہ سال بعد، جبکہ قائد اہل سنت جمعیت سے استعفیٰ دے چکے تھے، آپ رحمہ اللہ کی ملاقات مولانا شمس الدین قاسمی رحمہ اللہ سے مکۃ المکرمۃ میں ایام حج میں ہوئی۔ یہ ماہ ستمبر ۱۹۸۳ء بمطابق ماہ ذوالحج ۱۴۰۳ھ کی بات ہے، متذکرہ ملاقات میں مولانا شمس الدین قاسمی نے کہا کہ:

> ''مودودی جماعت سے اشتراک کے عدم جواز کی آپ کی رائے صحیح تھی۔ ہم نے مودودی جماعت سے اشتراک کر کے بڑا نقصان اٹھایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ مولانا مفتی محمود صاحب جب آخری بار ڈھاکہ تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا تھا کہ جماعت اسلامی سے کبھی اشتراک نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بہت ناقابل اعتماد جماعت ہے۔'' (یہ بات درج کرنے کے بعد قائد اہل سنت فرماتے ہیں) '' کاش کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم شروع سے ہی مودودی جماعت کے بارے میں شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کے ان الہامی ارشادات پر عمل کرتے جس میں حضرت نے مودودی صاحب کو عظیم فتنہ قرار دیا ہے تو مودودی جماعت کی زہریلی پالیسی سے محفوظ ہو جاتے۔''[2]

مجلس عمل سے اختلاف اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے نام تفصیلی خط

ڈھاکہ والے اجلاس میں جمہوری محاذ میں شرکت و شمولیت کا اعلان کرنے کے بعد جمعیت علماء اسلام نے جب ''مجلس عمل'' کے نام سے مذہبی جماعتوں کا اشتراکی نظم تشکیل دیا تو حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے مرکزی امیر جمعیت علماء اسلام کل پاکستان حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی رحمہ اللہ

---

[1] مظہر حسین قاضی، قائد اہل سنت، مولانا، مرقومہ، ۳۰ دسمبر ۱۹۶۸ء، ۹ شوال المکرم ۱۳۸۸ھ۔

[2] مولانا عبداللطیف جہلمی نمبر، صفحہ ۴۵، ماہنامہ حق چار یار، لاہور ۱۹۹۸ء۔

کے نام بھی ایک مفصل عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، جو ہمیں تاریخی ریکارڈ سے مہیا ہوا ہے۔ یہ خط بھی اصولوں کی پاسداری اور مذہب حق پر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے تصلّب کا روشن نمونہ ہے۔ یاد رہے کہ ان اختلافی آراء میں وقتی طور پر تو اکابرین جمعیت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے موقف کو مروجہ زورِ دلیل سے کمزور ثابت کردیتے ہوں گے۔ تاہم نتیجے کے لحاظ سے وہ اقرار کئے بناء نہ رہ سکتے کہ واقعی قائد اہل سنت کا موقف اس بابت صائب و صحیح تھا، جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس پر بحث گزر آئی ہے۔ بہر حال حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے نام آپ کا یادگار اور تفکر و تدبر سے بھرپور عریضہ ملاحظہ ہو:

مخدومنا و مولانا حضرت اقدس عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

عرض بخدمت عالیہ آنکہ طالب خیر بخیر ہے۔ حج بیت اللہ سے حضرت مدظلہ کی واپسی کا علم حاجی لال حسین صاحب کے خط کے ذریعہ ہوا۔ بعد ازاں معلوم ہوا ہے کہ حضرت جب خانپور تشریف لائے تو بعض حضرات نے مولانا عبداللطیف صاحب اور بندہ کے متعلق شکایات پیش کی ہیں۔ واللہ اعلم

اس کے متعلق بندہ خدمت عالیہ میں کچھ عرض کرتا ہے اور اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ ہم نے ''جمہوری مجلس عمل'' کے پروگرام سے جو اختلاف کیا ہے اس کا منشاء ہمارے نزدیک کیا تھا؟

یہ تو چکوال کی قرارداد کے ساتھ ہی بندہ نے عرض خدمت کردیا تھا کہ مجبوری سے یہ اختلاف رائے کیا ہے ورنہ حضرت سے جو عقیدت ہے اس کی بنا پر یہ بھی بہت مشکل تھا۔ اور اس سے حضرت ناراض نہ ہوں۔

حضرت! لاہور میں حضرت مفتی صاحب سے بندہ نے یہ عرض کردیا تھا کہ آپ جہلم اور چکوال کو ''مجلس عمل'' کے پروگرام سے مستثنیٰ کردیں۔ لیکن بعض حضرات نے جہلم اور چکوال کے لیے حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور کا پروگرام رکھوا ہی لیا۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نے مولانا انور صاحب کی خدمت میں آدمی بھیج کر درخواست کی کہ مقامی حالات کے پیش نظر آپ جہلم تشریف نہ لائیں، لیکن مولانا موصوف تشریف لے آئے۔ اور پھر مولانا محمد اکرم صاحب نے مولانا عبداللطیف صاحب کے مقابلہ میں علیحدہ جمعیت علماء اسلام کی تشکیل کی کوشش کی۔ اور مولانا محمد اکرم صاحب نے جمہوری مجلس عمل کے جلسہ عام میں بلا نام لیے مولانا عبداللطیف صاحب کا جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ ہم نے ڈھاکہ میں اسلامی مطالبہ اس لیے نہیں رکھا کہ صدر ایوب سے اس کی توقع نہ تھی۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ تھا۔ مفتی صاحب نے خود بندہ سے یہ فرمایا تھا کہ ہم نے اسلامی مطالبہ منوانے کی اجلاس ڈھاکہ میں بہت

کوشش کی لیکن بعض پارٹیوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا، مولانا محمد اکرم صاحب کی یہ تقریر نوائے وقت میں شائع ہوئی تھی اور چونکہ یہ بات خلاف واقعہ تھی اور نیز مولانا صاحب جہلمی کے مقابلہ میں وہ جمعیت بنوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس لیے میں نے ان کے جواب میں ایک مختصر بیان اخبارات کو دیا۔ لیکن وہ صرف ''کوہستان'' نے شائع کیا اور وہ بھی اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر۔ اس سے پہلے بھی جنگ اور کوہستان میں میرا بیان شائع ہوا تھا اور وہ بھی کسی نمائندہ نے میری تقریر کے اقتباسات کے ساتھ شائع نہ کیا تھا۔

④ اسلامی مطالبہ جمہوری مجلس عمل میں نہ پاس کرانے کے باوجود اشتراک کرنے سے بھی ہمیں رنج تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے جمعیت کے اجلاس منعقدہ ۴، جنوری میں یہ پاس ہو چکا تھا کہ بغیر اسلام کے ہم کسی پارٹی سے اشتراک نہیں کریں گے۔ علاوہ ازیں مودودی سے اشتراک ہمارے لیے بہت پریشان کن تھا۔ اور اس کے لیے ہمارے سامنے حضرت مدنی قدس سرہ کے ایسے ارشادات تھے کہ:

① ایک صاحب کے جواب میں حضرت رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا کہ:

''اس کے ساتھ مل کر کام کرنا اور تعاون کرنا درست نہیں ہے۔ اس جماعت کی کوششیں اس اسلام کے لیے نہیں جو کہ حقیقی ہے بلکہ ایک نام نہاد مودودی صاحب کے اختراعی اور نئے اسلام کے لیے ہیں۔''

یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

''اس کے اصول وعقائد دین اسلام اور اس کے عقائد کے خلاف ہیں۔ ان سے علیحدہ رہنا اشد ضروری ہے۔'' (یہ مکتوب گرامی علیحدہ چھپا ہوا ہے)

خود بندہ نے حضرت قدس سرہ سے یہ عرض کیا تھا کہ اسلامی نظام کے لیے مودودی جماعت سے مل کر کام کیا جائے یا نہ؟ تو حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ: افسوس صد افسوس کہ بہت سے علماء اور فارغینِ دارالعلوم بھی مودودی صاحب کی تلبیسات کا شکار ہو رہے ہیں۔ آپ بھی اس جماعت کی تنظیم اور ڈسپلن کی تعریف کرتے ہوئے اس میں شرکت کی خواہش کر رہے ہیں یا تردد میں ہیں۔ جس طرح چکڑالوی، قادیانی، مشرقی نے نیا دین اور نیا اسلام بنایا ہے اسی طرح مودودی صاحب نے نیا اسلام بنایا ہے[1]۔

حضرت لاہوری قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ''حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب'' کے ص ۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ:

[1] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۴، ص ۱۱۸۔

''مودودی صاحب محمدی اسلام کا ایک ایک ستون گرا رہے ہیں۔''

ان اکابر حضرات کے اس قسم کے ارشادات کے پیش نظر یہ بات سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی کہ مودودی جماعت کے ساتھ مل کر ''جمہوری مجلس عمل'' کی تشکیل کی جائے۔ اور پھر جہلم اور چکوال کے حالات خاص تھے۔ یہاں ہم نے مودودیت اور رفض کے ازالہ کے لیے بڑی محنت کی ہوئی تھی۔ اور مجلس عمل میں یہاں ان دونوں پارٹیوں کے افراد تھے۔ حضرت صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے لیے تو مودودیوں کے ساتھ شریک ہو کر کام کرنا موت سے کم نہیں تھا۔ چکوال میں جب مولانا عبیداللہ صاحب انور تشریف لائے ہیں۔ تو آنے جانے میں ان کے ساتھ مودودی ہی تھے۔ وہی منادی کرنے والے، وہی کھانا کھلانے والے۔ یہاں تحریک جمہوریت میں وہی کام کرنے والے تھے۔ اور اسی عنوان سے انہوں نے جلسہ کی منادی کی۔ یہاں ''مجلس عمل'' تھی ہی نہیں۔ جہلم میں بھی مولانا عبداللطیف صاحب اگر مجلس عمل میں شرکت کرتے تو مودودی اور اہل رفض دونوں کی کامیابی تھی۔ اور ان کی پہلی محنت ضائع ہو جاتی۔ حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب، مولانا علاؤ الدین صاحب (ڈیرہ اسمٰعیل خان) اور مولانا قاضی عبداللطیف صاحب (کلاچی) لاہور سے واپسی پر یہاں تشریف لائے اور مقامی حالات بندہ نے ان کے سامنے رکھے تو انہوں نے فرمایا کہ ''جمعیت کے بزرگوں کو جہلم اور چکوال کا پروگرام نہیں بنانا چاہیے تھا۔'' ممکن ہے دوسرے مقامات میں علمائے کرام کو رفض و مودودیت سے کسی خاص کشمکش کا موقعہ نہ ملا ہو۔

③ مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی کو ڈھاکہ کی کارروائی اخبارات میں آنے پر بہت تردد لاحق تھا کہ کیا کیا جائے تو انہی ایام میں ان کو یہ تین خواب آئے:

① انہوں نے دیکھا کہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ تقریر فرما رہے ہیں۔ تقریر ختم کی تو دو آدمی حضرت کے پاس گئے ان کی ڈاڑھیاں چھوٹی چھوٹی تھیں اور رنگ بھورے سے تھے ان دو آدمیوں نے حضرت سے کہا کہ حضرت آپ کی تقریر تو اچھی تھی لیکن زیادہ سختی نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت کو ان کی یہ بات ناگوار گزری۔ پھر مولانا عبداللطیف صاحب تازہ وضو کے لیے گئے۔ ایک صاف پانی کی نہر جاری تھی اس پر جب وضو کرنے لگے تو اچانک سامنے سے ایک نالی سخت گندے پانی کی آملی جس میں گندگی ہی تھی۔ مولوی صاحب وہاں سے اُٹھ کر دوسری جگہ وضو کرنے گئے اونچی جگہ سے پانی گرتا تھا وہاں دیکھا تو اس میں بھی گندگی ہے۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ اس کی تعبیر انہوں نے یہ نکالی کہ یہ مودودی وغیرہ کی گندگی مل گئی ہے۔

② دوسری رات حضرت والا مدظلہ کی ان کو زیارت ہوئی۔ آپ کی خدمت میں چند آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور آپ نے تین مودودیوں کو کان پکڑوا رکھے تھے اور آپ غصہ سے ایک اور آدمی کو فرما رہے تھے کہ ایک لکڑی وہاں سے اٹھا کر ان کو مارو۔ وہ لکڑیوں کے پاس جا کر توقف کرتا ہے تو مولانا عبداللطیف صاحب نے بھی اس کو زور سے کہا کہ ان کو مارو۔ کیوں نہیں مارتے؟ اس نے ایک لکڑی اٹھائی اس پر ان کی آنکھ کھل گئی۔ اس خواب سے بھی انہوں نے یہ سمجھا کہ ڈھاکہ کی کارروائی میں شاید کسی سے غلطی ہوئی ہے۔ جس پر حضرت والا ان کو یہ سزا دے رہے ہیں۔

③ تیسری رات ان کو یہ خواب آیا کہ وہ اپنے مکان کے ایک کمرے میں صبح لیٹے ہوئے ہیں۔ اور دوسری چارپائی پر ان کا چھوٹا بھائی مختار احمد الحسینی لیٹا ہوا ہے۔ تو اچانک ایک سینما والا آیا (جو ان کے مکان کے سامنے رہتا ہے) تو مولوی صاحب حیران ہوئے کہ یہ دنیا دار بلا اجازت کیوں آیا ہے؟ (حالانکہ وہاں مولوی صاحب کے اہل وعیال نہ تھے) اس شخص نے مختار کو کہا کہ تمہارے بستر میں تو چوہیا ہے۔ مختار نے اٹھ کر اس کو مارا تو وہ فرش پر گر پڑی اور پھر سیدھی اکڑ کر کھڑی ہوگئی، اور اس کے منہ پر سفید داڑھی آگئی اور وہ کودنے لگ گئی۔ اس چوہیا کی تعبیر بھی مولوی صاحب نے مودودی سے نکالی ہے۔ یعنی مسلسل تین رات ان خوابوں کے بعد مولوی صاحب "مجلس عمل" سے علیحدہ رہنے پر مطمئن ہوگئے۔ حضرت! مجلس عمل کا نتیجہ بھی یہ نکلا ہے کہ مودودی کی تحریک جمہوریت (جن میں پانچ پارٹیاں ہیں) یہ متحدہ حیثیت میں برقرار نہ رہی اور "مجلس عمل" ٹوٹنے کے بعد جمعیت پھر تنہا رہ گئی۔ واللہ اعلم

بہرحال ہمیں اپنے دل میں اور کوئی غرض محسوس نہیں ہوئی۔ مودودیت سے اشتراک عمل پر کسی طرح ضمیر نہیں مانتا تھا۔ اور آئندہ بھی ان سے اشتراک عمل ہمارے لیے اسی طرح مشکل ہے۔ لیکن مارشل لاء سے پہلے اخبارات میں پیر محسن الدین شاہ صاحب (مشرقی پاکستان) کا بیان شائع ہوا تھا کہ جماعت اسلامی نے پھر ان کو اشتراک عمل کی دعوت دی ہے۔ اور وہ جماعتی طور پر اس پر مشورہ کریں گے۔ مفتی صاحب کے بارے میں بھی اس طرح کا بیان شائع ہوا تھا۔ جماعتی اختلافات تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ حضرت ہمارے لیے دعا فرماتے رہیں۔ والسلام [1]

---

[1] مکتوب قائد اہل سنت رحمہ اللہ بنام مولانا محمد عبداللہ درخواستی رمرقومہ ۵، اپریل ۱۹۶۹ء بمطابق ۱۷ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ از چکوال۔

تحریکوں، جماعتوں، اداروں اور حتیٰ کہ خاندانوں اور گھروں میں بھی آراء کا اختلاف چلتا رہتا ہے اور تصفیے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا عبداللطیف جہلمیؒ سے فرمایا تھا کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا احتجاج بالکل مناسب اور حسب موقع ہے۔ لیکن آپ موقع دیں تاکہ ہم ان اشتراکی واتحادی مضمرات وفوائد پر غور کرسکیں، اس کے بعد قوی امید ہے کہ آپ حضرات ہی کی رائے کو ترجیح دی جائے گی۔ ادھر تو مخلصین کا یہ شائستہ وشگفتہ جماعتی اختلاف جاری تھا اور دوسری جانب کچھ حاسدین و معاندین نے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی رحمہ اللہ کے کان بھرنا شروع کردیئے کہ مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی اور مولانا قاضی مظہر حسین آپ کی جابجا مخالفت کرتے رہتے ہیں اور جمعیت کے خلاف ناروا لب ولہجہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے خط میں بھی کی ہے (جو گزر چکا ہے) بہرحال حضرت درخواستی رحمہ اللہ کی اس تسلی وتشفی کے بعد کہ آپ کے تحفظات دور کئے جائیں گے، قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے جمعیت علماء اسلام میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کا عزم کیا اور قائدین جمعیت کے نام ایک مختصر رقعہ ارسال کیا، جس کی تحریر مولانا عبداللطیف جہلمی کے قلم سے ہے، اور قائد اہل سنت کے اس پر دستخط ثبت ہیں، وہ تحریر مندرجہ ذیل ہے۔

☆ باسمہٖ سبحانہ

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ، امیر جمعیت علماء اسلام کے سفر حجاز جانے کے بعد ہمارا جماعت سے کچھ اختلاف ہوا تھا، حضرت مدظلہ کی واپسی تشریف لانے کے بعد حضرت کی سعی اور کوشش سے وہ اختلافات دور ہوگئے۔ آئندہ ہم جمعیت کے ساتھ حسب سابق کام کرتے رہیں گے۔ فقط

۱۔ ناچیز عبداللطیف غفرلہٗ جہلم

۲۔ الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ مدنی جامع مسجد چکوال[1]

مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی، اور اس کے ایک سال بعد حضرت قائد اہل سنت نے اور کم وبیش تین سال کے بعد مولانا عبداللطیف جہلمی، مولانا نذیر اللہ خان اور مولانا حکیم سید علی شاہ صاحب ڈومیلی والوں نے بھی جمعیت علماء اسلام سے استعفیٰ دے دیا۔

---

[1] محررہ ۲۹ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ۔

کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کا ''اسلامی منشور'' اور قائد اہل سنت کی جانب سے اس کی اشاعت کا اہتمام!

مؤرخہ ۲۶ ر ستمبر ۱۹۶۹ء کو جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس عمومی کا بمقام سرگودھا تین روزہ اجلاس منعقد ہوا تھا، جس میں متفقہ طور پر ایک ''اسلامی منشور'' تشکیل دیا گیا، ارکان مجلس عمومی میں قائد اہل سنت رحمۃ اللہ نہ صرف یہ کہ شریک اجلاس ہوئے بلکہ آپ نے اس منشور کو جمعیت علماء اسلام ضلع جہلم کی جانب سے نہایت نفیس کتابت، اعلیٰ کاغذ، اور پلاسٹک کور جلد کے ساتھ ۴۰۰۰ ہزار کی تعداد میں شائع کروا کر تقسیم کیا تھا اور ''عرض حال'' کے زیر عنوان ایک گزارش نامہ بھی لکھا نیز حضرت مولانا مفتی محمود رحمت اللہ علیہ نے اس پر ایک جامع مقدمہ بھی درج فرمایا تھا، قائد اہل سنت رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں:

> ''جمعیت علماء اسلام پاکستان کا یہ ''اسلامی منشور'' ایک جامع اور مکمل اسلامی دستاویز ہے جس پر ملک وملت کی فلاح وکامرانی موقوف ہے، جمعیت علماء اسلام کے پیش کردہ اسلامی منشور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد سرورِ کائنات، رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک ''ما انا علیہ واصحابی'' پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن وسنت کو دین حق تسلیم کرنے کے باوجود اس میں تصریح کردی گئی ہے کہ ''اسلامی نظامِ حکومت'' کی جزئیات متعین کرنے کے لیے خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوارِ حکومت وآثار صحابہ کو معیار قرار دیا جائے گا، علاوہ ازیں اس امر کی بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ صدر مملکت کے لیے پاکستان کی عظیم اکثریت مسلمانان اہل السنت کا ہم مسلک ہونا ضروری ہے۔ نیز اس اسلامی منشور میں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مزدوروں، کسانوں، اور تمام محنت کش پسماندہ اور مظلوم طبقوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دے کر ان کو انسانی عزت ووقار اور اسلامی مساوات کے بلند مقام پر کھڑا کردیا گیا ہے۔ ہم تمام اہل اسلام سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس ''اسلامی منشور'' کی بنیاد پر علماء حق کے تعاون سے پاکستان میں ''اسلامی نظامِ حکومت'' کے قیام کی مخلصانہ جدوجہد کریں۔'' خادم اہل سنت!

احقر مظہر حسین غفرلہ

امیر جمعیت علماء اسلام [1]

---

[1] اسلامی منشور مطبوعہ ستمبر ۱۹۶۹ء رجب المرجب ۱۳۸۹ھ

متذکرہ ''اسلامی منشور'' کی تشکیل و اشاعت کے بعد سب سے بڑھ کر اس کا پرچار کرنے والوں میں حضرت قائد اہل سنت تھے۔ اور بالخصوص پنجاب میں ہزاروں کی تعداد میں آپ رحمہ اللہ نے اسے شائع کر کے عوام الناس میں تقسیم کیا تھا۔ مگر مقامِ افسوس ہے کہ تبادلہ اظہار رائے، اخراج مافی الضمیر، نیز اختلاف و مخالفت کے شائستہ لہجے کے ساتھ پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کے اندر بھرپور فعال کردار ادا کرنے کے بعد قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی اکابرینِ جمعیت سے زیادہ دیر تک ذہنی ہم آہنگی اور طبعی مناسبت قائم نہ رہ سکی، اور ایسا وقت آ گیا کہ آپ جمعیت علماء اسلام سے استعفیٰ دینے پر مجبور ہو گئے۔ قائد اہل سنت کا موقف یہ تھا کہ میں چونکہ شرعاً جمعیت کی موجودہ پالیسی سے غیر مطمئن ہوں، لہٰذا اب استعفیٰ دینے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔

جمعیت علماء اسلام سے استعفیٰ، استعفیٰ کی بنیادی وجہ اور حضرت درخواستی رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال کردہ استعفیٰ کا مکمل متن

قائد اہل سنت رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''جمعیت علماء اسلام نے بعض ایسی سیاسی پارٹیوں سے جلسوں اور جلوسوں میں اشتراکِ عمل کر لیا جو سوشلزم یا اسلامی سوشلزم کا نعرہ لے کر میدان میں آئی تھیں (مثلاً ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی) علاوہ ازیں ۱۳، مئی ۱۹۷۰ء میں جمعیت علماء اسلام کی کوشش سے لاہور میں ۱۹ جماعتوں کا جو ''متحدہ دینی محاذ'' قائم کیا گیا۔ اس میں بھی بعض پارٹیوں کی شمولیت کی وجہ سے مجھے سخت اختلاف پیدا ہوا، مثلاً (خاکسار تحریک) اس قسم کا اشتراکِ عمل یا متحدہ دینی محاذ چونکہ میرے نزدیک شرعاً ناجائز تھا۔ اور اس وجہ سے جمعیت علماء اسلام کا شرعی موقف بھی مجروح ہو رہا تھا، جس سے ''اسلامی منشور'' کی وہ خصوصیت بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ اس لیے میں نے جمعیت علماء اسلام کے اکابر حضرات کو بذریعہ خطوط اپنی رائے سے مطلع کر دیا۔ اور جب اکابر جمعیت نے اپنے موقف میں تبدیلی نہ کی تو جمعیت علماء اسلام کی اس پالیسی سے شرعاً مطمئن نہ رہنے کی وجہ سے اپنا تحریری استعفیٰ حضرت امیر مرکزیہ کی خدمت میں ارسال کر دیا اور اس کی وجوہات بھی اس میں عرض کر دیں۔''[1]

[1] خدام اہل سنت کا چار نکاتی شرعی منشور/ اکتوبر ۱۹۷۰ء/ چکوال/ صفحہ نمبر ۸

اب حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی رحمۃ اللہ کی خدمت میں آپ نے اپنا استعفیٰ مع وجوہات جوارسال فرمایا تھا، اس کا مکمل متن پیش کیا جاتا ہے۔

''بگرامی خدمت مخدومنا مولانا حضرت درخواستی صاحب دامت فیوضہم، امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! عرض ہے کہ بندہ حسب ذیل وجوہات کی بناء پر جمعیۃ علماء اسلام کی بنیادی رکنیت سے استعفیٰ کی درخواست خدمت اقدس میں پیش کر رہا ہے۔

ا۔ بتاریخ ۶ / ربیع الاول ۱۳۹۰ھ بمطابق ۱۳/ مئی ۱۹۷۰ء لاہور میں جمعیۃ علمائے اسلام کی کوشش سے ۱۹/ جماعتوں کا جو متحدہ دینی محاذ قائم کیا گیا اس میں ''خاکسار جماعت'' اور اس کی ذیلی تنظیم ''نظام الطلبہ'' کو بھی شامل کیا گیا ہے، لیکن خاکسار تحریک کے بانی وقائد علامہ عنایت اللہ خان مشرقی کے عقائد اور پھر حضرات اکابر دیوبند کے فتاویٰ اور ارشادات کے پیش نظر اس کو دینی جماعت قرار دینا بندہ کے فہم سے بالاتر ہے، بطورِ نمونہ مشرقی کے عقائد حسب ذیل ہیں:

① قرآن بھی جس کی چند پریشان آیتیں کہیں ملتی ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے قرآن سے کسی اسلوب میں کم نظر نہیں آتا، (تذکرہ حصہ اردو، مقدمہ ص ۶۵ حاشیہ)۔

② لیکن قرآن اپنی صرف موجودہ ترتیب میں جو قطعی طور علی الحساب اور بے منطق ہے، ایک نہایت پریشان دفتر نظر آتا ہے، جس کا کوئی سرا دوسرے سرے سے نہیں ملتا جس میں تکلیف دہ انتشار اور پریشان کن اعادات ہیں جو ذہن پر ناگوار گزرتے ہیں...... میرے نزدیک اور ہر سلیم الذہن انسان کے نزدیک یہ خدا کے پیغام کے ساتھ بڑی بے انصافی ہے، کہ جس ترکیب وترتیب سے وہ انسان کے پاس آکر دنیا کو تہہ و بالا کر دینے والی جماعت قرنوں اور صدیوں تک پیدا کر جائے بلکہ اس کا نام و نشان مٹا دیا جائے اور جب اس تہہ و بالا کر دینے والی جماعت کا ماحول دنیا سے ختم ہو جائے تو آنے

والے لوگوں کو وہ وحی گڈ مڈ کر کے علی الحساب پڑھنے کے لیے دیدی جائے کہ جاؤ اس چیستان کو حل کرتے پھرو، کہ عرب کے رسول نے کیونکر وہ ایمان لانے والے لوگ پیدا کر دیئے تھے۔ (تکملہ حصہ اول ص ۳۰/ ۳۱)

③ ''رسول کے اَن پڑھ ہونے کی خطرناک غلطی'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ

''اگر فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ سے صاحب القرآن کی رائے یہی تھی کہ برجستہ الفاظ،

چست بندشوں، اور استعاروں کی مناسبت میں اس کا ادبی مقابلہ کیا جائے اور دین اسلام کو کسی اجل زدہ امت کے لغو مشاعروں کا اکھاڑہ بنا کر خدائے زمین و آسمان کے ذوق سلیم کی داد (العیاذ باللہ) دلوائی جائے تو آج مسیلمہ کذاب کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اَن پڑھ تھا، قطعاً خلافِ قیاس اور غلط ہے''۔ (تکملہ حصہ اول ص ۱۱)

④ اگر کوئی فرد یا قوم اپنے اعمال میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے اس کے قانون کی عملاً مطیع ہے، لیکن رسماً یا عادتاً یا رواجاً کسی بت، کسی پتھر، کسی شمس و قمر کے آگے ماتھا ٹیک رہی ہے تو وہ درحقیقت خدا کی عابد ہے۔ (تذکرہ اردو دیباچہ ص ۹۹)

⑤ حضرت عیسیٰ کی موت بھی اسی سنت اللہ کے مطابق واقع ہوئی تھی، جس کی بابت قرآن نے کہا ہے: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ (تذکرہ اردو، دیباچہ ص ۱۷، حاشیہ)

⑥ شیعہ اور سنی، حنفی اور شافعی، مقلد اور غیر مقلد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں یہ سب جہنم کی تیاری ہے۔ (تذکرہ اردو دیباچہ ص ۶۰)

⑦ الغرض مسلمانو! مولوی اور پیر کی یہ عمل کی تعریف از روئے قرآن قطعاً غلط ہے، نماز، نفل، ورد، تسبیح و دعا از روئے قرآن کسی معنوں میں عمل نہیں، نماز صرف مسلمانوں کی دنیا میں ایک نا قابلِ شکست اور عالمگیر جماعت پیدا کرنے کا ہتھیار ہے۔ (مولوی کا غلط مذہب ۲، ص ۹)

⑧ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی اور ایک جز دوسرے جز کی نمایاں تائید اور کامل تفسیر کر رہا ہے، نہ اس کو کسی فلسفہ کی ضرورت ہے، نہ حکمت کی، نہ لغت کی، اور نہ حدیث کی۔ (تذکرہ اردو مقدمہ ص ۹۲)

عنایت اللہ صاحب مشرقی کے متعلق اکابر دیو بند کے ارشادات

① شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ نے تحریر فرمایا تھا کہ جن لوگوں کے عقائد وہی ہیں جو تذکرہ اور دیگر تصانیف مشرقی میں خلافِ اسلام درج ہیں، تو بیشک ان کے نکاح ٹوٹ گئے اور وہ مرتد ہو گئے، ان کو توبہ کرنا اور تجدید نکاح کرنا ضروری ہے......اور نہ مقابر مسلمین میں ان کو دفن کرنا چاہیے۔ (شعبان ۵۵ھ)

(ب) حضرت مدنی رحمہ اللہ نے بندہ کے نام اپنے کرامت نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ: جس طرح چکڑالوی، قادیانی، مشرقی نے نیا دین اور نیا اسلام بنایا ہے اسی طرح مودودی صاحب نے بھی نیا اسلام بنایا ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۴، ص ۱۱۸، مؤرخہ ۲۳ رشوال ۷۳ ۱۳ھ)

② حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس جماعت (خاکسار تحریک) کے اقوال و افعال مجموعی طور پر کفر ہیں، ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو قطع تعلق کر دینا واجب ہے۔(۱۱رجمادی الاول ۵۵ھ)

جمعیۃ علمائے ہند کا فیصلہ

③ جمعیۃ منتظمہ کے اجلاس میں عنایت اللہ مشرقی ایم اے کی کتاب تذکرہ پیش ہوئی، اس کے متعلق، باتفاق رائے قرار پایا کہ کتاب مذکور میں الحاد و زندقہ کے جراثیم اسلامی عنوانات میں پیش کئے گئے ہیں اور اس کا مؤلف جس طرح مذہب اور دین سے قطعاً آزاد ہے، اسی طرح کسی خاص اصول کا بھی پابند نہیں، اسلامی فرائض پر استہزاء اور توہین اور آسمانی عقائد کا ابطال اس کا خاص مطمع نظر ہے اور ان تمام قابل نفرت مقاصد کے ساتھ نصاریٰ کی مدح سرائی اور ان کی نصرت و اعانت اور ان کے اغراض کی حمایت مقصد اعلیٰ ہے پس جمعیۃ منتظمہ کا یہ اجلاس اس کتاب کو جس طرح مذہب کے لیے زہر سمجھتا ہے اسی طرح اسلامی سیاست کے لیے بھی بدترین دشمن قرار دیتا ہے، اور تمام قومی و مذہبی اور سیاسی مرکزوں کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ اس فتنہ کو روکنے میں پوری قوت صرف کریں۔ (۲۹/اگست ۱۹۲۴ء)۔اسی اجلاس میں محدث زمان حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب (کاشمیری) رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے۔

④ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ: اس جدید فرقہ (تحریک خاکساری) کا فتنہ قادیانی فتنے سے بھی زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

⑤ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ سابق امیر جمعیۃ علمائے اسلام نے ایک رسالہ بنام (علمائے اسلام اور عنایت اللہ صاحب مشرقی گورنمنٹ پنشنر بانی تحریک خاکساران) شائع فرمایا تھا جس میں مشرقی کے خلافِ اسلام عقائد تحریر کیے ہیں اور ایک جگہ مسلمانوں سے اپیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اب مسلمان خود ہی فیصلہ کرلیں کہ خدا تعالیٰ کو سچا مانیں اور اس کے قرآن کے اعلانات کو صحیح جانیں یا عنایت اللہ صاحب مشرقی کی حمایت کریں اور انہیں سچا جانیں؟ (ص ۱۸)

خاکسارِ تحریک کا دورِ جدید

خاکسار تحریک کا دور جدید بھی علامہ مشرقی ہی کے اصول پر مبنی ہے اور خاکسار اسی

کی تحریک کو زندہ کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ''الاصلاح'' لاہور (جس کے ایڈیٹر صفدر سلیمی صاحب کو متحدہ دینی محاذ کا نائب صدر مقرر کیا گیا ہے) نے ۱۵ر مئی ۱۹۷۰ء میں ''اطاعت امیر'' کے عنوان سے ایک مضمون میں یہ لکھا گیا ہے کہ:

(الف) خاکسار تحریک کے عظیم الشان اصولوں سے بغاوت خاکسارِ اعظم (یعنی عنایت اللہ مشرقی) سے بغاوت ہے، نہیں بلکہ اسلام سے بغاوت ہے، ان اصولوں کا انہدام ہے جن پر یہ عظیم الشان تحریک کھڑی کی گئی ہے۔ (ص ۱۳)

(ب) نیز یہ لکھا ہے کہ:

''تحریک کی بنیاد بے چون و چرا اطاعت پر ہے، یہاں کوئی شخص خلاف شرح حکم دے نہیں سکتا، جو دے گا اس کی سزا بھگتے گا، یہاں کسی کو کسی عقیدے سے پرخاش نہیں ہے، اس لیے کوئی خلاف عقائد حکم ممکن نہیں، یہاں ادارہ علیہ کا ہر حکم خواہ وہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اسلام کی سربلندی کے لیے ہے، ادارہ علیہ کی کسی حکم پر خدا اور رسول کے سوا کسی کی گرفت نہیں۔ (۱۳)

الاصلاح کے اسی شمارہ میں عنایت اللہ مشرقی صاحب کا ایک مضمون بعنوان ''یوم میلاد النبی'' شائع ہوا ہے، جس میں مولوی کی ''تحریف دین'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

''مسلمانو! بصیرت کی آنکھیں کھولو، تمہارے پیشوایانِ دین نے پچھلے کئی سو برسوں سے صحیح اسلام کو مشکل سمجھ کر نیا اسلام اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، اب اس مذہب پر چل کر نہ کوئی دنیوی ثواب مل سکتا ہے نہ آخری نجات...... یاد رکھو کہ تمام قرآن کے طول وعرض میں عقیدہ کا لفظ کہیں موجود نہیں، نہ اس کا کوئی مشتق موجود ہے، قرآن میں صرف ایمان اور عمل صالح کے الفاظ ہیں، جو معنی ان الفاظ کے ہو سکتے ہیں ایک دنیا جانتی ہے''۔

اسی مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ: اس کو نہ بھولو! نبی کی مدت العمر کی تکلیفوں اور زہرہ گداز محنتوں کے باوجود ان کی وفات کے بعد ہی سارا عرب نبی سے برگزشتہ اور دین اسلام سے مرتد ہو گیا۔ (ص ۴)

خاکسار تحریک کے ہفت روزہ الاصلاح کے مذکورہ اقتباسات کے پیش نظر اس تاویل کی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ عنایت اللہ مشرقی صاحب کی وفات کے بعد اب خاکساروں کے عقائد ونظریات بدل گئے ہیں۔ لہٰذا جو حوالہ جات مشرقی کی تصانیف ''تذکرہ'' وغیرہ سے درج کئے گئے ہیں اور حضرات اکابر دیوبند کے جو فتاویٰ پہلے شائع ہو چکے ہیں، ان کے بعد کسی طرح بھی خاکسار پارٹی کو دینی جماعت قرار

نہیں دیا جاسکتا، اور اگر جمعیت علماء اسلام کے اس فیصلہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر پاکستان میں کوئی مدعی اسلام پارٹی غیر دینی نہیں قرار دی جاسکتی خواہ وہ مودودی پارٹی ہو یا پرویزی، واللہ اعلم

علاوہ ازیں جس طریق سے ''متحدہ دینی محاذ'' کا قیام عمل میں لایا گیا ہے اور اس کے عہدے داروں کا انتخاب کر کے اخبارات میں اس کو شائع کرایا گیا ہے، وہ بھی خلاف ضابطہ ہے، کیونکہ اس کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کی شوریٰ کا اجلاس رکھا گیا ہے، جس سے شوریٰ کی حیثیت ہی ختم ہو جاتی ہے، مکمل فیصلہ اور اس کی اشاعت کے بعد شوریٰ کا اجلاس تو صرف توثیق کرانے کے لیے ہے، نہ کہ بحث و تمحیص کے لیے، اور لیبر پارٹی کے ساتھ معاہدہ کرنے میں بھی یہی طریق اختیار کیا گیا تھا، جس کے متعلق بندہ کے اعتراض پر حضرت والا نے جواباً ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث صاحب (ہزاروی) کو سمجھایا ہے اور انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے۔

امر دوم: ڈاکٹر احمد حسین صاحب کمال ایڈیٹر ترجمان اسلام نے ''عوامی فکری محاذ'' کے اجلاس میں جو مقالہ بعنوان ''انسانیت کا مستقبل اسلام کی روشنی میں'' پڑھا اس میں یہ لکھا ہے کہ:

(الف) **والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب علیم** اس آیت کی رو سے سونا چاندی جو نزول قرآن کے وقت کی واحد کرنسیاں تھیں، انہیں جمع رکھنا اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرڈالنا عذابِ الیم کا موجب بتایا، یہاں سونے، چاندی کے کسی جزو یا حصہ کو خرچ کرنے والی بات نہیں کہی گئی ہے بلکہ **ینفقونھا** میں **ھا** کی ضمیر صاف صاف تمام سونے اور چاندی کی طرف راجع ہے۔ (ص ۱۲)

(ب) اسی مقالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

> قرآن نے بتایا ہے کہ جب موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے اور ان کے لیے ایک آزاد ماحول کی فضا مہیا کی تو مشترکہ معاشرہ کے ساتھ ان کی آسائش بھی مشترکہ کردی گئی، اور انہیں **مَنّ وسَلوٰی** کے قدرتی وسائل سے یکساں طور پر معاش حاصل کرنے کے لیے کہا گیا، لیکن بنی اسرائیل جو صدیوں سے جداگانہ گھروں کی معاش کے عادی ہو چکے تھے، من وسلویٰ پر قناعت نہ کر سکے اور انہوں نے دال روٹی کا وہ مطالبہ کیا جس سے ایک خاندان میں کئی گھرانے اپنے اپنے چولہے الگ کر لیتے ہیں تو آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کا جواب کن لفظوں میں دیا ہے؟ قرآن کی زبان میں سنیے فرمایا: **اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ**

هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ، کیا تم ایک بہتر چیز کو بدتر چیز سے بدلنا چاہتے ہو؟ من وسلویٰ کی مشترکہ معاش ومعاشرت جو خیر ہی خیر ہے اس کو چھوڑ کر الگ الگ چولہوں کی دال روٹی والی انفرادی معاش و معاشرت جو ادنیٰ اور کمتر ہے تم اختیار کرنا چاہتے ہو؟ معاشی اشتراک و مساوات کے بارے میں قرآن کا یہ تصور کتنا بلند اور واضح ہے۔ (ایضاً ص ۱۲)

ان دونوں عبارتوں میں قرآن کی معنوی تحریف کر کے ڈاکٹر صاحب نے اپنے اشتراکی کمال کا مظاہرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف یہ کہ اشتراکی نظریہ رکھتے ہیں، بلکہ معلم اشتراکیت بھی ہیں، واللہ اعلم۔ ڈاکٹر احمد حسین صاحب کمال کو اس کا جواب بندہ نے رمضان ۱۳۸۹ھ میں ارسال کر دیا تھا اور اس کی نقلیں حضرت والا کو بھی اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب سرحدی، حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی اور حضرت مولانا محمد رمضان صاحب (میانوالی) کو ارسال کر دی تھیں لیکن بعد ازاں نہ ڈاکٹر صاحب سے رجوع کا اعلان کرایا گیا اور نہ ہی ترجمان اسلام میں کسی بزرگ نے ان کی تردید شائع کی، حالانکہ ان تحریرات کا تعلق اسلامی بنیادی عقیدہ سے تھا، والی اللہ المشتکیٰ۔

(ج) ڈاکٹر کمال صاحب موصوف کی ایک مصنفہ کتاب بنام ''نظام معیشت کیا ہے اور اسلام کیا چاہتا ہے''؟ مئی ۱۹۶۹ء سے شائع ہو چکی ہے، جس کا اعلان ''ترجمانِ اسلام'' میں مطبوعات جمعیۃ کے تحت آ رہا ہے، اس میں ڈاکٹر صاحب نے ''زرعی زمینوں کی تاریخی حیثیت'' کے تحت لکھا ہے کہ:

زمین کے بارہ میں یہ تاریخی امر بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ اٹھارویں صدی کے خاتمہ تک ایشیائی ومسلمان ممالک میں زرعی زمینیں، نجی ملکیتیں نہیں سمجھی جاتی تھیں، پاک وہند میں بھی زرعی زمینیں نجی ملکیت میں نہیں شمار ہوتی تھیں، بلکہ دیہات کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھیں ......حتیٰ کہ اس کا ذکر کارل مارکس نے بھی ان الفاظ میں کیا ہے کہ مسلمانوں نے سارے ایشیا میں زمین کو نجی ملکیت نہ بنانے کے اصول کو وسیع پیمانہ پر عملی جامہ پہنایا ہے۔ (کتاب مارکس اینڈ اینجلز ان انڈیا شائع کردہ سوشلسٹ بک الٰہ آباد)

ڈاکٹر صاحب کی یہ عبارتیں بھی سوشلزم اور اشتراکیت کی تائید میں ہیں، اور ''اسلامی منشور'' کی تصریحات کے بھی خلاف ہیں، اور یہ عبارتیں بندہ نے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کو بتاریخ ۲۵/صفر ۱۳۹۰ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۷۰ء اپنے عریضہ میں لکھ دی ہیں لیکن اب تک ترجمان اسلام میں ان کی تردید

شائع نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ بھی تشویشناک امر ہے کہ ولی اللہ سوسائٹی نے ایک رسالہ ''معروضات'' کے نام سے شائع کیا ہے جو بتوسط حضرت مولانا عبید اللہ انور امیر جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان زعمائے جمعیۃ کی خدمت میں پیش کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ:

''زمین کی ملکیت شخصی نہیں ہوگی، زمین داری، جاگیرداری اور مزارعت کا کلی طور پر خاتمہ کیا جائے گا اس رسالہ کی ابتداء میں حضرت مولانا عبید اللہ انور کی ان الفاظ میں تصدیق موجود ہے کہ: میں نے سارا مضمون سن لیا ہے، میرے نزدیک یہ افکار صحیح ہیں''۔

(احقر عبید اللہ، ۵ ستمبر، ۱۹۶۹ء، ص ۵)

یہ نظریہ بھی خلافِ اسلام ہے اور جمعیۃ علمائے اسلام کے ''اسلامی منشور'' کی تصریحات کے بھی خلاف ہے، حضرت مفتی محمود صاحب کو بھی بندہ نے یہ حوالہ بتا دیا تھا، اور لاہور کے ایک اجلاس میں حضرت مولانا ہزاروی کی موجودگی میں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور کو بھی یہ رسالہ دکھلا کر گزارش کی تھی کہ یا اس کی تردید کریں یا ''اسلامی منشور'' میں ترمیم کریں لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، اب تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ اگر اکابر جمعیۃ اپنی جماعت کی خلافِ اسلام تحریروں سے رجوع کا اعلان بھی نہیں کرا سکتے اور ان کی تردید بھی پسند نہیں کرتے تو ان حالات میں اگر مخالف لوگ جمعیۃ کے اکابر پر سوشلسٹ ہونے کا الزام لگائیں تو وہ کیونکر موردِ الزام قرار دیئے جا سکتے ہیں؟

امر سوم: جمعیۃ علمائے اسلام کی پالیسی سے اختلاف کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اسلامی سوشلزم کے داعی ذوالفقار علی بھٹو کے ہفت روزہ ''نصرت'' لاہور میں متعدد ایسی عبارتیں ہیں جن میں صراحتاً بعض جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین پائی جاتی ہے، بعض میں لاہوری مرزائی فرقہ کے سربراہ اور منکرین حدیث کو قرآن کا خادم تسلیم کیا گیا ہے، اور بعض سے اسلامی سوشلزم کی تشریحات کے سلسلہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی سوشلزم دراصل چینی سوشلزم ہے، چنانچہ عبارات حسبِ ذیل ہیں۔

خلافِ صحابہ رضی اللہ عنہم

(ا) ''نصرت'' ۵/ اکتوبر ۱۹۶۹ء کے اداریہ میں ''پاک چین دوستی کی روحانی بنیادیں'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ: ہم نے تاریخ اسلام کے صفحات پر ابن زیاد سے لے کر میر جعفر تک ملوکیت اور سامراج کے ایسے ایجنٹوں کی بہت سی تصویریں دیکھی ہیں جو اپنی روح میں ان لوگوں سے زیادہ مختلف نہ تھے جو آج سرمایہ داری، جاگیرداری اور نوآبادیاتی نظام کے مفادات کے تنخواہ دار محافظ ہیں اگر یہ لوگ اسلام

کو پیچ میں لے آئے ہیں تو کیا پہلے اسلام کے ساتھ ان کے بھائی بندوں نے یہی سلوک نہیں کیا تھا؟ کیا عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کو اسلام ہی کے نام پر شہید نہیں کیا گیا تھا؟ کیا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھاگتی ہوئی فوج کو سنبھالا دینے کے لیے قرآن کو نیزوں پر نہیں چڑھا دیا تھا؟ (ص ۳)

گو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق اس عبارت کے سلسلہ میں ''نصرت'' کے ایڈیٹر حنیف رامے صاحب نے بندہ کو معذرت کا خط لکھا ہے لیکن انہوں نے چونکہ اپنے ہفت روزہ ''نصرت'' میں فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی پوزیشن صاف نہیں کی، اور بعد ازاں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بھی عبارات نصرت میں شائع ہو چکی ہیں اس لیے ان کی یہ معذرت کافی نہیں ہے۔

(ب) ''نصرت'' ۲۱ر ستمبر ۱۹۲۹ء میں بعنوان ''اسلام کی تعریف کیجیے'' ایک مضمون میں یہ لکھا ہے کہ: اس حقیقت سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کی لاش پر جس ملوکیت کی عمارت قائم کی تھی، اور اس عمارت کے گارے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون پاک سے پانی دیا تھا، تو انہوں نے بھی اپنی اس مہم کو اسلام کے ماسوا کوئی دوسرا نام نہ دیا تھا۔ (ص ۱۴)

(ج) فتح مکہ کے طلقا صحابہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ:

''چونکہ یہ لوگ اسلامی تحریک کے پورے نشیب و فراز سے ناواقف محض تھے، اس لیے قرن اول میں درجہ اول کے راہنما نہ بن سکے، اور سابقون اولون کی فہم و فراست کے تابع رہے، لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب قوم کی راہنمائی ان طلقاء کے ہاتھ میں آئی تو اپنی ناواقفیت کی بناء پر انہوں نے اسلامی تحریک کے دھارے کو اس طرح موڑ دیا کہ خلافت، ملوکیت اور موروثیت میں بدل گئی، اور اسلام کی بنیانِ مرصوص میں وہ دراڑ آ گئی جسے آج تک پاٹا نہ جاسکا''۔ (نصرت ۱۱ر جنوری ۱۹۷۰ء)

چار فقہیں ملوکیت کی پیداوار ہیں (حنیف رامے)

پھر جب تک مذکورہ ملوکیتیں خلافت کے نام پر قیام رہیں ان میں بھی ہر خاندانی خلافت کی فقہ اسلام ہی کے نام پر دوسری خاندانی خلافتوں کی فقہوں سے مختلف رہی، کسی خلافت میں فقہ حنفی کی حکمرانی رہی تو کسی میں فقہ مالکی کی، کسی میں فقہ شافعی حکمران تھی تو کسی میں فقہ حنبلی، ہمارے مذکورہ علماء چونکہ خود اسلام کی کوئی جامع تعریف کرنے سے قاصر نظر آ رہے ہیں، اس لیے ان حالات میں ان سے یہ پوچھنا بے جا نہ ہوگا کہ بنو امیہ کی ملوکیت اسلامی تھی یا بنو عباس کی، فاطمیوں کی ملوکیت اسلامی

تھی یا عثمانی ترکوں کی؟ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ مذکورہ چاروں فقہیں مذکورہ ملوکیتوں کے قوانین رہیں، گویا یہ فقہیں ملوکیتوں کے دور کی پیداوار اور ان کی نگہبان ہیں اس کے عملی نقطہ نگاہ سے یہ بھی ملوکیت سے جدا نہیں۔ (نصرت ۲۱ ستمبر ۱۹۶۹ء، ص ۱۵)

لاہوری مرزائی اور منکرین حدیث بھی خادم قرآن ہیں: مودودی جماعت کی طرف سے سیارہ ڈائجسٹ کا جو قرآن نمبر شائع ہوا تھا اس پر تنقید کرتے ہوئے ہفت روزہ ''نصرت'' ۲۸ ستمبر ۱۹۶۹ء میں ''علمی کم ظرفی'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ: ہمارے ملک میں چند ہستیاں ایسی ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگیاں قرآنی خدمات میں گزاری ہیں، ان کی قرآنی فکر سے اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن ان کی قرآنی خدمات پر اس طرح پردہ ڈال دینا کہ عامتہ الناس کو صرف قرآن مجید کی صحافیانہ تفسیر ہی نظر آئے، علمی کم ظرفی کی بدترین مثال ہے، قرآن کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کرنے والوں میں علامہ اسلم جیراجپوری صاحب، مولانا محمد علی لاہوری، مولانا امین احسن صاحب اصلاحی، مصنف تدبر قرآن اور چوہدری غلام احمد صاحب پرویز مصنف ''مفہوم قرآن'' کے نام سرفہرست ہیں ...... ہمیں مولانا محمد علی لاہوری کے مذہبی عقائد سے سخت اختلاف ہے، لیکن اس کے باوجود دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی قرآنی خدمات کا اعتراف کیا جائے۔ (ص ۲۲)

اسلامی سوشلزم یا چینی سوشلزم: بھٹو صاحب کی طرف سے عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی سوشلزم سے ان کی مراد اسلامی مساوات اور اسلامی اقتصادی نظام ہے، اور بعض اکابر جمعیۃ کی طرف سے بھی یہ کہا جارہا ہے کہ یہ اصطلاح غلط ہے لیکن اگر اس سے مراد اسلامی اقتصادی نظام ہے تو مفہوم صحیح ہے، اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ:

① جمعیۃ علمائے اسلام جب اسلامی سوشلزم کا نعرہ نہیں لگاتی ہے تو اکابر جمعیۃ کی طرف سے اس اصطلاح کی تاویل و توجیہہ کی کیا ضرورت ہے؟

② یہ حسن ظن بھی خلاف واقع ہے کہ بھٹو اور اس کی پارٹی کی مراد اسلامی سوشلزم سے اسلامی معاشی نظام ہے، کیونکہ ان کے ''ہفت روزہ نصرت'' کی تحریرات اس کے منافی ہیں، چنانچہ نصرت ۵ / اکتوبر ۱۹۶۹ء میں ''پاک چین دوستی کی روحانی بنیادیں'' کے عنوان کے تحت اداریہ میں لکھا ہے کہ: پاک چین دوستی کی سیاسی بنیادوں پر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ''نصرت'' کے اس شمارہ میں شائع ہونے والے اپنے گرانقدر مضمون میں بہترین روشنی ڈالی ہے، ہم انقلاب چین کی بیسویں سالگرہ کی تقریب پر پاکستانی

عوام کے ایک ادنیٰ ترجمان کی حیثیت سے چینی عوام کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور پاک چین دوستی کی روحانی بنیادوں کا سراغ لگانا چاہتے ہیں، نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ حصول علم کی خاطر چین بھی جانا پڑے تو جاؤ، آپ ہی نے فرمایا تھا کہ علم مومن کی کھوئی ہوئی میراث ہے، لہٰذا جہاں سے ملے چوم چاٹ کر لے لینا چاہیے، وہ بات جو کل تک ایک استعارہ تھی آج حقیقت بن گئی ہے، وہ علم جو ہماری کھوئی ہوئی میراث تھا آج چین کے کوچہ و بازار میں دستیاب ہے، اور جوں جوں ہم اس علم کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، یہ کھرا ثابت ہوتا جا رہا ہے، ہم اس علم کو محض اس لیے رد نہیں کر سکتے کہ چند جبے اور عمامے، چند داڑھیاں اور تسبیحیں نبی کریم ﷺ کی نصیحت کو نظر انداز کر کے اس علم کی مخالفت میں مصروف ہیں۔ (ص ۳)

اسی اداریہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ: قرآن عظیم کی تعلیمات کو دلوں میں اور نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک کو آنکھوں میں سمائے ہم سوشلسٹ معیشت اور معاشرت کو لبیک کہتے ہیں، کہ اقبال کے مطابق یہی اسلام کا مقدر اور اس کی اصل روح ہیں، یہ وہ مقام ہے جہاں پاکستان اور چین سیاسی ہی نہیں روحانی دوست بن جاتے ہیں۔ (ص ۴)

مندرجہ عبارات سے واضح ہے کہ اسلامی سوشلزم سے مراد وہ چینی معاشی نظام ہے جو چین میں رائج ہے، اور اسی چینی معاشی نظام کو ہی اس اداریہ میں قرآن عظیم کے معیار کے مطابق مومن کی کھوئی ہوئی میراث قرار دیا جا رہا ہے، حالانکہ چین میں جو معاشی نظام ہے وہ اصولاً خلافِ اسلام وقرآن ہے۔ چینی نظریات دہریت اور انکار خدا پر مبنی ہیں، وہاں رسالت کا انکار ہے، آخرت کا انکار ہے، قرآن کا انکار ہے تو اس کے باوجود پاکستان اور چین میں روحانی رشتہ کیسے جوڑا جا سکتا ہے؟ یہ دراصل تلبیس عظیم ہے، اشتراکی نظام کو اسلام وقرآن کے نام پر مسلمانانِ پاکستان کے دل و دماغ میں اتارا جا رہا ہے اور جمعیت کے اکابر کی طرف سے اسلامی سوشلزم کی جو تاویلات پیش کی جا رہی ہیں۔ ان سے سوشلسٹ طبقوں کو بہت قوت پہنچ رہی ہے، گویا کہ اشتراکی اور سوشلسٹ پارٹیاں اب علمائے حق کے سائے میں اپنے نظریات پھیلا رہی ہیں اور جو جمعیت اپنے ''ترجمان اسلام'' کے ایڈیٹر کی تحریفات اور باطل نظریات کی تردید نہیں کر سکتی وہ اشتراکی اور سوشلسٹ قوتوں سے اشتراک عمل کر کے ان کی کس طرح اصلاح کر سکے گی؟ جمعیۃ علمائے اسلام نے اگر پاکستان میں خالص اسلامی نظام قائم کرنا ہے جیسا کہ اسلامی منشور میں واضح کیا گیا ہے تو جس طرح وہ مودودی ازم کی کھلی مخالفت کر رہی ہے اسی طرح وہ اسلام وقرآن کے نام پر جو اشتراکی سیلاب آ رہا ہے اس کی بھی کھلی مخالفت کرے، اور اشتراکی و امریکی دونوں بلاکوں سے ہٹ

کر ایک تیسرا خالص اسلامی بلاک پاکستان میں بنائے، تاکہ اسلامی عقائد و نظریات کا تحفظ ہو سکے، اور اگر اس وقت جمعیۃ کی جنگ صرف امریکی طاقتوں کے خلاف ہے اور اسلامی بنیادوں کے تحفظ کو سردست نظر انداز کرنا چاہتی ہے اور ہر اس قوت سے اشتراکِ عمل جائز بلکہ ضروری قرار دیتی ہے جو امریکی سامراج کے خلاف ہیں تو اسلامی منشور کی بنیاد پر جس خالص اسلامی نظام حکومت کی مسلمانانِ پاکستان کو پہلے دعوت دی ہے فی الحال اس سے کنارہ کش ہو جائے، شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف مختلف مذاہب و اقوام کا جو متحدہ پلیٹ فارم قائم فرمایا تھا تو اس مقصد کی وضاحت فرما دی تھی، اور اس وقت کوئی اسلامی منشور نہیں شائع ہوتا تھا، اور نہ ہی قوم کو یہ دعوت دی تھی کہ سردست ہم نے متحدہ ہندوستان میں خالص اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے نہ ہی صدر مملکت کے لیے اہل سنت مسلمان ہونے کی شرط پیش فرمائی تھی اور نہ اس وقت غیر مسلم اقوام کو متحدہ دینی محاذ میں شامل فرمایا تھا اور نہ خاکسار تحریک کو دینی جماعت قرار دیا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور جمعیت علمائے ہند کا مؤقف بالکل واضح تھا لیکن جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان کے اسلامی منشور اور اشتراکِ عمل کی پالیسی میں بالکل تضاد ہے، اور یہ اسی قسم کی حکمت عملی کی پالیسی کی اتباع ہے جو ابوالاعلیٰ مودودی نے سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے پہلے وضع کی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

گو اسلامی سوشلزم کی داعی جماعتیں اسلام و قرآن کا نام لیتی ہیں، لیکن ان کی تشریحاتِ اسلامی اور تفسیراتِ قرآنی علماء حق کے خلاف ہی ہیں ''قرآنی احکام'' کے عنوان سے چند قرآنی آیات کا ترجمہ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ مندرجہ بالا آیات سے غیر مبہم طور پر واضح ہے کہ قرآن کی رو سے استحصال سراسر ناجائز ہے، کیونکہ کوئی بھی مسلمان اپنی ضرورت سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ (نصرت ۱۹ر جنوری ۱۹۶۹ء) یہ تفسیر بھی حدیث نبوی ﷺ، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع امت کے خلاف ہے، اس سے زکوٰۃ و میراث وغیرہ قرآنی احکام کی بالکل نفی ہو جاتی ہے۔

(۲) مسئلہ ارتداد پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: مندرجہ بالا آیت میں خدا کے نزدیک ایک مسلمان کے دو دفعہ کفر اختیار کرنے کے لیے کوئی مواخذہ نہیں ہے، اگر وہ تیسری دفعہ کفر اختیار کرے گا تو اس کا یہ جرم یا گناہ ناقابل معافی ٹھہرے گا اور اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہدایت سے محروم ہوگا، مگر اس کی جان لینے یا اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، اس کے برعکس مودودی صاحب ایسے لوگوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں جو اسلام میں داخل ہو کر پھر کافر ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی مسلمان اولاد میں سے کافر ہونے

والوں کو بھی قتل کرنے کا فتویٰ دے رہے ہیں غور فرمایئے کہ ان کے یہ احکام قرآن کے مطابق ہیں یا اس کے برعکس اس کی سراسر ضد ہیں؟ (ص ۱۷)

یہ تفسیر بھی حدیث نبوی ﷺ اور اجماع امت کے فیصلہ کے بالکل خلاف ہے، اور جمعیۃ علمائے اسلام کے ''اسلامی منشور'' کے بھی منافی ہے، مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے مرکزی ہفت روزہ ''نصرت'' لاہور کی مذکورہ قرآنی تشریحات (جو دراصل تحریفات ہیں) اور اسلامی سوشلزم کی وہ تعبیرات جن سے چینی اشتراکی سوشلزم ہی ثابت ہوتا ہے، کیا اس حقیقت کو بے نقاب نہیں کرتیں کہ پیپلز پارٹی بھی اسلامی مساوات کے نام پر ایک نیا دین اور نیا اسلام ہی بنا رہی ہے؟ لیکن جمعیۃ علمائے اسلام کے اکابر اس معاملہ میں اس طرح خاموش ہیں گویا کہ اسلامی سوشلزم میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کسی پہلو سے کوئی خطرہ ہی نہیں، اسی لیے اب جلسے جلوس بھی مشترکہ ہو رہے ہیں، اکابر کے طرزِ عمل کا یہ نتیجہ ہے کہ جو مسلمان سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے خطرات سے آگاہ ہیں وہ جمعیۃ علمائے اسلام کی پالیسی سے مطمئن نہیں رہ سکتے، اور جو اسلامی سوشلزم کو اسلام کے خلاف نہیں سمجھتے وہ سوشلسٹ عناصر کے آلۂ کار بن رہے ہیں اور اس سے علمائے حق کے مؤقف و مقصد کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ علاوہ ازیں جمعیۃ کے بعض اکابر کے اس قسم کے بیانات بھی اشتراکیت کی تقویت کا سبب بن رہے ہیں کہ پاکستان میں کفر و اسلام کی کوئی جنگ نہیں، بلکہ یہاں امیر و غریب کی جنگ ہے کیونکہ امیر و غریب کی طبقاتی جنگ کا نعرہ خالص اشتراکی نعرہ ہے، اسلام میں تو کفر و اسلام یا حق و باطل کی جنگ ہوتی ہے، نہ کہ امیر و غریب کی، اور جب پاکستان میں اسلام و قرآن کے نام پر کافرانہ نظریات پھیلائے جا رہے ہیں اور ان کی پشت پر سیاسی طاقت بھی ہے، تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ یہاں کفر و اسلام کی جنگ نہیں ہے؟ اور اگر کفر و اسلام کی جنگ نہیں تو کیا پاکستان میں حق و باطل کی بھی جنگ نہیں ہے؟ کیا ہر امیر باطل پرست اور ہر غریب حق پرست ہے؟ کہ بہرحال امیر و غریب میں جنگ کرائی جائے؟

کاش کہ جمعیۃ علمائے اسلام کے اکابر حضرات جن کا شائع کردہ ''اسلامی منشور'' لادینی سیاست کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے، سیاسی میدان میں بھی عملاً اس پر ثابت قدم رہتے اور اسلامی و قرآن کے نام پر جو نئے نئے کافرانہ نظریات ملک میں پھیلائے جا رہے ہیں ان سب کا یکساں طور پر مقابلہ کرتے تو یہ ان کا ایک شاندار تاریخی کارنامہ ہوتا، اور اس سے برسوں کی مروجہ لادینی سیاست کو یقینی طور پر شکست کا منہ دیکھنا پڑتا کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ لقوی عزیز۔

بہرحال مذکورہ وجوہات کی بناء پر بندہ چونکہ جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی سیاسی پالیسی سے کسی

طرح بھی مطمئن نہیں ہے اور جمعیۃ کے سٹیج پر اہل اسلام کو خالص دنیوی سیاست کی دعوت دینا کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا، اس لیے جمعیۃ علمائے اسلام کی بنیادی رکنیت سے مستعفی ہو کر اپنی عرض داشت پیش خدمت کر دی ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص و استقامت عطا فرمائیں، آمین، والسلام

خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ مدنی جامع مسجد چکوال ضلع جہلم، ۱۸/ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۳/جون ۱۹۷۰ء

اس استعفیٰ پر حضرت مولانا عبدالحق خان صاحب بشیر آف گجرات نے مندرجہ ذیل تبصرہ کیا تھا:

''بانی تحریک کے استعفیٰ کا متن پڑھ کر بآسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا استعفیٰ جائز تھا یا بلاوجہ؟ اور کیا بانی تحریک کے اس وقت محسوس کردہ خطرات آج بے نقاب ہو کر ظاہر نہیں ہو چکے؟ کیا میاں سراج احمد صاحب دین پوری کی پیپلز پارٹی میں شمولیت اسی غلط پالیسی کا نتیجہ نہیں؟ کیا مولانا احمد سعید رائے پوری کی فکر ولی اللہی کے روپ میں اشتراکی تحریک اسی غلط پالیسی کا فکری انجام نہیں؟ بلکہ ان اشتراکی نظریات کے جراثیم اس حد تک پھیلے کہ جنرل محمد ضیاء الحق شہید مرحوم کی عہد اقتدار میں مولانا سید امیر حسین شاہ صاحب گیلانی (امیر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب مولانا فضل الرحمان گروپ) نے تو اپنی گوجرانوالہ کی پریس کانفرنس میں صاف طور پر اعلان کر دیا تھا کہ ہم نمازی آمریت پر شرابی جمہوریت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ خبر لاہور کے اس وقت کے اخبارات میں شائع ہو چکی ہے کیا ان حالات نے صاف طور پر واضح نہیں کر دیا کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ کو جن خطرات کا اندیشہ تھا وہ اندیشہ درست تھا اور انہیں خطرات کی بناء پر انہوں نے جمعیۃ کی پالیسی سے عدم اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے جمعیۃ سے علیحدگی اختیار کر لی۔''[1]

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے استعفیٰ پر مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کا گرامی نامہ

استعفیٰ دینے کے بعد حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے دیرینہ خادم حافظ عبدالوحید صاحب حنفی کے نام قائد اہل سنت کے حوالہ سے مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کا ایک خط آیا تھا، جو حنفی صاحب

[1] عبدالحق خان بشیر، مولانا رحق چار یار رضی اللہ عنہم جنتری، صفحہ نمبر ۱۱۵، مطبوعہ ۱۹۹۰ء، گجرات

کے کسی خط کے جواب میں تھا، اس میں جانبین کا ادب و تعظیم، باہمی اعتماد و مؤدت، شکوہ و شکایت کا خوبصورت اظہار اور رتبہ و منزلت کا جو لحاظ پایا جاتا ہے وہ مذہبی جماعتوں کے کارکنوں کے لیے مشعل راہ اور قندیل تربیت ہے۔ ملاحظہ کیجیے!

''بعد از سلام مسنون! گزارش ہے کہ محترم قاضی صاحب ہمارے بھی بزرگ ہیں۔ ہم نے الحمدللہ اختلافِ رائے کے باوجود ہمیشہ احترام سے ان کا ذکر کیا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ جماعتی اختلاف پیدا ہو جانے کے بعد ہم نے کوئی کلمہ ان کے خلاف زبان سے نکالا ہو۔ لیکن جماعتی سلسلہ میں ہمیں بھی شکایت ہے۔ حضرت مدنی قدس سرہ ہم سب کے ہیں اور ان کی مقدس روحانیت سے ہمیں روحانیت ملتی ہے۔ خاکساروں سے ہمیں بھی اختلاف ہے، لیکن ہم نے اس خیال سے، کہ شاید پسماندگان کے وہ عقائد نہ ہوں جو خود رئیس الطائفہ کے تھے، ایک عظیم مصلحت کے تحت دو، تین ماہ کے لیے محاذ میں ان کو شامل کر لیا تھا، اگر یہ ان کی رائے میں غلطی تھی تو آخر کوئی بھی معصوم نہیں ہوتا۔ ایسی غلطی کو نباہنا پڑے گا۔ بہت سے دوسرے حضرات کو بھی اعتراض پیدا ہوا۔ لیکن شامل کرنے کے بعد فوراً ان کے علیحدہ کرنے کے اعلان سے جماعتی وقار جس بری طرح مجروح ہوتا اس سے اس دینی تحریک کو نقصان پہنچتا۔ ہم نے ایک دو ماہ تک خاموشی اختیار کی، پھر ان کو بلایا نہیں، تو خود بخود وہ تعلق ختم ہو گیا۔ لیکن حضرت قاضی صاحب جیسے بزرگ نے جس انتہا پسندی کا ثبوت دے کر اتنی بڑی دینی جماعت کو، اس کے دینی مقاصد کو، اس کے تمام خیر کے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے جو علیحدگی کا اعلان فرمایا اس سے جماعت کے سب بزرگوں کو نیاز مندانہ شکایت پیدا ہوئی، آخر سب اپنے ہی تو لوگ ہیں، اس کی طرح سزا دینا ان کی بزرگی اور شفقت کے شایانِ شان نہ تھا۔ بہرحال ہم اب بھی ان کے نیاز مند ہیں، خدا وہ وقت نہ لائے جب ہم میں اور ان میں کدورت پیدا ہو (العیاذ باللہ)۔ میرا سلام قاضی صاحب سے عرض کر دیں۔ والسلام[1]

قائد اہل سنت ؒ کے استعفیٰ پر مولانا محمد عبداللہ بھکروی کا بذریعہ خط مُخلصانہ مشورہ

مولانا محمد عبداللہ صاحب ؒ (بانی جامعہ قادریہ و مہتمم مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ بھکر) جو بعد میں جے یو آئی پنجاب کے عہدہ امارت پر بھی فائز رہے۔ حضرت اقدس قائد اہل سنت ؒ کے بے حد قدر شناس تھے اور قائد اہل سنت کے جمعیت سے الگ ہونے کے بعد بھی وہ برابر رابطہ و تعلق میں رہے، استعفیٰ دینے کے ارادہ پر

---

[1] محمود، مولانا، مفتی، مفکر ملت / بنام حافظ عبدالوحید حنفی / مرقومہ ۷، جولائی ۱۹۷۱ء، بمطابق ۱۳ جمادی الاول ۱۳۹۱ھ / مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

انہوں نے جو مشورہ پیش کیا تھا، وہ مندرجہ ذیل ہے:

''حضرت مخدومنا و مکرمنا دامت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مزاج مبارک! والا نامہ محررہ ۲۳، جمادی الاخریٰ جمعہ کی شام کو محمد یٰسین صاحب نے عنایت کیا، پڑھ کر تشویش ہوئی اس سے قبل ملتان کے اُس اجلاس کا نتیجہ علم نہ تھا واقعی یہ طرزِ عمل قابل افسوس اور توجہ طلب ہے لیکن جناب نے استعفیٰ دینے کا ارادہ میں جلدی فرمائی ہے۔ حُسنِ اتفاق سے اسی روز (جمعۃ) کو حضرت الاستاذ مولانا محمد رمضان صاحب مدظلہم اور حافظ سراج الدین صاحب بھی یہاں تشریف لائے اور ہم تینوں کو کسی کام کے لیے خانقاہ سراجیہ شریف کی حاضری نصیب ہوئی وہاں حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہم سے بھی مشورہ کیا اور ہم چاروں کی یہ رائے ہوئی کہ آنجناب ہرگز ہرگز استعفیٰ نہ دیں بلکہ استعفیٰ کے ارادہ کا بھی کسی کے سامنے ذکر نہ کریں۔ آپ صوبائی ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے حضرت امیر مرکزیہ کو لکھیں کہ وہ مرکزی شوریٰ کا اجلاس طلب کریں اور شوریٰ اس سلسلہ میں واضح پالیسی طے کرے۔ اگر مجلس شوریٰ ایک پالیسی وضع کرے اور خدانخواستہ آپ کو مطمئن نہ کر سکے تو پھر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ امید ہے کہ آنجناب ارادہ کو ترک فرما کر ہمیں مطمئن فرمائیں گے۔ جلدی جواب سے سرفراز فرمائیں۔ والسلام''[1]

قاضی صاحب نے ''حق چار یارؓ'' کے نعرہ کی آڑ میں پیری مریدی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے! حضرت درخواستی رحمہ اللہ سے منسوب ایک الزام کی اصلیت

جمعیت علماءِ اسلام سے استعفیٰ دینے سے سال، ڈیڑھ سال قبل ہی قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اگرچہ اپنی ''تحریک خدام اہل سنت والجماعت'' کی بنیاد رکھ دی تھی (جس کی مفصل تاریخ آئندہ اوراق میں آرہی ہے)۔ آپ رحمہ اللہ نے جب فرقہائے باطلہ کی علمی انداز میں تردید کی تو اس محاذ کی بہت ہی عجیب و دلچسپ کارگزاریاں وجود میں آئیں اور اکابرین جمعیت سے منسوب ایسی ایسی باتیں گھڑی گئیں کہ جن کا کوئی سر تھا نہ پاؤں، چنانچہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے جب خارجیت کے خلاف ''خارجی فتنہ'' کی پہلی جلد لکھ کر شائع کی تو اس پر ۸۰ صفحات کا ایک رسالہ بنام ''قاضی مظہر حسین چکوالی کے خارجی فتنہ کی

[1] محمد عبداللہ، مولانا/ بنام قائد اہل سنتؒ، محررہ ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ از مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ، جامع مسجد عمر فاروقؓ بھکر، پنجاب

''اصل حقیقت'' شائع کروا کر تقسیم کیا گیا، جس پر مولانا محمد علی صاحب سعید آبادی تلمیذ حضرت سندھی کا نام بطور مولف درج تھا، مگر یہ ایک فرضی کارروائی تھی، اس کے اصل مصنف مولوی طاہر المکی (کراچی) تھے جو یزیدی فتنہ کو پھیلانے میں عباسی مشن کے پُرزور ترجمان ہیں۔ اس کے جواب میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو ایک اور ضخیم کتاب ''کشف خارجیت'' لکھنا پڑی، اس محاذ کے جملہ پہلوؤں پر روشنی تو ہم آگے جا کر ڈالیں گے، یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مؤلف رسالہ ''اصل حقیقت'' نے حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ سے منسوب ایک جملہ اس کتابچہ میں لکھ کر اکابر کے مابین قلبی عناد کا تاثر دینے کی کوشش کی، مثلاً:

''نفسانیت اور حُبّ جاہ انسان سے کیا کیا حرکتیں کراتی ہے، اس کی بڑی دلچسپ مثال چکوال کے قاضی مظہر حسین صاحب ہیں، ان کے پرانے جاننے والے کہتے ہیں کہ جمعیت علمائے اسلام میں جب ان کی انانیت کو غذا نہ ملی تو یہ ناراض ہو کر اس سے مستعفی ہو گئے اور ایک جدا تنظیم قائم کر کے اس کے امیر بن گئے اس کے بعد بھی غصہ ختم نہیں ہوا تو قائد اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مرحوم کے خلاف ایک کتابچہ ''مفتی محمود کے نام کھلا خط'' کے عنوان سے شائع کر کے اپنے غصہ کی آگ کو ٹھنڈا کیا، اس کے جواب میں تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ نے (بہ روایت حضرت مولانا ابومغیرہ نور حسین عبداللہ صاحب واہ کینٹ) چکوالی صاحب کے متعلق فرمایا تھا کہ ''حق چار یارؓ'' کی آڑ میں پیری مریدی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔''[1]

قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے تو اس بے روح و بے وزن بات کی طرف التفات نہیں فرمایا، بلکہ آپ رحمہ اللہ نے معترض کے اس عنادی اعتراض کے جواب میں لکھا تھا کہ:

''حالانکہ جمعیت علماء اسلام سے میرا اختلاف نہ ذاتی ہے اور نہ مسلکی، حضرت مولانا درخواستی ہوں یا حضرت مولانا مفتی محمود مرحوم، نہ منکرین حیات النبی ہیں اور نہ حامیانِ یزید! اور نہ ہی مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ اکابر دیوبند کے مسلک کے مخالف ہیں، تو پھر یہاں جمعیت علمائے اسلام کا اختلاف چھیڑنے سے مؤلف کی خارجیت اور یزیدیت کو کیا حاصل ہوگا؟ یہ تو اصل مبحث میں ان کی بے بسی اور لاجوابی کی دلیل ہے کہ ناواقف لوگوں کی توجہ اصل بحث سے ہٹانا چاہتے ہیں۔''[2]

---

[1] طاہر المکی / اصل حقیقت، صفحہ نمبر ۱۷ / ۱۹۸۵ء، مطبوعہ کراچی۔

[2] مظہر حسین، قاضی، مولانا، قائد اہل سنت / کشف خارجیت، طبع اول / صفحہ نمبر ۲۲۴

استعفیٰ کی بابت مذکورہ الفاظِ عبارت سے مزید یہ بات نکھر گئی ہے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا اختلاف نہ تو مسلکی نوعیت کا تھا اور نہ ذاتی، بلکہ جمعیت علمائے اسلام کے معاصر بزرگوں کی وقتی اتحادی پالیسی سبب اختلاف تھی، جس کی رو سے وہ جماعت اسلامی، تحریک خاکسار، یا پھر اہل تشیع کو شامل اتحاد کرلیا کرتے تھے، نیز ''اصل حقیقت'' کے مؤلف کی نادانی اور تاریخ سے نابلدی کا ایک یہ بھی نمونہ ہے کہ وہ تحریک خدام اہل سنت کو جمعیت علماء اسلام کے بالمقابل جماعت قرار دے رہے ہیں، حالانکہ استعفیٰ دینے سے قبل قائد اہل سنت نے علاقائی ضرورت اور سنی کاز کے پیش نظر اپنی الگ جماعت کی داغ بیل ڈالی تھی۔ لہٰذا یہ محض قلبی عناد کا شاخسانہ ہے۔ اور سراسر تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

حضرتِ درخواستی رحمہ اللہ کی جانب سے تردید

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ نے اپنی ذات سے منسوب ان الفاظ کی تردید فرمائی تھی، اور اس کی دلیل قائد اہل سنتؒ کے خادمِ خاص کا وہ خط ہے جس میں انہوں نے حضرت درخواستی رحمہ اللہ سے پوچھا تھا کہ اس بارے میں ارشاد فرمائیں کہ کیا واقعی آپ نے فرمایا تھا کہ قاضی صاحب نے حق چار یارؓ کی آڑ میں پیری مریدی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے؟ یہ سمجھنے میں کسی کو مغالطہ ہوا ہے یا وہ آنجناب کا وقتی تاثر تھا، اب نہیں؟ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے متعلق اپنے موقف سے امید ہے کہ آپ مطلع فرمائیں گے تاکہ آئندہ چل کر تاریخ میں آپ کا مذکورہ قول ہی حجت نہ سمجھا جائے جو کہ ''اصل حقیقت'' رسالہ کے مصنف نے تحریر کیا ہے[1]۔

اس خط کے جواب میں صاحبزادہ مولانا مطیع الرحمن درخواستی کا تحریر کردہ جوابی مکتوب ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے اپنے والد گرامی کی اجازت سے لکھا تھا۔

''محترمی جناب وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔

بحمد اللہ خیریت ہے۔ جناب کا خط حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں پیش کیا گیا، حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ ایسی میں نے کہیں کوئی بات نہیں کی، کسی نے غلط طور سے میرے نام منسوب کی ہے۔ آپ بھی وہاں احباب و بزرگوں کو مطلع فرما کر مشکور فرماویں۔ امید ہے ضرور تکلیف فرماویں گے۔ جناب قاضی صاحب کی خدمت میں سلامٌ علیکم! نیز بیج کافی تعداد میں ارسال فرماویں،

---

[1] عبدالوحید حنفی حافظ/ بنام حضرت درخواستی رحمہ اللہ / مرقومہ ۹ ذوالحج ۱۴۰۵ھ چکوال۔

یہاں احباب کا کافی اصرار ہے، پہلی فرصت میں ارسال فرمائیں، محتاج دعا[1]۔

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا ظرف وحوصلہ ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے یہ وضاحتی خط کہیں بھی درج نہیں فرمایا، کیونکہ جہاں اپنی ذات کی صفائی یا وکالت کا تاثر پیدا ہوتا تھا، آپ اس عمل سے اجتناب فرماتے تھے، یہ خط زیر نظر کتاب کا ہی حصہ بننا تھا، سو قائد اہل سنت کے مخزونہ علمیہ سے دستیاب ہونے کے بعد ہم نے نذر قارئین کر دیا۔ ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۹ء جمعیت علماءِ اسلام میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی شاندار خدمات، اکابر کے اعتماد، آپ کے مبنی بر اصول اختلافات اور بالآخر استعفیٰ کی وجوہات پر ہم نے کافی حد تک معلومات اور منتشر حالات پر مشتمل واقعات یکجا کر دیئے ہیں، امید ہے کہ تحریکی ذوق کے حاملین اس سے حظ اٹھائیں گے اور اپنی تحریکی زندگی میں اس مشعل راہ تاریخ سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے، اسی دور کا ایک اہم قضیہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مرحوم اور مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کی مشائخ دیوبند سے فکری جدائی اور مستقل ایک گروہ کی بنیاد رکھنا بھی ہے، چونکہ اس تاریخی سانحہ میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا اساسی شاہدین میں اہم شمار ہوتا ہے اور صلح وصفائی کی مکمل کوششوں سے لے کر بالآخر راہیں الگ ہونے تک اس دل سوز قضیہ نامرضیہ میں آپ کا موثر ومتحرک کردار رہا ہے، فلہٰذا اس داستان کو ایک مستقل باب میں درج کیا جاتا ہے، چلئے اگلے باب کی جانب رخت سفر باندھیے۔ زیر نظر باب سے متعلقہ البتہ ایک اہم بات یہ کہ قائد اہل سنتؒ کا اکابرینِ جمعیت کے مابین پالیسی اختلاف کے باوصف ان کے ہاں اعتماد واحترام برقرار رہا، حتیٰ کہ جب مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ اپنے رفقاء سمیت بالکل الگ تھلک ہو چکے تھے اور حضرت لاہوریؒ کی قیادت میں جمعیت علماءِ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ہو چکی تھی، اور قائد اہل سنتؒ حضرت لاہوریؒ کی قیادت میں جمعیت علماء اسلام میں فعال کردار ادا کر رہے تھے، تب بھی حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ آپ کو اپنے ہاں جلسوں پر مدعو کرتے تھے۔ چنانچہ اِس وقت ۱۹۵۹ء کا ایک دعوت نامہ ہمارے پیش نظر ہے۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں:

''محترم گرامی قدر مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زیدت معالیکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! دار العلوم الاسلامیہ کے سالانہ جلسہ کے اجلاس ۲۴، ۲۵، ۲۶، اپریل ۱۹۵۹ء بمطابق ۱۵، ۱۶، ۱۷، شوال بروز جمعۃ، ہفتہ واتوار منعقد ہوں گے۔ ۲۶، اپریل ۱۹۵۹ء

---

[1] مطیع الرحمن درخواستی، حضرت مولانا/از خانپور، مدرسہ عربیہ مخزن العلوم، مؤرخہ (تاریخ وسن درج نہیں ہے، تاہم بعض قرائن سے محسوس ہوتا ہے کہ متذکرہ خط ۱۹۸۴ء کا ہے (سلفی)

اتوار کے آخری اجلاس میں جناب جنرل محمد ایوب خان صاحب صدر پاکستان صدارت فرمائیں گے۔ دینی محبت اور ذاتی تعلق کی بناء پر مجھے آپ سے قوی امید ہے کہ آپ اس اہم موقع پر اجلاس میں شرکت فرما کر مستفید فرمائیں گے جناب کی طرف سے منظوری کی اطلاع موصول ہونے پر پروگرام مصارف سُفر ہ وسفر سے متعلقہ ضروری معلومات کردی جائیں گی۔ والسلام[1]

قائد اہل سنتؒ نے دعوت قبول کرتے ہوئے مندرجہ ذیل جوابی خط ارسال فرمایا:

☆ ''حضرت مولانا المکرم زید مجدہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گرامی نامہ نے ممنون فرمایا، یاد آوری اور عنایت فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں بندہ ناکارہ اس قابل تونہیں کہ ایسے عظیم علمی و دینی اجتماع میں مدعو ہوسکے مگر امتثالِ امر کے پیش نظر ان شا اللہ العزیز مقررہ تاریخوں میں بروز شنبہ حاضر خدمت ہوجاؤں گا۔ حق تعالیٰ اکابر دین وعلمائے حق کے ذریعہ ملک وملت کی اصلاح فرمائیں اور پاکستان میں نظامِ حق قائم ہو۔''[2]

---

[1] مولانا احتشام الحق تھانویؒ بنام قائد اہل سنتؒ/دعوت نامہ، اپریل ۱۹۵۹ء/جیکب لائن کراچی۔

[2] قائد اہل سنتؒ بنام حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ/ ۴/رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ/چکوال

(۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۲ء)

❀ ۱۹۵۷ء میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کا مسئلہ حیات النبی ﷺ پر تعبیری اختلاف، رفعِ اختلاف کی مخلصانہ کوششیں، کوششوں میں ناکامی، ناکامی کے اسباب، اور تعبیری اختلاف کا ایک مستقل ''فتنہ'' میں منتقل ہونا

❀ شاہ صاحب کے ساتھ قائد اہل سنت کے برادرانہ تعلقات، بعد ازاں کلی انقطاع، اور فتنہ انکارِ حیات النبی ﷺ کا قلع قمع کرنے میں اہم کردار

❀ ابتدائی دور میں باہم بحث و مباحثہ اور یادگار خط و کتابت کی ایک ایسی داستان کہ جس کی تفصیل انہی اوراق سے مل سکتی ہے

❀ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب اور مولانا محمد علی جالندھریؒ کے مابین ہاتھا پائی کیوں ہوئی تھی؟ ناقابلِ تردید شواہدات کی روشنی میں تحقیقی انکشافات

؎ کریں گے مر کے بقائے دوام کیا حاصل؟
جو زندہ رہ کر مقامِ حیات پا نہ سکے

قضیّہ انکارِ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اور قائد اہل سنت کا کردار

ایک زمانہ تھا کہ لاہور سے راولپنڈی تک کے چند شہروں کے مکین و مقیم علماء کرام کا آپس میں نہایت مربوط اور مضبوط دوستی کا رشتہ تھا، گزشتہ ۷۰ سالوں کے اخبارات، مذہبی رسائل، جلسوں کی کارگزاریاں، فرقہائے باطلہ سے مقابلے، اور دیگر خدماتِ دینیہ کے تناظر میں پرکھا جائے تو ان چند اہل علم کا باہمی اعتماد قابل رشک و لائق تقلید تھا، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ لاہور ...... مولانا عبید اللہ انورؒ
۲۔ گوجرانوالہ ...... مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مولانا صوفی عبد الحمید سواتیؒ
۳۔ قلعہ دیدار سنگھ ...... مولانا قاضی نور محمد
۴۔ گجرات ...... مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری
۵۔ سرائے عالمگیر ...... مولانا عبد اللطیف بالاکوٹی
۶۔ جہلم ...... مولانا عبد اللطیف جہلمی
۷۔ چکوال ...... قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین
۸۔ راولپنڈی ...... مولانا غلام اللہ خان

پھر ان میں سے گجرات، جہلم اور چکوال کے شہروں کے قریبی اتصال، اور مسلکی ہم آہنگی کی بناء پر قائد اہل سنت، مولانا عبد اللطیف جہلمی، اور مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری یعنی ''یارانِ ثلاثہ'' کے باہمی تعلقات بے مثال رہے ہیں۔ سید عنایت اللہ شاہ صاحب اور قائد اہل سنت کا سن ولادت ایک ہی ہے، یعنی ۱۹۱۴ء۔ شاہ صاحب ڈابھیل سے فارغ التحصیل تھے، جبکہ قائد اہل سنت اور مولانا عبد اللطیف جہلمی دار العلوم دیوبند کے خوشہ چین تھے، شاہ صاحب پر مولانا حسین علی واں بھچرویؒ کی صحبت و طبیعت کا اثر زیادہ تھا جبکہ قائد اہل سنتؒ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور اپنے عظیم والد گرامی ابو الفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا حسین

علی رحمہ اللہ (واں بھچراں) کے مزاج میں تشدد کا عنصر زیادہ تھا، اور ان کے متوسلین و مصاحبین میں دو بزرگ ایسے ہیں کہ باوجود عقیدت و محبت کے، ان پر حضرت مولانا حسین علی واں بھچروی رحمہ اللہ کا متشددانہ رنگ نہ چڑھ سکا، اور وہ اپنی بھرپور علمی و دینی زندگی میں علماء احناف کے مسلک اعتدال کے منادر ہے، یہ حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان صاحب سواتی ہیں، ان دونوں بھائیوں نے اس طوفانِ بلاخیز میں بھی اعتدال کا رستہ ترک نہ کیا، یہی وجہ ہے کہ فتنہ انکار حیات کے وجود میں آجانے کے بعد پہلی مؤثر علمی آواز ''تسکین الصدور'' کے نام سے انہی کی طرف سے آئی تھی، اور یہ اعتماد علی السلف قائم رکھنے پر قدرت کی جانب سے ان کے حق میں ایک انعام تھا، اگرچہ سلطان العلماء مولانا علامہ خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ کی علم افروز کتاب ''مقامِ حیات'' تسکین الصدور سے پہلے شائع ہوگئی تھی۔ مگر ہمارا طالب علمانہ تجزیہ ناقص یہ ہے کہ ''تسکین الصدور'' نے عوام الناس کو بیدار کیا ہے اور ''مقامِ حیات'' نے علماء کرام کو خبردار اور استدلال و استنباط کے علمی ہتھیاروں سے مسلح کیا ہے۔ شاہ صاحب بخاری کی بات ہو رہی تھی، گزشتہ اوراق میں گزر آیا ہے کہ جمعیت علماء اسلام کی امام لاہوری رحمہ اللہ کی قیادت میں نشاۃ ثانیہ کے چند ماہ بعد ہی مولانا حسین علی واں بھچروی مرحوم کے تلامذہ و مسترشدین نے ''جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ'' قائم کر ڈالی تھی جسے حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے پسند نہیں فرمایا تھا، یہ جمعیت کے مقابلہ میں نام کی حد تک پہلی ''جمعیت'' تھی، مگر کام کی نوعیت اور دائرہ کار چونکہ الگ الگ تھا، اس لیے بغیر کسی تصادم یا بڑے اختلاف کے دونوں میدانوں میں کام ہوتے رہے۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ پنجابی زبان کے بلاشبہ اپنے وقت میں بہت بڑے خطیب تھے، جو توحید کے موضوع پر چاروں صوبوں میں یکساں شوق سے سنے جاتے تھے، یہ پنجابی زبان کے شاید واحد خطیب تھے کہ جنہیں سندھی، پشتو، ہندکو، اور سرائیکی زبانیں بولنے والے بھی سنتے ہوئے سر دھنتے تھے۔ مولانا محمد ضیا القاسمی رحمہ اللہ نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ:

> ''اچانک (فیصل آباد) شہر کی دیواروں پر اشتہارات دیکھنے میں آئے کہ مدرسہ اشرف المدارس کا سالانہ جلسہ ہوگا، جس میں دوسرے اکابر کے علاوہ حضرت شیخ القرآن اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری بھی تشریف لائیں گے۔ شاہ صاحب کا اسم گرامی اور بھی اشتیاق کا باعث بنا، کیونکہ حضرت شاہ صاحب کا نام طلبہ کی مجلسوں کا محبوب اور پسندیدہ نام ہوا کرتا تھا۔ رات کو دھوبی گھاٹ میں تقریباً پچاس ہزار انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا اجتماع تھا۔ ضروری

کارروائی کے بعد مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کو تقریر کی دعوت دی گئی، ایک حسین وجمیل چہرہ اور پُروقار خوبصورت شخصیت سٹیج پر نمودار ہوئی۔ گلے میں قرآن مجید اور کندھے پر بندوق، سر پر ایک خوبصورت سبز ٹوپی نے تو شاہ صاحب کو اور بھی نکھار دیا، آپ کے پُرشکوہ اور باوقار چہرہ کو دیکھتے ہی مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا، شاہ صاحب نے بہت ہی درد وسوز سے خطبہ مسنونہ اور قرآن پاک کی خوش آوازی سے تلاوت فرما کر اس کا ترجمہ کیا، اور پھر آہستہ آہستہ تقریر کا آغاز فرمایا، موضوع تھا ''دین صحیح کیا ہے؟'' جوں جوں وقت گزرتا گیا شاہ صاحب کی تقریر مجمع پر جادو کرتی گئی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ قرآن کے موتی ہیں جو شاہ صاحب کی جھولی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس پُرکیف عالم میں مجمع میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا نعرہ بلند ہوتا ہے، دیکھا تو دنیائے خطابت کے تاجدار سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سٹیج پر تشریف لے آئے ہیں۔ مجمع کی حالت دیکھنے کی تھی، حضرت امیر شریعت نے آتے ہی مجمع کو اشارہ سے خاموش رہنے کا کہا اور سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے سامنے چوکڑی مار کر بیٹھ گئے اور شاہ صاحب سے فرمایا ''بیان جاری رکھئے'' مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کا بیان جوبن پر تھا، حضرت امیر شریعت داد وتحسین کے ڈونگرے برسا رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو میں نے سنا، سچی بات یہ ہے کہ اس تقریر سے شاہ جی کی شخصیت میرے دل میں اتر گئی اور ان کی خطابت وسلاستِ بیان کا میں فریفتہ ہو گیا۔''[1]

اسی طرح قائد اہل سنت رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، جمعیت علمائے ہند کے آخری جلسہ منعقدہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۲ء کو لاہور میں تشریف لائے تھے، اور تقریر فرمائی ...... لاہور سے حضرت مدنی کو مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجرات لے آئے، وہاں جامع مسجد کالری دروازہ میں حضرت نے دن کو تقریر فرمائی اور رات کو نمازِ عشاء کے بعد متعدد کو بیعت سے مشرف فرمایا، اور وہاں مولانا (عبداللطیف) جہلمی نے بھی شیخ العرب والعجم حضرت مدنی سے بیعت کی سعادت حاصل کی۔''[2]

---

[1] ضیا القاسمی، حضرت مولانا / مرے دور کے علماء ومشائخ جنہیں میں نے قریب سے دیکھا / صفحہ ۱۳۹ مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ فیصل آباد / مارچ ۲۰۱۴ء۔

[2] حضرت جہلمی نمبر، صفحہ ۴۷ / ماہنامہ حق چار یارؓ ۱۹۹۸ء / لاہور

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے باہمی مراسم کا تو یہ عالم تھا کہ شاہ صاحب نے اپنے فرزند سید ضیاء اللہ شاہ بخاری کو حفظ قرآن مجید کے لیے حضرت جہلمی رحمہ اللہ کے پاس جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں داخل کرایا اور وہ کچھ عرصہ تک وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مولانا مرحوم نے انہیں مدرسہ کی بجائے گھر میں رکھا اور ان کے قیام وطعام کا انتظام اپنے گھر سے کرتے[1]۔ یہ واقعات وحالات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آمدہ سطور سے کسی نئے قاری کو ایسا مغالطہ نہ لگے کہ شاہ صاحب کے ساتھ ہمارے بزرگوں کا اختلاف کسی عناد پر مبنی تھا۔ نہیں، بلکہ وہ عین تشدد واعتدال اور ایک بنیادی عقیدے کے اعتبار سے حق اور باطل کا اختلاف تھا، وگرنہ قائد اہل سنت، مولانا عبداللطیف جہلمی اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مسلک، جماعت، دینی ادارہ اور اس سے آگے بڑھ کر خاندانی تعلقات و معاملات میں بھی ایک دوسرے کو شریک مشورہ کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جہلم اور چکوال میں اہل سنت بنات کے لیے مدرسوں کا قیام شاہ صاحب کی مشاورت اور ان کی تحریک پر ہی ہوا تھا۔ کیونکہ خطہ برصغیر میں یہ اعزاز بہرحال مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کو حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے مسلمان بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی۔

پھر اہل حق کو نظرِ بد لگ گئی

شاہ صاحب کی طبیعت میں بے اعتدالی تو تھی ہی، جیسا کہ مولانا حسین علی صاحب واں بھچروی رحمہ اللہ کے متوسلین کی اکثریت میں ہوتی ہے۔ مگر اس حد تک کہ وہ کبھی اجماع امت سے بھی ٹکرا جائیں گے؟ شاید کسی کے وہم وگمان میں نہ تھا۔ ۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ میں حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے حسب مزاج عقیدہ توحید پہ خطاب کرتے ہوئے اچانک ایک ایسا روٹ اختیار کرلیا کہ جس میں انتشار وافتراق کی گہری کھائیاں پائی جاتی تھیں، آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی الروضہ اور سماع عند القبر اطہر کی نفی کردی اور زور وشور کے ساتھ اس پر خطاب جاری رکھا، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ نے بروقت اور برمحل اس کا نوٹس لیا اور شاہ صاحب کے خطاب کے بعد مسئلہ مذکورہ کی وضاحت بھی فرمائی اور شاہ صاحب کے تسامحات پر نکیر کی، علاوہ ازیں حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کے ذمہ ''عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کا

---

[1] عبدالحق خان بشیر، مولانا حضرت جہلمی نمبر ۱۲۶ / ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور ۱۹۹۸ء

موضوع سپرد کیا کہ وہ اپنے جامع و فاضلانہ خطاب میں اس سلسلہ میں سامعین وشرکاءِ جلسہ کی شرعی رہنمائی فرمائیں گے۔ اس وضاحتی بیان سے شاہ صاحب بگڑ گئے اور کچھ ایسے بگڑے کہ باقاعدہ ضد وعناد پر مشتمل ایک جتھہ ترتیب وتشکیل دیا جس نے آگے چل کر بعض منہ زور اور بے لگام قسم کے واعظین پیدا کرکے صلح وتفہیم کی ساری صورتیں مسخ کرکے رکھ دیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دھیرے دھیرے بات سرحد پار جا پہنچی تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کو حکم دیا کہ آپ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب اور دوسرے علماء کرام کو بٹھا کر مسئلہ کی وضاحت کروائیں اور اختلاف کا خاتمہ کروانے میں اپنا کردار ادا کریں، بعض واقفانِ احوال کا کہنا ہے کہ شاہ صاحب کے خطاب کے بعد موقع پر ہی اس کی تردید کرنے کی بجائے اگر اسی وقت بعد میں باہم مل بیٹھ کر بحث کرلی جاتی تو شاید وہ صورتحال پیدا نہ ہوتی جس نے آگے جا کر گل بوٹے کھلائے تاہم اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلوں کو کوئی نہیں روک سکتا، اگر ایسی تدبیریں ہر کوئی قبل از وقت کرلے تو اس دنیائے آب وگل میں انسانوں کی باہم کشمکش ہی نہ ہو۔ بہرحال حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے چند ایک علماء کرام کو طلب کیا اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو بھی پیغام بھیج دیا کہ آپ زیادہ سے زیادہ پانچ اپنے ساتھ علماء کرام لے کر آسکتے ہیں، مگر شاہ صاحب جہاں بھی جاتے، بس بھر کرلے جاتے۔ چنانچہ افہام وتفہیم کی اس پہلی کوشش میں بھی یہی کچھ ہوا، بلکہ بہت کچھ ہوا، وہ کچھ کہ جس نے شاہ صاحب کو کلیتاً اپنے ہم مسلک اکابر سے کاٹ کر رکھ دیا۔ حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب آف مخدوم پور پہوڑاں، ضلع خانیوال بھی اس مجلس کے عینی گواہ تھے۔

مصالحت کی پہلی کوشش میں قائد اہل سنت کا کردار اور شاہ صاحب کی جارحیت کا پہلا مظاہرہ

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ نے فریقین کے پانچ پانچ علماء کرام کو طلب کیا تھا۔ حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ قائلین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، اور مولانا سید محمد امین شاہ صاحب رحمہ اللہ نمائندہ تھے جبکہ دوسرے فریق کی جانب سے حضرت مولانا غلام اللہ خان، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب نمائندگی کر رہے تھے۔ اور پچیس سے زائد افراد کی فورس مع زائد تھی۔ ہم حیران رہ گئے کہ بلاضرورت لشکرکشی کی صورت کیوں کر پیدا کردی گئی ہے؟ اگر عددی برتری سے عقدہ کشائی ممکن ہے تو الحمدللہ ہم بھی فوج لاسکتے ہیں اور اکثریت

تو قائلین ہی کی ہے۔ مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے ہمیں فرمایا کہ آپ ابھی باہر ہی رہیں، میں اندر جا کر حضرت (مولانا خیر محمد) جالندھری سے عرض کرتا ہوں کہ حکم نامہ کے مطابق صرف پانچ افراد ہی موجود ہوں، باقی باہر چلے جائیں۔ حضرت قاضی صاحب (قائد اہل سنت) نے مسکرا کر فرمایا کہ کوشش کر کے دیکھ لیں، منکرین آپ کی بات تسلیم نہیں کریں گے۔

؎ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

حضرت مولانا محمد علی جالندھری صاحب مرحوم نے جب شاہ صاحب کو جا کر یہ بات کہی تو انہوں نے فرمایا آپ کون ہوتے ہیں ہمارے ساتھی نکلوانے والے؟ مولانا جالندھری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے بجا طور پر اصولی بات کی ہے۔ جب پانچ کا کہا گیا ہے تو ہمیں تعمیل کرنی چاہیے۔ تو مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے کہا کہ "حضرت کا حکم نامہ کوئی صحیفۂ آسمانی ہے کہ جس کی تعمیل واجب ہو؟ اس دوران شور و شر پیدا ہو گیا، پھر یوں ہوا کہ میری آنکھوں کے سامنے مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے اپنے دونوں گھٹنے ٹیک کر مولانا محمد علی صاحب کے چہرہ پر زوردار تھپڑ مار دیا[1]۔ اس جسارت و دیدہ دلیری کو دیکھ کر بندہ کے غصہ کے انتہا نہ رہی، شدید جذبات میں بہت سخت و سست کہا، اور مطالبہ کیا کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب معافی مانگیں، ورنہ میں اپنے ہاتھ سے بدلہ لوں گا، جب انہوں نے لیت و لعل سے کام لیا تو بندہ نے انہیں پکڑنا چاہا، جس پر مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کی پشت کے پیچھے جا کر چھپ گئے، اور کہا کہ سید امین شاہ سے مجھے بچائیے! حضرت جالندھری مرحوم نے فرمایا کہ آپ نے بہت زیادتی کی ہے، آپ کو معافی مانگنا ہو گی، یہ سن کر مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے بار بار معافی مانگی۔ بعد میں جب گفتگو کا آغاز ہوا تو شاہ صاحب اور ان کے طرف داروں نے اصرار کیا کہ جانبین میں سے اس مسئلہ کو کوئی بھی جلوت یا خلوت میں بیان نہ کرے، حالات کی سنگینی اور مصلحت کی خاطر اس پر سب نے دستخط کر دیئے مگر قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین اور راقم (سید محمد امین شاہ) نے دستخط نہیں کیے۔ مگر اس معاہدہ کے بعد پہلی ہی رات کو شاہ صاحب کے احباب نے ملتان، ہندی مسجد میں جلسہ کیا اور معاہدے کی برخلاف تقریریں کیں۔ فیا للعجب![2]

---

[1] سید محمد امین شاہ رحمہ اللہ، حضرت مولانا رقائد اہل سنت نمبر صفحہ نمبر ۴۰۴، ماہ نامہ حق چار یارؓ، مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء، لاہور

[2] تھپڑ مارنے کی وجہ اگلے صفحات پر پیش کی جا رہی ہے ملاحظہ کیجیے۔ سلفی

اور خود قائد اہل سنت رحمہ اللہ یوں رقم زن ہیں:

''مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کی وجہ سے تمام اکابر دیو بند نے مولوی غلام اللہ خان اور ان کی پارٹی سے انقطاع کر لیا تھا حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کی کوشش سے حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے تمام خلفاء، اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری، بانی جامعہ اشرفیہ لاہور نے مولوی غلام اللہ خان صاحب کے سالانہ جلسہ سے بائیکاٹ کر دیا تھا۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے ان کے جلسہ میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ اور مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ صاحب وغیرہ اکابر جمعیت ان کے سخت مخالف ہو گئے تھے، مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے علماء وزعماء حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے زور وشور سے ان کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ ابن امیر شریعت مولانا حافظ عطاالمنعم بخاری صاحب ان کے سخت مخالف تھے۔ ان کی زبان سے خود میں نے ملتان میں مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے خلاف سخت الفاظ سنے تھے۔ تحریری اور تقریری مناظرات کی نوبت پہنچ گئی۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے سب سے زیادہ اس پارٹی کے خلاف مہم چلائی۔ مناظر اسلام حضرت مولانا لعل حسین اختر نے ان کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ اور علامہ خالد محمود صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے علمائے حق کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور شاہ صاحب بخاری کی طرف سے مناظرہ کے چیلنج کے جواب میں بندہ نے ان کے نام کھلی چٹھی میں چیلنج قبول کیا۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی صاحب ثالث تجویز ہوئے، انہوں نے تحریری مناظرہ شروع کروایا، لیکن شاہ صاحب نے تحریری مناظرہ سے انکار کر دیا۔ میری کھلی چٹھی اور شاہ صاحب کا جواب اور ان کی تفصیلات کے لیے ''ترجمان اسلام لاہور'' ۲۷/ اپریل ۱۹۶۲ء ملاحظہ ہو، مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ نے ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں ان کا سخت تعاقب کیا۔ خلاصہ یہ کہ اس پارٹی کا دائرہ تنگ ہو گیا۔ یہ (باتیں) حضرات فریقین کو معلوم ہیں۔ ترجمانِ اسلام لاہور اور تعلیم القرآن راولپنڈی کی فائلیں گواہ ہیں۔''[1]

---

[1] مظہر حسین، حضرت مولانا، قائد اہل سنت/ کشف خارجیت، صفحہ نمبر ۱۷۴، طبع اول، جون ۱۹۸۵ء/ چکوال۔

قائد اہل سنت کا یہ فرمان کہ ''اس پارٹی کا دائرہ تنگ ہو گیا۔'' بہت ہی معنی خیز ہے۔ اس کی معنویت وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جنھوں نے مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کا عروج خطابت دیکھا ہو، سید صاحب موصوف جو پاکستان کے چاروں صوبوں، شہروں اور قصبہ جات میں تبلیغی جلسے کیا کرتے تھے، اب گجرات، منڈی بہاؤ الدین، میانوالی اور ڈیرہ اسماعیل خان کے چند دیہاتوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ اگرچہ انہیں محدود کرنے کے لیے علماء امت کو مسلسل ایک جدوجہد اور طویل مدت سے گزرنا پڑا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محب النبی صاحب (لاہور) نے کاتب السطور کو ایک مرتبہ بتایا کہ میں نے شاہ صاحب بخاری کا وہ زمانہ بھی دیکھا کہ جب وہ خطاب کرتے تو ہزاروں لوگ ہمہ تن گوش ان کی خطابت پر جھومتے نظر آتے، پھر میں نے وہ وقت بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سمن آباد لاہور کے ایک گراؤنڈ میں حضرت شاہ صاحب خطاب کر رہے تھے اور آگے گنتی کے درجن بھر افراد بطور سامعین موجود تھے۔ بہر حال تصفیہ وصلح کی اس پہلی کوشش میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ موجود تھے جو مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کی اس جارحیت کی بھینٹ چڑھ گئی تھی جس میں انہوں نے حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کو طمانچہ رسید کر دیا تھا، آگے چلنے سے پہلے یہاں شاہ صاحب کے معتقدین کے ایک پروپیگنڈہ کا ازالہ بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے حضرت مولانا حسین علی واں بھچروی کی شان میں بے ادبی کی تھی، جس پر شاہ صاحب نے طیش میں آ کر طمانچہ رسید کیا تھا، یہ بالکل خلافِ حقیقت ہے، اور کذب صریح ہے۔ اس وقت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی ذات کسی بھی حوالے سے زیر بحث ہی نہ تھی اور نہ ہی کوئی نوبت مذاکرہ آئی تھی کہ جس میں ان کا کوئی تذکرہ آتا، ابھی تو ابتداء میں آدمیوں کی اکثریت پہ نزاع ہوا تھا کہ شاہ صاحب جارحیت پر اتر آئے تھے، اس لیے اس بات میں ذرہ برابر بھی کوئی صداقت موجود نہیں ہے۔ تاہم ہاتھا پائی کی بنیادی وجہ معتبر حقائق کے ساتھ آئندہ صفحات میں درج کی جا رہی ہے۔

مصالحت کی دوسری کوشش میں قائد اہل سنت کا کردار اور شاہ صاحب کی دوبارہ ہٹ دھرمی (۱۸، جون ۱۹۶۰ء کا ایک یادگار قضیّہ)

جب حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی جانب سے صلح کی پہلی کوشش ناکام ہو گئی تو اب حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ نے اپنا مخلصانہ کردار ادا کرنے کے لیے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ سے مشاورت کی، جس میں یہ طے پایا کہ لاہور میں امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی

لاہوری رحمہ اللہ اگر فریقین کو اپنے پاس شیرانوالہ مرکز طلب فرما کر جانبین سے مسئلہ ہذا پر مکمل دلائل وموقف سماعت فرمائیں تو شاید الجھاؤ سے نکل کر سلجھاؤ کی کوئی شکل نکل آئے۔ حضرتِ لاہوری رحمہ اللہ نے یہ تجویز قبول فرمالی اور ارشاد فرمایا کہ فریقین کے چند افراد مؤرخہ ۱۸، جون ۱۹۶۰ء کو میرے پاس تشریف لے آئیں، چنانچہ فریقین کو اطلاع کر دی گئی۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین، اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے رات کا قیام دفتر جمعیت علماء اسلام چوک رنگ محل، لاہور میں کیا اور اگلی صبح، یعنی ۱۸ جون ۶۰ء کو جب آٹھ بجے شیرانوالہ مرکز میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے پاس پہنچے تو وہی منظر دیکھا جس کی توقع تھی، یعنی حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کم وبیش دو بسوں کی سواریاں لے کر مسجد میں براجمان تھے، اللہ، اللہ! اجی شاہ صاحب یہ کیا ماجرا ہے؟ آپ نے پھر وہی ملتان والی روِش دوہرا ڈالی؟ اس طرح جمِ غفیر ہمراہ لے آنے سے کیا اس علمی مسئلہ کا کوئی حل نکل سکے گا؟ ابھی شاہ صاحب بخاری کے اس طرزِ عمل پر لے دے ہو رہی تھی کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے علیحدگی میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کو اپنے ہاں طلب فرمایا، اور عذر ظاہر فرمایا کہ مدرسۃ البنات میں تعطیل کرنے سے تعلیم کا حرج ہوگا، اور مسجد میں اس لیے نامناسب ہے کہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب ایک فوج ظفرِ موج لے کر بیٹھے ہیں، وہاں سوائے غل غپاڑے اور ہنگم بازی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ باقی لوگ شیرانوالہ مسجد ہی میں رہیں اور فریقین کے چار چار افراد دفتر جمعیت علماء اسلام، چوک رنگ محل چلے جائیں یا وہیں پر دفتر مجلس احرار سے متصل ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کے مکان میں منتقل ہو جائیں اور میں بھی وہیں آجاتا ہوں۔ یہ ایک معقول بات تھی اور اگر اس میں کسی قدر تکلیف تھی تو سبھی کے لیے تھی، خصوصاً حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا زمانہ ضعف تھا، اور اس تمام تر تکلیف کا سبب بھی حضرت شاہ صاحب کی ذات شریف تھی کہ انہوں نے جو اپنا لاؤ لشکر مسجد شیرانوالہ میں لا بٹھایا تھا، اس کی موجودگی میں فتنہ وفساد تو ممکن تھا، صلح اور مسئلے کا حل ناممکن! شیرانوالہ گیٹ سے چوک رنگ محل کے درمیان فاصلہ ہی کتنا ہے؟ پھر وہاں تمام حضرات کا ہی جانا طے ہوا تھا۔ مگر مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو اللہ تعالیٰ موقع دے سہی، انہوں نے اسی کو بنیاد بنا کر وہاں بیٹھے بیٹھے ہی محاذ کھڑا کر دیا کہ نہیں، اجلاس مسجد شیرانوالہ ہی میں ہوگا۔ اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ پہ الزام بھی دھر دیا کہ وہ اپنے کسی سیاسی مفاد کے تحت ایسا کر رہے ہیں اور مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے کان میں آکر کانا پھوسی کرتے ہیں اور یوں انہوں نے اجلاس شیرانوالہ سے چوک رنگ

محل منتقل کر کے دراصل راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ مذکورہ اجلاس کے اصل محرک ہی مولانا ہزاروی رحمہ اللہ تھے تو وہ بھلا کس لیے راہِ فرار اختیار کرتے؟ یہ سب حضرت شاہ صاحب کی دھونس اور ضد بازی کا شاخسانہ تھا۔

مسجد شیرانوالہ سے چوک رنگ محل تک

(تبادلہ خط وکتابت مابین مولانا غلام غوث ہزاروی و مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری)

اب بڑی عجیب و دلچسپ صورت حال یہ پیدا ہوگئی کہ حضرت مولانا ہزاروی رحمہ اللہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ اور مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اپنے دفتر واقع چوک رنگ محل آ گئے اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ، مولانا قاضی نور محمدؒ (قلعہ دیدار سنگھ) اور مولانا قاضی شمس الدین (گوجرانوالہ) مع اپنی فوج ظفرِ موج شیرانوالہ میں دھرنا مارے تشریف فرما رہے اور یہیں سے خط و کتابت شروع ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ فریقین باہم بیٹھتے تو حضرت لاہوری رحمہ اللہ بھی تشریف لے آتے، سو جب تک فریقین کسی نقطہ پر جمع نہ ہوئے، حضرت لاہوریؒ بھی اپنے گھر سے باہر تشریف نہ لائے۔ قاصد شیرانوالہ تا چوک رنگ محل خطوط کا تبادلہ کرتا رہا، انجام وہی ہوا جو ملتان میں ہوا تھا یعنی بے نتیجہ! یہ فریقین کے مابین ہونے والی جملہ خط و کتابت اصل خطوط کے ساتھ ذخیرۂ قائد اہل سنت سے ہمیں دستیاب ہوئی ہے، یہ تاریخی ریکارڈ مولانا عبدالرحیم مرحوم، مہتمم مدرسہ رحیمیہ شکر گڑھ، ضلع نارووال مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اپنے ایک تبلیغی سفر میں قائد اہل سنتؒ کو مہیا کرنے کا وعدہ کیا تھا اور پھر حسبِ وعدہ انہوں نے اصل ریکارڈ، آپؒ کی خدمت میں ارسال کر دیا تھا، ہمارے پاس مولانا عبدالرحیم مرحوم کا منسلکہ و مرسلہ خط بھی موجود ہے، بہرکیف یہ نادر ذخیرہ جواب سوانح قائد اہل سنت کی زینت بن رہا ہے، قارئین مطالعہ فرمائیں، محظوظ ہوں اور اس سے کسی قدر، بلکہ واضح شواہدات سے اندازہ بھی لگایا جا سکے گا کہ مسئلہ انکار حیات النبی ﷺ کے ابتدائی دنوں میں ہمارے اکابر اس فتنے کو کچلنے کے لیے اور نیک نیتی کے ساتھ اسے نمٹانے کے لیے کتنے بے قرار و بے چین تھے اور حضرت شاہ صاحب اسے طول دینے میں کتنے سرگرم تھے؟ یہ حقیقت ان خطوط سے بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔ ان اصل خطوط سے ہمیں اندازہ ہوا ہے کہ مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری دونوں مرصّع قلم یعنی خوشخط تھے، شاہ صاحب کے انداز تحریر میں شکستگی کا حُسن نمایاں ہے، اور حضرت ہزاروی کی تحریر بھی صاف ستھری اور اُجلی ہوتی تھی۔ پھر یہ خطوط دست بدست، فوری اور عجلت میں لکھ کر متبادل ہوتے رہے، اس

لحاظ سے بھی تحریر کی شگفتگی متاثر کُن ہے۔ بہر حال اب خط و کتابت ملاحظہ کیجیے!

حضرت قاضی صاحب مسئلہ حیات النبی ﷺ کے امین ہیں،

تاریخی دستاویز ارسال کرنے والے ایک عالم دین کا یادگار خط

''واجب التعظیم بخدمت جناب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج گرامی؟ خیریت موجود، خیریت مطلوب، عرض ہے کہ بندہ جماعت کے ہمراہ تلہ گنگ میں چلّہ کے لیے گیا ہوا تھا اور چکوال میں جناب کی خدمت میں حاضری دی تھی۔ ملاقات بہت مختصر تھی آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ بندہ نے عرض کیا تھا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ اور عنایت اللہ شاہ صاحب کے درمیان مبادی طے پانے کی لاہور میں خط و کتابت کی غیر مطبوعہ دستاویز میرے پاس ہے جو میں بھیجوں گا۔ وہ ارسال خدمت ہے، نیز حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کے خط میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کے تنازعہ کا پس منظر بیان کیا گیا تھا جو غیر مطبوعہ ہے اور وہ بھی ارسال خدمت ہے۔ چونکہ آپ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے امین اور وارث ہیں لہٰذا یہ امانت آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ بندہ اُن دنوں لاہور، گوجرانوالہ میں تحفظ ختم نبوت پاکستان کا خادم (مبلغ) تھا۔ یہ میرے پاس محفوظ رہے۔ نیز گجرات میں محلّہ فتو پورہ کی جامع مسجد میں بندہ خطیب رہا ہے۔ جب شاہ صاحب نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اہل محلہ کو مجھے نکال دینے پر مجبور کر دیا تھا تو پھر بریلوی حضرات نے مولانا نذیر اللہ خان صاحب رحمہ اللہ اور چوہدری خلیل احمد کو مسجد جی ٹی روڈ گجرات والی دی تھی جو مسجد حیات النبی ﷺ بنی تھی۔ یہ دستاویز اصل ہیں، ان کی ایک نقل فوٹو سٹیٹ جناب مولانا عبد الحمید فاروقی صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ اہل سنت مظہر العلوم ملکوال نزد تلہ گنگ ضلع چکوال کو بھیجی ہے۔ حضرت بندہ کچھ عرصہ بیمار رہا ہے اب الحمد للہ صحت یاب ہے، تاہم کچھ اثرات باقی ہیں۔ دعا کی درخواست ہے۔ طالب دعا[1]

---

[1] عبد الرحیم، مولانا، (مرحوم) ر بنام قائد اہل سنتؒ، مرقومہ ۹، رجب المرجب ۱۴۱۵ھ / از مدرسہ رحیمیہ تعلیم القرآن، بخاری چوک شکر گڑھ۔

①

از عنایت اللہ بخاری
مسجد جامع حضرت مولانا احمد علی لاہوری
شیرانوالہ گیٹ، لاہور
بخدمت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہ العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بدم گفتی وخورسندم...... جزاک اللہ نکو گفتی جناب کی گالیوں اور مطاعن سے بھرا ہوا گرامی نامہ پہنچا، جزاک اللہ احسن الجزاء۔ بندہ مع حضرات علماء کرام آپ کے وعدہ اور دعوت نامے کے مطابق صبح سوا آٹھ بجے سے مسجد جامع حضرت مولانا احمد علی صاحب دامت برکاتہم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں جناب اور جناب کے رفقاء کرام کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے اور مغرب ہونے کو ہے، کئی بار ایفائے عہد کے مطالبہ پر آپ حضرات تشریف نہیں لائے بلکہ آپ نے ایک عجیب حرکت یہ کی کہ آپ آج دس بجے کے قریب یہاں حضرت مولانا احمد علی صاحب کی خدمت میں آ کر علیحدگی میں کچھ باتیں کر کے چپکے سے واپس چلے گئے۔ حالانکہ ہم یہاں ہی مسجد میں آپ کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کو معلوم بھی تھا تو کیا آپ کا اخلاقاً اتنا فرض نہیں تھا کہ ہمیں مل ہی لیتے؟ اس میں بھی شاید آپ حضرات کی کوئی سیاست ہوگی۔ ہمیں جب بعد میں معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف لانے کے باوجود عمداً ہمیں نہیں ملے بلکہ چپکے سے واپس دفتر میں چلے گئے ہیں۔ مکرما! آپ جیسے بزرگ کی اس حرکت پر حضرات علمائے کرام کو بہت صدمہ اور افسوس ہوا، خصوصاً حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی کو تو بہت ہی رنج ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالانکہ ہم نے ہی حضرت مولانا احمد علی صاحب سے عرض کر کے آپ کو بلوایا تھا، ہماری ہی درخواست پر تو بصد مشکل آپ کہیں چپکے سے تشریف لائے بھی لیکن حضرت مولانا موصوف سے اندر علیحدگی میں کچھ باتیں کر کے نہایت خاموشی سے واپس تشریف لے گئے کہ ہمیں ملے تک بھی نہیں۔

اب آخری بار گذارش ہے کہ آپ اپنے دعوت نامہ اور وعدہ کے مطابق مسجد جامع مولانا احمد علی صاحب میں مع رفقائے کرام تشریف لے آئیں تا کہ مزید تضیع اوقات نہ ہو اور باہم مسئلہ حیات النبی ﷺ (حیات برزخی یا دنیوی) پر بالدلائل الاربعۃ اطمینان اور سنجیدگی سے گفتگو ہو جائے، امید ہے کہ ان شا اللہ العزیز مسلمانوں کے مفاد اور اتفاق واتحاد کے لیے بہتر اور خوشگوار نتیجہ برآمد ہوگا۔ لہٰذا پھر باادب

عرض ہے کہ خدا کے لیے آپ اپنے وعدہ اور دعوت نامے کے مطابق مسجد ہذا میں مع رفقاء کرام تشریف لا کر ممنون فرمائیں۔ محترما! دینی مسائل پر گفتگو اور مناظرہ دفاتر میں نہیں ہوا کرتا۔ جناب حضرت نبی کریم ﷺ نے وفد نجران سے گفتگو مسجد میں فرمائی تھی۔ لہٰذا ہم بھی بمطابق سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام آپ کے وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے گھر، مسجد میں آپ حضرات کو بار بار بلاتے ہیں اور اگر آپ حضرات نے صحیح اور سیدھے طریق سے گفتگو کرنی ہی نہیں بلکہ محض سیاسی چالوں سے اپنی فتح کا ڈھنڈورا پیٹنا چاہتے ہیں اور غلط پروپیگنڈا کر کے ہمیں بدنام ہی کرنا ہے تو آپ کو یہ سیاست مبارک ہو، اب ہمارا یہ آخری مطالبہ ہے اگر اب بھی آپ اپنے وعدہ کی ایفاء نہ فرمائیں تو آپ کی مرضی! ہم اس کے بعد مزید اپنا وقت نہیں ضائع کریں گے۔ اپنے وعدہ کے خلاف ضد اور ہٹ دھرمی پر خود آپ حضرات اڑے ہوئے ہیں، الٹا مطعون ہمیں فرماتے ہیں، آخر سیاسی حضرات کی ہر بات کسی پالیسی اور حکمت پر مبنی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، اور ہدایت عنایت کرے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

عنایت اللہ بخاری

۱۸۔۶۔۶۰ء

⑵

مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا جوابی مکتوب

از غلام غوث ہزاروی

بخدمت حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں نے زبانی قبل از وقت وہی کہا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ نے مدرسۃ البنات کو بند کرنے سے معذوری ظاہر کی اور دوسری جگہوں میں پنکھا وغیرہ نہ ہونے میں آپ حضرات کی تکلیف کا خیال فرمایا تو جگہ کی پریشانی ہوئی! میں نے تجویز کی اور خود حضرت نے پسند فرمایا کہ اپنے دفتر میں مکالمہ رکھ لیں گے۔ البتہ قیام کے لیے حضرت مولانا محمد علی صاحب (جالندھری) اور ان کے رفقاء کے لیے انہی کا اپنا دفتر تجویز ہوا۔ اور آپ حضرات کے قیام کے لیے ہمارا دفتر! اس کو سہ روزہ ''ترجمانِ اسلام'' کا دفتر کہہ دیجیے یا نظام العلماء کا یا محترم ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری کا مکان! ان کی ذمہ داری ان پر ڈال دی گئی اور آپ حضرات کو ہم نے اپنا مہمانِ معزز قرار دے دیا۔

جناب کو بلاواسطہ بھی اور حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب گجراتی کے توسط سے بھی اطلاع دی، اور راولپنڈی بھی عریضہ بھیجا کہ آپ ۱۸ جون کو ۹ بجے تشریف لائیں، ہمارے دفتر میں بات چیت ہوگی، جو ایک نمائندہ بھی طے کرسکتا ہے اور آپ دو چار حضرات بھی تشریف لا سکتے ہیں، حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب موجود ہیں، وہ فرماتے ہیں میں نے خط پہنچا دیا، انہوں نے پڑھ لیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ غلام غوث کا خط میرے پاس بھی آچکا ہے۔ اب فرمائیے شاہ صاحب! اگر آپ کو ہمارے دفتر پر اعتراض تھا یا انکار تھا یا مبادی پر گفتگو نہ کرنا چاہتے تھے تو مجھے اطلاع کر دیتے، تحریر فرما دیتے، اب میں اپنے دفتر میں بیٹھا چشم براہ ہوں، دوسرا فریق وقت پر آ پہنچا ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب خود بھی موجود ہیں، آپ بجائے یہاں آنے کے ایک فوج سمیت شیر انوالہ تشریف لے گئے۔ اگر آپ حضرات میری دعوت پر تشریف لاتے ہیں تو تحریر کردہ امور کے مطابق عمل کرنے کے لیے یہاں تشریف لاکر عزت بخشیں، ورنہ میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گا کہ آپ اس طریق سے مبادی طے کرنے کے لیے گفتگو کے واسطے تیار نہیں ہیں، گفتگو کی شرائط طے نہیں کرنا چاہتے اور یوں ہی فتح کا نقارہ بجانا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر جلد اپنی اطلاع دیں کہ ہم نہیں آسکتے، تاکہ میں دوسرے فریق کو جانے کی اجازت دے دوں۔ حضرت مولانا سید میرک شاہ صاحب تو تھک کر واپس ہوگئے مکرر ایں کہ اگر جناب اس عاجز کی حیثیت داعی کی ماننے کے لیے تیار نہیں یا یہاں تشریف لانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، تو اگرچہ یہ افسوس ہے کہ آپ نے میرے عریضوں کے بعد اطلاع کیوں نہ دی، تاہم مجھے کوئی گلہ نہ ہوگا۔ اتنی ہی بات ہوگی کہ ایک فریق میری بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا اور دوسرے کی تشریف کی سعادت سے محروم رہا۔ ممکن ہے آپ حضرات کو باہم چند بزرگوں میں بیٹھ کر اسلامی مفاد کی خاطر کوئی تصفیہ کرنے کی بجائے پبلک مناظرے کا شوق ہو تو پھر کون آپ کو اس سے باز رکھ سکتا ہے۔ بے شک اس کے لیے بڑا زمانہ ہے، بڑے لوگ ہیں، میں تو سنجیدگی سے آپ حضرات میں سے دو، دو، چار، چار بزرگوں کی برادرانہ باتوں کے ذریعے ایک اچھے نتیجہ پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ فقط

غلام غوث ہزاروی

۱۸ جون، ۱۲ بجے دوپہر۔ دفتر ترجمان (اسلام)

③

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ کا دوسرا خط

از عنایت اللہ بخاری
مسجد جامع مولانا احمد علی صاحب زید مجدہم
شیرانوالہ گیٹ، لاہور

بخدمت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہ العالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جس وقت راولپنڈی میں آپ نے مجھے اور حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب سے فرمایا تھا کہ عید الاضحیٰ کے بعد متصل ہفتہ، عشرہ خالی رکھیں، ان دنوں میں مسئلہ حیات النبی ﷺ پر ابتدائی گفتگو کے لیے میں دونوں فریق کو دعوت دوں گا۔ بندہ نے آپ سے دریافت کیا کہ کہاں اجتماع ہوگا؟ اور کس مقام پر دعوت دیں گے؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ لاہور حضرت مولانا احمد علی صاحب کے مقام پر! اور اس سے قبل آپ نے زبانی بھی اور تحریری بھی یہی ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب چونکہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے ہوئے ہیں اور ان کی موجودگی میں ان کے مقام پر اجتماع ہونا ضروری ہے۔ اس لیے دیر ہو رہی ہے اس کے بعد پھر آپ کا دعوت نامہ بڑی دیر کے بعد مجھے ملا کہ ۱۸، ۱۹ جون ۱۹۶۰ء بروز ہفتہ، اتوار لاہور حضرت مولانا احمد علی صاحب کے پاس پہنچ جائیں۔ چنانچہ بندہ مع مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہ العالی حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب دامت برکاتہم اور حضرت استاذ العلماء علامہ مولانا ولی اللہ صاحب و دیگر حضرات علماء کرام آپ کی دعوت کے مطابق سوا آٹھ بجے صبح لاہور حضرت مولانا احمد علی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت گرامی میں پہنچ گیا ہے اور مختصر سی گفتگو کے بعد حضرت مولانا احمد علی صاحب نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ آپ تمام حضرات یہاں تشریف رکھیں، میں مولانا غلام غوث صاحب کو یہیں بلا لیتا ہوں۔ محترما! ہم تو آپ کی دعوت کے مطابق اور حضرت مولانا موصوف کے ارشاد کے مطابق سوا آٹھ بجے سے جناب کے اور آپ کے تمام رفقاء کے منتظر بیٹھے ہیں۔ دس بجے تک تو نہ آپ اور نہ آپ کے رفقاء تشریف لائے، اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ ہمیں یہاں بلا کر اور خود مع رفقاء کے نہ تشریف لا کر وقت آپ ضائع فرما رہے ہیں یا ہم؟ حضرت ہم اور آپ دونوں پر امت مرحومہ کی بڑی ذمہ داریاں ہیں، باقی رہا کہ مجھے حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں شیرانوالہ گیٹ بلا کر پھر خود ہی جگہ بدل کر محترم تاج الدین صاحب انصاری کے

مکان کو اجتماع کے لیے تجویز کرنا تو اس سیاسی راز کو آپ جانیں اور آپ کے ساتھی، بہرحال بندہ مع حضرات علماء کرام کے آپ اور آپ کے رفقاء کرام کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں، امید ہے کہ آپ مع رفقاء جلد تشریف لے آئیں گے تا کہ فوراً گفتگو شروع ہو جائے، مزید وقت ضائع نہ ہو۔ جناب کے رفقاء عظام کی خدمت میں سلام مسنون! والسلام علی من اتبع الہدیٰ

عنایت اللہ بخاری عفی عنہ

بوقت سوا دس بجے، ۱۸۔۶۔۶۰ء

④

مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی جانب سے شاہ صاحب کے دوسرے خط کا جواب

از غلام غوث ہزاروی

حضرت مخدوم مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری زاد کرمہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ میری ان تحریروں کو جو بادلِ نخواستہ ناخوشگوار فرض کے طور پر لکھی گئی تھیں، محسوس کر رہے ہیں۔ محترم شاہ صاحب! میں نے قطعاً اپنا دفتر بات چیت کے لیے مقرر کیا تھا اور آپ کو یقیناً میرے خطوط پہلے پہنچ چکے ہیں۔ آپ کے سابق خلیفہ وخطیب حضرت مولانا نذیر احمد خان صاحب نے آپ تک میرا عریضہ پہنچایا ہے۔ اب آپ بار بار ایک غلط بات لکھتے اور "وعدہ کے مطابق" کے الفاظ بار بار لکھ کر گویا یہ ثابت کرتے ہیں کہ وعدہ مسجد کا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ میں حضرت غور غشتی مدظلہ تو کیا، آپ سب حضرات کا ادنیٰ خادم ہونے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ لیکن ہر وقت کا کام علیحدہ ہوتا ہے کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک ادنیٰ خادم آپ کو ایک دلدل سے نکالنے کے لیے دعوت دیتا ہے، آپ کا فرض ہے، دو چار آدمی تشریف لا کر برادرانہ، دوستانہ اور مومنانہ ومخلصانہ بات

چیت کر کے اچھے نتیجہ پر پہنچ جاتے لیکن آپ باوجود بڑا آدمی ہونے کے اپنی ذمہ داری محسوس نہ کرتے ہوئے ایک لاؤلشکر لے کر سیدھے شیرانوالہ پہنچے اور مورچہ بندی کر کے ھَل من مُبارز کہنے لگے آپ گویا خود میری مقرر کردہ جگہ میں نہ آکر ایک طرف بحث سے بچتے ہیں۔ دوسری طرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ گویا دوسرا فریق نہیں آتا، حضرت شاہ صاحب! آپ کے گرد علماء کرام کے سوا، جیسے افراد ہیں وہ آپ کے خیر خواہ نہیں۔ چاہے مودودی ہوں، یا اہل حدیث، آپ کب تک سرورِ کائنات ﷺ کو مُردہ ثابت کرنے کے لیے مساعی جاری رکھیں گے؟ اگر آج آپ نے اپنے مخلص دوستوں کی مخلصانہ مساعی کی

ناقدری کی تو مستقبل میں آپ کو پبلک اسٹیجوں پر حضور ﷺ کو مُردہ، نہ سننے والا، بے شعور جسد ثابت کرنے کے خلاف سخت چیلنج کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ محترم قاضی صاحبان کی موجودگی بھی آپ کے طریقِ کار کو بدل نہیں سکی[1]۔ آپ میرے بلانے پر میری دعوت پر لاہور آ کر بھی میرے پاس اس لیے نہیں آئے کہ آپ کا مزاج اس کو برداشت نہیں کرتا تو میں آپ کو تیز کرنے والے آپ کے حواریین کی زیارت کو کیوں آؤں؟ جن کا سب سے بڑا جہاد حضور پُرنور ﷺ کو مردہ ثابت کرنا ہے۔ میں اپنے اکابر علماء سے اپنی غیر حاضری کی معافی چاہوں گا۔ مگر آپ کی مناظرانہ بے قاعدگی کو برداشت کرنا غلط تھا جب کہ آپ احقاقِ حق کے طریق کے خلاف عجیب و غریب رفیقوں کو بھی ہمراہ لائے ہوئے ہوں اور مولانا محمد علی سے پہلو تہی کرتے ہوئے، مولانا لعل حسین اور علامہ خالد محمود کی زد سے بچتے ہوئے سیدھے شیرانوالہ پہنچے۔ یہاں ۹، بجے رات تک آپ کو بلایا جاتا رہا مگر آپ نے بحث کرنے اور آنے سے پہلو تہی ہی کی۔ یوں آپ مہینہ بھر اعتکاف فرما سکتے ہیں مگر بحث سے آپ نے جی چُرایا ہے۔ چلیئے میری ذمہ داری ختم ہوگئی۔ آپ اگر یہاں آ کر مقررہ جگہ پر حسبِ قاعدہ مناظرہ کی شرائط طے کرنے کے لیے تیار نہیں تو اب میری ذمہ داری ختم ہوگئی ہے۔ آپ بے شک تگڑے ہو کر جہاد کریں۔ فقط

۵

مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری کا تیسرا خط

از عنایت اللہ بخاری عفی عنہ

مسجد جامع حضرت مولانا احمد علی صاحب، شیرانوالہ گیٹ لاہور

بخدمت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہ العالی۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ! آپ نے علماء کی فوج کا طعنہ دیا ہے، مکرما! آپ اپنی تجویز کے مطابق چار پانچ رفقاء عظام کے ہمراہ یہاں مسجد میں تشریف لے آئیں۔ بندہ بھی صرف چار پانچ حضرات علماء کرام کی معیت میں آپ حضرات کے ساتھ الگ مسجد کے اندر بیٹھ کر مسئلہ متنازعہ فیہا پر مسلمانوں کے مفاد کی خاطر سنجیدگی کے ساتھ کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ کے مطابق گفتگو کرے گا، تا کہ باہم کسی بہتر اور صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ پہلے گو گزارش کی ہے اور اب پھر عرض ہے کہ آپ اپنی دعوت اور

---

[1] مراد مولانا قاضی نور محمدؒ آف قلعہ دیدار سنگھ اور مولانا قاضی شمس الدین آف گوجرانوالہ ہیں (سلفی)

وعدے کے مطابق یہاں مسجد میں مع رفقاء کرام تشریف لے آویں۔حضرت یہ ایک دینی مسئلہ ہے۔اس کے تصفیہ کے لیے مسجد بہر حال بہتر ہے۔مدرسۃ البنات کے تخلیہ کی ضرورت نہیں ہے۔یہاں مسجد میں بجلی کے پنکھے بھی ہیں آپ کو جس تکلیف کا احساس ہے، بحمداللہ تعالیٰ اس دفع کا یہاں نہایت اچھا انتظام ہے، اور حضرت مولانا احمد علی صاحب دامت برکاتہم نے بھی ہمیں یہاں اپنی مسجد میں بٹھایا ہوا ہے اور ہم آپ کے انتظار میں چشم براہ ہیں۔خدا جانے آپ اپنے دعوت نامہ اور وعدے کے خلاف بجائے اس مسجد کے سابق دفتر مجلس احرار، موجودہ دفتر نظام العلماء یعنی محترم تاج الدین صاحب انصاری کے مکان کو اس مختصر اجتماع کے لیے کونسی سیاسی غرض کی خاطر پسند فرماتے ہیں؟ پھر سہ بارہ عرض ہے کہ آپ اپنے دعوت نامہ اور عہد کے مطابق یہاں مسجد میں تشریف لے آئیں اس وقت سوا ایک ہو چکا ہے، ہم متواتر مسجد میں پانچ گھنٹے سے آپ کے منتظر ہیں، آپ متفکر نہ ہوں، فریقین سے جتنے حضرات آپ تجویز فرمائیں گے اُتنے ہی مسجد میں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کریں گے، باقی حضرات کو شامل نہیں کیا جائے گا، باقی رہا آپ کا دوسرا طعن کہ ہمیں عوامی مناظرہ کا شوق ہے، آپ نے میرے کن الفاظ سے یہ مستنبط فرمایا ہے، ہاں اگر آپ کے رفقاء عامۃ الناس کے سامنے مناظرہ پر بضد ہوں تو مجھے پھر مجالِ انکار نہیں۔اور اگر صحیح تجویز وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے تو مہربانی فرما کر مع رفقاء جلد تشریف لے آویں، تاکہ مسئلہ حیات النبی ﷺ پر مسجد خانۂ خدا میں دلائل کے ساتھ افہام و تفہیم اور گفتگو ہو جائے۔دلائل کتاب اللہ، سنت صحیحہ، ارشاد صحابہ رضی اللہ عنہم، بشرطِ صحت سند اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام محمد رحمہ اللہ کا قیاس و اجتہاد ہوں گے۔اور اگر آپ کے رفقاء مسئلہ پر گفتگو کئے بغیر ہی سیاسی روش کے ساتھ اپنی فتح کا نقارہ بجانا چاہتے ہوں اور آپ کو پھر اپنے وعدے اور دعوت کے مطابق مسجد میں نہ آنے دیتے ہوں تو اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔اور ہم کو اس خالص دینی مسئلہ پر سیاسی اغراض سے بچائے۔کاش کہ آپ حضرات اس خالص دینی مسئلہ پر مسلمانوں کے مفاد اور اتحاد و اتفاق کی خاطر اخلاص و سنجیدگی سے گفتگو کرتے لیکن یہ آپ کو شاید منظور نہیں۔تو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔آمین۔اور اگر اس مسئلہ میں آپ کسی ہم خیال بزرگ کو (بقول آپ کے فرستادہ حاجی فیروز الدین صاحب منٹگمری) ثالث مان لیں، تب تو آپ مسجد میں آنے کو تیار ہیں ورنہ نہیں۔سبحان اللہ، سیاسی حضرات کی سیاسی باتیں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ہدایت عنایت کرے، والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ، عنایت اللہ، مسجد جامع حضرت مولانا احمد علی صاحب، شیرانوالہ گیٹ لاہور ۶۰ء۔۶۔۱۸

(٦)

مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ کی جانب سے شاہ صاحب کے تیسرے خط کا جواب

از غلام غوث ہزاروی، دفتر ترجمان اسلام، و نظام العلماء، ۱۸ جون ۱۹۴۰ء، ۳ بجے سہ پہر۔

بخدمت حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری زید کرمۃ

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے والا نامہ میں غلط بیانیاں پائی جاتی ہیں۔ جب آپ حضرات چیختے رہے کہ امیر شریعت نے فیصلہ نہ کرایا، غلام غوث نے فیصلہ نہ کرایا، حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ نے نہ کرایا، کون ہے اور کہاں ہے فلاں اور فلاں، آئے میدان میں اور مجھ سے بحث کرے تو میں نے کم ازکم اپنی حد تک خدمت کرنے کے لیے آپ حضرات کو دعوت دی، اور آپ کو جبکہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، میرے خطوط پہنچ گئے ہیں کہ گفتگو ہمارے دفتر میں ہوگی آپ ہمارے مہمان ہوں گے۔ اور حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ یہ تبدیلی اس لیے ہوئی کہ حضرت اقدس مدظلہ نے شیرانوالہ میں مکان کی تنگی کا عذر فرمایا ہے اور مہمانوں کی تکلیف کا خیال ظاہر کیا، اس کے بعد آپ حضرات کو دفتر کی جگہ بتائی گئی۔ اس کو آپ بار بار کسی وجہ مخفی پر مبنی ظاہر کرتے ہیں، سیاست، سیاست کی بھی آپ نے رٹ لگائی ہے، میری سیاست تو آپ کی احراری کلہاڑی کے تابع ہے، اس میں آپ زیادہ ماہر ہیں۔ اور اس لیے کبھی کہتے ہیں کہ حضرت مولانا مدظلہ کی مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں، اور کبھی کہتے ہیں کہ پنکھے لگے ہوئے ہیں۔ کبھی کیا تعریض کرتے اور کہیں کیا لکھتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب! آپ کی شان اس قسم کی باتوں سے اعلیٰ وارفع ہے، سیدھی بات ہے کہ آپ کو میں نے دعوت دی، جگہ بتائی موضوعِ گفتگو بتایا کہ شرائط مناظرہ طے ہوں گی۔ آپ کو یہ باتیں منظور نہ تھیں تو انکار کردیتے اور مجھے اطلاع کردیتے کہ میں اس معقول طریقے سے گفتگو سے عاجز ہوں یا میں نہیں آتا، اور اگر منظور تھا تو سیدھے میری مقرر کی ہوئی جگہ تشریف لے آتے اور شرائط طے کرتے۔ یا مبادی پر گفتگو کرنے کی دعوت پر ڈھنڈورہ نہ پیٹتے کہ سب پہنچو لاہور میں، آپ کو علم کا زور چاہیے، آدمیوں کا رعب نہ ڈالنا چاہیے۔ کیا ستر آپ کے اور ستر دوسروں کے مل کر ہلڑ بازی سے مسئلہ طے کرتے یا سنجیدگی سے گفتگو کرتے؟ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے اصول سے انحراف وفرار کا رستہ اختیار کرکے دراصل اپنے استدلالی فرومائیگی کا ثبوت دیا ہے۔ دوسرا فریق ایک بجے تک انتظار کرتا رہا اور آپ اپنی من مانی پر زور دیتے رہے۔ حضرت شاہ صاحب! یہاں آنے سے آپ کی عزت نہ گھٹتی تھی، اور اگر آپ مقرر کردہ

جگہ پر تشریف لانے سے گریز کرتے یا اس کو اپنی شانِ اعلیٰ کیخلاف سمجھتے ہیں تو آپ کا پورا پورا احترام رکھتے ہوئے بھی میں آپ کی غلط ناز برداری کرتے ہوئے، دوسرے علماء کرام کو مقررہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانے کے لیے عرض کرنا بے انصافی سمجھتا ہوں۔ آپ کی عزت واحترام سر آنکھوں پر، مگر آپ کی ضد اور ہٹ دھرمی کے پیچھے پیچھے چلنا خود آپ کی عادتِ مبارکہ کو اور زیادہ خراب کرنا ہے۔ حالانکہ ہمارے نانا علیہ السلام کی اس بے چاری امت کی خیر خواہی کے لیے آپ سے زیادہ اور بڑے لوگ کہاں سے لائے جا سکتے ہیں؟ افسوس کہ آپ نے اتنا نہ سوچا کہ مبادی اور شرائط پر گفتگو کرتے کرتے شاید مناظرے سے پہلے ہی ہم کسی نتیجے پر پہنچ جاتے اور چند علماء کرام کی باضابطہ گفتگو نیک نیتی پر مبنی اچھے نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ آپ کو ہار جیت کا تصور ستانے لگا، اور پھر مقرر کردہ جگہ پر تشریف لانے سے آپ کے نفس نے اباء کیا، میں تو گفتگو کراؤں گا اسی قاعدے سے کہ آپ کسی کو بھی ثالث مانتے ہیں، یا یونہی بے نتیجہ گفتگوؤں میں وقت ضائع کر کے ڈھنڈورہ پیٹنا چاہتے ہیں کہ ہم جیت گئے، جیت گئے۔ دوسرا آپ اکابر دیوبند کے مسلک کو غلط سمجھتے ہیں یا صحیح؟ اگر اکابر کے مسلک کو آپ صحیح مانتے تو بات ختم ہو جاتی اور غلط کہتے تو پھر دلائل شرعیہ سے ان کا مسلک غلط ثابت کرنا پڑتا۔ کیا آپ حیات سے منکر ہیں؟ یا قبر کے اندر حیات نہ ہونے کی وجہ سے عذاب قبر کے بھی مخالف ہیں؟ بہر حال مبحث متعین کرنا ضروری تھا۔ اگرچہ دوسرے حضرات اپنے دفتر میں چلے گئے ہیں۔ لیکن اگر اصول پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے چار بزرگ یہاں تشریف لاتے اور اسی طرح شرائط اور مبحث اور اکابر دیوبند نیز مل کر کسی کو ثالث تجویز کرنے کے ضروری امور پر پہلے گفتگو کو کرنے پر تیار ہیں تو بسم اللہ تشریف لائیے، ورنہ وقت ضائع نہ کریں۔ اگر بحث کا سخت شوق ہے تو محترم قاضی صاحبان اور حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب سے ہی بحث کر لیں اور وہ آیتیں ان کو بھی سمجھا دیں۔ جن سے ثابت ہو کہ سردارِ دو جہاں ﷺ قبر میں بالکل کچھ نہیں سنتے، نہ سلام نہ درود ...... اور وہ بھی تو آپ کے خلاف ہیں۔ فقط غلام غوث بقلم خود

مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ بنام حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ

از غلام غوث، خادم سہ روزہ ''ترجمانِ اسلام''

حضرت مولانا مدظلہٗ، السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ میں نے ہر دو فریق کو حضرت کی اس گفتگو کے بعد، کہ مدرسۃ البنات میں چھٹی کرنے سے حرج ہے، مہمانوں کو تکلیف ہوگی، یہ اطلاع کر دی تھی کہ آپ ہمارے دفتر میں آئیں، ایک فریق سابق دفتر ختم نبوت میں قیام کرے اور دوسرے دوست ہمارے

مہمان ہوں گے۔ جگہ ماسٹر تاج الدین انصاری کے ہاں ہے جو کہ دفتر ترجمان اسلام کے ساتھ ہے۔ اگر یہ حضرات اس غریب کی دعوت پر تشریف لائے ہیں تو بہ سروچشم! یہاں تشریف لے آئیں اور حضرت کو تنگ نہ کریں، دوسرا فریق تیار ہے، یہ نہ آنا چاہیں تو ان پر جبر نہیں ہے۔ دوسرے میں نے ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ مبادی (شرائط) پر گفتگو ہوگی۔ جو ایک نمائندہ بھی کرسکتا ہے۔ اور دو چار بھی تشریف لا سکتے ہیں۔ لیکن معلوم یہ ہوا کہ ان حضرات نے مختلف افراد کو کہا کہ بحث ہوگی وہاں چلو، اگر تجویز کے تحت ان کو طریقہ سے گفتگو کرنے اور پہلے عالمانہ طریقے سے کچھ اصول طے کرنے ہیں تو بے شک تشریف لے آئیں۔ اور صرف چار، چھ بزرگ، اور اگر ان کو ایسا نہیں کرنا تو جو چاہیں کریں، یہ میری رائے ہے۔ آگے جیسے حضرت حکم کریں۔ میں نے جو لکھا ہے، میں اس کا پابند رہوں گا۔ جو پہلو تہی کریں، ان کو اختیار ہے۔ ہلڑ بازی سے مسائل اور امور طے نہیں ہو سکتے۔ (دستخط) فقط غلام غوث۔ ۱۸، جون ۶۰ء۔

مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ بنام مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

مکرم بندہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری زید مجدہٗ

① السلام علیکم۔ مولانا غلام غوث صاحب نے ۱۸۔۱۹ جون ۱۹۶۰ء کو آپ کے ساتھ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گفتگو کے مبادی طے کرنے کی دعوت دی تھی۔ اور اطلاع دی کہ میں مع رفقاء اپنے دفتر میں قیام کروں اور آپ حضرات دفتر ترجمان اسلام میں قیام کریں گے۔ اور گفتگو دفتر ترجمانِ اسلام میں ہوگی۔ چنانچہ میں مع ۴ رفقاء ۱۷، جون سے دفتر میں پہنچ گیا ہوں۔ مگر رات کے ۹ بجے تک آپ یا آپ کا کوئی نمائندہ نہیں پہنچا۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ آپ کیوں نہیں پہنچے۔ مولانا غلام غوث صاحب نے ہمیں اطلاع دی کہ انہوں نے دعوتی ذمہ داری پوری کر دی۔

② جہاں تک مجھے معلوم ہے، آپ کے اور ہمارے درمیان بہت سے مسائل مختلف فیہ ہیں، اگر آپ اس چیلنج پر اب تک قائم ہیں جو ملک کے طول وعرض میں دیتے رہے ہیں تو قبول کرتے ہوئے ازسرنو معاہدہ کر لیتے ہیں، اس لیے آپ خود یا نمائندہ بھیج کر آج ہی طے کر لیں، اگر کسی وجہ سے آج زحمت نہ ہو تو ۱۵، یوم قبل اطلاع دے کر ملتان یا گجرات شرائط طے کر لیں، میں (شب) ۱۲ بجے تک جواب کا انتظار کروں گا۔

نوٹ: شرائط مناظرہ طے کرنے کے لیے ہر ہر فریق کے صرف دو دو آدمی ہوں گے۔ جو آپس میں متحد العقیدہ ہوں، مجلس شرائط ایک عام مجلس نہ ہوگی۔ (ہمارا نظریہ درج ذیل ہے)

☆ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق ہمارا نظریہ

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ موتِ معروف کے بعد اپنی قبر مبارک میں حیی ہیں۔ بایں معنی کہ جسد اطہر قبر میں صحیح سالم موجود ہے۔ روح اعلیٰ علیین میں موجود ہے اور اس طرح تا حشر ونشر رہے گا۔ اور روح کا تعلق غیر مدرک بالکنہ بدن کے ساتھ موجود ہے، قبر کے قریب آپ سلام سنتے ہیں۔

مصالحت کی دوسری کوشش بھی بلانتیجہ اپنے انجام کو پہنچ گئی

۱۸، جون ۱۹۶۰ء کو لاہور میں مصلحت ومصالحت کی یہ کوشش بھی مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مرحوم کی ضد کی بھینٹ چڑھ گئی۔ اور شاہ صاحب کی مذکورہ ضد کے نمونے ان خطوط میں بالکل ظاہر ہیں جو پیش کر دیئے گئے ہیں۔ قائلین حیات النبی ﷺ کی نمائندگی کرنے کے لیے مندرجہ ذیل علماء کرام ۱۸، جون کو از صبح تا شب ۱۲:۰۰ دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت چوک رنگ محل لاہور میں بیٹھے رہے تھے۔

① مولانا غلام غوث ہزاروی ② مولانا محمد علی جالندھری
③ مولانا سید میرک شاہ صاحب ④ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین
⑤ مولانا لعل حسین اختر ⑥ علامہ ڈاکٹر خالد محمود

جبکہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری شیرانوالہ مرکز میں کم وبیش ایک سو افراد کے ساتھ مورچہ زن رہے، جن میں سے چند علماء کرام مندرجہ ذیل تھے:

① مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری ② مولانا قاضی نور محمد
③ مولانا قاضی شمس الدین ④ حضرت مولانا ولی اللہ
⑤ حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی

نیز رنگ محل تا شیرانوالہ گیٹ خط وکتابت ایک دوسرے تک پہنچانے والے بزرگ ''حاجی فیروز الدین'' (آف ساہیوال) تھے۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ نے نہایت دردِ دل اور اخلاص کے ساتھ مصالحت کی کوشش فرمائی مگر نتیجہ بے سود! یہاں بعض حضرات کو اشکال پیش آتا ہے کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ نے حالات کی نزاکت کا کلی احساس نہیں فرمایا کہ وہ اپنے مدرسہ میں تعلیم کے حرج کے خدشہ کے پیش نظر مجلس مباحثہ اپنے ہاں قائم کرنے پہ راضی نہ ہوئے۔ اگر شاہ صاحب مولانا عنایت اللہ ضد پر اڑ گئے تھے تو مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ ہی لچک دکھا دیتے اور یوں علماء کرام کو

اپنے ہاں مل بیٹھنے کا موقع دے دیتے تو شاید مستقل ایک فتنے کی تشکیل ممکن نہ ہوتی۔ اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ پہلی تو بات یہ ہے کہ اس وقت تک اس مسئلہ کی بنیاد پر باقاعدہ جتھا بندی نہ ہوئی تھی کہ جس میں مزید کسی شدت کا خطرہ ہوتا، اس وقت اکابرین کا خیال تھا کہ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کا شخصی تفرد اور تعبیر کی غلط فہمی ہے جو آہستہ آہستہ زائل ہو جائے گی۔

ثانیاً: حضرت لاہوری رحمہ اللہ اندرون لاہور میں بدعات و رسومات کے رسیا لوگوں میں جس محنت و جہد مسلسل سے چراغِ شریعت جلائے ہوتے تھے۔ اگر یوں علماء دیوبند کے باہمی مناظرہ ومجادلہ اور مناقشہ کی تشہیر ہوتی تو اس میں اہل حق کی ہوا اکھڑ جاتی اور اہل باطل وتوہمات پسند لوگ پھبتیاں اڑاتے۔ اس نازک صورتحال کا احساس مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو نہیں تھا، وہ اپنے جلالی مزاج کے ہاتھوں مجبور تھے۔ پھر مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ نے ایک اصولی بات کہی تھی کہ مقصد فی الحال مناظرہ و مباحثہ نہیں، جس کے لیے عوام الناس میں اکھاڑے قائم کئے جائیں، بلکہ مقصود غلط فہمیوں کا ازالہ ہے جو تبادلۂ علم و خیال سے ہی ممکن ہے، بہرکیف ملتان میں مصالحت کی پہلی کوشش جو مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی سرپرستی میں ہونا قرار پائی تھی۔ اس میں بھی شاہ صاحب نے بدمزگی پیدا کر دی تھی۔ اور اب دوسری کوشش جو مرکز اہل حق شیرانوالہ لاہور میں بہ سرپرستی مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی جارہی تھی، وہ بھی شاہ صاحب کی بے جا ضد اور انا کی بھٹی میں جل کر راکھ ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۸ جون ۱۹۶۰ء کو صبح سوا آٹھ بجے سے شب ۱۲ بجے تک فریقین کے لاہور پہنچ جانے کے بعد اور چند گز کے فاصلے پر موجود رہنے کے باوجود یہ ہی طے نہ ہو سکا کہ ہم نے کہاں بیٹھ کے معاملے کو سلجھانا ہے؟ یہ ہم چھوٹوں کے لیے بہت بڑا درسِ عبرت اور سبق آموز سانحہ ہے کہ جب کوئی بڑا فتنہ وجود میں آنے لگتا ہے تو اس وقت کیسے کیسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں؟ تب تفہیم وفراست اور تدبیر وحذاقت سب بے وزن ہو کر رہ جاتے ہیں اور جو ہونا ہوتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے، لیکن علماء کرام اور اہل حق اپنی ذمہ داریوں کو ان مایوس کن لمحات میں بھی پورے حوصلے اور تحمل کے ساتھ نبھاتے ہیں، جیسا کہ پیش کردہ خطوط سے عیاں ہے۔

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کا ''مفادِ ملت'' کی خاطر

مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب سے معاہدہ

یہ ۱۹۵۲ء کی بات ہے کہ گجرات شہر میں بریلوی مکتب فکر کے معروف بزرگ مولانا مفتی احمد یار

خان صاحب گجراتی مرحوم اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی صاحب کے مابین گرما گرم تقریروں کا تبادلہ رہتا تھا، ایک دوسرے کے مقابلہ میں جلسے وتقریریں ہوتیں اور جلوس نکالے جاتے تھے، علاوہ ازیں اشتہارات، الزامات واتہامات اور رسالوں، کتابچوں کی طباعت بھی زوروں پر تھی۔ جب شہر کی فضاء نفرتوں سے مکدر ہوگئی تو شہری سطح پر گورنمنٹ انتظامیہ اور اہل شہر نے دونوں بزرگوں سے دست بستہ التجا کی کہ للہ کرم فرمایئے، اور شہر کو فرقہ وارانہ اشتعال سے محفوظ رکھیے، تو ان دو بزرگوں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ طے پایا تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے جگری دوستی کی بناء پر اس معاہدہ کی اصل تحریر حضرت قائد اہل سنت کو روانہ فرمادی تھی جو ہمیں قائد اہل سنت کے مخزونہ علمیہ سے دستیاب ہوئی ہے۔ ۱۹۵۲ء میں شاہ صاحب کو ابھی مسئلہ حیات النبی ﷺ کے حوالہ سے اُبال پیدا نہیں ہوا تھا، یہ خیال آپ کو اس سے چند سال بعد ۱۹۵۷ء میں آیا، جس کی تفصیل گزر چکی ہے، اس معاہدہ پر شاہ صاحب اور مولانا احمد یار خان صاحب دونوں کے دستخط موجود ہیں۔ اس کا متن ملاحظہ کیجیے!

☆ **بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین الصطفیٰ۔**

مفاد ملت کی خاطر ہم فریقین اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اپنی تقاریر میں ایک دوسرے کا نام اور ایک دوسرے کے بزرگوں کے نام نہ لیے جائیں گے، نہ جماعتی طور پر اور نہ انفرادی طور پر، اور ایک دوسرے کے خلاف یا ان کے اکابر کے خلاف اشتہار بھی نہ شائع کیے جائیں گے، نہ نئے اور نہ پرانے! اور چیلنج بھی ایک دوسرے کو نام لے کر نہ کیا جائے۔ فریقین اختلافی مسائل احسن طریق پر بیان کریں اور تکفیر بازی، مناقشت سے اجتناب کریں اور زیادہ توجہ اخلاق، عبادات، پر دی جائے۔ اور الحادو بے دینی کے نظریات کے خلاف اسلامی نظریہ وضاحت سے پیش کیا جائے، اور فضائل جہاد بیان کیے جائیں۔"

① عنایت اللہ بخاری عفی عنہ، مسجد جامع گجرات

② احمد یار خاں، خطیب جامع، چوک پاکستان گجرات ۲۲ فروری ۱۹۵۲ء

کاش شاہ صاحب یہی گنجائش اپنوں کو بھی دے دیتے، مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب کے ساتھ مفاد ملت کی خاطر معاہدہ کرتے ہوئے وہ اپنی غصیلی طبیعت پر کنٹرول کر گزرے مگر مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری کے چہرہ مبارک پر زناٹے دار تھپڑ رسید کرتے ہوئے وہ خود پر قابو نہ پا سکے؟ افسوس!

کاش شاہ صاحب مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ، اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کو کم ازکم مولانا مفتی احمد یار خان صاحب جتنی وقعت تو دیتے! جن کے ساتھ علمی وفکری اور

نظری و مسلکی تعلق نہ تھا اگر ان کے ساتھ ''مفادِ ملت'' کی خاطر معاہدہ کر کے اختلافی مسائل بطریقِ احسن نمٹانے کا عزم بالجزم ممکن تھا تو آخر ایسی کون سی مجبوری تھی؟ کون سے مخصوص حالات تھے؟ اور کون سی نادیدہ طاقتیں کارفرما تھیں کہ معصوم فطرت اور اخلاص و مروت سے لبریز علماء دیوبند حضرت شاہ صاحب کی منت سماجت کر رہے تھے، تصفیہ کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اور علمی تبادلہ خیالات کے لیے ماحول سازگار بنا رہے تھے، مگر شاہ صاحب نے سب کو بہ یک بینی و دوگوش رخصت کر دیا۔

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ساتھ دوستی و بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ اگر کہیں جلسہ میں دونوں اکٹھے ہو جاتے اور کوئی عقیدت مند اپنا نومولود شاہ صاحب کے سامنے لا کر اس کا نام تجویز کرنے کی خواہش ظاہر کرتا تو شاہ صاحب نومولود کا نام ''مظہر حسین'' تجویز فرما دیتے، مگر اب اچانک، چند سالوں کے اندر اندر محیر العقول انقلاب کیسے آ گیا کہ بیگانے، اپنے بن گئے، اور اپنوں کو، بیگانوں کے مقام پر کھڑا کر دیا گیا؟ فکری تبدیلی، بشری لوازمہ اور تسامحات و تفردات کے نقطہ سے ہٹ کر بھی اگر کوئی مستقبل کا مؤرخ زمینی حقائق کو پیش نظر رکھ کر اس کا تجزیہ کر دے کہ پس منظر میں علماء اہل سنت کی بے مثال شان و شوکت کو لمحوں میں پارہ پارہ کر دینے والے عناصر کون اور کیا تھے؟ اور ان کی ڈوریاں کن ہاتھوں میں تھیں؟ تو اس تاریخی اور خالص پاکستانی قضیّہ کا محاکمہ کرنا کافی حد تک آسان ہو جائے گا۔ ہم نے ایک میدان مہیا کر دیا ہے اب اس عنوان پر پوری غیر جانبداری کے ساتھ کوئی دوست تحقیق و تفتیش کا مستقل باب قلمبند کر دے تو آئندہ کی نسلوں کو شاید بہت کچھ سمجھنے میں مدد و معاون ثابت ہو گا۔

شاہ صاحب کا مفتی احمد یار صاحب سے دوسرا معاہدہ

☆ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔

① نذر اور منت عبادت ہے، یہ صرف اللہ کے نام پر ہونی چاہیے۔ اگر نذر و منت اس صورت میں ہو کہ یا اللہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں تیرے نام کی فلاں چیز دوں گا اور اس کا ثواب فلاں بزرگ حضرت یا پیرانِ پیر یا کسی اور کو بخشوں گا اور یہ چیز غرباء اور مساکین کو دی جائے گی، کیونکہ یہ صدقہ واجبہ ہے، تو یہ جائز ہو گا۔

② اور اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے فی سبیل اللہ خیرات اور صدقہ نفلی کسی روز بھی دینا چاہے تو اس خیراتِ نفلی کو غریب، امیر ہر شخص کھا سکتا ہے۔

(عنایت اللہ شاہ بخاری)

ان دو مسائل مذکورہ بالا میں مَیں متفق ہوں، درست ہیں۔

(احمد یار خان) ۲۵، فروری ۱۹۵۲ء''

یہاں بھی شاہ صاحب نے کمال کی میانہ روی، نرمی، مروت، لحاظ اور مسئلے کو ''بطریق احسن'' معاہدے کی شکل میں قبول کیا ہے، مگر یہ ان کی تمام تر شفقتیں غیروں کے لیے تھیں اپنوں کے ساتھ وہ اس قدر جلالی و غیور رویوں کا مظاہرہ فرماتے رہے کہ تادمِ آخر اپنوں سے بگاڑ کر ہی رکھی اور مسلک دیوبند کو دو واضح بلاکوں میں تقسیم کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مصالحت کی تیسری ناکام کوشش، قائد اہل سنت کا کردار اور مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری کی تیسری بار ضد

اس مصالحت کی سبیل یہ بنی کہ مؤرخہ ۳، جنوری ۱۹۶۲ء کو بمقام ڈھڈیال، چکوال میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے حسب عادت دورانِ خطاب علماء اہل سنت کو چیلنج کرنا شروع کر دیئے۔ حضرت قائد اہل سنت تک جب مذکورہ تقریر کی روداد پہنچی تو آپ نے شاہ صاحب کا چیلنج منظور کر لیا، اور ایک ''کھلی چٹھی'' بنام مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تحریر کی، جو ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں بابت ۹، مارچ ۱۹۶۲ء شائع ہوئی تھی، اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب کی جوابی چٹھی ''ترجمانِ اسلام'' ہی کے صفحات پر بابت اپریل ۱۹۶۲ء شائع کروائی گئی پھر جواب الجواب میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے مفصل چٹھی لکھی تو بات ثالثین کی تقریری اور تحریری مباحثہ تک جا پہنچی۔ ملتان اور لاہور کے بعد اب اسے ''سکھر'' معاہدہ کا نام دے دیا گیا تھا کیونکہ ان میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے ثالثی کا کردار ادا کرنا قبول کیا تھا، طے یہ ہوا تھا کہ فریقین سکھر پہنچ کر اپنے اپنے دلائل بیان فرمائیں گے اور یہ حضرات اپنا فیصلہ سنائیں گے، مگر ہوا یوں کہ انہی دنوں مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ پر ایک تقریر کے سلسلہ میں مقدمہ ہو گیا اور آپ گرفتار کر لیے گئے، شاہ صاحب کو قسمت سے ایک اور موقع مل گیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت جالندھری رحمہ اللہ کے بغیر مباحثہ کی نشست ممکن نہیں تھی، چنانچہ یہ اجلاس منسوخ ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب نے پورے ملک میں پروپیگنڈا کیا کہ حضرت جالندھری کی گرفتاری والا سب بہانہ ہے، دراصل میرے سامنے بیٹھنے کی کسی کو ہمت نہیں ہو رہی، شاہ صاحب کا یہ فرمان کسی حد تک ٹھیک بھی تھا کیونکہ شرفاء کے

لیے طمانچے کھانا واقعی کم ہمتی ہی ہوتی ہے، بعد ازاں ثالثوں نے کہا کہ اپنا اپنا تحریری موقف لکھ کر ارسال کر دیں، جس پر اکابر نے مفصل موقف لکھ کر ارسال کر دیا، مگر شاہ صاحب نے تحریر بھیجنے سے انکار فرما دیا، یہ اس قضیہ کی تمہید ہے، اب قائد اہل سنت نے جو اس معاملہ میں شاہ صاحب سے خط و کتابت کی اور ہفت روزہ ترجمان اسلام کے اندر یہ داستانیں شائع ہوتی رہیں وہ من وعن سپرد قرطاس کی جا رہی ہیں، اس میں اس تیسری کوشش کا سہرا بھی قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے سر سجتا ہے۔ اس سلسلہ میں قائد اہل سنت کے نام شاہ صاحب کا خط ملاحظہ فرمائیں۔

قائد اہل سنت کے نام مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کا خط

از عنایت اللہ بخاری، ۱۷ مارچ ۱۹۶۲ء، مسجد جامع کالری گیٹ گجرات

بخدمت گرامی محترم قاضی صاحب

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ ۹، مارچ ۱۹۶۲ء کے ترجمانِ اسلام میں میرے نام آپ کی کھلی چٹھی شائع ہوئی، جس میں کھلی غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ سکھر کے بعد ثالث صاحب نے مجھے لاہور پہنچنے کی دعوت ہی نہیں دی اگر آپ محترم ثالث حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ العالی سے ہی دریافت فرما لیتے تو شاید آپ اس غلط بیانی کے مرتکب نہ ہوتے۔ سکھر میں فریقین کا تحریری معاہدہ ہو جانے کے بعد آپ کے فریق میں سے کوئی صاحب بھی باضابطہ مناظرہ کے لیے تاریخ مقررہ پر تشریف نہ لائے۔ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کی گئی، ہمارے بارہ، تیرہ دن ضائع کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اب داغ ندامت مٹانے کے لیے مولانا محمد علی صاحب کے کوائف کو معذرت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اور آج پھر تیرہ ماہ بعد آپ کو بھی پانچواں سوار بننے کا شوق چرایا ہے۔ اور اپنی کھلی چٹھی میں سکھر کو چھوڑ کر گجرات کا اعلان فرما دیا ہے۔ لہٰذا اس پر بھی میں بسم اللہ کہہ کر اجازت دیتا ہوں کہ آپ تشریف لائیے۔ موضوعِ مناظرہ، معاہدۂ سکھر میں جو طے پا گیا ہے وہی ہوگا۔ فریقین کے دلائل بھی مجوزہ دونوں ثالث صاحبان سنیں گے امید ہے آپ اس کا انکار نہیں فرمائیں گے کیونکہ معاہدہ سکھر میں یہ معاہدہ طے شدہ ہے۔ ثالث صاحبان کو گجرات لانا آپ کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ سکھر میں ان کی تشریف آوری آپ کے قائد نے روک دی تھی۔ اب آپ کا فریضہ ہے کہ ان کو گجرات میں لائیں۔ اور اگر ثالث صاحبان شامل نہ ہو سکیں تو ہم بغیر ثالث کے بھی ان شاء اللہ بفضلہٖ تعالیٰ مناظرہ کے لیے حاضر ہیں۔

آج ۱۶، مارچ ۱۹۶۲ء سے ۲۳، اپریل ۱۹۶۲ء ایک ماہ سات دن بنتے ہیں۔ کافی مہلت ہے، آپ ۲۳، اپریل ۱۹۶۲ء نو بجے صبح گجرات جامع مسجد کالری دروازہ تشریف لے آئیں، بندہ آپ کا منتظر رہے گا، بشرطیکہ مقصد دیانتاً اسلام اور دین کی بھلائی ہو، سنجیدگی، محبت اور عزت کے ساتھ گفتگو ہو اور اگر مقصد ہی سیاسی وقار ہو، اس کے لیے غلط پروپیگنڈہ سے کام لیا جا رہا ہو۔ غیظ وغضب اور افتراء بازی کے ساتھ دھڑے بازی اور افتراق کو قائم رکھنا ہو تو یہ آپ کو مبارک ہو، بندہ تو ایک خالص دینی و علمی مسئلہ کو سیاست کی بھینٹ چڑھانا نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ محض اپنے ہی فضل ورحمت سے قرآن وسنت اور مخبر صادق ﷺ کا مخلص خادم بنائے۔ آمین۔ والسلام۔ عنایت اللہ بخاری عفی عنہ، مسجد جامع کالری دروازہ گجرات۔

''قاضی مظہر حسین کا مناظرہ سے فرار'' نامی ایک ٹریکٹ کا جواب

اسی دوران ۱۷، اپریل کو شاہ صاحب کی جانب سے ایک پمفلٹ بعنوان مندرجہ بالا شائع کر کے تقسیم کیا گیا تو حضرت قائد اہل سنت ان کے اس عمل پر انگشت بدنداں رہ گئے، کہ ایک جانب صلح کی کوششیں ہو رہی ہیں اور دوسری جانب فریب کاری پہ محنت! چنانچہ آپ نے ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں تفصیلی سرگذشت لکھی، ملاحظہ کیجیے۔

مناظرہ گجرات کا پس منظر

از حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ

سید عنایت اللہ شاہ صاحب کی بوکھلاہٹ، ثالث حضرات نے گجراتی شاہ صاحب کی چالبازی کو ناکام بنادیا۔

ایک فریب کارانہ ٹریکٹ کا جواب...... تحریری مناظرہ شروع ہو گیا

ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہوا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے موضوع پر باضابطہ مناظرہ کرانے کے لیے سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی سے میری خط وکتابت جاری ہے۔ شاہ صاحب اس مسئلہ میں نہ صرف اکابر دیوبند بلکہ جمہور اہل سنت کے خلاف ہیں اور پانچ سال سے انہوں نے مسلک حق کی تردید

اور چیلنج بازی شروع کر رکھی ہے۔ اسی سلسلہ میں شاہ صاحب نے ۳، جنوری کو بمقام ڈھڈیال تحصیل چکوال ضلع جہلم ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے علمائے دیوبند کو پھر مناظرے کا چیلنج دیا۔ میں نے جب یہ کاروائی سُنی تو دیوبندی جماعت کی طرف سے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے شاہ صاحب کے نام ایک کھلی چٹھی لکھی جو ''ترجمان اسلام'' لاہور مورخہ ۹ مارچ میں شائع ہوچکی ہے۔ اس کے جواب میں شاہ صاحب نے بواسطہ ''ترجمان اسلام'' میرے نام ایک رجسٹرڈ چٹھی ارسال کی جس میں میری دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ نے ازخود ہی ۲، ۳، اپریل تاریخ مناظرہ مقرر کردی اور مناظرہ کے لیے گجرات میں مسجد کالری دروازہ کا تعین کردیا۔ حالانکہ تاریخ کا تعین ثالث حضرات کی طرف سے یا باتفاق فریقین ہونا چاہیے تھا اور شاہ صاحب نے ثالث حضرات کو گجرات لانے کی ذمہ داری بھی ہم پر ڈال دی۔ حالانکہ یہ ذمہ داری فریقین پر عائد ہوتی تھی۔ میں نے جواب میں ایک مفصل چٹھی شاہ صاحب کے نام رجسٹرڈ ارسال کی جو ترجمان اسلام مورخہ ۱۶ اپریل میں شائع ہوچکی ہے۔ اس میں صحیح واقعات بیان کرتے ہوئے میں نے لکھا کہ ثالث حضرات کو گجرات لانے کے لیے فریقین ۱۸، اپریل کو کراچی میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے پاس پہنچیں۔ وہاں ہی شرائط مناظرہ بھی طے ہوجائیں گی۔ جب شاہ صاحب کی طرف سے اس کا جواب نہ آیا تو ۱۳۔ اپریل کو میں نے ایک اور رجسٹرڈ خط شاہ صاحب کو ارسال کیا جس میں تاکید تھی کہ آپ ۱۸۔ اپریل کو ضرور کراچی پہنچیں۔ ادھر حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے کراچی پہنچنے کے لیے شاہ صاحب کو مبلغ ۹۰ روپے اور مولوی غلام اللہ خان صاحب کو مبلغ ایک سو روپے انٹر کلاس کا کرایہ بھی روانہ کردیا۔ مذکورہ پروگرام کے ماتحت کراچی جانے کے لیے جب ۱۵۔ اپریل کو بندہ لاہور پہنچا تو شام کو مولانا لال حسین صاحب اختر کے نام مولانا محمد علی صاحب جالندھری کا ایک خط ملا جس میں تحریر تھا کہ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے بذریعہ خط اطلاع دی ہے کہ آپ ۱۸۔ اپریل کو کراچی نہ آئیں میں خود عنقریب تاریخ متعین کرکے فریقین کو اطلاع دوں گا۔ وہ خط حسبِ ذیل ہے۔

۵۶ جیکب لائن کراچی

۶۲۔۴۔۱۰

محترم المقام مولانا محمد علی صاحب جالندھری

السلام علیکم! مجھے راولپنڈی میں معلوم ہوا کہ آپ نے مسئلہ حیات النبی کے تصفیہ کے لیے مولانا غلام

اللہ خاں صاحب کو ۱۸۔ اپریل کو کراچی بلایا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے یہ تاریخ کیسے مقرر کی ہے؟ آپ کی اطلاع کے لیے تحریر ہے کہ میں ۱۸۔ اپریل کو سفر میں ہوں گا۔ تشریف لانا بیکار ہوگا۔ میں عنقریب تصفیہ کے سلسلہ میں آپ حضرات کو خط لکھنے والا ہوں اور تاریخ متعین کر کے بھیجوں گا۔

بندہ احتشام الحق

ثالث صاحب موصوف نے چونکہ تاریخ کا تعین اپنے ذمہ لے لیا تھا اس لیے ہم نے ۱۸۔ تاریخ کراچی جانے کا پروگرام منسوخ کر دیا اور مطمئن ہو گئے کہ انشاء اللہ جلدی ہی اب ثالث حضرات کی موجودگی میں باضابطہ علمی مناظرہ ہوجائے گا اور یہی ہمیں مطلوب تھا۔ لاہور سے واپسی پر ۱۷ تاریخ کو جب میں جہلم پہنچا تو ایک عجیب وغریب ٹریکٹ ملا۔ جس کے سرورق پر یہ عنوانات تھے:

''قاضی مظہر حسین کا مناظرہ سے فرار''، ''مولوی محمد علی جالندھری کی سیاسی چال''، ''ثالث مولانا احتشام الحق صاحب کی رائے گرامی''۔

اس دجل وفریب کے پلندہ کو پڑھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کیا اہل توحید کی یہی شان ہوتی ہے؟ سید عنایت اللہ شاہ صاحب کی یہی وہ دیانتداری وراستبازی ہے جس کا دعویٰ انہوں نے اپنی جوابی چٹھی میں کیا ہے؟ کیا اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی محبت اور عزت باہمی کی یہی صورت ہوا کرتی ہے؟ کیا خوفِ خدا اسی کا نام ہے؟ کیا قرآن حکیم کی یہی تعلیمات ہیں؟ مُدعیانِ توحید نے باضابطہ مناظرہ سے بچنے اور قبل از مناظرہ اپنی سیاسی فتح کا ڈنکا بجانے کے لیے ٹریکٹ تو شائع کر دیا لیکن بزدل اور غیر اللہ کے خوف کی حد یہ ہے کہ اس میں مطبع کا نام ہے اور نہ شائع کنندہ کا۔ حتیٰ کہ ص ۲ میں ''ضروری گزارش'' کے عنوان سے جو تحریر ہے اس کے لکھنے والے کا بھی نام نہیں۔ اور آخری صفحہ پر ''مولانا محمد علی جالندھری کی سیاسی چال اور ثالث موصوف کی رائے'' کے عنوان سے جو تحریر ہے وہ اگرچہ شاہ صاحب کے قلم سے ہے لیکن اس میں بھی اپنا نام ظاہر نہیں کیا اور تلبیس یہ کی کہ ''ثالث موصوف کی رائے'' کے تحت اپنی طرف سے مولانا محمد علی جالندھری کو کوسنا شروع کر دیا۔ جس سے پڑھنے والا بظاہر اس غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ یہ ساری عبارت مولانا احتشام الحق صاحب ثالث موصوف کی ہے حالانکہ ان کی رائے کے تو صرف یہ الفاظ لکھے ہیں:

''کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے جس کے لیے کراچی جانے کی ضرورت ہو۔ جب میں کسی بات کے لیے مناسب سمجھوں گا تو فریقین کو بلالوں گا۔ اس وقت فریقین ضرور پہنچ جائیں۔''

اگر مولانا احتشام الحق صاحب نے اس طرح فرمایا تھا تو اس میں مولانا جالندھری کے خلاف کونسی ایسی بات ہے جس کے لیے ''مولانا محمد علی جالندھری کی سیاسی چال'' کا عنوان قائم کیا گیا؟ نیز اس عبارت سے یہ ثابت ہوگیا کہ شاہ صاحب کو راولپنڈی کے جلسہ پر ہی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ ثالث صاحب موصوف عنقریب خود ہی تاریخ مقرر کرکے فریقین کو بلالیں گے۔ اس اطلاع کے بعد شاہ صاحب کا یہ کتنا بڑا فریب ہے کہ ثالث حضرات کی طرف سے تاریخ مناظرہ متعین ہونے سے پہلے ہی اپنی فتح اور فریق ثانی کے فرار کا افسانہ شائع کر دیا۔ شاہ صاحب فرمایئے جو فریق آپ کو انٹر کلاس کا کرایہ بھیج کر ہر طرح سے آپ کو ثالت حضرات کی خدمت میں پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ فرار اس کی طرف سے ہے یا فرار کے راستے آپ خود تلاش کر رہے ہیں کہ اپنے گھر میں بیٹھ کر بغلیں بجا رہے ہیں؟ کیا شاہ صاحب کی پارٹی میں کوئی بھی ایسا حق گو، دیانت دار آدمی نہیں جو ان کی اس بزدلانہ حرکت پر انہیں تنبیہ کرے۔

اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْد؟

شاہ صاحب کے اس ٹریکٹ کے دیکھنے کے بعد ہم نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ ثالث حضرات آئیں یا نہ۔ ہم انشاء اللہ ضرور ۲۳۔ اپریل کو گجرات پہنچ کر شاہ صاحب سے بہر حال مناظرہ کریں گے تا کہ ان کو فرار کا کوئی راستہ نہ مل سکے۔ لیکن مولانا محمد علی صاحب جالندھری کا ۱۸ تاریخ کو میرے نام تار آیا کہ تحریری مناظرہ مقرر ہوگیا ہے۔ اس تحریری مناظرہ کی اطلاع ثالث صاحب موصوف نے مولانا جالندھری کو بذریعہ خط دی، جو درج ذیل ہے:

''محترم گرامی قدر مولانا محمد علی صاحب جالندھری

السلام علیکم! آپ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ میں ہمیں ثالث تسلیم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں تحریر ہے کہ آپ اپنا دعویٰ اور اس کے دلائل تحریر کرکے ارسال کریں۔ اور اپنی تحریر کی دو کاپیاں بھیجیں تا کہ ایک کاپی ہم دوسرے فریق کو روانہ کرسکیں۔ اسی طرح چار چار پرچہ تحریر کرائے جائیں گے۔''

② جو آپ تحریر لکھیں اس پر مولانا لعل حسین صاحب اختر کے بھی دستخط ہوں۔ اگر مولانا لال حسین صاحب کو آپ سے کوئی اختلاف ہو تو وہ اپنا اختلافی نوٹ تحریر کریں۔

③ اس کا جواب دس روز کے اندر اندر روانہ کریں۔ (دستخط ثالث حضرات)

۱۴۔ ۴۔ ۶۲ء

مجوزہ ثالث حضرات کے اس گرامی نامہ نے شاہ صاحب کی مزعومہ ۲۳۔ اپریل کی تاریخ کو بھی

منسوخ کر دیا۔اور مذکورہ بالا ٹریکٹ میں قوم کو جو فریب دیا تھا اس کا پردہ بھی چاک کر دیا ہماری کوشش بھی یہی تھی کہ مناظرہ تحریری ہو۔تا کہ بعد میں کسی کو بھی لاف زنی اور کذب بیانی کی گنجائش نہ رہے۔کیونکہ جب قبل از مناظرہ ہی شاہ صاحب نے اپنی فتح کا اشتہار شائع کر دیا ہے تو اگر بغیر ثالثوں کے مناظرہ زبانی ہوتا تو خدا جانے شاہ صاحب نے کیا کچھ کرنا تھا۔ان کی زبان وقلم کو کون روک سکتا؟ لیکن اب شاہ صاحب مجبور و بے بس ہو گئے ہیں۔نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔لیکن خود کردہ را علاجے نیست۔اب یہ کڑوا گھونٹ ان کو پینا پڑے گا۔واللہ الھادی۔

راقم الحروف اور سید عنایت اللہ شاہ صاحب کی خط وکتابت

میری کھلی چٹھی کے جواب میں شاہ صاحب کی ایک جوابی چٹھی موصول ہوئی تھی۔اس کے بعد میں نے دو رجسٹرڈ خطوط ارسال کیے جن کی واپسی رسید بھی میرے پاس ہے لیکن مجھے ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔البتہ مذکورہ ٹریکٹ میں شاہ صاحب نے اپنی آخری جوابی چٹھی شائع کی ہے لیکن میری مفصل چٹھی شائع نہیں کی۔جس میں صحیح واقعات درج تھے۔گو میری تینوں چٹھیاں ''ترجمان اسلام'' میں پہلے شائع ہو چکی ہیں لیکن جن لوگوں کو ان کا علم نہیں ان کے افادہ کے لیے دوبارہ شائع کی جا رہی ہیں۔شاہ صاحب کی پہلی چٹھی بھی بلفظہ یہاں درج کی جاری ہے اور اپنی دوسری مفصل چٹھی کا طوالت سے بچنے کے لیے مختصراً خلاصہ شائع کیا جائے گا۔اور شاہ صاحب کی آخری چٹھی مندرجہ ٹریکٹ کا جواب بھی عرض کروں گا تا کہ عوام کے سامنے حقیقت منکشف ہو جائے۔وما توفیقی الا باللہ۔

مولانا سید عنایت اللہ صاحب گجراتی کے نام کھلی چٹھی

(آپ کا چیلنج منظور ہے۔)

السلام علیکم! آپ نے بتاریخ ۳۰۔جنوری بمقام ڈھڈیال تحصیل چکوال ضلع جہلم ایک جلسہ عام میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے علمائے دیوبند کو مناظرے کا چیلنج دیا ہے۔دوران تقریر آپ نے لاہور اور سکھر کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں پانچ سال سے اعلان کر رہا ہوں۔کوئی مجھ سے بحث نہیں کرتا۔نیز لاہور کے حالات کے ضمن میں آپ نے شیخ التفسیر مرجع العلماء حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ العزیز پر طعن کیا ہے کہ وہ اس دن اپنی مسجد سے ہی کہیں غائب ہو گئے تھے۔آپ کے الزامات کے جواب میں چونکہ اجتماع لاہور کے صحیح واقعات

''ترجمان اسلام'' میں پہلے شائع ہو چکے ہیں، اس لیے ان کا اعادہ بیان ضروری نہیں سمجھتا۔ سکھر کے واقعات کے سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ وہاں پر فریقین نے مناظرہ منظور کر لیا تھا۔ اور اسی مناظرہ کے لیے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی شیخ الحدیث مدرسہ ٹنڈو اللہ یار سندھ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو ثالث تسلیم کیا گیا تھا۔ اسی تحریر میں قائلین حیات النبی ﷺ کی طرف سے مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور مناظر اسلام حضرت مولانا لعل حسین صاحب اختر اور فریق ثانی کی طرف سے آپ کے اور مولانا غلام اللہ خاں صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے دستخط موجود ہیں۔ تاریخ مناظرہ سے پہلے ایک تقریر کی بنا پر چونکہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری گرفتار ہو گئے تھے اس لیے مناظرہ ملتوی ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ثالث حضرات بھی اس دن سکھر نہیں پہنچے۔ بعد ازاں مولانا جالندھری حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مقدسہ کے لیے روانہ ہو گئے اس لیے مناظرہ میں مزید تاخیر ہو گئی۔ حج سے واپسی پر مولانا موصوف نے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو مناظرہ کرانے کے لیے کہا تو انہوں نے فریقین کو لاہور میں ایک تاریخ متعینہ پر مدعو کیا۔ جس میں مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مولانا لعل حسین صاحب اختر اور مولانا غلام اللہ خاں صاحب پہنچ گئے لیکن باوجود ثالث کی دعوت کے آپ وہاں نہ پہنچ سکے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجوزہ ثالث حضرات کی موجودگی میں آپ باضابطہ علمی مناظرہ کے لیے تیار نہیں۔ اگر آپ کو باضابطہ علمی مناظرہ منظور ہوتا تو بجائے جلسہ عام میں چیلنج کرنے کے ثالث حضرات پر زور دیتے۔ جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری اس سلسلہ میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو متعدد بار توجہ دلا چکے ہیں۔ بہرحال آپ کا چیلنج منظور ہے۔ مقام مناظرہ گجرات ہی ہوگا۔ شرائط مناظرہ طے کرنے کے بعد مجوزہ ثالث حضرات کی موجودگی میں ہی آپ کو مناظرہ کرنا پڑے گا۔ اگر آپ کو اسی طرح باضابطہ علمی مناظرہ منظور ہے تو مجھ کو مطلع کریں یا اپنا جواب ''ترجمان اسلام'' لاہور میں شائع کرا دیں۔ بعد ازاں انشاء اللہ العزیز تاریخ مناظرہ متعین کی جائے گی۔

والسلام
الاحقر مظہر حسین عفرلہ
مدنی جامع مسجد چکوال، ضلع جہلم
۶ رمضان المبارک ۸۱ھ / ۶۲-۲-۱۶

سید عنایت اللہ شاہ صاحب کی جوابی چٹھی

از عنایت اللہ بخاری عفی عنہ
مسجد جامع گجرات

بخدمت گرامی محترم قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

۹ مارچ ۱۹۶۲ء کے ترجمان اسلام میں میرے نام آپ کی کھلی چٹھی شائع ہوئی جس میں کھلی غلط بیانی سے کام لیا گیا۔ سکھر کے بعد ثالث صاحب نے مجھے لاہور پہنچنے کی دعوت ہی نہیں دی۔ اگر آپ محترم ثالث حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ العالی سے ہی دریافت فرما لیتے تو شاید آپ اس غلط بیانی کے مرتکب نہ ہوتے۔ سکھر میں فریقین کا تحریری معاہدہ ہوجانے کے باوجود آپ کے فریق میں سے کوئی صاحب بھی باضابطہ علمی مناظرہ کے لیے تاریخ مقررہ پر تشریف نہ لائے۔ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کی گئی۔ ہمارے بارہ تیرہ دن ضائع کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجون۔ اور اب داغ ندامت مٹانے کے لیے مولانا محمد علی صاحب کے کوائف کو معذرت میں پیش کیا جارہا ہے اور آج پھر تیرہ ماہ بعد آپ کو بھی پانچواں سوار بننے کا شوق چرایا ہے۔ اپنی کھلی چٹھی میں سکھر کو چھوڑ کر گجرات کا اعلان فرما دیا ہے۔ بندہ اس پر بھی بسم اللہ کہہ کر اجازت دیتا ہے۔ آیئے تشریف لایئے۔ موضوع مناظرہ معاہدہ سکھر میں جو طے کیا گیا ہے وہی ہوگا۔ فریقین کے دلائل بھی مجوزہ ثالث صاحبان سنیں گے۔ امید ہے آپ اس کا انکار نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ معاہدہ سکھر میں ہی طے شدہ ہے۔ ثالث صاحبان کو گجرات لانا آپ کا فرض ہوگا۔ کیونکہ سکھر میں ان کی تشریف آوری آپ کے قائد نے روک دی تھی۔ اب آپ حضرات کا فریضہ ہے کہ ان کو گجرات لائیں اور اگر ثالث صاحبان شامل نہ ہوسکیں تو ہم بغیر ثالث کے بھی انشاء اللہ العزیز بفضلہ تعالیٰ مناظرہ کے لیے حاضر ہیں۔ آج ۱۶ مارچ ۱۹۶۲ء سے ۲۳۔ مارچ ۱۹۶۴ء تک ایک ماہ سات دن بنتے ہیں۔ کافی مہلت ہے۔ آپ ۲۳۔ اپریل ۱۹۶۲ء نو بجے صبح گجرات جامع مسجد کا لری دروازہ میں تشریف لے آویں۔ بندہ آپ کا منتظر رہے گا۔ بشرطیکہ مقصد دیانتاً اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی پر سنجیدگی، محبت اور عزت کے ساتھ گفتگو ہو اور اگر مقصد ہی سیاسی وقار ہو اور اس کے لیے غلط پروپیگنڈہ سے کام لیا جارہا ہو یا غیظ وغضب اور فتویٰ بازی کے ساتھ دھڑے بازی اور افتراق کو قائم رکھنا ہو تو آپ کو مبارک ہو۔ بندہ تو ایک خالص دینی وعلمی مسئلہ کو سیاست کی بھینٹ چڑھانا نہیں چاہتا۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے ہی فضل ورحمت سے قرآن وسنت کا ہمیشہ صادق اور مخلص خادم بنائے۔ آمین۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

عنایت اللہ بخاری عفی عنہ

مسجد جامع کالری دروازہ

گجرات ۶۲ء۔۳۔۱۶[1]

نقل میں خیانت

شاہ صاحب نے اپنے ٹریکٹ میں تو یہ چٹھی شائع کی ہے اس میں حسبِ ذیل الفاظ بڑھا دیئے ہیں۔ جو میرے نام ان کی اصلی چٹھی میں موجود نہیں۔ شرائط نامہ، عذر گناہ بدتر از گناہ، پبلک خود ثالث ہوگی، بہتان تراشی، دنیوی اغراض کے لیے۔ وغیرہ وغیرہ

اب ناظرین ہی فیصلہ فرمائیں کہ شاہ صاحب اس معاملہ میں کس قدر دیانتداری سے کام لے رہے ہیں؟ میں نے اس کے جواب میں ایک مفصل چٹھی ۶۲ء۔۳۔۳۰ کو شاہ صاحب کے نام رجسٹرڈ ارسال کی جو ۶۔ اپریل کے ترجمان اسلام میں شائع ہو چکی ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے مختصراً درج ذیل ہے:

⑵ مولانا سید عنایت اللہ صاحب گجراتی کی چٹھی کا جواب

بعد از سلام مسنون آنکہ میری کھلی چٹھی مندرجہ ترجمان اسلام لاہور مورخہ ۹ مارچ کے جواب میں آپ کی رجسٹری چٹھی محررہ ۶۲۔۳۔۱۶ مجھے لاہور میں ۶۲۔۳۔۲۱ کو ملی۔ الحمدللہ آپ نے مجوزہ ثالث حضرات کی موجودگی میں باضابطہ علمی مناظرہ منظور کرلیا ہے۔ آپ نے ۲۳۔ اپریل تاریخ مناظرہ مقرر کردی ہے حالانکہ میں نے یہ لکھا تھا کہ شرائط مناظرہ طے ہونے کے بعد تاریخ متعین کی جائے گی۔ آپ نے ثالث صاحبان کو گجرات لانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ جو خلاف انصاف ہے۔ یہ ذمہ داری ان فریقین پر ہے جنہوں نے معاہدہ سکھر پر دستخط کیے ہیں۔ اس سلسلہ میں میری تجویز یہ ہے کہ بتاریخ ۱۸، اپریل صبح دس بجے فریقین کراچی میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی

---

[1] اگرچہ شاہ صاحب کے اصل خط کی مدد سے یہ پہلے بھی گزشتہ صفحوں میں آچکا ہے، مگر یہاں ''ترجمانِ اسلام'' میں شائع شدہ دوبارہ اس لیے درج کیا گیا ہے کہ اس کی یہاں مستقل ضرورت تھی جس کا اندازہ ''نقلِ خیانت'' کے تحت دی جانے والی تحریر سے بخوبی ہو رہا ہے۔ سلفی

کی مسجد میں پہنچ جائیں اور ہم سب مل کر ثالث حضرات کو گجرات لانے کی کوشش کریں۔ اگر کسی وجہ سے آپ کو یہ تاریخ منظور نہ ہو تو کوئی اور تاریخ مقرر کر کے بذریعہ ٹیلی گرام مجھ کو اطلاع دیں انشاء اللہ ہم اسی دن کراچی پہنچ جائیں گے۔ اور بہتر ہوگا کہ اسی موقع پر شرائط بھی طے ہو جائیں تا کہ مناظرہ کے دن ابتدائی امور میں وقت ضائع نہ ہو...... آپ نے الزام لگایا ہے کہ: ''میرے نام آپ کی کھلی چٹھی شائع ہوئی۔ جس میں کھلی غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ سکھر کے بعد ثالث صاحب نے مجھے لاہور پہنچنے کی دعوت نہیں دی۔'' شاہ صاحب! آپ کا میری طرف غلط بیانی کو منسوب کرنا غلط ہے۔ اس لیے کہ ثالث صاحب موصوف نے جب فریقین کے قائد صاحبان مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور مولانا غلام اللہ صاحب کو دعوت دے دی تھی تو آپ کو علیحدہ دعوت دینے کی ضرورت نہ رہی۔ صرف پارٹی لیڈر کو دعوت کافی ہے...... علاوہ ازیں معاہدہ سکھر کی خلاف ورزی کا ہم کو ذمہ دار ٹھہرانا بھی آپ کی ناانصافی بلکہ اتہام تراشی ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری تو مسئلہ حیات النبی ﷺ کے علاوہ اس سلسلہ کے واقعات پر بھی آپ سے مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کیا آپ کو منظور ہے؟ مختصر واقعات حسب ذیل ہیں:

معاہدہ سکھر میں تاریخ مناظرہ ۱۷، ۱۸ جنوری ۶۱ء مقرر کی گئی تھی۔ ۱۳۔ جنوری کو جناب ثالث صاحب موصوف کا مولانا محمد علی صاحب کو یہ پیغام ملا کہ ملاقات کے لیے کراچی پہنچیں۔ ٹیلی فون پر مولانا موصوف نے بات کی تو جناب ثالث صاحب نے فرمایا کہ تاریخ مناظرہ سے پہلے فریقین ایک مجلس میں جمع ہوں۔ ابتدائی امور تحریری طے کر لیے جائیں۔ پھر مناظرہ ٹنڈو اللہ یار میں ہو۔ کیونکہ سکھر میں فریقین کے لوگ ہیں باہمی جھگڑے کا اندیشہ ہے۔'' مولانا جالندھری نے اس کا جواب یہ دیا کہ پہلے تو فراغت نہیں ہے۔ ۱۷، ۱۸ تاریخ کو سکھر میں ہی ابتدائی امور طے کر لیے جائیں گے لیکن اس کے بعد ۱۲ جنوری کو وارنٹ گرفتاری کی مولانا جالندھری کو اطلاع ملی تو آپ میانوالی تشریف لے گئے۔ ۱۶، ۱۷ جنوری وہاں رہے۔ ثالث موصوف مولانا احتشام الحق صاحب نے اطلاع دی کہ آپ اس سلسلہ میں ۲۹ جنوری کو لاہور پہنچیں۔ اس کے بعد مولانا جالندھری صاحب لاہور سے ہی میانوالی جیل میں چلے گئے۔ ضمانت پر رہائی کے بعد مولانا جالندھری ۱۷ فروری کو سکھر تشریف لے گئے۔ وہاں تینوں ذمہ دار افراد حاجی حفیظ الدین صاحب، محمد یوسف صاحب اور ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب سے کہا کہ اب مناظرہ کے لیے بات کرنی چاہیے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب سے عرض کیا تھا۔

انہوں نے فرمایا کہ ہم فریقین سے تحریر لیں گے۔تم فریقین سے دریافت کر کے اطلاع دو کہ کیا وہ تحریر دینے کے لیے تیار ہیں؟ اس پر مولانا جالندھری صاحب نے وہیں تحریر لکھ دی کہ ہم ثالث حضرات کو تحریری جواب دینے کے لیے تیار ہیں۔

اس کے بعد مولانا جالندھری حج پر چلے گئے۔ واپسی کے بعد مولانا موصوف نے جولائی ۶۱ء میں آپ کو اور مولانا غلام اللہ صاحب کو جدا جدا خط لکھا۔ آپ کو یہ لکھا تھا کہ مولانا احتشام الحق صاحب کی دعوت پر مولانا غلام اللہ صاحب لاہور پہنچ گئے تھے لیکن کسی وجہ سے آپ نہیں آسکے۔ اب میں حج سے واپس آگیا ہوں، آپ کوئی مقام و تاریخ مقرر کریں جس میں ہم دونوں فریق جمع ہوں اور ثالث حضرات کو لکھیں کہ وہ مناظرہ کا انتظام کریں جو تاریخ و مقام آپ متعین کریں گے میں انشاء اللہ وہاں پہنچ جاؤں گا۔'' مولانا جالندھری نے مولانا غلام اللہ خان صاحب کو بھی اسی مضمون کا خط لکھا۔ آپ نے تو مولانا جالندھری کے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مولانا غلام اللہ خان صاحب نے جواب میں لکھا کہ لاہور میں اجتماع غیر مفید تھا۔ کیونکہ دوسرے ثالث موجود نہ تھے اور پہلے ایک جگہ فریقین کے جمع ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی سکھر کے افراد کی ضرورت ہے۔ دونوں ثالث تاریخ مقرر کر کے ایک ماہ یا بیس دن پہلے اطلاع دیں ہم کتابیں لے کر اسی دن پہنچ جائیں گے۔'' بعدازاں ۲۸۔ اگست کو مولانا احتشام الحق صاحب راولپنڈی تشریف لائے تو مولانا جالندھری صاحب نے مولانا غلام اللہ صاحب کو تار دیا کہ ثالث صاحب موصوف سے تاریخ مناظرہ مقرر کرالیں...... مولانا جالندھری صاحب نے فون پر مولانا احتشام الحق صاحب سے بات کی تو جناب ثالث نے فرمایا کہ مولانا غلام اللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو چھوڑ دیا جائے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ نہیں بیان کریں گے، اس کا جواب مولانا جالندھری صاحب نے یہ دیا کہ ایک جگہ جمع ہو کر اس مسئلہ کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب ملک میں چیلنج دیتے پھرتے ہیں۔ میں اب مسئلہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ مولانا احتشام الحق صاحب نے فرمایا کہ اچھا میں ان سے بات کروں گا۔'' پھر ۲۲۔ جنوری ۶۲ء کو کراچی میں مولانا جالندھری نے مولانا احتشام الحق صاحب سے کہا کہ آپ تاریخ مناظرہ جلدی مقرر کریں...... مولانا جالندھری صاحب نے اس سلسلہ کے تمام خطوط کی نقلیں مولانا احتشام الحق صاحب کو روانہ کر دی ہیں۔ مذکورہ واقعات کی روشنی میں کیا آپ کا یہ لکھنا صریح غلط بیانی نہیں کہ:

''اب داغ ندامت کو مٹانے کے لیے مولانا محمد علی صاحب کے کوائف کو معذرت میں پیش کیا

جا رہا ہے اور آج پھر تیرہ ماہ بعد آپ کو بھی پانچواں سوار بننے کا شوق چرایا۔''

شاہ صاحب۔ مسلک حق کی حمایت میں اگر مجھے پانچویں سوار کا درجہ بھی نصیب ہو جائے تو یہ میرے لیے ایک عظیم سعادت ہے۔ برعکس اس کے افسوس تو آپ کی حرمان نصیبی پر ہے کہ جمہور اہل سنت اور اکابر دیوبند کے مسک حق سے نہ صرف منحرف ہو گئے ہیں بلکہ ان اساطین امت کو تضحیک و تفسیق کا نشانہ بنا رہے ہیں۔

(نوٹ) اگر آپ اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے اس مسئلہ میں مخلصانہ بحث کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بہتر اور مفید صورت یہ ہے کہ مناظرہ تحریری ہوتا کہ فریقین کے دلائل عوام و خواص تک محفوظ پہنچ جائیں اور کسی فریق کے لیے دروغ گوئی اور لاف زنی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ کیا آپ کو منظور ہے؟ والسلام۔ الاحقر مظہر حسین غفرلہ۔ مدنی جامع مسجد چکوال۔ ۶۲ء۔ ۳۔ ۳۰

مکتوب ③

باسمہ تعالیٰ

بخدمت جناب شاہ صاحب وفقکم اللہ لاتباع السلف الصالحین۔

بعد از سلام مسنون۔ آنکہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ میں آپ نے بمقام ڈھڈیال تحصیل چکوال اپنی تقریر میں علمائے دیوبند کو جو چیلنج دیا تھا اس کو قبول کرتے ہوئے میری ایک کھلی چٹھی ترجمان اسلام لاہور میں شائع ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی جوابی چٹھی میں واقعات کے سلسلہ میں ہم پر بعض الزامات عائد کیے تھے جس کے جواب میں ایک مفصل چٹھی میں نے آپ کے نام ۳۰ مارچ کو رجسٹرڈ ارسال کر دی تھی جو ترجمان اسلام مجریہ ۶۔ اپریل میں شائع ہو چکی ہے۔ لیکن تا حال آپ کی طرف سے اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ۱۸۔ اپریل کو فریقین کراچی میں مجوزہ ثالث حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی خدمت میں پہنچ جائیں اور ثالث حضرات کو گجرات لانے کی کوشش کریں وہاں ہی شرائط مناظرہ طے ہو جائیں۔ پھر ثالث حضرات جو تاریخ مقرر کریں اس میں بحث ہو جائے میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر ۱۸۔ اپریل کو کسی وجہ سے آپ کراچی نہیں پہنچ سکتے تو آپ خود ہی کوئی تاریخ مقرر کر کے بذریعہ تار مجھ کو اطلاع دیں۔ ہم انشاء اللہ اُس دن کراچی حاضر ہو جائیں گے لیکن تعجب ہے کہ مناظرہ کے لیے اتنے بلند و بانگ دعوٰی کے باوجود میری معروضات کے جواب میں آپ نے بالکل سکوت اختیار کر لیا ہے۔

نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن

کیا آپ نے محض عوام پر اثر انداز ہونے کے لیے مجھ کو یہ تحریر فرمایا تھا کہ آپ ۲۳۔اپریل ۹ بجے صبح مسجد کالری دروازہ گجرات تشریف لے آئیں بندہ آپ کا منتظر رہے گا بشرطیکہ مقصد دیانتاً اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی ہو۔ سنجیدگی، محبت اور عزت کے ساتھ گفتگو ہو۔'' شاہ صاحب! فرمایئے سنجیدگی اور عزت کے ساتھ مناظرہ کرنے کی کوشش ہم کر رہے ہیں یا آپ؟ اس خالص علمی و دینی مسئلہ کو سیاست کی بھینٹ آپ چڑھانا چاہتے ہیں یا ہم؟ اگر مجلسِ مناظرہ میں ثالث حضرات بھی نہ ہوں اور پہلے شرائط

مناظرہ بھی طے نہ کی جائیں تو کیا ایسا مناظرہ سنجیدگی اور دیانت پر مبنی ہوگا؟ آپ نے اس سے پہلے بھی ثالث علماء کے تقرر سے گریز کیا اور اب تسلیم کے باوجود بھی آپ ٹال مٹول کر رہے ہیں۔

شاہ صاحب! ہم اب پوری کوشش کر رہے ہیں کہ ایک دفعہ علمی باضابطہ مناظرہ ہو جائے ہم آپ کو ہر طرح اس کے لیے گنجائش دے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے بطور کرایہ مبلغ نوے روپے آپ کے نام اور مبلغ ایک سو روپے مولانا غلام اللہ صاحب کے نام بذریعہ منی آرڈر ارسال کر دیئے ہیں۔ تاکہ آپ کے لیے سکھر اور کراچی پہنچنے میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اگر باوجود کرایہ وصول کرنے کے بھی آپ سکھر اور کراچی مقررہ تاریخوں میں تشریف نہ لائے تو یہ حقیقت عامۃ المسلمین پہ روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ آپ باضابطہ علمی مناظرہ نہیں چاہتے اور آپ کا مقصد اہل اسلام کو مغالطے میں رکھنا اور ہڑبونگ مچانا ہے۔ مکرر عرض ہے کہ آپ ۱۷۔اپریل سکھر اور ۱۸۔اپریل کراچی میں ضرور تشریف لائیں۔ ہم آپ کا شدید انتظار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو سلف صالحین کی عقیدت اور پیروی نصیب فرمائیں۔ والسلام

الاحقر مظہر حسین غفرلہ

مدنی جامع مسجد چکوال

یوم الجمعہ ۶۲ء۔۴۔۳۰[۱]

گجراتی شاہ صاحب کی آخری جوابی چٹھی کا دندان شکن جواب

شاہ صاحب نے میری دو رجسٹرڈ چٹھیوں کا براہ راست کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ اپنے مذکورہ

---

[۱] مظہر حسین قاضی، مولانا / مکتوب بنام شاہ صاحب گجراتی، مشمولہ ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور / ۲۰، اپریل ۱۹۶۲ء / صفحہ نمبر ۲

فنکارانہ ٹریکٹ میں جواب شائع کیا ہے، اس میں انہوں نے جو الزامات اور اعتراضات پیش کیے ہیں، کا جواب عرض کروں گا تا کہ ناظرین حقیقت حال سے واقف ہو جائیں۔ میں شاہ صاحب کے اعتراض کو (ش) اور اپنے جواب کو (ج) کے تحت لکھوں گا

(ش) آپ نے بھی جرأت سے کام لے کر میرا خط ترجمان اسلام میں نہ چھپوایا۔ حالانکہ آپ ترجمان اسلام کے دفتر میں میرا خط ملاحظہ فرما چکے تھے۔

(ج) میں نے جناب ناظم صاحب ترجمان اسلام لاہور سے عرض کر دیا تھا کہ ترجمان اسلام میں آپ کی چٹھی شائع ہو جائے۔ خدا جانے چٹھی کیوں نہیں شائع کی گئی؟ اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہو سکتی۔

(ش۲) شرائط مناظرہ تو سکھر کے اجتماع میں طے ہو چکی ہیں۔ ان شرائط کو کس نے منسوخ کیا ہے کہ اب از سر نو شرائط طے کرنے کی ضرورت پیش آ گئی؟

(ج) معاہدہ سکھر میں تو فریقین نے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کو ثالث تسلیم کیا تھا۔ دوسری شرائط مثلاً مدعی کون ہوگا؟ مناظرہ تقریری ہوگا یا تحریری؟ بحیثیت دیوبندی مسلک کے مناظرہ ہوگا یا کسی اور حیثیت سے" شرائط بالکل طے نہیں ہوئی تھیں۔ یہ آپ کا بہت بڑا فریب ہے کہ اس مختصر معاہدہ کو اب مکمل شرائط نامہ قرار دے رہے ہیں، خدا جانے آپ شرائط طے کرنے سے اس قدر خائف کیوں ہیں؟

(ش۳) اس کے باوجود آپ اور آپ کے قائد کی تحریروں کے مابین کھلا ہوا تضاد ہے۔ آپ تو ہمیں کراچی پہنچنے کی اس لیے دعوت دے رہے ہیں کہ وہاں شرائط مناظرہ طے کی جائیں، اور ثالث حضرات کو گجرات لایا جائے اور آپ کے قائد مولانا محمد علی صاحب مولانا احتشام الحق صاحب سے صرف یہی پوچھنے کے لیے ہمیں کراچی بلا رہے ہیں کہ میں (محمد علی) مناظرے سے گریز کر رہا ہوں۔ پہلے آپ نے ایک چال چلنے پر اتفاق کر لیا ہوتا۔

(ج) آپ کو اور مولانا محمد علی جالندھری کو میری دعوت یہ تھی کہ آپ ۱۸۔ اپریل کو کراچی پہنچیں تا کہ فریقین مل کر ثالث حضرات کو گجرات لانے کی کوشش کریں اور شرائط بھی وہاں ہی طے ہو جائیں۔ مولانا جالندھری نے میری دعوت پر تو اسی غرض کے لیے جانا تھا لیکن انہوں نے اس موقعہ پر آپ کو ایک دوسری دعوت بھی دے دی کہ مولانا احتشام الحق صاحب کے سامنے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ گریز کس کی طرف سے برتا جا رہا ہے؟ چونکہ ان کا غالب خیال یہ تھا کہ آپ کراچی جانے کی ہمت نہیں کریں گے۔

اس لیے اتمام حجت کے لیے آپ کو انٹر کلاس کا کرایہ بھی روانہ کر دیا۔ اس میں تضاد بیانی کو کیا دخل ہے اگر آپ میں ذرہ برابر بھی حمیت وغیرت ہوتی تو مولانا جالندھری کا چیلنج قبول کرتے ہوئے ضرور کراچی کا ارادہ کرتے۔ آپ مجاہد ملت مولانا جالندھری سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ان کے ہر دلیرانہ اور حقیقت پسندانہ اقدام کو سیاسی چال سے تعبیر کر دیتے ہیں۔''

(ش④) کھلی چٹھی میں تو آپ نے یہ غلط بیانی کی کہ باوجود ثالث کی دعوت کے میں لاہور نہ پہنچا۔ جب میں نے اس کا جواب دیا کہ ثالث صاحب نے مجھے لاہور پہنچنے کی دعوت ہی نہیں دی تو آپ نے اپنے پہلے جھوٹ کو چھپانے کے لیے ایک اور جھوٹ تصنیف کیا...... حالانکہ مولانا احتشام الحق صاحب نے دعوت تو مولانا غلام اللہ خان کو بھی نہیں دی۔

(ج) یہ آپ کی کم فہمی ہے میں نے کوئی نئی بات نہیں بنائی۔ میں نے تو اپنی پہلی چٹھی میں ہی یہ لکھ دیا تھا کہ ثالث صاحب کی دعوت پر مولانا غلام اللہ خاں صاحب آ گئے تھے لیکن آپ نہ آئے۔ ممکن ہے اس میں مجھ سے غلط فہمی ہو گئی ہو لیکن جھوٹ کا ارتکاب نہیں ہوا۔ کیونکہ عمداً خلاف واقعہ بات کرنے کو جھوٹ کہتے ہیں اور یہاں آپ میری نسبت حسن ظن سے لکھ چکے ہیں کہ:......اگر آپ ثالث حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی سے ہی دریافت کر لیتے تو شاید آپ اس غلط بیانی کے مرتکب نہ ہوتے۔'' آپ کے ان الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی میں نے عمداً غلط بات نہیں کی۔ غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔ لیکن اب آپ اس کو جھوٹ قرار دے رہے ہیں۔ شاہ صاحب! کیا آپ جھوٹ اور غلط فہمی کا فرق نہیں جانتے؟ (ب) اگر ثالث صاحب کی طرف سے مولوی غلام اللہ خاں صاحب کو کوئی اطلاع نہ تھی تو پھر مولانا جالندھری کے جواب میں مولوی غلام اللہ خان صاحب نے یہ کیوں کہا کہ لاہور میں اجتماع غیر مفید تھا؟ کیونکہ دونوں ثالث موجود نہ تھے! یہ جواب کیوں نہ دیا کہ مجھے تو شاہ صاحب نے بلایا ہی نہ تھا۔

(ش⑤) میں نے صرف آپ کی ذات پر الگ ذمہ داری نہیں ڈالی۔ یہ ذمہ داری تو میں نے آپ کی جماعت پر ڈالی ہے...... میں نے خط میں صاف لکھا تھا کہ ''آپ حضرات کا فریضہ ہے۔'' مناظرہ کرنے سے پہلے مفرد اور جمع میں امتیاز کرنا تو سیکھ لیتے۔

(ج) ''آپ حضرات کا فریضہ ہے'' کی عبارت سے پہلے آپ نے لکھا ہے کہ: ......ثالث صاحبان کو گجرات لانا آپ کا فرض ہو گا۔'' ان الفاظ کا مخاطب آپ نے مجھے بنایا ہے نہ کہ جماعت کو اور

میں نے آپ کو یہ نہیں لکھا کہ آپ نے صرف مجھ پر ذمہ داری ڈالی ہے۔لیکن حصر ثابت کرنے کے لیے آپ نے صرف کا لفظ یہاں اپنی طرف سے خود بڑھالیا ہے۔کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے یہاں ''صرف'' کا لفظ کس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے تصنیف کیا ہے؟ میرا مطلب تو یہ تھا کہ یہ ثالثوں کو لانے کی ذمہ داری فریقین پر ہے لیکن آپ خود یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور یہ بات خلاف انصاف ہے۔شاہ صاحب آپ کی چٹھی میں لفظ حاضر بجائے ضاد کے ظاء کے ساتھ لکھا ہوا ہے یعنی حاظر۔کیا آپ لفظ حاضر لکھنا بھی نہیں جانتے؟ مناظرہ کیا کریں گے۔آپ کی بدحواسی کی حد یہ ہے کہ آپ لکھتے ہیں: ۶۔اپریل ۱۹۶۴ء کے ''ترجمان اسلام'' لاہور میں آپ کی کھلی چٹھی کے جواب میں میری چٹھی کا جواب نظر سے گزرا بعد میں آپ کی طرف سے یہ جواب ۳۔اپریل کو بذریعہ ڈاک بھی موصول ہوا۔شاہ صاحب فرمایئے کیا آپ کے ہاں ۳۔اپریل ۶۔اپریل کے بعد آتا ہے۔آپ اتنی جلدی حواس باختہ ہو گئے؟

(ش⑥) قاضی صاحب خدارا مسلمانوں کو دھوکا نہ دیجیے اور اپنی کھلی چٹھی کے مطابق ۲۳۔اپریل کو گجرات تشریف لا کر مناظر کیجیے!

(ج) شاہ صاحب یہ دروغ بے فروغ آپ نے کہاں سے لے لیا؟ میں نے تو کھلی چٹھی میں ۲۳۔اپریل کی تاریخ مقرر نہیں کی میں نے تو آپ کو یہ دعوت دی تھی کہ مناظرہ گجرات میں ثالث حضرات کی موجودگی میں ہوگا اور شرائط طے ہونے کے بعد تاریخ متعین کی جائے گی لیکن آپ نے شرائط اور ثالثوں کی موجودگی سے بچنے کے لیے تاریخ خود ہی متعین کر دی آپ نے تو باضابطہ مناظرہ سے فراری کی بہت کوشش کی۔لیکن ثالث حضرات کے بروقت اقدام نے آپ کو تحریری مناظرہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

(ش⑦) آخر میں آپ نے مجھ پر افترا کیا ہے کہ میں اکابر علمائے دیوبند کے مسلک حق سے منحرف ہوں بلکہ اساطین امت کو تضحیک و تفسیق کا نشانہ بنا رہا ہوں۔یہ مجھ پر اور میری جماعت پر سراسر افترا اور بہتان ہے۔اگر آپ کے قول میں ذرہ برابر صداقت اور آپ کے دل میں شمہ بھر خوف خدا ہے تو آپ اس کے ثبوت میں میری کوئی تحریر پیش کریں۔

(ج) آپ تحریر دینے سے تو ہمیشہ گھبراتے ہیں۔البتہ آپ کی تقریریں اس امر کی شاہد ہیں۔چنانچہ آپ اکثر فرماتے رہتے ہیں کہ میں قرآن پیش کرتا ہوں اور اس کے مقابلے میں لوگ بزرگوں کے

اقوال پیش کرتے ہیں۔ کیا اس سے آپ یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتے کہ اکابر کے مسلک کو قرآن کی تائید حاصل نہیں ہے؟ آپ تو اب مسلک دیوبند کی تردید میں معاذ اللہ وہ آیات پڑھتے ہیں جو مشرکین کے رد میں ہیں۔ علاوہ ازیں آپ تقریروں میں علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ پر لفظ سبکی کی بناء پر چوٹیں کرتے رہتے ہیں اور امام سیوطی رحمہ اللہ کے متعلق مجمع عام میں کہتے رہتے ہیں کہ وہ صحیح و غلط میں امتیاز نہیں کرتے۔ کیا آپ ان تقریروں کا انکار کر سکتے ہیں؟ (ب) آپ نے لکھا ہے کہ یہ مجھ پر اور میری جماعت پر سراسر بہتان ہے۔ شاہ صاحب میں نے اپنی چٹھی میں یہ الزام آپ پر لگایا ہے نہ کہ ساری جماعت پر۔ کیا آپ واحد و جمع میں فرق نہیں کر سکتے؟

چیلنج: المہند علی المفند دیوبند مسلک کی ایک مستند دستاویز ہے آپ اگر دیانتاً اکابر دیوبند کو حق پر سمجھتے ہیں تو یہ تحریر کر دیں کہ المہند میں جو مسائل لکھے ہیں وہ برحق ہیں (ب) آپ یہ لکھ دیں کہ اکابر دیوبند کا مسلک قرآن و سنت کے مطابق ہے اور اگر آپ یہ تحریر دینے کے لیے تیار نہ ہوں تو ثابت ہو جائے گا کہ آپ مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں[1]۔

الاحقر مظہر حسین غفرلہ
مدنی جامع مسجد چکوال ضلع جہلم
۲۲۔۴۔۶۲ء

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کی کھلی چٹھی کا جواب، از جانب قائد اہل سنتؒ

ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور کے متذکرہ مضمون میں قائد اہل سنت نے مؤرخہ ۱۴، اپریل ۱۹۶۲ء کے اپنے اُس خط کا ذکر فرمایا ہے جو مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے نام تھا، اس کی کھود کرید کرتے ہوئے ہم قدرے پریشانی کے ماحول سے گزرے کیونکہ ''ترجمانِ اسلام'' کی فائلوں میں ۱۴، اپریل ۶۲ء کے شمارہ میں یہ مضمون نہ مل سکا، مگر کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی اور معاً خیال میں آیا کہ ممکن ہے کتابت کی غلطی ہو اور ۱۴، کی بجائے ۴، یا ۲۴، کی تاریخیں ہوں؟ سو یہ خیال درست ثابت ہوا اور حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے مضمون میں جو ۱۴، تاریخ درج تھی وہ فی الاصل ۴، اپریل ۱۹۶۲ء ہے۔ اب وہ مکمل جوابی خط ملاحظہ کیجیے!

---

[1] مظہر حسین، قاضی، حضرت مولانا/ ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور ۲۷، اپریل ۱۹۶۲ء

بعد از سلام مسنون! آنکہ میری کھلی چٹھی مندرجہ ترجمانِ اسلام لاہور مورخہ ۹، مارچ کے جواب میں آپ کی رجسٹری چٹھی محررہ ۱۴، مارچ ۶۲ء مجھے لاہور میں ۲۱ مارچ ۶۲ء کو ملی جو آپ نے ''ترجمانِ اسلام'' میں اشاعت کے لیے ارسال کی ہے۔ اور واپسی پر چکوال میں آپ کا ۲۳، مارچ کو خط ملا جس میں آپ نے اپنی رجسٹری چٹھی کی اطلاع دی ہے۔ آپ کے بعض الزامات کے جواب میں چونکہ بعض واقعات کی تفصیل معلوم کرنا تھی، اس لئے جواب میں تاخیر ہوگئی۔ الحمد للہ آپ نے مجوزہ ثالث حضرات کی موجودگی میں باضابطہ علمی مناظرہ منظور کرلیا ہے۔ آپ نے گجرات میں مقامِ مناظرہ کے لیے جامع مسجد کالری دروازہ کا تعین کیا ہے، لیکن اس میں مقامی حالات کے تحت حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب متولی جامع مسجد حیات النبی گجرات کی رائے ضروری ہے۔ آپ اُن سے اس معاملہ میں بات کرلیں، آپ نے ۲۳، اپریل تاریخ مناظرہ مقرر کردی ہے، حالانکہ میں نے یہ لکھا تھا کہ شرائط مناظرہ طے ہونے کے بعد تاریخ متعین کی جائے گی۔ مناسب یہی ہے کہ ثالث حضرات خود ہی تاریخ متعین کریں، جس میں وہ بآسانی تشریف لاسکیں، آپ نے ثالث صاحبان کو گجرات لانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ جو خلافِ انصاف ہے۔ یہ ذمہ داری اُن فریقین پر ہے جنہوں نے معاہدہ سکھر پر دستخط کئے ہیں اس سلسلہ میں میری تجویز یہ ہے کہ بتاریخ ۱۸، اپریل صبح دس بجے فریقین کراچی میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی مسجد میں پہنچ جائیں اور ہم سب مل کر ثالث حضرات کو گجرات لانے کی کوشش کریں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری سے بھی عرض کردیا ہے کہ آپ بھی اسی دن کراچی پہنچ جائیں، اور اگر کسی وجہ سے آپ کو یہ تاریخ منظور نہ ہو تو کوئی اور تاریخ مقرر کرکے بذریعہ ٹیلی گرام مجھ کو اطلاع دیں۔ ان شاء اللہ ہم اسی دن کراچی پہنچ جائیں گے۔ اور بہتر ہوگا کہ اس موقع پر شرائط بھی طے ہوجائیں تاکہ مناظرہ کے دن ابتدائی امور میں وقت ضائع نہ ہو۔ اگر آپ وقتِ مقررہ پر کراچی تشریف نہ لائے تو ثابت ہوگا کہ ثالث حضرات کی موجودگی میں آپ کو باضابطہ مناظرہ مطلوب نہیں ہے۔ میں نے آپ کو یہ لکھا تھا کہ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے فریقین کو لاہور میں ایک تاریخ متعینہ پر مدعو کیا تھا جس میں مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مولانا لعل حسین صاحب اختر اور مولانا غلام اللہ خان صاحب پہنچ گئے لیکن باوجود ثالث کی دعوت کے آپ وہاں نہ پہنچے۔ اس کے جواب میں آپ نے الزام لگایا ہے کہ:

''میرے نام آپ کی کھلی چٹھی شائع ہوئی ہے جس میں کھلی غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، سکھر

کے بعد ثالث حضرات نے مجھے لاہور پہنچنے کی دعوت نہیں دی۔''

شاہ صاحب آپ کا میری طرف غلط بیانی منسوب کرنا غلط ہے۔ اس لیے کہ ثالث صاحب موصوف نے جب فریقین کے قائد صاحبان مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کو دعوت دے دی تھی تو آپ کو علیحدہ دعوت دینے کی ضرورت نہ رہی، صرف پارٹی لیڈر کو دعوت دینا کافی ہوتا ہے۔ ثالث مذکور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب نے لاہور میں پہلے مذکورہ علماء سے علیحدہ علیحدہ باتیں کیں، اور پھر ہر دو فریق کو یکجا کر کے بھی گفتگو کی، مولانا غلام اللہ خان صاحب نے جناب ثالث صاحب سے کہا کہ شاہ صاحب اس معاملہ میں متشدد ہیں، آپ ان کو خود خط لکھیں۔ اور اگر فرمائیں گے تو میں بھی شاہ صاحب کو آپ کا حکم پہنچا دوں گا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس مسئلہ میں میرا شاہ صاحب سے کچھ اختلاف بھی ہے، علاوہ ازیں معاہدہ سکھر کی خلاف ورزی کا ہم کو ذمہ دار ٹھہرانا بھی آپ کی ناانصافی بلکہ اتہام تراشی ہے۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری صاحب تو مسئلہ حیات النبی ﷺ کے علاوہ اس سلسلہ کے واقعات پر بھی آپ سے مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہیں کیا آپ کو منظور ہے؟ مختصر واقعات حسب ذیل ہیں۔

معاہدہ سکھر میں تاریخ مناظرہ ۱۷، ۱۸ جنوری ۶۱ء مقرر کی گئی تھیں۔ ۱۳، جنوری کو جناب ثالث صاحب موصوف کا مولانا محمد علی صاحب کو یہ پیغام ملا کہ ملاقات کے لیے کراچی پہنچیں۔ ٹیلی فون پر مولانا موصوف نے بات کی تو جناب ثالث صاحب نے فرمایا کہ تاریخ مناظرہ سے پہلے فریقین ایک مجلس میں جمع ہوں، ابتدائی امور تحریری طے کر لیے جائیں۔ پھر مناظرہ ٹنڈو اللہ یار میں ہو، کیونکہ سکھر میں فریقین کے لوگ ہیں، باہمی جھگڑے کا اندیشہ ہے۔ مولانا جالندھری نے اس کا یہ جواب دیا کہ پہلے تو فراغت نہیں ہے۔ ۱۷، ۱۸ تاریخ کو سکھر میں ابتدائی امور طے کر لیے جائیں گے۔ لیکن اس کے بعد ۱۲ جنوری کو وارنٹ گرفتاری کی مولانا جالندھری کو اطلاع ملی تو آپ میانوالی تشریف لے گئے۔ ۱۶، ۱۷، جنوری وہاں رہے۔ اس کے بعد ملتان واپسی ہوئی۔ ثالث موصوف مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اطلاع دی کہ آپ اس سلسلہ میں ۲۹ جنوری کو لاہور پہنچیں، اسی تاریخ کو مولانا غلام اللہ صاحب کو بھی وہاں بلایا گیا۔ اس کے بعد مولانا جالندھری لاہور سے ہی میانوالی جیل چلے گئے۔ ضمانت پر رہائی کے بعد ۱۷ فروری کو مولانا موصوف سکھر تشریف لے گئے اور حاجی حفیظ الدین صاحب، محمد یوسف صاحب، اور ڈاکٹر

محمود الٰہی صاحب سے ملاقات کی (جن کو معاہدۂ سکھر کے وقت مناظرہ کروانے کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا) ان سے اپنی گرفتاری وغیرہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہا کہ میری وجہ سے آپ کو جو تکلیف پہنچی ہے، میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ اب مناظرہ کے لیے بات کرنی چاہیے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب سے عرض کیا تھا کہ ہم فریقین سے تحریر لیں گے۔ تم فریقین سے عرض کر کے اطلاع دو کہ کیا وہ تحریر دینے کے لیے تیار ہیں؟ مولانا جالندھری نے ان کو وہاں ہی لکھ دیا کہ ہم ثالث صاحب موصوف کو تحریری بیان دینے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے ان مذکورہ افراد کو رجسٹری خطوط بھی روانہ کیے کہ فریق ثانی سے بھی آپ نے یہ تحریر لی ہے یا نہیں؟ اور ثالث حضرات نے کیا کچھ طے کیا ہے؟ لیکن باوجود متعدد خطوط ارسال کرنے کے انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر مارچ ۶۱ء میں مولانا موصوف نے آپ کو اور مولانا غلام اللہ صاحب کو جدا جدا خط لکھا۔ آپ کو یہ لکھا تھا کہ مولانا احتشام الحق صاحب کی دعوت پر مولانا غلام اللہ صاحب لاہور پہنچ گئے تھے لیکن کسی وجہ سے آپ نہیں آسکے۔ اب میں حج سے واپس آگیا ہوں، آپ کوئی مقام و تاریخ متعین کریں جس میں ہم دونوں فریق جمع ہوں اور ثالث حضرات کو لکھیں کہ وہ مناظرہ کا انتظام کریں یا سکھر کے مذکورہ ذمہ دار افراد کو لکھیں کہ وہ انتظام کریں۔ جو تاریخ و مقام آپ متعین کریں گے۔ میں ان شاء اللہ وہاں پہنچ جاؤں گا۔ لیکن آپ نے مولانا جالندھری کے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مولانا غلام اللہ صاحب نے جواب میں لکھا کہ لاہور میں اجتماع غیر مفید تھا، کیونکہ دوسرے ثالث موجود نہ تھے۔ اور پہلے ایک جگہ فریقین کے جمع ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی سکھر کے افراد کی ضرورت ہے۔ دونوں ثالث تاریخ مقرر کر کے ہم کو ایک ماہ یا بیس دن پہلے اطلاع دیں، ہم کتابیں لے کر اس دن پہنچ جائیں گے۔ بعد ازاں ۲۸، اگست کو مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی راولپنڈی تشریف لائے تو مولانا جالندھری صاحب نے مولانا غلام اللہ صاحب کو تار دیا کہ ثالث صاحب موصوف نے تاریخ مناظرہ مقرر کرا لیا۔ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ثالث صاحب فرماتے ہیں کہ آپ ان سے ٹیلی فون پر بات کریں۔ مولانا جالندھری نے فون پر بات کی تو جناب ثالث نے فرمایا کہ مولانا غلام اللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو چھوڑ دیا جائے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کو بیان نہیں کریں گے۔ اس کا جواب مولانا موصوف نے یہ دیا کہ ایک جگہ جمع ہو کر اس کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب ملک میں چیلنج دیتے پھر رہے ہیں، میں

اب اس مسئلہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اس پر مولانا احتشام الحق صاحب نے فرمایا کہ اچھا، میں ان سے بات کروں گا۔لیکن اس کے بعد پھر کوئی اطلاع نہیں آئی۔ پھر ۱۴ شعبان بمطابق ۲۲ جنوری ۶۲ ء کو مولانا جالندھری نے کراچی میں مولانا احتشام الحق صاحب سے کہا کہ آپ تاریخ مناظرہ جلد مقرر فرمائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ سکھر کے ان تین صاحبان کو خط لکھوں گا کہ فریقین سے یہ تحریری اقرار لے لیں کہ وہ میرے سوالات کا جواب تحریری دیں گے۔ اس کے بعد میں تاریخ مناظرہ مقرر کردوں گا۔ اس کے بعد مولانا جالندھری نے سکھر میں ان مذکورہ افراد سے ملاقات کی تو معلوم ہوا کہ جناب ثالث صاحب موصوف کے پاس ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ مولانا جالندھری نے اس سلسلہ کی تمام خطوط کی نقلیں مولانا احتشام الحق صاحب کو روانہ کردی ہیں۔ مذکورہ واقعات کی روشنی میں کیا آپ کا یہ لکھنا صریح غلط بیانی نہیں کہ:

"اب داغ ندامت کو مٹانے کے لیے مولانا محمد علی صاحب کے کوائف کو معذرت میں پیش کیا جارہا ہے۔ اور آج پھر تیرہ ماہ بعد آپ کو بھی پانچواں سوار بننے کا شوق چرایا ہے۔"

شاہ صاحب مسلک حق کی حمایت میں اگر مجھے پانچویں سوار کا درجہ بھی نصیب ہوجائے تو یہ میرے لیے ایک عظیم سعادت ہے۔ برعکس اس کے، افسوس تو آپ کی حرماں نصیبی پر ہے کہ جمہور اہل سنت اور اکابر دیوبند کے مسلک حق سے نہ صرف منحرف ہوگئے ہیں بلکہ ان اساطین امت کو تضحیک و تفسیق کا نشانہ بنارہے ہیں۔ آپ اپنے دوسرے خط میں راقم الحروف سے طالب دعا ہوئے ہیں، سو ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند عالم آپ کو سلف صالحین اور حضرات اکابر دیوبند کی عقیدت و اتباع نصیب فرمائیں، والسلام۔

نوٹ: اگر آپ اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے اس مسئلہ میں مخلصانہ بحث کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بہتر اور مفید صورت یہ ہے کہ مناظرہ تحریری ہوتا کہ فریقین کے دلائل عوام و خواص تک محفوظ پہنچ جائیں اور کسی فریق کے لیے دروغ گوئی اور لاف زنی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ کیا آپ کو منظور ہے؟[1]

مولانا گجراتی کو ایک "گجر" کا چیلنج

کہتے ہیں جب تندور گرم ہوتا ہے تو ہر کوئی آکر اپنی روٹی لگا دیتا ہے، چنانچہ اکابرین کے مابین جب

---

[1] مظہر حسین قاضی، مولانا، قائد اہل سنت/ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور ر ۴، اپریل ۱۹۶۲ء، ۳۰ شوال ۱۳۸۱ھ جلد نمبر ۵، صفحہ ۲، ۳۔

ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں حیات وممات کا مسئلہ زوروں پر تھا، تبادلہ خط وکتابت اور باہم میل ملاقات کے باوجود بھی اونٹ کسی کروٹ بیٹھے دکھائی نہیں دے رہا تھا تو اس اثنا میں عوام الناس کا جوش وخروش بھی دیدنی تھا، جو بعض مرتبہ دلچسپ صورتحال پیدا کردیتا تھا، چنانچہ قائد اہل سنت اور شاہ صاحب گجراتی کے مابین جب مباحثہ اپنے عروج پر تھا، تو اسی دوران ''ترجمانِ اسلام'' میں ایک گجر چودھری صاحب کا چیلنج بصورتِ اشتہار نشر ہوا، ملاحظہ کیجیے!

☆ ''مولوی عنایت اللہ گجراتی کو چودھری شیر علی گجر کا چیلنج! عنایت اللہ شاہ نے حیات النبی ﷺ کے خلاف زبان درازی شروع کر رکھی ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ اور حضرت مولانا لاہوری رحمہ اللہ کی وفات سے دھوکہ نہ کھانا، ان کے ہزاروں خدام آپ کو دندان شکن جواب دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ مہربانی کرکے روھیلانوالی ضلع مظفر گڑھ آئیں جہاں آپ کے ایک آدھ چیلے بھی ہیں، پھر دیکھیں کہ قرآن وحدیث کس طرح آپ کو مجرم ٹھہراتے ہیں''۔

''چودھری شیر علی، موچی والا، علاقہ روھیلانوالی۔''[1]

وہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب جو لاہور کے شیرانوالہ مرکز، ملتان کے جامعہ خیر المدارس نیز کراچی، سکھر اور راولپنڈی میں جہابذۂ روزگار اسلاف کو چکمہ دے جاتے اور قابو میں نہ آرہے تھے، چودھری شیر علی گجر صاحب انہیں اپنی بستی روھیلانوالی میں بایں طور قابو کرنا چاہتے تھے کہ ''شاہ صاحب خود وہاں آئیں''۔ بہرحال اس قسم کے عوامی چیلنج بازیوں پر مبنی اشتہارات بھی اسی دور کی ایک اہم یادگار ہیں۔ نیز ''ترجمانِ اسلام لاہور'' کے اسی شمارہ میں بعنوان ''علماء دیوبند'' اور منکرین حیات النبی ﷺ کے درمیان جلد فیصلہ ہوگا، مندرجہ ذیل اداریہ بھی لائق مطالعہ ہے۔

''ترجمانِ اسلام کے پچھلے شمارہ میں یہ خبر شائع ہوچکی ہے کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کو انٹر کلاس کا کرایہ مع ضروری مصارف روانہ کردیا ہے۔ تاکہ ہر دو حضرات مسئلہ حیات النبی ﷺ کے تصفیہ کے لیے ۱۸، اپریل کو کراچی مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے ہاں پہنچ جائیں، مولانا محمد علی جالندھری نے یہ اقدام اس

---

[1] ایضاً صفحہ نمبر ۷/۶، اپریل ۱۹۶۲ء

وقت کیا جب کہ بار بار خط و کتابت، ٹیلی فون اور ملاقاتوں کے ذریعہ انتھک کوشش کر چکے تھے اور اسی کوشش میں سوا سال کا کثیر عرصہ صرف ہو چکا تھا۔ اب جبکہ حسب اعلان مسلک دیوبند کے نمائندگان حضرات عازم کراچی ہونے والے تھے، مولانا محمد علی صاحب کو مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا ایک مکتوب ملا، جس میں مولانا تھانوی نے اپنی مصروفیت سے آگاہ کرتے ہوئے وعدہ فرمایا کہ ''عنقریب تاریخ متعین کر کے آپ حضرات کو خط لکھوں گا'' یاد رہے کہ مولانا تھانوی صاحب نے حضرت جالندھری کو ملتان میں حال ہی کی ایک ملاقات میں اپنے فیصلہ سے مطلع کیا کہ مناظرہ تحریری ہوگا اور وعدہ کیا کہ کراچی پہنچ کر ہر دو فریق کو خط تحریر کروں گا۔ ماہ نامہ تعلیم القرآن کے حالیہ پرچہ میں مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کی طرف سے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی کھلی چٹھی کے جواب میں چند سطور شائع ہو چکی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ حضرات ۲۳، اپریل کو جامع مسجد کالری گیٹ میں پہنچ جائیں اور ثالث حضرات کو لانے کی ذمہ داری بھی آپ پر ہے۔ حالانکہ ازخود تاریخ و مقامِ مناظرہ کا تعین اور صرف ایک فریق پر ثالث حضرات کو لانے کی ذمہ داری سپرد کرنا قرین انصاف نہیں تھا۔ تاہم مسلک علمائے دیوبند کے نمائندگان اتمام حجت کے لیے ۱۸، اپریل کو کراچی پہنچنے کے بعد ۲۳، اپریل کو گجرات پہنچنے کا بھی عزم کر چکے تھے۔ مگر جبکہ مجوزہ ثالث مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے تاریخ مناظرہ کا تعین اور فریقین کو دعوت نامہ ارسال کرنے کی ذمہ داری خود سنبھال لی ہے، اس لیے ۱۸، اپریل کراچی اور ۲۳، اپریل گجرات پہنچنے کا پروگرام ملتوی ہو گیا۔ اب تمام حضرات کو ثالث حضرات کی طرف سے تاریخ مناظرہ کی اطلاع کا منتظر رہنا چاہیے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مجوزہ ثالث حضرات یعنی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی اس میں زیادہ تاخیر ہرگز نہیں کریں گے اور فریقین کو باضابطہ علمی مناظرہ کرنے کا خوشگوار موقع نصیب ہو جائے گا۔ مولانا احتشام الحق صاحب کے مکتوب کی نقل حسب ذیل ہے۔

۵۶۔ جیکب لائن کراچی۔ ۶۲ء۔ ۴۔ ۱۰

محترم المقام مولانا محمد علی صاحب جالندھری

السلام علیکم۔ مجھے راولپنڈی میں معلوم ہوا کہ آپ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ کے تصفیہ کے لیے مولانا غلام اللہ خان صاحب کو ۱۸، اپریل کو کراچی بلایا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے یہ تاریخ کیسے مقرر کی ہے؟ آپ کی اطلاع کے لیے تحریر ہے کہ میں ۱۸، اپریل سفر میں ہوں گا۔ تشریف لانا

بے کار ہو گا۔ میں عنقریب تصفیہ کے سلسلہ میں آپ حضرات کو خط لکھنے والا ہوں اور تاریخ متعین کر کے بھیجوں گا[1]۔

''غلام خانی'' کی اصطلاح مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی وضع کردہ ہے

اُس دور میں منکرین و قائلین حیات النبی ﷺ کے مابین مختلف قسم کی جملہ بازیاں بھی ہوتی تھیں، جن میں سے بعض نے مستقل ناموں کے گویا حقوق محفوظ کروا لیے اور وہی نام آئندہ دور میں شناخت کے طور پر استعمال ہوتے تھے مثلاً منکرین حیات النبی ﷺ کو ''مماتی'' کہا جاتا تو انہوں نے ردعمل میں قائلین کو ''حیاتی'' کہنا اور لکھنا شروع کر دیا! دوسری طرف مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب اپنی تقریروں میں علماء اہل سنت دیوبند کے نظریہ کو لچک پر مبنی قرار دیتے ہوئے ''ربڑی'' کا نام استعمال کرتے تو ردعمل میں اشاعت التوحید والوں کو ''پتھری'' کہا جانے لگا۔

اس زمانہ میں جب بعض ظریف الطبع صحافیوں نے مفتی محمود اور غلام غوث کو ''ڈبل میم، ڈبل غین'' لکھنا شروع کر دیا تو ادھر عنایت اللہ اور غلام اللہ کو بطور اختصار ''عین غین برادران'' بھی کہا جانے لگا، تاہم یہ اصطلاحیں استخفاف یا استحقار کے تناظر میں نہ تھیں بلکہ ذوقِ لطافت کی آئینہ دار تھیں، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی طبیعت میں جہاں فطری قلندری، سادگی اور وضع داری تھی، وہاں ادب و انشاء کا ذوق، وسعتِ مطالعہ، سیاسی گہری بصیرت اور کسی قدر مزاج میں تلخی بھی تھی، اور ان تمام چیزوں کی آمیزش ایک عجیب نتیجہ فراہم کرتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ انہی دنوں، جب قائد اہل سنت کے ہمراہ خط و کتابت اور کھلی چٹھیوں کا سلسلہ جاری تھا، مولانا ہزاروی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل سرخی لگا کر ایک مختصر سا مضمون شائع کیا۔

☆ ''مولوی غلام خانی کی دورُخی پالیسی اور عنایت اللہ شاہ کی انانیت'' (علمائے دیوبند غور کریں) مولوی غلام خان راولپنڈی والے ٹالنے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں قبر میں آنحضرت ﷺ کی حیات مانتا ہوں، جسم کے ساتھ روح کا تعلق مانتا ہوں، آپ ﷺ قبر مبارک میں قریب سے پڑھنے والے کا درود و سلام سنتے ہیں۔ مگر مسلمان یہ سن کر حیران ہوں گے کہ وہ جب رمضان (المبارک) میں قرآنِ (مجید) کی تعلیم کے لیے طالب علموں کو جمع کرتے ہیں تو ان کو تربیت دینے اور مسئلہ حیات النبی ﷺ کے خلاف دلائل لکھانے کے لیے مولوی گجراتی کو بلا لیتے ہیں۔ چنانچہ اس

---

[1] ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور / اداریہ، ۲۰، اپریل ۱۹۶۲ء

سال بھی انہوں نے ان طالب علموں کو حیات النبی ﷺ کے خلاف دلائل نوٹ کرائے۔اور تین مارچ کو جلسہ عام میں جبکہ حضرت مولانا عبدالرحمن اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب تشریف لے گئے تو مولوی عنایت اللہ شاہ (مسئلہ) حیات النبی ﷺ کے خلاف خوب برسے اور درود وسلام سننے سے بھی انکار کیا۔ روح کے تعلق سے بھی انکار کیا، رداللہ علی روحی کے راویوں کو مدلس کہا اور مولوی غلام خان سنتے رہے۔اب کے لاہور میں ٹیمپل روڈ کے جلسہ کے اندر مولوی عنایت اللہ شاہ نے صاف صاف کہا کہ درود سننے کی حدیث ضعیف، حضور ﷺ پر اعمال پیش کیے جانے کی حدیث ضعیف، اور سب ضعیف ہیں۔کسی نے کہا کہ علمائے دیوبند کا مسلک تو یہ نہیں ہے تو شاہ صاحب کا پارہ چڑھ گیا، کہنے لگے میں کسی کو کیا جانوں؟ میرے پاس قرآن ہے، جلسہ میں خوب لے دے ہوئی۔عنایت اللہ شاہ حدیثوں کا اعتماد کرنے میں پرویز کا رستہ صاف کرنے اور علماء دیوبند کی کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں۔مولوی غلام خاں مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہتے ہیں اور اندر سے علماء میں سر پھٹول کا انتظام کر کے شیطان کو خوش کر رہے ہیں۔جب ایک شخص نے کہا کہ اس مسئلہ کو اس وقت کا ہے کو چھیڑتے ہو؟ تو اس کو خوب ڈانٹا کہ قرآن بیان نہ کروں؟ میں سالوں سے چیلنج دیتا آرہا ہوں، کوئی مجھے جواب نہیں دے سکتا۔''[1]

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کا الزام کہ حضرت لاہوری مناظرہ کے دن غائب ہو گئے تھے اور قائد اہل سنت کی جوابی چٹھی!

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے سابقہ مضامین میں ۹، مارچ کی ایک چٹھی کا متعدد مرتبہ ذکر آیا ہے۔اب جو ہم نے جستجو کا دائرہ وسیع کیا تو ۹، مارچ ۱۹۶۲ء کی وہ مطبوعہ چٹھی بھی دستیاب ہوگئی۔الحمدللہ علیٰ ذالک۔

ملاحظہ فرمائیے!

مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کے نام کھلی چٹھی، آپ کا چیلنج منظور ہے۔

السلام علیکم۔آپ نے بتاریخ ۳۰، جنوری بمقام ڈھڈیال تحصیل چکوال ضلع جہلم کے ایک جلسہ عام میں مسئلہ حیات النبی ﷺ پر تقریر کرتے ہوئے علمائے دیوبند کو مناظرے کا چیلنج دیا ہے۔دورانِ تقریر آپ نے لاہور اور سکھر کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں پانچ سال سے اعلان کر رہا ہوں مگر کوئی مجھ سے بحث نہیں کرتا۔نیز لاہور کے حالات کے ضمن میں آپ

---

[1] ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور، ۶، اپریل ۱۹۶۲ء، صفحہ نمبر ۵

نے شیخ التفسیر، مرجع العلماء حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ العزیز پر طعن کیا ہے کہ وہ اس دن اپنی مسجد سے ہی کہیں غائب ہو گئے تھے۔ آپ کے الزامات کے جوابات میں چونکہ اجتماعِ لاہور کے صحیح واقعات ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اس لیے ان کا اعادۂ بیان ضروری نہیں سمجھتا۔ سکھر کے واقعات کے سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ وہاں پر فریقین نے مناظرہ منظور کر لیا تھا۔ اور اس مناظرہ کے لیے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، شیخ الحدیث مدرسہ ٹنڈو اللہ یار سندھ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو ثالث تسلیم کیا گیا تھا۔ اس تحریر پر قائلین حیات النبی ﷺ کی طرف سے مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور مناظرِ اسلام حضرت مولانا لعل حسین صاحب اختر کے اور فریق ثانی کی طرف سے آپ کے اور مولانا غلام اللہ خان صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے دستخط موجود ہیں۔ تاریخ مناظرہ سے پہلے ایک تقریر کی بناء پر چونکہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری گرفتار ہو گئے تھے۔ اس لیے مناظرہ ملتوی ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ ثالث حضرات بھی اس دن سکھر نہیں پہنچے۔ بعد ازاں مولانا جالندھری حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مقدسہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس لیے مناظرہ میں مزید تاخیر ہو گئی۔ حج سے واپسی پر مولانا موصوف نے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو مناظرہ کروانے کے لیے کہا تو انہوں نے فریقین کو لاہور میں ایک تاریخ معینہ پر مدعو کیا۔ جس میں مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لعل حسین اختر اور مولانا غلام اللہ خان صاحب پہنچ گئے لیکن باوجود ثالث کی دعوت کے آپ وہاں نہ پہنچے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجوزہ ثالث حضرات کی موجودگی میں آپ باضابطہ علمی مناظرہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر آپ کو باضابطہ مناظرہ مطلوب ہوتا تو بجائے جلسہ عام میں چیلنج کرنے کے ثالث حضرات پر مناظرہ کرانے کے لیے زور دیتے جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری اس سلسلہ میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو متعدد بار توجہ دلا چکے ہیں۔ بہر حال آپ کا چیلنج ہمیں منظور ہے۔ مقامِ مناظرہ گجرات ہی ہو گا، شرائط مناظرہ طے کرنے کے بعد مجوزہ ثالث حضرات کی موجودگی میں ہی آپ کو مناظرہ کرنا پڑے گا۔ اگر آپ کو اس طرح باضابطہ علمی مناظرہ منظور ہے تو مجھ کو مطلع کریں۔ یا اپنا جواب ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں شائع کرا دیں، بعد ازاں ان شاء اللہ العزیز تاریخ مناظرہ متعین کی جائے گی۔ والسلام[1]

---

[1] مظہر حسین قاضی، حضرت مولانا، قائد اہل سنت رکھلی چٹھی بنام مولانا شاہ صاحب گجراتی، مشمولہ ''ترجمانِ اسلام لاہور''، صفحہ نمبر ۲/۹، مارچ ۱۹۶۲ء، ۲ شوال المکرم ۱۳۸۱ھ۔

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے متذکرہ اس خط کے ہمراہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ''ترجمانِ اسلام'' ہی کے ایک وضاحتی شذرہ کو بھی درج کر دیں کیونکہ وہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے اس خط کے ساتھ ربط و تسلسل، بلکہ عین یہی مقصد رکھتا ہے، چنانچہ مدیر ''ہفت روزہ ترجمانِ اسلام'' لاہور کی جانب سے بعنوان ''طالبانِ حق کے لیے سرمۂ بصیرت'' مندرجہ ذیل اعلان شامل اشاعت کیا گیا۔

''ملک میں چند ایسے لوگ بھی ہیں جو مدیر ''ترجمانِ اسلام'' کو خطوط کے ذریعے غلام خانی پارٹی کے بارہ میں حیات النبی ﷺ کے مسئلہ کے متعلق نصیحت لکھتے رہتے ہیں۔ یہ بے چارے حالات و واقعات سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں۔ آج کے پرچہ میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی کھلی چٹھی گجراتی شاہ صاحب کے نام درج ہے۔ آپ نے اس کو پڑھ کر سمجھ لیا ہوگا کہ گجراتی شاہ صاحب کس طرح اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنانے، علمائے دیوبند کو چیلنج اور تمام اکابر کو غلط کار ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ انہی بزرگ نے سب سے پہلے ملتان کے خیر المدارس کے جلسہ میں حیات النبی ﷺ کے مسلمہ مسئلہ کے خلاف ۵ سال پہلے تقریر کر کے کش مکش کا دروازہ کھولا، پھر تین سال تک حسب بیان رسالہ تعلیم القرآن راولپنڈی للکارتے رہے، اور اب اس للکارنے پر ۵ سال گزر گئے ہیں۔ دوست سوچیں کہ مسئلہ کی ابتداء بھی وہ کریں، مناظروں کے لیے للکارتے پھریں اور ناواقف دوست پھر مشورہ بھی ہم کو دیں کہ اس مسئلہ کو نہ چھیڑو۔ چھیڑنے کا سوال ہی نہیں، مسئلہ تو اس پارٹی کی برکت سے پہاڑوں کی چوٹیوں تک جا پہنچا ہے۔ اب تو سب پر اکابر دیوبند کا مسلک واضح ہو چکا ہے، یہ چند آدمی ہیں جو حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں قدس سرہ کا نام بیچتے اور غلط استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی ان سے متفق نہیں ہیں۔ اب علماء دیوبند نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے کہ اُن کا مسلک اور ہمارا ایک ہے[1]۔

انکارِ حیات النبی ﷺ کا نتیجہ

مندرجہ بالا عنوان کے تحت انہی دنوں ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' میں ایک یہ شذرہ بھی چھپا تھا۔

''پچھلے دنوں لاہور میں بعض علماء کو یہ شوق پیدا ہوا کہ تبلیغ کے لیے ایک نظام بنایا جائے، آج کل پہلی جماعتوں کے ہوتے ہوئے بعض افراد کو نئی انجمنیں بنانے کا خیال ہوتا رہتا ہے، ان میں بعض نیک نیت بھی ہوتے ہیں ان میں مدرسہ باقیات الصالحات کے مولوی قمر الدین صاحب پیش پیش تھے۔

---

[1] ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور ۹، مارچ ۱۹۶۲ء صفحہ نمبر ۸۔

چنانچہ انہی کے مدرسہ میں اجلاس بلایا گیا۔ اس میں انہوں نے مولانا امین الدین صاحب اصلاحی کو بلایا، بلکہ دعوت نامہ میں ان کی صدارت کا اعلان کیا۔ انہوں نے غلطی یہ کی کہ دعوت ناموں میں قلم سے لکھ دیا کہ یہ علماء دیوبند کی تنظیم ہے۔ چنانچہ اصلاحی صاحب نے صاف کہہ دیا کہ میں علمائے دیوبند کا پورا احترام کرتا ہوں مگر میں دیوبندی نہیں ہوں۔ پھر اجلاس میں مسلک دیوبند کی بحث چھڑی تو غلام خانی افراد کو تکلیف ہونے لگی۔ آخر یہ اجلاس نہایت بدنمائی سے منتشر ہو گیا۔ اصلاحی صاحب پہلے ہی چلے گئے۔ پھر ایک ایک اٹھتا چلا گیا۔ اب سنا ہے کہ اس قسم کے آدمیوں نے پھر کوئی میٹنگ کر کے کوئی نئی جماعت بنائی ہے اور مولوی غلام خان اینڈ پارٹی کو بلانے کی تجویزیں سوچی ہیں ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ جو چاہیں جماعت بنائیں اور جو عقیدہ چاہیں رکھیں، مگر منکرین حیات النبی ﷺ علمائے دیوبند کے نمائندہ نہیں ہیں۔ اور نہ آنحضرت ﷺ کے توسل سے انکار کرنا دیوبند کا مسلک ہے۔ بہر حال غلام خانی ہو کر علمائے دیوبند کے رہنما بننے کا نشہ اب ہرن ہو گیا ہے[1]۔

حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب قائد اہل سنت رحمہ اللہ جماعتی، تحریکی، تبلیغی و اصلاحی اور دیگر خدمات دینیہ میں چکوال اور چکوال سے باہر اس قدر مصروف و منہمک تھے کہ سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔ بایں ہمہ سفر و حضر میں آپ کا ارباب جمعیت کو اس فتنہ انکار حیات النبی ﷺ کی طرف متوجہ رکھنا اور ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور کے لیے طویل و عریض روداد یں، مضامین اور شاہ صاحب گجراتی کو کھلی چٹھیاں لکھنا کسی مجاہدہ سے کم نہیں تھا سفری حالات کچھ ایسے تھے کہ گھر سے جب روانہ ہوتے تو بیس بیس دن جلسوں میں ہی گزر جاتے۔ ۱۹۶۲ء کے زمانہ میں جبکہ مذکورہ اختلاف اپنے شباب پر تھا اور آپ ملک کے کسی بھی حصہ میں ہوتے اور اکابرین کے مدعو کرنے پر ایک آدھ دن کے وقفہ سے راولپنڈی، لاہور، سکھر یا کراچی پہنچ جاتے تو اسے اس زمانہ کی سفری مشقتوں کے تناظر میں دیکھا جائے تو تصور تک کو پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ عوام الناس سے خطاب کرتے ہوئے زیادہ تر آپ کی تقریروں کے موضوعات کون کون سے ہوتے تھے؟ اس مقصد کے لیے بھکر کے ایک جلسہ کی کارگزاری ملاحظہ کیجیے۔

''بتاریخ ۱۴، محرم الحرام ۱۸، جون ۱۹۶۲ء بروز سوموار کو مسجد مہاجرین کا دوسرا سالانہ تبلیغی جلسہ نہایت تزک و احتشام سے ہوا۔ ۱۱ بجے صبح جلسہ کی پہلی نشست تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوئی۔ حافظ نور محمد صاحب اور حافظ محمد رفیق صاحب متعلمین مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ بھکر نے نہایت خوش الحالی کے ساتھ تلاوتیں کیں۔ بعد از نماز ظہر پیر طریقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ خلیفہ مجاز

---

[1] ہفت روزہ ترجمان اسلام، لاہور / ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء / صفحہ نمبر ۳۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ زینت آرائے کرسی ہوئے۔ جن کو دیکھنے کے لیے (عوام) بڑے مشتاق تھے۔ آپ نے مقام علم، ضرورتِ علم دین، شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ، فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین، شانِ رسالت، ربط باولیاء، ردشرک و بدعت اور زمانہ کے غلط رجحانات جیسے اہم عنوانات کو اختصارات کے ساتھ بیان فرمایا۔ بعد از نماز مغرب بیسیوں مرد و زن نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی، جلسہ نہایت کامیاب رہا[1]۔

مولانا لعل حسین اختر کا گجرات میں شاہ صاحب سے مباحثہ اور شاہ صاحب کی گریز پائی

گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے اپنی مسجد واقع کالری دروازہ (موجودہ نام شاہ فیصل گیٹ گجرات) میں آ کر مناظرہ کرنے کی دعوت دی تو قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے چیلنج منظور کر لیا اور پھر ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' میں کھلے خطوط اور متعلقہ خبروں کا تانتا بندھ گیا، مناظرہ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کرنا ہی نہیں تھا، اگر کرنا ہوتا تو اس سے قبل انہوں نے کئی مواقع ہاتھ سے نکال کر بے جا اپنا اور اکابرین امت کا قیمتی وقت ضائع کیا تھا۔ عین انہیں دنوں جبکہ مباحثہ گجرات اور معاہدہ سکھر کی بازگشت دیوبندی حلقوں میں باندازِ دگر روز بروز سنائی دے رہی تھی، مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا لعل حسین صاحب اختر رحمہ اللہ ایک دن مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی مسجد (گجرات) جا پہنچے اور فرمایا کہ شاہ جی، لو ہم آ گئے! اب آیئے مباحثہ کرتے ہیں۔ شاہ صاحب مرحوم کے لیے ان کا اچانک یوں آوارد ہونا بالکل غیر متوقع تھا، اس مباحثہ میں حضرت مولانا لعل حسین صاحب اختر نے اپنی مناظرانہ مہارت سے حضرت شاہ صاحب کو دن میں تارے دکھا دیئے تھے، حتیٰ کہ جب رات کے ۲، بجے کا وقت ہوا تو شاہ صاحب کو آدھی رات میں سورج نظر آنے لگا۔ یاد رہے کہ یہ مباحثہ مولانا نذیر اللہ خان کی مسجد حیات النبی ﷺ میں ہوا تھا۔ اس مباحثہ کی خبر ملاحظہ فرمایئے!

''مولانا لعل حسین صاحب اور سید عنایت اللہ شاہ صاحب کا مناظرہ۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ مدعی علم اور منکر حیات النبی سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کو گجرات میں مولانا لعل حسین صاحب کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی۔ اصل وجہ یہ ہے کہ حق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ فتح حق کی ہوا کرتی ہے۔ یہ سید عنایت اللہ شاہ ہی تھے جن کی وجہ سے ان کے سارے رفقاء حیات النبی ﷺ کے انکار میں بدنام تھے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ اب حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کی برکت سے اس مسئلہ کا

---

[1] رانا اسلام الدین (رپورٹر) ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور ۲۹، جون ۱۹۶۲ء صفحہ نمبر ۷

فیصلہ اور ایک قدرے مشترک پر اتفاق ہو گیا ہے۔ دیکھئے شاہ صاحب کی ضدی طبیعت اس فیصلے پر دستخط کرنے کو تیار ہے یا نہیں؟ اس سے قبل ۱۵ جون ۶۲ء کو رات کے ۱۲ بجے سے ۲ بجے تک گجرات کی مسجد حیات النبی ﷺ میں شاہ صاحب اور مولانا لعل حسین صاحب اختر کے درمیان مناظرہ ہوا''۔

① شاہ صاحب نے کہا کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ استدلال پہلے قرآن (مجید) سے کیا جائے گا۔ بعد میں حدیث سے، اور اس کے بعد قیاس و بزرگانِ دین کے اقوال سے، لہٰذا اس مسئلہ میں پہلے قرآن (مجید) کی آیات پیش کی جائیں! مولانا لعل حسین صاحب نے فرمایا کہ اہل سنت میں دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث وغیرہ بہت سے مسلک ہیں، آپ متعین کریں کہ آپ کا تعلق کس فرقہ سے ہے؟ کیا آپ دیوبندی ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ مخالفین کے سامنے قرآن (مجید) پیش نہ کرنا کہ وہ ذوالوجوہ ہے (یعنی اس میں ضد وتعصب کی وجہ سے تاویلیں کی جاسکتی ہیں) حدیث رسول ﷺ پیش کرنا، کیا اس قول کے بعد اجماع کا دعویٰ صحیح رہ سکتا ہے؟

② اور اگر آپ دیوبندی ہیں تو کیا اکابر دیوبند کا عقیدہ جو المہند میں ہے، آپ اس کو مانتے ہیں یا کسی دوسرے فرقہ کی نمائندگی کرتے ہیں؟ شاہ صاحب آخر تک ان باتوں کا جواب ٹالتے رہے۔ ۲ بجے کے قریب شاہ صاحب کے حمایتی پولیس کو لے آئے اور گفتگو بند کرا دی[1]۔

یاد رہے کہ اس مباحثہ کے میزبان حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (فاضل دیوبند) تھے جو پہلے مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کے حد درجہ عقیدت مند اور انہیں کی مسجد و مدرسہ میں مدرس بھی تھے، اختلاف مسئلہ کی بناء پر انہوں نے شاہ صاحب سے کلیتاً تعلقات منقطع کر دیئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مولانا لعل حسین اختر کے ہمراہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی بھی تھے، آثار وقرائن بھی اس کی توثیق کرتے ہیں، مگر صراحتاً ہمیں فی الحال اس پر کوئی ٹھوس حوالہ نہ مل سکا۔

مولانا لعل حسین اختر رحمہ اللہ کا شاہ صاحب کے نام کھلا خط، اب جگہ جگہ آپ کے ساتھ مناظرے ہوں گے

جب گجرات کے مباحثہ میں اتمام حجت کر دیا گیا اور واضح ہو گیا کہ شاہ صاحب مسئلہ کو سلجھانے کی

[1] ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور / ۲۰، جولائی ۱۹۶۲ء / صفحہ نمبر ۴۔

بجائے الجھانا چاہتے ہیں تو قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کی مشاورت سے حضرت مولانا لعل حسین اختر رحمۃ اللہ نے بذریعہ رجسٹری شاہ صاحب کو خط بھیجا، جو بعد ازاں ملک کے مقتدر ماہانہ، اور ہفت وار رسالوں میں چھپا، ملاحظہ کیجے!

''سلام مسنون! آپ نے ۱۵، جون ۶۲ء کو رات ۱۲ بجے سے ۲ بجے تک مسجد حیات النبی ﷺ گجرات میں مناظرہ میں مجھ سے شکست فاش کھائی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے اور آپ کی گجراتی جماعت نے ''منکرین قرآن وسنت'' کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا ہے جو کذب اور افتراء پردازی کا بے مثال مرقع ہے۔ مسئلہ کے حل کا صحیح طریق یہ تھا کہ ہمارا اور آپ کا تحریری مناظرہ ہوتا، فریقین کے پرچے اور ثالث حضرات کا فیصلہ شائع ہو جاتا، مناظرہ کے مطالعہ سے عوام وخواص پر واضح ہو جاتا کہ صحیح مسلک ہمارا ہے یا آپ کا؟ لیکن آپ نے تحریری مناظرہ سے اس لیے انکار کیا ہے کہ حقیقت عیاں نہ ہو اور آپ اپنا نیا فرقہ بنانے میں منہمک رہیں۔ آپ سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے عموماً ہر تقریر میں ہمیں تقریری مناظرے کا چیلنج دیا کرتے ہیں۔ ان حالات میں مَیں نے مناسب سمجھا ہے کہ ملک میں ہر جگہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے پیش نظر مجمع عام میں آپ سے بالمشافہ مناظرے کیے جائیں، تاکہ عامۃ المسلمین اندازہ لگالیں کہ ہم دونوں میں سے حق پر کون ہے؟ عریضہ ہذا موصول ہوتے ہی آپ اپنا ایک ماہ کا پروگرام مجھے تحریر فرمائیں، جہاں جہاں آپ تقریر کے لیے جائیں گے۔ میں اکثر مقامات پر حاضر ہو کر آپ سے حیات النبی ﷺ کے مضمون پر عامۃ المسلمین کے سامنے تقریری مناظرہ کروں گا، پتہ ذیل پر اپنے ایک ماہ کے پروگراموں سے جلد مطلع فرمائیں: ''لعل حسین اختر، مبلغ ختم نبوت، مین بازار، فیض باغ۔ لاہور، ۲۳ جون ۱۹۶۲ء۔''[1]

یہ خط حضرات اکابر نے تنگ آمد بجنگ آمد کے تحت شاہ صاحب کو بھیجا تھا، کیونکہ مصلحت وحکمت کی تمام تر مخلصانہ کاوشوں کو جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے پایہ استحقار سے ٹھکرا دیا تھا اور ساتھ ہی مناظروں کی چیلنج بازیاں بھی جاری رہیں اور فرار کی روش بھی برقرار رہی تو اب سوائے اس کے کوئی علاج نہ تھا کہ منکرین حیات کے خلاف جگہ جگہ مباحثوں کے کیمپ لگا دیئے جاتے تاکہ عامۃ المسلمین کو محل اختلاف سمجھنے میں آسانی ہوتی اور اس خالص پاکستانی فتنے کا سدباب بھی ممکن ہوتا، تاہم اس سب کے باوجود بھی

---

[1] ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور/ ۲۰، جولائی ۱۹۶۲ء/ صفحہ نمبر ۳۔

مشائخ وعلماء دیوبند نے صلح وصفائی کے ساتھ تصفیہ اور مسئلے کا علمی حل نکالنے کی کوششیں جاری رکھیں، یہاں تک کہ مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمہ اللہ پاکستان تشریف لائے تو اہل دیوبند کے مابین نفرتوں کے شرارے دیکھ کر دنگ رہ گئے، آپ کی حساس طبیعت یہ سب کچھ بھلا کیسے برداشت کر سکتی تھی؟ چنانچہ آپ نے ذاتی دلچسپی کے ساتھ اس مسئلہ کو سلجھانے اور فریقین کو سمجھانے کے ساتھ نقطہ مشترک پر لانے کا فیصلہ فرمایا، مگر افسوس کہ اس قدر بھاری بھرکم شخصیت کی مداخلت سے بھی مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کی ضد کا بت نہ ٹوٹ سکا اور ''حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے، سو بیٹھ گئے'' کے مصداق آپ نے حکیم الاسلام رحمہ اللہ کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انہیں دنوں لاہور سے بڑے سائز کا چہارورقی ایک پمفلٹ شائع ہوا، جس کا متن مندرجہ ذیل ہے۔

''خلیفہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے منکر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کو کھلی چھٹی لکھ کر ثالث حضرات کی موجودگی میں باضابطہ مناظرہ کا چیلنج منظور کر لیا، اور شرائط مناظرہ طے کرنے کے لیے منکر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کو ۱۷، ۱۸، اپریل ۱۹۶۲ء سکھر اور کراچی پہنچنے کی دعوت دے دی تاکہ ثالث حضرات کے سامنے شرائط اور تاریخ مناظرہ طے ہو جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی صاحب دامت برکاتہم نے ۹۰ روپے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کو اور ۱۰۰ روپے مولانا غلام اللہ خان کو بطور کرایہ بھیج دیئے مگر جب ان دونوں حضرات منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ہم تو قابو میں آ گئے، اگر ہمارا عقیدہ اور شرائط مناظرہ طے کی گئیں تو دوغلی پالیسی کام نہیں دے گی۔ اس لیے منکرین نے راہ فرار اختیار کر لی۔ اور کمال بزدلانہ شکست کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ جامع مسجد کالری دروازہ گجرات سے ہم باہر نہیں نکلیں گے۔ اے گجرات کے لوگو! مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب زہر کا پیالہ پی لیں گے مگر باضابطہ مناظرہ کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب راولپنڈی مولانا غلام اللہ خان صاحب کے پاس پہنچے تو وہاں سے منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا کہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے دونوں منکرین مذکورین کو ۱۸، اپریل ۱۹۶۲ء کو کراچی پہنچنے کی دعوت دی ہے تاکہ شرائط مناظرہ طے ہو جائیں۔ چنانچہ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے کراچی پہنچ کر مولانا محمد علی صاحب جالندھری کو اطلاع دی کہ میں جلدی تاریخ مناظرہ

مقرر کر کے اطلاع دوں گا، لہٰذا ثالث حضرات نے دونوں فریقین کے نام چٹھی ارسال کر دی، جس کا مضمون درج ذیل ہے:

محترم گرامی قدر مولانا محمد علی صاحب جالندھری

① السلام علیکم! آپ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ میں ہمیں ثالث تسلیم کیا ہے، اس لیے تحریر ہے کہ آپ اپنا دعویٰ اور اس کے دلائل تحریر کر کے ارسال کریں اور اپنی تحریر کی دو کاپیاں ارسال کریں تا کہ ایک کاپی ہم دوسرے فریق کو ارسال کر سکیں، اس طرح چار چار پرچے تحریر کرائے جائیں گے۔

② جو آپ تحریر کریں اس پر مولانا لعل حسن صاحب اختر کے بھی دستخط ہوں، اگر ان کو آپ سے کوئی اختلاف ہو تو وہ اپنا اختلافی نوٹ تحریر کریں۔

③ اس کا جواب دس روز کے اندر اندر روانہ کریں۔

دستخط	دستخط
ظفر احمد عثمانی	احتشام الحق تھانوی

۱۴، اپریل ۱۹۶۲ء

ثالث حضرات نے اسی مضمون کی ایک چٹھی منکرین حیات النبی ﷺ کو بھی ارسال کر دی ہے۔ پس اے اہل گجرات! ان سے پوچھو کہ تحریری مناظرہ کے لیے تیار ہو یا نہیں؟ ثالث حضرات کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہمارے بزرگان دین اور ترجمانِ عقائد اکابرین علمائے دیوبند نے باضابطہ تحریری مناظرہ شروع کر دیا ہے، نہ معلوم منکرین نے راہ فرار اختیار کی ہے یا اپنے گھر میں ہی بیٹھ کر تحریر کے لیے مشورہ کر رہے ہیں۔ جب ثالث حضرات فیصلہ تحریر کر لیں گے تو یہ فیصلہ شائع کر کے سارے پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے گا تا کہ منکرینِ حیات النبی ﷺ کا علمی اور تحقیقی مقام معلوم ہو"۔[1]

---

[1] تحریری مناظرہ شروع ہو گیا!/مطبوعہ اپریل ۱۹۶۲ء/مطبع آفاق پریس، گوجرانوالہ

اس دوران جہلم و گجرات کے شہروں میں ایک پمفلٹ بعنوان ''مولانا قاضی مظہر حسین کا مناظرہ سے فرار'' شائع کر کے تقسیم کیا گیا۔ جس پر مرتب، ناشر یا مطبع وغیرہ درج نہیں تھا، اس کے جواب میں علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے لاہور سے ایک کتابچہ لکھ کر تقسیم کیا جس کی کتابت بڑے دلچسپ انداز سے کروائی گئی تھی جس کا نمونہ یہ تھا۔

''ایک لاوارث کا پتہ چل گیا۔''

یہ ''کتا'' بچہ کس کا ہے؟

یعنی لفظ ''کتا'' بڑا لکھ کر ''بچہ'' باریک خط میں لکھا گیا تھا، اس کا مضمون یہ تھا۔

''ایک لاوارث کا پتہ چل گیا جو لاوارث پڑا گجرات میں پایا گیا، حلیہ سے مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کا معلوم ہوتا ہے۔ قاضی مظہر حسین صاحب نے منکرین حیات النبی ﷺ سے باضابطہ مناظرہ کرنے کے لیے مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کا چیلنج قبول کیا تو ثالث صاحبان کے پاس جا کر شرائط و ضوابط طے کرنے کے لیے مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب اور مولوی غلام اللہ خان صاحب کو کراچی تک کا کرایہ بذریعہ منی آرڈر بھیجا گیا، مگر شاہ صاحب باقاعدہ مناظرہ سے بچنے کے لیے بہانہ کرتے رہے کہ میں اپنی مسجد میں ہی بیٹھا رہوں گا۔ کراچی جانے، ثالثوں کو لانے اور شرائط طے کرنے کے لیے میں تیار نہیں۔ پھر اپنی خفت کو مٹانے کے لیے منکرین حیات النبی ﷺ نے ایک کتابچہ بغیر نام، مصنف اور بغیر نام پریس کے شائع کیا ہے، معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کتابچہ کس کا ہے؟ مصنف اور پریس کے بغیر یہ لاوارث نظر آرہا ہے، حلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کا ہے، جو اپنی شکست سے اشک ہائے ندامت کو دھو رہے ہیں۔ اور یہ مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کی بزدلی اور ان کے اعترافِ شکست کا نام نہیں تو یہ بے نام اور بے پریس کیوں ہے؟ آخر اس انداز پر چھاپنے کی شاہ صاحب کو یہ ضرورت

کیوں پیش آئی ؟ اس لیے کہ واقعات میں غلط بیانی کرنے ، جھوٹ بولنے اور سیاسی چالوں سے اپنا دھڑا مضبوط کرنے کی بزدلانہ کوشش ان کی طرف منسوب نہ ہو، اور اپنی بل پر چوہے کی طرح شیر بن کر للکارتا رہے کہ میرے گھر آ کر مناظرہ کرو۔

المشتہر، غلامِ مصطفیٰ، تعلیم القرآن، لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی پاکستان آمد اور سمجھوتہ راولپنڈی

۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۲ء کی اس پانچ سالہ زبردست کشمکش میں اہل دیوبند کا فکری نزاع مستقل طور پر دو گروہوں کے وجود کا سبب بن گیا، یہ باریکی تو اہل علم ہی جانتے تھے کہ نفس مسئلہ کی رو سے حق پر کون ہے؟ اور شاہ صاحب نے اپنے دوست مولانا غلام اللہ خان سے مل کر جو تشت و افتراق کا بیج بویا ہے، اجماعِ امت کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں، حتیٰ کہ منصف مزاج بریلوی علماء نے بھی اس میں زیادہ دلچسپی نہ لی، جیسا کہ مخالفتوں میں بطور جشن و مسرت حریفوں کے ہاں ایسا ہوتا آیا ہے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مکتب فکر دیوبند کی اساسی تعلیم اور نظریہ وہی ہے جس کا علم جمعیت علماء اسلام، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور تنظیم اہل سنت یا تبلیغی جماعت نے اٹھا رکھا ہے (اس وقت بڑی اور ذمہ دار جماعتیں یہی تھیں) اور ان کے بالمقابل عین غین برادران کے پاؤں ریت پر ہیں، جن کے ذخیرۂ علم میں محض ضد و انانیت اور تعصب ہے، اور اس کے ماسوا کچھ نہیں۔

مگر عام لوگوں میں صبح و شام ان بحثوں کا ہونا ایک فطری امر تھا کہ دیوبند والے بٹ گئے، تقسیم ہو گئے، پارہ پارہ ہو کر رہ گئے، تتر بتر ہو گئے، وغیرہ ذالک، اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ دو افراد کی مخصوص ذہنیت نے دیوبند مکتب فکر کی ریڑھ کی ہڈی توڑ کر رکھ دی تھی۔ اور پاکستان کی حد تک مستقبل میں اس کے اس قدر خوفناک اور وحشت ناک نتائج برآمد ہوئے کہ الامان! مسجدوں میں ہلڑ بازیاں، مدارس میں نفرتیں، جلسوں میں جھگڑے، برادریوں میں ٹوٹ پھوٹ، حتیٰ کہ ازدواجی زندگیوں میں طلاقوں تک نوبت آ گئی! یہ ایک کریہہ اور نہایت ناقابل بیان عنوان ہے جس کے تحت مضمون قلمبند کرنا بڑے ہی دل گردے کا کام ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے ہمارے اکابرین کو کہ انہوں نے بروقت اس کا سد باب کیا، اور تعلقات و مراعات کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا کر اس قدر جانفشانی اور عزم و ہمت کے ساتھ اس طوفان کا رُخ موڑ دیا کہ تمام تر قوت و شوکت کے باوجود منکرین حیات النبی ﷺ کا خطرناک فتنہ اپنے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہو گیا، اور ہمیں فخر ہے کہ اس بنیادی جدوجہد میں قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ایک مثالی کردار ادا کر کے اپنا فقط نام ہی نہیں، بلکہ کام کو صبح قیامت تک روشن

کردیا...... بہرکیف جب جون ۱۹۶۲ء میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے پاکستان کا دورہ کیا تو آپ نے فریقین کو ایک قدر مشترک تحریر پر آمادہ ہونے کا حکم دیا، اور اب ملتان، لاہور، سکھر، کراچی، گجرات اور چکوال سے ہوتے ہوئے حیات وممات کا یہ اختلاف راولپنڈی پہنچ گیا، اب اس کی تفصیلات ملاحظہ کیجیے!

مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کی ایک خوش فہمی اور قائداہل سنت کی جانب سے ایک علمی وضاحت!

انکار حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک خالص پاکستانی فتنہ تھا، اس لیے اس کی تمام تر پیچیدگیوں اور باریکیوں کو پاکستانی علماء کرام ہی سمجھ رہے تھے، مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اور مولانا غلام اللہ خان کی شخصی شہرتوں اور سابقہ تبلیغی ریکارڈ کی وجہ سے بیرونِ پاکستان ان کے متعلق اب بھی خوش گمانیاں موجود تھیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ ہی کو لے لیجیے، آپ کا ابتداء میں تاثر یہ تھا کہ شاہ صاحب برزخی حیات کے تو قائل ہیں بلکہ عندالروضہ سماع کے بھی قائل ہیں، البتہ دوام کے قائل نہیں لہٰذا اُن کا یہ اختلاف انکارِ محض کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ حجت کے بنیاد پر ہے، فلہٰذا شاہ صاحب کو جب بلایا جائے گا تو باہم بیٹھ کر اس معمولی سے علمی نوعیت کے اختلاف کو چٹکیوں میں نمٹا دیا جائے گا، چنانچہ سمجھوتہ راولپنڈی سے قبل حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ نے مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کو جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کی دعوت دی، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ جہلم تشریف لائے تو یہاں بیٹھ کر ایک تحریر تیار کی گئی، اس مجلس میں قائداہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالحنان ہزاروی رحمہ اللہ اور فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ موجود تھے، گویا سمجھوتہ راولپنڈی کا آغاز جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم سے ہورہا تھا، اس مجلس میں قائداہل سنت رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی تو حکیم الاسلام حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی غلط فہمی دور ہوئی، قائداہل سنت نے فرمایا کہ شاہ صاحب اور ان کی پارٹی حیاتِ برزخ سے فقط جسد اطہر کی سلامتی اور روح مبارکہ کا عدم تعلق مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ قائداہل سنت رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

> ”بندہ بھی وہاں حاضر تھا، بندہ نے عرض کی کہ حضرت فریق ثانی کے علماء حیاتِ برزخی سے صرف یہ مراد لیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم تو قبر میں محفوظ ہے لیکن روح کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے بعد حضرت قاری رحمہ اللہ صاحب نے یہ عبارت لکھی: ”وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے،

اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں''
حضرت قاری صاحب جہلم سے راولپنڈی تشریف لے گئے، وہاں مولانا قاری محمد امین صاحب کی جامع مسجد ورکشاپی محلہ میں آپ نے قیام فرمایا، حضرت قاری صاحب نے علماء کے سامنے حسب ذیل تحریر پیش کی۔

عامہ مسلمین کو فتنہ نزاع وجدال سے بچانے کے لیے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارتِ ذیل پر دستخط فرمائیں۔ یہ مسئلہ قدر مشترک ہوگا، ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے، تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارتِ مجوزہ حسب ذیل ہے:

''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلقِ روح حیات حاصل ہے۔ اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔'' (۱۸، محرم الحرام ۱۳۸۲ھ، ۲۲، جون ۱۹۶۲ء)

اس تحریر پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مولانا قاضی نور محمد، اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے دستخط کئے، راقم (خادم اہل سنت) اور مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی زید مجدہم بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی یہ متفقہ علیہ تحریر ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' راولپنڈی، اگست ۱۹۶۲ء میں بھی منقول ہے۔ اس اعتقادی مصالحت نامہ کے بعد بڑی خوشیاں منائی گئی تھیں، مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا غلام اللہ خان آپس میں بغل گیر ہوئے اور رات کو اس خوشی میں وہاں جلسہ بھی ہوا، لیکن مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نہ اس اجلاس میں آئے اور نہ انہوں نے اس مشترکہ عقیدہ کو آج تک تسلیم کیا ہے، مندرجہ بالا عبارت مسئلہ حیات النبی ﷺ کی آخری بنیاد ہے اس کے بعد روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ لیکن اس اختلاف کی وجہ سے اصل مسئلہ حیات النبی ﷺ مجروح نہیں ہوتا۔ البتہ جو عقیدہ مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اور ان کی پارٹی کا ہے وہ اہل حق کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے، وہ نہ نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر سے روح مبارک کا تعلق قبر مبارک میں مانتے ہیں اور نہ قبر شریف کے پاس درود وسلام کے سماع کے قائل ہیں[1]۔

---

[1] مظہر حسین، قاضی، مولانا، قائد اہل سنت/کشفِ خارجیت، صفحہ نمبر ۱۷۶، طبع اول/زیر عنوان ''مولانا غلام اللہ خان کا رجوع/مقام اشاعت، چکوال۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں فیصلہ ہو گیا!

(ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور کی ایک سرخی)

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ کے اس فیصلہ کے بعد مندرجہ ذیل خبر سے اہل سنت حلقوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔

☆ کچھ دنوں سے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) راولپنڈی تشریف لائے اور آپ نے فریقین کے درمیان سمجھوتہ کرا دیا چنانچہ ایک فریق کی طرف سے مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور دوسری طرف قاضی نور محمد اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے دستخط کر دیئے اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب اس وقت موجود نہ تھے، اس لیے مولانا غلام اللہ خان صاحب اور قاضی نور محمد صاحب نے شاہ صاحب سے دستخط کرانے کی ذمہ داری لے لی ہے۔ اگر شاہ صاحب دستخط کرنے سے انکار کر دیں تو پھر کیا ہوگا؟ اس کی بھی ایک تحریر لکھی گئی۔ دونوں تحریریں حسب ذیل ہیں:

① عامۂ مسلمین کو فتنہ نزاع وجدل سے بچانے کے لیے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں۔ یہ مسئلہ قدرِ مشترک ہوگا، ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارتِ مجوزہ حسب ذیل ہے۔

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔ اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ محمد علی جالندھری......لاشئ غلام اللہ خان......احقر محمد طیب وارد حال راولپنڈی......نور محمد خطیب قلعہ دیدار سنگھ

(تحریر نمبر ۲) ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے بھی اس تحریر پر دستخط کرائیں جس پر ہم نے دستخط کئے ہیں۔ اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات میں اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کر دیں گے۔ نیز اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات پر تقریر نہ کرائیں گے اور اگر مسئلہ میں وہ کوئی مناظرہ کریں گے تو ہم انہیں اس بارہ میں مدد نہ دیں گے۔

نور محمد۔ جامع قلعہ دیدار سنگھ......لاشئ غلام اللہ خان

۲۲، جون ۱۹۶۲ء، ۱۸ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ۔[1]

---

[1] ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور ر ۲۰، جولائی ۱۹۶۲ء (نوٹ: ''ترجمانِ اسلام'' میں یہ فیصلہ یکے بعد دیگرے دو مرتبہ شائع ہوا تھا)

اس تاریخی اور یادگار مجلس میں ہی ایک اہم واقعہ یہ پیش آ گیا کہ مصالحت کے بعد جب دعائے خیر کی گئی تو حضرت مولانا قاضی نور محمد رحمہ اللہ اچانک ایک طرف لڑھک گئے، اور جان جانِ آفریں کے سپرد کردی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاضی محمد طیب رحمہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور یوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس قضیہ کے ساتھ مولانا قاضی نور محمد رحمہ اللہ کا سانحہ وفات بھی لازم و ملزوم ہو گیا۔

''مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری'' کتاب کے سوانح نگار کی ایک غلط فہمی

مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی زندگی ہی میں ان کے ایک عقید تمندت اور ہم نام مولوی عنایت اللہ گجراتی نے سید صاحب موصوف کی سوانح عمری لکھ کر شائع کی تھی، اس میں جہاں اور بہت سی باتیں خلافِ حقیقت درج کی گئی ہیں، وہاں تصفیہ راولپنڈی کا بھی پوری طرح حلیہ بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے، چونکہ اس حرکت سے پڑھنے والے شکوک وشبہات کا شکار رہتے ہیں، لہٰذا اس کی توضیح بھی یہاں درج کی جاتی ہے۔ عنایت اللہ گجراتی صاحب اپنے ممدوح مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی وکالت میں اپنے راہوارِ قلم کو یوں ایڑ لگاتے ہیں۔

> ''راولپنڈی میں حضرت شاہ صاحب موصوف کے خلاف فریقین نے جو تحریر مرتب کی تھی (جسے مولانا محمد علی صاحب کی پارٹی نے اشتہارات اور اخبار ترجمان وغیرہ میں بعہد شکنی سیاسۃً حضرت شاہ صاحب موصوف کے خلاف پراپیگنڈے کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا، اُسے حضرت علامہ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بالکل کالعدم (منسوخ) فرما دیا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ چنانچہ محترم قاری صاحب ممدوح نے اپنے فیصلہ منسوخی کی تحریر مولانا خیر محمد صاحب ملتان والوں کو دے کر فریقین کا دوبارہ اجتماع برائے صحیح تصفیہ ان کے ذمہ فرمایا تھا اور حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کے حق میں حضرت مخدوم و مکرم مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی رائے گرامی تحریر فرما دی ہے جو درج ذیل ہے، اس کو بھی مخالف پروپیگنڈہ کرنے والے حضرات غور سے پڑھیں۔
>
> جہاں تک سید صاحب ممدوح مولانا سید عنایت اللہ صاحب بخاری کے بارہ میں میرا علم ہے وہ یہ ہے کہ وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد برزخ میں نفس حیات کے منکر نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ جسمانی طور پر بھی حیاتِ برزخی کے قائل ہیں۔ تفصیلات میں انہیں البتہ اختلاف ہے۔ حتیٰ کہ قبر مبارک پر

صلوٰۃ وسلام پیش کرنے والوں کے سماع صلوٰۃ وسلام کے بھی وہ کلیۃً منکر نہیں، البتہ دوام کے قائل نہیں۔ ان کا یہ اختلاف حجت سے ہے، انکارِ محض سے نہیں۔ اس لیے اس بارہ میں انہیں منکر نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ مؤل کہا جائے گا۔ گو یہ تاویل احقر اور دستخط کنندہ بزرگوں کے نزدیک قابلِ تسلیم نہ ہو، اس صورت حال کے ہوتے ہوئے جب کہ ان کا یہ اختلاف حجت (دلیل محکم) سے ہے۔ ان پر کسی قسم کی ملامت یا نکیر یا اُنہیں مطعون کیا جانا کسی طرح بھی قرین انصاف وصواب نہیں ہوسکتا۔ جبکہ وہ بقیہ مسائل میں بحیثیت مجموعی اہل دیوبند اور اہل سنت والجماعۃ کے حامی اور خادم ہیں۔ محمد طیب غفرلہٗ ۲۶، جون ۱۹۶۲ء۔

ان حضرات کا خیال یہ تھا کہ ہماری اس مہم اور تحریک کی وجہ سے شاہ صاحب کا وقار اور عزت کم ہوجائے گی۔ لیکن ان کے اس دراز اور وسیع سلسلے کے باوجود حضرت شاہ صاحب پہلے سے زیادہ معزز اور محترم ہیں اور دیوبندی مکتب فکر سے متعلق تمام لوگ ان پر دل وجان سے فداء ہیں...... چکوال اور جہلم کے بزرگ بھی اپنی جبہ ودستار کی نمائش کے لیے پانچویں سوار بن کر میدان میں نکلے، لیکن ان کی تحقیق وتدقیق بھی زلف یار کی طرح پُر پیچ اور دراز ہوگئی اور اپنے عاشقانہ دستور کے مطابق سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی، البتہ خط وکتابت ان کی کافی شہرت حاصل کرگئی ہے''۔[1]

اس مفصل اقتباس میں علامہ عنایت اللہ صاحب گجراتی کے قلم نے جوشِ عقیدت میں کئی ایک حقائق کو بری طرح روندنے کی کوشش کی ہے، یہ علامہ عنایت اللہ گجراتی وہی بزرگ ہیں جو حضرت علامہ مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمہ اللہ کے مایہ ناز پندرہ روزہ رسالہ ''الفاروق'' کے معاون مدیر اور مضمون نگار بھی رہے اور علامہ چوکیروی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ کے ساتھ متعدد تبلیغی اسفار میں بھی ان کے ہمراہ رہنے کا شرف بھی حاصل تھا، جبکہ اپنے استاذ محترم کے ساتھ ان کی عقیدت کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا مفتی شیر محمد صاحب علوی (لاہور) کسی نے گجراتی صاحب سے پوچھا تھا کہ آپ کو ایک بہت بڑے عالم دین کی شاگردی کا شرف حاصل ہے، تو گجراتی صاحب نے سائل کی بات کاٹتے ہوئے ترت جواب دیا: ''جی ہاں شاہ صاحب علامہ چوکیروی بہت بڑے عالم تھے، البتہ خطیب میں بڑا ہوں۔'' اس قدر مریض تعلّی پر

---

[1] عنایت اللہ گجراتی، علامہ/سوانح عمری مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مطبوعہ، شوکت بک ڈپو گجرات ۱۳۸۴ھ/صفحہ نمبر ۱۵۲ تا ۱۵۵۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ کی تاریخ بیانی میں زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ ان کی مندرجہ و متذکرہ گفتگو میں محض لاف وگزاف کی ہی بھرتی ہے۔ کیونکہ

① معاہدہ راولپنڈی کونسارات کی تاریکیوں میں کسی جنگل کے اندر ہوا تھا؟ اس میں تو مولانا قاضی نور محمد اور مولانا غلام اللہ خان دونوں موجود تھے، تحریر پر دونوں کے دستخط موجود ہیں، اور حضرت شاہ صاحب گجراتی کو قائل کرنے کی ذمہ داری اور ان کے قائل نہ ہونے کی صورت میں اعلانِ لاتعلقی کا اظہار بھی ان کی اپنی تحریر میں موجود ہے، جو گزر چکی ہے تو پھر مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء پر سیاست، سیاست کی پھبتیاں کیوں کسی جارہی ہیں؟ کیا یہی دیانت ہے؟

② ایک متفقہ تحریر لکھنے کے بعد جس پر کئی گھنٹے غور وخوض ہوتا رہا، اور بسیار بحث ومباحثہ کے بعد اس پر سب کا اتفاق ہوا، اور فریقین کے دستخط ہوئے تو حکیم الاسلام حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کا اُسے بعد میں منسوخ اور کالعدم قرار دے دینا یا تو نرا لطیفہ سمجھا جاسکتا ہے یا آپ کا دماغی عارضہ!

③ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ ہی کے جلسہ میں تو شاہ صاحب نے اپنا گھگو گھوڑا بنا کر الگ سے فرقہ بنایا تھا، وہیں پر تنازع ہوا اور شاہ صاحب نے مولانا محمد علی جالندھری کو طمانچہ مارا تھا، اور پھر تمام تر کوششوں کے باوجود مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے ہاں تصفیہ کو شاہ صاحب نے کبھی قبول ہی نہ کیا تھا تو اب دوبارہ گھوم گھما کر مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کا اپنے فیصلہ سنا دینے کے بعد پھر اسے مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کے سپرد کرنا ''خوچہ پھر سے شروع کرتا ہے'' کے مصداق قرار نہ پاتا؟۔ یہ سوانح نگار کی دوسری درفطنی ہے جسے عقل سلیم تو کیا، غیر سلیم بھی گوارا نہیں کرتی!

④ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی مجوزہ عبارت پر مولانا غلام اللہ اور حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحبان نے جو دستخط کئے تھے تو کیا وہ بھی شاہ صاحب کی عزت وتکریم سے خائف تھے اور انہیں کنارے لگانا چاہتے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر کیا ان دو بزرگوں نے غیر مخلصانہ دستخط کئے تھے؟ اگر اس کا جواب بھی نفی میں ہے تو پھر تیسری شکل یہی ہے کہ سوانح نگار ہی کا دماغی خلل ہے، جو یوں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے جارہے ہیں۔

⑤ ۱۹۵۷ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک کے تمام تر معاہدات میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے ہمیشہ گریز پائی اور ضد بازی کی روش قائم رکھی، اور ان کے مقابلہ میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ سمیت اس وقت کے کلغی والے تمام اکابرین واسلاف نے انہیں حکمت ودانش کے ساتھ

عوامی مجلسوں کی بجائے خواص کے ہاں طلب کر کے ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی، جبکہ اس کے برعکس شاہ صاحب خواص کی مجلس میں آنے سے کترانے اور ملک بھر میں عوامی جلسوں کے اندر بڑھکیں لگاتے رہتے تو ایسے میں اخلاص و مروت اور نقطہ دانش پر کون تھا اور تشتت و افتراق کے شعلوں کو پھونکیں کون مار رہا تھا؟

⑥ اختلاف کی مہم شاہ صاحب کی جانب سے شروع ہوئی تھی، اور ان کی اس پالیسی و نظریہ سے اختلاف کرنے والے شاہ صاحب ہی کی طرح معتبر علماء، اہل نسبت، پیکر زہد و تقویٰ اور ملک گیر شہرت کے حامل تھے۔ تو انہیں کیا پڑی تھی کہ وہ تمام تر کارِ جہاں کو چھوڑ چھاڑ کر شاہ صاحب کی عزت و تکریم کے پیچھے پڑ جاتے؟ صاحب سوانح کی یہ بات بھی بالکل بے وزن اور بے سروپا ہے۔

⑦ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی شاہ صاحب کے نظریہ کے حوالہ سے جو عبارت پیش کی گئی ہے، یہ اسی غلط فہمی پر مبنی ہے جس کا ازالہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے جہلم اجلاس میں کر دیا تھا اور مذکورہ عبارت کی حقیقت یہ ہے کہ گجرات میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی مسجد میں ایک قاری نور محمد اعمیٰ ہوتے تھے جنہوں نے سید صاحب کے حوالہ سے خط لکھوا کر حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو غلط فہمی میں ڈالا تھا تو قاری صاحب رحمہ اللہ نے صحیح صورتحال سامنے نہ آنے کی وجہ سے حُسنِ ظن کی بناء پر شاہ صاحب کے متعلق نرمی کے الفاظ لکھے تھے جو ماہ نامہ دار العلوم دیوبند میں بابت ستمبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئے، لیکن شاہ صاحب نے حضرت قاری صاحبؒ کی متذکرہ گنجائش اور مبنی بر دیانت رائے کا احترام نہیں کیا تھا، وہ مکمل مضمون ہم جوں کا توں آگے نقل کر رہے ہیں، جس کو پڑھ کر بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کی خواہش اور فیصلے کی حضرت شاہ صاحب نے کس قدر بے حرمتی کی تھی۔ یہ ہے مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کی سوانح عمری تصنیف کرنے والے سوانح نگار موصوف کی تحقیقی کاوش، کہ جنہوں نے ایک ایسا ریکارڈ متاثر کرنے کی کوشش کی کہ بوقت تصنیف جس کے عینی گواہ خود شاہ صاحب سمیت درجنوں اہل علم حیات تھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

کیا مولانا غلام اللہ خان صاحب نے واقعی رجوع کیا تھا؟

بزرگوں کی تصریحات سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح مردِ حق پرست حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ نے ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ مولانا غلام اللہ صاحب اِدھر کہتے ہیں میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قائل ہوں اور اُدھر وہ اپنے سالانہ دورۂ تفسیر میں سید صاحب کے

ذمہ عنوان ہی ''انکارِ حیات'' کا لگاتے ہیں۔ جس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب دوغلی پالیسی پر ہی گامزن رہے، یا ممکن ہے کہ وہ دونوں جانب کے دلائل سے اس قدر مرعوب ہوں کہ ان کے لیے کسی فیصلہ پر پہنچنا مشکل ہو، علاوہ ازیں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے موجودہ ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری کی تحقیق تو یہ بھی ہے کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی وساطت سے کراچی کے کچھ متمول لوگوں سے اپنے ادارہ کے لیے مالی تعاون لیا کرتے تھے۔ جب خان صاحب نے اس اہم مسئلہ میں شاہ صاحب کی طرف داری کرتے ہوئے مسلک اہل سنت سے انحراف کیا تو مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اعانت کروانے سے انکار کر دیا تھا، جس پر ان حضرات نے ثالثی کے لیے ان کا نام تجویز کیا تھا، جسے باقی حضرات نے تسلیم کر لیا[1]۔ نیز قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے بھی زیر عنوان ''مسئلہ حیات النبی ﷺ اور مولانا غلام اللہ خان کی دو متضاد تصویریں'' اس پر تفصیلی کلام کیا ہے[2]۔

بہر کیف نیتوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، مگر معاہدہ راولپنڈی میں جو وعدہ کیا گیا تھا کہ اس تحریر پر ہم مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری سے بھی دستخط لیں گے، تو حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب آف قلعہ دیدار سنگھ کا تو چونکہ موقع پر ہی انتقال ہو گیا تھا، لیکن مولانا غلام اللہ خان صاحب اس کے بعد کم و بیش بیس سال حیات رہے مگر انہوں نے سید صاحب سے نہ تو دستخط لیے اور نہ ہی ان سے کسی حد تک کوئی مقاطعہ کیا۔ اور یوں ان حضرات کی گومگو پالیسیوں سے معاہدہ، تصفیہ یا افہام و تفہیم کی تمام تر صورتیں بے معنی ہو کر رہ گئیں، اور ''حیاتی مماتی'' کی تقسیم سے اہل دیوبند خطرناک تقسیم کی بھینٹ چڑھ گئے۔

جمعیت علماء اسلام کا مرکزی اجلاس، مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ سے کتاب لکھنے کی اپیل اور قائد اہل سنت کا اہم کردار

مؤرخہ ۴، اگست ۱۹۶۲ء بمطابق ۲، ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو جمعیت علماء اسلام کا ایک اہم اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تھا، جس میں اکابرین جمعیت میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ بھی موجود تھے، جیسا کہ آپ نے

[1] محمد اسماعیل شجاعبادی، مولانا / مولانا محمد علی جالندھری، سوانح و افکار / مطبوعہ۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان / اکتوبر ۲۰۰۹ء / صفحہ نمبر ۳۰۰۔

[2] کشف خارجیت / صفحہ نمبر ۲۰۶ / طبع اول، چکوال

لکھا ہے کہ ''اس اجلاس میں بندہ بھی حاضر تھا۔''[1]

اس اہم اجلاس میں یہ طے پایا تھا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مدلل اور عام فہم کتاب تصنیف فرمائیں گے اور وہ کتاب منتخب علماء کرام کی موجودگی میں پڑھ کر سنائی جائے گی، اس کے بعد اس کی اشاعت کی جائے گی۔ چنانچہ اس فیصلے کے مطابق حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے ایک کتاب ''تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور'' لکھی اور اسے مؤرخہ ۲۷، ۲۸ نومبر ۱۹۶۷ء بمطابق ۲۴ شعبان ۱۳۸۷ھ میں جمعیت علماء اسلام کے دو روزہ اجلاس میں پیش کی، یہ اجلاس جامعہ خیر المدارس ملتان میں منعقد ہوا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث نے سبقاً سبقاً یہ کتاب پڑھ کر سنائی، بعض مندرجات اور ابحاث پر علمی بحث ہوئی اور پھر اصلاح وضروری حذف وترمیم کے بعد چند اہم حضرات کے دستخطوں سے ''تسکین الصدور'' کا مسودہ پاس کر لیا گیا، ان دستخط کرنے والوں میں سے ایک قائد اہل سنت رحمہ اللہ بھی تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ملتان کے اس اجلاس میں جن حضرات نے شرکت کی اور اول سے آخر تک راقم کتاب سناتا رہا اور یہ بزرگ سنتے رہے اور بعض بعض مقامات میں اصلاح بھی کرتے رہے اور آخر میں بعض مسائل پر بحث بھی ہوئی اور ان کی ہدایت پر عمل کیا گیا۔ وہ یہ ہیں:

① حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ

② حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ

③ حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ (جامعہ رشیدیہ ساہیوال)

④ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ

⑤ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ

⑥ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام مجدہم (چکوال)

⑦ حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب (گجرات)''[2]

---

[1] مظہر حسین، قاضی، حضرت مولانا، قائد اہل سنت / کشف خارجیت / صفحہ نمبر ۱۸۳، طبع اول / چکوال

[2] سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، حضرت مولانا، شیخ الحدیث / تسکین الصدور، صفحہ نمبر ۸۰ / طبع نہم، جنوری ۲۰۰۲ء / گوجرانوالہ

اس کے بعد یہ کتاب پریس میں دے دی گئی، اور پھر پاکستان اور بیرون پاکستان اس کتاب نے اپنی علمیت، طرزِ استدلال، طریقہ استنباط، باربط حوالہ جات، اور عام فہم و اسلوب تحریر کی بناء پر اپنی دھاک بٹھا دی اور تب سے اب تک یہ کتاب سینوں کی کدورتوں کو آب علم و تحقیق کے ذریعے صاف شفاف کر کے تسکین مہیا کرتی چلی آ رہی ہے، بلاشبہ ''المہنّد علی المفند'' کے بعد کتاب ''تسکین الصدور'' کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ معاصر اسلاف کی مشترکہ و متفقہ اور توثیق و تصدیق شدہ کتاب ہے۔ اور اس اہم علمی و تاریخی کاوش میں بھی حسب سابق قائد اہل سنت رحمہ اللہ بنفس نفیس شریک مشورہ رہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

''مقامِ حیات'' اور ''تسکین الصدور''

اکابرین جمعیت علماء اسلام نے جب حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کو کتاب لکھنے کا مشورہ دیا تو اس سے قبل ''مقامِ حیات'' نامی کتاب مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر شائع ہو چکی تھی۔ جس کے مصنف سلطان العلماء، مقدام الفضلاء جناب حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت فیوضہم ہیں اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اس کتاب سے استفادہ کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے حقیقت شناس قلم سے یوں رقم زن ہیں:

> ''حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ایم اے سیالکوٹی نے ایک عمدہ، مدلل اور بہترین کتاب ''مقامِ حیات'' لکھ کر اہل علم کی تشنگی بجھائی ہے۔ اس کتاب کے بعض حوالوں اور دلائل اور ان سے طرز استدلال میں تو علمی اور تحقیقی طور پر اختلاف ہوسکتا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے یہ عمدہ اور ٹھوس کتاب ہے اور ہم نے بھی بعض حوالوں میں اس سے استفادہ کیا ہے، مگر پھر بھی ان تمام مسائل پر مدلل طریقہ سے کتاب کی ضرورت باقی تھی، جس کی ضرورت علماء کرام نے محسوس کی۔''[1]

---

[1] تسکین الصدور، صفحہ نمبر ۷۷، طبع نہم ۲۰۰۲ء گوجرانوالہ

(نوٹ): پیش نگاہ رہے کہ صاحب ''تسکین الصدور'' کا یہ ارشاد ''مقامِ حیات'' طبع اول کے متعلق ہے جو مختصراً شائع ہوئی تھی، بعد میں تو حضرت علامہ صاحب نے کم و بیش ایک ہزار صفحات میں اس مسئلہ سے متعلقہ ہزاروں دلائل اس شان سے جمع فرما دیئے کہ پڑھنے والا حضرت علامہ صاحب کی علمی عظمت کے آگے سرِ ادب جھکا دیتا ہے۔ سلفی

اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے بھی اپنے الفاظ میں یوں خراج تحسین پیش کیا کہ:

''جب منکرین حیاتِ نبوی نے سارے ملک میں فتنہ اٹھایا تو علماء دیوبند نے تقریری وتحریری طور پر ان کا تعاقب کیا اور سب سے پہلے علامہ خالد محمود صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے کتاب ''مقامِ حیات'' تالیف کی، جس میں مدلل طور پر مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات کیا[1]۔

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاریؒ کے مابین ایک جھڑپ کا واقعہ

اب تک کی تفصیلات میں جیسا کہ گزر چکا ہے، شاہ صاحب کی طبیعت میں بلا کا غصہ تھا، جسے اُن کے معتقدین ''شاہ صاحب کا جلال'' کا نام دیا کرتے ہیں۔ اس جلال ہی نے تو اہل دیوبند کا کچومر نکال کر رکھ دیا تھا، یاد رہے کہ یہ ''جلال'' فقط اپنوں کے لیے تھا، غیروں کے لیے آپ ''مومنِ فولادی'' کی بجائے ''بریشم کی طرح نرم'' ثابت ہوتے تھے جیسا کہ مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی کے ساتھ ایک معاہدہ کے ضمن میں حوالہ گزر چکا ہے۔ (وہ اپنے مقام پر ملاحظہ کرلیا جائے)۔ شاہ صاحب کی اس غصیلی طبیعت کی وجہ سے ایک مرتبہ گکھڑ میں مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کے ساتھ علمی بحث کے دوران جھڑپ کا موقع اس لیے آ گیا تھا کہ شاہ صاحب نے ماسٹر محمد حسین صاحب او ٹی ٹیچر گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑ کی گود میں ''المہند علی المفند'' زور سے پھینک دی تھی، یہ واقعہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے خود درج فرمایا ہے[2]۔ اور اس کے بعد حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ کے ساتھ بھی یہ واقعہ کشمیر کے علاقہ میں پیش آیا تھا کہ جب دورانِ گفتگو شاہ صاحب نے ''آب حیات'' (مصنفہ امام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ) اٹھا کر باہر پڑے ہوئے جوتوں پر پھینک ڈالی تھی[3]۔ ان جیسے واقعات نے تو پھر اصلاح وتفہیم کے تمام تر دروازے بند کر دیئے تھے۔ اور شاہ صاحب نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی راہیں جدا کر لی تھیں۔

---

1. کشف خارجیت/ صفحہ نمبر ۱۸۲، طبع اول/ چکوال/ ۱۹۸۵ء
2. تسکین الصدور، صفحہ نمبر ۵۷/ مقدمہ طبع دوم/ گوجرانوالہ
3. عبدالحق خان بشیر/ حضرت جہلمی نمبر، صفحہ نمبر ۱۲۵/ ماہنامہ حق چار یارؓ، جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء/ لاہور

حضرت قائداہل سنت رحمہ اللہ کی تبلیغی پالیسی اور ایک قصبہ کے اشاعتی مولانا کا احتجاجی خط

قائداہل سنت رحمہ اللہ کا جدی وموروثی مشن عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع اور تردید رفض وبدعت تھا، مگر اس سلسلہ میں آپ بلاوجہ ومقصد محض تصادم اور الجھاؤ میں رہ کر مذہب اہل سنت کے بنیادی عقائد ونظریات میں لچک ونرمی کے روادار بھی نہیں تھے۔ چنانچہ آپ اپنے جلسوں میں مدعو کیے جانے والے مبلغین کو ان کی علمی وتحقیقی معیار کے مطابق مختلف قسم کے عنوانات سونپ دیتے، اور خود بھی موقع ومحل کے مطابق نئے اور وقتی فتنوں سے آگاہی دیتے، اگرچہ مرکزی توجہ دفاعِ صحابہ واہل بیت پر ہی مرکوز رہتی تھی۔ چکوال کے ایک قصبہ میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ نے اپنے خطاب میں منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریہ کی تردید کی تو چند روز بعد وہاں کے ایک مولانا نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو احتجاجی خط لکھا، اس کے اہم اقتباسات ملاحظہ کیجیے!

''بخدمت اقدس محترم المقام حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زیدمجدکم العالی

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ گزارش ہے کہ آپ کے حالیہ تبلیغی دورے، جلسوں کے متعلق جو نتائج معلوم ہوئے ہیں، مجھے بڑا دکھ ہوا ہے۔ خصوصاً (موضع) جمالوال میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کو رقعہ دیا گیا تو انہوں نے رقعہ کا جس انداز میں جواب دیا ہے اور فتویٰ بازی سے سختی سے کام لیا ہے۔ اور جمالوال کی فضاء کو انتہائی مکدر کیا ہے۔ میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ میں نے آج تک ان غیرضروری مسائل کو اس طرح وضاحت سے بیان نہیں کیا۔ محض عظمت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے جلسوں کی کھلی چھٹی دے دی اور اپنے بزرگوں کو بلانا بند کردیا تاکہ انتشار پیدا نہ ہو۔ ہم دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یک مشت ویک جان ہوکر ان کا مقابلہ کریں اور اپنے اندرونی اختلاف کو نظرانداز کردیا۔ اب ان غیرضروری مسائل مثلاً مسئلہ یزید اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو اپنے اصلی مشن سے ہٹا کر ان میں لگا دیا ہے۔ تاکہ سنی مسلمان آپس میں اتحاد واتفاق قائم نہ رکھ سکیں۔ آپس میں لگ جائیں اور ہماری طرف سے توجہ ہٹ جائے۔ تو محترم حضرت قاضی صاحب آپ جیسے زیرک ومدبر شخصیت کے لیے اور آپ کی جماعت کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ کسی دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم کی رو میں آجائیں۔ اب یہ ذمہ داری کس پر ہے؟ اگر ایک جلسہ کے مقابلہ میں دوسرا جلسہ ہو جائے تو اس کا فائدہ سنی مسلمانوں کو ہوگا یا شیعوں کو؟ اور اب حالات ایسے ہوچکے ہیں کہ امید واثق ہے کہ جلسہ بہر حال ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ براہِ کرم آگے پیچھے جہاں چاہیں اپنا مسلک بیان کریں، آپ بڑے

ہیں اور ہم آپ کی اولاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔لیکن ''جمالوال'' کو اس انتشار سے بچائیں اور سابقہ حالات پیدا نہ ہونے دیں کہ ہم سنی مسلمان ایک ہی گھر اور گاؤں میں بھائی، بھائی سے باہم دست و گریبان ہوں۔اور فتنہ وفساد بڑھ جائے۔آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی، بندہ آپ کا بہت بہت مشکور ہوگا۔امید ہے کہ آپ مجھے اپنا عزیز سمجھتے ہوئے میری گزارشات پر شفقت و محبت سے غور فرمائیں گے۔ جملہ احباب اہل سنت کو سلام عرض کرنا۔فقط والسلام [1]

یہ مکتوب نگار اصلاً چکوال کے باسی اور سرگودھا میں مقیم تھے، جنہوں نے اشاعت التوحید کے خلاف کی جانے والی اپنے گاؤں میں تقریر کے متعلق صدائے احتجاج بلند کی، یہ خط ہم نے دلچسپی کے لیے درج کیا ہے کہ بعض، بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فساد اور تخریب کاری کرنے والا اپنی اصلاح کی باتیں سن کر بجائے تفکر کرنے کے الٹا مصلحین کو مورِدِ الزام بنا دیتا ہے کہ آپ کی وجہ سے فساد ہو رہا ہے۔ بہرحال قائد اہل سنت رحمہ اللہ اس ضمن میں کسی طرح بھی نرمی کے روادار نہیں تھے اور عقائد و مسلک سے متعلقہ ہر ہر مسئلہ کو پوری تفاصیل کے ساتھ مجمع عام میں بیان کرتے اور آمدہ مقررین و مبلغین کو بھی پابند فرماتے تھے، گویا آپ مخالفت برائے مخالفت کے قائل نہیں تھے اور مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کو ہر ماحول اور ہر حال میں عوام تک پہنچانے اور اس کے دفاع میں سرگرم رہتے تھے۔

قضیہ انکارِ حیات النبیؐ کے تعاقب میں قائد اہل سنتؒ تمام معرکوں میں شریک رہے

اب اس موضوع کو سمیٹتے ہوئے بطور خلاصہ کے ہم عرض کریں گے کہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے جب انکار حیات کا فتنہ اٹھایا تو اکابرین جمعیت علماء اسلام کے ہمراہ تمام اجلاسوں، جلسوں اور مشاورت میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ شریک کار رہے۔مثلاً

① ۱۹۵۷ء میں ملتان کے اندر جب شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں بدمزگی پھیلائی اور بعد ازاں مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ پر دست درازی کی تو اس وقت قائد اہل سنت رحمہ اللہ وہاں موجود تھے۔

② ۱۹۶۰ء میں جب معاہدہ لاہور کا مرحلہ آیا تو آپ رحمہ اللہ شریک کار رہے۔

③ ۱۹۶۱ء میں جب معاہدہ سکھر زیر بحث آیا تو مضامین نگاری اور کھلی چٹھیوں سے لے کر اجلاسوں تک تمام طول طویل مشاورتوں میں آپ شریک کار رہے۔

---

[1] محمد عمر حیات رخطیب جامع مسجد حنفیہ، بلاک نمبر ۲۵، سرگودھا رمحررہ ۲۵ جنوری ۱۹۸۳ء

④ ۱۹۶۲ء میں معاہدہ راولپنڈی کا مرحلہ یا تو بھی قائد اہل سنت رحمہ اللہ اپنے معاصر علماء کرام کے شانہ بشانہ کھڑے تھے اور اس کارروائی میں از اول تا آخر شریک رہے۔

⑤ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی اجلاس میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کے ذمہ کتاب کی تصنیف سے لے کر ۱۹۶۷ء میں مسودہ کتاب پر نظر ثانی کرنے تک کے جملہ مراحل میں قائد اہل سنت کا کردار انتھک اور مثالی رہا۔ اس جہد مسلسل سے جہاں مسئلہ کی نوعیت نکھر کر سامنے آتی ہے، وہاں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا درد دِل، مذہبی جذبہ، حفاظتِ دین پر جوش وجنوں اور اس کے ساتھ ساتھ معاصرین کا آپ پر اعتماد بھی اپنی تمام تر کرنوں کے ساتھ روشن وعیاں ہو جاتا ہے۔ ہم نے اپنی بساط کی حد تک اس قضیہ کا کافی حد تک محاکمہ کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک تاریخی ریکارڈ کی مدد سے اپنے ممدوح قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی جملہ کاوشوں کو قلمبند کر دیا ہے۔ اور اگر کوئی پہلو رہ گیا ہے تو وہ آئندہ کوئی رجل رشید اپنی تحقیق سے بیان کر دے گا۔ ہم نے چونکہ آگے سفر کرنا ہے، اس لیے اس موضوع کا یہیں پر اختتام کرتے ہیں۔ اب آگے بڑھیے۔ البتہ آگے بڑھنے سے پہلے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کا وہ تاریخی مضمون پڑھ لیجیے جو آپ نے ماہ نامہ دار العلوم دیوبند میں ''چار سالہ نزاع کا خاتمہ'' کے زیر عنوان رقم فرمایا تھا۔ تاکہ خاندان قاسمی رحمہ اللہ کے اُس روشن ضمیر رہنما کا فیصلہ اس بحث کے حق میں ''ختامہٗ مِسک'' ثابت ہو سکے۔

مسئلہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق چار سالہ نزاع کا خاتمہ

(حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند کا جامع مضمون)

یہ فیصلہ کرنے کے بعد جب حضرت قاری صاحبؒ واپس دیوبند گئے تو آپ نے ستمبر ۱۹۶۲ء کے ماہ نامہ ''دار العلوم'' میں اس فیصلہ کی مکمل روداد لکھی تھی، اس میں حضرت قاری صاحبؒ نے مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے متعلق حُسنِ ظن کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا تھا کہ اول تو امید ہے کہ شاہ صاحب اس فیصلہ کو تسلیم کریں گے، بصورتِ دیگر اُن سے امید ہے کہ وہ کم از کم کلام پر سکوت کو ترجیح دیں گے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ شاہ صاحب نے سکوت پر کلام کو بلکہ تابڑ توڑ فتووں کو ترجیح دی تھی۔ حضرت قاری صاحبؒ کا وہ مضمون مکمل پیش خدمت ہے۔

''پاکستان میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرات علماء میں آپس میں جو اختلاف پیدا ہو گیا تھا، اس کی عوامی، ہیجانی اور پرشور صورت حال یقیناً تکلیف دہ تھی شکر ہے کہ حضرت مہتمم صاحب

مدظلہ کے پچھلے سفر پاکستان کے موقعہ پر اس سلسلہ میں فریقین ایک نقطہ اتحاد پر جمع ہو گئے اور اب اُمید ہے کہ اس مصالحت کے بعد یہ مسئلہ عوام میں افتراق واختلاف کا باعث نہ بنے گا۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے فیصلہ کی جو تحریر قلمبند فرمائی تھی وہ پاکستانی اخبارات میں چھپ چکی تھی مگر مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے اس تحریر کے بعض تمہیدی حصوں پر اپنے خط میں اظہار خیال کیا، حضرت مہتمم صاحب نے آپ کے توجہ دلانے پر اس تحریر کی تمہید میں ضروری اضافہ فرمایا، اب گویا مکمل شکل میں یہ تحریر ''دارالعلوم'' کے صفحات پر پیش کی جارہی ہے۔'' (ادارہ)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد۔ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ مشہور ومعروف اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ علماء دیوبند حسب عقیدۂ اہل سنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی اپنی پاک قبروں میں حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے اجسام کے ساتھ اُن کی ارواح مبارکہ کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں قائم تھا، وہ عبادت میں مشغول ہیں، نماز پڑھتے ہیں، اُنہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام بھی سنتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

علماء دیوبند نے یہ عقیدہ کتاب وسنت سے وراثتاً پایا ہے اور اس بارے میں ان کے سوچنے کا طرز بھی متوارث ہی رہا ہے۔ حتیٰ کہ بریلوی حلقوں سے اُن پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ برزخ میں حیات انبیاء کے منکر ہیں اور اس افتراء سے علماء حرمین شریفین کو اُن کی طرف سے بدظن بنا کر اور دھوکہ دے کر اُن کے خلاف فتویٰ بھی حاصل کرلیا گیا۔ لیکن جب علماء حرمین پر اس دھوکہ دہی کی حقیقت کھلی، اور انہوں نے اس قسم کے تمام مسائل کے بارے میں از خود ایک مفصل استفتاء مرتب کر کے علماء دیوبند سے جواب مانگا جس میں حیات انبیاء کا سوال بھی شامل تھا، تو حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مفصل جوابی فتویٰ بنام المہند علی المفند مرتب فرما کر علما حرمین کے پاس ارسال فرمایا۔ جس میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات انبیاء کرام کے بارے میں بھی علماء دیوبند کا نقطہ نظر غیر مشتبہ اور واضح الفاظ میں تحریر فرمایا، جس کا حاصل یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور برزخ میں اُن کی یہ حیات، حیات دنیوی ہے، نیز اسی ذیل میں اس نقطہ نظر کو مزید واضح اور مضبوط تر کرنے کے لیے انہوں نے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے رسالہ آب

حیات کا بھی حوالہ دیا جو اس موضوع پر ایک مستقل اور پُر از حقائق و معارف کتاب ہے جس کا مقصد اس مسئلہ کی ایک مستحکم تائید کے علاوہ یہ بھی تھا کہ علماء دیوبند کا یہ عقیدہ (حیاتِ انبیاء) انہیں ان کے اسلاف سے بطور توارث کے ملا ہے کوئی انفرادی رائے یا وقتی اور ہنگامی فتویٰ نہیں ہے جو حوادث کے پیش آنے سے اتفاقاً سامنے آ گیا ہو۔

پھر اس مسئلہ اور اس کے بارے میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کے رسالہ کے حوالہ کی تائید میں اس وقت کے تمام اکابر علماء دیوبند کے توثیقی دستخط بھی اس میں ثبت کرائے جس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ مسئلہ حیات انبیاء کے بارے میں یہ مذکورہ عقیدہ صرف ان کے سلف ہی کا نہیں بلکہ خلف بھی اس کے اُسی طرح قائل ہیں جس طرح سلف قائل تھے، اور اس طرح یہ مسئلہ (اثبات حیات انبیاء) بطرز مذکور سلف سے لے کر خلف تک یکسانی کے ساتھ مسلمہ اور متفق علیہ رہا ہے اور تمام علماء دیوبند کا یہ اجماعی مسلک ہے جس سے کوئی فرد منحرف نہیں ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ بعض علمائے دیوبند یا متقدمین میں سے بعض حضرات کی عبارتیں اس بارے میں کچھ مبہم یا موہم ہوں، سو اگر اس سلسلہ میں اُن کی کچھ صاف، اور واضح عبارتیں بھی پائی جاتی ہوں تو اُن کے مبہمات یا مجملات کو واضح عبارتوں کے تابع کر کے مبہمات کی تفسیر کی جا سکتی ہے، لیکن اگر صرف مجملات ہی ہوں جن سے مسئلہ کے دونوں پہلو نکل سکتے ہوں یا واضح ہوں مگر مخالف پہلو صاف اور نمایاں ہو جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو پھر اپنے مفہوم کو سامنے رکھ کر مخالف پہلو اختیار کرنے والوں پر ایسی نکیر کی گنجائش نہ ہوگی جو مخالف پہلو کے ناممکن ہونے کی صورت میں کی جا سکتی تھی، کیوں کہ اس صورت میں یہ تفصیلاتی یا کیفیاتی اختلاف ایک علمی اور نظری اختلاف ہوگا، جسے مسلکی اختلاف سے تعبیر نہیں کیا جا سکے گا، جس کے معنی یہ ہوں گے کہ مسئلہ کی تفصیلات میں ایسے اختلاف کی گنجائش ہے، جو علماء میں ہر وقت ہو سکتا ہے۔ البتہ عوام سے ایسے اختلافات کا کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ صرف نفس مسئلہ اور اُس کے قدرِ مشترک کے مکلّف ٹھہرائے جاتے ہیں، جو مسلک کی بنیاد ہوتا ہے، اسی لیے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں زیر نظر مصالحت اور مفاہمت باہمی کی بنیاد تفاصیل مسئلہ کے اختلافی پہلوؤں سے الگ رہ کر نفس مسئلہ کے قدر مشترک پر رکھی گئی جو فریقین کے نزدیک قابل قبول ہوگی جیسا کہ آئندہ مفاہمت کی عبارت کے متن سے واضح ہوگا۔ اتفاق سے وقت کے بعض فضلاء دیوبند نے اس مسئلہ کی تفصیلات میں کچھ اسی قسم کا اختلاف فرمایا جس کا مبنی متقدمین کی ایسی ہی عبارتیں یا نصوص کے مدلولات کی اسی قسم کی تعبیرات ہیں، جن کے ہوتے ہوئے اختلاف رائے کی گنجائش کلیۃً مسلوب نہیں

سمجھی جاسکتی۔ جس کا ظہور تین چار سال سے ہوا۔ یہ اختلاف رائے مضر نہ ہوتا لیکن سوئے اتفاق سے یہ اختلاف اسٹیج پر آ گیا، اور اس میں ردوقدح کی صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ عوام کو بھی اس سے دلچسپی پیدا ہوگئی، اور آخر کار اس مسئلہ کی بحث علماء سے گذر کر عوام میں ان کے رنگ سے پھیل گئی جس سے قدرتاً اس اختلاف نے نزاع وجدال کی باہمی صورت اختیار کر لی، گروپ بندی شروع ہوگئی اور یہ بحث آخر کار جماعتی فتنہ کی صورت میں آ گئی جس سے مسئلہ تو ایک طرف گیا اور فساد آگے آ گیا۔ اور خود جماعت دیوبند میں تفریق، تفرق اور تخریب کے آثار نمایاں ہونے لگے، جانبین سے رسالے لکھے گئے، اخباری بحثیں چھڑ گئیں، جس سے جماعت کی اجتماعی قوت کو سخت نقصان پہنچ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر اور اخبارات و رسائل سے ان مناقشات کی خبریں معلوم کر کے دل زخمی ہوتا رہا، اور جوں جوں یہ فتنہ بڑھتا گیا ؤوں ؤوں دل کا غم بھی ترقی کرتا گیا دلی آرزو تھی کہ کسی طرح فتنہ نزاع وجدال کی یہ صورت ختم ہو جائے۔ حسن اتفاق سے ۲۶/اپریل ۱۹۶۲ء کو احقر کو پاکستان حاضر ہونے کا اتفاق ہوا، اور اس ماہ میں بزمانۂ قیام لاہور جناب محترم مولانا غلام اللہ خاں صاحب، اور محترم مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری احقر سے ملاقات کے لیے قیام گاہ پر تشریف لائے۔ دورانِ ملاقات احقر نے اس نزاع وجدال کا شکوہ کرتے ہوئے اس صورتِ حال کے مضر اثرات کی طرف توجہ دلائی، اور عرض کیا کہ یہ صورت بہر نہج ختم ہونی چاہیے جبکہ یہ مسئلہ کوئی اساسی مسئلہ نہیں ہے کہ اسے ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے اسٹیج پر لایا جائے۔ اور اس کی وجہ سے تفریق تفرق وتخریب کے ان مضر اثرات کو نظر انداز کیا جاتا رہے، کیا ہی اچھا ہو کہ یہ مسئلہ یا تو اسٹیج پر آئے ہی نہیں اور اگر اتفاقاً آجائے تو اسکا عنوان نزاعی نہ رہے، اس پر اُن دونوں بزرگوں نے نہایت مخلصانہ اور درد انگیز لہجہ میں کہا کہ ہم خود بھی اس صورت حال سے دل گرفتہ ہیں اور دلی تنگی محسوس کرتے ہیں، کاش آپ (احقر) ہی درمیان میں پڑ کر اس نزاع کو ختم کرا دیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کے سوا یہ قصہ کسی دوسرے کے بس کا ہے بھی نہیں۔ اس بارہ میں آپ کی اب تک کی تحریرات نہایت معقول انداز سے سامنے آئی ہیں، جن کو دونوں فریق نے احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے اب بھی اس بارے میں آپ کی مساعی احترام وقبول کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔ احقر کو ان مخلصانہ جملوں سے نزاع کے ختم ہونے کی کافی توقع پیدا ہوگئی اور ارادہ کر لیا گیا کہ فریقین کے ذمہ دار حضرات سے مل کر کوئی مفاہمت کی صورت پیدا کی جائے، چنانچہ جواب میں یہی عرض کیا گیا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب دام مجدہٗ شیخ الحدیث مدرسہ خیر المدارس ملتان سے مل کر میں اس سلسلے میں کوئی رائے قائم کروں گا۔ کراچی پہنچ

کر احقر نے اس سلسلے میں مولانا غلام اللہ خاں صاحب سے مراسلت شروع کی تا کہ معاملہ کے ابتدائی مبادی طے ہوسکیں۔ظاہر ہے کہ کسی دینی مسئلہ میں مفاہمت کے معنی خلاف دیانت رائے تبدیل کردینے یا مسئلہ کو کم وبیش کر کے کسی اجتماعی نقطہ پر آجانے کے تو ہو ہی نہیں سکتے۔اس لیے طریق مفاہمت اور فریقین کے لیے نقطہ اجتماع ذہن میں یہ آیا کہ اولاً یہ مسئلہ عوام میں لایا ہی نہ جائے اور اگر بیان مسئلہ کی نوبت آئے تو اس کا قدر مشترک پیش کر کے اس کی تفصیلات اور اختلافی خصوصیات پر زور نہ دیا جائے بلکہ عوام کو ان کی گہری خصوصیات میں پڑنے سے روکا جائے تو کم از کم عوام میں سے یہ نزاعی صورتیں ختم ہو جائیں گی جو مضر ثابت ہورہی ہیں۔پھر اگر علماء کی حد تک تفصیلات میں کچھ اختلاف باقی بھی رہ جائے جس کا عوام سے کوئی تعلق نہ ہو تو گروپ بندی کے مضر اثرات ختم ہو جائیں گے جو فتنہ کی اصل بنے ہوئے ہیں،اس لیے احقر نے اپنی محدود معلومات کی حد تک اس مسئلہ کے قدر مشترک کا ایک عنوان تجویز کر کے مولانا ممدوح کو لکھا کہ وہ اس بارے میں اپنی رائے ظاہر فرمائیں تا کہ دوسرے حضرات کی رائے بھی حاصل کی جاسکے۔اس عریضہ کا جواب مجھے ملتان پہنچ کر مدرسہ خیر المدارس میں ملا جس میں مولانا غلام اللہ خاں نے احقر کے عنوان کو رد کیے بغیر خود بھی ایک عنوان لکھ کر بھیجا،اس موقع پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب،مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور دوسرے معتمد علماء جمع تھے،جن کے سامنے احقر نے اپنا منصوبہ اور یہ دونوں عنوان رکھ کر گفتگو کی۔طے یہ پایا کہ قیام ملتان کی قلیل مدت اس مسئلہ کے لیے کافی نہیں ہے اور بعض ضروری افراد بھی یہاں موجود نہیں،اس لیے اس مسئلہ پر گفتگو جہلم کے قیام میں رکھی جائے اور وہاں ایک مستقل دن اس کام کے لیے فارغ رکھا جائے،اور ساتھ ہی احقر نے ملتان ہی سے اپنی تقریروں میں اس منصوبے کے لیے فضا ہموار کرنی شروع کردی۔

ملتان،جہلم،سرگودھا اور راولپنڈی میں خصوصیت کے ساتھ اس بارہ میں اصلاحی عنوانات اختیار کئے گئے،احقر نے اس سلسلے میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری سے جہلم تشریف لے چلنے کے لیے عرض کیا،جس کو ان حضرات نے بخوش دلی منظور فرمالیا،مقررہ تاریخ پر یہ سب حضرات جہلم میں جمع ہوگئے اور مسئلہ حیات النبی ﷺ کا قدر مشترک زیر غور آیا،طے یہ پایا کہ قدر مشترک کم از کم اتنی تفصیل ضرور لیے ہوئے ہونا چاہیے جس سے مسئلہ کے تمام بنیادی گوشوں پر روشنی پڑ سکے،اور عوام بطور عقیدہ کے اُسے سمجھ سکیں۔

چنانچہ گفتگو کے بعد ایک جامع تعبیر احقر نے قلمبند کی اور ارادہ کیا گیا کہ راولپنڈی میں ان حضرات

ممدوحین کی موجودگی میں دوسری جانب کے ذمہ دار حضرات مولانا غلام اللہ خاں صاحب، مولانا قاضی نور محمد صاحب، مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کو جمع کر کے اس منصوبہ اور مجوزہ عنوان پر گفتگو کی جائے اور اس مسئلہ کا آخری طور پر فیصلہ کر دیا جائے۔

چنانچہ ۲۲، جون ۱۹۶۲ء یوم جمعہ دونوں جانب کے یہ سب بزرگ احقر کی قیام گاہ (مدرسہ حنفیہ عثمانیہ) میں جمع ہو گئے، اس مجلس میں احقر نے اس معاملہ کی اول سے آخر تک ساری روداد بیان کر کے مسئلہ کا وہ منقح قدر مشترک دونوں جانب کے ان ذمہ دار حضرات کے سامنے رکھا۔ گفتگو نہایت دوستانہ اور مخلصانہ ماحول میں ہوئی اور ختم مجلس تک الحمدللہ یہی ماحول قائم رہا۔ نہ اس میں ہار جیت کے جذبات تھے نہ غلبہ و مغلوبیت کے تصورات تھے بلکہ مسئلہ کو سلجھانے اور نمٹانے کے جذبات نمایاں تھے اور آخری نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں حلقوں نے احقر کی پیش کردہ قدر مشترک کے عنوان کو قبول کر لیا اور اس قدر مشترک تحریری یادداشت پر جو احقر نے اپنے دستخط سے پیش کی، فریقین نے دستخط فرما دیئے۔ اس یادداشت کا متن بلفظہ حسب ذیل ہے:

''عامۂ مسلمین کو فتنۂ نزاع و جدال سے بچانے کے لیے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں یہ (عنوان) مسئلہ کا قدر مشترک ہوگا، ضرورت پڑنے پر اسی کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات پر زور نہ دیا جائے، عبارت حسب ذیل ہے:

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

① احقر محمد طیب وارد حال راولپنڈی

۲۲، جون ۶۲ء

② (مولانا قاضی) نور محمد خطیب جامع مسجد

قلعہ دیدار سنگھ

③ لاشئی (مولانا) غلام اللہ خاں ④ (مولانا) محمد علی جالندھری

مختصر عبارت کی کافی تفصیل چونکہ قاضی شمس الدین (برادر مولانا قاضی نور محمد صاحب) اپنے مکتوب

میں لکھ کر مولانا صاحب جالندھری کے پاس بھیج چکے تھے، اس لیے بحث بالا اُن کی مسلمہ ہے، بنابریں اس عبارت پر ان کے دستخط کرانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی عبارت بالا کو اُن کا مسلمہ سمجھا جائے۔

چونکہ اس موقع پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری بوجہ علالت راولپنڈی تشریف نہ لا سکے، اس لیے احقر کے عرض کرنے پر اور مسودہ پیش کرنے پر حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ صاحب نے اُن کے بارے میں حسب ذیل تحریر دستخط کر کے بندہ کو عنایت فرمائی جس کا متن بلفظہ حسب ذیل ہے:

> غلام اللہ خاں صاحب اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے بھی اس تحریر (مندرجہ بالا) پر دستخط کرائیں۔ جس پر ہم نے دستخط کئے ہیں، اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کر دیں گے، نیز اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات النبی ﷺ پر تقریر نہ کرائیں گے اور اگر اس مسئلہ میں وہ کوئی مناظرہ وغیرہ کریں گے تو ہم اس بارے میں ان کو مدد نہ دیں گے۔
>
> ① نور محمد خطیب قلعہ دیدار سنگھ
>
> ② لاشئی غلام اللہ خاں (۲۲، جون ۱۹۶۲ء)

اس تحریر پر ہر دو دستخط کنندہ بزرگوں کی حق پسندی اور حق گوئی ظاہر ہے، باوجودیکہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے ان بزرگوں کے قوی ترین تعلقات اور مخلصانہ روابط ہیں مگر اس بارہ میں انہوں نے کسی رُو رعایت سے کام نہیں لیا جس سے ان کی انصاف پسندی اور دین کے بارے میں بے لوثی نمایاں ہے۔

تاہم سید صاحب ممدوح کے بارے میں مجھے اپنی معلومات کی حد تک یہ عرض کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ وہ برزخ میں انبیاء کی حیات جسمانی کے کلیۃً منکر نہیں ہیں صرف اس کی کیفیت اور نوعیت میں کلام کرتے ہیں، ایسے ہی وہ حاضرین قبر شریف کے درود وسلام کے حضور ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچنے اور آپ ﷺ کے سننے کا بھی علی الاطلاق انکار نہیں کرتے، بلکہ اس کے دوام اور ہمہ وقتی ہونے کے قائل نہیں ان کا یہ نا تمام اقرار چونکہ ان کی مفہومہ حجت سے ہے اس لیے انہیں اس بارے میں منکر نہیں کہا جائے گا بلکہ مؤول سمجھا جائے گا، گو ان کی یہ تاویل بمقابلہ جمہور اس ناچیز اور ہر دو دستخط کنندہ بزرگان ممدوحینِ بالا کے نزدیک قابل تسلیم نہیں لیکن مذکورہ صورتِ حال کے ہوتے ہوئے جبکہ ان کا یہ اختلاف حجت سے ہے، ان پر کسی قسم کی ملامت یا انہیں مطعون کرنا یا تشنیع کرنا کسی طرح قرین انصاف وصواب

نہیں بالخصوص جبکہ وہ دوسرے مسائل میں بحیثیت مجموعی اہل دیوبند اور اہل سنت والجماعت کے حامی اور خادم بھی ہیں، اس لیے انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر سکوت اختیار کر لیا جانا ہی قرینِ مصلحت اور جانبین کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ ساتھ ہی مجھے اپنے محترم سید صاحب ممدوح سے بھی پوری توقع ہے اور اُمید رکھنی چاہیے کہ وہ مسئلہ حیات کی ان تفصیلات میں جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کا احترام قائم رکھنے کے لیے اپنے کسی خصوصی مفہوم کو (خواہ وہ اُن کی دانست میں مفہوم اہل سنت والجماعت ہی ہو مگر جمہور علماء کے نزدیک وہ ان کا خصوصی مفہوم شمار کیا جا رہا ہے اور خواہ وہ کتنی بھی دیانت پر مبنی ہو) ضروری الاشاعت نہ سمجھتے ہوئے سکوت کو کلام پر ترجیح دیں گے۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا اساسی اور بنیادی عقائد کا نہیں ہے کہ اس میں سکوت روا نہ رکھا جائے۔

اسی طرح عام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ مسائل اور اُن میں علماء کے جزوی اختلافات کو مناقشات اور جدال و نزاع کا ذریعہ نہ بنائیں، اس قسم کے اختلاف امت کے لیے آسانیوں کا ذریعہ بنائے گئے ہیں نہ کہ نزاعات اور مناقشات کا، اس لیے عملاً و اعتقاداً جمہور سلف و خلف کا دامن تھام کر دوسری جانبوں سے مصالحت اختیار کریں، لڑنے اور لڑانے کی خو پیدا نہ کریں۔ آج اُمت کے بہت سے اہم اور بنیادی مسائل ہیں جو ان کی ہیئت اجتماعی کے متقاضی ہیں اور یہ ہیئت جب ہی برقرار رہ سکتی ہے کہ اسے اس قسم کے فروعی اختلافات میں بصورت گروہ بندی ضائع نہ کیا جائے۔

آخر میں مَیں دونوں جانب کے بزرگوں، اور بالخصوص فریقین کے نامبردہ اکابر کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ناچیز کی گزارشات کو پوری توجہ اور التفات خاطر اور سمع قبول کے ساتھ سنا، اور ملت کو بہت سے مفاسد اور مہالک سے بچا لیا، **فجزاهم الله عني وعن جميع المسلمين خير الجزاء**۔

اس نئی اصلاحی صورت کا سب سے زیادہ شاندار مظاہرہ راولپنڈی کے اس عظیم الشان جلسہ عام میں ہوا جو احقر کی تقریر کے سلسلے میں مدرسہ حنفیہ عثمانیہ کے زیر اہتمام ایک بڑے میدان میں زیر صدارت حضرت مولانا خیر محمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ خیر المدارس ملتان منعقد کیا گیا تھا۔ احقر کو منظوم سپاسنامہ دینے سے جلسہ کا آغاز ہوا، اور احقر کی تقریر شروع ہوئی جو تقریباً ڈھائی گھنٹے جاری رہی۔ تقریر کے آخر میں احقر نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے اس نزاع کے ختم ہونے کی بشارت تفصیل سے سنائی، جس سے عوام میں خوشی کی ایک بے پناہ لہر دوڑ گئی، اور اُن ہزار ہا انسانوں کے ہجوم نے بے تحاشا تبریک و تہنیت کے نعرے لگانے شروع کر دیئے جس سے فضا گونج اٹھی۔ ختم تقریر پر ایک جانب سے مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اور دوسری جانب سے مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے اپنی تقریروں سے اس بیان

کی توثیق کی اور نہایت فراخدلانہ اور مخلصانہ لب ولہجہ سے فرمایا کہ ہم نے مہتمم دارالعلوم کے درمیان میں پڑ جانے سے اس مسئلہ کی نزاعی صورت حال کو ختم کر دیا ہے اور جو چیز ہمیں ناممکن نظر آرہی تھی وہ اس شخصیت (احقر ناکارہ) کے درمیان میں آجانے سے نہ صرف ممکن ہی بن گئی بلکہ واقعہ ہو کر سامنے آگئی۔ اور ہم کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس مہم کو مہتمم دارالعلوم ہی کی شخصیت انجام دے سکتی تھی، جس میں ایک طرف دارالعلوم دیوبند جیسے علمی و مذہبی مرکز کی سربراہی کی نسبت موجود ہے جو ہم سب کا مرکزِ قلوب ہے اور دوسری طرف بانی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کی وہ قاسمی نسبت موجود ہے جو پوری قاسمی برادری کو اس پر متحد کئے ہوئے ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے سوا دوسرے سے یہ مہم انجام نہیں پا سکتی تھی۔

بہرحال ہم نے اس نزاع کو ختم کر دیا ہے، اور ہم اس بارے میں عوام کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔

ان دو تقریروں کے بعد یہ ہزاروں آدمیوں کا عظیم اجتماع جذباتِ مسرت سے اُبل پڑا، اور اس نے ''مہتمم دارالعلوم زندہ باد''۔ ''دارالعلوم دیوبند زندہ باد'' اور ''علماءِ دیوبند زندہ باد'' کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کئے۔ کئی منٹ تک فضا نعروں سے گونجتی رہی، اور مجمع میں جذبات مسرت کی ایک عجیب حرکت تھی جس سے مجمع متموج دریا کی طرح متحرک نظر آرہا تھا اور نعروں میں، تقریریں بند ہو گئیں۔ بالآخر جلسہ شاندار کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ اور جو تحریک احقر کے قلم سے کراچی سے شروع ہوئی تھی، وہ ملتان، سرگودھا، جہلم میں اپنے مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی راولپنڈی میں حدِ اتمام تک پہنچ گئی۔ خدائے برتر و توانا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ چار سال کی مکدر فضا صاف ہوئی۔ حق تعالیٰ اس یگانگت کو پائیدار اور برقرار رکھے، اور مسلمانوں کو توفیق عطاء فرمائے کہ وہ دین وملت کے اہم کاموں کو جزئیاتِ فرعیہ کے مقابلے میں اہم سمجھتے ہوئے اپنی جماعتی قوتوں کو ان پر لگائیں۔ (احقر محمد طیب غفرلہ، ۲۶/۶/۲۴)[1]

مولانا احمد سعید خان کا ایک توبہ نامہ

(تشدد، توہین وتنقیص کو جنم دیتا ہے)

مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۹۰ء کو مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی خصوصی نگرانی میں تیار کردہ

---

[1] محمد طیب، حضرت مولانا رقاری رماہ نامہ ''دارالعلوم'' ستمبر ۱۹۶۳ء رصفحہ ۱۱ تا ص ۱۷ ردیوبند، انڈیا

نوٹ: یہ مفصل مضمون حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ نے پاکستان میں اپنے تبلیغی دوروں کے دوران مختلف مقامات پر مکمل فرمایا تھا، حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ کا کہنا تھا کہ اس کی آخری سطور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں لکھی گئی تھیں۔ (خطبات مشاہیر جلد اوّل، صفحہ ۲۶۸، مطبوعہ ۲۰۱۵ء)

خطیب مولانا احمد سعید خان صاحب ککڑھٹوی نے دوران خطاب بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں سخت توہین کا ارتکاب کیا تھا اور آیت ان الذین یکتمون مَا انزلنا الخ (پارہ نمبر ۲ آیت نمبر ۱۵) کا مصداق العیاذ باللہ حضور نبی کریم ﷺ کو قرار دے دیا۔ جب ان کو متوجہ کیا گیا تو اولاً تو انہوں نے نہ صرف اس کا سرے سے انکار کر دیا تھا بلکہ متوجہ کرنے والے علماء کرام کو ہی بارگاہ رسول ﷺ میں توہین کا مرتکب قرار دے ڈالا تھا، جیسا کہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''بتاریخ ۸ جنوری ۱۹۹۰ء بروز بدھ کو بعض ثعلب کردار، معلول طبع ملاؤں کی طرف سے شائع کردہ ایک اشتہار دیکھنے میں آیا بعنوان ''حضور ﷺ کی ذاتِ عالی پر ظلم'' اس میں میری کبیر والا جمعہ پر تقریر کی کیسٹ کے حوالے سے عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے صریح غلط اور جھوٹ پر مبنی پروپیگنڈا میرے ذمہ لگانے کی کوشش کی گئی اور ان الفاظ کے ساتھ حوالہ دیا ہے کہ کیسٹ میں اس بدنصیب نے آیت ان الذین یکتمون مآ انزلنا الخ میں مذکور اللہ پاک اور تمام مخلوق......توبہ توبہ استغفر اللہ، ایسے گندے عقیدے سے ہزار بار توبہ، مجھے بدنام کرنے کی خاطر ان مریضانِ قلب نے حضور نبی ﷺ کی ذات منورہ کو بھی ملحوظِ خاطر نہ رکھا......ایسا تصور بھی اگر دِل میں آئے تو ہم ہزار بار توبہ کرنے کو تیار ہیں۔

فقط العبد الافقر الی الا کبر، احمد سعید عفی عنہ''۔

مگر اس کے کچھ دن بعد خان صاحب کا دوسرا خط شائع کر کے تقسیم کیا گیا کہ جس میں اقرارِ جرم کے ساتھ معافی و معذرت اور توبہ کا کھلا اقرار بھی موجود تھا، متن ملاحظہ کیجیے۔

''تمام مسلمانوں کو اطلاعاً عرض ہے کہ کافی عرصہ پہلے کی میری ایک تقریر جو کسی جمعہ کے موقع پر میری اپنی جامع مسجد واقع کبیر والہ میں ہوئی تھی۔ اس تقریر پر مشتمل کیسٹ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ ضلع ڈیرہ غازی خان سے بعض مخلص اہل علم احباب کی طرف سے مجھے موصول ہوئی، بندہ نے خصوصی توجہ کے ساتھ کیسٹ کو سُنا تو معلوم ہوا کہ مجھ سے غیر شعوری طور پر دورانِ بیان نبی کریم ﷺ کی ذات منورہ سے متعلق ایک انتہائی درجہ گستاخانہ غلطی واقع ہوئی ہے جس سے عوام و خواص مسلمین کی ہلاکت و پریشانی کے علاوہ خود اپنے ایمان کی ہلاکت کا خطرہ موجود تھا چنانچہ بندہ اعلان کرتا ہے کہ میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اور اپنے مالک کی طرف سچے دل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رجوع کرتے ہوئے آئندہ کے لیے بھی اور گزشتہ غلطی پر بھی نادم ہو کر ہزار بار توبہ کرتا ہوں۔ اللہ کریم حضور نبی کریم ﷺ کی

توہین و بے ادبی سے بچائے رکھے استغفر اللہ واتوب الیہ۔ یہ کیسٹ سن کر جن مسلمانوں کو میرے متعلق وہم بھی ہوا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی توہین کا ارادہ کیا تھا، میں اُن سے بھی معافی چاہتا ہوں اور جن حضرات نے مجھے اس طرف توجہ دلائی ہے، ان کو اللہ کریم جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین۔

احمد سعید عفی عنہ، از جامعہ احیاء السنۃ کبیر والا، رجب ۱۹۹۰ء

صرف مولانا احمد سعید خان ہی کہا، آنے والے وقتوں میں اشاعت التوحید نے ایک بڑی تعداد میں منہ زور اور بے لگام واعظین کو جنم دیا کہ جنہوں نے افتراق وتشتت کی جان و ایمان لیوا وبا پورے ملک میں پھیلا دی، اور یہ سب کچھ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی متشددانہ طرزِ عمل کا منفی نتیجہ تھا، ایسے میں جو امیدیں اور توقعات حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ نے شاہ صاحب سے وابستہ کی تھیں، وہ سب کی سب مایوسیوں میں تبدیل ہوگئی تھیں۔ اب اس بحث کے آخر میں اُس واقعہ کے اصلی سبب کا بھی جائزہ لے لیا جائے کہ جس میں شاہ صاحب اور مولانا محمد علی جالندھری کے مابین طمانچوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ ابتداء کس کی جانب سے ہوئی؟ طمانچہ مارنے کی وجہ اشاعتی حضرات کی جانب سے کون سی بیان کی جاتی ہے؟ اور مولانا محمد جالندھریؒ خود کیا بیان فرماتے تھے؟ اہم اور نہایت نادر ریکارڈ کی مدد سے صحیح صورت حال ملاحظہ کیجیے۔

قائد اہل سنت نے مصالحتی تحریر پر دستخط کیوں نہیں کئے تھے؟ ایک تاریخی انکشاف

راولپنڈی میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی صدارت میں فریقین کے درمیان جو مصالحت ہوئی تھی، اس اجلاس میں جانبین سے تمام بڑے حضرات شامل ہوئے اور حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ کے تحریر کردہ مصالحت نامہ پر تمام شرکاء اجلاس نے دستخط کر دیئے تھے مگر قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نے یہ کہہ کر دستخط کرنے سے انکار فرما دیا تھا کہ جب تک مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری ''المہند علی المفند'' کتاب کی اہمیت کو تسلیم نہیں کرتے اور بذات خود اجلاس میں شریک نہیں ہوتے تب تک یہ مصالحتی فیصلہ بے سود ہے۔ کیونکہ اصل قضیے کے موجد ہی حضرت شاہ صاحب گجراتی ہیں۔ اس کے بعد بعینہ یہی موقف آپ کا ملتان میں بھی تھا۔ چنانچہ ایک جہان مشاہدہ کر رہا ہے اور مکتب فکر دیوبند کا ہر ذمہ دار فرد اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ واقعی شاہ صاحب نے اس فیصلے کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے تھے اور وہ ایک الگ فریق بنانے اور اسے چلانے میں ہی ساری عمر صرف کرتے

رہے۔ ہمارے اس دعوی پر بطور دلیل قائد اہل سنت کا وہ خط ہے جو آپ نے حضرت مولانا قاری قیام الدین صاحب الحسینی (پنڈ دادنخان) کے ایک استفسار کے جواب میں لکھ کر ارسال فرمایا تھا، مولانا الحسینی صاحب کا استفسار اور قائد اہل سنت کا جواب پڑھیے۔

رفیع المرتبت، کرم فرمائے مخدوم ومکرم حضرت قاضی صاحب دامت برکاتہم ھدیہ مسنون! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

عرض اینکہ اشاعت التوحید والسنۃ لالہ موسیٰ کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتاب ''خس کم جہاں پاک'' صفحہ نمبر ۳۹ پر جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مرحوم کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کو تھپڑ اس لیے رسید کیا تھا کہ انہوں نے حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں بدزبانی کی تھی آپ سے درج ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

① آپ بذات خود اس موقع پر موجود تھے، ایسا واقعہ کہاں اور کب پیش آیا؟

② حضرت جالندھری رحمہ اللہ کے متعلق ایسا تصور کرنا بہت مشکل ہے تاہم وضاحت فرمائیں کہ حضرت جالندھری رحمہ اللہ کے ایسے آخر کون سے الفاظ تھے؟ جنہیں بخاری مرحوم نے مولانا حسین علی کی شان میں بدزبانی قرار دیا ہے؟ باری تعالیٰ آپ جیسے شفیق ومہربان اکابر کا سایہ تادیر قائم ودائم رکھے۔ مناسب ہو تو جواب (ماہ نامہ) حق چار یارؓ میں شائع ہو جائے۔ بے شمار لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جائے گی[1]۔

وضاحت پر مشتمل قائد اہل سنت کا جوابی مکتوب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ طالب خیر بخیر ہے۔ حالات حسب ذیل ہیں:

① حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فریقین مصالحت کے لیے جمع ہوئے تھے۔ اجلاس خیر المدارس کے دفتر میں تھا، حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بھی اس اجلاس کے لیے بلا لیا تھا۔

② دفتر سے متصل کتب خانہ میں مَیں بعض کتابیں دیکھ رہا تھا کہ اچانک شور ہوا، میں جلدی جلدی

---

[1] قیام الدین الحسینی، مولانا، مکتوب بنام قائد اہل سنتؒ، ۲۲ جون ۱۹۹۹ء از پنڈ دادنخان

دفتر میں گیا تو سکون تھا، فریقین خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو کوئی بھی بات بتا نہیں رہا تھا۔ بعد میں اتنا معلوم ہوا کہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب نے مولانا جالندھری کو تھپڑ مارا تھا، جس کے بعد مولانا سید محمد امین شاہ صاحب مخدوم پور والوں اور ان کے شاگرد مفتی عطا اللہ صاحب (حال اوکاڑا) نے دفتر میں جا کر فریق ثانی کو مکے مارے۔

③ یہ بات تو ناممکن ہے کہ مولانا جالندھری نے حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہی ہو، کیونکہ حضرت مولانا موصوف حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع صلوٰۃ وسلام کے قائل تھے اور یہ بات بھی سنی ہے کہ ایک مرتبہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری پر کوئی مقدمہ بنا تو آپ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو انہوں نے آپ کو قصیدہ بردہ کے اس شعر کا ورد بتایا تھا۔

هو الحبيب الذي ترجى شفاعته

لكل هولٍ من الاهوال منتقم

(مولانا) جالندھری اور بخاری (سید عنایت اللہ شاہ صاحب) کے مابین کوئی بات مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہی ہوئی ہوگی واللہ اعلم۔

④ دوران گفتگو میں نے شاہ صاحب سے پوچھا تھا کہ آپ کے نزدیک ''المہند'' میں کونسا مسئلہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے؟ تو وہ بالکل خاموش رہے۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔ دراصل فریق ثانی کا مقصد باہمی مصالحت تھی کیونکہ حضرت مولانا قاری محمد طیب کے فیصلے سے ان کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ ان میں خوف پیدا ہو گیا تھا، اب حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں جب مصالحت نامہ لکھا گیا اور فریقین نے اس پر دستخط کر دیئے مگر میں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا، مولانا غلام اللہ خان نے اصرار کیا کہ آپ بھی دستخط کر دیں لیکن میں نے فریقین کے سامنے کہا کہ جب تک شاہ صاحب بخاری المہند کو نہیں مانتے میں اس صلح کو صحیح نہیں سمجھتا اور واقعات شاہد ہیں کہ بعد میں اس وقتی مصالحت نامہ کی بھی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ اللہ الہادی۔

اس اجلاس میں فریق ثانی کی طرف سے مولانا قاضی شمس الدین بھی موجود تھے میرے علاوہ فریقین کے پانچ پانچ افراد تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو اکابر علماء دیوبند کے سنی مسلک حق پر قائم و

دائم رکھے اور اپنی مرضیات کی توفیق دے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔ والسلام[1]

مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے مابین طمانچوں کا تبادلہ کس وجہ سے ہوا تھا؟ ایک تاریخی انکشاف

مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب اور ان کے رفقاء کا یہ ڈھنڈورا پیٹنا کہ چونکہ مولانا محمد علی جالندھریؒ نے حضرت مولانا حسین علی واں بچھروی کی جناب میں نازیبا کلمات کہے تھے، اس لیے شاہ صاحب بخاری گجراتی نے برداشت نہ کرتے ہوئے جالندھری صاحب کو طمانچہ رسید کر دیا تھا، بالکل خلافِ حقیقت ہے اور مولانا قاری قیام الدین الحسینی کے جواب میں قائد اہل سنت نے بھی اس کا جواب کسی حد تک نامکمل دیا ہے، ہماری رائے میں اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں، اولاً یا تو یہ کہ قائد اہل سنت نے کسی مصلحت کی بناء پر یہ وضاحت دینا مناسب نہ سمجھا ہو، کیونکہ بعض تاریخی حقائق کو طشت از بام کرنے کے حوالہ سے آپ نہایت حساس مزاج واقعہ ہوئے تھے۔ ثانیاً یا یہ قائد اہل سنت کا ذہول ہو اور غلبہ نسیان کی وجہ وہ پورا واقعہ آپ کے حافظہ میں نہ ہو، جس تاریخی واقعے کا آپ مستقل ایک حصہ تھے یہ دوسری وجہ زیادہ معتبر ہو سکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ متذکرہ خط ۱۹۹۹ء کے دور کا ہے اور یہ حیاتِ قائد اہل سنت کے اواخر ماہ وسال تھے۔ تب بدن میں ضعف غالب تھا اور حافظہ بھی غیر حفاظتی صورت حال کا شکار تھا اس لیے آپ مکمل صورتحال درج نہ کر سکے، لیکن ہمیں حضرت قائد اہل سنت کے ہی علمی متروکات سے اُسی زمانہ کا ایک مفصل خط مل گیا ہے جو خود صاحب معاملہ یعنی مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور حضرت جالندھری مرحوم نے بدستِ خود یہ بات درج فرمائی کہ شاہ صاحب نے ان پر ہاتھ کیوں اٹھایا تھا اور جواب میں مولانا جالندھری نے بھی شاہ صاحب کو تھپڑ کیوں مارا تھا؟ یاد رہے کہ اب تک یک طرفہ طمانچہ کا ذکر ہی ہوتا آیا ہے اور جوابی وار کو شاید اپنی ''بہادری'' پر پردہ ڈالنے کے لیے عوام میں بیان نہیں کیا جاتا تھا، مگر متذکرہ انکشاف میں جو تفصیلی روداد پیش خدمت ہے وہ ملاحظہ کر کے تاریخ کا ایک طالب علم اپنی معلومات میں اضافہ کر کے قلبی فرحت محسوس کرے گا، پڑھیے۔

---

[1] مظہر حسین، قاضی مولانا، قائد اہل سنت رمکتوب بنام مولانا قاری قیام الدین الحسینی، مرقومہ ۲۴ جون ۱۹۹۹ء، از چکوال

☆ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ آپ بیتی یوں رقم کرتے ہیں:

① اکثر دوست معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ حیات کی نسبت ملتان میں کیا ہوا؟ پانچ سال کی روداد تو پھر شائع کروں گا۔ سرِ دست اجمالاً تحریر کرتا ہوں۔ میرے نزدیک سید عنایت اللہ شاہ کا عقیدہ خلاف اجماع اور خلاف اکابر دیوبند ہے اس لیے میرا مطالبہ یہ تھا کہ ثالثی کے ذریعہ فیصلہ کرایا جائے یا شاہ صاحب اعلان کر دیں کہ وہ اکابر کا عقیدہ کتاب وسنت کی روشنی میں صحیح نہیں سمجھتے۔ تاکہ عوام ان کے خلافِ اجماع عقیدہ کو اکابر دیوبند کا عقیدہ نہ سمجھیں۔ مولانا غلام اللہ خان سے نزاع یہ تھا کہ وہ صاف اعلان کریں کہ مسئلہ حیات میں وہ سید عنایت اللہ شاہ کے ساتھ متفق ہیں یا ان سے کوئی اختلاف ہے۔

② ۳۰ جولائی ۱۹۵۷ء صبح مدرسہ خیر المدارس میں جب میں مع بعض مبلغین ختم نبوت حاضر ہوا تو مولانا غلام اللہ خان، مولوی عنایت اللہ مع اپنی جماعت پہنچ گئے اور یہ حضرات مولانا خیر محمد کے پاس کمرہ میں چلے گئے، میں نے اپنے مبلغین سے کہا کہ آپ یہاں باہر بیٹھیں، میں مولانا خیر محمد سے طے کرلوں کہ گفتگو میں دونوں فریق سے وہ لوگ شریک شامل ہوں گے جو اصل صلح یعنی عبارت نمبر ① کو تسلیم کرلیں صلح نمبر ① سے مراد راولپنڈی میں مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کا تحریر کردہ وہ صلحنامہ ہے کہ جس کی رو سے لکھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کے جسد عنصری میں جو روضہ اقدس میں موجود ہے بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ پر حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کا سلام سنتے ہیں۔ ہماری طرف سے میں اکیلا تھا، ان کی طرف سے پانچ کس موجود تھے، مولانا خیر محمد صاحب سے جب میں نے عرض کیا کہ جو شخص عبارت نمبر ① تسلیم کرے وہ عبارت نمبر ② میں ترمیم کی گفتگو کر سکتا ہے، دوسرا نہیں۔ بحث اس پر ہوگی کہ قاری صاحب کا جو خط مولانا خیر محمد صاحب کے نام ہے، اس کا مفہوم کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبارت نمبر ② کی جگہ کوئی اور تجویز کی جائے اور اس وقت نمبر ② کا التواء ہے، دوسرا فریق کہتا تھا کہ یہ التواء نہیں، تنسیخ ہے۔ اس بحث میں بندہ نے کہا کہ آپ قاری صاحب کی عبارت میں اس طرح تحریف کرتے ہیں جس طرح قرآن کی آیات میں کرتے ہیں، اس پر سید عنایت اللہ شاہ نے میرے منہ پر تھپڑ مارا، آپ لوگ اندازہ لگائیں کہ یہ دست درازی کن

لوگوں کا کام ہے؟ دراصل سید عنایت اللہ کو اس بات کا غصہ تھا کہ میں نے مولوی غلام اللہ خان سے لکھوایا کہ جب مسئلہ میں وہ سید عنایت اللہ کے ساتھ نہیں تو اعلان بھی کریں، شاہ صاحب کی اس دست درازی پر مجھے غصہ آنا قدرتی بات تھی۔ میں نے بھی ایک تھپڑ رسید کر دیا، جب دوسری دفعہ ہاتھ اٹھایا تو قاضی شمس الدین نے درمیان میں آ کر ہاتھ روک دیا، اتنے میں مولوی محمد امین شاہ ہزاروی جلدی سے اندر آ کر آستین چڑھا کر سید عنایت اللہ شاہ کی طرف بڑھے، میں نے فوراً انہیں روک دیا، اگر میں نہ روکتا تو سید عنایت اللہ کو اپنی اس حرکت کا پتہ چل جاتا۔ مولانا خیر محمد صاحب نے یہ تمام نقشہ دیکھا مگر وہ خاموش رہے، انہوں نے صبر سے کام لے کر خاموشی اختیار کی اور سید عنایت اللہ کو ملامت نہ کی کہ ایسی حرکت کیوں کی؟ جہاں اُن کو اس صبر پر داد دی جاسکتی ہے، وہاں مجھے بہت صدمہ بھی ہے۔ دراصل ان کو چاہیے تھا کہ اجلاس ختم کر کے قاری صاحب کو لکھ دیتے کہ میں آپ کی قائم مقامی سے معذور ہوں جب تک مولوی عنایت اللہ اپنی اس حرکتِ شنیعہ سے معافی نہ مانگ لیں۔ بعدازاں بحث یہ ہوئی کہ گفتگو میں کون لوگ حصہ لے سکتے ہیں؟ مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد علی اور مولانا غلام اللہ خان آپس میں گفتگو کریں لیکن باقی حاضرین کو اٹھایا نہ جائے۔ وہ بھی اس جگہ بیٹھے رہیں، طویل گفتگو ہوئی۔ قاضی شمس الدین صاحب نے مولانا خیر محمد صاحب سے خطاب کر کے رونا شروع کر دیا اور التجا کی کہ ایک اور بات طے کروا دیں کہ کوئی فریق جلسہ جات میں یہ مسئلہ بیان ہی نہ کرے تا کہ تلخی ختم ہو جائے۔ یہ بات قاری صاحب کے سامنے مولانا غلام اللہ خان نے بھی پیش کی تھی جو اس وقت اس نے قبول کی تھی مگر مولانا خیر محمد صاحب نے مجبور کرتے ہوئے یہ منوایا، جس کو میں نے قبول کر لیا، البتہ اس صلح اور پہلی صلح میں دو باتوں کا فرق ہے نمبر ① یہ کہ مولانا عنایت اللہ سب جگہ یہ کہتے رہے کہ ہمارا مقابلہ احرار سے ہے، وہ ہمارا بڑھتا ہوا اقتدار برداشت نہیں کر سکے، ورنہ مسئلہ کا کوئی جھگڑا نہیں نمبر ② یہ کہ صلح میں اگرچہ میرے دستخط تھے لیکن میں نے یہ ذمہ داری لی تھی کہ سب دیوبندی اس صلح کو قبول کریں گے۔ سب کو منوانا میرے ذمہ ہوگا مگر ملتان کی صلح میں بندہ نے یہ تصریح کر دی کہ یہ صرف مبلغین ختم نبوت کی طرف سے ہے، میں باقی دیوبندیوں کا ذمہ دار نہیں، مولوی عنایت اللہ نے پھر ضد کی کہ مولانا غلام غوث ہزاروی کی ذمہ داری لیں، میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں کسی کا ذمہ دار نہیں۔ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

ملتان کی اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے بھی صلح پر دستخط نہیں کیے۔ اُن کی طرف سے مولانا غلام اللہ نے سید عنایت اللہ، قاضی شمس الدین، سجاد بخاری مدیر (ماہنامہ) تعلیم القرآن، مولوی یار محمد چیچہ وطنی نے دستخط کیے۔ ہماری طرف سے مَیں اور چار مبلغین نے دستخط کیے، جب یہ دستخط ہوئے تو میں ذرا فاصلہ پر تھا۔ قاضی شمس الدین مولانا عنایت اللہ شاہ کو لے کر آگے بڑھے اور کہا کہ اس وقت آپ ویسے بھی صلح کر لیں، میں نے انکار کر دیا، جب قاضی صاحب (مولانا شمس الدین) نے اصرار کیا تو میں نے کہا صلح تب کروں گا جب گوجرانوالہ میں آپ کی موجودگی میں سید عنایت اللہ سے وہ باتیں کرلوں جو پانچ سال میں انہوں نے کی ہیں۔ (تو) قاضی صاحب خاموش ہو گئے۔

③ عملی طور پر یہ صلح کی کوشش بے کار ثابت ہوئی، راولپنڈی کی صلح کا ملک میں خیر مقدم کیا گیا۔ ہر طرف سے اس کی تحسین کی گئی۔ مولوی عنایت اللہ کی ریاکاری اور خود پسندی نے ملتان میں آ کر اس صلح کو عملاً ختم کر دیا کیونکہ اب سوائے چند اشخاص کے باقی تمام دیوبندی اس صلح کے پابند نہ رہے۔ کیا یہ خلوص وللّٰہیت تھی؟ سید عنایت اللہ جس کا اعلان کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کی ہر بات کو سیاست سے تعبیر کرتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون[1]

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کا ایک خط

اشاعتی علماء کی اصلاح سے مایوسی کا اظہار

اس وقت ہمارے پیش نظر حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ کا زریں مکتوب موجود ہے جو مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے نام ہے اور یہ ہمیں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی زیر نظر سوانح لکھنے کے لیے ریکارڈ اکٹھا کرنے کی دوڑ دھوپ میں کہیں سے ہاتھ آ گیا اور زیر بحث موضوع کو چار چاند لگانے میں اس کا اہم کردار ہوسکتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

---

[1] محمد علی جالندھری، حضرت مولانا مخطوطہ بدستِ خود (اب تک یہ غیر مطبوعہ تھا، اب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر پہلی بار اس کتاب ''مظہر کرم'' کی زینت بن رہا ہے۔ سلفی)

’’مخدومنا المکرم حضرت مولانا مفتی صاحب دام فیضکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آج نصیحت نامہ ملا، یاد آوری کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔ بفحوائے ’’الدین النصیحۃ‘‘ اللہ تعالیٰ آپ کو اس خیر خواہی اور نیک نیتی کی بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین۔ میں تقریباً دو ماہ سے درد گردہ کے بعض آثار کی وجہ سے ضعف و ناتوانی اور اضمحلالِ قلبی کے سبب سفر بند کر کے نکما ہو رہا ہوں۔ بجز سبق بخاری شریف کے، وہ بھی تکلیف سے بستر پر لیٹے رہنے کا مشغلہ ہے۔ دعاء کا محتاج ہوں، جواباً عرض ہے کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں مسلک اکابر علماء دیوبند کو مجروح کرنے والے ابتداءً مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی ہیں، البادیٔ اظلم مشہور مقولہ ہے۔ بعدہٗ تقریر و تحریر میں اچھالنے والے مولانا غلام اللہ خان، مولانا قاضی شمس الدین ہیں، جنہوں نے اپنی مجالس اور جلسوں میں اس کو موضوع قرار دیا بلکہ بعض جگہ احقر اور مولانا محمد علی جالندھری صاحب کے نام لے کر چیلنج مناظرہ بھی دیا گیا۔ مگر احقر پیرانہ سالی اور کہنہ تجربہ کی بناء پر ایسے شور و غل سے اب تک متاثر نہ ہوا اور نہ اس کو مفید سمجھا، کیونکہ

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

ہاں مولانا محمد علی صاحب اور علامہ خالد محمود صاحب ضرور متاثر ہوئے اور انہوں نے چیلنج کو قبول کرنے میں دینی مصلحت کا راز مضمر سمجھا اور درمیان میں واسطہ بنا کر تاریخ کا فیصلہ کرنے والے مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب ہیں چنانچہ کل یا پرسوں ان حضرات کا دفتر نظام العلماء شیرانوالہ دروازہ لاہور میں اجتماع ہونے والا ہے مجھے نہیں معلوم کہ کیا گفتگو ہوگی، اور کیا تصفیہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔[1] فریق ثانی کے بعض خیر خواہوں نے خطوط کے ذریعے مناظرہ کے لیے مجھے بھی اُکسانے کی بہت کوشش کی ہے مگر میں بدستور ساکن ہوں، متحرک ہونے کا ارادہ نہیں کیا، اس لیے کہ فریق ثانی کے عمائد ثلاثہ کے کبر وعُجب اور ضد وعناد

[1] لاہور والا معاہدہ وہی ہے جو مکمل تفصیل کے ساتھ اس باب کی ابتداء میں گذر چکا ہے۔ سلفی

کے سبب مجھے اصلاح کی توقع نہیں اور ان کے حاشیہ نشین اکثر جہلاء کے متکبرانہ پروپیگنڈے اصلاح سے مایوس کنندہ نظر آ رہے ہیں لہٰذا بقول غالب اپنا مسلک تو

؎ جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ
تو کسی سے کوئی گلہ نہ رہا

اس گروہ کے اختلاف بڑھانے کا باعث حضرت مفتی محمد حسن صاحب قبلہ کے نرم مصالح اور ان کے بعض معتقدین علماء کا اختلاط و انبساط اور آپ جیسے پکے متبع مسلک اکابر دیو بند کا سکوت ہے۔ میرے نزدیک فریقین کا اس حالت میں اجتماع اور مواجہۂ گفتگو خواہ مجمع خاص میں ہو یا عام میں، فتنہ اور فساد کے بڑھانے کا سبب ہے نہ کہ مٹانے کا''[1]۔

[1] خیر محمد جالندھری، مولانا بنام مولانا / مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مرقومہ ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۷۹ھ / خیر المدارس، ملتان /

۱۹۶۵ء

❀ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی تصنیف ''مودودی مذہب'' کی اشاعت، علمی حلقوں میں شہرت، اس پر مقدمہ کی مکمل روداد، اور مصنف کے حق میں فیصلے کے بعد مقدمہ کا اخراج تاریخی ریکارڈ کی مدد سے ایک چشم کُشا اور معلومات افزاء قضیہّ

کتاب ''مودودی مذہب'' پر مقدمہ کی رُوداد

جماعتِ اسلامی کے امیر مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کے افکار ونظریات کے خلاف پوری مستقل مزاجی کے ساتھ گنتی کے جن چند علماء کرام نے آواز اٹھاتے ہوئے اپنی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کا استعمال کیا، ان میں حضرت اقدس قائد اہل سنت رحمہ اللہ پیش پیش رہے۔ آپ اسے اپنے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی تقلید میں اور بعد ازاں مکمل تحقیق سے نہایت خطرناک فتنہ قرار دیتے تھے، اور وہ سادہ لوح مسلمان جو دین اسلام کے ساتھ محبت کرنے میں فطری جذبوں سے سرشار ہوتے ہیں، کے لیے مودودی صاحب کی کتابوں اور ان کی جماعت کو میٹھا زہر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۶۴ء کے زمانہ میں آپ نے مختصراً ایک کتاب بنام ''مودودی مذہب'' تصنیف کی تھی، جس کی اشاعت پر ''ہفت روزہ ترجمانِ اسلام'' لاہور میں مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

نام کتاب ...... مودودی مذہب

قیمت ...... ۵۶ پیسے، نئے

ملنے کا پتہ ...... ① مکتبہ اشاعت اسلام وتعمیر حیات، حبیب بنک بلڈنگ، لاہور
② حافظ محمد اسحق، ناظم مکتبہ حنفیہ مسجد گنبد والی، جہلم

یہ کتاب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) خلیفہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے مودودی صاحب کے رسالوں سے وہ عبارتیں نقل کر کے ان کی تردید کی ہے جن میں انہوں نے چودہ صدیوں کے بزرگانِ دین حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انبیاء علیہم السلام پر مشق تنقید کر کے اسلاف کا اعتماد ختم کر کے الحاد کا دروازہ کھولنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش کی ہے۔ جو کسی مستند مدرسہ یا مستند عالم سے علم حاصل نہ کرنے کا نتیجہ ہے اور باوجود اس کے تمام بزرگوں کے اقوال واعمال میں کیڑے نکال کر اپنے علمی گھمنڈ کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہر طالب حق مسلمان کو چاہیے کہ اس کتاب کو پڑھے، تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ علماء امت کیوں مودودی صاحب کے لٹریچر کو گمراہ کن کہتے ہیں[1]۔

---

[1] ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور ر ۵، جون ۱۹۶۴ء بمطابق ۲۳ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ، جمعۃ المبارک رصفحہ نمبر ۶

اس کتاب کی اشاعت کے اگلے سال حکیم مختار احمد الحسینی مرحوم کی جانب سے مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی۔

''کتاب ''مودودی مذہب'' سے متعلق مقدمہ''......مولانا قاضی مظہر حسین صاحب امیر جمعیت علمائے اسلام ضلع جہلم کی حالیہ تالیف ''مودودی مذہب'' کی بعض عبارات اور حوالہ جات کے خلاف مسٹر محمد یوسف، (مودودی) مقیم راولپنڈی نے جناب چودھری گلزار احمد چیئرمین یونین کمیٹی ای راولپنڈی کے ہاں مقدمہ دائر کر رکھا تھا جس میں مبلغ ۲۰۰/ روپے انعام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ مقدمہ تقریباً ایک سال جاری رہا۔ فریقین کے بیانات اور بحث و تمحیص کے بعد حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے اور مدعی مسٹر محمد یوسف مودودی کے الزامات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے چیئرمین صاحب نے مقدمہ خارج کر دیا۔

نوٹ: مذکورہ کتاب ''مودودی مذہب'' ۶۳ پیسے میں ''مکتبہ تعمیر حیات، چوک رنگ محل لاہور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔''[1]

اس کتاب یعنی ''مودودی مذہب'' سے مقدمہ کے متعلق کاتب السطور (عبدالجبار سلفی) نے بہت کچھ ذکر سن رکھا تھا، مگر قضیہ سے متعلقہ مکمل مواد کی تلاش میں تھا کہ قدرت نے دستگیری فرمائی اور حضرت اقدس رحمہ اللہ کے مخزونہ و متروکہ سے اس کی فائل دستیاب ہوگئی، یہ رو داد کاغذات کے ایک بڑے پلندہ میں ریزہ ریزہ بکھری ہوئی تھی۔ کاتب السطور نے چھان پھٹک کر کے متعلقہ قضیہ کے تمام مخطوطوں کو جمع کیا، اور ایک تاریخی مقدمہ کی رو داد مرتب ہوگئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالك۔ ملاحظہ کیجیے۔

مصالحتی عدالت

نقل فیصلہ یونین کمیٹی، ای۔ راولپنڈی

عنوان مقدمہ......نوعیت مقدمہ......تاریخ دائر مقدمہ......تاریخ فیصلہ مقدمہ نمبر ۶/۶۵۔ ۱۳۳ ......دیوانی زیر دائرہ سماعت...... ۶۴ء۔۹۔۱۲ تا ۶۵ء۔۶۔۷ محمد یوسف بنام قاضی مظہر حسین۔

مدعی......محمد یوسف ساکن مکان نمبر ۴۶۰-G۔ ڈی اے وی کالج روڈ۔ راولپنڈی۔

مدعا علیہ۔ قاضی مظہر حسین، خطیب مدنی جامع مسجد، بھون روڈ چکوال۔ ضلع جہلم

مصالحتی عدالت۔ (چیئرمین) چوہدری گلزار حسین صاحب۔

مدعی کے نمائندگان......ملک عبدالغنی صاحب ممبر یونین کمیٹی۔ ای

مدعا علیہ کے نمائندگان۔ ① حاجی محمد اشرف صاحب چیئرمین، یونین کمیٹی، الیف

[1] حکیم مختار احمد الحسینی / ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور / ۲ جون ۱۹۶۵ء، صفحہ نمبر ۵

④ مولانا عبدالستار صاحب، ناظم جمعیت علماء اسلام راولپنڈی۔

فیصلہ......کیس یہ ہے کہ قاضی مظہر حسین مدعا علیہ ایک کتاب ''مودودی مذہب'' کے مصنف ہیں۔ اس کتاب کے دیباچہ کے آخر میں انہوں نے ''ضروری اعلان'' کے عنوان سے لکھا ہے کہ ''ناواقف لوگوں کے سامنے مودودی صاحبان عموماً یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مودودی صاحب کی کتابوں کی عبارتیں علماء صحیح طور پر پیش نہیں کرتے۔ لہٰذا اس پروپیگنڈے کے انسداد کے لیے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کتاب کا کوئی حوالہ (غلط) ثابت کر دے تو اس کو فی حوالہ پچاس روپے انعام دیا جائے گا۔

صدائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

مدعا علیہ مذکور کے اس اعلان کے پیش نظر مدعی محمد یوسف نے کتاب کے چار حوالہ جات ① صفحہ ۳۸، سطر ۵ ② صفحہ ۳۹، سطر نمبر ۶ ③ صفحہ نمبر ۶۱، سطر نمبر ۷ ④ صفحہ نمبر ۶۶، سطر نمبر ۱۰ کو غلط ثابت کیا اور بحساب ۵۰ روپے فی حوالہ/ ۲۰۰ روپے کا مطالبہ کیا ہے۔ جس پر مدعا علیہ نے ان چار حوالہ جات کا کتاب میں غلط درج ہونا تو تسلیم کر لیا مگر انعام کی رقم دینے سے انکار کر دیا۔ مدعی نے برائے وصول مبلغ/ ۲۰۰ روپے از مدعا علیہ مؤرخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۶۴ء کو یونین کمیٹی ای میں دعویٰ دائر کیا۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۴ء کو مدعا علیہ کے مختار حاجی احمد حسین کے اس بیان پر سماعت ملتوی کی گئی کہ مدعا علیہ نے انتقالِ مقدمہ کی درخواست کنٹرولنگ اتھارٹی کے پاس دائر کی ہوئی ہے۔ کنٹرولنگ اتھارٹی کے حکم نمبر/ ۶۹۲۔ مؤرخہ ۳ دسمبر ۱۹۶۴ء کے جواب میں یونین کمیٹی ای کے چیئر مین شیخ صغیر احمد صاحب نے لکھا کہ امیر جماعت اسلامی پاکستان مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جب راولپنڈی آتے ہیں تو محض ذاتی تعلقات کی بناء پر ان کے ہاں قیام کرتے ہیں اور اگر کنٹرولر/ اتھارٹی انصاف کا تقاضہ پورا کرنے کے لیے اس مقدمہ میں چیئر مین کو تبدیل کرنا چاہے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ اس پر کنٹرولنگ اتھارٹی نے مقدمہ ہذا کی ازسرنو سماعت کے لیے چودھری گلزار حسین کو مصالحتی عدالت کا چیئر مین نامزد کر دیا۔ مصالحتی عدالت نے اپنی چھ طویل ترین نشستوں میں اس کیس کا ہمہ پہلو جائزہ لیا۔ اس جائزہ کے تاثرات یہ ہیں۔

① مذاہب کی بنیاد رکھنا صرف پیغمبروں کا حصہ ہے۔ دنیائے اسلام اس بات سے آگاہ ہے کہ مودودی صاحب نے کہیں بھی اور کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ کسی مذہب کے بانی ہیں۔ کتاب جو بنائے مقدمہ ہے۔ اس کا نام ''مودودی مذہب'' اس امر کی صداقت کے لیے کافی ہے کہ مصنف جذبات و تعصّبات کے چنگل سے باہر نہیں ہیں۔

② کتاب مذکور اور مدعا علیہ کے بیانات میں ''مودودی صاحبان'' کی اصطلاح کا بار بار استعمال ہوا ہے۔علم وادب کے مبتدی بھی اس امر کی تصدیق کریں گے کہ یہ اصطلاح محض طنزیہ طور پر استعمال کی گئی ہے، حالانکہ ادبی خوبی کا تقاضہ یہ ہے کہ مطالب کی ادائیگی میں اخلاقی پہلو اور تہذیب وشائستگی کی قدروں کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

③ مدعا علیہ مذکور نے اپنے ایک خط بنام حافظ خالد محمود (بتاریخ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ) میں یہ (اقرار) کیا ہے کہ میں نے یہ عبارتیں ایک دوسری کتاب سے نقل کی تھیں، ترجمان القرآن کا اصل شمارہ مجھ کو نہ مل سکا۔اس اعتراف سے اس حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ مدعا علیہ نے بدونِ تحقیق اور بغیر اصل کتاب پڑھے ''فتویٰ'' جاری کر دیا۔اور یہ روش علماء کے شایانِ شان نہیں ہے۔

(......جبکہ......)

④ مدعا علیہ کا بیان یہ ہے کہ کتاب مذکور کی ۲۵ مئی ۱۹۶۴ء کو طباعت ہوئی، اور ۳۰ مئی ۱۹۶۴ء کو حافظ خالد محمود مدرس K.G اسلامیہ اسکول لوئر مال لاہور نے غلطیوں کی نشاندہی کی اور یکم جون ۱۹۶۴ء کو کتاب کے ساتھ تصحیح نامہ لگا دیا گیا اور ''ہفت روزہ ترجمانِ اسلام'' لاہور میں یہ اعلان بھی کرا دیا گیا اور چونکہ مدعی محمد یوسف کا خط ۵، جون ۱۹۶۴ء کو ملا، جبکہ تصحیح نامہ کتاب کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا تھا، اس لیے وہ انعام کے حق دار نہیں۔

⑤ مدعی محمد یوسف کا موقف یہ ہے کہ جو تصحیح نامہ بقول مدعا علیہ یکم جون ۱۹۶۴ء کو لکھا گیا اس میں مدعا علیہ نے کہا ہے کہ ''رجوع کا اعلان بھی ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام لاہور'' اور دوسرے اخبارات میں ہو چکا ہے۔مگر ترجمانِ اسلام میں یہ اعلان ۱۲ جون ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ دونوں عبارتوں کی تاریخوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''ترجمانِ اسلام لاہور'' میں اشاعت کے بعد تصحیح نامہ لگایا گیا۔

(ب) ''ترجمان اسلام'' ۱۲ جون ۱۹۶۴ء میں شائع شدہ اعلان میں لکھا گیا ہے کہ ''مولانا حافظ خالد محمود نے ۱۷ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ (۳۰ مئی ۶۴ء) کو ایک خط کے ذریعے توجہ دلائی۔'' چنانچہ ۱۶ محرم ۸۴ھ (۲۹ مئی ۱۹۶۴ء) کو ''ایک ضروری تصحیح کے عنوان سے یہ اطلاع اخبارات میں بھیجی گئی تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ غلطیوں کی نشاندہی تو ۳۰ مئی کو ہوئی اور تصحیح کی اطلاع اخبارات کو ۲۹ مئی کو بھیج دی گئی؟

⑥ مدعا علیہ قاضی مظہر حسین نے ان اعتراضات کے جواب میں کہا ہے کہ کتاب میں چسپاں ''ضروری تصحیح'' کے الفاظ میں کاتب نے بجائے ''ہو رہا ہے'' کے ''ہو چکا ہے'' لکھ دیا اور اخبار ''ترجمانِ

اسلام'' میں بھی کاتب کی غلطی سے بجائے ۱۹، محرم الحرام کے ۱۶، محرم الحرام درج ہوا ہے اس لیے کتابت کی غلطی کا الزام مصنف پر عائد نہیں ہوتا۔

⑦ مدعا علیہ کے اس استدلال کو مصالحتی عدالت تسلیم کرتی ہے، دوسرا یہ کہ مدعا علیہ اپنی غلطی تسلیم کر کے اس سے رجوع کر چکا ہے اس لیے مصالحتی عدالت مقدمہ ہذا کو خارج کرتی ہے۔ فریقین مقدمہ ہذا میں اپنے اپنے خرچہ کے خود ذمہ دار ہیں۔

دستخط ومہر.......................(دستخط چیئرمین مصالحت عدالت)

اراکین مصالحتی عدالیت ۱۹۶۵ء۔۶۔۱۰[1]

اس فیصلہ کے بعد جماعت اسلامی نے اپنی فتح کے شادیانے بجانا شروع کر دیئے تھے، حالانکہ واضح فیصلہ میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی بریت ہوئی تھی۔ کیونکہ کیس کی مکمل روئیداد سننے کے بعد مصالحتی کمیٹی اس نتیجہ انصاف تک پہنچی تھی کہ جہاں تک چند عبارات کے اندراج کا تعلق ہے، ان کے متعلق خود قائد اہل سنت کو اعتراف ہے کہ وہ میری غلطی سے مودودی صاحب کی طرف منسوب ہو گئیں، اور حافظ خالد محمود صاحب کی توجہ دلانے پر آپ نے فوراً اس کا تصحیح نامہ مرتب کروا کر چھپوایا اور کتاب کے ساتھ چسپاں کر دیا، چونکہ یہ تصحیح نامہ نہایت عجلت میں لکھا گیا تھا تو اس میں بھی کاتب سے سہو ہو گیا، بہرکیف جب مکمل صورتحال سامنے آئی، جس کی جانچ پڑتال کرنے میں ایک سال کا عرصہ لگا، تو تب جا کر منصفین نے قائد اہل سنت کے حق میں فیصلہ سنایا۔ مگر جماعت اسلامی سے وابستہ ایک صاحب جن کا نام ''سعید اختر عابدی'' تھا، نے ایک پمفلٹ بعنوان ''ایک فتویٰ، ایک فیصلہ'' بمقام مدرسہ دارالحدیث جہلم سے شائع کر کے تقسیم کیا، علاوہ ازیں جماعت اسلامی کے جماعتی رسالوں ''ایشیا'' اور ''آئین'' وغیرہ میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خلاف بھرپور زہر افشانی کی گئی تو آپ نے اپنے حق میں ہونے والے اس فیصلہ کی وضاحت میں بدستِ خود ایک جامع مضمون لکھا تھا، مگر یہ مضمون کسی وجہ سے شائع نہ ہوا تھا، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ فیصلہ کھلے الفاظ میں ہمارے حق میں موجود ہے، لہٰذا اگر خارجی ماحول میں کوئی تسلیم نہ بھی کرے تو اسے تسلیم کروانے کے لیے زیادہ جتن کرنا ضیاعِ وقت ہے، یہ کاتب السطور کا خیال ہے، جو ناقص اور از روئے تحقیق غلط بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم قائد اہل سنت کا بدستِ خود تفصیلی وضاحت نامہ قیمتی اور نادر ریکارڈ کی مدد سے پیش نظر کیا جا رہا ہے، ملاحظہ کیجیے۔

---

[1] نقل فیصلہ مصالحتی کمیٹی ر ۷، جون ۱۹۶۴ء ر راولپنڈی (ریکارڈ بملکیت مصنف، سلفی)

''ایک عبرتناک کوڑا''

کتاب ''مودودی مذہب'' کا مقدمہ خارج ہوگیا ''مودودی صالحین کی ذلت آمیز خاموشی''

(قائداہل سنت رحمۃ اللہ کا غیر مطبوعہ نادر اور معلومات افزاء وضاحت نامہ)

کسی مدعی کا مقدمہ خارج ہوجانا اس کے لیے رنج و ناکامی اور مدعا علیہ کے لیے مسرت و کامرانی کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ لیکن مودودی جماعت کا معاملہ اس کے برعکس ہے چنانچہ میری ایک تالیف ''مودودی مذہب'' کی بعض عبارات کی بناء پر مودودی جماعت کے ایک سرگرم کارکن مسٹر محمد یوسف صاحب نے یونین کمیٹی ای۔ راولپنڈی میں مبلغ ر ۲۰۰ روپے انعام حاصل کرنے کے لیے ۱۲ ستمبر ۱۹۶۴ء کو میرے خلاف دعویٰ دائر کیا تھا۔ جو ۷ جون ۱۹۶۵ء کو خارج ہوگیا۔ اور مدعی متوقع انعام نہ حاصل کرسکا اس میری واضح کامیابی اور ان کی کھلی شکست تھی۔ ترجمانِ اسلام لاہور میں اس مقدمہ کے خارج ہونے کی مختصر خبر شائع ہوگئی تھی[1]۔ لیکن یہ معلوم کر کے حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ بجائے احساس ندامت کے مودودی صالحین نے اس فیصلہ کو اپنی کامیابی کا ایک نشان قرار دیا۔ اور ان کے رسائل و اخبارات ایشیاء، اور آئین وغیرہ میں اس فیصلہ کو فاتحانہ انداز میں تبصرہ کے ساتھ شائع کیا گیا۔ حتیٰ کہ جنگ محاذ[2] لاہور سے کچھ دن پہلے سعید اختر عابدی بالاکوٹی، مدرسہ دارالحدیث جہلم کی طرف سے ایک ٹریکٹ بنام ''ایک فتویٰ، ایک فیصلہ'' تقسیم کیا گیا۔ ایک فتویٰ دارالافتاء دیوبند سے منسوب کیا گیا ہے جس میں مودودی جماعت کے متعلق کچھ رعایت کی گئی ہے۔ اس فتویٰ کی حقیقت کا ہمیں علم نہیں۔ نہ ہی اس کے جواب کی ضرورت ہے، کیونکہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب مدظلہ اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا مدنی قدس سرہ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے بیانات جب فتنہ مودودی کے خلاف ملک میں شائع ہوچکے ہیں تو کسی گمنام مفتی کے فتویٰ کی ان کے مقابلہ میں کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ البتہ ''ایک فیصلہ'' شائع کر کے ناواقف مسلمانوں کو جو مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے اس کی حقیقت سے پردہ اٹھانا ضروری ہے۔ تاکہ مودودی جماعت کے صالحانہ پروپیگنڈے سے عامۃ المسلمین آگاہ ہوجائیں۔

---

[1] بحوالہ ''ترجمانِ اسلام'' گزشتہ اوراق میں اس بحث کے آغاز میں حوالہ گزر چکا ہے۔

[2] ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ مراد ہیں، جس میں انڈیا نے پاکستان پر حملہ کردیا تھا۔

اشاعتِ کتاب: میری یہ کتاب ''مودودی مذہب'' درسی پرنٹنگ پریس گجرات سے ۲۵ مئی ۱۹۶۴ء کو شائع ہوئی۔ چار دن کے بعد ۳۰ مئی ۱۹۶۴ء کو مولانا حافظ خالد محمود صاحب مولوی فاضل عربی ٹیچر کے جی ہائی سکول لاہور کا مکتوب پہنچا جس میں انہوں نے مجھے توجہ دلائی کہ کتاب ''مودودی مذہب'' کی مندرجہ چار عبارتیں گو مودودی صاحب کے ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۱۲ عدد ۴، ۷، ۱۳۵۷ھ میں موجود ہیں لیکن وہ مضمون مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی کا ہے نہ کہ مودودی صاحب کا، لہٰذا اس کی تصحیح کرلی جائے۔ اس خط کے جواب میں یکم جون ۶۴ء بمطابق ۱۹ محرم الحرام ۸۳ھ کو میں نے حافظ صاحب موصوف کو لکھ دیا کہ مودودی صاحب کی طرف ان عبارتوں کی نسبت کرنے میں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے اس لیے آپ اپنا خط اور میرا جواب بہت جلدی ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں شائع کرادیں۔

تصحیح نامہ: یکم جون کو ہی بندہ نے ''ایک ضروری تصحیح'' کے عنوان سے مضمون لکھا اور بمقام بھیں مؤرخہ ۶، جون کو ضلعی جمعیت علماء اسلام کے دو ماہی اجلاس کے موقع پر ناظم دفتر جمعیت جہلم کے ہاتھ روانہ کردیا۔ تاکہ گجرات پریس میں جلدی اس کو طبع کرا کے کتاب کے ساتھ چسپاں کردیا جائے۔ اس تصحیح نامہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

ایک ضروری تصحیح: پیش نظر کتاب ''مودودی مذہب'' کے صفحہ ۳۸ نمبر ۵، ص ۳۹ نمبر ۶، ص ۴۱ نمبر ۷ اور ص ۴۴ نمبر ۱۰ میں خلفائے راشدین وغیرہ جلیل القدر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم پر تنقید کے سلسلہ میں جو عبارتیں درج کی گئی ہیں وہ ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۱۲ عدد ۴، ۷، ۱۳۵۷ھ میں گو موجود ہیں لیکن کالعدم جماعت اسلامی کے امیر مودودی صاحب کی طرف جو ان عبارتوں کی نسبت کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ عبارتیں مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی کے ایک مضمون کی ہیں، نہ کہ مودودی صاحب کی۔ میرے پاس اصل رسالۃ ترجمان القرآن موجود نہ تھا۔ اور اس حوالہ میں مَیں نے ایک دوسری کتاب پر اعتماد کیا تھا اس لیے اس انتساب میں غلطی ہوگئی۔ اس غلطی کی طرف مولانا حافظ خالد محمود صاحب مولوی فاضل مقیم لاہور نے اپنے مکتوب میں مجھ کو توجہ دلائی۔ اس لیے میں نے ان عبارتوں کی بناء پر مودودی صاحب پر اعتراض کرنے سے رجوع کرلیا ہے۔ جس کا اعلان بھی ہفت روزہ ''ترجمان اسلام'' لاہور اور دوسرے اخبارات میں ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ عبارتیں اس مبحث سے خارج سمجھی جائیں۔

② یہ عبارتیں مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی نے اس زمانہ میں لکھیں جب کہ ان کو مودودی جماعت کے اہل قلم ارکان میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ اور ''ترجمان القرآن'' میں شائع ہوئیں جو

خود مودودی صاحب کی ادارت ونگرانی میں شائع ہوتا رہا ہے اس وجہ سے بالواسطہ مودودی صاحب پر بھی یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے، کیونکہ مودودی صاحب نے بلاتنقید ان عبارتوں کو اپنے پرچہ میں شائع کر دیا۔ اور اگر مودودی صاحب کو ان عبارتوں کے مضمون سے اتفاق ہے تو پھر ہمارا اعتراض مودودی صاحب پر بحالہٖ قائم رہے گا۔ اللہ اعلم الاحقر

مظہر حسین غفرلہٗ مولف کتاب ہذا
مدنی جامع مسجد چکوال
۱۹، محرم ۸۴ھ و یکم جون ۶۴ء

مندرجہ عبارت میں کاتب نے ایک جگہ بجائے ''ہو رہا ہے'' کہ ''ہو چکا'' ہے لکھ دیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ میں نے مسٹر محمد یوسف مدعی کو جو رجسٹری جواب لکھا تھا، اس میں ''ہو رہا ہے'' کے ہی الفاظ ہیں اور اس بنا پر چیئرمین نے اپنے فیصلہ میں میرے اس استدلال کو صحیح قرار دیا ہے۔

مدعی کا نوٹس: ۵ جون ۱۹۶۴ء کو مسٹر محمد یوسف صاحب مدعی کا ایک رجسٹرڈ نوٹس مجھے موصول ہوا جس میں انہوں نے مذکورہ چار عبارتوں کے عوض مبلغ ر ۲۰۰ سو روپے انعام کا مطالبہ کیا تھا۔ اخبارات میں بھی انہوں نے یہ نوٹس شائع کروا دیا۔ میں نے دوسرے دن ہی ۶، جون کو مسٹر محمد یوسف کے نام رجسٹرڈ جواب ارسال کر دیا۔ جو درج ذیل ہے:

مکتوب قائد اہل سنت بنام مسٹر محمد یوسف

''بخدمت محترم محمد یوسف صاحب سلمہٗ۔ سلام مسنون! آپ کا رجسٹرڈ نوٹس پہنچا۔ میری تالیف ''مودودی مذہب'' میں آپ نے جس غلطی کی نشاندہی کی ہے قبل ازیں لاہور سے مولانا حافظ خالد محمود صاحب، مولوی فاضل نے مجھ کو اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جس کے جواب میں بندہ نے اس اعتراض سے رجوع کا اعلان کر دیا ہے جو ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں شائع ہوا ہے۔ ترجمان القرآن جلد نمبر ۱۲، عدد ۴، ۵۷ھ کی عبارتیں نقل کرنے میں مَیں نے ایک دوسری کتاب پر اعتماد کیا تھا۔ جبکہ اصل رسالہ میرے پاس موجود نہ تھا۔

② جو عبارتیں میں نے ''مودودی مذہب'' میں درج کی ہیں وہ گو مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی کے مضمون کی ہیں لیکن مذکورہ ترجمان القرآن میں موجود ہیں۔ البتہ مودودی صاحب کی طرف منسوب کرنے میں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔

③ ''ترجمان القرآن'' کے نگران چونکہ خود مودودی صاحب ہی ہیں اور انہوں نے مذکورہ عبارتوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب بھی ان عبارتوں کے مضامین سے بظاہر متفق ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر مودودی صاحب بھی بالواسطہ اس الزام کا مورد بن سکتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ مولانا مودودی نے ''ترجمان القرآن'' ماہ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۳۹ میں اس کی تردید کردی تھی۔ یہ رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس میں موصوف نے صرف اپنی طرف انتساب کی تردید کی ہے یا مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی کے اُس مضمون کی بھی؟ جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وغیرہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص کی گئی ہے۔ یہ بھی فرمائیں کہ کیا مودودی صاحب خلفائے راشدین کو معیارِ حق سمجھتے ہیں؟

④ میں نے تو اپنی غلطی کا اعتراف کر کے رجوع کا اعلان کر دیا ہے، کیا آپ بھی مودودی صاحب سے ان کی فاش غلطیوں کا اعلان کرا دیں گے؟ کیا آپ خود بھی اپنے امام مودودی صاحب کی غلطیوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں؟ مثلاً ① مودودی صاحب نے روزہ کے مسائل میں لکھا ہے کہ ''اور ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوعِ فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو جلدی سے کچھ کھا پی لے، حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور اذان کی آواز آجائے تو فوراً چھوڑ نہ دے۔ بلکہ اپنی حاجت بھر کھا پی لے (تفہیم القرآن، جلد اول صفحہ نمبر ۱۴۶) یہاں مودودی صاحب نے اس اذان سے طلوع فجر کی اذان مراد لی ہے، حالانکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں طلوعِ فجر سے پہلے کی اذان مراد ہے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں تصریح ہے۔ فرمایئے! مودودی صاحب ایک غلط بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے زیادہ مجرم بنتے ہیں یا راقم الحروف؟ جس نے مودودی صاحب کی طرف بعض عبارات منسوب کرنے میں غلطی کی ہے:

؎ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا؟

خط میں بقیہ تین عبارتیں بھی میں نے لکھی تھیں، جن میں مودودی صاحب نے مسئلہ مُتعہ، پیشنگوئی دجال، اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی طرف گناہ کبیرہ کا ارتکاب منسوب کرنے میں بہتان تراشی کی ہے، میرے اس جوابی خط کے بعد مسٹر محمد یوسف صاحب کے لیے دعویٰ دائر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ انہوں نے نہ میرے خط کا کوئی جواب دیا اور نہ اپنے امام مودودی صاحب پر میرے پیش کردہ

اعتراضات کی تردید کی جس کی وجہ سے میں مطمئن ہو گیا۔ لیکن ڈیڑھ ماہ کے بعد اواخر جولائی میں بذریعہ راجہ حفیظ اللہ صاحب وکیل راولپنڈی مجھے ایک رجسٹرڈ نوٹس ملا جس میں مبلغ دوسو روپے انعام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس کا جواب میں نے ۳۱ جولائی کو وکیل موصوف کے نام رجسٹرڈ ارسال کر دیا۔ جس میں ان کو اپنے رجوع کی اطلاع دے دی۔ اور ساتھ ہی حافظ خالد محمود صاحب موصوف کے خط اور اپنے جواب کی نقل ان کو روانہ کر دی۔ تا کہ اگر ان کو غلط فہمی ہو تو دور ہو جائے۔ اس کے بعد راجہ حفیظ اللہ صاحب وکیل موصوف کا خود ان کی طرف سے مجھے ۱۳، اگست کو رجسٹرڈ نوٹس ملا، جس میں انہوں نے مبلغ دوسو روپے انعام کا مطالبہ کیا تھا اس کے جواب میں ۱۸، اگست کو میں نے ان کو ایک رجسٹرڈ خط ارسال کیا جس میں لکھا تھا کہ آپ کا مطالبہ لغو اور بے بنیاد ہے۔ آپ انعام کے مستحق نہیں ہیں۔

رجسٹری وصول نہ کی: نیز میں نے ایک رجسٹرڈ نوٹس بنام مسٹر محمد یوسف ارسال کیا جو انہوں نے وصول نہیں کیا۔ رجسٹری واپس آ گئی جس کی پشت پر لکھا ہوا تھا کہ یہ مکان مولوی فتح محمد صاحب کا ہے۔ یہاں محمد یوسف نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔ حالانکہ اسی پتہ سے انہوں نے بذریعہ وکیل نوٹس ارسال کیا تھا اور بعد میں اسی پتہ سے انہوں نے یونین کمیٹی ای میں دعویٰ دائر کیا، یہ ہے مودودی صاحبان کا صالحانہ انقلابی کردار، جس کے ذریعہ وہ اسلامی نظام لانا چاہتے ہیں۔

یونین کمیٹی میں مقدمہ: ۱۲، ستمبر ۱۹۶۴ء کو مسٹر محمد یوسف نے میرے خلاف یونین کمیٹی ای میں دعویٰ دائر کر دیا جس میں مبلغ دوسو روپے انعام کا مطالبہ تھا، بندہ کے نام سمن موصول ہوا جس میں مصالحتی عدالت میں پیشی کے لیے یکم اکتوبر کی تاریخ مقرر تھی۔ میں نے اس مقدمہ میں اپنی طرف سے حاجی احمد حسین صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام چکوال کو مختارِ خاص بنایا۔ راولپنڈی سے معلوم ہوا کہ یونین کمیٹی ای کے چیئرمین شیخ صغیر احمد صاحب مودودی صاحب کے عقیدتمند ہیں اور ان کے ہاں مودودی صاحب قیام فرمایا کرتے ہیں۔ اس وجہ سے مودودی صاحبان کو اس کمیٹی میں کیس دائر کرنے کی جرأت ہوئی۔ لہٰذا ہم نے ڈی سی صاحب راولپنڈی کے ہاں انتقالِ مقدمہ کی درخواست دے دی، چونکہ مسٹر محمد یوسف مدعی کو اپنے موقف کی کمزوری معلوم ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ دو، تین تاریخوں پر ڈی سی صاحب کی عدالت میں حاضر نہ ہوئے۔ (چنانچہ) غیر حاضری کی بناء پر یہ مقدمہ خارج ہونے ہی والا تھا کہ وہ عدالت میں حاضر ہو گئے، ڈی سی صاحب نے مقدمہ کی سماعت کے لیے چوہدری گلزار حسین صاحب کو چیئرمین نامزد کر دیا۔

مصالحتی عدالت کی کارروائی: چیئرمین صاحب موصوف نے فریقین سے دو، دو رکن طلب کیے جن میں ایک کا بنیادی جمہوریتوں کا سابق ممبر ہونا ضروری تھا۔ ہماری طرف سے جناب مولانا عبدالستار صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام ضلع راولپنڈی اور حاجی محمد اشرف صاحب چیئرمین یونین کمیٹی ایف راولپنڈی کے نام تجویز کیے گئے۔ اور مدعی محمد یوسف کی طرف سے صرف ملک عبدالغنی صاحب ممبر یونین کمیٹی ای کو تجویز کیا۔ ہماری طرف سے جناب مولانا عبدالستار صاحب تاریخ پر تشریف لاتے رہے۔ عدالت میں مولانا حافظ خالد محمود صاحب مولوی فاضل لاہور کے دونوں خطوط پیش کیے گئے اور انہوں نے خود بھی حاضر ہو کر ان کی تصدیق کی، کتاب ''مودودی مذہب'' اور تصحیح نامہ کے سلسلہ میں گجرات پریس کی رسیدات بھی پیش کی گئیں۔ مودودی جماعت نے پریس سے ریکارڈ حاصل کرنے کے لیے بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ بمقام بھیں جمعیت علمائے اسلام کے ضلعی دو ماہی اجلاس منعقدہ ۴، جون ۶۴ء کے ثبوت کے لیے مطبوعہ اشتہار اور رجسٹر کارروائی جمعیت جہلم بھی پیش کیا گیا۔ اس تمام ریکارڈ کے پیش نظر چیئرمین صاحب کو بندہ (مدعا علیہ) کے موقف پر اطمینان حاصل ہوا۔

مدعی کا استدلال: میرے مفصل بیان پر مسٹر محمد یوسف صاحب مدعی نے جرح کی، ان کی تمام بحث کا مدار دو پوائنٹ تھے۔

① کتاب کا تصحیح نامہ پر یہ لکھا ہے کہ ''اس لیے میں نے ان عبارتوں کی بناء پر مودودی صاحب پر اعتراض کرنے سے رجوع کر لیا ہے جس کا اعلان بھی ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور اور دوسرے اخبارات میں ہو چکا ہے۔ حالانکہ ''ترجمانِ اسلام'' میں تصحیح کا اعلان ۱۲، جون کے پرچہ میں ہوا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تصحیح نامہ ۱۲، جون کے بعد لکھا گیا نہ کہ یکم جون کو!

② ترجمانِ اسلام مؤرخہ ۱۲، جون میں یہ لکھا ہے کہ حافظ خالد محمود صاحب نے ۱۷ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ کو ایک خط کے ذریعے توجہ دلائی، چنانچہ ۱۶، محرم کو ایک ضروری تصحیح کے عنوان سے یہ اطلاع اخبارات میں بھیج دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حافظ خالد محمود صاحب کا خط تو ۱۷ محرم کا ہو اور اس سے ایک دن پہلے ۱۶ محرم الحرام کو اس کی تصحیح اخبارات کو بھیج دی جائے؟

پہلے اعتراض کا جواب: میں نے یہ دیا کہ تصحیح نامہ میں بجائے ''ہو چکا ہے'' کے ''ہو رہا ہے'' کے الفاظ تھے۔ جن کو کاتب نے ''ہو چکا ہے'' لکھ دیا ہے۔ اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مدعی کو جو خط ۶، جون کو لکھا گیا تھا، اس میں بھی ''ہو رہا ہے'' کے الفاظ ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب: یہ دیا گیا کہ ''ترجمانِ اسلام'' میں کاتب نے بجائے ۱۹ محرم کی تاریخ کے، ۱۶، محرم لکھ دیا۔ اوراس کی دلیل یہ ہے کہ اس عبارت کے خاتمہ پر اس ''ترجمانِ اسلام'' میں ۱۹، محرم لکھا گیا ہے۔ چیئر مین صاحب نے ان دونوں جوابوں کو صحیح قرار دیا اور مدعی موصوف محمد یوسف لا جواب ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ چیئر مین نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی لکھا کہ:

''مدعا علیہ کے اس استدلال کو مصالحتی عدالت تسلیم کرتی ہے۔ دوسرا یہ کہ مدعا علیہ اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اس سے رجوع کر چکے ہیں۔ اس لیے مصالحتی عدالت مقدمہ ہذا کو خارج کرتی ہے''۔

اس کا مطلب ہے کہ مدعی کے نوٹس سے پہلے پہلے چونکہ مدعا علیہ یعنی احقر نے رجوع کر لیا تھا۔ اس بناء پر مقدمہ خارج کیا گیا، یہ مطلب نہیں کہ ان کے نوٹس کے بعد مدعا علیہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ وگرنہ اگر ایسا ہوتا تو مقدمہ خارج نہ ہوتا بلکہ مصالحتی عدالت مدعی کے موقف کو صحیح قرار دے کر مدعا علیہ سے مبلغ ر ۲۰۰ سو روپیہ ان سے دلواتی۔ اب ناظرین کرام انصاف فرمائیں کہ اس مقدمہ میں مدعی محمد یوسف کو کامیابی حاصل ہوئی ہے یا مدعا علیہ مظہر حسین کو؟ پھر مودودی صاحبان اپنی فتح کے شادیانے کیوں بجاتے پھر رہے ہیں؟

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

میں نے اپنے بیان میں حسب ذیل امور پیش کیے تھے۔

① زیر بحث چار عبارتوں کا حوالہ میں نے صحیح دیا ہے کیونکہ وہ عبارتیں ترجمان القرآن کے اس شمارہ میں موجود ہیں۔

② گو وہ مضمون مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی کا ہے، لیکن مودودی صاحب کا بلا تنقید اس مضمون کو اپنے پرچہ میں شائع کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس سے مضمون سے متفق ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص کی گئی ہے۔ ورنہ اگر ان کو اس مضمون سے اتفاق نہ ہوتا تو وہ ان پر ضرور تنقید کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تنقید کرنا فرض ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب نے ''ترجمان القرآن'' جنوری، فروری ۱۹۵۱ء کے اشارات میں لکھا ہے کہ جماعت کے ہر شخص کو محض تنقید کا حق ہی حاصل نہیں بلکہ یہ اس کا فرض ہے کہ کسی خرابی کو محسوس کر کے وہ خاموش نہ رہے، یہ بات ہر رکن جماعت کے اجتماعی فرائض میں داخل ہے''۔ [1]

---

[1] قلمی تحریر بدست قائد اہل سنت (غیر مطبوعہ) بہ عنوان ''ایک عبرتناک کوڑا'' جون ۱۹۶۴ء، چکوال

یہ تھا کتاب ''مودودی مذہب'' کا عدالتی قضیہ اور اس کا تاریخ ساز فیصلہ جو قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے حق میں ہوا تھا۔ اس کیس کے دوران بعض عجیب وغریب قسم کے خطوط بھی بھیجے جاتے تھے۔ جن میں متانت وسنجیدگی کا عنصر کم اور جذباتیت زیادہ ہوتی تھی۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا مزاج تھا کہ اپنے حریفوں اور مخالفین کے اُن خطوں کا جواب رقم فرماتے جن میں شائستگی سے گفتگو درج ہوتی، طعن و تشنیع اور محض تنقیدات والے خطوں کو پڑھ کر محفوظ کرلیا جاتا تھا، اور اگر کسی مرسلہ خط میں جوابی لفافہ بھی ہوتا تو اس میں فقط اتنا جواب واپسی لفافہ کے ذریعے بھیج دیا جاتا تھا کہ ''آپ کا خط مل گیا ہے''۔ فقط خادم اہل سنت غفرلہ۔''

چنانچہ انہی دنوں ایک خط موصول ہوا تھا، حسن اتفاق سے اس کے جواب کی نقل بھی ہمارے ہاتھ آ گئی ہے، سو دونوں خطوط ملاحظہ کیجیے!

''از شوکت علی

علی پور، مظفر گڑھ

محترم ومکرم جناب قاضی مظہر حسین صاحب

السلام علیکم۔ آپ کی کتاب ''مودودی مذہب'' نظر سے گزری، میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کتاب میں کیسے مبہم دلائل سے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ میرے پاس مودودی صاحب کی کافی ساری کتب موجود ہیں۔ میں نے جب آپ کی کتاب میں مودودی صاحب سے متعلقہ عبارات کو اصل کتابوں میں دیکھا اور اصل اقتباسات پر غور کیا تو مطلب کہیں کا کہیں جاتا ہے۔ خدارا اس طرح عبارات کو کاٹ چھانٹ کر عوام کو گمراہ نہ کریں اور مودودی صاحب پر الزامات لگا کر انہیں بے جا بدنام نہ کریں۔ آپ کی کتاب میں دی گئی عبارات کا اصل متن سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ میں بھی اہل سنت والجماعت (دیوبند) کے عقائد پر یقین رکھتا ہوں، اور ہمارے آباؤ اجداد بھی اسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور اب بھی ہیں، لیکن مودودی صاحب پر آپ کی اندھا دھند تنقید سے میں بہت حیران ہوں، خدا کے لیے عالم دین ہوتے ہوئے غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے کام نہ لیں۔ اس سے عام لوگوں کو آپ جیسے علماء پر سے یقین اٹھ جائے گا۔ امید قوی ہے کہ میرے یہ چند الفاظ آپ کو پوری حقیقت جاننے کے لیے کافی ہیں، خدا سے دعا ہے کہ وہ آئندہ آپ کو ایسے کاموں سے بچائے اور سادہ لوح عوام کو اس گمراہ کن پروپیگنڈہ سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین''

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا جوابی خط

بخدمت جناب شوکت صاحب سلام مسنون! آپ کا مکتوب ملا، آپ نے مودودی صاحب کی حمایت میں صرف اپنا غصہ نکالا ہے۔ کاش کہ آپ کے سینے میں بہ نسبت مودودی صاحب کے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین، فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کی غیرت وعظمت زیادہ ہوتی، آپ میری کتاب ''مودودی مذہب'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خدارا اس طرح عبارات کو کاٹ چھانٹ کر عوام کو گمراہ نہ کریں اور مودودی صاحب پر الزامات لگا کر انہیں بے جا بدنام نہ کریں، آپ کی کتاب میں دی گئی عبارات کا اصل متن سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں بھی اہل سنت والجماعت (دیوبند) کے عقائد پر یقین رکھتا ہوں۔

الجواب۔ آپ نہ سنی ہیں اور نہ دیوبندی، آپ صرف ''مودودیہ'' ہیں، آپ ایک عبارت تو ایسی پیش کریں جو میں نے غلط پیش کی ہو یا اس کا وہ مطلب نہ بنتا ہو جو میں نے لکھا ہے؟ تاکہ معلوم ہو کہ آپ عبارات سمجھتے بھی ہیں یا نہیں؟ یا مودودی افراد کے عام طریق کے مطابق جواب دینے پر مجبور ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مودودی فتنہ سے بچائے آمین والسلام۔

خادم اہل سنت
الاحقر مظہر حسین غفرلہ
مدنی جامع مسجد چکوال [1]

پروفیسر حافظ خالد محمود، اس قضیہ کا بنیادی اور اہم کردار

چونکہ حافظ خالد محمود صاحب نے ہی کتاب ''مودودی مذہب'' کی اشاعت کے بعد فوراً خط لکھ کر قائد اہل سنت کو ان تسامحات کی طرف متوجہ فرمایا تھا جو مقدمہ کا موجب بنے اور انہیں حافظ خالد محمود صاحب کی بروقت خط وکتابت اور بعد ازاں عدالتی بیان سے یہ مقدمہ خارج ہوا اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے حق میں عزت وافتخار کے ساتھ فیصلہ ہوا، گویا حافظ صاحب موصوف اس تاریخی قضیہ کا ایک اہم کردار ہیں، فلہٰذا ان کا تعارف پیش خدمت کیا جارہا ہے۔

حافظ خالد محمود صاحب، فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ کے چھوٹے

---

[1] مکتوب مرقومہ ومرسلہ، ۷، جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ/از چکوال

بھائی، حضرت مولانا محمد شادمان خان رحمہ اللہ کے فرزندار جمند، اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے سمدھی ہیں، یعنی حافظ صاحب موصوف کے بیٹے ڈاکٹر عبدالباسط خان (ایم بی بی ایس) قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے فرزند نسبتی ہیں۔آپ ۱۶ صفر ۱۳۵۷ھ میں پیدا ہوئے، جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم سے قرآن مجید حفظ مکمل کر کے ۱۹۵۶ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول جہلم سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، ۱۹۵۸ء میں جامعہ عربیہ گوجرانوالہ سے سند فراغت حاصل کی، اس دوران مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ سے کچھ درسی کتب بھی پڑھیں اور مولانا عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ سے کسب فیض کیا، بعدازاں سیکنڈری بورڈ لاہور سے ادیب عربی، عالم عربی، فاضل عربی اور ایف اے کے امتحانات پاس کیے۔ پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی اے، بی ایڈ، اور ایم اے (عربی) کی ڈگریاں حاصل کیں، آنرز عربی کی بنیاد پر پنجاب یونیورسٹی لاہور کی طرف سے ایم او ایل (عربی) کی ڈگری بھی ملی۔ بعدازاں محکمہ تعلیم کے مختلف اداروں میں ملازمت کرنے کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۹۸ء کو ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے، جس زمانہ میں ''کتاب مودودی مذہب'' تصنیف ہوئی تھی، اس وقت آپ K.G سکول لوئر مال لاہور میں معلم کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے، چند ایک علمی اور سوانحی کتب بھی تصنیف کر چکے ہیں، اور تادم سطور بقید حیات، راولپنڈی میں مقیم ہیں[1]۔

جب یہی کتاب ''مودودی مذہب'' ہمارے ادارہ مظہر التحقیق لاہور کی جانب سے شائع ہوئی تو بندہ کا ایک مختصر تبصرہ اخبار ''تکبیر مسلسل'' میں مندرجہ ذیل شائع ہوا تھا۔

''جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بعض نظریات اور وہ عبارات جن سے اسلام کے بنیادی اصولوں پر اثر پڑتا ہے، کا اہل حق نے اپنے اپنے انداز میں قلع قمع کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ علمی اور سنجیدہ کام حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے کیا،

جب بھی کسی فرد یا طبقے کی گمراہی کا سدباب شروع ہوتا ہے تو اس میں کئی قسم کے عوامل اور مزاج در آتے ہیں۔ بعض لوگ نیت کے اعتبار سے صاف ہوتے ہیں، مگر مافی الضمیر کے اظہار میں کھوٹے نکل آتے ہیں بعض کے مزاج کی شدت شامل ہو کر نفسِ مسئلہ کو بھسم کر دیتی ہے اور بعض اوقات فتوے کی زبان مخاطب اور قارئین دونوں کو مزید دور کر دیتی ہے اور یہ سب چیزیں قلت علم یا عدم فہم کا نتیجہ ہوتی ہیں مگر حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ کی ہر تحریر، وہ کسی بھی عنوان پر، کسی بھی فرقے کی تردید میں ہو۔

---

[1] خالد محمود، حافظ، مولانا / نقوشِ زندگی / اگست ۲۰۰۸ء / مطبوعہ ضیاء پرنٹرز، اسلام آباد / صفحہ نمبر ۲۲۶

خالص علمی، براہین سے مزین اور سنجیدگی و متانت سے لبریز ہوتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ نفسِ موضوع کو بلا وجہ مضروب یا مجروح کرنے کے روادار نہیں تھے۔

اس کتاب کا سنِ تصنیف ۱۹۶۴ء ہے۔ مگر آج طویل عرصہ گذرنے کے بعد بھی اس کی تر و تازگی قائم ہے۔ سید مودودی صاحب نے بنیادی طور پر مسئلہ عصمتِ انبیاء، محفوظیت صحابہؓ اور دین کی تعبیر و تشریح میں ٹھوکر کھائی تھی۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ نے ان عناوین پر قلم اُٹھا کر اہل سنت والجماعت کے کتاب وسنت پر مبنی عقائد کا دفاع کیا ہے اور یہ آپ رحمۃ اللہ کا پوری سنی ملت پر احسانِ عظیم ہے۔ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ کی باقی تصانیف سے چھوٹی ہے مگر مودودی صاحب کی پوری بے راہروی کی فہرست اور اس کا علمی سدِّ باب آپ کو اسی کتاب میں ملے گا۔ یہ کتاب پہلے بھی بارہا مرتبہ طبع ہو چکی ہے، مگر اب اس کو کمپوز کروا کر اور خوبصورت ٹائیٹل سے مزین کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان کو ضرور کرنا چاہیے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مسلک، مشرب یا جماعت کے ساتھ ہو۔ اگر آپ مبصر کی فریاد پر عمل کر کے ایک مرتبہ یہ کتاب دیکھ لیں تو یقیناً پکار اُٹھیں گے کہ واقعی لعلِ بدخشاں ہاتھ آ گیا ہے۔ اس کا ایک ایک ورق اور ہر ورق کی ہر سطر آپ کے فکر و عمل کو علم کے شفاف پانی سے سیراب کرتی جائے گی''۔

''جُداگانہ مذہب'' لکھنے پر اعتراض کا جواب

چونکہ قائد اہل سنتؒ نے اپنی کتاب کا نام ''مودودی مذہب'' رکھا تھا جس پر ایک یہ اعتراض یہ بھی وارد کیا گیا تھا کہ کسی کے نظریہ وفکر کو ''مذہب'' کا نام دینا شدت پسندی کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لیے ہم یہاں عرض کریں گے کہ یہ اصطلاح تو مولانا کوثر نیازی نے بھی استعمال کی تھی جو کم و بیش سترہ سال تک جماعت اسلامی میں شامل رہے اور پھر مولانا مودودی کی غلط پالیسیوں کی بناء پر جب استعفیٰ دیا تو ایک مستقل کتاب جماعت کے خلاف لکھ کر شائع کی اور حُسنِ اتفاق دیکھیے کہ ''مودودی مذہب'' ۱۹۶۵ء میں چھپی اور نیازی صاحب بھی ۱۹۶۵ء میں جماعت سے علیحدہ ہوئے۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

> ''میں جماعت اسلامی سے فروری ۱۹۶۵ء میں علیحدہ ہوا۔ میں اس وقت جماعتِ اسلامی حلقہ لاہور کا امیر تھا، اختلافات کافی عرصہ سے چلے آ رہے تھے جب تک میں دینی علم حاصل نہ کر سکا، عربی زبان نہیں جانتا تھا۔ مودودی صاحب کے لٹریچر کا سحر مجھ پر قائم رہا مگر جب میں براہِ راست کتاب وسنت کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگا اور میں نے علماء مفسرین اور آئمہ

وفقہاء کی علمی وفکری کاوشوں کو سامنے رکھ کر مودودی کے لٹریچر کا تقابلی مطالعہ کیا تو مجھ پر مودودی صاحب کے علمی و عملی تضادات آشکارا ہونے لگے اور مجھے اندازہ ہوا کہ یہ تو ایک ''جُداگانہ مذہب'' ہے۔ یہ بات جماعت کے بہت سے دوسرے لوگ بھی محسوس کرتے تھے اور مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ آج بھی محسوس کرتے ہیں مگر اس جماعت میں شامل ہونے کے بعد اسے چھوڑنا آسان کام نہیں، رشتے ناطے، کاروبار، تنخواہیں اور اسی بنیاد پر دوستیاں، دشمنیاں کتنی ہی باتیں ہیں جو حسن بن صباح کی اس جنت سے نکلتے وقت زنجیر پا بن جاتی ہیں۔ جماعت کو چھوڑے مجھے پانچ سال ہو گئے ''شہاب'' کے صفحات گواہ ہیں۔ میں نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے بارے میں اس وقت تک زبان نہیں کھولی جب تک ''خلافت وملوکیت'' جیسی رسوائے زمانہ کتاب سامنے نہیں آ گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ مودودی صاحب کے قلم نما نیزے نے صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کے سینے بھی چھلنی کر دیئے تو میں نے طے کر لیا کہ اس نئی خارجیت کے بالمقابل سینہ سپر ہو جاؤں گا''[1]۔

[1] کوثر نیازی، مولانا/ جماعت اسلامی عوامی عدالت میں/ مطبوعہ ستمبر ۱۹۷۳ء/ قومی کتب خانہ، لاہور/ صفحہ نمبر ۱۱

13
بابِ سیزدہ

❀ تصوف وسلوک کے بعض نکات پر
حضرت مولانا علامہ اللہ یار خان چکڑالوی رحمۃ اللہ کے ساتھ
سلسلۂ مکاتبت، پروفیسر حافظ عبدالرزاق مرحوم کی مداخلت،
بحث ومباحثہ کا بے نتیجہ اختتام، معاصر علماءِ کرام کے مشورے
اور بہ لحاظِ نتیجہ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کی اخلاقی فتح
❀ قائدِ اہل سنت رحمۃ اللہ پر چند اعتراضات کا علمی وتحقیقی جائزہ

؎ بُلبُل کو دیا نالہ، تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

علامہ مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ سے اختلافات کی نوعیّت

چکڑالہ ضلع میانوالی کے ایک متبحر، اور نڈر عالم دین حضرت مولانا اللہ یار خان چکڑالوی رحمہ اللہ نام کے گزرے ہیں، رد رافضیت اُن کا خاص ذوق تھا اور اس عنوان پر انہوں نے اپنی پوری زندگی صَرف کر دی تھی، وہ دفاعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے بہت حساس طبیعت کے مالک تھے، ہم نے اپنی کتاب ''تذکرہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ'' میں ان کے بعض اہم خطوط شامل کیے ہیں جنہیں پڑھ کر ان کے شغفِ علم وعمل اور فن مناظرہ میں مہارتِ کاملہ کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ جس دور میں علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ نے پندرہ روزہ رسالہ ''الفاروق'' جاری فرمایا تھا تو اس میں مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کے علمی مقالات کا اہل علم کو بے تابی سے انتظار رہتا تھا۔ کئی ایک مناظروں میں آپ نے چوٹی کے شیعہ مناظرین کو شکست فاش دی۔ ۱۹۵۵ء میں بلکسر ضلع چکوال میں مسئلہ تحریف قرآن مجید کے عنوان پر ہونے والے مناظرہ میں تو اہل تشیع کے معروف مناظر مولانا محمد اسماعیل گوجروی دورانِ مناظرہ ہی قضائے حاجت کے بہانے بلکسر سے فرار ہو گئے تھے۔ اس مناظرہ میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ بھی موجود تھے۔ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ نے تردید رفض و بدعت پر درجن سے زائد جو کتابیں لکھی ہیں، وہ رہتی دنیا تک ان کی علمی یادگار رہیں گی اور مسلمانانِ برصغیر کی دینی راہنمائی میں اپنا کردار ادا کرتی رہیں گی۔ مولانا چکڑالوی رحمہ اللہ تصوف وسلوک کے میدان میں بھی یکہ تاز تھے اور ایک روحانی مصلح کی حیثیت سے بھی بلا شبہ مانی ہوئی شخصیت تصور کے جاتے تھے۔ ان کی علمی وروحانی اور نظری وفکری کاوشوں کے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ پوری طرح موید تھے۔ اور باہم نہایت ادب وتعظیم اور اعتماد کا رشتہ موجود تھا، تا آنکہ ۱۹۶۶ء کے زمانہ میں مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ نے ایک کتاب بنام ''دلائل السلوک'' تصنیف فرمائی۔ اس کتاب نے ان کے حلقہ اعتقاد میں کافی شہرت حاصل کی جس میں اسلامی تصوف کی حقیقت، تصوف سے متعلقہ مختلف نظریات، تصوف کا شرعی ثبوت، قلب وروح اور نفس ولطائف کی تعریف، منازل سلوک، ولایت انبیاء ومناصب اولیاء اللہ، توجہ، تصرف، کلام بالارواح، کشف والہامات، غرضیکہ اس

میدان کے متعلقات میں سے کم و بیش ہر اک عنوان پر انہوں نے قلم کشائی کی ہے۔اس کتاب کے بعض مضامین ایسے تھے جو حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی نگاہ میں کسی فتنہ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے تھے۔ کیونکہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ جہاں ایک بیدار مغز عالمِ دین، سیاسی بصیرت کے حامل مذہبی مقتداء، فرقہائے باطلہ کے خلاف شمشیر بکف، اور ملحدین و روافض کے خلاف بحیثیت مناظر اپنی مثال آپ تھے، وہاں آپ رحمہ اللہ تصوف وسلوک کے میدان میں بھی شہسوار تھے۔حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کی متذکرہ کتاب ''دلائل السلوک'' کے خاص کر مکاشفات والی بحثوں کو قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے جمعۃ المبارک کی اپنی تقریر میں موضوعِ خطاب بنایا اور اس کی بعض ان خرابیوں کی نشاندہی فرمائی جو خود شیخ و مرشد کے لیے تو نہیں مگر سالک و مرید کے لیے کسی فتنہ کا موجب بن سکتی تھیں۔ یہ خبر حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب تک بھی پہنچ گئی تو انہوں نے چار ورقوں پر مشتمل اپنے موقف کی وضاحت میں ایک خط لکھا، اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس کا تفصیلی جواب ارسال فرما دیا، جس کے جواب الجواب میں حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب نے تو کچھ ارسال نہ فرمایا تاہم ان کے ایک مرید اور خلیفہ، چکوال کے رہائشی پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب کے ساتھ ایک سال خط و کتابت ہوتی رہی، پروفیسر صاحب موصوف اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا سن پیدائش ایک ہی ہے یعنی ۱۹۱۴ء! یعنی باعتبار عمر تو وہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ہم عمر تھے۔مگر افسوس کہ انہوں نے مبادلۂ افکار اور تبادلہ خطوط میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی علمی و نسبتی و نسبی عظمت کا ادب و پاس ملحوظ نہ رکھا۔حالانکہ ابتدائی خطوط میں پورے تکریم و آداب سے وہ تبادلہ خیالات کرتے رہے، مگر جوں جوں یہ سلسلہ آگے بڑھا، پروفیسر صاحب موصوف کے لب و لہجے میں خنکی و خزاں آتی گئی اور بہار رخصت ہوتی چلی گئی۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ بحث بے مزہ ہو کر مختتم ہو گئی۔کاتب السطور کا خیال یہ ہے کہ اگر حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب رحمہ اللہ خود اس بحث میں حصہ لیتے رہتے اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خطوط کے جوابات دیتے رہتے تو تصوف وسلوک کے باب میں ایک بڑی شاہکار تحقیق اور معلومات سے آگاہی ہوتی، حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کی طبیعت میں بھی جلال تھا، مگر وہ قائد اہل سنت کے مقام و مرتبہ کے قائل و معترف تھے اس لیے ان کا جلال کبھی بے مروتی سے آلودہ نہ ہوتا، دوسری جانب پروفیسر صاحب موصوف چونکہ سب کچھ اپنے شیخ کی عقیدت میں کر رہے تھے اس لیے ان کی بحثوں میں علم و تحقیق اور متعلقہ موضوع کی مناسبت سے جوابات کم اور نوک جھونک زیادہ ہوتی تھی۔ بہر حال قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی پہلی تقریر کے جواب میں خط کا آغاز حضرت مولانا اللہ یار خان

صاحب رحمہ اللہ کی جانب سے ہوا، جس کے جواب میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے اعتراضات و اشکالات اُن کو ارسال فرمائے تو حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب رحمہ اللہ کا مندرجہ ذیل خط موصول ہوا۔

مولانا اللہ یار خاں چکڑالوی کا خط بنام قائد اہل سنت

بخدمت جناب قاضی صاحب۔ السلام علیکم ورحمت اللہ۔ اما بعد! جناب کے تحریری سوالات اور اعتراضات پہنچے، جنہیں پڑھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جناب نے یا تو ''دلائل السلوک'' کو غور سے پڑھا نہیں یا محض کیچڑ اچھالنا مقصود ہے۔ ورنہ آپ کے تمام سوالوں کے جوابات اسی کتاب میں ہی مل جاتے۔ یہ مسائل نہ اعتقادیہ ہیں، نہ ضروریاتِ دین سے ہیں اور انکشافِ مسائل میں خود صوفیہ کے اختلافات موجود ہیں۔ جناب کی تحریر سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا عقائد کی بنیاد ان پر ہے۔ چنانچہ آپ نے جابجا فرمایا کہ یہ عقیدہ فاسد ہے، عقیدہ مخترعہ ہے، یہ قانون اختراعی ہے، یہ جہالت کی بناء پر کیا گیا ہے وغیرہ ذالک من الخرافات! اگر آپ کو ان مسائل کشفیہ میں اختلاف نیک نیتی کی بناء پر ہوتا تو ایسا اختلاف تو رحمت ہے مگر جو اختلاف محض برائے اختلاف ہو، عناد وضد، تکبر اور حسد کی بنا پر ہو اس کا علاج اس کے سوا نہیں ہے کہ ''**مُوتوا بغیظکم**! بہر حال آپ نے مناظرانہ اسلوب اختیار کیا ہے اس لیے مناظرہ کے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر جواب دینا ضروری ٹھہرا۔ اس بناء پر چند بنیادی امور طے کر لینا ضروری ہے تاکہ انکار یا تاویل باطلہ کی گنجائش باقی نہ رہے اس لیے میرے ذیل کے سوالوں کا جواب دیں تاکہ مناظرہ کے اصولوں کے پیش نظر اس کے تقاضے پورے ہو سکیں، پھر آپ کو جواب شافی دیا جائے۔

① جناب کے تمام سوالوں کا مآل یہ ہے کہ کشف شرطِ ولایت نہیں نہ ہی کمالاتِ ولایت میں سے ہے۔ اسی بناء پر آپ نے دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا انکار کیا ہے۔ اسی وجہ سے ایمانِ شعور کا انکار کیا ہے۔ اور دلیل جناب کی یہ ہے کہ کشف کفار کو بھی ہو جاتا ہے۔ اس میں کافر ولی سے شریک ہے، ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے ضروری ہے کہ آپ ان تین امور کی وضاحت کریں:

① کشف کی لغوی تعریف کیا ہے؟

② عرفِ عام میں کشف کی تعریف کیا ہے؟

③ عرفِ خاص میں کشف کی تعریف کیا ہے؟

صفحہ نمبر ۲ پر آپ نے فرمایا ہے کہ ''یہ بھی ملحوظ رہے کہ کشف کونی ہو یا کشف الٰہی، بندہ ان کے وجود کا انکار نہیں کرتا'' اس سلسلے میں وضاحت فرمائیں کہ: (الف) کشف کونی کی تعریف کیا ہے؟ نیز اس میں

کون کون سے کشف شامل ہیں؟ (ب) کشف الٰہی کی تعریف کیا ہے؟ اور اس میں کون کون سے کشف داخل ہیں؟۔ یہ تعریف اور تفصیل بزبان متقدمین صوفیہ کرام بحوالہ کتاب مع عبارت بقید صفحہ لکھیں۔ جناب کا اجتہاد درکار نہیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ کل آپ کشف الٰہی کو کشف کونی میں نہ داخل کر سکیں نہ اس کے برعکس! آپ نے صفحہ نمبر ۲ پر فرمایا ہے کہ ''کشف وکرامات سلوک کے لیے ضروری نہیں تو دربارِ نبوی میں حاضری کیونکر لازمی ہوگی؟ فرمایئے: (الف) کشف اور مراقبہ فنا فی الرسول ﷺ میں ملازمہ ہے؟ (ب) اگر ہے تو کونسا ملازمہ ہے؟

ضروری اور عدم ضروری کے سلسلے میں ذیل کے امور پیش نظر رکھیں۔ لا الہ الا اللہ کا مرجع دو قضیہ ضروریہ کی طرف ہے۔ اول سالبہ ضروری، دوم موجبہ ضروری، اول کا عدم ضروری، دوم کا وجود ضروری، یعنی وجوب الوجود پر دال ہے۔ معلوم ہوا کہ قضیہ ضروریہ وجوب الوجود پر دال ہے۔ منصوصِ خلافت کے سلسلے میں شیعوں کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ خلافت کے لیے نص کا ہونا یا خلافت کا منصوص ہونا ضروری نہیں۔ نہ یہ کہ خلافت منصوص ہوسکتی ہی نہیں۔ تو کشف کا ضروری ہونا ولایت کے لیے اسی قبیل سے ہے کہ وجوب الوجود کا درجہ نہیں دیا جاتا نہ یہ کہ ہوسکتا ہی نہیں۔ اگر یہ نہ سمجھ سکیں تو خود مولانا مدنی رحمۃ اللہ کا وہ خط جو آپ کے نام لکھا گیا ہے اور حصہ چہارم میں موجود ہے اس کا مطالعہ فرمالیں کہ ''ہم کو لطائف کا جاری کرنا ضروری نہیں۔'' تو آپ یہ بتائیں کہ اگر سلوک میں لطائف ضروری نہیں تو سلوک کا لعدم ہوگا کیونکہ سلوک تو لطائف پر ہی موقوف ہے۔

آپ نے صفحہ نمبر ۵ پر فرمایا ہے کہ ''آپ صور واشکال عینی کے مشاہدہ کے لیے ریاضتیں کرواتے ہیں۔''

پھر صفحہ نمبر ۸ پر فرمایا کہ ''آپ ملکوتی انوار کے مشاہدہ کے لیے ریاضتیں کرواتے ہیں۔'' آپ سوءِ حافظہ کا شکار ہیں۔ اس لیے ایک بات کرتے ہیں، پھر خود ہی اس کے خلاف کہہ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وضاحت کریں۔

(الف) انوار کیفی چیز ہے، اشکال وصور حسی اور کمی، اس لیے یہ فرمائیں کہ ہم اول کے لیے ریاضتیں کراتے ہیں یا ثانی کے لیے؟

(ب) ان دونوں عبارتوں میں تطبیق پیدا کریں۔

(ج) انوار ملکوتی سے جناب کی کیا مراد ہے؟ اس کی تعیین کریں اور یہ بتائیں کہ یہ کس طرح حاصل کیے جاسکتے ہیں؟

(د) یہ صورت اور شکل کس چیز کی ہے؟ صاحب شکل اور صاحب صورت کی تعیین کریں۔ آپ نے صفحہ نمبر ۱۵ پر ریاضت کی تفسیر کر دی کہ ''یہ امور ریاضت (بھوک یا بے خوابی وغیرہ) پر موقوف ہیں۔ ان کا تصوف و کمالِ ایمانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے کفار بھی اس میں شریک ہیں۔ اور اسی بناء پر آپ نے صفحہ نمبر ۱۷ پر فرمایا ہے کہ ''حقیقت یہ ہے کہ اہل باطل کو بھی بڑے بڑے مکاشفات نصیب ہو جاتے ہیں۔'' گویا آپ نے ''ریاضت'' کو بھوک، پیاس اور بے خوابی تک محدود کر دیا۔ اور کشف قبور اور بڑے بڑے مکاشفات کا موقوف علیہ اس ریاضت کو ٹھہرایا، اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ موقوف بغیر موقوف علیہ کے متحقق نہیں ہوتا۔ اب فرمائیے کہ جن بزرگوں کے متعلق آپ کا عقیدہ ہے کہ انہیں کشف قبور یا دیگر کشف حاصل تھے۔ ان سے یہ ریاضتیں ثابت کریں! مثلاً استاذ الکل مولانا مدنی رحمۃ اللہ، یا مولانا لاہوری رحمۃ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ، ثبوت بحوالہ بقید صفحہ لکھیں۔ یا اقرار کریں کہ غلطی سے موقوف علیہ تحریر کر دیا گیا ہے، یا یہ اقرار کریں کہ ریاضتیں اور بھی ہیں مگر آپ نے اس لیے نہیں لکھیں کہ اولیا اللہ کی عزت اور کرامت ثابت ہوتی ہے۔

(ب) مکتوبات شیخ الاسلام اور ''شیخ التفسیر نمبر'' میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ تصوف اس کا نام نہیں کہ آدمی تخلیہ میں بیٹھ جائے۔

(ج) آپ ثبوت پیش کریں کہ ہمارا مقصد واقعی دو چیزیں ہیں، ہم ان کو مقصود لذاتہ سمجھ کر ریاضتیں کراتے ہیں۔ یا تو میرے رفقاء میں سے گواہ حلفی پیش کریں یا میرے رفقاء میں چند ایسے آدمی پیش کریں جو بھوک، پیاس اور بے خوابی وغیرہ کی چلہ کشی کر رہے ہیں؟

یہ خیال رہے کہ آپ نے ریاضت وغیرہ کو ان کا موقوف علیہ ٹھہرایا ہے۔ اگر آپ یہ کہتے کہ یہ اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے ذکر کی برکت سے اور اہل باطل کو ریاضت سے تو تاویل بعیدہ کی گنجائش رہ جاتی مگر آپ نے تو اس کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی! اگر آپ یہ ثبوت پیش نہ کر سکیں تو اقرار کریں کہ آپ نے افتراءِ محض پر بنیاد رکھی ہے یا یہ اقرار کریں کہ تمام تحریر کی بنیاد عناد اور حسد پر ہے۔

(د) بڑے بڑے مکاشفات کی تفصیل دیں جو اہل باطل کو ہو جاتے ہیں، سب سے بڑا مکاشفہ تجلیات باری ذاتی یا صفاتی کا ہے۔ پھر ارواحِ انبیاء علیہم السلام سے مکالمہ، پھر ملائکہ سے مکالمہ، پھر ارواحِ اولیاء اللہ سے مکالمہ! کیا یہ مکاشفات اہل باطل کو ہوتے ہیں؟ ثبوت پیش کریں! آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ بڑے بڑے مکاشفات میں سے یہ بھی ہے کہ لوح محفوظ پر تمام منزل من اللہ کتب کے حروف کا مطالعہ کر لے۔

(ر) آپ کے نزدیک جو بڑے بڑے مکاشفات ہیں، ان کی دلیل نص قرآنی، قولِ رسول ﷺ یا قول صحابی سے پیش کریں۔ اس کی دلیل کشف سے پیش کرنے کا آپ کو حق نہیں ہے کیونکہ آپ کشف کو دلیل تسلیم ہی نہیں کرتے۔ یہ خیال رکھیے کہ خرق عادت کے متعلق دلیل کی ضرورت نہیں۔ بات صرف کشف اور بڑے بڑے مکاشفات یا کشف قبور اور جنت، دوزخ، برزخی پر ہو رہی ہے۔

(ز) کم از کم دس کافروں کے نام پیش کریں جن کو کشف قبور حاصل تھا! حوالہ کتاب ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اس امر کا خیال رکھیں کہ کافر کا بیان کوئی ثبوت نہیں۔ کیونکہ کافر کی خبر تو نہ مقبول ہے نہ حجت! گو آپ کے نزدیک حجت ہو، کیونکہ آپ کافر کے کشف کے قائل ہیں۔ مگر اہل ایمان کے نزدیک حجت نہیں۔ پھر اس الجھن کو کیسے حل کریں گے کہ اگر کوئی ولی اللہ کس کافر کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ کشف ہے تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ ولی اللہ کو کیسے معلوم ہوا؟ وجہ ظہور بیان فرمائیں۔ اگر ولی اللہ نے کشف کے ذریعے معلوم کیا تو یہ دلیل آپ پیش نہیں کر سکتے کیونکہ آپ تو مومن کے کشف کو دلیل نہیں سمجھتے۔ ایک اور احتیاط فرمالیں کہ یہ نہ کہیں کہ کشف خارق عادت سے ہے اور خرق عادت کفار کے لیے ثابت ہے لہٰذا کشف بھی ان کے لیے جائز ہے۔ یہ قیاسِ فاسد ہے کیونکہ شکل اول کے لیے ایجاب صغریٰ اور کلیت کبریٰ شرط ہے۔ یہاں کلیت کبریٰ ثابت کریں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جناب کی تحریر کا کوئی حصہ بھی صحیح نہیں۔ کہیں دعویٰ بلا دلیل، کہیں تقریب تام نہیں، کہیں دعویٰ خاص تو دلیل عام، کہیں دلیل جزو دعوی کی، کہیں صغریٰ ٹھیک تو کبریٰ غلط، اور کہیں اوسط مقرر نہیں۔ چنانچہ صفحہ نمبر ۹ پر فرمایا ہے کہ ''آپ کا لکھنا کہ کافر کے لیے کشف نہیں، یہ ایک عقیدہ فاسدہ ہے، کیونکہ اکابر نقشبندیہ ہی صرف نہیں بلکہ اکابر دیوبند بلکہ جمہور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کفار و فساق کے لیے صرف خرق عادت ثابت ہے اور کشف خرق عادت سے ہے (لہٰذا) اس کا ظہور کفار و فساق سے بھی جائز ہوگا۔

(الف) فاسد کا تقابل صحیح سے ہے جب یہ عقیدہ فاسدہ ہے تو کافر کے کشف کا منکر صحیح اسلامی عقیدہ پر نہ رہا۔ تو کیا وہ مسلمان ہے یا نہیں؟

(ب) اگر فساد عقیدہ سے وہ مسلمان نہیں رہا تو اسکا ثبوت قطعی دلیل سے پیش کریں کیونکہ عقائد کی بنیاد دلائل قطعیہ پر ہے۔ اگر قطعی دلیل نہ دی تو تعود الفتوی علیك۔

(ج) کفار کے کشف کا عقیدہ (خرق عادت کا نہیں) دلائل قطعیہ سے ثابت کریں۔

(د) کفار کے لیے کشف قبور، علم عام سے ثابت کریں پھر اس کے منکر پر متکلمین سے فتویٰ نقل

کریں۔خود ہی متکلم اور خود ہی مفتی نہ بن بیٹھیں۔

(ر) اکابر نقشبندیہ سے دس بزرگوں کے نام پیش کریں جن کا یہ عقیدہ تھا کہ کفار کو کشف قبور ہوتا ہے۔اسی طرح اکابر دیو بند سے دس بزرگوں کا نام پیش کریں۔

(س) جمہور اہل سنت سے اس عقیدے کا ثبوت پیش کریں، نیز جمہور کا مذہب اور ایک دو آدمیوں کی رائے میں فرق ملحوظ رکھیں۔

پہلے یہ خیال تھا کہ آپ نے افتراء پردازی اور غلط بیانی کی مشق کرنے کے لیے صرف مجھے انتخاب فرمایا ہے(مگر) اب معلوم ہوا کہ اکابر نقشبند، اکابر دیو بند بلکہ اہل سنت کو بھی آپ نے اس پاکیزہ شغل کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔جب آدمی کے دل سے خدا کا خوف جاتا رہتا ہے تو وہ اس قسم کی حرکتیں بڑی بے تکلفی بلکہ بڑی بے باکی سے کرتا ہے،اس میں آپ کا قصور نہیں ہے۔

صفحہ نمبر ۲۰ پر آپ نے حضرت سلطان باھو رحمہ اللہ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ سماع سے کشف متحد تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن نور باطن جل جاتا ہے۔

(الف) اس عبارت کے لیے حوالۂ کتاب بقید صفحہ پیش کریں۔

(ب) سماع سے مراد کونسا سماع ہے؟ تعیین فرمائیں کہ سماع عام ہے یا جس سے کشف قبور ہو جاتا ہے۔وہ مراد ہے؟

(ج) چند آدمیوں کی مثال پیش کریں کہ بوجہ سماع فلاں آدمیوں کو کشفِ قبور حاصل ہو گیا، بحوالہ کتاب مع عبارت بقید صفحہ لکھیں۔

(د) کیا سماع سے نورِ باطن جل جاتا ہے؟ یا کشف قبور سے؟ سماع سے جل جاتا ہے تو سماع سبب احتراق نور ہوا، اگر نہیں تو سبب احتراق کشف قبور ہے یا دونوں ذات واحد اور زمانۂ واحد میں جمع ہو گئے؟ یہ اجتماع ضدین ہے۔

(ر) نورِ باطن عام ہے جو نورِ ایمان کو بھی شامل ہے بلکہ مطلق نور باطن سے نور ایمانی مراد ہوتا ہے اور قرینہ بھی موجود ہے کہ آپ نے مطلق نورِ باطن فرمایا ہے نہ کہ نور معرفت یا نور بصیرت، اس لیے فرمائیں کہ جناب کے نزدیک سماع کفر ارتدادی ہوا۔حضرت سلطان باھو رحمہ اللہ کا نام نہ لیں کیونکہ آپ نے حوالہ بلا محول فرمایا ہے۔

(س) تمام مادی چیزیں عالم دنیا میں نور بصر سے نظر آتی ہیں، جب آنکھوں کا نور چلا جائے تو کوئی

چیز نظر نہیں آتی اور لطیف و نورانی چیزیں اور حالات عالم برزخ اور تمام لطیف چیزیں نور بصیرت سے نظر آتی ہیں۔ جب نورِ بصیرت جل جائے تو قلب اندھا ہو گیا، پھر اس کو قبور پر حالات کا کشف کیسے ہوا؟ نور باطن کے جل جانے کے بعد کشف قبور ہونے پر قوی دلیل پیش کریں۔

(ط) نور باطن سے کونسا نور مراد ہے؟ سلاسل اربعہ کی کتب سے پیش کریں۔ آپ کی ذاتی رائے صرف احتمال عقلی ہے۔ **وتمسك باحتمال عقلی لا شاهد لك مفيد من المنقول فهو مردود وليس على حجة۔**

(ظ) حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ نے یہ بات اپنے ذاتی کشف سے فرمائی ہے یا کوئی دلیل پیش فرمائی ہے؟ آپ فرمائیں کہ قرآنِ مجید کی کسی آیت سے یا حدیث سے یا قولِ صحابی سے یا کسی مجتہد کے قول سے ثابت ہے؟ کیونکہ اتنے بڑے مسئلہ کی بنیاد جس سے نور باطن جل کر انسان کو تباہ کر دے، کشف سے تو نہیں رکھی جاتی۔ اور کشف تو آپ کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ مگر یہ کیا دورنگی ہے کہ آپ اپنے مطلب برآری کے لیے تو دلیل کشفی کو قطعی سمجھیں اور اللہ یار خان اگر کشف کا نام لے تو کشف کو کافر کا حصہ قرار دے دیں؟ یہ تو کسی بے دین بنیا کا کام ہے کہ لینے کے لیے اور باٹ استعمال کرے اور دینے کے لیے اور باٹ استعمال کرنے لگے۔

آپ نے صفحہ نمبر ۲۰ پر فرمایا ہے کہ ”آپ جو مکاشفات بیان کرتے ہیں آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ آپ جو کچھ دیکھتے ہیں یا دکھلاتے ہیں وہ درحقیقت جنت، دوزخ، عرش و کرسی ہی ہوتے ہیں؟ کیا آپ کے تخیلات یا شیطانی کیفیات نہیں ہوتے؟ حضرت مجدد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”آنچہ در قلب از عرش می نماید انموذج عرش است نہ حقیقت عرش۔“ فرمایئے:

(الف) صوفیہ کرام کیفیات رحمانی، کیفیات شیطانی اور تخیلات نفسانی میں کس طرح تمیز کرتے تھے اور کرتے ہیں؟ میرے پاس وہی دلیل ہے جو ان کے پاس تھی۔

(ب) آپ ان میں ما بہ الاشتراک بیان فرمائیں کیونکہ ما بہ الامتیاز سے پہلے ما بہ الاشتراک ہوتا ہے۔

(ج) آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہماری کیفیات شیطانی ہیں؟ یہ بھی خوب کہی، ہم اپنی کیفیات کو نہیں سمجھ سکتے اور آپ سمجھ جاتے ہیں۔

(د) مجدد صاحب رحمہ اللہ کے فرمان میں جو ”انموذج عرش“ ہے کیا وہ تخیلات الشیطانی سے ہے یا تخیلاتِ نفسانی سے؟ یہ بھی سوچ کر بتایئے کہ آپ کے مضمون اور دلیل کا آپس میں کوئی تعلق ہے؟

(ر) حضرت مجدد رحمۃ اللہ نے یہ بات نص کی بناء پر فرمائی یا کشف کی بناء پر؟ اگر نص ہے تو وہ پیش کیجیے، اور اگر اپنے کشف سے فرمائی تو آپ نے کشف کی تردید میں کشف سے دلیل کیوں پیش کی؟ آپ کے نزدیک تو کشف کوئی دلیل نہیں، بلکہ یہ تو کافر کا حصہ ہے؟

حق یہ ہے کہ یہ تمام باتیں آپ نے القاء شیطانی کی وجہ سے کی ہیں۔ آپ کی تحریر کے بیشتر جملے انہی القائے شیطانی کے مظہر ہیں۔ کہیں فرمایا کہ تم انوارِ ملکوتی کے لیے ریاضتیں کراتے ہو، کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ تم صور و اشکالِ غیبیہ کے مشاہدہ کے لیے ریاضتیں کراتے ہو، کبھی انوکھے انداز میں تخیلات کو شیطانی کیفیات کا نام دے دیا۔ آخر آپ کی کس بات کو صحیح سمجھا جائے؟ القائے شیطانی میں صداقت کی

تلاش کوئی کیسے کرے یہ افتراء پردازی اور بہتان تراشی اس امر کی بین دلیل ہے کہ آپ کے اندر القائے شیطانی کو قبول کرنے کی صلاحیت کمال درجہ کی پائی جاتی ہے۔

① کیا یہ کوئی کلیہ ہے کہ تمام دنیا کے صوفیہ کے مکاشفات ایک نہج پر ہوں اور ان میں کوئی اختلاف نہ ہو؟ اگر ایسا ہے تو ثبوت پیش کریں اگر اتفاق شرط نہیں تو اختلاف کو کس نگاہ سے دیکھیں گے؟

② کیا کشف کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ثبوت کتاب و سنت سے ہو یا اتنا کافی ہے کہ ان سے متصادم نہ ہو۔

③ مراقبہ فنافی اللہ، بقاباللہ، سیر کعبہ، اور فنافی الرسول ﷺ منازلِ سلوک سے ہیں یا نہیں؟

④ کیا یہ مراقبات اور منازلِ سلوک امورِ واقعیہ سے ہیں یا صوفیہ کرام کے اختراعی امور اور وہمی چیزیں ہیں؟

⑤ کیا ہر مراقبہ و منزل کی کیفیات جدا جدا اور ان کے انوار مختلف ہیں۔ یا تمام یکساں ہیں؟

⑥ جب صوفی پر یہ تجلیات و کیفیات وارد ہوتے ہیں تو اس کو کس طرح علم ہوتا ہے کہ یہ من جانب اللہ ہیں یا من جانب الشیطان؟

⑦ کیا منازل یعنی ولایت انبیاء و رسول و ملائکہ، شیخ کامل کی توجہ اور امداد کے بغیر طے کیے جا سکتے ہیں؟ اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو خیر، اثبات میں ہو تو حوالہ کتب مع عبارات بقید صفحہ لکھیں۔ آپ کی طرف سے ان سوالات کا جواب آنے پر آگے گفتگو کرنے کی راہ ہموار ہو جائے گی، آپ کے مناظرانہ اسلوب بیان کے پیش نظر اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ شاید آپ کے لیے یہ علاج بالمثل مفید ثابت ہو فقط، ناچیز اللہ یار خان[1]۔

---

[1] اللہ یار خان، حضرت مولانا/بنام قائد اہل سنت/ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ/از چکڑالہ ضلع میانوالی۔

مولانا اللہ یار خان صاحب رحمہ اللہ کا مندرجہ خط حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے اس طویل خط کے جواب میں ہے جو رجسٹر سائز کے کم و بیش ۳۰ صفحات پر لکھا گیا تھا۔ اس زمانہ میں یعنی ۱۹۶۴ء میں فوٹو کاپی مشین تو ابھی آئی نہیں تھی۔ چنانچہ مختصر خطوط کی نقل لکھ لی جاتی جو بمطابق اصل ہوتی جبکہ طول طویل تحریروں میں اکثر اوقات نقل کا اندراج بھی مشکل ہو جاتا تھا، اس لیے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خطوط تو مکتوب الیہ کے ہاں سے ہی دستیاب ہو سکتے تھے، اور اب مکتوب الیہ یعنی حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ یا پھر حافظ پروفیسر عبدالرزاق صاحب کے پس ماندگان میں کوئی اس ذوق کا نہ مل سکا جو اس معاملہ میں ہم سے تعاون کرتا پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب مرحوم کے خطوط قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خزانہ علمی سے ہمیں کل کے کل موصول ہو گئے ہیں، مگر انہیں بحالہ یہاں شائع کرنا باعث طوالت تو ہے ہی، مگر طوالت بھی اگر بامعنی ہو تو برداشت ہوتی ہے، اور وہ بالکل بے معنی ہوں گے جب تک کہ جانبین کے خطوط نظر نواز نہ ہوں، بالخصوص زیر نظر کتاب جب قائد اہل سنت کے احوال و آثار پر مشتمل ہے تو آپ رحمہ اللہ ہی کے خطوط کا ساتھ آنا فائدہ مند ہے، اس لیے حافظ صاحب موصوف کے جملہ خطوط تو ہم پیش نہیں کرتے، تاہم ان کے بعض اقتباسات ضرور پیش کر دیں گے جن سے کسی قدر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے موقف و دلائل اور نظریہ و فکر کے مکمل نہ سہی، تو کچھ نہ کچھ آثار ضرور مل جائیں گے۔ جیسا کہ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کے جوابی خط میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی عبارتیں آ گئی ہیں، تاہم قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خطوط میں سے ایک کی نامکمل نقل پیش خدمت ہے۔ یاد رہے کہ ایک آدھ خط کے بعد مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ نے یہ سلسلۂ مکاتبت اپنے مرید و خلیفہ پروفیسر حافظ عبدالرزاق مرحوم کے سپرد کر دیا تھا۔ حافظ صاحب موصوف چکوال کے مغرب میں تین میل کے فاصلہ پر واقع معروف گاؤں ”اوڈھروال“ کے رہائشی تھے یہ بھی یاد رہے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے یہ خطوط یہاں سے صوفی عبدالرشید صاحب (والد گرامی حافظ عبدالوحید صاحب حنفی) لے جایا کرتے تھے جو رشتہ میں حافظ عبدالرزاق مرحوم کے بھانجے تھے۔ جبکہ بعض خطوط حافظ عبدالوحید صاحب بھی لے جاتے اور جوابات لاتے رہے۔ حافظ عبدالرزاق صاحب کے نام قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ایک طویل خط کی نامکمل نقل کا نمونہ ملاحظہ کیجیے!

بخدمت حافظ عبدالرزاق صاحب پروفیسر، ھداکم اللہ تعالیٰ

سلام مسنون! بندہ کے مکتوب (محررہ) ۴، ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ کے جواب میں آپ کا مکتوب محررہ ۱۵، ذیقعدہ مجھے ۲۸، ذیقعدہ کو موصول ہوا، آپ نے لکھا ہے کہ ”ہمارا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں تو فیصلہ

کروانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''[1] اس سے اگر دنیاوی جھگڑا مراد ہے تو آپ کی بات صحیح ہے۔ لیکن مذہبی مسائل کا اختلاف ونزاع تو بہر حال ہے۔ اس لیے تو ایک عرصہ سے مکاتبت جاری ہے۔ اور آپ کے حضرت الاستاذ نے بھی جواب الجواب کا وعدہ فرمایا تھا لیکن پھر وہ خاموش ہو گئے۔ اب حسب وعدہ بندہ کے اعتراضات کا جواب دینا مولانا اللہ یار خان صاحب کے ذمہ ہے۔ اور چونکہ تحریری بحث انہوں نے شروع کر دی تھی اس لیے اس کی تکمیل ضروری ہے۔ اور اگر آپ کو اپنے موقف کی صحت پر یقین ہے تو دیوبندی اکابر کو ثالث ماننے سے کیوں گھبراتے ہیں؟ سنجیدہ اور فیصلہ کن تجویز تو یہی ہے جو بندہ نے پیش کر دی ہے۔ اور یہی آپ کے لیے مشکل ہے۔ آپ کے حضرت الاستاذ نے اپنے مکتوب میں بعض الزامات عائد کیے تھے جن کی میں نے تردید کر دی۔ اب وہ کیا جواب دیں؟ انہوں نے میری عبارات کا غلط مفہوم بنا کر مجھ پر الزام لگایا کہ تو نے جمہور اہل سنت کی طرف کشف کافر کے جائز ہونے کا قول منسوب کر کے افتراء کیا ہے۔ اس کا مدلل جواب بندہ نے تحریر کر دیا ہے۔ اب ان پر لازم تھا کہ یا اپنا الزام ثابت کرتے یا اس سے رجوع کرتے۔ جبکہ آپ کے حضرت الاستاذ نے یہ بھی لکھا تھا کہ ''اسی بناء پر آپ نے دربار نبوی ﷺ میں حاضری کا انکار کیا ہے'' یہ بھی محض بزرگانہ الزام ہے۔ کیونکہ میں نے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ ''اس کا انکار نہیں ہے کہ بعض اہل اللہ کو بیداری میں مثالی یا اصلی صورت مبارکہ کی زیارت ہو جاتی ہے''۔ ''دلائل السلوک'' میں انہوں نے کشف کافر کی نفی میں یہ دلیل دی تھی کہ ''جس گروہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہو کہ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ اسے کشف ہو سکتا ہے؟ وہ جنت دیکھ سکتا ہے؟ ملائکہ اور انبیاء کی ارواح سے ملاقات کر سکتا ہے؟ (صفحہ ۱۲۵) بندہ نے اس استدلال کو غلط ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ کیا آسمانوں کے کشف کے لیے روح کا آسمانوں میں داخل ہونا ضروری ہے؟ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ کفار کی ارواح آسمانوں کے اندر داخل نہ ہو سکیں گی۔ نہ یہ کہ ان کو اپنے مقام پر بھی عالم بالا کا انکشاف نہیں ہو سکے گا۔ ابریز کے حوالہ سے نقل کر چکا ہوں کہ کافر کو لوح محفوظ کا بھی مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر کی روح لوحِ محفوظ تک پہنچتی ہے؟ اب

[1] اس بات کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ نے حافظ عبدالرزاق صاحب کے ذریعہ مناظرہ کا چیلنج دیا تھا جسے قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے منظور فرماتے ہوئے کہا کہ میری طرف سے فلاں فلاں ثالث ہوں گے، اور یہ خط و کتابت (اب تک کی) اُن کے سامنے پیش کی جائے گی، وہ جو فیصلہ کریں گے، فریقین کو منظور ہوگا، چنانچہ حافظ عبدالرزاق صاحب ثالثوں کے سامنے آنے پہ آمادہ نہ ہوئے اور نہ ہی حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب رحمہ اللہ کی جانب سے کوئی جواب آیا۔ سلفی

اس کا وہ کیا جواب دیں؟ جذبات کی رو میں اگر انہوں نے غلط استدلات اپنی کتاب میں پیش کر دیئے تو وہ آپ کی عقیدت کی وجہ سے صحیح تو نہیں ہو سکتے؟ اس آیت کی تشریح میں غوث زماں حضرتِ دباغ رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ ''حضرت نے ایک بار تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کافر کی روح جب برزخ کے بائیں حصہ میں دنیا کے آسمان میں ہے اور اسے حجاب میں ڈال دیا گیا ہے تو گویا ان کی آنکھ، کان اور دل اور تمام حواس سی دیئے گئے ہیں یہ بطور مثال کے ہے۔ لہٰذا ایسا ہوا جیسا کہ کسی کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے گئے ہوں، دوسری بار یوں فرمایا کہ برزخ میں کافروں کی روحوں کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو ظلمت اور بدحالی کے غلبہ کی وجہ سے محجوب ہے، یہاں تک کہ اسے نہ روح دکھائی دیتی ہے، نہ کوئی اور چھوٹی یا بڑی چیز! اور یہ خدا کی ناراضگی کا حجاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ اور دوسری قسم ان روحوں کی ہے جو محجوب نہیں ہیں بلکہ انہیں مشاہدہ ہوتا ہے اور یہ مشاہدہ صرف اسی عذاب کا ہوتا ہے جو اس کے لیے تیار رکھا گیا ہے۔ لہٰذا ان کی یہی حالت ہوتی ہے جس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے۔ پھر مؤلف لکھتے ہیں کہ ''بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے دروازے ان کی دعاؤں کے لیے نہیں کھولے جائیں گے یعنی ان کی دعائیں۔ مقبول نہ ہوں گی الخ۔ فرمایئے حضرت دباغ رحمہ اللہ کے نزدیک تو لا تفتح لھم ابواب السماء بطور مثال بیان فرمایا نہ کہ بطورِ حقیقت! اب یہ آپ ہی فیصلہ دیں کہ آپ کے حضرت الاستاذ کا مقام بڑا ہے یا حضرت دباغ کا؟ کاش کہ آپ حق پرستی اور انصاف پسندی کا رستہ اختیار کرتے۔ چلیں حضرت الاستاذ سے دریافت کر کے اس کا جواب آپ ہی لکھ دیں۔

(۲) آپ نے لکھا ہے کہ رہا یہ سوال کہ ''مولانا مودودی آپ کی تجویز پر عمل کیوں نہیں کرتے تو اس کی وجہ تو وہی جانتے ہوں گے، ویسے ان کا علم اور ان کی بلندی فکر ساری دنیائے اسلام میں مسلّم ہے۔ الخ

الجواب: پہلے میرا گمان تھا کہ آپ تصوف و سلوک میں پڑ کر مودودیت سے توبہ کر چکے ہیں، لیکن آپ کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ ابھی تک آپ مودودی صاحب کی عقیدت میں مبتلا ہیں۔ اور یہی ہے وہ حال جس کو اُشربوا فی قلوبھم العجل میں بیان فرمایا گیا ہے۔ مودودی صاحب نے تصوف کے خلاف جو کچھ لکھا کیا آپ کو وہ علم نہیں؟ مودودی صاحب نے انبیاء و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو تنقیدیں کی ہیں کیا آپ اس سے ناواقف ہیں؟ مودودی صاحب نے جو تحقیقاتی عدالت میں بیان دیا تھا کہ لاہوری مرزائی کافر نہیں، کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ کہیں آپ مودودی صاحب کی جانب سے حلقہ ذکر و

مراقبہ میں بطور جاسوس تو نہیں کام کر رہے؟ کیونکہ انہوں نے تقریباً ہر شعبہ اور ہر حلقہ میں اپنے لوگ داخل کیے ہوئے ہیں۔ علمائے حق تو مودودی صاحب کی بلندئ فکر کو نہیں مانتے۔ اگر آپ کو علم نہیں تو اس کی بعض عبارات نقل کرتا ہوں، شاید کہ آپ کی ہدایت کا سبب بن جائیں۔

① ''حضور ﷺ کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو، لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور ﷺ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔'' (ترجمان القرآن، فروری ۱۹۴۶ء)

② نبی ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا (رسائل و مسائل، جلد اول ص ۳۲)

③ تاہم قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں۔ (تفسیر تفہیم القرآن جلد اول، حاشیہ صفحہ ۳۱۲)

کیا یہی وہ بلندئ علم و فکر ہے جو اس نے انبیاء و مرسلین کے متعلق لکھا ہے، اور کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ قطب زمان حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا حوصلہ ہے کہ وہ مودودی صاحب کی تکفیر نہیں کرتے، اگر وہ تکفیر کریں تو میں دستخط کرنے کے لیے تیار ہوں [1]۔

نوٹ: قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے مکتوب سے جیسا کہ مترشح ہے کہ حافظ عبدالرزاق موصوف، مودودی صاحب سے خاصے متاثر تھے، مگر یہ تاثر بعد میں زائل ہو گیا تھا، اور حافظ صاحب موصوف، مودودی صاحب کے افکار کی کھلی مخالفت کرتے تھے، یہ تفصیل ان کی خودنوشت ''آئینہ ایام'' میں موجود ہے جس میں انہوں نے عالم برزخ سے مودودی صاحب کا ایک فرضی مکالمہ بھی نقل کیا ہے، کیونکہ اس قسم کے لامحدود اور ماورائے عقل مکاشفات حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب رحمہ اللہ کے خلفاء کو ہوتے رہتے تھے۔

تاہم یہ اپنی جگہ حقیقی ہے کہ مولانا مودودی صاحب کے متعلق بعد میں ان کے وہ خیالات نہ تھے جو پہلے کسی درجہ میں موجود تھے۔

پروفیسر حافظ عبدالرزاق کا ایک خط بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ

برادر محترم جناب قاضی صاحب۔ السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے فرمایا

---

[1] مظہر حسین، مولانا، قائد اہل سنت/ مکتوب بنام حافظ عبدالرزاق (نامکمل نقل) / ۵ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ۔ چکوال

کہ ''آپ کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ بہت زیادہ پریشان اور غضبناک ہیں''۔ عرض ہے کہ اس ترشح کا احساس آپ کے نادر اجتہادات کی قبیل سے ہی ہے۔ بہر حال آپ نے اپنے ضمیر کو تھپکیاں دے دے کر سلانے اور سلائے رکھنے کی راہ خوب نکالی ہے۔ احتیاط فرمائیں کہیں یہ بیدار نہ ہونے پائے۔
مجھے پریشانی کیوں نہ ہو کیونکہ:

① آپ کے اعتراضات، اتہامات، اور الزامات کے جواب میں مَیں نے حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ کے اقوال پیش کیے مگر آپ بالکل گول کر گئے۔

② میں نے غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کے واردات پیش کیے، آپ صاف ہضم کر گئے۔

③ میں نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کی نظیر پیش کی آپ کنی کترا گئے۔

④ میں نے غوث زماں سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ کے فیصلے پیش کئے آپ تو آپ بغلیں جھانکنے لگے۔

⑤ میں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے اقوال پیش کیے، آپ نے سنی اَن سنی کر دی۔

⑥ میں نے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ کے حوالے پیش کیے آپ بالکل نگل گئے۔

⑦ میں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ کا قول پیش کیا، آپ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔

⑧ میں نے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ کے ارشادات نقل کئے، آپ سیخ پا ہو گئے۔

غرضیکہ میں نے آپ کے اعتراضات کی تردید میں ان اکابر کے حوالے پیش کیے جو علم ظاہری اور باطنی میں ان سے بلند تھے مگر آپ نے کوئی ایک حوالہ ایسا پیش نہیں جو ان بزرگوں سے بلند تر ہو! اس لیے آپ کی بے بسی، بے کسی، بے چارگی اور مجبوری کو دیکھ کر مجھے پریشانی کیوں نہ ہو؟ رہا آپ کا یہ خطرہ کہ میں کہیں کپڑے نہ پھاڑنے لگوں اور مجنون نہ ہو جاؤں، تو عرض ہے کہ وہ جنون اچھا، جس میں آدمی اپنا ہی گریبان چاک کر دے۔ مگر اس فرزانگی سے اللہ بچائے کہ جس سے آدمی ہر راہ رو کے کپڑے پھاڑے اور اس کا گوشت نوچنے لگے۔ میں ایسا خوش نصیب کہاں کہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کا مصداق بن جاؤں کہ **اکثروذکراللہ حتیٰ یقولوا انہ مجنون**۔ آپ فرماتے ہیں کہ بقیہ خط کا جواب پھر لکھیں گے تو عرض ہے کہ آپ یہ تکلیف کیوں فرماتے ہیں؟ کیوں نہ آپ اپنا قیمتی وقت کسی تعمیری کام میں صرف

کر دیں، آپ اپنے محبوب گروہ یعنی کفار کے کمالات جمع کرنے کے سلسلے میں تحقیقی کام جاری رکھیں، ابلیس سے لے کر دجال تک سب کاملین کے مناقب لکھیں، یہ ایک تخلیقی کارنامہ ہوگا اور رہتی دنیا تک آپ کی یادگار رہے گی۔ آپ نے جواب لکھا بھی تو یہی ہوگا کہ میں اعتراف شکست کا اعادہ کروں گا، وہ میں پیشگی کیے دیتا ہوں کہ آپ کو فتح عظیم حاصل ہوگئی۔ اور یہ اعتراف شکست بلا وجہ نہیں بلکہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے تحت کر رہا ہوں کہ مریضانِ جہل کی چار قسمیں ہیں۔ ایک گروہ تو قابل علاج ہے، بقیہ تین گروہ کسی طرح بھی قابل علاج نہیں ہیں۔ پہلا وہ شخص جو حسد کی وجہ سے اعتراض کرتا ہے اور حسد ایک مزمن بیماری ہے۔ اور اس کا علاج کسی طرح ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے اعتراض کا خواہ تم کتنا ہی شفاف اور روشن جواب دو، اس کو بے حد طیش آئے گا۔ اور حسد کی آگ اس کے سینے سے بھڑک اٹھے گی، اس لیے ایسے شخص کا جواب ہی نہیں دینا چاہیے[1]۔

حافظ عبدالرزاق مرحوم کا سلسلہ مکاتبت ختم کرنے کا اعلان

پھر اسی تاریخ کو حافظ صاحب موصوف نے دوسرا خط یوں لکھا: آپ کے ساتھ خط و کتابت کرنا بالکل بے نتیجہ اور محض تضیع اوقات ہے، کوئی علمی بات کی جائے تو آپ کی سمجھ میں نہیں آتی اور اگر ماہرین فن اکابر کے نظائر اور اقوال پیش کیے جائیں تو آپ کسی کو مستند نہیں سمجھتے، اور اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کی آپ کو توفیق نہیں ملتی۔ تو ایسی خط و کتابت کا کیا فائدہ؟ ہاں اگر آپ نے اپنے رُو ''خواص'' کی طرح ''علمی گرفت'' کرنے کا شغل کرنا ہے تو شوق سے جاری رکھیے۔ ہماری طرف سے آپ کو اب کوئی جواب نہیں دیا جائے گا، آپ خود اپنے ضمیر کو جواب دے لیں۔

واللہ یهدی من یشاء الی صراطٍ مستقیم[2]۔

یاد رہے کہ حافظ صاحب عبدالرزاق مرحوم جس عرصہ میں جہلم میں برائے ملازمت مقیم تھے۔ یہ آخری دنوں میں خط و کتابت تب کی ہے، یعنی ایک سال تک جاری رہنے والی خط و کتابت کے ابتدائی چند ماہ ان کے اقامتِ چکوال (بمقام اوڈھروال) کے اور بقیہ اقامتِ جہلم کے ہیں۔ حافظ صاحب موصوف کے جوابی خطوط میں تقریباً یہی لب ولہجہ ہے۔ جس نے ایک علمی ولطیف بحث کو مناقشے میں تبدیل کر کے بے نتیجہ ختم کر دیا تھا، اور پھر قابل افسوس بات یہ ہے کہ انہوں نے جب زندگی کے اواخر میں اپنی

---

[1] عبدالرزاق، حافظ، پروفیسر/خط بنام قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ/مرقومہ ۲۲ نومبر ۱۹۶۹ء

[2] ایضاً/ ۲۲ نومبر ۱۹۶۶ء۔ از جہلم

آپ بیتی لکھی تو اس میں اپنی ماضی کی یادیں رقم کرنے وقت متذکرہ بحث کے حوالہ سے سارا الزام قائد اہل سنت رحمہ اللہ پر دھر دیا تھا کہ انہوں نے خوش اسلوبی کے ساتھ یہ سلسلہ جاری نہ رکھا تھا، چنانچہ لکھتے ہیں:

''دوسرا ردعمل (دلائل السلوک کتاب پر) مخالفت کی صورت میں سامنے آیا جس کی ایک مثال ایک بزرگ کی انتھک محنتوں کی صورت میں سامنے آئی، جو دیوبند سے درس نظامی کی تکمیل کی سند لے کر آئے اور ساتھ ہی حضرت مدنی رحمہ اللہ کے مجاز بھی تھے۔ اس وجہ سے اپنے آپ کو مجمع البحرین سمجھتے اور منواتے تھے۔ حالانکہ علم اور تصوف سے وہ بال بال بچ گئے تھے۔ اکابر دیوبند کا یہ دستور رہا ہے کہ جب کسی طالب علم کو سند فضیلت عطا فرماتے تو اس کو مجاز بھی بنا دیتے کہ اس طرح عوام کو جاہل پیروں کی گرفت سے بچایا جا سکے۔ اور یہ حضرات انہیں کم از کم صحیح العقیدہ مسلمان تو بنا سکیں، لہٰذا یہ سند مجاز شریعت ہونے کی ہوتی تھی، نہ کہ مجاز طریقت!

...... چنانچہ یہ بزرگ (یعنی قائد اہل سنت رحمہ اللہ) جو اپنے آپ کو مجتہد فی التصوف سمجھتے تھے انہوں نے ''دلائل السلوک'' میں جب ''شیخ کامل کی پہچان'' کے عنوان کے تحت تفصیل پڑھی تو سر پیٹ لیا، کیونکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے آپ کو لطائف بھی نہیں کرائے تھے۔ اور یہ سمجھے کہ میرے خلاف مہم چلائی گئی ہے۔ چنانچہ قلم لیا اور میرے خلاف برسنا شروع کر دیا اور خط و کتابت شروع ہوگئی جو ایک سال تک جاری رہی ایک روز حضرت (مولانا اللہ یار خان) نے فرمایا کہ تو عرصہ سے ان کے ساتھ کیوں الجھ رہا ہے؟ جبکہ ان کی ذہنیت ظاہر ہے۔ اب حضرت نے اپنی طرف سے خط لکھوایا کہ ''میرا آپ کے ساتھ مناظرہ ہوگا، مقامِ مناظرہ منارہ[1] ہوگا، ثالث آپ مقرر کریں گے، ملک کے جس عالم سے آپ چاہیں مدد لے لیں، مگر مناظرہ میں بولنا صرف آپ کو ہوگا ادھر سے میں بولوں گا اور کسی سے مدد نہیں لوں گا، موضوعِ مناظرہ میں میں آپ سے لا الٰہ الا اللہ کا معنی پوچھوں گا اور علوم الٰہیہ کی رو سے آپ کے جواب میں جو اعتراض ہو سکتے ہیں، کروں گا، اگر آپ لا الٰہ الا اللہ کے معنی بتانے میں کامیاب ہو گئے تو میں ہار مان لوں گا، اس کے بعد سلسلۂ خط و کتابت ختم ہو گیا۔ یوں سال بھر کی قلمی کشتی ختم ہوئی۔''[2]

[1] ''منارہ'' ضلع چکوال کا ایک علاقہ ہے جس نے مولانا محمد اکرم اعوان مرحوم کا آبائی علاقہ ہونے کی وجہ سے شہرت پائی اور حضرت علامہ مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کا بھی اس علاقہ میں قیام رہتا تھا۔ سلفی

[2] عبدالرزاق پروفیسر، حافظ/ آئینہ ایام (آپ بیتی) بار اول جون ۲۰۰۸ء/ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ لاہور/ صفحہ نمبر ۲۵۔

حضرت قائد اہل سنت ؒ اور حضرت مولانا اللہ یار خان ؒ کی طرح حافظ عبد الرزاق صاحب بھی فوت ہو کر وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں ہم سب نے چلے جانا ہے۔ اس لیے ہم زیادہ سطور میں تو اس پر تبصرہ نہیں کریں گے مگر ریکارڈ کی درستی کے لیے عرض کریں گے کہ مرحوم نے یہ سب طوطا کہانی درج فرمائی ہے۔ مولانا اللہ یار خان ؒ کے چیلنج مناظرہ اور ثالثوں کو قائد اہل سنت نے منظور فرمایا تھا اور انہیں آگاہ بھی کر دیا تھا مگر پھر ان کی جانب سے ہی مکمل سکوت طاری ہو گیا، اور موضوعِ مناظرہ جو مرحوم نے لکھا ہے یہ بھی کسی لطیفے سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ موضوع تو وہی تھا جس پر ایک سال سے خط و کتابت ہو رہی تھی، مگر حافظ صاحب مرحوم نے غالباً اُنہی سفلہ جذبات کے تحت یہ سب کچھ لکھا ہے جن کا الزام انہوں نے اپنے خط میں قائد اہل سنت پر عائد کیا تھا، یعنی حسد و رقابت! بہر حال اللہ کریم سب مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ اللھم آمین

مولانا محمد یوسف بنوری ؒ کا قائد اہل سنت کو خط میں مشورہ کہ اس عنوان پر بحث کا اختتام کر دیں

حضرت قائد اہل سنت ؒ نے اپنے خطوط کی صاف نقول اور حافظ پروفیسر عبد الرزاق صاحب کے تمام جوابی خطوط کا پیکٹ کراچی مولانا محمد یوسف بنوری ؒ کو ارسال فرما دیا تھا کہ آپ جانبین کے خطوط پڑھیں، اور بالفرض کسی مباحثہ میں ثالث بننا پڑا تو اس سے بھی اپنی رائے سے مطلع فرمائیں، سچی بات یہ ہے کہ حضرت بنوری ؒ نے حافظ صاحب موصوف کے خطوط سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ایک خالص علمی اور پاکیزہ بحث کو رقیبانہ جملہ بازیوں کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ ایسے میں ان حضرات کے ساتھ قائد اہل سنت ؒ کی بحث نامناسب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ بنوری علیہ الرحمۃ نے اپنے خوش خط اور مرصع قلم انداز میں قائد اہل سنت کو خط ارسال فرمایا، ملاحظہ کیجیے۔

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

بخدمت مخدومی ومکرمی، زیدت مکارہم

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ آنجناب کا گرامی نامہ مع مطلوبہ تحفہ عُلیا وصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ کا استفسار دار الافتاء کو بھیج رہا ہوں، تبصرہ ''بینات'' میں اپنے قلم سے کروں گا۔ پرچہ حاضر خدمت کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ دینی مصالح کو آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ میرا ذاتی

خیال ہے کہ آپ اس مشغلہ میں زیادہ دلچسپی نہ لیں، عوام کالانعام نہ ان باریک مسائل کے فہم کی استعداد رکھتے ہیں نہ صحیح وہ غلط اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی قوت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ نتیجتاً وہ علماء ہی سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص جدید طبقہ کو وحشت انگیزی کا نیا میدان مل جاتا ہے۔ بڑے صدمے کی بات تو یہ ہے کہ اس پُرفتن دور میں دارالافتاء سے صادر شدہ فتووں کی بھی وہ وقعت نہیں سمجھی جاتی ہو کسی زمانے میں تھی، میں نے آپ کی مراسلت جو مولوی صاحب موصوف کے ساتھ ہوئی ہے، پڑھ کر یہ اندازہ لگایا ہے کہ آپ نے حق فرض ادا فرمادیا، غلط بات زیادہ دیر نہیں چلا کرتی، تدریجاً فنا ہو جاتی ہے۔ اب اسے زیادہ پھیلانے کی میرے خیال میں ضرورت نہیں۔ یہ میں نے ناقص عقل کے باوصف مخلصانہ مشورہ عرض کر دیا ہے۔ جبکہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دینی مصالح کو آپ مجھ سے بہرحال بہت سمجھتے ہیں۔ میری درخواست کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ کسی بدعت کی رد میں اپنے ابنائے زمان کی نفسیاتی سطح کی رعایت رکھی جائے۔ امید ہے مزاج سامی بعافیت ہوں گے! والسلام مع الاحترام[1]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا خط بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ

اسی طرح قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ان مباحث کی ایک نقل دارالعلوم کراچی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کو بھی ارسال کی تھی، تو مفتی صاحب کا مختصر جواب یوں آیا:

"مکرم بندہ۔ السلام علیکم ورحمت اللہ۔

اپنی ضعفِ پیری اور مختلف بیماریوں کے ساتھ ہجوم مشاغل اتنے ہیں کہ اتنے طویل مباحث کو دیکھنے کا وقت نکالنا بھی مشکل ہے۔ جواب لکھنے کا تو کیا وقت ملتا؟ خصوصاً ایسے معاملات جن میں بحث و مباحثہ ہو، میں دخل وہی بندہ دے سکتا ہے جس کا وقت دوسرے مہمات سے فارغ ہو۔ اس لیے بالکل معذور ہوں اور کسی صاحب کی طرف رجوع فرمالیں تو بہتر ہے"۔[2]

مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کے مسترشدین کی بے جا تعلّی اور غلط بیانیوں کا طومار

مولانا اللہ یار خان صاحب کے ایک اور مرید صادق ابوالاحمدین بریگیڈیئر علی احمد صاحب نے

---

[1] محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا، شیخ الحدیث / بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ، مرقومہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ / نیوٹاؤن کراچی۔ پاکستان

[2] محمد شفیع، مفتی اعظم پاکستان، مولانا محررہ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ / دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔

اپنے شیخ کی سوانح حیات لکھی تو انہوں نے بھی اظہارِ عقیدت کا معیار یہی سمجھا کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی علمی خط و کتابت کو تحاسد و تباغض پر محمول کر کے نفرت کی فضاء قائم کی جائے۔ اور ان ابوالاحمدین صاحب نے بھی حافظ عبدالرزاق صاحب کی اتباع میں بلا تحقیق مشقِ بُغض جاری رکھی، اور وہ بے سر و پا باتیں گھڑ گھڑ کے لائے کہ جن کا کہیں وجود ہی نہیں تھا، چنانچہ کتاب ''دلائل السلوک'' کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''جس چیز کی سمجھ نہ آئے اس پر اعتراض کرنا عام دستور ہے، ایسے ہی ایک معترض نے حافظ عبدالرزاق رحمہ اللہ سے خط و کتابت شروع کر دی اور ہر جواب کے بعد نیا اعتراض وارد ہو جاتا۔ یہ صاحب ایک بزرگ کے مُجاز بھی تھے۔'' دلائل السلوک'' میں ''شیخ کامل کی پہچان'' کے معیار پر خود کو پرکھا تو اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ یہ شاید ان کی تنقیص میں لکھا گیا ہے۔ حضرت جی رحمہ اللہ کو علم ہوا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: کیوں ایک عرصہ سے اس کے ساتھ الجھ رہے ہو اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہو؟ آج میں ایک خط لکھواتا ہوں جس کے بعد اعتراضات کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا، اس کو میری طرف سے لکھو، میرا آپ کے ساتھ مناظرہ ہوگا، مقام منارہ ہوگا، ثالث آپ مقرر کریں گے'' الخ[1] (آگے وہی رام کہانی لکھی جو ''یادِ ایام'' کے حوالہ سے ہم درج کر آئے ہیں)، یہی ابوالاحمدین صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۹۶۳ء میں حافظ عبدالرزاق رحمہ اللہ کی روحانی بیعت ہوئی تو انہیں دربارِ نبوی ﷺ سے ''قلم'' عنایت فرمایا گیا، اس موقع پر حضرت جی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے آپ سے کوئی تحریری کام لیا جائے گا۔''[2]

حافظ صاحب موصوف و مرحوم کا اندازِ تکلم و تحریر اور ایک صاحب نسبت بزرگ عالم دین کے ساتھ ان کے معاندانہ رویہ اور متذکرہ بالا بشارت کے باہم ربط کا کوئی سرا ہمیں نہیں ملتا۔ ہم اس بشارت کا تو انکار نہیں کرتے کہ یہ ایک خوابی اور روحانی معاملہ ہے، جس کی حقیقت کا علم دیکھنے والے کو ہی ہو سکتا ہے۔ مگر یہ کہنے کا ہمیں حق ہے کہ اپنے قلم کی اس عظیم ترین نسبت کا تقاضہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ طبیعت میں عاجزی اور انکساری ہوتی مگر ہمیں افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کے بعض متوسلین تکبر و نخوت کے چلتے پھرتے مجسمے ہیں، علاماتِ نخوت میں سے ایک ''ابوالاحمدین'' صاحب کا یہ اقتباس بھی ہے جو ہم درج کر آئے ہیں کہ انہوں نے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا نام لکھنا بھی گوارا نہ

---

[1] ابوالاحمدین / حیاتِ جاوِداں، حصہ اول / مطبوعہ اویسیہ سوسائٹی، لاہور صفحہ نمبر ۱۰۴

[2] ایضاً / صفحہ نمبر ۱۹۲

کیا، حالانکہ یہ کام تو کسی بھی شیخ کا عقیدتمند کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ فرض کریں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی شخصی عظمت، نسبی حیثیت، نسبتی مقام، علمی و تحقیقی تشخص، اور اہل سنت والجماعۃ کے ہر طبقہ وشعبہ میں عزت ومنزلت وغیرہ وغیرہ کے ساتھ حافظ عبدالرزاق صاحب یا ابوالاحمدین جیسے کرداروں کا کیا قد کاٹھ ہے کہ ہم نام لے، لے کر ان کے حوالہ جات پیش کر رہے ہیں؟ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عمل اخلاقی و تصنیفی اصولوں کے خلاف ہے، لہٰذا طبیعت کے نہ چاہنے کے باوجود بھی ان اصولوں کا اہتمام کرنا بہت ضروری ہوتا ہے، اس سے قبل ہم اسی کتاب کی ابتداء میں حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دام مجدہٗ کے حوالہ سے بھی یہ ٹھنڈا سا احتجاج کر آئے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب ''حیاتِ حبیب'' (سوانح مولانا پیر غلام حبیب صاحب نقشبندی رحمہ اللہ) میں بھول کر بھی کہیں، کسی مناسبت سے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا ذکر نہ کیا، طبائع ومزاج میں اس قدر گھٹن دھیرے دھیرے انسان کو بڑے سے بڑے انصاف کا گلہ گھونٹنے پر آمادہ کر دیتی ہے، اس لیے اہل علم کو یہ روش چھوڑ دینی چاہیے۔ ابوالاحمدین ہی کو لے لیجے، قائد اہل سنت رحمہ اللہ سے قلبی بغض نے ان کے قلم سے شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا نام بھی نکلوانا گوارا نہ کیا، اور وہ ''یہ صاحب ایک بزرگ کے مجاز بھی تھے'' لکھ کر ''صوفیٔ باصفاء'' قرار پائے۔ حضرت مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمۃ کی ذات زیر بحث نہیں، مگر ان کے یہ متوسلین بزعم خویش اس قدر روحانی فضاؤں میں بے بال و پر اڑتے دکھائی دیتے ہیں کہ حرمین شریفین میں کبھی ارواحِ انبیاء علیہم السلام سے ان کا ملاپ ہوتا دکھائی دیتا ہے اور کبھی احد و بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عین حالتِ جہاد میں مصروف عمل یہ مشاہدہ بھی کر لیتے ہیں، اگر آپ کو اس قدر روحانی پرواز نصیب ہے تو زہے نصیب! مگر یہاں ہم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا یہ ملفوظ نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ''بزرگ بننا آسان ہے انسان بننا مشکل ہے۔''

حافظ عبدالرزاق مرحوم اپنا کھویا مقام حاصل نہ کر سکے، ''مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کے ایک مسترشد کے انکشافات''

حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کے خاص مریدوں میں سے لاہور کی ایک اہم شخصیت شیخ حبیب الرحمن صدیقی (بی اے، ایل ایل بی) بھی تھے، جنہوں نے سب سے پہلے حضرت مولانا مرحوم کی سوانح حیات لکھی تھی، حق یہ ہے کہ اصل سوانح یہی ہے جس میں صدیقی صاحب نے پوری متانت وسنجیدگی کے

ساتھ حقائق کا ارقام کیا ہے، جس میں انہوں نے یہ انکشاف بھی کیا کہ حضرت مولانا مرحوم اپنی زندگی کے اواخر میں کچھ ابلیسی کارندے نما مریدوں سے ناراض ہو گئے تھے جنہوں نے سلسلہ کو بہت نقصان پہنچایا تھا، ان میں حافظ عبدالرزاق صاحب بھی شامل تھے یاد رہے کہ ''تنظیم میں ابلیس کی شرارت'' انہی کا لکھا ہوا عنوان ہے، جس کے تحت لکھا گیا ہے کہ اگرچہ حافظ عبدالرزاق صاحب بعد میں تائب ہو گئے تھے مگر ان کو پھر وہ کھویا ہوا مقام دوبارہ نصیب نہ ہو سکا تھا، شیخ صاحب لکھتے ہیں:

''البتہ حافظ عبدالرزاق صاحب تائب ہو کر جماعت میں واپس آ گئے لیکن حضرت جی کی کوشش کے باوجود وہ دوبارہ اپنا پہلا مقام حاصل نہ کر سکے۔ دراصل اس راہ میں ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اولیاء کی مخالفت اور دشمنی ہرگز پسند نہیں، بلکہ ایسے مخالفین کے خلاف تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ اس لیے اکابر صوفیہ کے بقول ایسے لوگوں کے سوءِ خاتمہ کا ڈر ہوتا ہے یعنی وہ اپنا ایمان ضائع کر کے مرتے ہیں۔''[1]

محولہ بالا میں جو کچھ کہا گیا یہ مروت و لحاظ میں شاید ہم نہ کہہ سکتے، مگر گھر کے بھیدی کی خبر تو نہیں چھپانی چاہیے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک خالص متصوفانہ باریک ولطیف اور پاکیزہ وعلمی مباحثہ کو حافظ صاحب مرحوم نے طعن و تشنیع کا مورچہ بنا چھوڑا تھا، اور حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کی جانب قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے متعلق جو کچھ منسوب کیا گیا، وہ انہی حضرات کا سوختہ اندوختہ تھا۔ یاد رہے کہ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کے سلسلہ کو اسی قبیل کے افراد نے اس قدر کھلونا بنا دیا تھا کہ مولانا چکڑالوی رحمہ اللہ زندگی کے اواخر سال بہت زیادہ آزمائشوں اور تکلیفوں سے گزرے۔ چنانچہ سوانح نگار صدیقی صاحب نے ''تنظیم میں ابلیس کی شرارت'' کے زیرِ عنوان جو کچھ انکشافات درج کیے ہیں ان میں سے چند ایک کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

① ''جب جماعت نے ترقی اور آپ کے متوسلین اور شاگردوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا تو پاکستان کے طول وعرض میں تبلیغی دوروں کی کثرت، پاکستان اور بیرون ملک کے ساتھیوں کی ڈاک کی بھرمار، اور اپنی زرعی زمینوں کی دیکھ بھال اور تنازعات کے سبب اور پھر عمر کا تقاضہ بھی تھا، تو آپ نے جماعت کی تنظیمی معاملات کی ذمہ داری بعض اکابرین کے سپرد کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ لیکن یہی وہ

---

[1] شیخ حبیب الرحمن صدیقی / امام اولیاء (تذکرہ مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ) / ناشر! ادارہ فلاحِ دارین۔ نیو چوبرجی پارک لاہور / ۱۴۱۱ھ / صفحہ نمبر ۱۷۶۔

مرحلہ تھا جب ابلیس لعین کو اپنا کھیل کھیلنے اور تنظیم میں فتنہ پھیلانے کا وسیع میدان ہاتھ آ گیا، حضرت جی رحمہ اللہ پر اس کا داؤ نہ چل سکا، چنانچہ پہلے ایک ساتھی منظور حسین شاہ کو قابو کیا اور اسے بے راہ کر دیا۔ پھر مولانا محمد سلیمان پر اس وقت حملہ ہوا جب وہ کچھ ہی عرصہ پہلے غوث کے منصب پر فائز ہوئے تھے اور سلوک کے اعلیٰ منازل طے کر رہے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جلد ہی ایک عاملِ جنات مولوی غلام ربانی کے عمل تسخیر کے شکنجہ میں پھنس گئے اور پھر چند دیگر ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب حضرت جی رحمہ اللہ کو جماعت کے اندر اس ابلیسی فتنہ کا علم ہوا تو آپ کو سخت دلی صدمہ ہوا مگر آپ نے دور اندیشی کے پیش نظر انہیں زبانی تنبیہ کے بعد اپنی اصلاح کرنے کے لیے چھ ماہ کی مہلت دے دی مگر وہ جنات کے اس قدر شدید شکنجہ میں تھے کہ وہ نہ راہِ راست پر آئے، نہ ہی شرمندہ ہوئے۔ چنانچہ حضرت جی رحمہ اللہ نے ان گمراہ افراد کے نام مناصب اور مراتب سلب کر لیے اور جماعت سے نکال باہر کیا اگر مولانا محمد سلیمان اس تباہ کن حادثہ سے دوچار نہ ہوتے تو وہ بلاشبہ حضرت جی کے خلیفہ اول نامزد ہو جاتے۔

ایک سنگین سانحہ، بیٹے نے عظیم والد گرامی کو اغواء کر لیا اور بالآخر بیٹے کا قتل

مولانا اللہ یار خان کے عقیدتمند سوانح نگار، جناب حبیب الرحمن صاحب صدیقی مزید انکشافات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ماہ فروری ۱۹۸۲ء میں حضرت جی رحمہ اللہ کے ساتھ ایک سنگین واقعہ پیش آیا، آپ کے قریبی رشتہ داروں نے، جن میں آپ کا گمراہ اکلوتا بیٹا بھی شامل تھا۔ حضرت جی رحمہ اللہ کو چکڑالہ کی رہائش گاہ پر حملہ آور ہو کر آپ کو اغواء کر لیا اور ایک ایسے خفیہ غیر آباد مقام پر لے گئے جہاں سے کبھی کوئی زندہ بچ کر نہیں آیا۔ وہ چاہتے تھے کہ حضرت جی رحمہ اللہ اپنی تمام جائیداد سے، جس میں سینکڑوں کنال زرخیز زرعی اراضی بھی شامل تھی، ان کے حق میں دستبردار ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں وہ آپ کو قتل کی دھمکی دے کر ایک دستاویز پر دستخط کرانا چاہتے تھے مگر بفضلہٖ تعالیٰ آپ ثابت قدم رہے اور ان کے کسی دباؤ یا دھمکی کی کوئی پرواہ نہ کی اور چند دن کے بعد آپ صحیح وسلامت واپس گھر آ گئے۔''[1]

---

[1] حبیب الرحمن صدیقی / امام اولیاء (سوانح مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ) مطبوعہ ادارہ فلاحِ دارین، نیو چوبرجی لاہور / ۱۴۱۱ھ / صفحہ نمبر ۱۷۷، ۱۷۵۔

مولانا اللہ یار خان صاحب رحمہ اللہ کو اغواء کرنے والے اس بیٹے کا نام عبدالرؤف خان تھا جو مولانا مرحوم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اسی جائیداد کی تقسیم و تنازعہ پہ قتل ہو گیا تھا جس کی خاطر اس نے اپنے عظیم والد گرامی کو اغواء کیا تھا، یاد رہے کہ مولانا اللہ یار رحمہ اللہ کی بازیابی کے بعد عبدالرؤف خان معتقدین کے ڈر یا قانونی پیش رفت سے بچنے کے لیے انگلینڈ بھی چلا گیا تھا اور وہاں کچھ دن حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم کے ہاں اس کا قیام رہا، اسی وقت سے وابستہ کچھ یادداشتیں حضرت علامہ صاحب مدظلہم نے بندہ کو سنائی تھیں، مگر ان کو یہاں درج کرنے میں نہ کوئی مطابقت ہے اور نہ ہی فائدہ! بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ کے نہ صرف سلسلہ بلکہ گھرانے پر دولت و زر کا زبردست تسلط ہوا جس نے جماعت کے اندر بھی ٹوٹ پھوٹ پیدا کی اور اکلوتے بیٹے کو بھی باپ کے سامنے لاکھڑا کیا، تا آنکہ خود بھی قتل ہو گیا۔ اگر ہم غیر جانبدار رہ کر تجزیہ کریں تو تصوف و سلوک کے مزعومہ کشف و کرامات کے یہی نتائج تھے جن کا قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو خدشہ تھا۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا موقف یہ تھا کہ عوام الناس کو ان جھمیلوں میں ڈال دیا جائے تو بعض پیرانِ عیار اور مال و زر پرست ان کی سادہ لوحی سے مال بٹورتے ہیں، جس کا آخر کار نتیجہ فساد، حسد، قتل اور طویل باہمی مناقشات کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ اس کے برعکس عوام کے عقائد و اعمال کی اصلاح پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ بالخصوص اہل تشیع کے مکر و فریب سے بچانے اور اپنی مذہبی و دینی اساس پر غافل اہل سنت کو لا کھڑا کرنے کے لیے ایک جہد مسلسل کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے معمولی سا بھی تغافل برتا جائے تو ناقابل بیان خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہر کیف ۱۹۶۶ء کے زمانہ میں قائد اہل سنت نے نہایت نیک نیتی کے ساتھ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ اور ان کے متوسلین سے خط و کتابت کی ابتداء کی تھی جس میں سو فیصد آپ کا مقصد ناواقف سنی مسلمانوں کی روحانی امراض کا دفعیہ اور اصلاحِ احوال کا تھا، اور یہ آپ کے خلوص ہی کا نتیجہ تھا کہ پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب مرحوم کے بیٹے حافظ محمد شریف صاحب نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی تھی بلکہ اپنی مسجد و مدرسہ کا انتظام بھی قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی علمی یادگار جامعہ اظہار الاسلام چکوال کے سپرد کر دیا۔

مولانا شمس الحق افغانیؒ کا قائد اہل سنت کے نام مکتوب اور موقف کی تائید!

محترم المقام جناب مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ کا خط پہنچا اور ایسے وقت میں پہنچا کہ دو روز قبل مولوی اللہ یار خان

کی کتاب ''دلائل السلوک'' بغرضِ اظہارِ رائے میرے پاس حافظ عبدالشکور چکوالی کی طرف سے پہنچی تھی۔ ان کو تقریباً وہی کچھ لکھوں گا جو آپ کو لکھ رہا ہوں۔ آپ کا خط مفصل ہے۔ مشغولیت اور ناسازی طبع مفصل تحریر سے قاصر ہونے کا سبب ہے لیکن امید ہے کہ مختصر تحریر بھی مقصد کے لیے کافی ہوگی۔ کتاب ''دلائل السلوک'' کی ایک عمومی روح ہے اور ایک خصوصی مقصد! عمومی روح سے فتنے کی بُو آرہی ہے۔ اس میں دعوت الی الشخصیت یعنی ذاتِ خود ہے جیسے صفحہ ۳۸ میں ہے کہ ''دربار نبوی میں پیش کرتا ہوں۔'' پھر لکھا کہ ''جو ایسا نہ کرے، دھوکہ باز ہے'' یا یہ کہ ''چھ ماہ میں روح سے کلام کرے گا، یا یہ کہ ''مومن کا قلب اتنا منور ہوجائے کہ اس کی روشنی میں عرش نظر آجائے'' ایسے سب دعاوی تسویل نفس ہیں۔ جو مقام فناء کے خلاف ہے۔ صوفیہ کرام اور علماء متفق ہیں کہ کشف غیر اختیاری ہے۔ ورنہ یعقوب علیہ السلام جن کی ذات کروڑوں اولیاء سے نورانیتِ قلب میں بڑھ کر تھی، کئی برس تک حضرت یوسف علیہ السلام کا کشف ان پر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ روتے روتے بصارت زائل ہوگئی۔ حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کو قلادۃ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کشف نہیں ہوا نیز ردِّ بہتان بر عائشہؓ اور افک کی حقیقت کا کشف نہیں ہوا۔ لیکن ایک مولوی صاحب ان سب سے بڑھ کر ہوگئے کہ کشف اس کے اختیار میں ہے اور وہ دوسروں کو بھی کروا دیتا ہے۔''[1]

خط سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا علامہ اللہ یار خانؒ کے تبحر علمی کے باوصف ان کی کتاب ''دلائل السلوک'' کے بعض مندرجات سے جو فتنے کی بُو قائد اہل سنتؒ محسوس فرمارہے تھے، اس احساس میں آپ اکیلے نہ تھے بلکہ علامہ شمس الحق افغانیؒ کے پایہ کے علماء دین آپ کے مؤید تھے۔ البتہ اظہارِ مافی الضمیر کے طور طریقے ہر اک کے اپنے ہوتے ہیں اور بشمول مولانا اللہ یار خانؒ اپنی نیک نیتی کے لحاظ سے یہ سب کے سب، بزرگ پاک طینت و پاکیزہ فطرت تھے، اور بہرحال ان کی بشری خامیوں اور علمی کوتاہیوں پر ان کے عمل و اخلاص کا رنگ غالب رہا اور اسی جذبہ سے سرشار وہ اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے۔ اللہ کریم سب کی مغفرت فرمائے اللھم آمین۔

چند اہم اعتراضات، انصاف کے ترازو پر

اب آگے ہم نے تحریک خدام اہل سنت والجماعت کی تاسیس سے لے کر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی وفات تک کے احوال و آثار قلمبند کرنے ہیں، اور یہ ایک مستقل دریا ہے، جسے ہم نے بعون اللہ تعالیٰ عبور کرنا ہے، حیات مظہری کے ان تیس، پینتیس سالوں میں چونکہ آپ نے اپنوں اور بیگانوں کی پرواہ کیے

[1] شمس الحق افغانی، حضرت علامہ / بنام قائد اہل سنتؒ، مرقومہ ۱۸ ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ / جامعہ اسلامیہ، بہاولپور

بنا علم حق تن تنہا بلند کیے رکھا اس لیے اس کی تفاصیل پڑھنے سے پہلے چند اہم اعتراضات کا تجزیہ ضروری ہے۔اس سلسلہ میں ہم قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے فرزند نسبتی حضرت مولانا عبدالحق خان صاحب بشیر کے فہم و ندرت پر اعتماد کرتے ہوئے اُنہی کے قلم سے جوابات پیش خدمت کر کے آگے بڑھیں گے، حضرت مولانا موصوف کا یہ ایک مضمون ہے جو تیس برس قبل حق چار یار جنتری (۱۹۹۰ء) میں شائع ہوا تھا، ان مختصر جوابات کو پڑھ کر آئندہ سطور کی طول طویل بحثیں بہ آسانی دل و دماغ میں اترتی چلی جائیں گی۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔ یاد رہے کہ مولانا عبدالحق خان کی متذکرہ جنتری میں بعض باتیں علمی اور تاریخی لحاظ سے غلط تھیں، جس پر قائد اہل سنتؒ نے بذریعہ خط اُنہیں آگاہ فرمایا تھا اور تنبیہ کی تھی کہ غور وخوض اور تحقیق کے بعد حوالہ جات نقل کرنے چاہئیں۔وغیرہ ذالک۔

بانی تحریک خدام اہل سنت پر چند اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

تحریک خدام اہل سنت والجماعت ایک خالص نظریاتی تحریک ہے، جو ملک میں مذہب اہل سنت والجماعت، فقہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور مسلک علمائے دیوبند کی روشنی میں فکری و اعتقادی جدوجہد کر رہی ہے اور کوئی بھی نظریاتی تحریک اپنے نظریاتی اصولوں سے انحراف و روگردانی گوارا نہیں کرتی اور اپنے نظریاتی اصولوں کے تحفظ کے لیے تمام تر وقتی، ہنگامی، سیاسی اور قومی مصلحتوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے تمام تر ممکن و میسر وسائل و ذرائع کو بروئے کار لا کر کوشش کرنا اپنا فرض اولین سمجھتی ہے اور نظریاتی اصولوں سے بڑھ کر کوئی چیز اسے محبوب و منظور نہیں ہوتی، تحریک خدام اہل سنت والجماعت چونکہ عقائد اہل سنت کے تحفظ کا غیر متزلزل نظریہ لے کر میدان عمل میں اتری ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ وہ ان بنیادوں اور اصولوں سے ہٹ کر سوچنا بھی گوارا نہیں کرتی، اور جو لوگ ان بنیادوں سے نظریاتی اعتبار سے یا پالیسی کے ضمن میں، انحراف کے مرتکب ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں۔تحریک ان کا نظریاتی تعاقب ضروری خیال کرتی ہے تحریک کے اس غیر مصلحت پرستانہ اور بے لچک مؤقف کی وجہ سے اسے بے شمار محاذوں پر جدوجہد کرنی پڑ رہی ہے، اور مخالفین کی طرف سے اسے انتہا پسند، جماعت کی حیثیت سے جس طرح متعارف کرانے کی کوششیں ہو رہی ہیں وہ مخالفت کا ایک المناک پہلو ہے، اس ضمن میں بانیٔ تحریک کے خلاف جو گھناؤنا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اس کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے، تا کہ وہ تحریک کے مؤقف اور مخالفین کے مکروہ پروپیگنڈہ کی اخلاقی حیثیت کو پہچان سکیں اور مخالفین کے خطرناک عزائم و مقاصد کا جائزہ لے سکیں۔

① پہلا اعتراض ! قاضی صاحب کے والد مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ دیا تھا

جواب یہ اعتراض متعدد وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً اگر مولانا دبیر رحمہ اللہ نے علمائے دیوبند کے خلاف فتویٰ کفر دیا ہے تو اس میں قاضی صاحب کا کیا قصور ہے؟ کیا بیٹے کو باپ کے قصور کا سزاوار قرار دیا جاسکتا ہے؟

ثانیاً کیا قاضی صاحب کے اہل حق اور دیوبندی ہونے کی یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مدنی رحمہ اللہ نے انہیں خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا؟

ثالثاً جب حضرت مدنی رحمہ اللہ نے قاضی صاحب کو خلعتِ خلافت عطا فرماتے وقت یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے والد نے اکابر علمائے دیوبند کے خلاف چونکہ فتویٰ کفر دیا ہے اس لیے میں تمہیں نہ بیعت کرتا ہوں اور نہ خلافت دیتا ہوں (حالانکہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی حسام الحرمین نہ صرف حضرت مدنی رحمہ اللہ کے پیش نظر نہ تھی بلکہ اس کا پہلا جواب ''شہاب ثاقب'' کے نام سے حضرت مدنی رحمہ اللہ نے دیا ہے) تو آج یہ مسئلہ کیوں کھڑا کر دیا گیا؟

رابعاً یہ درست ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اکابر علمائے دیوبند کے بارہ میں عدم تحقیق کی بناء پر حسام الحرمین پر تصدیقی دستخط کیے ہیں لیکن یہ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھا، کیونکہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے علمائے دیوبند کی عبارات میں قطع و برید کر کے جو عبارات تیار کیں تھیں وہ واقعی کفریہ تھیں، اختلاف ان عبارات کے کفریہ ہونے یا نہ ہونے میں نہیں تھا، بلکہ اختلاف ان عبارات کے علماء دیوبند کی عبارات ہونے یا نہ ہونے میں تھا، فاضل بریلوی کا دعویٰ تھا کہ یہ عبارات علمائے دیوبند کی عبارات ہیں اور علمائے دیوبند کا مؤقف تھا کہ یہ عبارات علمائے دیوبند کی عبارات نہیں ہیں، بلکہ ان کی اصل عبارات میں قطع و برید اور تحریف کر کے یہ کفریہ عبارات تیار کی گئی ہیں، اسی وجہ سے علمائے حجاز نے غلط فہمی کی بناء پر فتویٰ کفر دے دیا اور اسی غلط فہمی کا شکار مولانا دبیر رحمہ اللہ بھی ہو گئے۔

خامساً مناظرہ سلانوالی (جس کا اجمالی تذکرہ آگے آرہا ہے) کے بعد مولانا دبیر رحمہ اللہ نے علمائے دیوبند کے بارہ میں اپنے سابقہ نظریاتی اور تکفیری مؤقف سے رجوع کر لیا تھا، جس کا تذکرہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ ''آفتاب ہدایت'' کے مقدمہ میں کر چکے ہیں، کیا مناظرہ سلانوالی کے بعد مولانا دبیر رحمہ اللہ

کا اپنے فرزند مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کو تعلیم وتربیت کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیجنا ان کے سابقہ مؤقف سے رجوع کی کافی دلیل نہیں ہے؟

سادساً سابقہ مؤقف سے رجوع کے بعد وہ باقاعدہ دارالعلوم دیوبند کے لیے چندہ ارسال کرتے رہے، جس کی رسیدیں اب تک حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے پاس محفوظ ہیں، اگر انہوں نے اپنے مؤقف سے رجوع نہ کیا ہوتا تو دارالعلوم دیوبند کے لیے چندہ ارسال کرنا چہ معنی دارد؟[1]

سابعاً سابقہ مؤقف سے رجوع کے بعد ہی مولانا دبیر رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں بذریعہ خط بیعت کی درخواست کی، تو حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جوابی خط میں ارشاد فرمایا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں، آپ اپنے سابق شیخ (جو وفات پاچکے تھے) کے تلقین کردہ وظائف پر عمل کریں[2]، میں آپ کے اور آپ کے عزیز کے لیے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں، کیا حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست کرنا، ان کے رجوع کی واضح دلیل نہیں ہے؟ حالانکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ''شہاب ثاقب'' کے بعد ''علماء بریلی'' کی طرف سے علمائے دیوبند کے سب سے بڑے وکیل حضرت مدنی رحمہ اللہ ہی شمار ہوتے تھے۔

ثامناً کیا مولانا دبیر رحمہ اللہ کی لاجواب کتاب ''آفتابِ ہدایت'' پر امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کی تقاریظ ان کے سابقہ مؤقف سے واضح رجوع پر دال نہیں ہیں؟ حضرت امام اہل سنت کی تقریظ ماہنامہ النجم لکھنؤ کے ذیقعدہ و ذوالحجہ ۱۳۴۴ھ، ص ۴۸ کے شمارہ پر مذکور ہے، جبکہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی تقریظ کتاب کے جدید ایڈیشن کے ساتھ ملحق ہے۔

تاسعاً بریلوی حضرات بھی مولانا دبیر رحمہ اللہ کا سابقہ مؤقف سے رجوع تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، جیسا کہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے اپنی کتاب ''تذکرۂ علماء اہل سنت'' میں اس کا ذکر کیا ہے، بریلوی حضرات کا مولانا دبیر رحمہ اللہ کے رجوع کو تسلیم کرلینا چونکہ ان کے واضح اعتراف

---

[1] اس کی تفصیلات کاتب السطور کی مطبوعہ کتاب ''ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ ''احوال وآثار'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں (سلفی)

[2] مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ کے سابق شیخ کا نام حضرت خواجہ محمد الدین سیالویؒ (متوفی ۱۹۰۲ء) تھا جو حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے بڑے فرزند تھے نیز مولانا دبیرؒ خانقاہ چورہ شریف سے مجاز بیعت بھی تھے جس کی مکمل روداد ہماری مطبوعہ کتاب ''ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ احوال وآثار'' میں موجود ہے۔ سلفی

شکست کے مترادف ہے، اس لیے ان کی طرف سے تو انکارِ رجوع کی سمجھ آتی ہے، لیکن دیوبندی ہونے کے دعویداروں سے انکارِ رجوع کا تذکرہ ناقابلِ فہم ہے، ہم مولانا دبیر رحمہ اللہ کے رجوع کو بریلویت کے خلاف علماء دیوبند کی حقانیت وصداقت کے لیے بطور دلیل وسند پیش کرتے ہیں کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ جیسا جید عالم دین جس نے مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کے خلاف بے شمار علمی وتحقیقی مضامین لکھے۔ گورداسپور کی عدالت میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کو واضح کامیابی حاصل ہوئی اور مرزا قادیانی کا مقدمہ خارج ہوگیا، ایک اور مقدمہ میں کامیابی حاصل کی، جس میں مرزا قادیانی کو پانچ سو روپے جرمانہ یا چھ ماہ قید اور حکیم فضل دین بھیروی کو دو سو روپے جرمانہ پانچ ماہ قید کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ مشہور، قادیانی مناظرِ اللہ دتہ سے متعدد کامیاب مناظرے کیے، شیعہ مجتہدین سے بے شمار مناظروں میں کامیابی حاصل کی، کندیاں ضلع میانوالی میں مشہور شیعہ مناظر مرزا احمد علی کو عبرتناک شکست فاش دی۔ منکرین حدیث، آریہ سماج، اور عیسائیت کے خلاف متعدد کامیاب مناظرے کیے۔ مشہور عیسائی مناظر عبدالحق پادری کو مناظرے کے متعدد چیلنج کیے، مگر وہ مقابلہ میں آنے کی جسارت نہ کرسکا، سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دیگر غیر مقلدین کو تقلید شخصی وغیرہ مسائل میں عبرتناک شکست فاش دی، یہاں تک کہ سردارِ اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے برملا اعتراف کیا کہ آئندہ مولوی کرم دین سے مناظرہ نہیں کروں گا۔

عاشرًا! اگر ان تمام حقائق وواقعات کے باوجود حسام الحرمین کی تائید وتصدیق کی وجہ سے ناقابلِ معافی مجرم ہیں تو پھر ان درج ذیل علماء کی علمی وتحقیقی حیثیت مجروح ہونے سے کبھی بچ نہیں سکتی۔

امیر المومنین، شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی ''حسام الحرمین'' پر تصدیق وتائید ''الصورام الہندیہ'' کے صفحہ نمبر ۲۸ پر موجود ہے۔

② رئیس المناظرین، فاتح عیسائیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ مہاجر مکی کی ''حسام الحرمین'' پر تصدیق ''الصورام الہندیہ'' صفحہ نمبر ۳۹ پر موجود ہے۔

② دوسرا اعتراض، قاضی صاحب کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کی طرف سے خلعتِ خلافت حاصل نہیں ہوئی[1]

جواب ① حضرت قاضی صاحب مدظلہ کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کی طرف سے خلعتِ خلافت عطا

---

[1] یاد رہے کہ اس قسم کے سطحی اعتراضات معقول حلقوں کی جانب سے نہیں، بلکہ غیر معقول، غیر معروف اور علم و تعظیم سے عاری نادانوں کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے۔ سلفی

ہونے کا تذکرہ بے شمار علماء کرام کی تحریرات و مضامین میں موجود و مذکور ہے، خود حضرت مدنی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند و جانشین حضرت مولانا سید میاں محمد اسعد مدنی مدظلہ جب پاکستان کے دورہ پر تشریف لاتے ہیں تو حضرت قاضی صاحب کے پاس حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز کی حیثیت سے تشریف لاتے ہیں انہوں نے تو کبھی بھی حضرت قاضی صاحب کے خلیفہ مجاز ہونے کی نفی و تردید نہیں کی۔

② الجمیعۃ دہلی (انڈیا) کے شیخ الاسلام نمبر میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلفا کی جو فہرست شائع کی گئی ہے اس فہرست کے نمبر ۱۵۳ ص ۱۷ پر حضرت قاضی صاحب کا نام موجود ہے، اور یہ فہرست حضرت مدنی رحمہ اللہ کے معتمد خاص حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب رحمہ اللہ کی مصدّقہ ہے۔

③ حضرت قاضی صاحب کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کی طرف سے اجازت بیعت کا تذکرہ حضرت مدظلہ کے نام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس مکتوب میں بھی موجود ہے جو مکتوب شیخ الاسلام رحمہ اللہ (جلد دوم ص ۲۲۷، مکتوب ۶۷) میں شائع ہو چکا ہے۔

ایک ضروری وضاحت

یہ پروپیگنڈہ کرنے والے بعض دوستوں سے جب اس پروپیگنڈہ کی وجہ دریافت کی گئی تو جواب ملا کہ چونکہ تحریک خدام اہل سنت والے حضرت درخواستی رح کے بارہ میں یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ انہیں کسی سے خلعت خلافت نہیں ملی، اس لیے ہم بھی یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں، حالانکہ خدام اہل سنت پر یہ ایک صریح الزام ہے حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے بارہ میں یہ پروپیگنڈہ اس وقت شروع ہوا تھا جب جمعیۃ طلبہ اسلام پہلی دفعہ دو حصوں میں تقسیم ہوئی تھی اور مولانا احمد سعید رائے پوری گروپ کی جمعیت نے حضرت درخواستی مدظلہ کے خلاف یہ پروپیگنڈہ شروع کیا تھا کہ حضرت درخواستی مدظلہ کو کسی سے خلافت نہیں ملی یہ جو بیعت کرتے ہیں محض ایک دھوکہ اور فراڈ ہے، اور حضرت درخواستی رحمہ اللہ کا تمسخر اور مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ حضرت درخواستی اپنی اکثر تقاریر میں اسم اعظم کی دھمکی دیتے ہیں، آخر وہ اسم اعظم کے ذریعہ انقلاب لے ہی کیوں نہیں آتے؟ اس کے بعد مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جب جمعیۃ علماء اسلام تقسیم ہوئی، تو مولانا فضل الرحمان گروپ کے بعض غیر ذمہ دار حضرات کی طرف سے بھی حضرت درخواستی مدظلہ کے بارہ میں یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ حضرت درخواستی کے پاس خلعتِ خلافت کسی کی طرف سے بھی نہیں ملی تھی لیکن وہ بیعت کرتے رہے اور حضرت مولانا میاں عبدالہادی دین پوری رحمہ اللہ سے ان کی وفات سے قبل انہیں مجبور کر کے ان سے خلافت حاصل کی، اس قسم کے مکروہ

پروپیگنڈہ کو خدام اہل سنت کی طرف منسوب کرنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے، تمام تر اختلافات کے باوجود حضرت درخواستی مدظلہ کے بارے میں ہمارے دلوں میں سابقہ احترام میں کچھ بھی فرق نہیں آیا لیکن اگر تحریک خدام کے کسی نادان کارکن نے مذکورہ پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر حضرت درخواستی مدظلہ کے بارہ میں ایسا کہہ دیا تو کیا واقعی دیانتدارانہ طور پر اس کا ردعمل یہی ہونا چاہیے تھا؟ جو اختیار کیا گیا ہے۔

③ تیسرا اعتراض! قاضی صاحب، سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کی مخالفت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب کے شاگرد ہیں اور مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب نے مناظرہ سلانوالی میں قاضی صاحب کے والد مولانا کرم دین دبیر کو شکست دی تھی

جواب مناظرہ سلانوالی کی مختصر رُوداد یہ ہے کہ ۱۹۳۶ء میں سلانوالی (ضلع سرگودھا) میں ایک دیوبندی، بریلوی مناظرہ ہوا تھا، اس مناظرہ میں علماء دیوبند کی طرف سے مناظر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ تھے اور بریلویوں کی طرف سے مناظر مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ مُجاز مولانا حشمت علی خان صاحب تھے، دیوبندیوں کی طرف سے صدر مناظر حضرت مولانا عبدالحنان ہزاروی رحمہ اللہ تھے اور بریلویوں کی طرف سے صدر مناظر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ تھے، حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ اس مناظرہ میں دیوبندیوں کے سرپرست تھے اس مناظرہ میں علمائے دیوبند کو واضح کامیابی اور بریلوی علماء کو عبرتناک شکست فاش ہوئی، اب مذکورہ اعتراض کی اخلاقی و شرعی حیثیت ملاحظہ فرمالیں:

① اگر مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کی مخالفت مناظرہ میں شکست کی بنیاد پر ہے تو پھر مخالفت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی ہونی چاہیے کیونکہ مناظر وہ تھے، جبکہ مولانا نعمانی مدظلہ کی علمی و تحقیقی خدمات کا حضرت قاضی صاحب برملا اعتراف فرماتے ہیں۔

② مولانا نعمانی مدظلہ کے ساتھ والہانہ محبت و عقیدت کا یہ بین ثبوت ہے کہ ''ایرانی انقلاب'' اور شیعہ اثناء عشری پر فتویٰ کفر کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں مولانا نعمانی کو رافضیت و شیعیت کی متعدد کتب و لٹریچر قاضی صاحب نے ارسال فرمایا تھا۔

③ اگر مناظرہ کی بنیاد پر مخالفت مقصود ہوتی تو پھر مولانا عبدالحنان ہزاروی رحمہ اللہ سے ہونی چاہیے تھی،

کیونکہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے مقابلہ میں صدر مناظروہ تھے، جب کہ وہ بھی ہرگز ثابت نہیں ہے۔

④ اگر مناظرہ میں دیوبندیوں کی سرپرستی کے جرم میں مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کی مخالفت مقصود تھی تو انہیں کی مخالفت کرنی چاہیے تھی، شاگردوں کا کیا قصور؟ اور مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کے خلاف قاضی صاحب کی کوئی تحریر ثابت نہیں کی جاسکتی۔

⑤ اگر بالفرض شاگردوں کی مخالفت ہی ضروری و ناگزیر تھی تو پھر سب شاگردوں کی مخالفت ہونی چاہیے تھی، ① جبکہ فخر الاولیاء شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتوی رحمہ اللہ۔ (خلیفہ اعظم حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب)

② محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ۔ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب)

③ شارح بخاری حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری مدظلہ (مؤلف انوار الباری شرح بخاری و داماد علامہ محمد انور کاشمیری رحمہ اللہ)

④ رئیس المناظرین حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ (سابق خطیب جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ)

⑤ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مظفرگڑھی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب)

⑥ اور حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ (سابق خطیب جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ) وغیرہم کے خلاف قاضی صاحب کی کوئی تحریر ثابت نہیں ہے، حالانکہ یہ بھی حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب کے شاگرد ہیں۔

⑥ جب مخالفت ہی مقصود تھی تو پھر اعترافِ شکست کی کیا ضرورت تھی؟ جب کہ حضرت قاضی صاحب تو اس حقیقت کا انکشاف کررہے ہیں کہ اسی مناظرہ کے نتائج اور دیوبندی مناظر کے ناقابلِ تردید دلائل سے متاثر ہوکر ہی مولانا دبیر رحمہ اللہ نے علماءِ دیوبند کی طرف رجوع فرمایا تھا۔

⑦ سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے ساتھ اختلاف تو عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عقیدہ ثواب وعذابِ قبر، مسئلہ سماع موتی اور مسئلہ توسل وغیرہ مسائل میں ہے ان عقائد میں مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کے ایک شاگرد مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے اگر اختلافات پیدا کیے ہیں تو دوسرے شاگرد رشید مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ نے تسکین الصدور، سماع موتی، شہاب

مبین اور المسلک المنصور وغیرہ کتب تالیف فرما کر اہل سنت والجماعت کے قدیم اور اجماعی و اتفاقی عقائد و نظریات کا تحفظ بھی کیا ہے۔

⑧ قاضی صاحب کی طرف سے اگر شاہ صاحب کی مخالفت کا سبب مناظرہ سلانوالی کی شکست ہے تو پروفیسر علامہ خالد محمود صاحب، مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ، جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ اور ان تمام علماء کی طرف سے شاہ صاحب کی مخالفت کو کیا نام دیا جائے گا جنہوں نے تسکین الصدور پر تقاریظ لکھی ہیں؟

⑨ قاضی صاحب، شاہ صاحب، مولانا غلام اللہ خان، مولانا عبداللطیف جہلمی، مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے قریبی تعلقات و مراسم سے کون واقف نہیں ہے؟ یہ تمام حضرات اکٹھے ہی مل کر مذہب اہل سنت کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے ہیں۔ انہی تعلقات کے حوالہ سے شاہ صاحب نے اپنے صاحبزادہ مولانا سید ضیا اللہ شاہ صاحب بخاری کو مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی کی سرپرستی و نگرانی میں جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں داخل کرایا، جہاں وہ کچھ عرصہ تک تعلیم قرآن حاصل کرتے رہے، ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں یہ تمام حضرات ایک ساتھ شریک تھے، ان کے درمیان اختلافات اس وقت پیدا ہوئے جب شاہ صاحب نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجماعی و اتفاقی عقیدہ کا انکار کیا، کیونکہ عقائد اہل سنت سے وابستگی و محبت کی بنیاد پہ پہلے مراسم و تعلقات تھے اور جب شاہ صاحب اور ان کے رفقاء نے وہ بنیاد ہی منہدم کر دی تو تعلقات و مراسم کی کوئی گنجائش نہ تھی، چنانچہ وہ سابقہ تعلقات منقطع ہو گئے اگر مناظرہ کی شکست کے باعث ہی تعلقات کا انقطاع مقصود تھا تو پھر دس، پندرہ سال تک یہ تعلقات و مراسم کیوں قائم و برقرار رہے؟

④ چوتھا اعتراض! قاضی صاحب قاتل ہیں، انہوں نے ایک بے گناہ کو قتل کر دیا اور جیل کی سزا کاٹی[1]

یہ قتل جان بچاتے ہوئے غیر اختیاری طور پر ہو گیا تھا، بالقصد اور بالارادہ نہیں کیا گیا، اس سے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

---

[1] اس کی ہمہ پہلوؤں سے مکمل تفصیلات گزشتہ اوراق میں گذر چکی ہیں۔ سلفی

① اس قتل کا انکشاف تو خود حضرتؒ نے کیا ہے، اگر حضرت خود اس کا انکشاف و اعتراف نہ فرماتے تو یقیناً علمی حلقوں میں اس کی کوئی خبر نہ ہوتی۔

② جب حضرت مدظلہ کے اپنے اعتراف و انکشاف کے علاوہ اس قتل کا اور کوئی تحریری ثبوت نہیں تو پھر کن قرائن اور دلائل کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ مقتول بے گناہ تھا، اور حضرت نے ایک بے گناہ کو قتل کیا ہے؟

③ اگر وہ واقعی بے گناہ تھا تو حضرت مدظلہ کو خود اس قتل کے اعتراف و انکشاف کی کیا ضرورت تھی؟

④ اگر جان بچانے کی فکر میں غیر اختیاری طور پر کسی کا قتل ہو جانا جرم ہے تو پھر کسی بھی شخص کو کسی بھی دشمن حملہ آور سے جان بچانے کا حق کیونکر دیا جا سکتا ہے؟

⑤ اگر یہ سنگین قسم کا جرم ہوتا تو حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کو چاہیے تھا کہ وہ یہ تلقین کرتے کہ مقتول کے ورثاء سے معافی مانگنا ضروری ہے حالانکہ انہوں نے معافی کو غیر ضروری قرار دیا؟

⑥ اس غیر اختیاری قتل پر بھی توبہ و استغفار کے باوجود آخر معافی کے دروازے کیوں بند ہیں؟ کیا یہ پروپیگنڈا کرنے والے معترض خدا تعالیٰ کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں کہ ان کے مشورہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت مدظلہ کی توبہ و استغفار مقبول نہیں؟

⑦ یہ واقعہ قتل ۱۹۴۱ء میں پیش آیا، ۱۹۴۹ء میں حضرت قائد اہل سنتؒ کی جیل سے رہائی ہوئی، شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ نے حضرت قائد اہل سنتؒ کی اجازت بیعت کا جو مکتوب لکھا وہ ۷ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ (مطابق دسمبر ۱۹۴۹ء) کا محررہ ہے، یعنی رہائی کے بعد حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے قائد اہل سنتؒ کو اجازت بیعت عطا فرمائی اگر قائد اہل سنتؒ کا یہ جرم اس قدر ناقابلِ معافی ہوتا تو کم از کم حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ انہیں خلعتِ خلافت سے سرفراز نہ فرماتے جبکہ اس دوران جیل سے حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ کے ساتھ خط و کتابت بھی جاری تھی۔

⑤ پانچواں اعتراض! قاضی صاحب کو جب جمعیۃ علمائے اسلام میں کوئی اہمیت و حیثیت حاصل نہ ہوئی تو انہوں نے بلاوجہ جمعیت سے استعفیٰ دے دیا

جواب جہاں تک جمعیۃ علمائے اسلام میں قائد اہل سنتؒ کی اہمیت و حیثیت کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ جب جمعیۃ علماء اسلام

کے امیر مقرر و منتخب ہوئے تو انہوں نے خود حضرت قاضی صاحب مدظلہ کو ضلع جہلم جمعیۃ کا امیر مقرر فرمایا، اس کے بعد جب صوبائی جمعیۃ کے انتخابات ہوئے تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی رحمہ اللہ کو جمعیۃ شمالی پنجاب کا امیر اور حضرت قاضی صاحب مدظلہ کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا، اور جب ۱۳۸۵ھ، ۱۹۶۵ء میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت قاضی صاحب کو ان کی جگہ جمعیۃ شمالی پنجاب کا امیر منتخب کرلیا گیا اور مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے ہیں، اور آخر وقت تک اس عہدہ (صوبائی امیر) پر فائز رہے اور اسی حیثیت سے مستعفی ہوئے، کیا جماعت میں مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن اور صوبائی امیر کی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں ہوتی؟[1]

اور جہاں تک حضرت قاضی صاحب کی جمعیت سے بے وجہ اور بلا جواز علیحدگی کے اعتراض کا تعلق ہے تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے خود قائد اہل سنتؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے اس وقت بھی (جبکہ میں جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کا امیر تھا حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کو اور دوسرے اکابر جمعیۃ کو بذریعہ خط پیپلز پارٹی کے خطرات سے آگاہ کردیا تھا، لیکن جب جمعیۃ کے اکابر ہنگامی سیاست سے اتنے مغلوب ہوچکے تھے کہ عواقب و نتائج سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی پالیسی میں کوئی اصلاح نہ کی، تو میں نے جماعتی پالیسی سے مطمئن نہ رہنے کی وجہ سے میں نے جمعیۃ کی رکنیت سے ہی استعفیٰ پیش کردیا، (احتجاجی مکتوب بنام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ ص ۳۹،۳۸) قائد اہل سنتؒ کی اس صاف اور صریح وضاحت کے بعد بھی ان کے استعفیٰ کو بلا جواز قرار دینا انصاف و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

⑥ چھٹا اعتراض! قاضی صاحب نے اپنے استعفیٰ میں جن اختلافی امور کا اظہار فرمایا ہے ان کی اصلاح انہوں نے جمعیۃ میں رہتے ہوئے کیوں نہ کی؟ استعفیٰ کی کیا ضرورت تھی؟

جواب یہ اعتراض بھی متعدد وجوہ کی بناء پر درست نہیں ہے کیونکہ جمعیت میں رہتے ہوئے قائد اہل سنتؒ نے جمعیۃ کی پالیسی کی اصلاح کی حتی الوسع کوشش کی، اور بہت سی ناگوار چیزوں کو بھی محض اس لیے گوارا کرتے رہے کہ آہستہ آہستہ ان کی اصلاح ہوگی، چند حقائق و شواہد پیش خدمت ہیں:

---

[1] قائد اہل سنتؒ کی جمعیت علماء اسلام میں خدمات و کردار اور شخصی عظمت کے حوالہ سے گزشتہ اوراق میں ایک مستقل باب گذر چکا ہے۔ سلفی

① ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات کے موقع پر حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کا ذاتی رجحان آمریت کے تسلط کو ختم کرنے کے لیے مس فاطمہ جناح کی حمایت کی طرف تھا اور وہ اسے **اھون البلیتین** قرار دیتے تھے، اس موقع پر حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ ہی تھے جنہوں نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو علمی طور پر قائل کیا کہ فاطمہ جناح کی حمایت اھون البلیتین کے زمرہ میں نہیں آتی اور انہی بزرگوں کے علمی دلائل نے جمعیۃ کو ایک بہت بڑی آزمائش سے بچالیا، ورنہ جمعیت بھی آج سینہ تان کر بے نظیر بھٹو کی سربراہی کی مخالفت کرنے کی بجائے جماعت اسلامی کی طرح سر جھکا کر مخالفت کرنے پر مجبور ہوتی، اور جمعیۃ کا اس وقت کا فیصلہ آج عورت کی سربراہی کے حق میں بہت بڑا ہتھیار اور ثبوت ہوتا۔

② ۱۹۶۵ء میں جب مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے ۱۲/اکتوبر کو ملتان میں دینی جماعتوں کا ایک اجلاس بلایا، اور اس اجلاس میں منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام کو بھی دعوت دی گئی تو قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس پر بھی شدید احتجاج فرمایا، چنانچہ انہوں نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اس سلسلہ میں جو خط لکھا تھا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''محترم حضرت مفتی صاحب زید مجدہم: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! عرض آنکہ شیخ محمد یعقوب صاحب کے مکتوب کے جواب میں بندہ نے لکھا تھا کہ ۱۲/تاریخ کو دینی جماعتوں کے اجلاس میں حاضر ہوجاؤں گا، لیکن لاہور پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس اجلاس میں مولوی غلام اللہ صاحب اور مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کو بھی دعوت دی گئی ہے، یہ سن کر بہت تعجب ہوا، کیونکہ پہلے بھی لاہور میں ایسا ہی اجلاس بلا کر آپ تلخ تجربہ کر چکے ہیں، لہٰذا ان علماء کو میں ہم مسلک نہیں سمجھتا، کیونکہ ہم دیوبندی اکابر کے مسلک کو سراسر حق سمجھتے ہیں اور ان کو بعض مسائل سے شدید اختلاف ہے، بلکہ دیوبندی مسلک کو اس جماعت سے بہت نقصان پہنچا ہے، اسی بناء پر لاہور کے ایک مرکزی اجلاس میں اکابر جمعیۃ نے ایک قرارداد پاس کی تھی کہ جن مسائل میں ان سے اختلاف ہے ان کو مرتب کر کے ملک میں شائع کردیا جائے جو علماء ان مسائل سے اتفاق کرلیں وہ دیوبندی مسلک کے سمجھے جائیں، ورنہ جماعت دیوبند سے ان کو خارج سمجھا جائے، لیکن افسوس ہے کہ اس قرارداد پر آج تک عمل نہیں ہوسکا، (یہ قرارداد ۲/ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۴/اگست ۱۹۶۲ء کو منظور ہوئی تھی، جس قرارداد کے مطابق شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ نے تسکین الصدور تالیف فرمائی، تفصیلات اپنے مقام پر ملاحظہ فرمالیں) آپ نے اس اجلاس میں اس

پارٹی کو مدعو کر کے اپنی اس مرکزی قرارداد کو کالعدم قرار دے دیا، کیا ان علماء نے اپنی غلطی سے رجوع کر لیا ہے؟ جب تک یہ علماء اکابر دیوبند کے عقائد و مسائل سے اتفاق نہیں کرتے ان کے اشتراک و اتحاد کو ہم دیوبندی جماعت کے لیے مضر سمجھتے ہیں، اور اس میں کسی ذاتی اختلاف کا کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا میں اس اجلاس میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ والسلام (الاحقر مظہر حسین غفرلہ ۶۵۔۱۰۔۱۰)

اسی تاریخ کو اسی عنوان کا ایک خط قائد اہل سنتؒ نے مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی ارسال فرمایا تھا، جس میں آپ نے لکھا کہ:

''ہم کو تو دیوبندی مسلک عزیز ہے اور ان لوگوں (منکرین حیات) نے اس مسلک حق کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، آپ پر مخفی نہیں ہے، بڑے بزرگوں سے ان کی اصلاح نہیں ہو سکی، مفتی صاحب موصوف یہاں کیا کر سکیں گے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر فرقہ سے محفوظ رکھے۔ آمین''

لیکن بدقسمتی سے حضرت مدظلہ کے توجہ دلانے کے باوجود ملتان کے اجلاس میں ''جمعیۃ متحدہ اسلامیہ'' کے نام سے دینی جماعتوں کا متحدہ محاذ قائم کر دیا گیا اور اس میں منکرین حیات کو بھی شامل کیا گیا، حضرت مدظلہ نے مؤرخہ ۲۸/ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ کو پھر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نام خط لکھا، اور انہیں آنے والے خطرات سے آگاہ کیا کہ جماعت کی موجودہ پالیسی جماعت کے اندر انتشار و تفریق کا باعث ہوگی ان حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مدظلہ جمعیت میں رہتے ہوئے بھی اس کی پالیسی کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن جب جمعیت کی پالیسی ناقابلِ برداشت حد تک آگے بڑھ گئی تو حضرت مدظلہ کے لیے استعفیٰ کے سوا چارہ نہ تھا چنانچہ حضرت نے استعفیٰ دے دیا، حضرت مدظلہ نے ڈاکٹر احمد حسین کمال کے جن اشتراکی نظریات کا حوالہ اپنے استعفیٰ میں دیا ہے۔ ان سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اپنے ۲ مئی ۱۹۷۰ء کے مکتوب میں آگاہ فرما دیا تھا اور علامہ مشرقی کے عقائد سے بھی مفتی صاحب کو اپنے ۱۴/ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ کے مکتوب کے ذریعہ خبردار کر دیا تھا۔ گمراہ اور بے دین فرقوں کے بارے میں جمعیۃ کی پالیسی اکثر و بیشتر نرم رہی ہے، نظریاتی اور اعتقادی بُعد کو جمعیۃ نے عموماً وقتی اور ہنگامی اشتراک سے ختم کرنے کی کوشش کی ہے جو عقلاً محال ہے، اسی طرح کا ایک وقتی اور ہنگامی متحدہ اجلاس حضرت درخواستی مدظلہ نے بھی خانپور میں بلایا تھا جس میں منکرین حیات کو بھی دعوت دی گئی تھی، اس اجلاس کی عمومی نشست میں جانشین امیر شریعت رحمہ اللہ مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری نے ''اتحاد کون نہیں ہونے دیتا؟'' کے عنوان سے جو تقریر ارشاد فرمائی ہے وہ شائع ہو چکی ہے، اس سے بخوبی اندازہ

ہوسکتا ہے کہ اعتقادی ونظریاتی بُعد کو وقتی وہنگامی اشتراک سے ختم کرنے کی کوشش میں کیا نقصان ہے؟ اور پھر اس ہنگامی سیاست کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ جمعیۃ کے پلیٹ فارم پرسنی، شیعہ (جوکہ دومتضاد مذاہب ہیں) کی تفریق ختم کردی گئی، چنانچہ جمعیۃ کے مرکزی آرگن ہفت روزہ ''ترجمان اسلام'' لاہور کے ۲۱/اکتوبر ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں ص ۲۱ پر یہ خبر چھپی کہ۔

''ممتاز شیعہ راہنما (جواد حسین انصاری) اوران کے ساتھیوں کی جماعت میں شمولیت''

ہم جمعیۃ کی اس پالیسی پر انااللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے سوا کیا تبصرہ کرسکتے ہیں؟

جمعیۃ کی پالیسیوں پر حضرت مدظلہ کی طرف سے بے لاگ تنقید پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت کے نام اپنے ایک مکتوب میں مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''مخدوم محترم حضرت قاضی صاحب، دام مجدکم العالی سلامِ مسنون! مزاج گرامی، گزارش ہے کہ جناب کا گرامی نامہ ملا، آپ نے جس جذبۂ ایمانی کے تحت جماعتی فیصلہ پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، اس سے بہت خوشی ہوئی، علماء کی باوقار اور مقدس جماعت میں ایسے افراد کی ضرورت ہے کہ وہ سختی سے جماعت کو اس کے مقصد کی پابند رکھیں، جس کے حصول کے لیے جماعت کا وجود عمل میں آیا ہے''۔الخ

⑦ ساتواں اعتراض! قاضی صاحب نے جمعیۃ علمائے اسلام سے علیحدگی کے بعد جمعیۃ کے مقابلہ میں تحریک خدام اہل سنت والجماعت قائم کی

جواب یہ بھی ایک نری غلط فہمی ہے کیونکہ تحریک خدام اہل سنت والجماعت ۱۹۶۹ء میں قائم ہوئی ہے جبکہ جمعیت سے علیحدگی حضرت نے ۱۹۷۰ء میں اختیار فرمائی ہے تحریک کے قیام کے بعد حضرت درخواستی مدظلہ کے نام ایک خط میں تحریک کے مقصد قیام پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:

مخدومنا ومولانا حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! عرض بخدمت عالیہ آنکہ بندہ طالب خیز بخیر ہے، عرصہ ہوا حضرت کی زیارتِ نصیب نہیں ہوسکی، مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی کے ہمراہ حاضر خدمت ہونے کا ارادہ تھا، لیکن جناب موصوف اچانک سخت مرض میں مبتلا ہوگئے، جس کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکا، اب مولوی صاحب پر

معمولی اثر باقی ہے، ان دنوں آزاد کشمیر ایک جگہ آرام کر رہے ہیں ان کی صحت کاملہ عاجلہ کے لیے دعا فرمائیں، بندہ ناکارہ نے جمعیۃ کی پالیسی کے بارے میں صرف اختلاف رائے کی جسارت کی تھی اور تا حال حضرت مدظلہ کی عظمت واحترام میں کوئی فرق نہیں محسوس کرتا، لیکن معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ بات پھیلائی ہے کہ ہم آپ کے خلاف باتیں کرتے ہیں اگر کسی نے یہ بات کی ہے تو وہ بہت کذاب ہے، البتہ یہ اطلاع صحیح ہے کہ ''خدام اہل سنت'' کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی ہے اور اس سے مقصود بھی جمعیۃ کی مخالفت نہیں ہے، بلکہ بہت عرصہ پہلے اہل سنت کے عنوان پر کام کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اور مولانا عبداللطیف صاحب کے ذریعہ حضرت کی خدمت میں بھی یہ خواہش پہنچا دی تھی، اس تقاضے کے تحت یہ قدم اٹھایا۔ اور حضرت پیر خورشید احمد صاحب مدظلہ نے اس کی سرپرستی وصدارت قبول فرمالی ہے، جس سے مزید اطمینان پیدا ہو گیا ہے، حضرت حالت یہ ہے کہ ملک میں اہل سنت کی بحیثیت سنی مسلمان کے کوئی حیثیت نہیں ہے، کسی پہلو سے کوئی وقار نہیں ہے، عموماً سیاسی لیڈر تو سنی مذہب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اخبارات ورسائل میں اہل سنت کے عنوان سے کوئی کارروائی نہیں ہے، الا ماشاء اللہ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں اہل سنت بہت کمزور اقلیت میں ہیں، دیہات کے دیہات اہل سنت کی تبلیغ سے محروم ہیں، باوجود مذہب حق ہونے کے اس کا کیا انجام ہوگا؟ اور سنت اور جماعت (ما انا علیہ واصحابی) کے عنوان کے بغیر اسلام کا تحفظ کیونکر ہو سکے گا؟ اس قسم کے احساسات نے مجبور کیا ہے کہ اہل سنت کے عنوان سے دین کی کوئی خدمت کی جائے۔ جمعیۃ علمائے اسلام کے سامنے اور بھی متعدد ملکی وملی مسائل ہیں جو اہم بھی ہیں، وہ مستقلاً عوام اہل سنت کی تبلیغ وتنظیم کے لیے فارغ نہیں ہو سکتی اس لیے علیحدہ عنوان پر بھی کام کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے، حضرت مدظلہ سے گزارش ہے کہ خدام اہل سنت کو بھی اپنے خدام میں شامل رکھیں اور ہماری اصلاح اور عملی خدمت کے لیے دعا فرماتے رہیں، کسی موقع پر ان شاء اللہ حاضر خدمت ہوں گا۔ نیز جمعیۃ علمائے اسلام کے اعلان کے تحت ہم نے گزشتہ جمعہ پر یوم اقصیٰ منایا ہے اور خدام اہل سنت کی طرف سے چکوال اور اس کے مضافات کے ایک ہزار مجاہدین قدس کا اعلان کر دیا ہے، جن میں ۱۳۱۳ ان شاء اللہ خاص مجاہد ہوں گے، آئندہ جمعہ پر ان شاء اللہ العزیز ان ایک ہزار مجاہدین کی فہرست پیش کر دی جائے گی، اخلاص وہمت کے لیے دعا فرمائیں۔ والسلام

طالب دعا، خادم اہل سنت الاحقر، مظہر حسین غفرلہ

مدنی جامع مسجد چکوال، ضلع جہلم، ۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ

کیا اس مکتوب کے ملاحظہ کرنے کے بعد بھی کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ خدام اہل سنت، جمعیۃ علماء اسلام کے مقابلہ میں بنائی گئی؟

⑧ آٹھواں اعتراض، قاضی صاحب نے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے خلاف کتاب لکھی اوران پر تنقید کی

جواب حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نوراللہ مرقدہٗ ایک متبحر عالم دین اور زیرک سیاستدان تھے اور پاکستان کے افق سیاست پر (مولانا غلام غوث ہزاروی نوراللہ مرقدہٗ کی محنت وکاوش سے) جس تیزی اور آب وتاب کے ساتھ نمودار ہوئے وہ انہیں کا حصہ ہے، لیکن اس کے باوجود وہ معصوم نہ تھے انسان ہونے کے ناطے سے ان سے خطاؤں کا صدور ناممکن ومحال نہ تھا اوران خطاؤں کی بناء پر ہم عصر اور ہم مسلک ہونے کی وجہ سے ان پر تنقید شرعاً ناجائز نہ تھی، جبکہ تنقید بھی شرعی مسائل اورنظریات کی بنیاد پر تھی، شیعیت ورافضیت کی اصل حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے سیاسی میدان میں وہ چند سنگین قسم کی سیاسی غلطیوں کے مرتکب ہوگئے اوران کی عظیم شخصیت کی بناء پران کی وہ سیاسی غلطیاں مفادات اہل سنت کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی تھیں اور مستقبل میں مخالفین کی طرف سے انہیں بطورِ حجت ودلیل پیش کیے جانے کا خدشہ تھا اس لیے ضرورت تھی کہ ان کوان غلطیوں کی طرف توجہ دلائی جاتی اوراس کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ یہ خدمت کوئی ایسا بزرگ سرانجام دے جس کی شخصیت مسلّم ہو، اوراس کی تنقید کو توہین وتنقیص پر محمول نہ کیا جاسکے، چنانچہ اس ضرورت کے تحت حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو مکتوب لکھا، مکتوب کا پس منظر یہ ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جب لاہور تشریف لائے تو شیعہ تنظیم مرکز المسلمین کی طرف سے انہیں

استقبالیہ دیا گیا، مرکز المسلمین کے سربراہ آغا مرتضیٰ پویا نے افتتاح کیا اور یہ افتتاح اتنا زوردار تھا کہ نعرۂ حیدری، یاعلی کے نعروں نے کفر والحاد کے قلعہ ہائے خیبر ہلا دیئے، یہاں مفتی جعفر حسین مجتہد جیسے نیک نفس عالم بھی آئے اوراعلان کیا کہ ائمہ اربعہ میں جتنا کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اتنا ہی شیعوں اورسنیوں میں پایا جاتا ہے، اس سے بڑھ کر کوئی اختلاف نہیں، مولانا مفتی محمود تقریر کرنے کے لیے اٹھے تو چہرے پر مسرت کی حکمرانی تھی، وہ خوش تھے کہ شیعہ علماء نے قومی اتحاد کے ساتھ وابستگی کا اعلان کیا، اورانہوں نے کہا کہ:

''شیعہ اتنے ہی مسلمان ہیں جتنے ہم، ان کے فرقہ وارانہ حقوق کی مکمل نگہبانی ہمارا فرض ہے۔''

مولانا مفتی محمود کو شیعہ علماء کی نمائندہ تنظیم مرکز المسلمین کی طرف سے مطالبات بھی پیش کئے گئے، جن سے انہوں نے اصولی اتفاق کا اعلان وہیں کر دیا، بعد میں پاکستان قومی اتحاد کی مرکزی کونسل نے اپنے رات کے اجلاس میں ان کی منظوری دے دی، ان مطالبات میں، شیعہ اوقاف کا انتظام شیعہ حضرات کو واپس کرنا عزاداری پر کوئی پابندی عائد نہ کرنا، اور شیعہ حضرات سے متعلق فیصلے فقہ جعفریہ کی روشنی میں کرنا شامل ہیں۔ (ہفت روزہ اسلامی جمہوریہ لاہور ۱۵/۲۱، اگست ۱۹۷۷ء)

اس کے علاوہ نوائے وقت راولپنڈی ۱۴/اگست ۱۹۷۷ء میں بھی یہ خبر چھپی کہ پاکستان قومی اتحاد نے شیعہ تنظیم مرکز المسلمین کے دیگر مطالبات کے علاوہ یہ مطالبہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ تعلیمی اداروں میں شیعہ اور سنی طلبہ کو اپنی اپنی دینیات پڑھائی جائے گی، مذکورہ بیانات کے مطابق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا

① شیعہ کو اہل سنت جیسا مسلمان تسلیم کرنا۔
② ان کے فرقہ وارانہ حقوق کی نگہبانی کو اپنا فرض قرار دینا۔
③ شیعہ کا جداگانہ اوقاف کا مطالبہ تسلیم کرنا۔
④ ان کی عزاداری کی غیر شرعی رسم پر پابندی نہ لگانے کا وعدہ کرنا۔
⑤ ان کے جداگانہ پبلک لاء کے نفاذ کا مطالبہ تسلیم کرنا۔
⑥ اور ان کے جداگانہ نصاب دینیات کا مطالبہ تسلیم کرنا۔

ان کی بہت بڑی سیاسی غلطی تھی اور پھر ستم یہ کہ مرکز المسلمین کے استقبالیہ کی خبر اس شہ سرخی کے ساتھ دی گئی۔

''نعرۂ حیدری کی گونج میں مفتی محمود کا خطاب''

اس صورتِ حال کے پیش نظر حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے ۱۷/ستمبر ۱۹۷۷ء کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا جس میں انہوں نے شیعہ عقائد و نظریات اور جمعیۃ علمائے اسلام کے ''اسلامی منشور'' کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب اور قومی اتحاد کی مذکورہ پالیسی کو سنی مفادات کے لیے انتہائی خطرناک قرار دیا، اور مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اس پالیسی کے خطرناک اور گمراہ کن نتائج سے خبردار کیا، جب مفتی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا اور نہ ہی پالیسی تبدیل کرنے کا کوئی اخباری بیان جاری کیا گیا تو اس مکتوب کو ''احتجاجی مکتوب'' کے نام سے شائع کر دیا گیا، تاکہ مفتی

صاحب رحمہ اللہ کی اس سیاسی غلطی کو مستقبل میں سنی حقوق ومفادات کے خلاف دلیل وحجت نہ بنایا جاسکے، کیونکہ اگر اس پر خاموشی وسکوت اختیار کرلیا جاتا تو یقیناً اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی کہ تمام علماء اہل سنت والجماعت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ مؤقف اور قومی اتحاد کے اس نظریہ اور پالیسی سے مکمل طور پر متفق ہیں اور مستقبل کی حقوق ومفادات اہل سنت کی تحریک اس سے بُری طرح متاثر ہوسکتی تھی۔ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب میں شیعہ عقائد ونظریات اور ان کی رسم عزاداری کی حقیقت سے مفتی صاحب رحمہ اللہ کو آگاہ فرمایا، اور اس کے علاوہ ان کی توجہ جمعیۃ کے اسلامی منشور کی درج ذیل شقوں کی طرف دلائی کہ آپ کا مؤقف شرعی اور جمہوری نقطہ نگاہ سے بھی صحیح نہیں اور جمعیۃ کے منشور کی درج ذیل دفعات کی رو سے بھی غیر صحیح ہے۔ (یعنی) ''منشور'' میں یہ دفعات شامل ہیں۔

''خلافتِ راشدہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معیار''

⑤ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ادوارِ حکومت وآثار کو اسلامی نظام حکومت کے جزئیات متعین کرنے کے لیے معیار قرار دیا جائے گا۔

⑥ مملکت کی کلیدی اسامیاں غیر مسلموں اور مرتدوں کے لیے ممنوع قرار دے دی جائیں گی۔

⑦ صدر مملکت کا مسلمان ہونا اور پاکستان کی ۹۸ فیصد مسلمان اکثریت اہل سنت کا ہم مسلک ہونا ضروری ہوگا۔

⑧ مسلمان کی قانونی تعریف یہ ہوگی، وہ قرآن وحدیث پر ایمان رکھتے ہوئے ان کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف رحمہم اللہ اجمعین کی تشریحات کی روشنی میں حجت سمجھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی نبوت کا اور نہ کسی نئی شریعت کا قائل ہو۔

⑨ جو فرقے اسلام کے کسی بنیادی عقیدہ مثلاً ختم نبوت وغیرہ سے انحراف کے مرتکب ہوچکے ہیں، انہیں غیر اسلامی فرقے قرار دیا جائے گا اور آئندہ اس قسم کے انحراف کو دستور میں ممنوع اور واجب التعزیر قرار دیا جائے گا۔

⑩ دستور کی اسلامی دفعات (قرآن وسنت کے اصولوں) اور مملکت کی اسلامی حیثیت میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کی اجازت نہ ہوگی۔

⑪ اسلام اور اس کے کسی بھی حکم اور عقیدہ کے خلاف کسی قسم کی تنقید وتبلیغ کی نہ تقریری اجازت ہوگی، نہ تحریری۔ (ماخوذ از اسلامی منشور کل پاکستان جمعیۃ علمائے اسلام ۱۹۷۰ء، ص ۱۸ تا ۲۱)

جمعیۃ کے ''اسلامی منشور'' کی مذکورہ دفعات کا بالترتیب جائزہ لیجیے:

① کیا دفعہ نمبر ۵ کے مطابق شیعہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ادوار حکومت و آثار کو اسلامی نظام حکومت کے لیے معیار تسلیم کرتے ہیں؟

② کیا دفعہ نمبر ۸ کے مطابق شیعہ حضرات قرآن وحدیث پر ایمان رکھتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تشریحات کو حجت مانتے ہیں؟ نظریہ امامت کے تحت کیا وہ اپنے ائمہ کو نبوت و رسالت کا مقام نہیں دیتے؟ کیا وہ اپنے ائمہ کی تعلیمات کو نئی شریعت کا درجہ نہیں دیتے؟

③ دفعہ نمبر ۹ کے مطابق شیعہ کا نظریہ امامت عقیدہ ختم نبوت سے صاف وصریح انکار نہیں اس اعتبار سے کیا وہ غیر اسلامی فرقہ نہیں؟

④ دفعہ نمبر ۶ کے مطابق شیعہ کے لیے، کافر، اور غیر مسلم ہونے کی بناء پر کلیدی عہدے ممنوع قرار نہیں پائیں گے؟

⑤ دفعہ نمبر ۱۱ کے مطابق غیر اسلامی فرقہ ہونے کی بناء پر شیعہ کی اذانِ تبرا، جعلی کلمہ، رسم ماتم اور ان کے دیگر عقائد ونظریات کی تبلیغ ممنوع قرار نہیں پائے گی؟

اگر قاضی صاحب نے مفتی صاحب رحمہ اللہ کو ان مذکورہ حقائق کی روشنی میں آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے مکتوب لکھا، اور مسلمانانِ اہل سنت کے مفادات وحقوق کی نگہبانی کے لیے اس مکتوب کو شائع کر دیا تو کون سا جرم کیا؟ مکتوب کے آخر میں قاضی صاحب نے وضاحت فرمائی کہ:

> ''اس وقت آپ کی خدمت میں میرے اس مکتوب کا مقصد یہ مسئلہ نہیں ہے کہ عقیدہ امامت کی بناء پر اپنے جداگانہ کلمہ کے باوجود شیعہ فرقہ ایک اسلامی فرقہ قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور نہ ہی میرا یہ مطالبہ ہے کہ شیعوں کو مذہبی آزادی نہیں ملنی چاہیے بلکہ آپ سے میری بحث اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مذہبی آزادی کے نام پر اسلامی حکومت اسلام کے نام پر کسی ایسے عقیدہ اور اصول کی اشاعت وتعلیم کی اجازت دے سکتی ہے یا نہیں؟ جو اصول اسلام ہی سے متصادم ہو؟ اور جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہ ہو؟ اس سلسلہ میں بندہ کا مؤقف یہ ہے کہ اسلامی حکومت کسی ایسے عقیدہ کی تبلیغ واشاعت کی اجازت نہیں دے سکتی بلکہ اصول اسلام کے خلاف اگر کوئی عقیدہ اسلام کے نام پر شائع کیا جائے تو اس کا سد باب کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے؟'' (احتجاجی مکتوب)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مذکورہ بالا حقائق سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ شاید مولانا مفتی محمود نور اللہ مرقدہ آخر وقت تک شیعہ کے بارہ میں اپنے مذکورہ مؤقف پر قائم رہے ہیں اور ان کے مؤقف میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ آخر عمر میں رافضیت وشیعیت کو مکمل طور پر سمجھ گئے تھے، اسی لیے وہ تمام سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر فقہ حنفی کے نفاذ کا مطالبہ کرنے لگے تھے، ملاحظہ کیجیے۔

> ''کراچی ۸ / جون (پ ر) پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مفتی محمود نے کہا ہے کہ ملک میں صرف اور صرف اہل سنت کی عظیم اکثریت کی بناء پر پبلک لاء کی حیثیت سے فقہ حنفی ہی قابل قبول ہوگا اور کسی دوسرے فقہ کے نفاذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... انہوں نے کہا کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین تمام امت مسلمہ کے عقیدت کے مراکز ہیں، اور ہماری زندگی اس وقت تک کامیاب نہیں کہلائی جاسکتی جب تک کہ وہ حضور اکرم اور صحابہ کرام کی زندگی کے مطابق نہ ہو، مفتی محمود نے کہا کہ فقہ جعفریہ کوئی مرتب اور مدون فقہ نہیں ہے، اگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ فقہ جعفریہ ٹھیک ہے تو فقہ جعفریہ میں نہ ماتم جائز ہے نہ جلوس وغیرہ ہیں، امام جعفر کے نزدیک ماتم کرنا، پیٹنا رونا دھونا جائز نہیں، اگر فقہ جعفریہ اختیار کرتے ہیں تو پہلے اس کو ختم کریں مفتی محمود نے کہا کہ ہم حضرت جعفر رحمہ اللہ کو تسلیم کرتے ہیں ان کے اقوال کو ہم مسترد نہیں کرسکتے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان میں ہی نہیں بلکہ ہر ملک میں قانون اکثریت کی بنیاد پر بنتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ ۱۹۵۱ء میں علمائے کرام طے کرچکے ہیں اور طے شدہ مسئلہ کو دوبارہ اٹھانا انتشار پیدا کرنا ہے اور کسی صورت میں ملک میں دو قانون نہیں ہوسکتے۔''[1]

یہی خبر ۱۰ / جون ۱۹۷۹ء کے روزنامہ ''امن'' کراچی میں بھی شائع ہوئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ آخر عمر میں شیعیت کے مقاصد وعزائم کو پوری طرح سمجھ چکے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے سیاسی مؤقف میں لچک ختم کردی تھی اور کھل کر فقہ حنفی کے نفاذ کے مطالبات شروع کردیتے تھے، مفتی صاحب رحمہ اللہ کے فقہ حنفی کے نفاذ کے لیے ان کھلم کھلا اعلانات کے بعد یقین ہوچکا تھا کہ اب مفتی صاحب رحمہ اللہ اس مطالبہ اور مشن کو اپنی آئندہ سیاسی جدوجہد کی بنیاد بنائیں گے، لیکن بدقسمتی سے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۹۸۰ء میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے لیے پیغام اجل آگیا، اور وہ فانی دنیا

---

[1] روزنامہ حریت کراچی ۹ / جون ۱۹۷۹ء)

سے کوچ کر گئے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے فقہ حنفی کی حمایت میں ان بیانات کے خلاف فطری ردِ عمل کے طور پر شیعہ بھی میدان میں آ گئے اور انہوں نے مفتی صاحب رحمہ اللہ سے قومی اتحاد کی صدارت سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ مرکز المسلمین کے سربراہ آغا مرتضیٰ پویا، (جس کے استقبالیہ میں مفتی صاحب رحمہ اللہ نے شیعوں کو مسلمان قرار دینے اور ان کے غیر اسلامی و غیر جمہوری مطالبات تسلیم کرنے کی سیاسی غلطی کی تھی) نے مفتی صاحب رحمہ اللہ کے خلاف یہ اخباری بیان جاری کر دیا۔

> ''کوئٹہ ۱۰ رجون (پی، پی، آئی) ممتاز شیعہ راہنما اور مرکز المسلمین کے سربراہ جناب مرتضیٰ پویا نے قومی اتحاد کے صدر مفتی محمود کے استعفاء کا مطالبہ کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں پی، این، اے کے سربراہ کے استعفاء کا مطالبہ ان کے اس مبینہ بیان کے پیش نظر کر رہا ہوں، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ صرف فقہ حنفی ملک میں نافذ کیا جائے گا، انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب کو اس بیان کے بعد پی، این، اے کا صدر رہنے کا کوئی حق نہیں ہے'' الخ۔
>
> (روزنامہ حریت کراچی ۱۱ رجون ۱۹۷۹ء)

⑨ نواں اعتراض! قاضی صاحب نے تنظیم اہل سنت کے سربراہ مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری کے خلاف بھی کتاب لکھی ہے اور ان پر تنقید کی

جواب گزشتہ حقائق سے بالکل واضح ہو چکا ہے کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ صرف اور صرف اہل سنت والجماعت کے شرعی آئینی اور جمہوری مفادات و حقوق کے تحفظ کے لیے لڑ رہے ہیں، اگر کسی مقام پر کوئی فرد بھی سنی حقوق و مفادات کے خلاف کوئی بات یا کوئی کام کرتا ہے تو قاضی صاحب اس کی شخصیت کی پرواہ کیے بغیر اس پر گرفت کرتے ہیں، اس لیے جب مولانا نور الحسن صاحب بخاری نے شیعہ کے جداگانہ نصاب دینیات پر دستخط کیے تو حضرت مدظلہ نے اس پر ان کو خط لکھا، جو بعد میں ''مکتوب مرغوب'' کے نام سے شائع کر دیا گیا[1]، اس جداگانہ نصاب دینیات سے درج ذیل نقصانات کا خدشہ تھا۔

① شیعہ کو سنی کے برابر مسلمان تسلیم کر لینا۔

② تعلیمی نصاب اکثریت کا حق ہوتا ہے، ایک (زیادہ سے زیادہ پانچ فیصد) اقلیت کو پچانوے فیصد اکثریت کے برابر حق دے دینا، اکثریت کے ساتھ صریح ظلم و ناانصافی ہے۔

---

[1] اس قضیّہ کی مکمل داستان مع قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی پیش قدمی و قلمی اسی کتاب میں اپنے مقام پر موجود ہے۔ سلفی

③ دوسری اقلیتوں (مرزائی، عیسائی وغیرہ) کی طرف سے بھی جداگانہ نصاب کا مطالبہ۔

چنانچہ مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کی اس بہت بڑی سیاسی غلطی کی وجہ سے صرف حضرت مدظلہ نے ہی ان پر تنقید نہیں کی بلکہ تنظیم اہل سنت کے سربراہ مولانا عبدالستار تونسویؒ نے بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مؤقف سے اتفاق نہیں کیا تھا، اور تنظیم اہل سنت کے جنرل سیکرٹری مولانا سید عبدالمجید ندیم اور مولانا عبدالشکور دین پوری نے تو تنظیم سے علیحدگی اختیار کرکے "تحفظ حقوق اہل سنت" کے نام سے الگ جماعت بنالی تھی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"مئی ۱۹۷۵ء میں جب نصاب دینیات کے ضمن میں مولانا نورالحسن شاہ صاحب کی پالیسی اور ان کے غیر جماعتی طرزِ عمل پر اختلاف واحتجاج کرتے ہوئے ہم مستعفی ہوکر تنظیم اہل سنت سے علیحدہ ہوگئے۔"[۱]

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"چنانچہ ہم نوا احباب نے تنظیم سے استعفیٰ دے کر تحفظ ناموس صحابہ کے دینی وملی فرائض کو ادا کرنے کے لیے ۱۲/جون ۱۹۷۵ء کو ملتان میں اکابرین کے مشورہ سے "تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان" کا وجود عمل میں لایا گیا۔"[۲]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے اس طرزِ عمل کو جب تنظیم اہل سنت کے راہنماؤں نے خود پسند نہیں کیا بلکہ بعض ذمہ دار حضرات نے اسی وجہ سے جماعت سے علیحدگی اختیار کرکے متوازی جماعت قائم کردی، تو حضرت مدظلہ کی تنقید کیونکر بے جا قرار دی جاسکتی ہے؟

⑩ دسواں اعتراض، قاضی صاحب نے مولانا محمد ضیاء القاسمی کی بھی مخالفت کی ہے اور ان پر بلاوجہ تنقید کی ہے

جواب مولانا ضیاء القاسمی صاحب پر تنقید کی وجہ یہ تھی کہ وہ سنی وشیعہ مشترکہ نصاب کمیٹی کے رکن تھے، اور قاضی صاحب اس کمیٹی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، چنانچہ جب اس مشترکہ نصاب کمیٹی نے مڈل تک کی شیعہ وسنی دینیات مرتب کرلی تو مولانا محمد ضیاء القاسمی نے نظرثانی کے لیے حضرت مدظلہ کے پاس بھیجی

---

[۱] جدید نصاب دینیات کا منصفانہ جائزہ، سوادِ اعظم اہل سنت پر ظلم عظیم، ص ۵

[۲] مجلس تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان کا قیام اور اس کی ضرورت ص ۵،۶

جس کے جواب میں حضرت مدظلہ نے لکھا کہ:

''میں تو سنی، شیعہ مشترکہ نصاب دینیات کے بھی مخالف ہوں، اور سواد اعظم کے سنی مطالبات میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے، کہ نصابِ تعلیم صرف سواد اعظم اہل سنت والجماعت کی دینیات کا نافذ کیا جائے، اور شیعہ اقلیتی فرقہ کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا جائے کہ شیعہ دینیات سرکاری تعلیمی ادارہ میں نافذ کیا جائے''۔

اور اس شیعہ سنی مشترکہ نصاب کمیٹی سے صرف حضرت قائد اہل سنتؒ کو ہی اختلاف نہ تھا بلکہ ملک کے دیگر مقتدر علماء بھی اس کے مخالف تھے، چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ماہنامہ بینات کراچی نومبر ۱۹۷۲ء کے اداریہ میں تحریر فرمایا کہ:

ان دنوں سرکاری مدارس میں شیعہ حضرات کے لیے نصاب کی علیحدگی کی جو تجویز زیر غور ہے وہ سراسر سیاسی مصالح کے خلاف ہے...... ایک طرف شیعہ کو مسلمان سمجھنا اور دوسری طرف علیحدہ نصاب تجویز کرنا کہاں کا فلسفہ ہے؟

یعنی حکومت کے نزدیک اگر شیعہ مسلمان ہیں تو ان کے لیے نصاب دینیات میں علیحدگی کیوں؟ اور اگر وہ مسلمان نہیں تو دینیات میں شراکت کیوں؟

اسی طرح مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے بھی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

ہم تو اصولاً اس قسم کے مطالبات کو درخور اعتناء سمجھنا، اس کے لیے کمیٹی تشکیل کرنا، اور اسے زیر غور لانا ہی ملک وملت کے افتراق کا ذریعہ سمجھتے ہیں پھر طرفہ تماشا یہ کہ کمیٹی اور اس کے ضمنی ورکنگ گروپ میں شیعہ، سنی ارکان کو بالکل اس طرح مساوی نمائندگی مل گئی کہ گویا شیعہ اس ملک کی نصف آبادی ہو، الخ۔ (ماہنامہ الحق اکتوبر ۱۹۷۲ء)

اگر اس مشترکہ نصاب کمیٹی سے اختلاف جرم ہے تو پھر صرف قاضی صاحب ہی مجرم نہیں، بلکہ مذکورہ بزرگ بھی اس جرم میں برابر و یکساں شریک ہیں، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کے نام اپنے مکتوب مرغوب کے آخر میں حضرت فرماتے ہیں کہ:

راقم الحروف نے سنی مسلمانوں کے مذہبی حقوق کے تحفظ کے تحت آپ کی خدمت میں ان خرابیوں کی نشاندہی کر دی ہے جو سنی، شیعہ نصاب کمیٹی کے فیصلہ میں پائی جاتی ہیں، یہ مسئلہ نہ صرف تنظیم اہل سنت کا ہے، نہ خدام اہل سنت کا، نہ جمعیۃ علمائے اسلام کا ہے اور نہ جمعیۃ

علمائے پاکستان کا، نہ اہل حدیث کا ہے اور نہ مودودی جماعت کا، بلکہ یہ مسئلہ ان تمام سنی مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے جو رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مقدسہ کو اور حضور ﷺ کی جماعت مرضیہ کو دین اسلام میں شرعی حجت اور معیار حق مانتے ہیں، لہٰذا آپ شخصی اور جماعتی حدود سے بالاتر ہو کر اس مسئلہ کے مالہ وماعلیہ پر غور وفکر فرمائیں۔ (مکتوب مرغوب)

جس بنیاد پہ اختلاف مولانا سید نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ سے تھا اسی بنیاد پر اختلاف مولانا

محمد ضیاء القاسمی سے تھا، مولانا محمد ضیاء القاسمی جمعیۃ علماء اسلام صوبہ پنجاب کے جنرل سیکرٹری رہ چکے ہیں، (بلکہ تنظیم اہل سنت کے بھی مرکزی جنرل سیکرٹری رہے) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو مولانا قاسمی سے انتہائی انس تھا، اسی لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے صوبہ سرحد کی وزارت اعلیٰ کے دور میں جب پنجاب کی کھر اور رامے گورنمنٹ نے مولانا ضیاء القاسمی کی بعض تقاریر پر ان کے خلاف مقدمات درج کر کے وارنٹ گرفتاری جاری کیے تو مولانا قاسمی مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس پشاور تشریف لے گئے اور مفتی صاحب رحمہ اللہ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا تو مفتی صاحب رحمہ اللہ نے پنجاب گورنمنٹ کو ان الفاظ میں دھمکی دی تھی کہ:

''اگر پنجاب میں میرے بیٹے ضیاء القاسمی کو گرفتار کیا گیا تو میں سرحد میں حیات محمد خان شیر پاؤ کو گرفتار کرلوں گا''۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ کو مولانا قاسمی سے کتنا لگاؤ اور اُنس تھا، لیکن مولانا قاسمی نے مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اس کا صلہ اچھا نہیں دیا، جمعیۃ جب دو دھڑوں میں تقسیم ہوئی اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ جمعیۃ سے الگ ہو گئے تو مولانا قاسمی بھی ان کے ساتھ الگ ہو گئے اور اس

مخالفانہ دور میں بعض جگہوں پر مفتی صاحب کے متعلق تند و تیز جملوں کا استعمال بھی کیا۔ بہرحال اس تاریخی ریکارڈ کا تذکرہ ضمنی طور پر آ گیا ہے، ہمارا مقصود محض اپنی صفائی پیش کرنا ہے، کسی پر کیچڑ اچھالنا نہ ہمارا مشن ہے اور نہ ہم اس کو مناسب سمجھتے ہیں۔

⑪ گیارھواں اعتراض، قاضی صاحب نے مولانا سید عبدالمجید ندیم صاحب کے خلاف کتابیں لکھیں

جواب یہ سراسر جھوٹ اور افتراء ہے، حضرت قاضی صاحب نے ندیم صاحب کے خلاف ایک

کتاب بھی نہیں لکھی، البتہ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے سابق صدر مدرس، استاذ العلماء حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ نے ندیم صاحب کے بعض یزیدی اور خارجی نظریات کے خلاف دو رسالے تالیف فرمائے تھے: ① (مولانا) عبدالمجید ندیم اور یزیدیت ② ندیم صاحب کے ''بے معنی وضاحت'' اور تیسرا رسالہ مولانا محمد اسماعیل صاحب ہزروی (مدرس جامعہ قاسمیہ لاہور) نے ③ ''ندیم صاحب کی غلط بیانیاں'' کے نام سے شائع کیا تھا،[1] ان رسائل میں ندیم صاحب پر یہ الزامات عائد کئے گئے ہیں۔

① ندیم صاحب فسق یزید کے بارے میں اکابر و اسلاف کے اجماعی و اتفاقی نظریہ سے غیر مطمئن ہیں، اور فسق یزید کا نظریہ نہیں رکھتے اور نہ اس کا اظہار کرتے ہیں۔

② محمود احمد عباسی اور اس کی خارجی جماعت سے بہت متاثر ہیں، چنانچہ ایک سائل کے جواب میں انہوں نے محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت یزید بن معاویہ'' (خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید) اور عظیم الدین صدیقی کی کتاب ''حیات سیدنا یزید'' کے مطالعہ کا مشورہ دیا، اور اپنے قلم سے سائل کو ان دونوں کتابوں کے نام لکھ کر دیئے ان کی دستی تحریر کا عکس مذکورہ رسالوں میں شائع کر دیا گیا ہے۔

ان رسالوں کی تالیف کے بعد ندیم صاحب نے اپنے خارجی اور یزیدی نظریات سے رجوع کرنے کی بجائے جارحیت اور کھلی محاذ آرائی کی پوزیشن اختیار کر لی اور اپنی نظریاتی پوزیشن واضح کرنے کی بجائے حضرت قاضی صاحب مدظلہ پر بے جا اعتراضات کی یلغار کر دی، حالانکہ ندیم صاحب کے خلاف مذکورہ رسالے حضرت مدظلہ نے تالیف نہیں فرمائے، بلکہ حضرت نے اپنی کتب ''کشف خارجیت'' اور ''خارجی فتنہ'' وغیرہ میں انہی مذکورہ رسالوں کے حوالہ سے ندیم صاحب پر نظریاتی گرفت فرمائی ہے، ندیم صاحب کے مذکورہ خارجی اور یزیدی نظریات سے صرف تحریک خدام کو ہی اختلاف نہیں، بلکہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے بھی ندیم صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب میں مذکورہ نظریات کی اصلاح کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ وہ اپنے مکتوب میں ندیم صاحب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ:

> ''اس لیے بہت بہتر ہو کہ آپ ایسا بیان جاری کر دیں جس سے صاف واضح ہو جائے کہ محمود احمد عباسی کے افکار باطلہ اور اس کی گمراہ یزیدی جماعت سے آپ کا تعلق نہیں ہے''۔

---

[1] آمدہ صفحات میں اس اختلاف کی مکمل سرگزشت قلمبند کر کے پیش کر دی گئی ہے۔ سلفی

ندیم صاحب نے مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ صاحب کے مذکورہ مکتوب کو شائع کیا ہے، لیکن اس کو شائع کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا اور اسی کی اشاعت میں دو صریح اضافوں کا ارتکاب کیا ہے۔

اول یہ کہ اصل مکتوب میں عبد المجید ندیم صاحب لکھا تھا، جبکہ ندیم صاحب نے جب اس مکتوب کو شائع کیا تو اس میں عبد المجید ندیم ''شاہ صاحب'' کر دیا، یعنی شاہ کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا، ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ندیم صاحب شاہ ہیں یا نہیں؟ اور نہ ان کے شاہ اور سید بن جانے سے ہمیں کوئی تکلیف ہے، لیکن کسی کے مضمون میں کمی بیشی کر دینا اصول دیانت کے منافی ہے۔

دوم یہ کہ مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے اصل مکتوب میں اس کی گمراہ یزیدی جماعت کے الفاظ بھی تھے جبکہ ندیم صاحب نے خط جو شائع کیا اس میں سے یہ الفاظ حذف کر دیئے جو ایک کھلی بد دیانتی ہے، اور اس خط کے ساتھ جو وضاحت ندیم صاحب نے کی ہے اس میں بھی فسق یزید کے بارہ میں ان کا مؤقف درج نہیں ہے جس سے ان کے یزیدی ہونے کے شکوک وشبہات کو مزید تقویت ملی ہے، خدا کرے کہ ندیم صاحب اس گتھی کو جلد سلجھا سکیں، کیونکہ اب فیصلہ انہی کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اکابر و اسلاف کے اجماعی و اتفاقی عقائد ونظریات پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہاں تک اپنے بارہ میں پیدا شدہ شکوک وشبہات کا ازالہ فرماتے ہیں۔

⑫ بارہواں اعتراض، قاضی صاحب نے شریعت بل کی مخالفت کی، حالانکہ شریعت بل کی مخالفت اسلامی نظام کے نفاذ کی مخالفت تھی

جواب یہ بھی سراسر افتراء ہے، حضرتؒ نے شریعت بل کی مخالفت ہرگز نہیں کی البتہ شریعت بل کے متن سے اختلاف کرتے ہوئے بعض اہم ترامیم کا مشورہ ضرور دیا ہے چنانچہ شریعت بل میں ترمیمی تجاویز کے عنوان سے ہی تحریک خدام کی طرف سے پمفلٹ وغیرہ شائع ہوتے رہے ہیں، اور حضرت مدظلہ نے بھی اسی پر ایک طویل مضمون مرتب فرمایا، جو ''شریعت بل کا جائزہ'' کے عنوان سے شائع ہو کر تقسیم ہو چکا ہے، جس میں حضرت مدظلہ نے شریعت بل میں خدام اہل سنت کی ترمیمی تجاویز کے عنوان سے لکھا ہے کہ:

> ''مجوزہ شریعت بل کے اصل مقاصد سے ہمیں اتفاق ہے، لیکن پاکستان میں چونکہ مسلمانان اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت ہے، اس لیے ان کے شرعی اصول وحقوق کے تحفظ کے

لیے ہماری ترمیمی تجاویز حسب ذیل ہیں: (۱) پاکستان کو سنی سٹیٹ قرار دیا جائے جیسا کہ اکثریت کی بناء پر ایران کو شیعہ سٹیٹ قرار دیا گیا ہے۔ (۲) چونکہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ حکومت الہیہ کا کامل و جامع نمونہ خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نظام خلافتِ راشدہ ہے، جو قرآنی وعدہ کے تحت قائم ہوا ہے، اور رسولِ کریم ﷺ نے بھی اپنی سنت کے ساتھ ان کی سنت کی اتباع کو لازم قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (مشکوٰۃ شریف) یعنی تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع لازم ہے، اس لیے مجوزہ شریعت بل نمبر (۲) کی دفعہ (ج) کے تحت یہ عبارت لکھی جائے ''کتاب وسنت کے بعد خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی اتباع لازم ہوگی، اور جو حکم یا ضابطہ ان سے ثابت یا ماخوذ ہو شریعت کا حکم متصور ہوگا۔ (۳) دفعہ (د) کے تحت سابقہ دفعہ (ج) کی یہ عبارت لکھی جائے، کوئی حکم یا ضابطہ جو اجماع امت سے ثابت یا ماخوذ ہو شریعت کا حکم متصور ہوگا۔ (۴) سابقہ دفعہ (۵) کو حذف کر کے اس کے تحت یہ عبارت لکھی جائے، چونکہ پاکستان میں سنی، حنفی مسلمانوں کی عظیم اکثریت ہے اس لیے بطورِ پبلک لاء فقہ حنفی کا نفاذ ہوگا، جیسا کہ ایران میں بطور پبلک لاء فقہ جعفری نافذ ہے (۵) اس کے بعد دفعہ (ر) کے تحت یہ لکھا جائے! اقلیتی مسلم فرقوں کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مسلک کے مطابق کئے جائیں گے (٦) دفعہ نمبر (۲) قرآن وسنت کی تعبیر کے تحت یہ عبارت لکھی جائے قرآن وسنت کی وہی تعبیر معتبر ہوگی۔ جو خلفائے راشدین، صحابہ کرام واہل بیت عظام اور اہل سنت والجماعت کے مستند مجتہدین کے علم اصولِ تفسیر اور علم اصولِ حدیث کے مسلمہ قواعد وضوابط کے مطابق ہو۔ (ص ۱۴، ۱۵)

یہ ترمیمی تجاویز سنی حقوق ومفادات کے اعتبار سے مناسب ہیں یا غیر مناسب؟ مفید ہیں یا غیر مفید؟ قطع نظر اس سے یہ حقیقت تو بخوبی واضح ہے کہ تحریک خدام اہل سنت والجماعت نے شریعت بل کی مخالفت نہیں کی، اگر اس کی مخالفت کی ہوتی تو ترمیمی تجاویز پیش کرنے اور شریعت بل کو پورے ملک میں مشتہر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور اگر تحریک خدام اہل سنت کی طرف سے پیش کردہ ترمیمی تجاویز کو

مخالفت پر محمول کیا گیا ہے اور ترمیمی تجاویز پیش کرنا تحریک خدام کا جرم تھا تو اسی جرم میں بھی وہ تنہا نہیں ہے، چنانچہ سینٹ میں شریعت بل کے محرک (مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا عبداللطیف صاحب) علماء کی جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے جماعی آرگن ہفت روزہ ''ترجمان اسلام'' لاہور میں بھی بعنوان ''شریعت بل نئی شکل میں'' یہ لکھا گیا ہے کہ:

''سینیٹر حضرت مولانا قاضی عبداللطیف اور سینیٹر حضرت مولانا سمیع الحق کے پیش کردہ شریعت بل کو تمام دینی مکاتب فکر کے لیے قابلِ قبول بنانے کے لیے دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور جمعیۃ علمائے اسلام اور جماعت اسلامی کے نمائندہ علماء نے اس پر مزید غور کر کے ضروری ترامیم تجویز کردی ہیں۔ شریعت بل کا اصل متن مع نئی تجاویز کے درج ذیل ہے''۔ الخ (۳/ اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۵)

شریعت بل میں ترامیم ان کی طرف سے بھی کی گئی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ہماری ترمیمی تجاویز کا تعلق سنی حقوق ومفادات کے ساتھ تھا اور ان کی ترامیم کا مقصد فقط یہ تھا کہ:

باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

⑬ تیرہواں اعتراض، قاضی صاحب نے شریعت محاذ کی مخالفت کی اور اس کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا

جواب قاضی صاحبؒ اگر کسی فتنہ کے پہلو بہ پہلو چل سکتے تو انہیں جمعیۃ علمائے اسلام سے علیحدگی کی ہرگز ضرورت نہ تھی، وہ قول وعمل کے اسی تضاد کے خلاف تو جدوجہد کر رہے ہیں، شریعت محاذ میں مودودی جماعت کو بھی شامل کیا گیا تھا اور مودودی جماعت کو گوارا کرنا اگر قاضی صاحب کے لیے ممکن ہوتا تو وہ بھی منصورہ کے مودودی اجتماع میں شریک ہو سکتے تھے لیکن وہ اپنے اکابر واسلاف کے نظریاتی دامن کو ہاتھ سے چھوڑنے پر آمادہ وتیار نہیں، ہم تو مودودی جماعت کی گرگٹ کی طرح بدلنے والی متضاد پالیسیوں کی وجہ سے اس کا وجود کسی جمہوری اتحاد میں گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں، چہ جائیکہ اس کے اسلام کش ملحدانہ عقائد ونظریات کی بناء پر اس سے کسی اسلامی یا شرعی تحریک میں تعاون لیں؟ یا اس سے تعاون کریں؟ باعثِ حیرت بات ہمارے لیے یہ ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام (حضرت درخواستیؒ گروپ) نے ایم آر ڈی میں شمولیت اختیار نہیں کی، اور ان کے عدم شمولیت کی بناء پر جمعیۃ دو دھڑوں میں تقسیم

ہوگئی، ان کا مؤقف یہ تھا کہ:

''ایم آر ڈی اگرچہ ایک جمہوری محاذ ہے اور جمہوری تحریک ہے، اس کے تمام تر جمہوری مطالبات اور جدوجہد سے ہمیں اتفاق ہے، لیکن چونکہ اس جمہوری تحریک کے اندر پاکستان پیپلز پارٹی جیسی جمہوریت کش جماعت شامل ہے، لہٰذا کسی جمہوریت کش جماعت کے ساتھ مل کر ہم کسی جمہوری تحریک میں حصہ نہیں لے سکتے''۔

یہ مؤقف بجا، یہ پالیسی درست، یہ حقیقت مسلّم کہ ایم آر ڈی میں شمولیت واقعی اسلام دشمنی، ملک دشمنی اور جمہوریت دشمنی کا بین ثبوت ہے اور آج پیپلز پارٹی کا اقتدار اسی مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ ہے لیکن اگر اس پالیسی کو اپناتے ہوئے ہم یہ مؤقف اختیار کرلیں تو کیا حرج ہے کہ:

شریعت محاذ اگرچہ ایک دینی محاذ ہے، اور شریعت کی بالادستی کی ایک دینی تحریک ہے اس کے مجوزہ شریعت بل کے مکمل متن (مع ترمیمی تجاویز کے) اور اس کی جدوجہد سے ہمیں اتفاق ہے، لیکن چونکہ اس شریعت محاذ میں جماعت اسلامی جیسی ایک گمراہ کن اسلام دشمن، اور مفاد پرست جماعت شامل ہے، لہٰذا کسی اسلام دشمن جماعت کے ساتھ مل کر ہم شریعت کی بالادستی اور اسلامی نظام کے نفاذ کی کسی تحریک میں شامل نہیں ہوسکتے۔

اس کی جواب دہی تو جمعیۃ علماء اسلام حضرت درخواستی گروپ کے راہنماؤں کے ذمہ ہے کہ اگر ایک جمہوریت کش جماعت کے ساتھ مل کر وہ کسی جمہوری تحریک میں شامل نہ ہوسکتے تھے؟ تو ایک اسلام دشمن اور شریعت کش جماعت کے ساتھ ملا کر انہوں نے نفاذِ شریعت کی تحریک میں جدوجہد و کوشش کرنا کیسے گوارا کرلیا؟

⑭ چودھواں اعتراض، قاضی صاحب نے مولانا محمد اسحاق سندیلوی صاحب جیسے جیّد عالم دین کے خلاف کتاب لکھ دی اور انہیں خارجی بنادیا

جواب مولانا سندیلوی سے اختلاف کا پہلا سبب: اس اعتراض کا تفصیلی جواب تو قائد اہل سنت کی کتب ''خارجی فتنہ'' جلد اول و دوم اور ''کشف خارجیت'' وغیرہ میں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے، اور مفصل سبب اختلاف اسی کتاب میں اپنے مقام پر درج ہے البتہ اجمالاً ہم عرض کرتے ہیں کہ مولانا سندیلوی سے اختلاف کے تین سبب ہیں، پہلا سبب مولانا سندیلوی کی وہ عبارات ہیں جن میں انہوں نے اکابرو

اسلاف پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے سندیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

① ہم نے متاخرین کی اس غلط روش کو چھوڑ کر تحقیق کا صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ (اظہارِ حقیقت جلد دوم، ص ۱۷۰)

② حافظ ابن عبد البر، علامہ ابن حجر، ابن الاثیر وغیرہ رحمہم اللہ سر آنکھوں پر...... روایات کی بناء پر جس طرح انہیں کوئی رائے قائم کرنے کا حق تھا اس طرح ہمیں بھی حق حاصل ہے، بلکہ اس وقت جو جدید ذرائع معلومات اور تنقید کے وسائل ہمیں حاصل ہو گئے ہیں وہ انہیں حاصل نہ تھے، اس لیے ان کے مقابلہ میں ہماری رائے زیادہ صحیح اور وزنی ہو سکتی ہے۔ (ایضاً ص ۴۵، ج ۱)

③ ان روایات سے نتیجہ اخذ کرنے کا جس طرح حافظ ابن کثیر وامثالھم کو حق ہے، اسی طرح ہمیں بھی حق ہے، اس بارے میں انہیں ہم پر کوئی امتیاز و ترجیح حاصل نہیں۔ (ایضاً، ص ۲۴۵، ج ۲)

④ یہ دونوں بزرگ (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ) حدیث کے ماہر تھے، تاریخ کو نہ انہوں نے اپنا موضوع بنایا نہ اس علم میں ان کا کوئی خاص درجہ ہے، مسئلہ کا تعلق تاریخ سے ہے اس لیے ان حضرات کی رائے اس مسئلہ میں بالکل بے وزن ہے۔ (ایضاً، ص ۳۶۱، ج ۱)

⑤ پہلے جو دلائل ہم نقل کر چکے ہیں، ان کے مقابلہ میں محض علامہ جصاص رحمہ اللہ (ابو بکر حنفی رحمہ اللہ) کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا۔ (ایضاً، ص ۳۰، ج ۲)

⑥ ان (علامہ ابو بکر جصاص حنفی رحمہ اللہ) کی مندرجہ بالا رائے بے اصل و بے دلیل بلکہ دلائل صحیحہ اور مسلک اہل سنت کے بالکل خلاف ہے، گزشتہ صفحات میں ہم بحث کر چکے ہیں، اس پر نظر کرنے سے ان کی اس رائے کی رائی کے دانے کے برابر بھی وقعت باقی نہیں رہی اور مہر نیمروز کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ ان کا یہ قول بالکل غلط بلکہ مجموعہ اغلاط ہے۔ (ایضاً، ص ۳۰۶، ج ۲)

⑦ ان بزرگوں (حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی، حضرت مدنی اور حضرت علامہ لکھنوی رحمہم اللہ تعالیٰ) وغیرہ کے ساتھ محبت وعقیدت کو میں اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں، اور ان کی کفش برداری میسر ہونے کو باعثِ عزت، لیکن باوجود اس کے ان کی ہر رائے کی اتباع کو ضروری نہیں سمجھتا، اور اختلاف رائے کو جائز تصور کرتا ہوں، چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں ان حضرات کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا...... یہ بزرگانِ امت مخلص اور حق پسند تھے، اگر تحقیق فرماتے تو وہی کہتے جو میں کہتا ہوں۔ (جواب شافی، ص ۱۶)

مولانا سندیلوی نے ''اظہار حقیقت''، مودودی صاحب کی کتاب خلافت وملوکیت کے جواب میں

لکھی ہے، مولانا سندیلوی کا اکابر و اسلاف پر عدم اعتماد اور ان پر اپنی علمی و تحقیقی برتری کا نظریہ ملاحظہ فرمائیے اور مودودی صاحب کا یہ نظریہ بھی ملاحظہ فرمائیے، فرماتے ہیں کہ:

"یہ اشکال اس وقت تک دور نہ ہوگا جب تک مسلمانوں میں آزاد اہل فکر پیدا نہ ہوں گے۔ اسلام میں ایک نشاۃ جدیدہ کی ضرورت ہے، پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا"۔ الخ (تنقیحات ص ۱۴)

مولانا سندیلوی سے اختلاف کا دوسرا سبب

مولانا سندیلوی رحمہ اللہ سے اختلاف کا دوسرا سبب یہ ہے کہ جب محمود احمد عباسی نے "خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید" نامی کتاب لکھی اور اس میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو ہدف تنقید بنایا تو پاک و ہند کے علماء اہل سنت نے اس پر کافی برہمی کا اظہار فرمایا، اور عباسی صاحب کے نظریات کی تردید لکھی، انہی علماء میں مہتمم دارالعلوم دیوبند حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے بھی "شہید کربلا اور یزید" نامی کتاب لکھ کر عباسی نظریات کا رد لکھا" اس پر مولانا سندیلوی نے قاری صاحب کی تردید اور عباسی صاحب کی تائید میں ایک مضمون لکھ مارا، چنانچہ ان کے مضمون کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے، فرماتے ہیں:

"کتاب خلافت معاویہ و یزید تو زلزلہ افگن ثابت ہوئی، اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں ہے، مگر بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے، خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم کا یہ اعلان اور بھی تحیر انگیز ہے، کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں، میں نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد"۔ (صدق جدید لکھنؤ، ۱۳ر نومبر ۱۹۵۹ء)

اندازہ کیجیے کہ عباسی صاحب کے افکار باطلہ کا رد لکھنے والے علماء اہل سنت اور شیعہ کے درمیان مولانا سندیلوی کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے، گویا اہل سنت بالخصوص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عزت و عظمت کا تحفظ صرف روافض و شیعہ کی ذمہ داری ہے، اہل سنت کا ان سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور مولانا سندیلوی کے نزدیک خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تعلق تاریخی حقائق و واقعات سے ہے، تو پھر مودودی صاحب کا اس سے بڑھ کر کیا قصور

ہے؟ اگر وہ تاریخی واقعات وروایات کی بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید کریں تو جرم اور اگر عباسی صاحب تاریخی واقعات وروایات کی آڑ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ پر تنقید کریں تو جرم کیوں نہیں؟ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مولانا سندیلوی پاک وہند میں خارجیت وناصبیت کا سرے سے وجود ہی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

> اگر اس سے مراد نواصب وخوارج ہیں تو جہاں تک مجھے علم ہے ان کا کوئی وجود پاکستان اور ہندوستان میں نہیں ہے نہ آج تک ان ملکوں میں ان کتابوں کا نام سنا گیا ہے جن میں ناصبیت وخارجیت کی ترجمانی کی گئی ہو۔ (تجدید سبائیت، ص۲۹)

مولانا سندیلوی کی طرف سے خارجیت کے حق میں اس قدر حوصلہ افزاء اور علماء اہل سنت کے حق میں شدید حوصلہ شکن بیانات کی ہی وجہ سے عباسی صاحب کو بھی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے خلاف زبان درازی کی جرأت وجسارت ہوگئی، چنانچہ عباسی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

> ''طیب صاحب نے مکذوبہ روایتوں کی بھرمار کے ساتھ اپنی کتاب (شہید کربلا اور یزید) کے اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ (دیباچہ خلافت معاویہ ویزید، طبع سوم ص ۲۳)
>
> دار العلوم ''دیوبند'' سے کچھ اس قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں، جو لکھنؤ کے امام باڑہ ''غفران مآب'' کے کسی ذاکر کی زبان سے نکلتی ہیں تو کیا عجب ہے۔ (تحقیق مزید، ص ۳۲۸)

مولانا سندیلوی سے اختلاف کا تیسرا سبب

مولانا سندیلوی سے اختلاف کا تیسرا سبب مولانا سندیلوی کے وہ نظریات ہیں جن کے اثبات کے لیے انہیں اکابر واسلاف پر عدم اعتماد اور محمود احمد عباسی پر بھرپور اعتماد کے اظہار کی ضرورت پیش آئی کیونکہ اس کے بغیر ان نظریاتِ جدیدہ کا اثبات ناممکن تھا، اور وہ نظریات درج ذیل ہیں:

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت عارضی اور ہنگامی تھی، مستقل نہ تھی۔

② مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطاء اجتہادی نہیں ہوئی۔

③ یزید فاسق نہ تھا بلکہ صالح وعادل خلیفہ برحق تھا، اور اپنے ان نظریات کے سلسلہ میں علمائے اہل سنت پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> اہل سنت کی کثیر تعداد جن میں بہت سے علماء بھی شامل ہیں، اس مسئلہ میں مسلک اہل سنت والجماعت سے ہٹ گئے ہیں۔ (اظہار حقیقت ص ۲۲، ج ۲)

یہ مسلک (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء اجتہادی کا) باوجود شہرت ومقبولیت عام درحقیقت بالکل غلط، بے دلیل بلکہ خلافِ دلیل ہے۔ (ایضاً ص ۴۶۱)

دوسرے مضامین ملاحظہ کرنے کے بعد قارئین بخوبی اندازہ فرماسکیں گے کہ مولانا سندیلوی کے نزدیک کون کون سے علماء، مسلک اہل سنت سے ہٹ گئے ہیں؟ اور کون کون سے علماء کا مؤقف خلافِ دلیل اور غلط ہے، ان مذکورہ حقائق سے یہ اندازہ کرنا بالکل دشوار نہیں کہ مولانا سندیلوی سے اختلاف میں حضرت مدظلہ حق بجانب تھے یا نہیں؟

⑮ پندرھواں اعتراض، قاضی صاحب نے مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے خلاف کتاب لکھی اور ان پر تنقید کی

جواب حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مدظلہ دونوں پیر بھائی ہیں اور دونوں حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ کے خلفاء مجاز ہیں، حضرت مدظلہ نے ۲۹/ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۵/اگست ۱۹۸۷ء کو ایک مکتوب لکھا، جسے ''اصلاحی مکتوب'' کے نام سے شائع کیا گیا، اس میں مولانا حامد میاں صاحب رحمہ اللہ پر تنقید نہیں بلکہ مولانا فضل الرحمان کی پالیسی پر تنقید ہے، چونکہ مولانا فضل الرحمان کی جماعت کے امیر مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ صاحب تھے، اسی لیے حضرت مدظلہ نے اپنے مکتوب میں مخاطب ان کو کیا ہے، اس مکتوب میں مولانا فضل الرحمن صاحب کی اس پالیسی پر تنقید کی گئی ہے، جس کے مطابق انہوں نے اپنی آل پارٹیز کانفرنس میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے راہنماؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور وہ ان کی دعوت پر کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ان کی کانفرنس میں شرکت سے عوام الناس کے ذہن میں درج ذیل شبہات پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔

① تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے مقصد قیام اور اس کے مطالبات سے عوامی وسیاسی حلقے بے خبر ونا آشنا نہیں ہیں، اور اہل سنت والجماعت ان شیعہ مطالبات کو اپنے آئینی وجمہوری حقوق پر غاصبانہ تسلط کے مترادف قرار دیتے ہیں، جبکہ کانفرنس میں ان کی شمولیت سے یہ شکوک پیدا ہوسکتے تھے کہ ملک کی سیاسی جماعتوں نے اس کے غیر آئینی وغیر جمہوری مطالبات کو آئینی وجمہوری حیثیت سے تسلیم کرلیا ہے، اور چونکہ اس کانفرنس کے داعی جمعیۃ علمائے اسلام کے جنرل سیکرٹری مولانا فضل الرحمن تھے اور جمعیۃ علماء اسلام عوامی حلقوں میں مذہبی وسیاسی دونوں حیثیتوں سے متعارف ہے، اس لیے

اس سے مذہبی حلقوں میں بھی شکوک پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔

۲ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے مذہبی عقائد ونظریات کی بناء پر ملک کے سیاسی میدان میں اس کو ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے اہمیت دینا بھی تحفظ مفاداتِ اہل سنت کی تحریک کی پشت پر خنجر گھونپنے کے مترادف تھا۔

۳ کانفرنس میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کو دعوت دینے سے عالم اسلام کے اس فتویٰ کفر کی حیثیت بھی مجروح ہوئی جو عالمی سطح پر عرب وعجم کے علماء کی طرف سے شیعہ کے خلاف دیا گیا۔

۴ اس کانفرنس میں سیاسی اختلافات کی بناء پر جمعیۃ علمائے اسلام حضرت درخواستی گروپ کو دعوت نہیں دی گئی جبکہ جمعیۃ علماء اسلام بھی آل پارٹیز کانفرنس کے بنیادی مقاصد اور اس کے جمہوری مطالبات سے بنیادی طور پر متفق تھی، تو کیا جمعیۃ علماء اسلام درخواستی گروپ سے سیاسی اختلافات تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے ساتھ مذہبی وجمہوری اختلافات سے بھی شدید اور سنگین تھے؟ کہ شیعہ کو دعوت دیدی گئی اور جمعیۃ کو دعوت دینا گوارا نہیں کیا گیا؟

ظاہر بات ہے کہ مذکورہ تمام خطرات مفادات اہل سنت کی تحریک کے لیے خطرناک اور مہلک ثابت ہوسکتے تھے، اور ہوئے ہیں، اس بناء پر اگر حضرت مدظلہ نے آنے والے درپیش خطرات سے خبردار کرنے کے لیے یہ مذکورہ مکتوب لکھا ہے تو کیا جرم کیا ہے؟ مکتوب کے آخر میں ''آخری گذارش'' کے عنوان سے حضرت مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

''چونکہ آپ (یعنی حامد میاں صاحب رحمہ اللہ) اپنی جمعیۃ علمائے اسلام کے امیر ہیں، اس لیے اس عریضہ میں آپ کو مخاطب بنایا ہے، آپ خواہ عملاً آل پارٹیز کانفرنس سے بے تعلق رہیں، لیکن جمعیت کی پالیسیوں کے ذمہ دار آپ ہی ہیں، آخری گزارش یہی ہے کہ اگر آپ جمعیۃ کو اس غیر شرعی سیاست سے روک نہیں سکتے اور جمعیۃ جس راستہ پر چل رہی ہے، اس کو چھوڑ کر ما انا علیہ واصحابی اور علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین کی راہِ حق پر چلنے کے لیے آمادہ نہیں ہوسکتی تو پھر آپ نہ صرف جمعیۃ کی امارت بلکہ اس کی رکنیت سے بھی دستبردار ہوجائیں، اور بلا خوف لومۃ لائم باطل کی ساری زنجیریں توڑ کر حق کو اپنالیں، تو یہ آپ کے لیے اور آپ کے تلامذہ اور متوسلین کے لیے بھی سعادت مندی ہوگی، دینی جماعتوں کا مقصد تحفظ اصول دین ہونا چاہیے، نہ کہ محض سیاسی فوقیت وغلبہ، اولادِ آدم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض یافتہ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام ہے، جو فرد یا فرقہ جماعت

اصحاب رسول ﷺ کا وفادار نہیں، وہ اسلام سے بھی وفا نہیں کر سکتا، مجھے آپ کی جمیعۃ کی زیر بحث پالیسی سے سخت صدمہ ہوا ہے، اور میں سوچتا ہوں کہ جب علمائے اسلام کا یہ حال ہے تو تحفظ ناموسِ صحابہ کا کون پاسبان ہوگا؟ اور پاکستان میں اہل سنت والجماعت کا مستقبل کیا ہوگا؟ آپ کے لیے اپنی جمیعۃ سے مستعفی ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے''۔

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

(اصلاحی مکتوب، ص ۲۰، ۲۱)

⑯ سولہواں اعتراض، قاضی صاحب نے مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری کی بھی مخالفت کی ہے

جواب مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری سے اختلاف بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت ومقام کے دفاع کے سلسلہ میں ہے کیونکہ مولانا بخاری مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں مودودی صاحب کے ہم نوا ہیں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء اجتہادی کی بجائے ان کی خطاء عنادی کے قائل ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر تھے یعنی خطاء ان کی عنادی تھی، اور دورِ خلافت علی رضی اللہ عنہ میں وہ ملک جائر تھے''۔ (استخلاف یزید، ص ۱۸۰)

وہ چونکہ اس مؤقف میں جمہور اہل سنت کے مؤقف سے ہٹے ہوئے ہیں، اس لیے ان سے بھی اختلاف ناگزیر تھا۔ (اس کی تفاصیل آگے اپنے مقام پر آرہی ہیں)۔

⑰ سترھواں اعتراض، قاضی صاحب نے جانشین امیر شریعت رحمہ اللہ مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کی بھی مخالفت کی ہے

جواب مولانا سید عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری سے بھی اختلاف نظریہ فسق یزید کی بنیاد پر تھا، لیکن باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا بخاری اپنے سابقہ مؤقف سے رجوع کر لیا تھا اور خلافت راشدہ کے بارہ میں بھی ان کا نظریہ دوسرے مضمون میں بیان ہو چکا ہے، البتہ ان کے برادر مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری اپنے سابقہ خارجی یزیدی نظریہ پر بدستور قائم رہے۔

⑱ اٹھارہواں اعتراض، قاضی صاحب مولانا حق نواز جھنگوی ؒ اور ان کی جماعت سپاہ صحابہ سے بھی اختلاف رکھتے ہیں

جواب انجمن سپاہ صحابہ کے بارہ میں ہمارا مؤقف یہ ہے کہ نہ ہم اس کے مؤقف کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس کی پالیسی کی حمایت کرتے ہیں، کیونکہ اس کا مؤقف عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کا تحفظ ہے جو ہر باایمان مسلمان کے ضمیر کی آواز ہے، لیکن مؤقف کے لیے اس کی پالیسی خطرناک حد تک ناقابل تسلیم ہے، اس کے درج ذیل اسباب ہیں:

① بعض باوثوق ذرائع سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا نواز صاحب جھنگوی مدظلہ عقائد و نظریات کے اعتبار سے اکابر واسلاف سے کسی قسم کا اختلاف نہیں رکھتے، وہ خلافت راشدہ موعودہ صرف چاروں خلفاء کے لیے مانتے ہیں، اسی لیے ان کے متعدد جلسوں میں خلافت راشدہ حق چار یار رضی اللہ عنہم کے نعرے بھی لگتے ہیں اور انجمن سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے خلافت راشدہ حق چار یار رضی اللہ عنہم کے اسٹیکرز بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو موعودہ خلافت راشدہ نہیں مانتے، اور مشاجرات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء اجتہادی بھی تسلیم کرتے ہیں، فسق یزید کے بھی قائل ہیں، لیکن پالیسی میں ان کی نرمی کی وجہ سے ان کی انجمن کے نائب سرپرست اعلیٰ مولانا ضیاء الرحمان فاروقی صاحب نے اکابر کی اجماعی تحقیقات کے خلاف جو نظریات قائم کیے ہیں، وہ کسی مصلحت کے تحت ان کی تردید بھی نہیں کرتے، جس کی وجہ سے یہ شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں کہ شاید فاروقی صاحب کے نظریات انجمن سپاہ صحابہ کے من حیث الجماعت نظریات ہیں۔

② انجمن سپاہ صحابہ کی جذباتی پالیسی کو بھی ہم سنی قوت کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں، کیونکہ اس سے سنی قوت ضائع ہونے کا خدشہ ہے، جبکہ اس وقت سنی قوت کو منظم اور مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے انتہائی مدبرانہ حکمت عملی چاہیے۔

③ انجمن کی جذباتی پالیسی ہی کا نتیجہ تھا کہ مخالفین صحابہ نے مولانا جھنگوی کو مقدمہ قتل میں پھنسا کر گرفتار کرا دیا، مولانا کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا، حتیٰ کہ مولانا فضل الرحمٰن کی ذاتی دلچسپیوں اور کوششوں

کی بناء پر مولانا کی رہائی کے لیے جو اتفاقی معاہدہ طے پایا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں آئندہ شیعہ کو کافر نہیں لکھوں گا[1] اس پر مولانا کے دستخط ہوئے اس کی تفصیلات ماہنامہ انوار مدینہ بھکر میں شائع ہو چکی ہیں، اور اسی معاہدہ کے تحت مولانا کی رہائی عمل میں آئی۔

④ انجمن سپاہ صحابہ کا سیاسی اشتراک جمعیۃ علمائے اسلام مولانا فضل الرحمٰن گروپ کے ساتھ رہا ہے اور مولانا جھنگوی جمعیت کے صوبائی نائب امیر رہے ہیں، جمعیۃ کے اسی گروپ نے آل پارٹیز کانفرنس میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کو دعوت دی، نیز جمعیۃ کا یہ گروپ ایم، آر، ڈی میں بھی شامل تھا جبکہ ایم آر ڈی میں شیعہ بھی تھے، یعنی انجمن کا بالواسطہ شیعہ سے اشتراک ہو گیا۔

⑤ لاہور کے جمعیۃ علمائے اسلام مولانا فضل الرحمن گروپ کے صوبائی انتخابی اجلاس میں، مولانا جھنگوی بھی صوبائی امارت کے امیدوار تھے، انتخاب میں مولانا سید امیر حسین شاہ صاحب گیلانی ووٹوں کی اکثریت سے صوبائی امیر منتخب ہو گئے، اس کے بعد محض اتفاق تھا یا مولانا جھنگوی کا پہلے سے طے شدہ پروگرام، کہ وہ عورت کی سربراہی کے مسئلہ میں متحدہ علماء کونسل میں شامل ہو گئے، جس سے ان کے خلاف شدید قسم کا پروپیگنڈہ کیا گیا کہ وہ صوبائی امارت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے جمعیۃ سے عملاً علیحدہ ہوئے ہیں، اس پروپیگنڈہ کی وجہ سے انجمن کے اصل مشن کو جو نقصان پہنچا وہ بخوبی ظاہر ہے۔

⑥ انجمن سپاہ صحابہ کا حالیہ اشتراک متحدہ علما کونسل سے ہے، جس میں مودودی بھی شامل ہیں اور یہ حقیقت مولانا جھنگوی سے بھی مخفی نہیں ہے کہ مودودی پارٹی، مفاداتِ اہل سنت کی تحریک کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان مذکورہ امور وحقائق کی بناء پر مولانا جھنگوی کے لیے ہمارا برادرانہ مشورہ ہے کہ وہ مذکورہ امور پر غور فرمائیں اور ایسے بزرگ علماء کی سرپرستی میں کام کریں جن کی عمریں اسی مشن میں صَرف ہوئیں اور جن کی داڑھیاں اسی مشن میں سفید ہو گئیں۔

---

[1] اس معاہدہ کی صاف ستھری فوٹو کاپی بندہ کے پاس موجود ہے۔ اس میں اس بات کا معاہدہ کیا گیا تھا کہ ہم آئندہ دیواروں پر تکفیر کے نعروں کی چاکنگ اور اشتعالی نعروں سے پرہیز کریں گے۔ اس معاہدہ کی پہلی کوشش مولانا محمد ضیا القاسمی، مولانا عبدالقادر آزاد اور مولانا اجمل قادری کی جانب سے ہوئی جو ناکام ہو گئی تھی۔ دوسری کوشش قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن کی جانب سے ہوئی جو اس حد تک تو کامیاب رہی کہ معاہدہ نامہ پر فریقین نے دستخط کر دیئے تھے مگر عملاً یہ معاہدہ بھی ناکام رہا۔ سلفی

⑲ انیسواں اعتراض، قاضی صاحب نے تبلیغی جماعت کے خلاف کتابیں لکھی ہیں

جواب اس کے جواب میں ہم فقط اتنا ہی کہہ سکتے ہیں، لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی مجلس وصحبت میں بیٹھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ حضرتؒ تو تبلیغی جماعت کے طریق کاران کے طرزِ عمل اوران کی محنت وفکر کو تنظیمی کام کے لیے بطورِ نمونہ پیش فرماتے تھے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جس جماعت کی محنت وفکر کی وہ ہر مجلس میں تعریف کرتے ہوں، اسی جماعت کے خلاف کتابیں تحریر کریں؟

البتہ تبلیغی جماعت کے موجودہ اکابر کی فتنوں کے بارہ میں نرمی کی وجہ سے حضرت مدظلہ کسی کسی وقت افسوس کا اظہار فرماتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے گزشتہ بزرگوں میں یہ نرمی نہ تھی حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ) سکھر کے اجتماع میں شریک تھے کسی نے آکر اطلاع دی کہ باہر مودودی جماعت کے بعض افراد نے کتابوں کا سٹال لگایا ہوا ہے، تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کسی کو بھیجنے کی بجائے خود تشریف لے گئے، اور اپنے ہاتھوں سے مودودیوں کا سٹال اٹھوادیا، کہ یہ تو گمراہی کا سامان ہے، مودودیوں نے اس پر بڑا واویلا مچایا لیکن ان بزرگوں کی سختی نرمی میں نہ بدلی، اس کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب رحمہ اللہ نے ''فتنہ مودودیت'' کے نام پر کتاب لکھی، بعض لوگوں نے مشورہ بھی دیا کہ حضرت نام سخت ہے، تو فرمایا بھئی نام سخت ہوگا تو فتنہ کی اصل حقیقت معلوم ہوگی، لیکن تبلیغی جماعت کے موجودہ بزرگوں میں وہ سختی نہیں ہے، جس کی وجہ سے ان فتنوں کو بھی تبلیغی جماعت میں گھسنے کا موقع مل گیا، اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جماعت کے لیے ''تبلیغی نصاب'' کے نام سے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کتاب لکھی، لیکن ان کی وفات کے متصل بعد ہی اس کا نام تبدیل کر کے ''فضائل اعمال'' رکھ دیا گیا اور اس سے ''فضائل درود شریف'' کے حصہ کو الگ کر دیا گیا، ہمیں معلوم نہیں کہ اکابرین جماعت کے ہاں اس کی مصلحت کیا ہے؟ لیکن اس سے ایک فریق کو یہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل گیا کہ اس میں چونکہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع عندالقبر کی موضوع وضعیف روایات تھیں اس لیے اسے نکال دیا گیا ہے یہ باتیں بھی کبھی کبھی مجلس میں ضمناً آجاتی ہیں، ورنہ نہ تو حضرت مدظلہ نے تبلیغی جماعت کے خلاف کوئی کتاب لکھی، اور نہ جماعت سے کوئی نظریاتی اختلاف رکھتے ہیں۔

⑳ بیسواں اعتراض، قاضی صاحب اتحاد کے دشمن ہیں، اور کوئی اتحاد نہیں ہونے دیتے

جواب اگر اتحاد سے مراد نظریاتی اصولوں کی قربانی ہے، تو وہ نہ تو پہلے قاضی صاحب سے ہوسکی ہے اور نہ آئندہ ان سے اس کی توقع رکھی جائے، کیونکہ وہ وقتی اور ہنگامی ضرورتوں کے تحت کام نہیں کرتے، بلکہ دائمی اور نظریاتی اصولوں کی بنیاد پر کام کرتے ہیں، اور ایسا کوئی بھی کام جو مستقبل میں مفاداتِ اہل سنت کی تحریک کے لیے مہلک اور خطرناک ثابت ہوسکتا ہو اس کے کرنے سے قاضی صاحب اور ان کی جماعت ہمیشہ گریز کرتی ہے، اور ایسے ہنگامی اور وقتی اتحادوں کے تلخ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔

① کیا ماضی کی وقتی اور ہنگامی تحریکوں میں شیعہ کی شمولیت ان کی ترقی اور استحکام کا سبب نہیں بنی؟

② کیا ماضی کے ہنگامی اتحادوں نے ہی مودودی جماعت کو تقویت نہیں بخشی؟

ان تلخ نتائج کی بناء پر تحریک خدام اہل سنت والجماعت کسی ایسی جماعت سے اتحاد واشتراک کی روادار نہیں جو مذہب اہل سنت والجماعت سے کسی بھی بنیادی نظریہ کی بناء پر نظریاتی اختلاف رکھتی ہے، اور مستقبل میں اہل سنت کے عقائد ونظریات اور حقوق ومفادات کے لیے خطرناک ومہلک ثابت ہوسکتی ہے۔

㉑ اکیسواں اعتراض، قاضی صاحب کے نزدیک منکرین حیات الانبیاءؑ سے اتحاد واشتراک درست نہیں تو پھر وہ متحدہ سنی محاذ میں کیوں شریک تھے؟

جواب متحدہ سنی محاذ کی حیثیت ہمارے نزدیک کیا تھی اس کی وضاحت ہم متحدہ سنی محاذ اسلام آباد کے ۱۷ر مارچ ۱۹۸۸ء کے اجلاس میں کرچکے ہیں، حضرت اقدس مدظلہ نے اس بارہ میں جو تحریر لکھی وہ محاذ کے تمام مرکزی اکابر کو پہنچادی گئی تھی، اس کا متن ملاحظہ فرما کر اندازہ کرلیجیے کہ متحدہ سنی محاذ کی آئینی حیثیت کیا تھی؟ یہی وجہ ہے کہ ملتان کے اجلاس میں جب مولانا حق نواز جھنگوی کو محاذ کا جنرل سیکرٹری نہ بنایا جاسکا تو محاذ ہی ختم کردیا گیا، اور اس کے بعد سے آج تک محاذ کا دوبارہ اجلاس طلب نہیں کیا گیا متحدہ سنی محاذ کے بارہ میں ہمارا مؤقف درج ذیل تھا، جو تحریری صورت میں تمام اکابر کو پہنچادیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

① ''متحدہ سنی محاذ کے ابھی تک صرف دو اجلاس ہوئے ہیں۔ لاہور اور فیصل آباد میں، جو سنی تنظیموں کے سربراہ یا نمائندے ان میں شامل ہوئے ہیں فی الحال یہ صورتاً اتحاد ہے نہ کہ حقیقتاً، کیونکہ قبل ازیں ان کی بعض پارٹیوں میں تضاد اور عناد پایا جاتا ہے، کیونکہ ان میں بعض یزید کی حامی ہیں اور بعض اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ حیات النبی ﷺ کی منکر ہیں چنانچہ اشاعت التوحید کا ایک اشتہار مرسل خدمت ہے جس میں مناظرے کا کھلا چیلنج دیا گیا ہے۔

اور ان میں بعض وہ پارٹیاں ہیں جو ایم آر ڈی کی حامی ہیں، حالانکہ ایم آر ڈی میں شیعہ بھی ہیں حتیٰ کہ بینظیر کا نکاح بھی شیعہ فقہ جعفریہ کے مطابق ہوا ہے۔

② خود جمعیت علمائے اسلام (حضرت درخواستی گروپ) شریعت محاذ میں مودودی جماعت اسلامی کے ساتھ ہے بلکہ مودودی جماعت کا امیر قاضی حسین احمد شریعت محاذ کا جنرل سیکرٹری ہے اور ظاہر ہے کہ مودودی جماعت ایران کے سربراہ خمینی کی حامی ہے، تو سنی محاذ میں شامل کسی پارٹی کا مودودی جماعت کے ساتھ اسلامی نظام حکومت کے لیے کیونکر اشتراک ہوسکتا ہے؟

③ ابھی تک ان سنی تنظیموں کا مکمل اتحاد نہیں ہوا تو سنی محاذ کا دستور کیونکر بنایا جائے گا۔ اس قدر تعجیل میں سخت نقصان ہوگا، شریعت بل میں بھی اسی طرح تعجیل سے کام لیا گیا تھا، پھر بعد میں ترمیمیں کرنی پڑیں حتیٰ کہ ۴؍ مارچ کی نفاذِ شریعت کانفرنس میں جمعیت علمائے اسلام نے سنی اسٹیٹ اور فقہ حنفی کے نفاذ کا مطالبہ کر کے اپنے سابقہ شریعت بل پر پانی پھیر دیا ہے۔ ہم خدام اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ تعجیل سے کام نہ لیا جائے۔ حضرت مفتی احمد الرحمن صاحب امیر متحدہ سنی محاذ کو ابھی تک ان سنی تنظیموں کے متعلق پوری طرح واقفیت نہیں ہے۔ سب سے پہلے ان کو ملک کے ایسے علماء کی واقفیت حاصل کرنی چاہیے جو مسلک حق پر قائم رہتے ہوئے خلوص و استقامت سے شیعہ جارحیت کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ کام وہ مروجہ سیاست سے بالاتر ہو کر کرنا چاہتے ہیں اس لیے فی الحال حضرت مفتی صاحب موصوف ہی کنوینر کی حیثیت سے کام کریں ان کے علاوہ نہ کوئی جنرل سیکرٹری ہو، اور نہ کوئی دستور کمیٹی۔ اگر بالفرض ۱۷؍ مارچ کے سپریم کونسل کے اجلاس میں کوئی دستوری خاکہ پیش کیا جائے تو اس وقت اس کے پاس کرنے کا کوئی فیصلہ نہ کریں۔ بلکہ ہر جماعت کو اس دستور کی نقل دیدی جائے تاکہ وہ اس پر اچھی طرح غور و فکر کر سکیں۔ صرف ہاں میں ہاں ملانے سے کام نہیں چلے گا، دستور تو کسی مضبوط جماعت کا ہوتا ہے۔ اور متحدہ سنی محاذ کی

ابھی جماعتی حیثیت نہیں ہے یہ ہماری تجاویز ہیں ان پر غور فرمایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

۲۶/رجب ۱۴۰۸ھ

⑳ بائیسواں اعتراض، قاضی صاحب نے گزشتہ انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کی حمایت کی جبکہ اس میں مودودی اور شیعہ بھی شامل تھے

جواب اتحاد واشتراک اور حمایت وتعاون میں بہت فرق ہے، تحریک خدام اہل سنت والجماعت نے اسلامی جمہوری اتحاد سے اتحاد واشتراک نہیں کیا بلکہ ایسی جماعتیں جن سے اہل سنت کا نظریاتی واصولی اختلاف نہیں ہے، ان جماعتوں کے سنی امیدواروں کی حمایت کی ہے، اور ان سے تعاون کیا ہے، اس سلسلہ میں تحریک کے جماعتی مؤقف کی وضاحت اخبارات میں ہو چکی ہے، اس کی نقل ملاحظہ فرمائیے، تحریک نے نہ تو کسی مقام پر کسی مودودی کی حمایت کی ہے، اور نہ کسی شیعہ امیدوار کی۔

㉓ تیئیسواں اعتراض، کیا قاضی صاحب معصوم ہیں کہ ہر ایک پر تنقید کرتے ہیں؟

① **جواب** کیا وہ تمام حضرات جن پر قاضی صاحب نے تنقید کی ہے وہ معصوم ہیں کہ غیر معصوم کی تنقید گوارا نہیں کرتے؟

② کیا تنقید کے لیے معصوم ہونا شرط ہے؟

③ کیا حضرت کے کسی ایسے نظریہ کا ثبوت دیا جاسکتا ہے جو اکابر علماء دیوبند کی اجماعی واتفاقی تحقیقات کے خلاف ہو، اور اس نظریہ کے سلسلہ میں حضرت پر تنقید کی گئی ہو اور حضرت نے اس مؤقف سے رجوع نہ کیا ہو؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

④ کیا حضرت نے کسی پر ایسی بھی تنقید کی ہے جو ان کی شخصی تحقیق کی بنیاد پر ہو؟ اگر ایسی کوئی تنقید کی گئی ہے تو اس کا حوالہ دیا جائے۔

⑤ اگر حضرت کی تمام تر تنقید اکابر علماء دیوبند کی اتفاقی واجماعی تحقیقات کی بنیاد پر ہوتی ہے تو پھر برہمی اور ناراضگی کیسی؟

⑥ واللہ ہم حضرت کو معصوم نہیں مانتے اور نہ یہ ہمارا اعتقاد ہے، اگر کوئی رجلؒ رشید حضرت کا کوئی ایسا نظریہ ثابت کر دے جو علماء دیوبند کی اجماعی تحقیقات کے خلاف ہو تو ہم اسے تسلیم کرنے سے گریز نہیں کریں گے، اگر حضرت قاضی صاحب کو یہ حق ہے کہ وہ علمائے دیوبند کے حوالہ سے کسی پر تنقید کریں تو کسی کو اس حق سے کیونکر محروم کیا جا سکتا ہے؟

خدا تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مذہب اہل سنت والجماعت پر قائم و دائم رکھے اور اسی مذہب پر موت نصیب فرمائے[1]۔

[1] عبدالحق خان بشیر، حضرت مولانا رحق چار یار جنتری ۱۹۹۰ء رگجرات

نوٹ: ہم نے مولانا عبدالحق خان صاحب بشیر کی ان مندرجہ سطور میں کہیں کہیں حسبِ ضرورت و زمانہ لفظی ترامیم اور بعض مقامات پر بایں طور پر اضافہ کیا ہے کہ جس سے مفہوم متاثر نہیں ہوتا بلکہ مفاہیم کا حُسن بڑھتا ہے۔ اب اس کے بعد ہم اگلے باب کی طرف بڑھتے ہیں۔ سلفی

۱۹۶۹ء

❀ تحریک خدام اہل سنت والجماعت کی بنیاد، ضرورت، اہداف، تعارف اور دستور و منشور

❀ بیرونی فرقوں سے مدافعت اور اندرونی فتنوں کے سدباب کی مردانہ اور مجاہدانہ سعی کی ایمان افروز داستان

❀ انتخابی معاہدات میں سُنی جذبات کا تفوّق اور حمیتِ دینی کا برملا اظہار

تحریکِ خدام اہل سنت والجماعت کا قیام

سب سے پہلے تو یہ شبہ دل سے نکال دیجیے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے جمعیت علماء اسلام کے مقابلہ میں تحریک خدام اہل سنت کی بنیاد رکھی تھی، یہ نرا وہم ہے۔ کیونکہ جمعیت علماء اسلام سے استعفیٰ دینے سے ایک سال قبل مؤرخہ ۱۹ رمئی ۱۹۶۹ء بمطابق ۲، ربیع الاول ۱۳۸۹ھ کو ”خدام اہل سنت والجماعت“ کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کے قیام کا مقصد الیکشنی سیاست سے عملاً باہر رہ کر صرف اور صرف سنی حقوق کے تحفظ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیت عظام اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شرعی عظمتوں کی حفاظت نیز عقائد اہل سنت والجماعت پر مسلمانوں کو قائم و دائم رکھنے کے لیے پختہ منصوبہ بندی کے ساتھ تبلیغی و دعوتی جدوجہد تھا۔ تسلیم کہ اس وقت تنظیم اہل سنت پاکستان اس محاذ پر سرگرم عمل تھی۔ مگر حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ بے لچک اور توانا اعصاب کے مالک اہل سنت کی ایک ایسی لجنۃ تیار کرنے کے خواہاں تھے کہ جو عقائد ونظریات کے باب میں کسی بھی موقع پر، کہیں بھی نرمی یا کمزوری دکھانے کی روادار نہ ہو۔ آپ کے پیش نظر دشمن کی چالاکی وعیاری بھی تھی اور اہل سنت کی روایتی سادگی، غفلت اور بے حسی بھی! نیز گزشتہ زندگی کی بھرپور تحریکی فعالیت کے تجربات کا نچوڑ اور مشاہدات کا ایک ذخیرہ بھی از بر تھا کہ عام طور پر جب کوئی تحریک پھیل جاتی ہے اور ملک کے طول وعرض میں اس کی شاخیں اپنی جماعتی قیادت کو اٹھلا اٹھلا کر چلنے پہ آمادہ کر دیتی ہیں تو وہی وقت اس کے زوال کا بھی ہوتا ہے کیونکہ ریاستی اداروں کی اپنی پالیسیاں ہوتی ہیں۔ اگر ان اداروں کے ساتھ تصادم کا رستہ اختیار کیا جائے تو احمقانہ روش ہوتی ہے اور انہی کی پالیسیوں کو اپنی جماعت پر اثر انداز کر کے اشاروں پر چلتے جانا بھی مقاصد و دینی اہداف سے یکسر محروم کر دیتا ہے۔ گویا ملکی قوانین کا مکمل احترام کرتے ہوئے اپنی تحریک کو خود مختاری کے ساتھ قائم رکھنا ایک کامیاب لیڈر اور قیادت کی نشانی ہوتی ہے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے مضبوط ارادوں کے ساتھ پاکیزہ فکر وعمل کو نسلِ نو میں منتقل کرنے کا جب تحریکی پروگرام ونظم تشکیل دیا تو آپ کے پیش نظر سلسلہ فتوحات نہیں تھا کہ چاروں صوبوں میں اپنی جماعت کو وسعت دینے کے لیے باڑیاں بنائی جائیں،

عہدوں کی تقسیم کار ہو، فنڈز کی نہ ختم ہونے والی مہم ہو اور جگہ جگہ دفاتر قائم ہوں، پرچم لہرا رہے ہوں، قیادت کے ''زندہ باد'' کے نعرے گونج رہے ہوں اور خفیہ طاقتیں جب چاہیں قیادت سے ڈیل کر کے ان کے کارکنوں کی نیلامی کروا دیں، وغیرہ وغیرہ۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے تخیل میں ان چیزوں کا کوئی واہمہ نہیں تھا، اگر ایسا ہوتا تو آپ جمعیت علماء اسلام سے ہی کیوں مستعفی ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پوری جانفشانی کے ساتھ جمعیت علماءِ اسلام میں کم از کم دس سال بطور کارکن کام کرے تو اُسے اپنی ایک نئی جماعت بنا کر چلانے کا قرینہ آ جاتا ہے۔ جبکہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا مقامِ فکر و نظر، علمی و تعلیمی نسبت، روحانی تعلق، نسبی شہرت اور زہد و تقویٰ تو ایک عام کارکن یا عہدیدار سے کہیں بلند تھا، پھر آپ اپنے تجربات و مشاہدات کی بناء پر پھونک پھونک کے قدم رکھتے ہوئے دفاعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تحفظ عقائد اہل سنت پر اگر ایک تحریک تشکیل دے رہے تھے تو اس کے خاطر خواہ نتائج کیسے برآمد نہ ہوتے؟ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے علیحدہ سے انسانی کھوپڑیاں جمع نہیں کیں، بلکہ پہلے سے موجود کھوپڑیوں میں نظریاتی چمک پیدا کی ہے اور ایسے نظریات کا حامل شخص دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھا ہو اور خواہ اس کا عملی تعلق اہلِ حق کی کسی بھی جماعت یا شیخ کے ساتھ ہو، وہ دراصل تحریک خدام اہل سنت ہی کا کارکن ہے اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا مرید نہ سہی، آپ رحمہ اللہ ہی کی جہدِ مسلسل کا شاہکار ہے۔ اس ہدف کے تحت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے تحریک خدام اہل سنت والجماعت کی بنیاد رکھی جس کے متعلق حضرت مولانا پیر خورشید احمد صاحب (عبدالحکیم، خانیوال) نے ارشاد فرمایا تھا:

> ''اب حضرت قاضی صاحب سَلَّمہٗ ربہ کے قلب مبارک سے جماعت خدام اہل سنت کی تحریک اٹھی ہے تو اس کے حق بجانب ہونے میں کیا شبہ ہے؟ جماعت کا نام مبارک! اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت فرمادے اور ترقی فرمادے۔ آمین''[1]

۱۹۷۰ء کے انتخابات اور تحریک خدام اہل سنت کا دینی و سیاسی منشور

۱۹۶۹ء میں تحریک خدام اہل سنت کی بنیاد رکھی گئی اور ۱۹۷۰ء میں ملک بھر میں عام انتخابات کا اعلان کیا گیا، جمعیت علماء اسلام سے بھی قائد اہل سنت مستعفی ہو چکے تھے۔ ایسے میں اپنے علاقہ چکوال کی حد تک اہل سنت عوام کی سیاسی و سماجی ضرورتوں سے بھی قائد اہل سنت رحمہ اللہ غافل نہیں تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک کتابچہ طبع کروایا جو سرخ اور زرد رنگوں سے مزین ٹائٹل پر مشتمل تھا اور

[1] مولانا پیر خورشید احمد صاحب رحمہ اللہ بنام مولانا محمد یعقوب صاحب جالندھری محررہ ۱۶، ستمبر ۱۹۷۰ء

اس پر مندرجہ ذیل خدام اہل سنت کے پرچم کے ساتھ شعر درج تھا:

امتحان میں رکھتے ہیں اپنا قدم مردانہ وار
ہیں یہ صدیقؓ ، عمرؓ ، عثمانؓ و حیدرؓ پر نثار

یادرہے کہ ابتداء میں تحریک خدام اہل سنت کا پرچم موجودہ پرچم سے قدرے مختلف تھا۔ پہلے جو پرچم ترتیب دیا گیا تھا اس کی ہیئت یہ تھی کہ ایک پٹی سبز رنگ کی، درمیان میں سرخ رنگ کی اور پھر آگے سیاہ سفید دھاریوں والی پٹی تھی، مگر جلد ہی دوسرا پرچم تجویز ہوا جس میں پانچ عدد رنگدار پٹیاں رکھی گئیں۔

سب سے اوپر سبز، پھر نیچے تک بالترتیب زرد، سرخ، سفید اور سیاہ پٹیاں شامل ہیں، ان رنگوں کی ایک خاص روحانی و دینی نسبت ہے، جو آمدہ سطور میں درج ہونگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں الیکشن کمیشن کے مقرر کردہ نشانات میں سے قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ''سیب'' کا انتخابی نشان پسند فرمایا تھا، اور آپ نے جو شرعی منشور لکھ کر کتابی صورت میں تقسیم کروایا تھا۔ اس میں اس قدر مضبوط اور لافانی ضوابط مندرج ہیں کہ آج کامل نصف صدی کا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی اس کی مہک اور افادیت جوں کی توں موجود ہے۔ اس کے تین حصے ہیں:

① قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے قلم سے تحریر کردہ مقدمہ بعنوان ''عرض حال''۔

② تحریک خدام اہل سنت کا چار نکاتی منشور۔

③ معاصر سیاسی پارٹیوں پر ایک نظر!

تحریک خدام اہل سنت کی اساس و بنیاد میں اس کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ یہ تاریخی ریکارڈ اس لیے بھی پیش خدمت ہے کہ لفظ لفظ میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی ادبی، تحریری اور روحانی تاثیر قارئین کے قلب و دماغ پر اثر انداز ہوتی چلی جاتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

عرضِ حال

(بہ قلم قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ)

الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ سیدنا محمدٍ خاتم النبیین وعلی اٰلہ و صحبہ الطاھرین المرضیین اجمعین۔

یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کا بنیادی مقصد ''اسلامی نظام حکومت'' کا نفاذ تھا۔ لیکن ۲۳ سال کی طویل مدت گزرنے کے باوجود بھی کسی حکومت نے نہ صحیح اسلامی دستور مرتب کیا

اور نہ ہی اس کا نفاذ ہوسکا۔ اور قومی اور ملی حیثیت سے مسلمانانِ پاکستان کے لیے یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ گو شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی کوشش سے محترم لیاقت علی خان صاحب مرحوم نے ۷/ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی میں ایک اسلامی دستاویز ''قرارداد مقاصد پاکستان'' منظور کرالی تھی جس کی بنیاد پر اصحابِ اقتدار کے لیے اسلامی دستور کا نفاذ آسان ہوگیا تھا۔ لیکن بعد میں اقتدار ملکی پر فائز ہونے والے خدا سے غافل اور جاہ پسند اشخاص نے اس ''مقصد عظیم'' کو بالکل نظر انداز کردیا۔ بالخصوص سابق صدر محمد ایوب خان کو پاکستان جیسی سب سے بڑی مسلم مملکت میں دس سالہ صدارتی اقتدار نصیب ہوا لیکن اس سے زیادہ بدنصیبی کیا ہوسکتی ہے کہ سابق صدر نے صحیح اسلامی آئین نافذ کرنے کے بجائے عائلی قوانین جیسے رسوائے اسلام آرڈیننس جاری کردیئے اور اس طرح عوام کو نہ دینی نظام حکومت نصیب ہوا اور نہ ہی وہ دنیوی عزت و آسائش حاصل کرسکے۔ اور بالآخر پاکستان کے عوام کی علی الاعلان مخالفانہ جدوجہد کی بنا پر ایوبی اقتدار کا خاتمہ ہوا۔ اور ۲۵/ مارچ ۱۹۶۹ء کی شام کو ملک میں پھر مارشل لاء نافذ کردیا گیا۔

جمعیت علمائے اسلام اور موجودہ انتخابات

جنوری ۱۹۷۰ء میں سیاسی جماعتوں کو آزادی مل گئی اور بعد میں موجودہ مارشل لاء حکومت نے عوامی نمائندوں کے ذریعہ آئندہ ملکی حکومت کی اجازت دیتے ہوئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات کا اعلان کردیا اور دستور ساز اسمبلی کے انتخابات کے لیے پہلے ۵/ اکتوبر ۱۹۷۰ء کی تاریخ مقرر کی گئی لیکن بعد میں یہ تاریخ ملتوی کرکے دستور ساز اسمبلی کے ۷/ دسمبر ۱۹۷۰ء اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے ۲۱/ دسمبر کی تاریخوں کا اعلان ہوگیا۔ سیاسی آزادی کے بعد ہی دوسری سیاسی پارٹیوں کی طرح کل پاکستان جمعیت علمائے اسلام نے بھی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کردیا تھا جس کے مرکزی امیر حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی شیخ الحدیث مدرسہ مخزن العلوم والفیوض خان پور ضلع رحیم یار خاں ہیں۔ انتخابی مہم کے سلسلے میں جمعیت علمائے اسلام نے بمقام سرگودھا اپنے اجلاس منعقدہ ۲۶، ۲۷، ۲۸/ ستمبر ۱۹۶۹ء میں ہی ''اسلامی منشور'' منظور کرلیا تھا۔ جو کتاب و سنت، خلفائے راشدین اور سلف صالحین کی اتباع میں ایک جامع دستاویز ہے اور اس ''اسلامی منشور'' میں ترمیم و تبدیلی کے سلسلے میں یہ بھی وضاحت کردی گئی تھی کہ منشور ہذا کی دفعات میں قرآن و سنت کے نصوص کی روشنی میں اور ملک و ملت کے مفاد کے تقاضوں کے تحت تبدیلی، ترمیم اور اضافہ و کمی کی تجویز پر غور کیا جاسکتا ہے اور انہیں منشور میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ راقم الحروف امیر جمعیت علمائے اسلام ضلع جہلم کی حیثیت سے چندسال

سے خدمت کر رہا تھا اور جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی شوریٰ کا رکن بھی تھا، اس لیے ضلع جہلم میں ''اسلامی منشور'' کی بنیاد پر انتخابی مہم شروع کر دی گئی اور حلقہ چکوال کی طرف سے دستور ساز اسمبلی کے لیے جناب صوبیدار[1] غلام حسن صاحب ایم اے ایڈووکیٹ کو نمائندہ تجویز کر کے جدوجہد شروع کر دی اور بھیں کی عظیم الشان سنی کانفرنس منعقدہ ۲۲۔ ۲۳ر محرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۳۱ر مارچ یکم اپریل ۱۹۷۰ء میں ان کے متعلق عام اعلان کر دیا۔

جمعیت علمائے اسلام سے میرا استعفٰی

اس انتخابی مہم کے دوران ہی جمعیت علمائے اسلام نے بعض ایسی سیاسی پارٹیوں سے جلسوں اور جلوسوں میں اشتراک عمل کر لیا جو سوشلزم یا اسلامی سوشلزم کا نعرہ لے کر میدان میں آئی تھیں (مثلاً ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی)۔ علاوہ ازیں ۱۳ر مئی ۱۹۷۰ء کو جمعیت علمائے اسلام کی کوشش سے لاہور میں ۱۹ جماعتوں کا جو متحدہ دینی محاذ قائم کیا گیا۔ اس میں بھی بعض پارٹیوں کی شمولیت کی وجہ سے مجھے سخت اختلاف پیدا ہوا (مثلاً خاکسار تحریک[2]) اس قسم کا اشتراکِ عمل یا متحدہ دینی محاذ چونکہ میرے نزدیک شرعاً ناجائز تھا اور اس وجہ سے جمعیت علمائے اسلام کا شرعی موقف بھی مجروح ہو رہا تھا جس سے ''اسلامی منشور'' کی وہ خصوصیت بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ اس لیے میں نے جمعیت علمائے اسلام کے اکابر حضرات کو بذریعہ خطوط اپنی رائے سے مطلع کر دیا۔ اور جب اکابر جمعیت نے اپنے موقف میں تبدیلی نہ کی تو جمعیت علمائے اسلام کی اس پالیسی سے شرعاً مطمئن نہ رہنے کی وجہ سے اپنا تحریری استعفٰی حضرت امیر مرکزیہ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ اور اس کی وجوہات بھی اس میں عرض کر دیں۔

---

[1] صوبیدار غلام حسن صاحب ایم اے چک ملوک تحصیل چکوال کے رہنے والے ہیں۔ جکھڑ راجپوت خاندان کے فرد ہیں اور ماشاء اللہ صوم وصلوٰۃ کے پابند متشرع اور دیانتدار شخص ہیں۔

[2] علماء کے ساتھ متحدہ دینی محاذ میں شامل ہونے کے بعد بھی خاکسار تحریک کے ہفت روزہ ''الاصلاح'' لاہور مؤرخہ ۲۶ر جون ۱۹۷۰ء صفحہ ۳ پر یہ لکھا گیا کہ ''چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ خاکسار اعظم نے اپنی ملت کے سرفروشوں سے اسلامی انقلاب کی راہ میں اس قدر عظیم قربانی طلب کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں یہ واضح کیا اور اس حقیقت کو بار بار دہرایا کہ جان و مال کی قربانی کے یہ عہد و اقرار کسی ''مذہب ملا'' کے لیے ہرگز نہیں بلکہ قرن اول کے نبوی اسلام کے لیے ہیں۔ واضح کیا کہ مولوی کا آج کا خود ساختہ مذہب غلط ہے سر تا پا غلط ہے۔ سرتا سر غلط ہے یہ ذلت و مسکنت اور عاجزی کا مذہب خدا کے سچے دین کی توہین و تذلیل پر مبنی ہے اور آخری نبی کی جہانگیر و جہانبان اُمت کے لیے صدیوں کی مسلسل شکست اور ہلاکت کا موجب ہے۔''

خدام اہل سنت والجماعت کا قیام

پاکستان میں مسلمانان اہل سنت والجماعت کو عظیم اکثریت حاصل ہے لیکن اس کے باوجود ان میں مذہبی بنیاد پر کوئی خاص جماعتی تنظیم موجود نہیں ہے جس کے ذریعہ عوام میں مؤثر تبلیغ کی جا سکے اور حال یہ ہے کہ عموماً سنی مسلمان سنت رسول اور جماعت رسول اللہ ﷺ کے مفہوم سے بھی ناواقف ہیں۔ اس احساس کی بنا پر ہم نے ڈیڑھ سال پہلے ۲ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۶۹ء کو ''خدام اہل سنت والجماعت'' کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کی سرپرستی مخدومنا المکرم شیخ طریقت حضرت پیر سید خورشید احمد صاحب مدظلہ ساکن قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان (خلیفہ ارشد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ) نے قبول فرمائی تھی اور اس سلسلے میں لاہور وغیرہ مقامات میں تنظیمی کام شروع کر دیا گیا تھا اور ملک میں عام تعارف کے لیے ہم نے ایک ٹریکٹ بھی بنام ''خدام اہل سنت والجماعت کی دعوت'' ۲۱ رجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو شائع کر دیا تھا۔ اور تجویز یہ تھی کہ بعد میں بمقام لاہور حضرت پیر صاحب موصوف مدظلہ کی زیر صدارت کسی عمومی اجلاس میں مرکزی عہدیداروں کا انتخاب کر لیا جائے گا۔ لیکن اس کام میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ ملک میں سیاسی آزادی کے اعلان کے بعد کل پاکستان جمعیت علمائے اسلام نے عام ملکی انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چونکہ جمعیت علمائے اسلام کا ''اسلامی منشور'' مذہب اہل سنت والجماعت کی بنیاد پر ہی مرتب کیا گیا تھا اس لیے اس انتخابی مہم کے دوران ہم نے خدام اہل سنت والجماعت کی تشکیل و تنظیم کے کام کو مؤخر کر دیا اور جمعیت علمائے اسلام کی انتخابی مہم میں مصروف ہو گئے۔ لیکن بعد میں جب جمعیت سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی تو انتخابی مہم کے لیے کسی نئے اسٹیج کی ضرورت محسوس کی۔ لیکن جو سیاسی[1] پارٹیاں حلقہ چکوال سے دستور ساز اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لے رہی تھیں ان میں سے کسی کا منشور بھی صحیح اسلامی منشور نہ تھا اور ہر ایک میں بعض بنیادی اور اصولی خرابیاں تھیں۔ اس لیے ہم نے تحصیل چکوال کی سطح پر ''خدام اہل سنت والجماعت'' کی طرف سے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کر کے دستور ساز اسمبلی کے لیے جناب صوبیدار غلام حسن صاحب ایم اے ایڈووکیٹ کو ہی نمائندہ تجویز کر کے ''انتخابی فیصلہ'' کے عنوان سے بہ تاریخ ۷ جون ۱۹۷۰ء کو عام اشتہار شائع کر دیا۔ اور اس انتخابی مہم کے تحت ہم نے تحصیل چکوال میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر کامیاب عام جلسے کئے۔ جن میں موجودہ انتخابات کا صحیح اسلامی مقصد سمجھانے کی کوشش کی گئی۔

---

[1] ۱۔ کنونشن لیگ ۲۔ کونسل مسلم لیگ ۳۔ جمہوری پارٹی ۴۔ پیپلز پارٹی۔ اور ۵۔ مودودی جماعت

ایک اشکال کا جواب

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ خدام اہل سنت والجماعت کا صرف ایک نمائندہ دستور ساز اسمبلی میں پہنچ کر بغیر پارٹی کے کس طرح مفید ثابت ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

(الف) ہم پر سب سے پہلے اپنے حلقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اگر دوسری پارٹیوں کے منشور بھی شرعاً صحیح نہ ہوں اور ان کے مجوزہ نمائندے بھی بوجہ غیر اسلامی منشور کے حامی ہونے کے قابل اعتماد نہ رہیں۔ تو پھر ہمارے لیے اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں ہے کہ نسبتاً کسی اور اچھے نمائندے کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ اس طرح ہم دربارِ خداوندی میں ان شاء اللہ اصولاً کامیاب ثابت ہوں گے۔

(ب) ہمیں پارٹیوں کی قلت و کثرت اور حزبِ اقتدار اور حزب اختلاف کے مروجہ سیاسی طریق کار سے بالاتر ہو کر ملک وملت کی خیر خواہی کے لیے اصول دین کو اپنا نصب العین بنانا چاہیے۔ ہمارے سامنے یہ کام ہے کہ ان انتخابات میں جو ۳۱۳ ممبر کامیاب ہوں گے ان سب نے مل کر مملکت پاکستان کے لیے ایک اسلامی آئین مرتب کرنا ہے۔ اس سلسلے میں دستور کے ہر رکن کا یہ اسلامی فریضہ ہوگا کہ وہ ہر امر میں اپنی صحیح دیانتدارانہ رائے پیش کردے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اہل ایمان کے لیے یہ اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (بھلائی اور تقویٰ پر آپس میں اعانت کرو اور گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) اگر ہمارا نمائندہ کامیاب ہو جائے تو وہ ان شاء اللہ اپنی صحیح رائے پیش کردے گا خواہ اس میں کسی پارٹی کی تائید ہو یا تردید۔ اگر پارٹی بازی سے بالا رہ کر دستور کے تمام ارکان اس مقدس اصول پر عمل کریں۔ تو صحیح اسلامی دستور مرتب کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

ووٹروں کا امتحان (سیاست ذاتی مفادات کے حصول کا نام نہیں)

عموماً لوگ الیکشن اور ووٹ کو دنیاوی اغراض کے باعث ایک قسم کی دھڑ بازی سمجھتے ہیں اور جس پارٹی اور امیدوار سے ان کو دنیوی مفادات کے حصول کی زیادہ امید ہو یا کوئی اپنے قبیلے یا برادری سے تعلق رکھے خواہ وہ کتنا ہی نا اہل ہو اس کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن یہ سب چیزیں اسلامی اصول کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اسلام کا بنیادی اصول تو صرف یہی ہے کہ رب العالمین کی رضا مندی اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی اطاعت کے مقابلے میں دنیا کی ہر بڑی سے بڑی دولت وعزت کو ٹھکرا دیا جائے

مسلمان کی سیاست اور حکومت اسلام کے تابع ہونی چاہیے۔ ورنہ جس سیاست اور حکومت سے دین و شریعت کو نقصان پہنچے وہ موجب ذلت وعذاب ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا ہے:

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اب چونکہ دستور ساز اسمبلی کے لیے نمائندوں کا انتخاب کرنا ہے اور قیام پاکستان سے پہلے جو یہ نعرہ گونج رہا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ۔ ہم نے اسی بنیاد پر پاکستان میں کلمہ اسلام کا قانون جاری کرنا ہے۔ لہٰذا خصوصیت سے دستور ساز اسمبلی کے انتخابات میں ہر مسلمان ووٹر پر لازم ہے کہ وہ تمام خلاف دین زنجیروں کو توڑ کر اپنے ایمانی کلمہ کی خاطر صرف رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت مقدسہ کے حق میں اپنا قیمتی ووٹ ڈالے اور خوف ولالچ اور ذاتی مفاد وغرض سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اعظم ﷺ سے وفاداری کا ثبوت دے۔

مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَاَصۡحَابِیۡ کی عظیم کسوٹی

چونکہ سیاسی لیڈر اور اسمبلیوں کے امیدوار عموماً اسلام ہی کا نعرہ لگاتے ہیں اس لیے عوام اس تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کس کے اسلام کو صحیح سمجھا جائے اور کس کو غلط قرار دیا جائے؟ لیکن یہ کوئی ناقابل حل مسئلہ نہیں ہے۔ کیونکہ سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی امت کو قیامت تک کفر وضلالت اور الحاد و بدعت کے فتنوں سے بچانے کے لیے ایک عظیم کسوٹی عطا فرما دی ہے جس پر ہم حق و باطل اور صحیح و غلط کو پرکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

تفترق اُمتی علٰی ثلث و سبعین ملة کلھم فی النار اِلّا ملة واحدة۔ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَ اَصۡحابی۔ (مشکوۃ شریف۔ باب الاعتصام بالکتب والسنة)

یعنی میری اُمت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جس میں سے سوائے ایک فرقہ (ملت) کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کون لوگ ہوں گے (جو جنت میں جائیں گے) تو فرمایا کہ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے۔ یہ ارشاد نبوی حق و باطل کے لیے ایک عظیم معیار اور کسوٹی ہے جس کی بنا پر ہر فرقہ اور پارٹی کو پرکھا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کون جنت کے راستہ پر چل رہا ہے اور کون باوجود دعویٰ اسلام کے جہنم کی راہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس حدیث مبارک میں صراط مستقیم یعنی راہ جنت کے لیے دو خاص نشان بتلائے گئے ہیں۔

① سنت رسول اللہ ﷺ ② اصحاب رسول (ﷺ)

اس سے ثابت ہوا کہ مابعد کی امت کے لیے سنت رسول ﷺ کے بعد صحابہ کرام بھی معیار حق ہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''ذکر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ دریں موطن برائے آں تواند بود کہ تابدانند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتباع طریق ایشاں است وبس۔'' (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول نمبر ۱۳، ص ۱۰۵)

ترجمہ یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس موقعہ پر اپنا ذکر کافی ہونے کے باوجود بھی اپنے اصحاب کا ذکر اس لیے فرمایا ہے تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور فقط ان کے طریقہ کی پیروی کے ساتھ ہی راہ نجات نصیب ہوسکتی ہے۔

اس کے بعد اسی بحث میں حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ کے درمیان اصول دین میں کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ اختلاف صرف فروعات میں تھا۔ اور وہ بھی اجتہاد کی بنا پر تھا نہ کہ نفسانیت کی بنا پر، کیونکہ ان کے نفس رسول اللہ ﷺ کے فیضان صحبت سے پاک ہو چکے تھے۔

مذکورہ حدیث شریف میں چونکہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے علاوہ اپنی مقدس جماعت (صحابہ کرام) کو بھی معیار حق قرار دیا ہے اس لیے امت کے سلف صالحین سے لے کر خلف کاملین تک اسلام کے نام پر متعدد فرقوں سے امتیاز رکھنے کے لیے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے چلے آرہے ہیں اور یہ نام کسی تفرقہ بازی اور مذہبی گروہ بندی کی بنا پر تجویز نہیں کیا گیا بلکہ یہ عنوان ناجائز تفرقہ کو مٹانے کے لیے ہے۔ تاکہ سرور کائنات ﷺ کے بتلائے ہوئے نشانات پر ہر مسلمان جنت کا راستہ اختیار کر سکے۔ قرون اُولیٰ میں چونکہ اسلام کے دلوں میں اسلامی اصول کی عظمت واہمیت راسخ تھی۔ اس لیے سنت اور صحابہ کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ کو اسلام حقیقی نہیں تسلیم کیا جاتا تھا کیونکہ اللہ کا دین اسلام جس طرح صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو براہِ راست سرکار دوعالم ﷺ سے ملا ہے اسی طرح مابعد کی امت کو یہ سارا دین اصحاب رسول اللہ ﷺ سے پہنچا ہے۔ اگر کوئی شخص صحابہ کرام کے واسطہ کو چھوڑ کر اللہ کا مکمل دین علماً وعملاً حاصل کرنا چاہے تو اس میں وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ لیکن جب سے مسلمانوں میں سنت اور صحابہ کی دینی اہمیت کمزور ہو رہی ہے۔ امت میں اعتقادی والحادی فتنے اپنی ظاہری چمک دمک کے ساتھ مختلف شکلوں میں زیادہ پھیل رہے ہیں۔ انکار حدیث وسنت کے فتنے نے اگر سنت رسول اللہ ﷺ سے لوگوں

کو برگشتہ کرنے کی کوشش کی ہے تو تنقیص و توہین صحابہ کا فتنہ کتاب و سنت تک پہنچنے کا راستہ بند کر رہا ہے۔
اس لیے جب تک مسلمان اپنے رسول اعظم ﷺ کی مقرر کردہ کسوٹی (سنت اور صحابہ) پر عمل پیرا نہیں ہوں گے وہ متاع ایمانی کو بچا نہیں سکیں گے۔

شرعی منشور (تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان)

چونکہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین (اسلام) قیامت تک کے لیے دنیوی و اُخروی فلاح و کامرانی کا ضامن ہے اور بنی آدم کے تمام انفرادی و اجتماعی، ملکی و ملی منافع کے حصول اور نقصانات سے تحفظ کے لیے اس میں اصول و احکام موجود ہیں اس لیے خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لیے قرآن حکیم میں ''اسلامی حکومت'' کے بنیادی اصول و فرائض بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ تاکہ ہر دور میں مسلمان ان اصول کے تحت اسلامی مملکت کا نظام چلا سکیں اور وہ ملکی اور سیاسی سطح پر کبھی بھی غیر اسلامی نظریات کے محتاج نہ ہوں اور چونکہ پاکستان کا مقصد وجود بھی صحیح اسلامی نظام حکومت کا قیام ہے اس لیے ضروری ہے کہ دستور پاکستان کی ترتیب و تدوین اسلامی اصول و عقائد کے تحت ہو۔

اسلامی دستور کے بنیادی اصول: اللہ تعالیٰ نے اپنی معجزانہ کتاب ہدایت (قرآن) میں اسلامی دستور کے جو بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

① حکم اللہ: فرمایا: (الف) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (سورہ یوسف: ۵۴) حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے۔

② مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (سورہ مائدہ ع۷) ''جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔'' ان آیات میں تصریح ہے کہ دراصل بندوں کے لیے صرف اللہ ہی کا حکم ہے۔ اور حکم خداوندی کے خلاف فیصلہ کرنے والے ظالم ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو قرآنِ مجید کے اسی رکوع میں فاسق اور کافر بھی کہا گیا ہے۔

② اطاعت رسول اللہ ﷺ: فرمایا: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (سورۃ النساء ع ۱۱) ''جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی ہی اطاعت کی۔'' فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (سورۃ النساء) پس آپ کے رب کی قسم۔ یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے

جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا تسلیم نہ کریں۔ پھر جو جو آپ فیصلہ فرما دیں اس کی وجہ سے وہ اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور آپ کے حکم کو پوری طرح مان لیں"۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اور فیصلہ اللہ کے حکم اور فیصلہ کی طرح ایمان کا معیار اور دین میں قطعی حجت اور دلیل ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے حکم، فیصلہ، قول و عمل، طریقہ اور نمونہ ہی کو شرعی اصطلاح میں سنت کہتے ہیں۔

③ اطاعت خلفائے رسول اللہ ﷺ: قرآن مجید میں اصحاب رسول ﷺ کی موعودہ حکومت الٰہیہ (خلافت راشدہ) کے متعلق ارشاد فرمایا: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (پ۱۷۔ سورۃ الحج ۶) یعنی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت دیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ ہر نیکی کا حکم کریں گے اور ہر برائی سے روکیں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حکومت الٰہیہ کے متعلق ایک عظیم الشان پیشنگوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ نزول آیت کے وقت اصحاب رسول ﷺ کو ملکی اقتدار حاصل نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ازلی ارادہ کے تحت چونکہ ان کو آئندہ حکومت عطا ہونے والی تھی اس لیے پہلے ہی قرآن حکیم میں اس کا اعلان کر دیا گیا۔ اور اس اعلانِ خداوندی کے مطابق حضور خاتم النبیین ﷺ کے دور رسالت کے بعد دور خلافت کا ظہور ہوا۔ اور صحابہ کرام کے ذریعہ خلافت راشدہ قائم ہوئی۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اطاعت اللہ اور اطاعت رسول اللہ ﷺ کے بعد اطاعت خلفاء و اصحاب رسول اللہ ﷺ کا درجہ ہے۔

اس خلافت راشدہ موعودہ کی مدت خود رسول اللہ ﷺ نے بتلا دی۔ فرمایا: اَلْخِلَافَةُ بَعْدِىْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً یعنی یہ خاص خلافت میرے بعد ۳۰ سال ہوگی۔ اور حسب وعدہ یہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو عطا ہوئی۔ اور اہل سنت کے نزدیک اسی ترتیب خلافت سے ان خلفائے راشدین کو افضلیت حاصل ہے۔ ان خلفاء میں کوئی نزاع نہ ہوا۔ سب نص قرآنی کے تحت رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی تصویر تھے اور دیگر اصحاب رسول ﷺ کا باہمی نزاع بھی فروعی و اجتہادی تھا نہ کہ اصولی، اور بنیادی اور سب کی نیتوں میں خلوص تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا کہ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یعنی رسول اللہ ﷺ کی معیت اور صحبت کا شرف جن اہل

ایمان کو نصیب ہوا ہے) وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں۔

④ **اجماع اُمت رسول اللہ ﷺ:** فرمایا: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ (النساء:۱۷) ”جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ اور المومنین کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ پر چلے گا۔ جس طرف وہ پھرا ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے اور پھر اس کو جہنم میں داخل کریں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے) اس آیت میں المومنین سے مراد اول درجہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ کیونکہ نزول آیت کے وقت وہی مومنین کی جماعت تھی۔ پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ اس سے مراد دوسرے مومنین ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین امت کا کسی مسئلہ میں اجماع شرعی حجت ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے تحت فوائد قرآنیہ میں لکھا ہے کہ:

> ”اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اجماع اُمت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے یعنی اجماع امت کو ماننا فرض ہے۔“

قیاس شرعی: کتاب وسنت، خلفاء وصحابہ، اجماع امت کے بعد قیاس شرعی بھی اصول دین میں سے ہے۔ یعنی مجتہدین حضرات جو کتاب وسنت سے ہی استنباط واجتہاد کرتے ہیں وہ غیر مجتہد کے لیے حجت ہوتا ہے تا کہ کسی ملحد کو کتاب وسنت میں معنوی تحریف کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ چنانچہ قرآن مجید میں حکم ہے:
وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (جو شخص میری طرف رجوع کرتا ہے۔ اس کے راستہ کی پیروی کر)۔

اور فرمایا: **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔**

”علم والوں سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔“

اسلامی حکومت کے فرائض: سورۂ الحج کی مذکورہ آیت: **الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔** میں حکومت الٰہیہ کے سربراہوں اور متعلقہ حکام کے حسب ذیل چار فرائض بیان کئے گئے ہیں:

① نظام نماز: یعنی وہ خود بھی نماز کی پابندی کریں۔ اور قانوناً دوسروں سے بھی پابندی کرائیں۔

(۲) نظام زکوٰۃ: یعنی وہ خود بھی اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کریں۔ اور قانوناً زکوٰۃ کی وصولی کا انتظام کریں۔

(۳) ہر نیکی کا حکم جاری کریں۔

(۴) ہر برائی سے قانوناً روک دیں۔

چونکہ نماز کے ذریعہ بندوں کا اپنے رب سے خصوصی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ کے ذریعہ ملک و ملت کی معاشی اصلاح ہوتی ہے۔ اس لیے ان دونوں فرائض کا خصوصیّت سے ذکر فرمایا اور اس کے بعد **امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر** سے اسلامی حکومت کے فرائض کی جامعیت واضح کر دی کہ اس میں انفرادی اور اجتماعی نیکیاں اور بھلائیاں قانوناً رائج کی جائیں گی۔ اور ہر قسم کی برائیوں اور خرابیوں کی قانوناً ممانعت ہوگی۔ مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں اسلامی حکومت کے قیام کے لیے ''خدام اہل سنت والجماعت'' کے نزدیک شرعاً یہ ضروری ہے کہ:

(۱) پاکستان کا دستور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے اصول و احکام کے مطابق مرتب کیا جائے اور کتاب و سنت کے منافی کوئی قانون ملک میں باقی نہ رہے۔

(۲) کتاب و سنت کے دستوری اور قانونی اصول و احکام کی تشریح و تعبیر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے نظامِ حکومت کے مطابق کی جائے۔ اور معاشی اور اقتصادی اصلاحات کے سلسلے میں بھی خلفاء و اصحاب رسول اللہ ﷺ کے دورِ حکومت کی اصلاحات کو معیار قرار دیا جائے۔ اور اس کے خلاف ہر قسم کے جدید ازموں خواہ وہ اسلامی سوشلزم کی شکل میں ہوں یا مودودیت یا پرویزیت کی صورت میں ہوں ختم کیا جائے۔ چونکہ پاکستان میں حنفی اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے۔ اس لیے ملکی قانون (پبلک لاء) حنفی فقہ کے مطابق نافذ کیا جائے۔ دوسرے اقلیتی مسلم فرقوں کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے اپنے فقہی مذہب کے مطابق کیے جائیں۔ حسب آیت **وامروا بالمعروف** نماز، روزہ اور حج وغیرہ فرائض و احکام کے علاوہ زکوٰۃ، عشر، صدقات واجبہ وغیرہ اور اسلامی قانونِ وراثت کو صحیح مکمل صورت میں نافذ کیا جائے اور اسلامی احکام کی روشنی میں کسان مزدور اور غریب و محتاج طبقہ کو پورے حقوق دے کر اسلامی معاشرہ میں ان کا مقام بلند کیا جائے۔ ان کے جان و مال کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ ہوگی بشرطیکہ وہ کوئی باغیانہ

اقدام نہ کریں اور پاکستان کے پُرامن شہری ثابت ہوں۔

۴۔ **تحفظ ناموسِ صحابہ کرامؓ:** چونکہ تمام اصحاب رسول اللہ ﷺ مابعد کی امتِ محمدیہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان اللہ کا دین پہنچانے کا واحد واسطہ ہیں اور وہ سب رحمۃ للعالمین ﷺ کی رسالت کے عینی گواہ ہیں۔ اور حسب آیت فان آمنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا (اگر وہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح کہ تم (اصحاب) ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پا گئے) وہ معیار ایمان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ وغیرہ آیات میں ان سب پر اپنے راضی ہونے کا قطعی اعلان فرما دیا ہے اس لیے تمام جماعت صحابہ (جس میں اہل بیت اور ازواجِ رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں) کی عظمت و ناموس کا آئینی تحفظ کیا جائے اور جو شخص بھی اس مقدس جماعت صحابہ واہل بیت کے کسی فرد کی بھی تنقیص و توہین کرے اس کو شرعی سزا دی جائے۔

سیاسی پارٹیوں پر ایک اجمالی نظر

تحصیل چکوال میں جو سیاسی پارٹیاں دستور ساز اسمبلی (قومی اسمبلی) کے انتخابات میں حصہ لے رہی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

① کنونشن مسلم لیگ

یہ دراصل سابق صدر ایوب خاں کی پارٹی ہے۔ چکوال میں اس کے نامزد نمائندہ ایوبی آمریت کے دور میں دس سال تک قومی اسمبلی کے رکن رہ چکے ہیں۔

② کونسل مسلم لیگ

اس کے موجودہ صدر میاں ممتاز صاحب دولتانہ ہیں۔ اس کے نامزد نمائندہ بھی ایوبی حکومت کے زیر سایہ دس سال صوبائی اسمبلی کے ممبر رہ چکے ہیں۔ اس وقت ملک میں جتنی مسلم لیگیں ہیں وہ دراصل اس مسلم لیگ میں انتشار وافتراق پیدا ہونے کا نتیجہ ہیں۔ جس نے پاکستان بنایا تھا۔ پاکستان کے تئیس سالہ دور میں مسلم لیگ ہی کسی نہ کسی شکل میں برسر اقتدار رہی ہے اور مسلمانانِ پاکستان کو صحیح اسلامی آئین سے محروم رکھنے کا سبب بھی یہی پارٹی ہے۔ جس نے بجائے غلبہ اسلام کے حصول اقتدار کو اپنا

نصب العین بنالیا۔ اس لیے مسلم لیگ کے نام سے اس وقت کوئی پارٹی قابل اعتماد نہیں ہوسکتی۔ ان کو دوبارہ آزمانا کوتاہ اندیشی ہے۔

③ پاکستان جمہوری پارٹی (پی ڈی پی)

یہ پارٹی بھی مسلم لیگ کے سابق لیڈروں پر مشتمل ہے۔ جس کے موجودہ صدر مسٹر نور الامین صاحب بنگالی ہیں۔ اور مغربی پاکستان میں اس کے صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں صاحب ہیں۔ اس پارٹی کے منشور میں (جو ستائیس صفحات پر مشتمل ہے) گو اسلام قرآن اور سنت کے الفاظ موجود ہیں لیکن ان کی کوئی تشریح اور توضیح نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ اسلام کے بنیادی مسئلہ ختم نبوت کا سرے سے ذکر ہی نہیں اور نہ ہی خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی تذکرہ ہے نہ کوئی آیت، نہ حدیث درج ہے۔ نہ نماز روزہ کا ذکر۔ حتیٰ کہ خالق کائنات (اللہ تعالیٰ) اور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے نام ہی نہیں لکھا گیا ہے تو پھر اس پارٹی پر کیونکر یہ اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ کہ وہ پاکستان میں اس اسلام اور قرآن کا صحیح دستور چاہتی ہے جو رب العالمین کی طرف سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ تک پہنچایا اور دور رسالت کے بعد وہ خلافت راشدہ کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔

④ پاکستان پیپلز پارٹی

اس پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی صاحب بھٹو ہیں۔ جو ایوبی آمریت کے دور میں پاکستان کے وزیر خارجہ رہ چکے ہیں۔ ہمیں ان کے دورِ وزارت میں کوئی اسلامی نشان نہیں ملتا۔ اس پارٹی کا مخصوص نعرہ سوشلزم یا اسلامی سوشلزم ہے۔ جس کو اب اسلامی مساوات اور محمدی مساوات سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ لیکن ان کے اسلام کی حقیقت اس طرز سیاست سے آشکارا ہوگئی ہے جو انہوں نے منکرین ختم نبوت کو اپنی پارٹی کے ٹکٹ دیئے ہیں۔ معاشی اور اقتصادی پہلو سے غریبوں کو ملک میں بلند مقام عطا کرنے کا جو نعرہ لگایا گیا ہے اس کا پردہ اس طرز عمل نے چاک کردیا ہے۔ جو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو پارٹی کی طرف سے ٹکٹ دیئے گئے ہیں۔

اس پارٹی کی تحریرات میں اسلامی سوشلزم کی جو تعبیر اور تشریح مذکور ہے وہ بالکل اسلام اور قرآن کے خلاف ہے مثلاً بھٹو پارٹی کے مرکزی ہفت روزہ ''نصرت'' لاہور مجریہ ۱۹ر جنوری ۱۹۶۹ء ص ۱۶ میں انفرادی ملکیت کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:

''زمین اور کائنات کا مالک اور خالق خدا ہے۔ (۴۵/۲۲) اور مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ زمین پر کسی بھی فرد کو لامحدود ملکیت اور جائیداد قائم کرنے کا حق نہیں ہے جب زمین کی ملکیت خدا کی ہے تو اس پر شخصی ملکیت قرآن اور اسلام سے انحراف ہوگی''۔

حوالہ نمبر ۲ اور صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے: ''مندرجہ بالا آیات سے غیر مبہم طور پر واضح ہے کہ قرآن کی رو سے استحصال سراسر ناجائز ہے۔ کوئی بھی مسلمان اپنی ضرورت سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔''

ان عبارتوں میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ کسی شخص کو زمین کا مالک قرار دینا اسلام اور قرآن کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ نظریہ خود قرآنی تصریحات کے خلاف ہے۔ کیونکہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو اپنی طرف سے مثلاً زمین اور دوسری اشیاء کا مالک بنایا ہے، چنانچہ:

① غلاموں کے متعلق ما ملکت ایمانھم کے الفاظ مذکور ہیں اس آیت سے ایک انسان کا مالک ہونا اور دوسرے انسان کا مملوک ہونا صاف ثابت ہے۔ اور یہ انتظامی ملکیت ہے۔

② اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مما ملکت ایدینا انعاماً فھم لھا مالکون پ ۲۳ (سورہ یٰس رکوع ۴) کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لیے اپنے دست قدرت سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے جانور پیدا کیے ہیں۔ پس وہ (انسان) ان جانوروں کے مالک ہیں۔''

اس سے جانوروں پر انسان کی ملکیت ثابت ہوئی۔

③ قانون وراثت کے بیان میں فرمایا: یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ ان میں سے بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اس کے بعد متوفی (مرنے والے) کی جائیداد کی وراثت میں اس کے ماں باپ اور بیوی کا بھی حصہ مقرر کیا ہے۔ اگر انسان زمین و جائیداد کا مالک نہ ہوتا تو اس کی اولاد اور اقرباء اس کے

وارث کیوں ہوتے ؟

④ قرآن کریم میں سینکڑوں بار زکوٰۃ کا حکم ہے اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا صریح ارشاد موجود ہے کہ سال گزرنے کے بعد نصاب زکوٰۃ کے مطابق مال میں سے (۱/۴) حصہ بطور زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ مندرجہ آیاتِ قرآنیہ اور دیگر احادیث نبویہ میں صراحتاً شخصی اور انفرادی ملکیت ثابت ہے۔ اس لیے بھٹو پارٹی کی طرف سے انفرادی اور شخصی ملکیت کی نفی کا پیش کردہ نظریہ سراسر اسلام و قرآن کے خلاف اور باطل ہے۔ جو کسی اہل ایمان کے لیے قابل قبول نہیں۔

حوالہ نمبر ۳۔ علاوہ ازیں بھٹو پارٹی کے ہفت روزہ ''نصرت لاہور مؤرخہ ۹/اگست ۱۹۷۰ء میں ایک مضمون درج ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ ''اسلام کے معاشی نظام میں انفرادی ملکیت کا کوئی تصور نہیں۔'' اس کے آخر میں لکھا ہے کہ ''بعض معترضین یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر قرآن میں انفرادی ملکیت کا کوئی تصور نہیں تو پھر قانون وراثت خیرات وصدقات وغیرہ کے احکامات کیا معنی رکھتے ہیں؟ یہ احکامات عبوری دور کے لیے ہیں جب معاشرہ اپنی منزل کی طرف قدم بڑھا رہا ہوتا ہے جب کسی معاشرے میں قرآنی نظام رائج ہوتا ہے تو اس کا انداز تدریجاً تبدیل ہوتا ہے۔ جب یہ نظام اپنی مکمل شکل میں نافذ ہو جاتا ہے تو پھر عبوری احکامات کی غرض وغایت بھی چونکہ پوری ہونے لگتی ہے اس لیے ان پر عمل کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ ان احکامات کی صورت بالکل ویسی ہی ہے جیسی تیمم کی۔ جب پانی میسر آجاتا ہے تو تیمم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس طرح جب قرآن کا معاشی نظام اپنی پوری تابانی سے قائم ہو جاتا ہے تو پھر ان عبوری احکامات پر عمل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔''

اس عبارت میں یہ تصریح کردی گئی ہے کہ قرآن مجید میں وراثت اور زکوٰۃ وغیرہ کے جو قطعی احکامات ہیں وہ وقتی اور عارضی ہیں نہ کہ مستقل، اور جب قرآنی نظام مکمل شکل میں نافذ ہو جائے تو زکوٰۃ وراثت وغیرہ کے احکامات ختم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم رحمت للعالمین خاتم النبیین ﷺ اور خلفائے راشدین کے مبارک مکمل قرآنی نظام حکومت کے دور میں بھی زکوٰۃ اور وراثت کے قوانین جاری رہے ہیں تو کیا بھٹو پارٹی دورِ رسالت اور دورِ خلافت کو بھی مکمل نہیں سمجھتی اور آج اپنی پارٹی کا یہ مقام سمجھتی

ہے کہ وہ مکمل قرآنی نظام جاری کر دے گی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بریں دین و ایماں بباید گریست

یہ قرآنی آیات کی صراحتاً معنوی تحریف ہے۔ دراصل اس قسم کے باطل نظریات قرآن اور اسلام سے عوام کو متنفر اور منحرف کرنے کا ذریعہ ہیں۔

پیپلز پارٹی اور ناچ بھنگڑہ: پیپلز پارٹی کے جلوسوں میں ناچ بھنگڑے کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ اس سے پارٹی کے کارکنوں کو روکا جاتا۔ اب ان فواحش اور منکرات کو نعوذ باللہ بعض جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ پیپلز پارٹی کے ہفت روزہ ''نصرت'' لاہور شمارہ نمبر ۱۰۳ مجریہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء، ص ۱۹ پر شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر طیار شہید رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ:

''حضرت جعفر اٹھے اور ایک ٹانگ کو اُٹھا کر دوسری ٹانگ کے سہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد چکر کاٹتے ہوئے رقص کرنا شروع کر دیا۔ اور نعوذ باللہ اسی شمارہ کے صفحہ ۱۸ پر ایک عنوان یہ لکھا ہے:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بینڈ سے استقبال''

اندازہ فرمائیں کہ زمانۂ جاہلیت کے رقص و سرود وغیرہ، جن فواحش و منکرات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹایا تھا۔ وہ بے سند تاریخی روایتوں کی بنا پر ان کو سنت و شریعت کا جزء ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اگر حقیقی اسلام کے آداب و اخلاق کی یہی تصویر ہے تو پھر فرنگی کافر اقوام تو اس پہلو سے اسلام ہی پر عمل کر رہی ہیں۔ العیاذ باللہ! اس سے زیادہ اسلام پر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے؟

مودودی جماعت اسلامی: اس جماعت کے امیر اعلیٰ ابو الاعلیٰ صاحب مودودی ہیں۔ یہ جماعت تقریباً انتیس سال سے قائم ہے اس کا لٹریچر بھی بڑا وسیع و عریض ہے لیکن اسلام و قرآن کی تشریحات میں مودودی صاحب نے جو نظریات پیش کیے ہیں وہ اسلام حقیقی کے خلاف ہیں مثلاً:

(۱) عصمت انبیاء کے سلسلہ میں مودودی صاحب نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی بنا پر انبیاء کرام کی عصمت باقی نہیں رہتی کیونکہ مودودی صاحب کے نزدیک انبیاء کرام کے اعمال میں نفسانیت کا بھی دخل ہوتا ہے چنانچہ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں حضرت داؤد علیہ السلام کے

متعلق لکھا ہے کہ:

''جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا۔ اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا۔ اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔''

(تفہیم القرآن جلد ۴، سورہ ص ۳۲۷، طبع اول اکتوبر ۱۹۶۶ء)

② مودودی صاحب کے نزدیک انبیاء کرام کے باطن میں جاہلیت کا جذبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا۔ اس کو محض اس لیے اپنا سمجھتا ہے کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے۔ یہ محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آئے ہیں جو اسلام کا مقتضی ہے۔'' (تفہیم القرآن سورہ ہود، ص ۳۴۴، ج ۲)

یہاں مودودی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اندر جاہلیت کا جذبہ تھا حالانکہ جاہلیت سے مراد کفر اور غیر اسلامی بات ہوتی ہے۔ جیسا کہ مودودی جماعت کے دستور میں جاہلیت کا یہی معنی لکھا ہے۔

③ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ:

''حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔''

(تفہیم القرآن جلد ۲۔ سورہ یونس حاشیہ ص ۳۱۲، ۳۱۳)

جب مودودی صاحب کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کے اعمال میں نفسانیت کا دخل ہوا اور ان کے اندر غیر اسلامی جاہلیت کا جذبہ ہوا اور وہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ رسالت میں بھی کوتاہیاں کریں تو پھر ان کے معصوم ماننے کا کیا مطلب رہ جاتا ہے؟

④ مودودی صاحب صاحب نے لکھا ہے کہ:

''قبل نبوت کسی نبی کو وہ عصمت حاصل نہیں ہوتی۔ جو نبی ہونے کے بعد ہوا کرتی ہے۔ نبی

ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔'' (رسائل و مسائل حصہ اول، ص ۱۳۱، طبع دوم جون ۵۴ء)

یہاں مودودی صاحب نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر ایک بہت بڑے گناہ کا الزام لگایا۔ حالانکہ قبطی کا قتل گناہ بھی نہ تھا۔ کیونکہ مظلوم کو چھڑانے کے لیے ایک کافر ظالم کو صرف مکا مارا تھا۔ نہ ارادہ قتل کا تھا نہ آلہ قتل استعمال کیا۔ یہ مقام نبوت کے پیش نظر محض ایک لغزش ہے نہ کہ گناہ۔

اعتراض: مودودی صاحب اس کے جواب میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کی ایک عبارت پیش کیا کرتے ہیں جس کا حوالہ آئین لاہور مؤرخہ ۷ ستمبر ۱۹۷۰ء، ص ۲۲ میں حسب ذیل لکھا ہے:

''معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہو سکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہو جاتا ہے۔'' (مولانا حسین احمد مدنی، مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول کتب نمبر ۸۸)

الجواب: آئین میں حوالہ پیش کرنے میں تلبیس و مغالطہ انگیزی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت لکھی جاتی تو جواب کی ضرورت ہی نہ تھی۔ چنانچہ پوری عبارت یہ ہے:

''معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہو سکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے گناہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ گناہ صورۃً ہی گناہ ہے۔ حقیقتاً نہیں۔ حقیقت میں اس کو گناہ نہیں کہا جائے گا''۔

جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ساتھ ہی وضاحت کر دی ہے کہ حقیقت میں اس کو گناہ نہیں کہا جائے گا۔ تو پھر اعتراض کیا باقی رہ جاتا ہے؟ حضرت مدنی رحمہ اللہ تو اس کو سرے سے گناہ ہی نہیں مانتے۔ چہ جائیکہ بہت بڑا گناہ۔ لیکن مودودی صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فعل کو حقیقتاً بہت بڑا گناہ مان رہے ہیں اسی لیے تو انہوں نے نبی ہونے سے پہلے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ حقیقتاً کسی طرح گناہ ہی نہیں تو بعد نبوت بھی جائز ہے۔ کاش کہ مودودی صاحبان حوالہ پیش کرنے میں دیانتداری سے کام لیتے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تو عصمت انبیاء کے مسئلہ کی حقیقت واضح کر دی ہے۔ تاکہ کسی کو انبیاء کرام سے صورتاً کوئی ایسا کام صادر ہونے سے ان کی عصمت میں شک نہ پڑ جائے۔

تنقیص صحابہ: ① ''ان سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری

کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے۔ ابن عمر نے سنا کہ ابو ہریرہؓ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے فرمانے لگے ابو ہریرہ جھوٹے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقعہ پر انس اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا کہ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو کیا جانیں؟ وہ تو اس زمانہ میں بچے تھے۔ حضرت حسن بن علی سے ایک مرتبہ شاہد و مشہود کے معنی پوچھے گئے انہوں نے اس کی تفسیر بیان کی۔ عرض کیا گیا کہ ابن عمر اور ابن زبیر تو ایسا ایسا کہتے ہیں۔ فرمایا دونوں جھوٹے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر مغیرہ بن شعبہ کو جھوٹا قرار دیا۔ عبادہ بن الصامت نے ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعود بن اوس انصاری پر جھوٹ کا الزام لگا دیا۔ حالانکہ وہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔ (تفہیمات جلد اول ص ۲۹۳)

جب مودودی صاحب کے نزدیک اصحاب رسول اللہ ﷺ کے معاشرہ کا یہ نقشہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے ہیں۔ تو پھر ان کے واسطہ سے پہنچی ہوئی شریعت کیسے قابل اعتماد ہو سکتی ہے؟

④ حضرت عثمان خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کے متعلق مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''لیکن ان (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے بعد جب حضرت عثمان جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے سے بڑے اہم عہدے عطا کیے۔ اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہیں۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۰۶)

③ دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۱۵)

یہاں مودودی صاحب نے صاف لکھ دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پالیسی کے خلاف عمل کیا۔ نیز آپ کی پالیسی فتنہ انگیز تھی۔ تو اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفہ راشد کیونکر قابل اعتماد رہ سکتے ہیں؟ اور یہ بھی مودودی صاحب کی غلط بیانی ہے کہ:

''حضرت عثمان نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے۔''

کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں چار اموی ایسے تھے جو بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، حضرت ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ، حضرت سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ۔ لیکن ان میں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ

سے گورنر چلے آرہے تھے۔ اور حضرت ولید ابن عقبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے عہدیدار تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو صرف حضرت سعید ابن عاص اور حضرت عبداللہ ابن عامر کو عہدے عطا فرمائے اور بنوامیہ میں سے گیارہ افراد کو تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدے اور مناصب عطا فرمائے تھے۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بنوامیہ کے چھ افراد عہدیدار رہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پانچ۔ تو ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ انہوں نے بنی امیہ کے لوگوں کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقربا کو جو عطیات دیئے تھے وہ بھی اپنے ذاتی مال سے دیئے تھے نہ کہ بیت المال سے۔ چنانچہ تاریخ طبری جلد ۳ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ جواب منقول ہے کہ ''میں نے اپنے مال سے اپنے اقرباء کو عطیات دیئے ہیں۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ اور لوگوں میں سے کسی کے لیے''۔ لہٰذا مودودی صاحب کا مذکورہ الزام بھی بے بنیاد ثابت ہوگیا۔ ہم کہتے ہیں کہ مودودی صاحب اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں تو اس قسم کے اعتراضات سے توبہ کریں۔ اور اگر وہ اپنے اعتراضات کو صحیح مانتے ہیں تو حضرت عثمان کو خلیفہ راشد کہنا چھوڑ دیں۔

(ج) ناظرین انصاف فرمائیں کہ صحابہ کرام کے متعلق مندرجہ بالا تبصرہ کرنے اور حضرت عثمان کو خلیفہ راشد مان کران کی خلافت کی پالیسی کو فتنہ انگیز کہنے کے بعد مودودی جماعت یہ کیونکر دعویٰ کرسکتی ہے کہ ہمارا مقصد پاکستان میں خلافت راشدہ کا نظام جاری کرنا ہے لہٰذا مودودی منشور میں ان کا یہ لکھنا محض ظاہرداری پر مبنی ہے[1]۔

یہ تھے تحریک خدام اہل سنت والجماعت کے قیام کے اساسی اسباب، ایسا نہ تھا کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ اس محاذ پر پہلی مرتبہ متوجہ ہوئے تھے، نہیں بلکہ اس عنوان پر تو آپ موروثی طور پر ہمہ تن مشغول تھے مگر آپ رحمہ اللہ جماعتی نقطہ نظر سے سُنی عوام کے عقائد واعمال کی اصلاح چاہتے تھے۔ چنانچہ تحریک کے قیام کے بعد قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ملک بھر میں طوفانی دورے کیے اور نعرۂ حق چار یار رضی اللہ عنہم اہل سنت کے دل ودماغ

---

[1] مظہر حسین، حضرت مولانا، قائد اہل سنت۔ ''شرعی منشور'' تحریک خدام اہل سنت والجماعت۔ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۷۰ء، چکوال

میں رچابسا دیا تھا، اس لیے بعض سطحی قسم کے لوگوں کا یہ کہنا کہ قائد اہل سنتؒ کا تحریکی کام فقط چکوال و جہلم تک محدود رہا، وہ حمقاء کی جنت میں رہتے ہیں اس لیے کہ افرادی کثرت اور روایتی جماعتی اثر و نفوذ تو پہلے دن ہی سے ہدف میں نہ تھا، بلکہ سُنی مذہب کا جامع تعارف، فتنوں کی پہچان، فتنہ پرور لوگوں کی اصلاح اور اپنی بساط کی حد تک دین اسلام کے دیگر شعبہ جات میں اپنی توانائیاں صَرف کرنے کا جو اول روز سے معیار قائم کیا گیا تھا، تا دمِ آخر پورے اخلاص و استقامت کے ساتھ اس پر قائم رہے اور اسی جہدِ مسلسل میں ہی اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

15
بابِ پانزدہ

- ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں انتخابی معاہدہ
- دینی و مذہبی غیرت کی تابندہ روایت
- ۱۹۷۴ء کی ''مجلس عمل'' میں عدم شرکت کی وجوہات اور اصولوں کی پابندی کا مضبوط معیار

سب اشک پی گیا میرے اندر کا آدمی
مَیں خشک ہوگیا ہوں ہَرا ہوگیا وہ شخص

انتخابی معاہدہ ۱۹۷۰ء

۱۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کے صوبائی الیکشن میں جب قائد اہل سنتؒ نے مرزا فضل حق کی حمایت کا اعلان کیا تو ان کے ساتھ کیا جانے والا معاہدہ بھی آپ کی غیرتِ دینی کا مظہر ہے، یہ انہی دنوں طبع بھی ہو گیا تھا، قائد اہل سنتؒ کا ''عرض حال'' سے لکھا جانے والا دیباچہ اور فریقین کے مابین معاہدہ کا متن ملاحظہ ہو۔

''۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کے گزشتہ ملکی انتخابات میں قومی اسمبلی کے لیے حلقہ چکوال میں خدام اہل سنت والجماعت، کونسل مسلم لیگ، کنونشن مسلم لیگ، جمہوری پارٹی۔ (مودودی) جماعت اسلامی اور ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی نے اپنے اپنے امیدوار نامزد کیے تھے۔ جس میں پیپلز پارٹی کے امیدوار کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد حلقہ چکوال پی پی ۱۸ جہلم ۵ کی صوبائی سیٹ پر مذکورہ پارٹیوں کے امیدواروں کے علاوہ ایک آزاد امیدوار نے بھی حصہ لیا تھا۔ جس میں خدام اہل سنت کی طرف سے چوہدری احمد خاں صاحب نائب صوبیدار (ساکن چک عمراء) امیدوار تھے۔ جو ایک مذہبی دیانتدار جماعتی کارکن ہیں۔ قومی اسمبلی کے الیکشن میں ہمیں دوسری پارٹیوں میں سے کوئی ایسا امیدوار نہیں مل سکا تھا۔ جس کی کامیابی کی غالب توقع بھی ہوتی اور جس پر ہمیں یہ اعتماد ہوتا کہ وہ دستور ساز اسمبلی میں اس صحیح اسلامی آئین کے لیے جدوجہد کرے گا۔ جس کی بنیاد سرکار دو عالم رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر ہے۔ اور جس کا کامل اور جامع نمونہ دورِ رسالت کے بعد خلفائے راشدین حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروقِ اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں موجود رہا ہے۔ اس لیے ہم نے خدام اہل سنت کے امیدوار محترم صوبیدار غلام حسن صاحب ایم اے ایڈووکیٹ (ساکن چک ملوک) کو بحال رکھا جو ماشاء اللہ ایک متشرع اور دیانتدار شخص ہیں۔ اور اس طرح ہم اصولاً کامیابی کے راستہ پر گامزن رہے۔ لیکن سوشلزم اور مرزائیت کے گٹھ جوڑ نے یہ شدید احساس دلا دیا تھا کہ ۱۷ دسمبر کے صوبائی الیکشن میں کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے جس میں

شرعی موقف بھی مجروح نہ ہو اور بھٹو پارٹی کے امیدوار کے مقابلہ میں کامیابی متوقع ہو۔ اس کے لیے جماعتی احباب سے بھی مشاورت جاری رہی۔ حتیٰ کہ ۹؍دسمبر ۱۹۷۰ء کو محترم مرزا افضل حق صاحب امیدوار کونسل مسلم لیگ فرزند اکبر جناب مرزا مظہر حسین صاحب مرحوم آف ملیال مع اپنے چند احباب کے مدنی جامع مسجد میں تشریف لائے۔ اور انہوں نے خدام اہل سنت کا تعاون حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے ان کے سامنے اپنا شرعی موقف و مقصد پیش کیا۔ اور اپنی جماعت کے تعاون کے لیے یہ شرط پیش کی کہ وہ ہمارا شرعی موقف تسلیم کرلیں۔ اور اس کے لیے ایک واضح تحریر دیدیں۔ مرزا افضل حق صاحب موصوف نے ہماری اس شرط کو بلاتوقف قبول کرلیا۔ اور میری تجویز کردہ عبارت کو بلا کسی ادنیٰ تامل اور تردد کے خود لکھا اور اس پر اپنے دستخط ثبت کردیئے۔ اور میں نے بھی بلا ان کے مطالبہ کے خدام اہل سنت کی طرف سے حمایت کرنے کی انہیں تحریر دے دی۔ اور پھر دونوں جماعتوں کے نمائندوں کو بلا کر یہ تحریری شرعی معاہدہ سنادیا جس کو سب نے بخوبی قبول کرلیا۔

مرزا افضل حق صاحب ماشاء اللہ ایک شریف الطبع آدمی ہیں۔ اور ان کا اس خالص شرعی معاہدہ کو قبول کرلینا ان کے خلوص، مذہبیت اور مسئلہ ختم نبوت سے قلبی وفاداری پر دلالت کرتا ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ وہ ملک وملت کی مخلصانہ خدمت کرتے رہیں گے۔ چونکہ یہ انتخابی شرعی معاہدہ چکوال کی سیاست میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اس کو ٹریکٹ کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔ اس کے ساتھ وہ نظم بھی شائع کی جارہی ہے جو مرزا افضل حق صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے میں نے لکھی تھی۔ علاوہ ازیں وہ اشعار بھی درج کردیئے ہیں۔ جو چکوال میں مرزائی کیمپ اور ان کی اتحادی پارٹی کے شعروں اور مظاہروں کے جواب میں لکھے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو عموماً اور قومی اسمبلی کے منتخب مسلم ممبران کو خصوصاً یہ توفیق عطا فرمائیں کہ وہ محبوب خدا سرورِ کائنات ﷺ کے بلند ترین خصوصی مقام ختم نبوت کے آئینی تحفظ کے لیے پوری پوری کوشش کریں۔ تاکہ دستور ساز اسمبلی میں مرزائی پارٹی (منکرین ختم نبوت) کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا شرعی مطالبہ تسلیم کرلیا جائے۔ وماذلک علی اللہ بعزیز

خادم اہل سنت
الاحقر مظہر حسین غفرلہ
مدنی جامع مسجد چکوال۔ ضلع جہلم
۱۴؍جنوری ۱۹۷۱ء

مرزا فضلِ حق کی جانب سے تحریر

انتخابی شرعی معاہدہ ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے خدام اہل سنت والجماعت کے شرعی منشور سے پورا پورا اتفاق ہے۔ اور میں ان شاء اللہ خدامِ اہل سنت کے اسلامی مقاصد کے تحت ملک وملت کی خدمت سرانجام دوں گا۔ اور رحمت للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام ختم نبوت کے تحفظ کے لیے فتنہ منکرین ختم نبوت، سوشلزم، بھٹو کے اسلامی سوشلزم اور اشتراکیت وغیرہ خلافِ اسلام فتنوں کے انسداد کے لیے کوشش کرتا رہوں گا۔

دستخط مرزا فضل حق

۹ر شوال ۱۳۹۰ھ

(وارد) بمقام مدنی جامع مسجد چکوال

۷۰/۱۲/۹

قائد اہل سنت رضؓ کی جانب سے انتخابی معاہدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں خدام اہل سنت کی طرف سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ چونکہ مرزا فضل حق صاحب نے خدام اہل سنت کے ''شرعی منشور'' سے پورا پورا اتفاق کرلیا ہے۔ اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے مقام ختم نبوت کی حفاظت اور دوسرے الحادی اور اشتراکی فتنوں کے خلاف جدوجہد کرنے کا مکمل تحریری یقین دلا دیا ہے۔ اس لیے ہم ان شاء اللہ صوبائی اسمبلی کے لیے ان کی مکمل حمایت کریں گے اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین

(دستخط) خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ

مدنی جامع مسجد چکوال

۹ر شوال ۱۳۹۰ھ۔ ۹ر دسمبر ۱۹۷۰ء

آگئے میدان میں حق کے مجاہد آگئے

آگئے ختم نبوت کے مجاہد آگئے
آگئے میدان میں حق کے مجاہد آگئے
تیغ باطل کند ہو جائے گی اک للکار سے
آگئے شیر خدا کے اب مجاہد آگئے
جھوٹ اور بہتان کے بت ہوں گے سارے پاش پاش
بت گرو ہٹ جاؤ راہ سے بت شکن اب آگئے
دین کی لَو کو روشن کر مسلماں ہر جگہ
ظلمت باطل کے چھٹ جانے کے دن اب آگئے
کفر کے ایوان میں اک زلزلہ آنے کو ہے
آگئے میدان میں حق کے مجاہد آگئے

۱۲؍شوال ۱۳۹۰ھ

۱۲؍دسمبر ۱۹۷۰ء

جب دسمبر ۷۷ء کے الیکشن میں صوبائی سیٹ پر مرزا افضل حق کامیاب ہوئے تو قائد اہل سنتؒ نے انہیں منظوم ہدیۂ تبریک پیش کیا، جس میں انتخابی فتح کی مبارک باد کے ساتھ ساتھ مقصودی اور حقیقی فتح پانے کی دل نشین نصیحت بھی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

ہدیۂ تبریک

بخدمت مرزا افضل حق صاحب ممبر صوبائی اسمبلی پنجاب

از

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

امیر خدام اہل سنت والجماعت، پاکستان

ہے اسی کے نام سے میرے سخن کی ابتدا
قادرِ مطلق ہے جو دی جس نے توفیق کلام

بعد اس کے سرور کون و مکان کی ذات پر
گنبد خضرا میں پہنچے صد درود و صد سلام
کامیابی ہو مبارک مرزا فضل حق تجھے
فضل حق سے ہوگئی حاصل تجھے فتح عوام
تیرے گھر والوں بزرگوں اور سب احباب کو
ہو مبارک صد مبارک تو ہوا ہے نیک نام
سیٹ صوبائی پہ تھا اک معرکہ ہنگامہ خیز
حق تعالیٰ کی مدد سے ہوگیا تو شاد کام
سوشلزم دہریت الحاد کا گٹھ جوڑ تھا
اور تھی مرزائیت بھی ساتھ ان کے بے لگام
سایۂ ختم الرسل میں تو نے جب لی ہے پناہ
نصرت حق آسماں سے ہوگئی نازل تمام
مسئلہ ختم نبوت کا ہے ایماں کا مدار
سب مسائل سے بلند و بالا ہے اس کا مقام
اور صحابہ کی جماعت بھی ہے سب معیارِ حق
مل چکی قرآن میں ہے ان کو رضوانِ دوام
اور ہیں آلِ نبی ازواج بھی سب جنتی
ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ برحق امام
دین کی بنیاد پر تھا یہ ہمارا اتحاد
رب تعالیٰ کی مدد سے جو ہوا مقبولِ عام
پاسداری دین کی کرلی خوشا تیرا نصیب
دین کی شمع جلادی پالیا اونچا مقام
آگئے خدام اہل سنت آخر جوش میں
بت شکن جب آگئے تو بت گرے اوندھے تمام
جھوٹ اور بہتان کے بھی ہوگئے بت پاش پاش
سامنے حق کے نہیں باطل کو رہ سکتا قیام

انتخابی فتح لیکن آخری منزل نہیں
منتہیٰ اپنی جماعت کا ہے اسلامی نظام
فضلِ حق ! میری نصیحت ہے یہی از دردِ دل
راہِ حق پر گامزن رہنا بہ ہمت صبح و شام
دنیوی اسباب پر نازاں نہ ہو جانا کبھی
قبضہ قدرت میں ہیں جن و ملک سارے انام
دولت و عزت ہے دنیا کی یہ فانی بے وفا
اقتدارِ دنیوی کو ہے نہیں حاصل دوام
ہیں فرائض دین کے جو روزہ حج و زکوٰۃ
کر نمازِ پنجگانہ کی بھی پابندی مدام
سرورِ کونین کی سنت پہ رہ ثابت قدم
کر رضائے حق کی خاطر خدمت ملک و عام
مظہر ناکارہ اب آخر میں کرتا ہے دعا
ملک پاکستان میں نافذ ہو بس شرعی نظام

۲۴؍شوال ۱۳۹۰ھ

۲۴؍دسمبر ۱۹۷۰ء

اسی سلسلہ میں قائد اہل سنت نے اپنی جماعت کا مختصر تعارف بھی درج فرمایا تھا، جو مندرجہ ذیل ہے:

خدامِ اہل سنت والجماعت کی دعوت

نبی کریم، رحمت للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک عظیم پیشگوئی میں ارشاد فرمایا تھا کہ:

''میری اُمت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جس میں سوائے ایک فرقہ کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو فرمایا کہ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث مبارک میں جنت کے راستہ پر چلنے والوں کے لیے دو ضروری نشان بتائے گئے ہیں۔

① سنت رسول اللہ ﷺ

④ اصحاب یعنی جماعت رسول اللہ ﷺ

اور مذہب اہل سنت والجماعت کی بنیاد یہی حدیث شریف ہے۔ اور یہ ارشاد نبوی ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر حق و باطل کو پرکھا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں گو مسلمانان اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت ہے۔ لیکن سنت اور صحابہ کی بنیاد پر کوئی خاص جماعتی اور تنظیمی کام نہیں ہے۔ جس کے ذریعہ عوام اہل سنت میں تبلیغی اور اصلاحی کام بڑھایا جاسکے۔ اس ضرورت کے پیش نظر ۲ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۶۹ء کو خدام اہل سنت والجماعت کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ جس کی سرپرستی مخدومنا المعظم حضرت مولانا سید پیر خورشید احمد شاہ صاحب مدظلہ (خلیفہ ارشد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ) نے قبول فرمائی تھی۔ لیکن بعد میں ملکی انتخابات کے ہنگامی دور کی وجہ سے جماعتی تشکیل کا کام جاری نہ رہ سکا۔ خدام اہل سنت کا مقصد عام سیاسی پارٹیوں کی طرح صرف الیکشن لڑنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک مستقل دینی کام ہے۔ جس کے ذریعہ سنت اور صحابہ کی روشنی میں اسلام کی تبلیغ و حفاظت مقصود ہے۔

تمام اہل سنت مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ اس تنظیم میں شامل ہو کر ملک و ملت کی خدمت سرانجام دیں۔ وما علینا الا البلاغ[1]

(۱۹۷۴ء) مجلس عمل تحفظ ختم نبوت میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی عدمِ شرکت اور اسباب و وجوہات

تحریک خدام اہل سنت والجماعت کی بنیاد رکھے جانے کے بعد آئندہ سال ۱۹۷۰ء میں ملک بھر میں عام انتخابات ہوئے اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے مقامی طور پر چکوال کی حد تک بعض انتخابی امیدواروں کے ساتھ مشروط اتحاد کیا جس کی تفصیل کا ایک نمونہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ اس کے بعد ہی ۱۹۷۱ء کے اوائل میں مرزائیوں کے خلاف تحریک کا آغاز ہوگیا جس نے دھیرے دھیرے مسلمانانِ وطن کو اختلاف فکر و نظر کے باوجود ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا، تا آنکہ مئی ۱۹۷۴ء میں ایک مستقل اتحادی تحریک وجود میں آگئی جس کا نام ''مجلس عمل تحفظ ختم نبوت'' تجویز ہوا۔ مگر آج کی

---

[1] مظہر حسین قاضی، حضرت مولانا، قائد اہل سنت / خدام اہل سنت کی دعوت (پمفلٹ) / مطبوعہ ۱۹۷۰ / درسی پرنٹنگ پریس گجرات۔

نسلوں کے لیے شاید یہ بات ایک اہم انکشاف کی طرح باعث تعجب ہو کہ پورے ملک میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ اوران کی جماعت تحریک خدام اہل سنت والجماعت تھی، جس نے مرزائیوں کے خلاف سب کچھ کرتے رہنے کے باوجود مذکورہ مجلس عمل میں شامل ہونے سے انکار کردیا تھا۔اور بنیادی وجہ اس کی یہ تھی کہ اس میں بڑے بڑے تبرائی شیعہ لوگوں کو اہم عہدے تفویض کر کے اپنے اسٹیج کی زینت بنایا جاتا تھا اور خصوصاً مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجروی کے توسنی مساجد میں خطابات بھی ہو رہے تھے، قائد اہل سنت رحمہ اللہ اگر اس سب کچھ کو برداشت کر کے متذکرہ مجلس عمل میں شامل ہو جاتے تو پھر جمعیت علماء اسلام ہی سے کیوں مستعفی ہوتے؟ آپ نے اپنے رفیق باوفا اور پیکر اخلاص حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ کے ہمراہ تحریک تحفظ ختم نبوت کی اس پالیسی سے زبردست اختلاف کیا۔

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ہاتھ مبارک سے لکھا ایک جواب، جو آپ رحمہ اللہ کی غیرتِ مذہبی کا کھلا نشان ہے

اس جواب نامہ کو درج کرنے سے قبل اس کا پس منظر ملاحظہ فرمالیجیے! قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ایک تعارفی کتابچہ لکھا تھا جس کا نام ''تحریک خدام اہل سنت والجماعت کی دعوت'' تھا۔اس کا مسودہ جناب حافظ عبدالوحید صاحب حنفی کو دے کر کاتب کے سپرد کروایا گیا، جب کتابت مکمل ہوئی اور وقت طباعت آیا تو اس میں ایک صفحہ کی جگہ باقی تھی جس کی کمی حافظ صاحب نے ایک تحریر بعنوان ''ہمارا اصول'' لکھ کر پوری کردی اور رسالہ شائع ہو گیا، اس میں حافظ صاحب نے یہ الفاظ بھی لکھے تھے:

> ''جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہوگا، خواہ کسی بھی صحابی کے، ہم قطعاً یہ بے غیرتی برداشت نہیں کریں گے کہ اس کے ساتھ اشتراک کریں، ہمارا سینہ یہ بے غیرتی برداشت نہیں کرتا۔''

چونکہ یہ صفحہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے مضمون سے مسلسل تھا تو پڑھنے والوں نے اسے حضرت علیہ الرحمۃ ہی کی تحریر سمجھا، جبکہ یہ الفاظ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے نہ تھے، جب یہ رسالہ تقسیم ہوا تو ان الفاظ پر کچھ حساس طبیعت کے لوگوں نے نقطہ اعتراض اٹھایا۔ چنانچہ کلورکوٹ ضلع بھکر سے حضرت قاری سراج الدین صاحب کا چھوی نے مختلف علماء ومفتیان کرام کے پاس ایک استفتاء ارسال کیا تھا۔جس میں ان سوالات کا جواب طلب کیا گیا تھا۔

① ایک رسالہ ''تحریک خدام اہل سنت والجماعت کی دعوت'' منظر عام پر آیا ہے جس کے مصنف

حضرت مولانا قاضی صاحب مظہر حسین صاحب، امیر تحریک ہیں۔ اس سے پیدا ہونے والے بعض اشکالات کا جواب مطلوب ہے، اور شرعی حیثیت سے اس کا جواب درکار ہے۔

(۲) کیا مدینہ منورہ میں حضور اقدس ﷺ کا یہود سے کیا گیا معاہدہ مشعلِ راہ بن سکتا ہے؟

(۳) کیا مجلس عمل تحفظ ختم نبوت اور متحدہ جمہوری محاذ میں شامل ہونے والے اہل سنت والجماعت علماء کرام، مشائخ عظام، طلبہ اور عام لوگ منافق ہیں؟

(۴) کیا منبروں پر کسی شیعہ یا مودودی کا ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کرنا شرعاً ممنوع ہے؟ اگر ایسا ہے تو مندرجہ ذیل اتحادات کیسے تھے۔ مثلاً حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور آپ کے متوسلین کا مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد، جس کے بانی مسٹر محمد علی جناح اور راجہ محمود آباد ہر دو شیعہ تھے۔

علاوہ ازیں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے محمد علی کی نمازِ جنازہ پڑھائی، ان کی بہن فاطمہ جناح کی نمازِ جنازہ مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے پڑھائی، کیا یہ حضرات منافق اور بے غیر تھے؟ ۱۹۳۶ء میں جمعیت علماءِ ہند نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی قیادت میں مسلم لیگ سے اتحاد کیا تھا، کیا وہ اتحاد بے غیرتی پر مبنی تھا؟ العیاذ باللہ۔ ۱۹۵۱ء میں اکتیس علماء جن میں شیعہ اور مودودی صاحب بھی تھے، نے بائیس نکاتی دستور مرتب کیا تھا، تو کیا وہ اتحاد منافقت اور بے غیرتی پر مبنی تھا، جیسا کہ پمفلٹ میں ایسے الفاظ لکھے گئے ہیں؟ ۱۹۵۳ء میں مرزائیت کے خلاف مجلس عمل کی تشکیل عمل میں آئی جس میں حضرت لاہوری رحمہ اللہ بھی شامل تھے جو مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ کے بھی پیر و مرشد تھے، کیا وہ اتحاد بھی موجب بے غیرتی تھا، العیاذ باللہ۔ ۱۹۷۰ء میں جمعیت علماء اسلام نے جو منشور شائع کیا تھا اس میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب اور مولانا عبداللطیف صاحب بھی شامل تھے، منشور کی اشاعت بھی یہ حضرات کرتے رہے، حضرت قاضی صاحب نے اس کا پیش لفظ بھی لکھا، اکتیس علماء کے بائیس نکات کی حمایت بھی کی، کیا خود قاضی صاحب اور مولانا جہلمی نے منافقت اور بے غیرتی کا ارتکاب کیا ہے؟ العیاذ باللہ۔

اسی طرح بتایا جائے کہ اگر کوئی شیخ منافقت اور بے غیرتی کا ارتکاب کرتا ہے اور حدیث شریف کی خلاف ورزی کرتا ہے تو ایسے شیخ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور خلیفہ مُجاز کی حیثیت کیا ہے؟ اور جو شخص کسی مسلمان پر ان الفاظ کا استعمال کرتا ہے جبکہ وہ عائد کردہ الزامات کا مرتکب ہی نہیں ہوتا تو الزام لگانے والا خود کیا ہوتا ہے؟ کیا مولانا عبید اللہ انور نے مولانا مظہر علی اظہر کی نماز پڑھا کر بے غیرتی اور منافقت کا کردار ادا کیا؟ میں مدرس قسم کا ایک طالب علم ہوں اور اس معاملہ میں پریشان ہوں امید ہے کہ جواب

سے مطمئن فرمائیں گے[1]۔

اس خط کی نقول مختلف علماء کرام کو ارسال کی گئیں تھیں، چنانچہ جب حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے پاس یہ خط آیا تو آپ نے نہایت ذمہ دارانہ کردار ادا کرتے ہوئے بجائے خود کچھ لکھنے کے، مذکورہ خط قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال فرما دیا کہ ان باتوں کا جواب آپ سے بہتر کوئی بھی نہیں دے سکتا، استفتاء کی حد تک تو مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا مگر اس کی تفصیلات کے لیے بذریعہ مولانا مفتی شیر محمد علوی چکوال رابطہ کیا گیا۔ چنانچہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس کا جواب لکھا جو پیش خدمت ہے۔

''مکرمی حضرت مفتی صاحب دام فیوضہم

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ، طالب خیر بخیر ہے۔ قاری شیر محمد صاحب کے ذریعہ استفتاء کی نقل ملی، جس کے متعلق معروضات حسب ذیل ہیں:

① میرے مطبوعہ رسالہ ''تحریک خدام اہل سنت والجماعت کی دعوت'' سے جو عبارت صفحہ نمبر ۱۴ تا ۱۶ کی قابل اعتراض سمجھی گئی ہے وہ میری نہیں اور نہ ہی میری اجازت سے لکھی گئی ہے، بلکہ میں نے اس تحریر پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ میری تحریر تو اس کتابچہ میں صرف صفحہ نمبر ۱۳ تک ہے جس کے آگے تاریخ تحریر ۲۱، رجب المرجب ۱۳۸۹ھ کے ساتھ میرا نام بھی لکھا ہوا ہے اس رسالے کے پہلے بھی دو اڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن میں صفحہ نمبر ۱۳ تک کی تحریر ہے۔ اور جو عبارت متنازع سمجھی گئی ہے وہ تیسرے اڈیشن کی ہے اور یہی محل نزاع ہے، دراصل یہ ایک جماعتی کارکن نے بلا میری اجازت اور مشورہ کے درج کی ہے۔ جس کو رسالہ چھپوانے کے لیے بھیجا گیا تھا، میری جانب سے جواب طلبی پر انہوں نے عذر پیش کیا کہ رسالہ کے یہ صفحات خالی رہ گئے تھے تو اسی لیے میں نے یہ تحریر درج کر دی ہے۔ بعد ازاں میں نے اپنے دفتر میں تاکید کر دی کہ مذکورہ تحریر پر سیاہی پھیر کر آگے تقسیم کیا جائے۔ لہٰذا استفتاء میں جو عبارت میری طرف منسوب کر کے اعتراض کیا گیا ہے، وہ بے بنیاد ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ ص ۱۳ تا ص ۱۴ کو بالکل حذف کر کے اس کی جگہ دوسری تحریر چھپوا کر رسالہ کی اشاعت کی جائے گی لیکن دوسری مصروفیات کی بناء پر یہ کام نہ ہو سکا۔ اور ہمارے مخالفین نے اس تحریر کی بنیاد پر اکابرین جمعیت سے

[1] سراج الدین کا چھوی، قاری (کلور کوٹ بھکر) رمکتوب بنام علماء پاکستان (غیر مطبوعہ) ۱۳۹۵ھ (تاریخ درج نہیں ہے)

خدام اہل سنت کے خلاف تقریریں کروائیں، اور مخالفت کا ایک محاذ کھول دیا گیا اور اب آخری صورت میں استفتاء اور فتاویٰ کی تجویز اختیار کی گئی ہے۔

② یہ امر اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ ہم نے ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں شیعوں اور مودودیوں سے اشتراک و اتحاد قبول نہیں کیا تھا اور اس معاملہ میں مرکزی مجلس عمل سے ہمارا اختلاف رہا، اور ہمارے عدم اتحاد کی وجہ سے ہم پر مرزائی نواز تک ہونے کی تہمتیں لگیں، الزامات عائد کئے گئے تھے۔ لیکن ہم اس سے متاثر نہیں ہوئے اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنے موقف پر قائم رہے۔

③ ہمارے نزدیک شیعہ فرقہ مرزائیوں سے زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ مرزائیوں نے حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد صرف ایک نبی یعنی مرزا قادیانی دجال کو تجویز کیا ہے۔ لیکن شیعہ امت محمدیہ میں ان بارہ اماموں کے قائل ہیں جن کو وہ معصوم مانتے ہیں اور ان کو تمام انبیائے سابقین علیہم السلام سے افضل مانتے ہیں[1] اور امامت ان کے نزدیک مثل منصب نبوت کے ہے بلکہ نبوت سے افضل ہے اور توحید و رسالت کی طرح ان کے ہاں عقیدہ امامت دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے، اور یہ ان کی لاتعداد واساسی کتابوں میں موجود ہیں۔

④ میرے والد ماجد ذی قدر حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی ردِ شیعہ میں بے مثل تصنیف ''آفتاب ہدایت'' کے جواب میں انجمن حیدری چکوال نے اپنے ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو، سابق پرنسپل شیعہ دارالعلوم محمدیہ سرگودھا کی کتاب ''تجلیاتِ صداقت'' شائع کی ہے، جس میں مذکورہ شیعہ مصنف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کی شان میں توہین و گستاخی کی انتہا کر دی ہے (اس کی عبارت کا نمونہ درج کیا جا رہا ہے) اور یہ شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو مجلس عمل تحفظ ختم نبوت میں بھی شامل تھا، اور اس دوران اس نے امام باڑہ مہاجرین میں ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کی تھی جو میں نے خود سنی، اس تقریر میں اس نے یہ بھی کہا تھا کہ علماء شیعہ نے اتحاد میں شامل ہو

---

[1] البتہ یہ فرق ملحوظ رہے کہ مرزائی جس کو نبی مانتے ہیں اس نے خود بھی دعویٔ نبوت کیا تھا، اور جن کو اہل تشیع انبیاء کا درجہ در پردۂ امامت دیتے ہیں، حاشا کلا کہ کبھی ان کو اس دعوی کا واہمہ بھی ہوا ہو، وہ پاکانِ امت اور خاندان رسول ﷺ کے چشمہ ہائے نور تھے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے بھی بعض دوسری تحاریر میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے، اس لیے یہاں بھی توضیحی حاشیہ درج کر دیا گیا ہے۔ سلفی

کر بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا ہے اور خدا کرے کہ یہ اتحاد نہ صرف مسئلہ مرزائیت کے حل ہونے تک بلکہ قیامت تک قائم وباقی رہے اور یہ گندی کتاب بھی اس نے انہی دنوں میں شائع کی ہے۔

⑤ موجودہ شیعہ اخبارات اور رسائل خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف حسب موقع زہرافشانی کرتے رہتے ہیں اور سنی شیعہ اتحاد کے بھی علمبردار بنتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ہفت روزہ ''اسد'' لاہور کے ایک تازہ پرچہ مجریہ ۱۸/اپریل ۱۹۷۵ء کے اداریہ کا عنوان یہ ہے ''شورش کا بے ہنگم شور وشر'' اس میں ہفت روزہ ''چٹان'' کے ایک مضمون ''قومی ذہن کی تعمیر'' کی تردید کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ ہم مدیر محترم ''چٹان'' کے مندرجہ بالا خیالات کا تجزیہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، انہوں نے فرمایا ہے کہ حقیقی اسلام وہی ہے جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔ مدیر چٹان نے اہل بیت کو نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ کسی تحریک یا پیغام کو بانی تحریک کے گھر والے جس حسن وخوبی سے پیش کر سکتے ہیں، وہ کوئی غیر پیش نہیں کر سکتا۔ پھر اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے اور معصوم کے اقوال و کردار پہ کسی غیر معصوم کے قول وفعل کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ مدیر محترم چٹان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقی اسلام اور سنت نبوی وہی ہے جو آئمہ معصومین علیہم السلام کے ذریعہ ہم تک پہنچی۔ مدیر چٹان کو اپنے اس نظریئے پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ ''حقیقی اسلام وہ ہے جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے''۔ یہ ہے شیعہ ذہنیت، شورش ہمیشہ شیعوں کے حق میں لکھتا رہا، لیکن اب وہ موردِ عتاب بن گیا ہے، حالانکہ مضمون بھی شورش کا اپنا نہیں، کسی اور کا ہے۔ عرض یہ ہے کہ شیعہ تو کسی کے بھی نہیں، وہ مصلحتاً ہر طرح کا کام نکال لیتے ہیں۔ لیکن جب ان کے مذہب پر کوئی زد پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ کاش ہمارے علماء حضرات فتنہ شیعیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ یہ سبائی تحریک تو اسلام کی بنیاد کو برباد کرنے کے لیے چلائی گئی ہے اور آج بھی ان کے یہی عزائم ہیں۔ العیاذ باللہ!

⑥ شیعوں کا کلمہ اسلام۔ اور اب تو شیعوں نے اپنے کلمہ کا ہی اعلان کر دیا ہے۔ چنانچہ ۱۳/اکتوبر ۱۹۷۴ء کے اجلاس لاہور میں شیعہ نصاب کے متعلق شیعوں کے ۱۴، نمائندوں اور حکومت کے مابین سمجھوتہ ہوا تھا اس میں انہوں نے یہ منظور کرا لیا تھا کہ جدید نصاب مرتب ہونے تک ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی ایم اے، پی ایچ ڈی (شیعہ) کا نصاب دینیات نویں اور دسویں کلاس کے شیعہ طلبہ کو پڑھایا جائے گا۔ اس منظور شدہ نصاب کے دینیات (حصہ اول) میں بعنوان ''کلمہ'' یہ لکھا ہوا ہے۔

''اسلام کی اچھی اور نیک برادری میں شامل ہونا بہت آسان ہے پس جو آدمی یہ مان لے ① ہمارا

پیدا کرنے والا، ہمیں پالنے والا، ہمیں روزی دینے والا اور ہمارا مالک اللہ ہے۔ ② ہمارے مالک کے احکام ہمیں اس کے اچھے اور نیک بندے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے پہنچائے ہیں۔ ③ ہمیں اسلام کی سچی راہ پر قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو امام مقرر کیے ہیں، ان میں سب سے پہلے امام حضرت علی علیہ السلام ہیں، وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ ان باتوں کا اقرار کرنا اسلام کی برادری میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے۔ یہ اقرار عربی زبان میں کیا جاتا ہے، عربی زبان میں اس اقرار کو ''کلمہ'' کہتے ہیں۔ اور کلمہ یہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔ (صفحہ ۲۱/۲۰)

عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ میں ولایت بحق امامت ہے۔ جیسا کہ مصنف نے پہلے تصریح کردی ہے کہ پہلے امام حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ اس کلمہ اسلام کے تحت ہر وہ شخص اسلام سے خارج ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پہلا امام نہیں مانتا اور کلمہ اسلام میں اس کا اقرار نہیں کرتا۔ اس لیے مرزائیوں کی مخالفت اور شیعوں سے اتحاد کی پالیسی بہت تعجب خیز ہے۔ حالانکہ قادیانیوں نے بظاہر کلمہ اسلام میں تبدیلی نہیں کی ہے۔ اور باوجود اس کہ جو شیعہ فرقہ کے لوگ اہل سنت کو مسلمان کہہ دیا کرتے ہیں اور شیعہ سنی اتحادِ اسلامی کے علمبردار بنتے ہیں تو اس میں ان کا تقیہ کارفرما ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ صرف دعوئ اسلام کی وجہ سے مسلمان کا لفظ غیر شیعہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

⑦ **تکفیر شیعہ:** محقق اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''پیشتر میں بھی شیعوں کو اسلامی فرقوں میں سمجھتا تھا اور وجہ اس کی محض یہ تھی کہ مذہب شیعہ سے پوری واقفیت نہ تھی، اگرچہ اپنے معاصرین کی نسبت پھر بھی بہت زیادہ تھی۔ جب قرآن شریف کے متعلق شیعوں کا عقیدہ معلوم ہوا تو اس وقت میں نے اپنے خیالِ سابق سے رجوع کرلیا۔ شیعوں کے اور عقائد تو جیسے ہیں ہی مگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا استثناء کاذب اور گنتی کے تین چار کو مستثنیٰ کرکے باقی سب کو مرتد کہنا ایک ایسے فسادِ عظیم کی بنیاد ہے کہ اس عقیدہ کا رکھنے والا یقیناً اسلام کے دشمن کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا پھر اس پر بھی قناعت نہ کرکے قرآن مجید کو محرف کہا اور اس میں پانچ قسم کی تحریف کی زائد از دو ہزار روایات تصنیف کرنا قطعاً کفر صریح ہے۔ علمائے سابقین میں بعض حضرات نے شیعوں کو اہل کتاب کے حکم میں داخل کیا ہے۔ یعنی ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی لڑکی لینا جائز ہے۔ لیکن یہ فتویٰ بھی مذہب شیعہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ عقیدہ تحریف کے معلوم ہونے کے بعد ہرگز کسی طرح ان کے ذبیحہ کو حلال نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان کی لڑکی لینا جائز ہوسکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس

مسئلہ پر تمام علمائے ہندوستان غور فرما کر متفقہ فتویٰ شائع کریں کیونکہ شیعوں کو مسلمان سمجھنے سے بڑی مضرتیں دین الٰہی کو پہنچ رہی ہیں۔ (النجم لکھنؤ، ۷ رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ)

⑧ خدام اہل سنت کا موقف۔ ہماری تحریک خدام اہل سنت کی بنیاد چونکہ تحفظ مقامِ صحابہ اور رد شیعیت ہے اور ہم نے اہل سنت کو سبائیت کے اس خطرناک فتنے سے بچانا ہے اس لیے ان کے عقائد سے مطلع ہونے اور ملک میں ان کی تحریر و تقریر اور تنظیم سے شیعیت جتنی مضبوط ہو چکی ہے۔ اس کے پیش نظر ہونے کے باوجود ہم کسی طرح یہ قبول نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے ساتھ اس طرح کا اتحاد کیا جائے، زیادہ سے زیادہ اس اتحاد کی وجہ سنی علماء کے نزدیک یہ ہو سکتی تھی کہ یہ اضطراری صورت ہے۔ مرزائیت کا مقابلہ کرنے کے لیے شیعوں کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔ اور **اھون البلیتین** کی حیثیت سے اس کو برداشت کیا جا رہا ہے (گو ہم اس کی اضطراری صورت تسلیم نہیں کرتے کیونکہ شیعہ خود ختم نبوت کے منکر ہیں اور اسلام کے خطرناک دشمن ہیں) اس اتحاد کو بقدر ضرورت رکھا جاتا اور مرزائیوں کو آئین میں غیر مسلم قرار دینے کے بعد اس اتحاد کو ختم کر دیا جاتا۔ لیکن اب تو اس کو مستقل پالیسی بنا دیا گیا ہے۔ اور اب نفاذ شریعت کے نفاذ کے لیے بھی شیعوں سے اتحاد کو ضروری قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ شیعہ فرقہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نظامِ خلافت کو اپنی زبان میں نظامِ باطل قرار دیتا ہے۔ تو پھر کس نظامِ شریعت کے نفاذ کے لیے ان کو شریک کیا جا رہا ہے؟ شیعہ تو اپنی اذانوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلیفہ بلافصل کا اعلان کر کے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو چیلنج کرتے پھر رہے ہیں اور ہم ان کو ہی نظامِ خلافتِ راشدہ کے نفاذ میں معاون بنانا چاہتے ہیں۔ یہی حال مودودی جماعت کا بھی ہے، جب ان کے نزدیک حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ میں بھی ملوکیت کی آمیزش ہے تو پھر وہ کس نظامِ شریعت میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ حضرت مدنی علیہ الرحمۃ نے مودودیت کے عظیم فتنہ کو سمجھتے ہوئے یہاں تک فرما دیا تھا کہ اس کے ساتھ مل کر کام کرنا اور تعاون کرنا درست نہیں ہے۔ اس جماعت کی کوششیں اسلام کے لیے نہیں جو کہ حقیقی ہیں۔ بلکہ ایک نام نہاد مودودی صاحب کے اختراعی پروگرام کا حصہ ہے۔

⑨ **جمعیت علماء اسلام کا اسلامی منشور۔** الیکشن میں حصہ لینے کے لیے جب جمعیت علماء اسلام نے اسلامی منشور شائع کیا تھا جس میں صدرِ مملکت کے لیے یہ شرط رکھی گئی کہ وہ سنی ہو چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ صدر مملکت کا مسلمان ہونا اور پاکستان کی ۹۸ فیصد مسلمان اکثریت کا ہم مسلک ہونا ضروری ہے۔ اور ما انا علیہ واصحابی کے تحت منشور میں جو مسلمان کی قانونی تعریف کی گئی ہے اس کا مصداق صرف اہل

السنۃ والجماعۃ ہی ہوسکتے ہیں۔تو باوجود اس کے اسلامی منشور کے ضمیمہ میں ان ۲۲ اسلامی نکات کو دستورِ پاکستان کی اساس بنانے کے لیے تجویز کیا گیا ہے جو مختلف فرقوں کے ۳۱ علماء نے پاس کئے تھے جن میں شیعہ علماء بھی تھے۔تو اب شیعوں کو اسلامی فرقہ شمار کرنے کا جواب صرف میرے ہی ذمہ نہیں ہے بلکہ تمام اکابر جمعیت علماء اسلام کے ذمہ ہے جنہوں نے اسلامی منشور پاس کیا تھا،اور میرا نام تو اس منشور کو پاس کرتے وقت رکن شوریٰ ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اعتماداً درج فرما دیا تھا وگرنہ میں اس وقت اجلاس میں موجود نہیں تھا۔

⑩ **حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اتحاد:** حضرت مدنی رحمہ اللہ نے شیعوں سے کبھی اتحاد نہیں کیا تھا بلکہ شیعوں کے خلاف مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریک کی قیادت فرمائی تھی اور دارالعلوم دیوبند سے رضا کاروں کا ایک دستہ لے کر گرفتاری دینے کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے تھے۔اور کئی ایک مدلل مضامین بھی لکھے تھے جو مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم میں بھی شائع ہو چکے ہیں،ان میں ایک جگہ آپ رحمہ اللہ نے لکھا علاوہ ازیں جس جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ صرف بدظنی پھیلائی جاتی ہو بلکہ **اشھد ان علیا ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل** بہ آواز بلند کہا جاتا ہو،نیز امام باڑوں،مجلس خاصہ اور خصوصی مجلس میں ان کے خلاف جھوٹے اور غلط اہانت آمیز واقعات منسوب کیے جاتے اور عوام سینوں کا شریک ہونا،سننا اور غلطی میں پڑنا ممکن ہو تو سنیوں کی اصلاح اور تحفظ عقائد کے لیے ایسی مجالس کا منعقد کرنا جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صحیح واقعات ذکر کیے جاتے ہوں،اور ان کی ثناء وصفت کی جاتی ہو،واجب ہے۔

⑪ **جنازہ:** علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بانی پاکستان کی نمازِ جنازہ پڑھائی،اور ممکن ہے کہ حضرت اس کو شیعہ نہ سمجھتے ہوں،اور فاطمہ جناح کے شیعہ ہونے یا نہ ہونے کے بارہ میں وراثت کے سلسلہ میں مقدمہ بھی دائر ہو چکا ہے۔جس میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اس کے شیعہ ہونے سے غالباً لاعلمی کا اظہار کیا ہے،بہر حال اکابر دیوبند اگر شیعوں کا جنازہ جائز سمجھتے تو اس کی متعدد مثالیں موجود ہوتیں لیکن فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مذکورہ فتاویٰ سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ حضرات تبرائی شیعہ کو کافر سمجھتے تھے،اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ان کو مرتد قرار دیتے تھے اور جمہور فقہاء بھی ان کی تکفیر کے قائل ہیں۔تو پھر مولانا عبید اللہ صاحب انور کا ایک شیعہ کی نماز جنازہ پڑھانا ہمارے لیے کیونکر سند ہوسکتا ہے؟اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مولانا موصوف سے کسی نے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس کو سنی سمجھ کر جنازہ پڑھایا ہے۔واللہ اعلم۔اور غلط فہمی کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مظہر علی اظہر

نے شیعوں کے تبرا ایجی ٹیشن کی مخالفت کی تھی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح بھی کیا کرتا تھا، لیکن یہ اس وقت کے حالات ہیں جب وہ مجلس احرار کے اسٹیج پر تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے اس وقت بھی تقیہ سے کام لیا ہو۔ اور یہ بھی پتہ چلا ہے کہ وہ بعد میں پورے شیعہ مذہب کا پابند ہو گیا تھا۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بدگوئیاں بھی کرتا تھا اور اس کا خاتمہ شیعیت پر ہوا، واللہ اعلم! بہر حال مولانا عبید اللہ صاحب انور کا مذکورہ فعل اہل سنت کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔

⑫ معاہدہ یہود: استفتاء میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ کیا مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود کے ساتھ معاہدہ مشعل راہ ہو سکتا ہے، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہودیوں کی تو کافر ہونے کی حیثیت متعین تھی۔ اور معاہدہ بھی مذہبی نہ تھا۔ جبکہ شیعوں کی حیثیت مجلس عمل والوں نے متعین نہیں کی، اسلام کے نام پر ان کا ضرر پہنچانا نہ صرف احتمال بلکہ یقینی ہے، اور اس اتحاد کا فائدہ شیعوں نے اپنے مذہب کے لیے اٹھایا ہے اور علیحدہ شیعہ نصاب کا منظور کروالینا بھی اس اتحاد کے نتائج میں سے ہی تھے، ورنہ حکومت اہل سنت کے خطرہ کے تحت اس معاملہ کو دو سال تک ٹالتی رہی۔ پھر میرا یہ سوال بھی ہے کہ غلام احمد پرویز کو مجلس میں دعوت کیوں نہیں دی گئی، جبکہ وہ بھی مرزائیوں کو کافر سمجھتا ہے؟ بلکہ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کو بھی دعوت نہیں دی گئی۔ اسی طرح جب سنی مساجد میں شیعہ غالی وسبی علماء کی تقریری کروائی گئیں اور شیعہ، سنی مسئلے کو فروعی کہا گیا تو شیعوں کا مطالبہ ماننے کے لیے حکومت کو حجت مل گئی اور اہل سنت کے خلاف ایک خطرناک تیاری فیصلہ شیعہ سنی سمجھوتے کے نام پر صادر کر دیا گیا۔ اب اتحادی علماء کیسے اس کی تردید کر سکتے ہیں؟ یہودیوں سے معاہدہ مذہبی بنیادوں پر نہ تھا جبکہ شیعوں سے معاہدہ مسئلہ ختم نبوت جیسے مسئلہ پر اشتراک کی صورت میں ہے، حالانکہ شیعہ تو خود ختم نبوت کے منکر ہیں اور عقیدۂ امامت کی بناء پر وہ مرزائیوں سے کہیں زیادہ منصب ختم نبوت کو نقصان پہنچانے والے ہیں جیسا کہ ان کے عقائد سے ظاہر ہوتا ہے، اب جبکہ آئین پاکستان کی رو سے حالیہ دنوں میں لاہوری وربوی مرزائیوں کو کافر قرار دے دیا گیا ہے تو معاہدہ یہود علماء حق کے لیے اس امر میں مشعلِ راہ نہیں ہو سکتا، کیا علماء مجلس عمل گوارا کریں گے کہ ملکی وسیاسی نظم واتحاد کے لیے مرزائیوں کو بھی شامل اتحاد کیا جائے؟ اگر نہیں تو معاہدہ یہود کا حوالہ کیسے دیا جا رہا ہے؟ کسی بھی اشتراک کے لیے نفسِ جواز نکالنا تو بڑا آسان ہوتا ہے مگر قابل لحاظ یہ امر ہوتا ہے، اور ہونا چاہیے کہ اس کے نتائج کیا نکلیں گے؟ اور شیعہ فتنہ جس طرح اہل سنت کو ہضم کر رہا ہے۔ اس اتحاد کے بعد اہل سنت اور عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تحفظ کی کیا صورت ہو گی؟ اگر میری جماعت ”تحریک

خدام اہل سنت'' بھی روافض سے یوں جماعتی اتحاد کر لے تو اس تحریک کا جو مقصودِ اصلی ہے، کیا اس کی بنیاد ہم خود اپنے ہاتھوں سے ہی انہیں اکھاڑ دیں گے؟ دراصل عموماً دیوبندی علماء ہی شیعیت کے عظیم تاریخی فتنہ سے ناواقف ہیں، اور گر واقف ہیں تو بالکل غافل ہیں، ورنہ ہمیں شیعوں اور مودودیوں کے ساتھ عدم اتحاد کی وجہ سے مجرم قرار نہ دیا جاتا۔

جناب محترم حضرت مفتی صاحب، عموماً اہل سنت کے لیے اور خصوصاً ہم خدامِ اہل سنت کے لیے دعا فرماتے رہیں، ہم نے تو اس تحریک کی معمولی نقل وحرکت کے مفید نتائج دیکھ لیے ہیں۔ صرف چکوال کے واقعہ نے ہی اہل سنت کو مکمل طور پر بیدار کر دیا ہے۔ ہمارے علاقہ میں تو نصرت الٰہی سے کئی شیعہ، سنی ہو رہے ہیں۔ اور ایک مشہور شیعہ جو بدمعاشوں کا سرغنہ تھا، وہ الحمدللہ سنی ہو گیا ہے۔ اور اب گاؤں میں اس نے ہماری جماعت کا جلسہ کروایا ہے، جہاں شیعوں کی طاقت کی وجہ سے کبھی جلسہ نہیں ہوا تھا اور نہ کوئی اس کا تصور کر سکتا تھا، اور جلسہ کے بعد اس کے بعض عزیز بھی سنی ہو گئے۔ نیز دوسرے دیہاتوں میں بھی اہل سنت مضبوط ہو رہے ہیں۔ وما النصر الا من عند اللہ، خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ۔[1]

مرکزی مجلس عمل میں عدمِ شمولیّت کے حوالہ سے قائد اہل سنتؒ کا ایک اور خط

محمد طاہر منصور صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب میں قائد اہل سنتؒ فرماتے ہیں:

''برادرم محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ نے مجلس عمل ختم نبوت میں شامل ہونے کے متعلق استفسار کیا ہے۔ سانحہ ربوہ کے ردعمل میں پاکستان کے تمام طبقوں کا یہ متفقہ مطالبہ ہو چکا ہے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقرار دیا جائے اور حکومت بھی اس مطالبہ کی حامی ہے اور ملک میں کئی مقامات پر مرزائی توبہ بھی کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ امید ہے کہ جلد ہی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے گا۔ مرزائیوں کے خلاف چکوال میں خدام اہل سنت کی قیادت میں ایک عظیم الشان پُرامن جلوس نکلا ہے۔ خدام اہل سنت کے نزدیک ہر مسئلہ کا حل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے تحفظ کی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہم مرکزی مجلس عمل کی تشکیل سے اختلاف رکھتے ہیں جس میں مشہور شیعہ مناظر مولوی محمد اسمٰعیل کو بھی شامل کر لیا گیا ہے حالانکہ یہ شیعہ مناظر بہت زیادہ غالی اور سبّی رافضی ہے اس کا مشن ہی خلفاء وصحابہ کرامؓ کے خلاف بغض وعناد پھیلانا ہے۔ ہم ایسے دشمن صحابہؓ کی شمولیت کو مسئلہ ختم نبوت کا حل نہیں سمجھتے بلکہ اس امر کو اللہ تعالیٰ اور حضور رحمت اللعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب قرار

---

[1] مکتوب قائد اہل سنت بنام مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ رمحررہ ۱۳، ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ از مدنی جامع مسجد رچکوال۔

دیتے ہیں۔ چکوال میں تو مجلس عمل مودودیوں نے برائے نام بنائی ہے۔ جہلم کی مجلس عمل میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب اسی بناء پر شامل نہیں ہوئے کہ اس میں مودودیوں اور رافضیوں کو شامل کیا گیا ہے ہم اس قسم کی رواداری کے قائل نہیں ہیں جس کے نتیجہ میں اہل سنت کو نقصان پہنچے اور دشمنان صحابہ کرامؓ کے لیے ترقی کرنے کا میدان کھل جائے۔ صوفی محمد شریف صاحب اور دیگر احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ والسلام

خادم اہل سنت [۱]

مجلس عمل میں شمولیت نہ کرنے کی بناء پر تہمتوں کا سامنا اور حضرت جہلمی رحمہ اللہ کی مثالی استقامت

سمندر کی موجوں میں الٹا تیرنا، لکھنے کی حد تک تو آسان ہے مگر عملاً سو فیصد ناممکن ہے اور اسے ممکنات میں تبھی شمار کیا جا سکتا ہے، جب اللہ تعالیٰ اپنے آسمانی نظام کے تحت خارقِ عادت فیصلہ فرما دیں۔ بصورتِ دیگر زمینی حقائق کے تحت تو لائق سماعت بھی نہیں ہے، بعینہ یہی حالات ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں تھے جب چاروں صوبوں کے عوام دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ نیز باعمل و بے عمل، مذہبی و نیم مذہبی، اشتراکی و غیر اشتراکی سب کے سب کسی نہ کسی درجہ میں مجلس عمل کا حصہ تھے، پورے پاکستان میں ایک شخصیت حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی تھی کہ جنھوں نے مرزائیوں کے خلاف جلسے بھی کیے، جلوس بھی نکالے اور یہ مطالبہ بھی اپنے زوروں پر رکھا کہ مرزائیوں کو آئین کی رُو سے کافر قرار دیا جائے، مگر یہ سب کچھ اپنی مدد آپ کے تحت تھا، مجلس عمل میں شراکت اسی لیے قبول نہ کی کہ اس میں علماء شیعہ شامل ہیں، اور جتنے مرزائی منکر ختم نبوت ہیں، اتنے ہی، بلکہ کسی قدر بڑھ کر امامیہ بھی انکار ختم نبوت میں پیش پیش ہیں۔ چنانچہ اس طوفان بلاخیز میں تہمتوں اور الزامات کا تانتا بندھ جانا ایک فطری عمل تھا۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ کو کہ وہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے شانہ بشانہ تھے اور اخلاص و وفا کی ایک ایسی داستان رقم کر دی کہ جسے درج کرتے ہوئے پتھروں کو بھی پسینہ آ جائے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں چکوال اور جہلم میں

---

[۱] مکتوب قائد اہل سنت بنام طاہر منصور مرقومہ ۲۹ جمادی الاول ۱۳۹۴ھ، از چکوال
نوٹ: محمد طاہر منصور مرحوم کلور کوٹ ضلع بھکر کے ایک تاجر تھے جو اعلیٰ علمی ذوق کے مالک اور وسیع المطالعہ تھے، قائد اہل سنتؒ سمیت ملک بھر کی مقتدر شخصیات کے ساتھ ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ سلفی

عوامی رجحانات کے لحاظ سے خاصہ فرق پایا جاتا تھا، چنانچہ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کو زیادہ تر بیرونی اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا، مگر مولانا جہلمی رحمۃ اللہ کے خلاف تو جہلم شہر میں ''مولوی عبداللطیف مرزائی نواز'' کے بڑے بڑے اشتہارات چسپاں کیے گئے، اور یہ سب کچھ کرنے والے بعض اپنے ہی ناعاقبت اندیش لوگ تھے۔ حضرت مولانا جہلمی رحمۃ اللہ کے اس زمانہ کے ایک عقیدتمند اس منظر کو یوں قلمبند کرتے ہیں:

''۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں حضرت جہلمی رحمۃ اللہ کو اپنے تمام مذہبی مخالفین کے ساتھ ساتھ بعض اپنے قدیمی اور قریبی فریب خوردہ ساتھیوں سے ''عبداللطیف مرزائی نواز'' جیسا دل شکن اور جھوٹا نعرہ سننا پڑا۔ اس جھوٹے نعرے کی تفصیل کے ساتھ ساتھ آپ کو حضرت جہلمی رحمۃ اللہ کی استقامت کا اندازہ بھی ہوگا جو اہل علم کے نزدیک کرامت سے کم نہیں ہے۔

بہرحال ۱۹۷۴ء کی اس تحریک ختم نبوت میں ملک کے دیگر حصوں کی طرح جہلم شہر میں بھی ''مجلس عمل'' تربیت دینے کا پروگرام بنا اور مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام ایک دوسرے سے رابطہ کرنے لگے، جن مکاتب فکر کے علماء کرام نے حضرت جہلمی رحمۃ اللہ سے رابطہ کیا، انہیں حضرت نے دوٹوک اور کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر رافضیوں اور مودودیوں کی مجلس عمل میں شرکت گوارا نہیں کروں گا۔ لیکن دوسرے حضرات ایک پلیٹ فارم پر نہ صرف جمع ہوئے بلکہ ایک پلیٹ میں کھانے بھی لگے، ان حالات میں حضرت جہلمی رحمۃ اللہ نے اپنے طور پر اپنے انداز میں تحریک شروع کردی، مقابلے میں حضرت جہلمی رحمۃ اللہ کے بعض قدیمی، قریبی احباب بھی فریب خوردگی کا شکار ہوکر شامل ہوگئے، اور یہ تحریک قادیانیوں کے خلاف کم اور حضرت جہلمی رحمۃ اللہ کے خلاف زیادہ زوروشور سے چلنے لگی، مذہبی مخالفین کی ذہنی پستی تو نئی نہ تھی اور نہ ان سے کسی خیر کی توقع رکھی جاسکتی تھی، مگر سالہا سال کی تعلیم وتبلیغ اور ذہن سازی کے باوجود فریب خوردہ ساتھیوں کا طرز عمل افسوسناک ہی نہیں، باعثِ شرم بھی تھا۔ انہوں نے حضرت جہلمی رحمۃ اللہ کی گزشتہ خدمات کا لحاظ کیا، نہ خوفِ آخرت کی طرف نگاہ اُٹھی اور تمام اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال کر ''عبداللطیف مرزائی نواز'' کے نعرے کی گونج میں ننگا ناچ ناچنے لگے ہر روز جلسہ وجلوس، پمفلٹ اور اشتہار بازی نے وہ سماں باندھا کہ رافضیت ومودودیت کے ساتھ ساتھ شیطان بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

ساتھیوں کی اس بے وفائی نے حضرت جہلمی رحمۃ اللہ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جس

زمین کو ہموار کرتے ہوئے میری عمر کا ایک بڑا حصہ گزر گیا اور عمدہ بیج کے ساتھ ساتھ پانی کی فراوانی کا اہتمام بھی کیا مگر فصل اُگنے کی بجائے موسمی بوٹیاں اپنی بہار دکھانے لگیں، لہٰذا اس بنجر زمین پر محنت و کوشش بے کار ہے۔ اس کا اظہار حضرت جہلمی رحمۃ اللہ نے جامعہ کے دفتر میں راقم سے یوں کیا: ''میرا جی چاہتا ہے کہ جہلم شہر کو چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں چلا جاؤں بقیہ زندگی وہی گزاروں'' راقم نے چھوٹا منہ بڑی بات پر عمل کرتے ہوئے چند جملوں پر مشتمل گزارش کچھ یوں کی کہ حضرت اللہ پاک کے ہاں جس کا جو مقام و مرتبہ ہو، اس پر آزمائش بھی اسی اعتبار سے آتی ہے۔ آپ اس شہر میں مسلمانانِ اہل سنت والجماعت کے لیے واحد سہارا ہیں۔ چند فریب خوردہ با اثر افراد کے سوا مخلص ساتھیوں کی کثیر تعداد آپ کے موقف کی پوری حامی ہے۔ یہ اتنا بڑا جامعہ اہل سنت کا قلعہ ہے۔ اگر آپ نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا دیا تو اس خاموش اکثریت اور جامعہ کا وارث کون ہوگا؟ عام حالات میں ادب و احترام اور فطری حجاب کی وجہ سے راقم اپنی معروضات تحریراً پیش کرتا تھا مگر اس دن میری زبان کھل گئی۔ حضرت درج بالا معروضات سے خاصے خوش ہوئے۔ چائے سے تواضع فرمائی اور یہ نشست برخواست ہوگئی۔ اس کے بعد مخلص احباب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور انہوں نے ان کے ساتھ اسی زبان میں بات کرنے کا فیصلہ کیا جو وہ آسانی سے سمجھ سکتے تھے۔ غیر مقلد حضرات کی مسجد میں جو جامع مسجد گنبد والی سے محض تیس گز دور تھی، میں ان کا جلسہ منعقد ہوا، ایک ''اصلی تے وڈے'' مولوی نے جب حضرت جہلمی رحمۃ اللہ کی طرف اپنی توپوں کا رخ کیا تو حضرت جہلمی رحمۃ اللہ کے مخلص احباب نے جلسہ الٹ دیا، یہ کارروائی رات کے ۱۱، بجے کے قریب ہوئی۔ جب حضرت اپنے گھر آرام کر رہے تھے۔ مگر لاؤڈ اسپیکر نے اس کارروائی کی کچھ روداد آپ تک پہنچا دی۔ ساری احتیاطی تدابیر کو نظر انداز کر کے آپ مسجد پہنچ گئے، مسجد احباب سے بھر چکی تھی۔ تو آپ نے بطور شکریہ کے چند جملے ارشاد فرمائے، جن کا مفہوم یہ تھا کہ میں سمجھ بیٹھا تھا کہ یہ بنجر زمین ہے اور گزشتہ طویل محنت رائیگاں گئی ہے مگر آج کی کارروائی نے مجھے اپنی رائے بدلنے پر مجبور کیا ہے۔ قبل ازیں مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ مخلص احباب کی اتنی خاموش اکثریت میرے نقطہ نظر کی حامی ہے۔ بہر حال میں ایک بار پھر واضح اعلان کرتا ہوں کہ میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں لیکن اپنے عقائد و نظریات سے ایک انچ تک ہلنے کو تیار

نہیں ہوں۔ چند دن بعد قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہ بھی اپنے متعلقین کے ایک بڑے قافلے کے ہمراہ چکوال سے تشریف لائے اور اپنے یار غار کی حمایت واعانت میں مومنانہ اعلان فرمایا کہ جو ہاتھ مولانا عبداللطیف جہلمی کی طرف اٹھے گا، وہ ان شاء اللہ کاٹ دیا جائے گا اور جس کسی نے ان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا وہ آنکھ نکال دی جائے گی، اس کے بعد مخالفین کے غلیظ غبارے سے گندی ہوا بڑی حد تک نکل گئی۔ البتہ فریب خوردہ احباب جن میں بعض جامعہ (حنفیہ تعلیم الاسلام) کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے، کو قائل کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں، حضرت قاضی صاحب مدظلۂ بہ نفس نفیس ان کوششوں میں شامل رہے مگر اتنی بڑی شخصیت بھی اس سیاہ دھبے کو صاف کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی جو دھبہ رافضیت ومودودیت کے پہلو میں بیٹھنے سے ان حضرات کے دل پر نقش ہو گیا تھا۔"[1]

میاں محمد یسین وٹو ایڈووکیٹ کے نام قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا ایک مکتوب

انہی ایام میں جب کہ ملک بھر میں مجلس عمل کے تحت مرزائیت کے خلاف زوروشور سے تحریک چل رہی تھی۔ چکوال کے اہل تشیع، کچھ نادان بریلوی اور کچھ حاسد دیوبندی اور کچھ کند ذہن اہل حدیث حضرات، قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے خلاف اپنی اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے ایک ہی پانی کے جوہڑ میں ٹرٹرانے لگے۔ جب کفر، نادانی، حسد اور کند ذہن کا ملغوبہ تیار ہوجائے تو اس کے تعفن کا انداز کسے ہوسکتا ہے؟ چنانچہ مدنی جامع مسجد والی گلی سے شیعوں کے سالانہ دو جلوسوں کا تنازعہ کم وبیش ہر سال ہی رہتا تھا، علاوہ ازیں ۱۹۶۸ء میں چکوال کے ایک مسلک بریلوی کے عالم مولانا زبیر شاہ صاحب مرحوم نے اپنی جبلت سے مجبور ہوکر اکابرین دیوبند کے خلاف طعن وتشنیع کا بازار گرم کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے شہر کی فضاء خاصی مکدر تھی، مسلمانانِ شہر مولانا زبیر شاہ صاحب کی متشددانہ تقریروں سے بہت تنگ تھے، مگر قائد اہل سنت رحمہ اللہ اپنی حکمت وبصیرت کے ساتھ انہیں برداشت کرتے ہوئے عوام کو صبر کی تلقین فرماتے تھے تاکہ اہل سنت کے باہمی رسہ کشی سے اہل تشیع کو فساد کرنے کا موقع نہ ملے۔ مگر مولانا زبیر شاہ صاحب اس قسم کے مصالح اور حکمتوں کے اپنی عقل کی طرح دشمن تھے، تا آنکہ ایک رات انہوں نے مدنی جامع مسجد سے متصل ایک جلسہ میں علماء حق پر اس قدر کیچڑ اچھالا کہ عوام اہل سنت کے لیے ناقابل برداشت

---

[1] نورمحمد، حاجی رکردار وگفتار کے غازی رمولانا عبداللطیف جہلمی نمبر، جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء رصفحہ نمبر ۲۰۳ تا ۲۰۶ رماہ نامہ حق چاریار لاہور۔

ہوگیا، چنانچہ جلسہ ختم ہونے کے بعد جب وہ فاتحانہ انداز میں خراماں خراماں اپنے دولت کدہ کی طرف تشریف لے جارہے تھے تو کچھ نامعلوم افراد نے ڈنڈوں اور لاٹھیوں کے ساتھ اُن کا اکرام کرڈالا، شاہ صاحب مرحوم کے لیے اچانک یہ ضیافت بالکل غیر متوقع تھی اور شاید ان کے خیالِ شریف میں نہ تھا کہ زبان کی بے احتیاطیوں کا خمیازہ بدنِ حزیں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ بہرحال شاہ صاحب اچھے خاصے زخمی ہوگئے۔ اگلے دن قائد اہل سنت رحمہ اللہ اور آپ کے رفقاء پر مقدمہ دائر کروادیا گیا، یہ مقدمہ دفعہ ۳۰۷ کے تحت چلا گیا تھا، اور لطف یہ کہ مجروح و مغموم حضرت شاہ صاحب نے اپنی وکالت کے لیے ایک غالی و تبرائی وکیل کا انتخاب کیا، تاکہ وہ اپنے مذہبی جنون کے سہارے قائدِ اہل سنت کے خلاف مقدمہ لڑ سکے۔ اس مقدمہ میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ اور آپ کے رفقاء کو عدالت سے بری کردیا گیا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ اس مقدمہ میں مولانا زبیر شاہ کی طرف سے ایک رافضی وکیل تھا اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی جانب سے میاں محمد یٰسین وٹو ایڈووکیٹ تھے، شیعہ وکیل نے عدالت میں جرح کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ قاضی مظہر حسین صاحب کے اپنے بیگانے سبھی مخالف ہیں، ایک ہمارا تعزیہ و تابوت والے جلوس ہی کی کیا، انہوں نے تو مولانا زبیر شاہ کی بھی پٹائی کروادی تھی، اور ۷۴ء والی تحریک میں جبکہ سنی و شیعہ سارے اس میں شریک تھے، قاضی صاحب اور ان کے جہلم والے دوست مولانا عبداللطیف صاحب کا قبلہ بالکل الگ تھا گویا یہ کسی اتحادی یا اشتراکی نظم کو برداشت نہیں کرتے، قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے وکیل صاحب کو ان تمام حالات کی کارگزاری لکھ کر روانہ فرمائی، یادرہے کہ شیعہ وکیل نے یہ بھی کہا تھا کہ قاضی صاحب نے اپنی جوانی کے ایام میں اپنے گاؤں میں ایک بندہ بھی قتل کردیا تھا (جس کی تفصیل اس کتاب میں اپنے موقع پر گزر آئی ہے) اور ان کے بھائی غازی منظور حسین نے بھی ایس ڈی او کو قتل کردیا تھا، وغیرہ وغیرہ! تو حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے وکیل صاحب کو جو تفصیلی خط لکھا تھا اس کے چند اہم اقتباسات پر غور کرنے سے بھی اندازہ ہوسکے گا کہ ۷۴ء والی تحریک میں عدم شمولیت نے کہاں کہاں سے مخالفتوں کے طوفان اٹھائے اور قائد اہل سنت کو اپنے اصولوں کی پابندی کرنے میں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محترم جناب میاں صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ طالب خیر بخیر ہے۔ ۲ جون کو ایڈووکیٹ جنرل (شیعہ) نے جو میرے خلاف بحث کی ہے اس کا علم ہوا، غالباً کل پانچ کو آپ نے بھی بحث کرنا ہوگی اس لیے جوابی کوائف حسب ذیل ہیں:

① ۱۹۴۱ء میں اپنے گاؤں میں جو تصادم ہوا تھا وہ آدمی مضروب ہو کر ہسپتال میں فوت ہوا تھا اور وہ دوسرے گاؤں کا مشہور آدمی تھا۔ جس کو فریقِ مخالف اپنی مدد کے لیے لائے تھے۔ اور میں نے اپنے دفاع میں اسے مارا تھا جس سے وہ مضروب ہو گیا تھا، پھر اسی دوران میرے بڑے بھائی نے ایس ڈی او کھیم چند کو قتل کر دیا تو یہ مقدمہ طویل اور تاریخی شکل اختیار کر گیا تھا، جس کی وجہ سے ہم چار افراد کو بیس بیس سال کی سزا ہوئی تھی اور بندہ اس قید سے ۱۹۴۹ء میں رہا ہوا تھا، یہ کیس آج سے ۳۲ سال پہلے کا ہے۔ اس کے بعد میں ۵۳ء کی تحریک میں ۹، ۱۰ ماہ کے لیے گرفتار ہوا تھا۔ اس کے بعد گرفتار نہیں ہوا۔

② مدنی مسجد میں مجھے اہل محلہ لائے تھے اور محلہ کے ہی بریلوی مسلک کے بعض لوگوں نے مخالفت کی تھی اس میں فریقین کی ضمانتیں ہوئیں اور آخر کار جہلم میں ایک عیسائی آر ایم نے باہمی سمجھوتہ کروا دیا۔ جس کے بعد اب تک مدنی مسجد ہماری تحویل میں ہے اور جو لوگ اس مقدمہ میں ہمارے خلاف تھے، اب وہ بھی ساتھ ہیں۔ چنانچہ شیعوں کا جلوس روکنے کے لیے جو درخواست میری موجودہ کیس گرفتاری کے دوران دی گئی ہے۔ اس میں ان سب کے دستخط موجود ہیں۔ سوائے مولوی محمد زبیر شاہ کے سب نے ہماری تائید کی۔ اور قراردادیں پاس کیں، حافظ محمد اسحاق صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد (بریلوی) میری ملاقات کے لیے حوالات میں آئے اور مولوی محمد زبیر شاہ صاحب کی پارٹی کے قاضی غلام احمد صاحب ایڈووکیٹ نے اپنا صاحبزادہ اور منشی میرے پاس ملاقات کے لیے بھیجا۔ اسی اہل سنت کے باہمی اتحاد سے بگڑ کر شیعوں نے ایک میٹنگ میں بریلوی خطیبوں کو بھی بلوایا ہے۔ حافظ اسحٰق صاحب تو نہیں گئے لیکن مولوی زبیر شاہ اور مودودی جماعتِ اسلامی کے امیر وغیرہ اس میں شامل ہوئے اور ان کو شیعوں نے ہمارے خلاف استعمال کیا۔

③ اور جہلم میں مجلس عمل ختم نبوت کی طرف سے جو ایک اشتہار شائع ہوا ہے اور جس کو ہائی کورٹ میں انہوں نے پیش کیا ہے وہ ہمارے خلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جہلم میں ہماری جماعت کے مولانا عبداللطیف صاحب چونکہ شیعوں کی شرکت کی وجہ سے مجلس عمل میں شامل نہیں ہوئے تھے اس لیے مجلس عمل ان کے خلاف ہے، اور مجلس عمل پر شیعوں کا قبضہ ہے۔ اور انہوں نے ہی یہ اشتہار شائع کروایا ہے۔ حالانکہ اس اشتہار پر جن دیوبندیوں کے دستخط ہیں، وہ اب کہتے ہیں کہ ہم نے تو دستخط کئے ہی نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے یہ اشتہار پڑھ کر

بہت ناراضگی کا اظہار کیا۔ کیونکہ ان کا بیان ''ترجمانِ اسلام'' میں ہمارے حق میں آچکا ہے۔ جس کی بنیاد انہوں نے مذہبی قرار دی ہے۔ اور وہ پرچہ بھی آپ کی فائل میں ہے۔ تو اب جمعیت کے قائد اور جنرل سیکرٹری کا بیان معتمد علیہ ہے، یا ان کی پارٹی کے ادنیٰ افراد کا؟

④ پھر یہ جھگڑا مذہبی نوعیت کا اس لیے ہے کہ ماتمی جلوس شیعوں کے ہاں مذہبی ہے اور ہماری مدنی مسجد ایک عبادت گاہ اور مذہبی مرکز ہے اور تصادم کی وجہ ہی مسجد کے دروازہ کے سامنے شرائط سابقہ کے خلاف ان کا ماتم کرنا ہے، تو یہ سارے مذہبی عوامل ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ اس تنازعہ کو اور تصادم کو مذہبی نوعیت کا قرار نہ دیا جائے؟

⑤ گزشتہ سال موضع منوال تحصیل چکوال میں جامع مسجد کے اندر خدام اہل سنت کا اشتہاری جلسہ ہو رہا تھا کہ شیعوں نے اس پر فائرنگ کر دی جس سے پانچ آدمی ہمارے زخمی ہوئے۔ دو مرد اور تین عورتیں، اور باہمی تصادم ہوا اور شام کو پولیس نے سات مسلح شیعہ غنڈے اسلحہ سمیت ایک مکان سے گرفتار کئے جو کہ باہر سے فساد کے لیے بلوائے گئے تھے۔ اور وہ کیس اب تک چل رہا ہے۔

⑥ مولوی محمد زبیر شاہ کے کیس کا بھی شیعہ وکیل نے حوالہ پیش کیا ہے۔ بے شک ہم پر ۳۰۷ کے تحت مقدمہ چلایا گیا تھا لیکن سوائے دو کے میں اور میرے ساتھی بری ہو گئے۔ اور میں تو اس میں شامل تھا ہی نہیں۔ اور جن دو افراد کے نام ایف آئی آر میں لکھوائے گئے ہیں وہ بھی درحقیقت اس لڑائی میں شامل نہیں تھے۔ بلکہ ان کو علم بھی نہ تھا، وہ تو اچانک کوئی معاملہ ہوا جس کی وجہ مولوی زبیر شاہ صاحب کی ایک رات کو ہونے والی تقریر تھی جو انہوں نے علماء دیوبند کے خلاف کی۔ اس بناء پر سننے والوں نے جلسہ کے بعد انتقامی کارروائی کر دی، مولوی زبیر شاہ صاحب تو علماء دیوبند کے متعلق شیعوں اور مرزائیوں سے بھی سخت رویہ رکھتے ہیں۔ لیکن میں نے اپنی جماعت کو تاکید کر رکھی ہے کہ ان کو بالکل نہ چھیڑو شیعہ اس پالیسی سے کامیاب ہوتے ہیں اور اہل سنت کے دو فریقوں، دیوبندی اور بریلویوں کو باہم لڑا کر کمزور کرتے ہیں۔

⑦ تقریباً بڑے بڑے سُنی علماء نے شیعوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور وہ سنی، شیعہ اتحاد کے داعی بنے ہوئے ہیں اور وہ اس اختلاف کو معمولی قرار دیتے ہیں۔ ان حالات میں میرا مقدمہ یہ ہے کہ میں سنی، شیعہ اتحاد کے خلاف ہوں۔ جب تک کہ شیعہ علماء و مجتہدین یہ تحریر نہیں دیتے کہ وہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دیگر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواجِ مطہرات کو مومن کامل اور قطعی جنتی مانتے ہیں اور جب تک اپنا وہ من گھڑت کلمہ اسلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰهِ چھوڑ نہیں دیتے۔

⑧ ہماری جماعت خدام اہل سنت کا مقصد تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور خدمت مذہب اہل سنت ہے جس کے لیے ہم بڑی سے بڑی کسی تحریک اور شخصیت کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے۔ کیونکہ جس مقدس جماعت کو قرآنِ مجید میں جنتی فرمایا گیا ہے، ان کو اسلام کی آڑ میں جو لوگ غیر مومن اور منافق، قرار دیتے ہیں اور ان کے مشن کی بنیاد ہی بغض وعداوتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کرام پر ہے ان کے ساتھ آخر اتحادِ اسلامی ہو تو کس بنیاد پر ہو؟ کیا ہم اپنے ایمان کو تباہ کر کے خداوند عالم کے عذاب میں گرفتار ہو جائیں، العیاذ باللہ۔

ہماری سیاست، معاشرت اور معیشت سبھی کچھ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اسی مقدس جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مبنی ہے۔ اس میں میری طرف سے کوئی لچک نہیں دکھائی جائے گی۔ بہر حال یہ کوائف درج کر دینے کے بعد آخر میں عرض ہے کہ حالات وواقعات میں نے عالم اسباب کے تحت عرض کیے ہیں۔ ورنہ شیعہ فتنہ کا مقابلہ کرنے اور سنی مذہب اور ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کے تحفظ کی خاطر اگر خدانخواستہ ضمانت منسوخ ہو جائے اور سزا بھی مل جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ **حسبنا اللہ ونعم الوکیل**، خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ [1]۔

ان تفاصیل سے یہ علم میں لانا مقصود ہے کہ قائد اہل سنت علیہ الرحمۃ نے ۱۹۷۴ء والی ملک گیر تحفظ ختم نبوت کی تحریک بنام ''مجلس عمل'' میں محض اس لیے شمولیت نہیں اختیار کی تھی کہ اکابرین نے اس میں تمام جماعتوں حتیٰ کہ اہل تشیع کو بھی شامل کر لیا تھا، جبکہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ تو مقامی سطح پر انتخابی امیدواروں سے بھی مذہب وعقائد کی بنیاد پہ حلف لے کر تعاون کیا کرتے تھے، ۱۹۷۴ء ہی کے ضمنی الیکشن میں آپ رحمہ اللہ نے ایک امیدوار سے مندرجہ ذیل حلف لیا تھا، اور اس معاہدہ کے باقاعدہ اشتہارات شائع کئے گئے تھے۔ ملاحظہ کیجیے:

① **انتخابی بیان:** میں قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر N.W.33 چکوال کے ضمنی الیکشن میں بحیثیت آزاد امیدوار حصہ لے رہا ہوں۔ میں سنی حنفی مسلمان ہوں اور رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کائنات کا سردار اور خاتم النبیین مانتا ہوں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو بوجہ اس کے دعویٰ نبوت کے قطعی کافر تسلیم کرتا ہوں اور ان لوگوں کو بھی قطعی کافر مانتا ہوں جو مرزا قادیانی کو نبی یا مسیح موعود یا مجدد تسلیم کرتے ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد حضور رحمت للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا درجہ ہے۔ میں

[1] مکتوب قائد اہل سنت بنام میاں محمد یٰسین وٹو ایڈووکیٹ ۱۹۷۵/ء (تاریخ درج نہیں ہے)

اہل بیت عظام سمیت تمام اصحاب رسول ﷺ کو مومن کامل، معیار حق اور قطعی جنتی تسلیم کرتا ہوں۔ چاروں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو برحق مانتا ہوں۔ بانیٔ جماعت اسلامی ابوالاعلیٰ مودودی کے عقائد سے متفق نہیں ہوں ''خلافت وملوکیت'' اور بعض دوسری تصانیف میں مودودی صاحب نے خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین، فاتح مصر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس میں ان جنتی صحابہ کی تنقیص وتوہین پائی جاتی ہے۔ جس سے مجھے قطعاً اختلاف ہے۔ میں ان شاء اللہ اپنی تحریر اور تقریر کے ذریعہ ان عقائد کے مقابلہ میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کی ترویج واشاعت کرتا رہوں گا۔ دستخط: مشتاق احمد قاضی ایڈووکیٹ

۷۴-۱۰-۱۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قومی اسمبلی کے حلقہ چکوال کے ضمنی الیکشن میں آزاد امیدوار قاضی مشتاق احمد صاحب ایڈووکیٹ کے متعلق ہمیں یہ شبہ تھا کہ وہ مودودی عقائد سے متاثر ہیں لیکن ان کے اس واضح تحریری بیان سے ہمارا یہ شبہ دور ہوگیا ہے۔ اس لیے ۲۷/اکتوبر ۱۹۷۴ء کے اس الیکشن میں خدام اہل سنت کی طرف سے سابقہ غیر جانبداری کے اعلان میں ہم ترمیم کرتے ہیں۔ کہ ہم خدام اہل سنت جماعتی حیثیت سے تو اس الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے۔ لیکن ہم ووٹروں کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ انفرادی طور پر اپنی صوابدید کے مطابق ووٹ استعمال کر سکتے ہیں۔

خادم اہل سنت (قاضی) مظہر حسین غفرلہٗ
خطیب مدنی جامع مسجد چکوال
امیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب
۲۹/رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ
مطابق ۱۶/اکتوبر ۱۹۷۴ء

متذکرہ قاضی مشتاق احمد ایڈووکیٹ جو کہ ۲۷، اکتوبر ۱۹۷۴ء کو ہونے والے ضمنی الیکشن میں قومی اسمبلی کے امیدوار تھے اور ان کے مقابلہ میں نذر کیانی تھے۔ قاضی صاحب مشتاق احمد چونکہ جماعت اسلامی والوں کے زیر اثر تھے اس لیے قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس شرط پر تعاون کی یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ مودودی صاحب کو بطور مقتداء ورہنما نہیں مانتے۔ ہمارے ملک میں جیسا کہ عام طور پر الیکشنی

سیاست کا مزاج ہے کہ الیکشن کے دنوں میں امیدواروں کو اگر گوش دراز کو بھی باپ کہنا پڑ جائے تو یہ دریغ نہیں کرتے۔ مگر الیکشن کے بعد ''تو کون، میں کون؟'' کی پالیسی پر گامزن ہو جاتے ہیں اور اپنے کیئے ہوئے معاہدات کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ چنانچہ قاضی مشتاق احمد موصوف کا بھی یہی حال تھا، انہوں نے بھی مذکورہ معاہدہ کے بعد جب ۷۷ء کا الیکشن آیا تو مودودیت تو رہی ایک طرف موصوف نے شیعوں کے جلسوں میں جا کر تعزیہ وتابوت کے جواز پر بھی خطابات کیے تھے، بلکہ ۲۰/اکتوبر ۷۷ء کو بھون روڈ چکوال کے قریب اپنے ایک انتخابی جلسہ میں ماتم کے حق میں بھی خطاب کر ڈالا تھا، یہ حالت ہے ہمارے سیاستدانوں کے معاہدات اور حلفی بیانات کی! اس کی تفصیل قائد اہل سنت کی کتاب ''تحفظ اسلام پارٹی'' نامی کتاب میں ملے گی جو آگے پیش کی جا رہی ہے۔ تاہم اہل زمانہ کے طور واطوار کچھ بھی ہوں۔ مگر حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنی مذہبی غیرت، مسلکی حمیت اور نظریاتی وفکری ذہنیت پر کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں فرمایا، اور پوری زندگی اصولوں میں گزار کر اہل سنت والجماعت کو یہ سبق دے گئے کہ زمانہ کی تند وتیز ہواؤں اور بے رحم وکرم موجوں میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد شامل ہو تو اپنی کشتی ساحلِ سلامتی پہ پہنچائی جا سکتی ہے۔ تحریک خدام اہل سنت کے قیام کے دوران ہی چونکہ ملک بھر میں مرکزی انتخابات کا ڈھنڈورہ پیٹا جا چکا تھا اور دوسری جانب مرزائیوں کے خلاف اگرچہ باضابطہ مجلس عمل کی تشکیل تو نہ ہو پائی تھی مگر بحث ومباحثہ کے بازار گرم تھے، ان حالات میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے لاہور شہر میں ایک جماعتی کنونشن منعقد کرنے کا اعلان کر دیا، جس کا دعوت نامہ، پیش نظر کیا جا رہا ہے، اس دعوت نامہ میں دردِ دل، پیغام، اہداف، مقاصد اور پاکیزہ نصب العین کی کرنیں سطر بہ سطر اہل فکر ونظر کو بہت کچھ سمجھنے کی دعوت دے رہی ہیں۔ متذکرہ صوبائی کنونشن مؤرخہ ۲۴، ۲۵/ستمبر ۱۹۷۲ء بمطابق ۱۵، ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ بروز اتوار، سوموار کو شادمان کالونی، اچھرہ میں بمقام جامع مسجد، متصل مدنی موٹرز لاہور منعقد ہوا تھا۔

''بخدمت بزرگان واحباب اہل سنت والجماعت نصرکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ پاکستان میں مسلمانانِ اہل سنت والجماعت غالب اکثریت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے مذہبی نام وعنوان کی بنیاد پر ان کی کوئی مؤثر اور مضبوط جماعتی تنظیم نہیں ہے

اور نہ ہی بحیثیت سنی مسلمان ان کی ملک میں کوئی حیثیت ہے جس کی وجہ سے مرزائی اور شیعہ باوجود اقلیت میں ہونے کے اپنی تنظیمی سرگرمیوں اور سازشوں کی بنا پر دن بدن اہل سنت والجماعت پر غلبہ حاصل کر رہے ہیں اور اہل سنت کا یہ حال ہے کہ:

کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنے کی انہیں قسم ہے

ان تشویشناک حالات کے پیش نظر ''خدام اہل سنت والجماعت'' کے نام سے ایک تحریک شروع کی گئی ہے جس کے ذریعہ مذہب اہل سنت کی تبلیغ واشاعت کے علاوہ سنی مسلمانوں کو متحد و منظم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ تاکہ ملک میں مسلمانانِ اہل سنت والجماعت کے مذہبی و ملکی حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے حقیقی اسلام کو غالب کیا جاسکے۔ اور حال میں فرقہ شیعہ کا حکومت پاکستان سے اپنے بعض مذہبی مطالبات منوالینا (یعنی شیعہ طلبہ کے لیے سکولوں میں دینیات کا جداگانہ نصاب وغیرہ) تو پاکستان میں سنی مسلمانوں کے لیے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے خدام اہل سنت والجماعت کی جماعتی تنظیم کی ضرورت اور اہمیت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ الحمدللہ شہر لاہور اور بعض دوسرے اضلاع میں بھی خدام اہل سنت کا کام ترقی پذیر ہو رہا ہے اس لیے صوبائی اور ملکی سطح پر جماعتی کام کو ترقی دینے کے لیے مندرجہ تاریخوں میں شہر لاہور میں خدام اہل سنت والجماعت کے دوروزہ صوبائی اجلاس کا پروگرام مقرر کیا گیا ہے۔ جس میں دوسرے اضلاع سے بھی خدام اہل سنت والجماعت کے نمائندے شریک ہوں گے اور آپ بھی اس اہم اجلاس میں تشریف لائیں اور سنی مسلمانوں تک یہ دعوت پہنچائیں کہ وہ سیاسی اور دنیوی پارٹی بازی سے بالاتر ہو کر اپنے مذہب حق کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے اپنے مذہبی وجود کا ثبوت دیں۔ اگر ان بحرانی حالات میں بھی سنی مسلمانوں نے اپنی مذہبی غیرت اور ایمانی حرارت سے کام نہ لیا اور نبی کریم، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت طیبہ اور خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین، شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بنیاد پر اسلام اور پاکستان کا تحفظ نہ کیا تو خدانخواستہ دنیا میں تاریخی ذلت گلے کا طوق بنے گی اور آخرت میں نعوذ باللہ عذاب الٰہی سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے سنی مسلمانو!
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

نوٹ: اجلاس میں شریک ہونے والے بیرونی حضرات موسم کے مطابق اپنا اپنا بستر ہمراہ لائیں۔

پروگرام

پہلا اجلاس	بروز اتوار	ساڑھے بارہ بجے دن
دوسرا اجلاس	//	۲ بجے بعد نمازِ ظہر
تیسرا اجلاس	//	بعد نمازِ عشاء
چوتھا اجلاس	بروز پیر	صبح نو بجے تا بارہ بجے
آخری اجلاس	//	بعد نمازِ ظہر تا عصر[1]

یہ صوبائی اجلاس مقررہ تاریخوں میں بھرپور طریقہ سے منعقد ہوا تھا، جس حضرت مولانا پیر خورشید احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ (عبدالحکیم خانیوال) بطور خاص تشریف لائے تھے اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے تحریک کے مفصل اغراض و مقاصد بیان فرمائے تھے۔ صوبہ بھر سے لوگ قافلوں کی صورت میں جوق در جوق اس کنونشن میں شریک ہوئے تھے۔ چونکہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ تازہ تازہ جمعیت علماء اسلام سے مستعفی ہوئے تھے تو ان حالات میں جبکہ جمعیت کا طوطی بول رہا تھا، خالص نظریاتی بنیاد پر اور بالخصوص شیعہ فرقہ کی ریشہ دوانیوں کی روک تھام کے لیے لاہور جیسے شہر میں کامیاب کنونشن کا انعقاد واقعی جان جوکھوں کا کام تھا، جو قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی صبر و رضا اور استقلال و استقامت پر مبنی طبیعت و شاندار محنت کی بدولت ہر لحاظ سے کامیاب ہوا تھا، اور اس کی بدولت پنجاب بھر میں ''تحریک خدام اہل سنت والجماعت'' کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی کہ چکوال والے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے ''حق چار یار رضی اللہ عنہم'' کے وجدانی و ایمانی نعرے سے سنی قوم کو بیدار کر دیا ہے۔

---

[1] خدام اہل سنت والجماعت کا دو روزہ صوبائی اجلاس / مطبوعہ! المکہ پریس شارع فاطمہ جناح لاہور / ستمبر ۱۹۷۲ء۔

16
بابِ شانزدہ

❀ ''مجلس عمل'' (۱۹۷۴ء) میں عدمِ شرکت پر مبنی خدشات کا درست ثابت ہونا، اور مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کے فوراً بعد اہل تشیع کی مذموم کارروائیوں کا آغاز

❀ حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کے نام قائد اہل سنت کا ''مکتوبِ مرغوب'' شیعہ، سنی مشترکہ نصابِ تعلیم کا قضیہ اور قائد اہل سنت میدانِ عمل میں

❀ شیعہ، سنی جداگانہ نصاب، اور مشترکہ نصاب کے خطرناک مطالبات کے خلاف قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا قلمی جہاد

❀ گورنمنٹ محمد علی ہائی اسکول چکوال پر اہل تشیع کا قبضہ، قائد اہل سنت رحؒ کی ملکی قوانین پسندی، پُرامن اور شائستہ احتجاجی تحریک اور لاہور ہائیکورٹ کا تاریخی فیصلہ

آدھی رات کے سناٹوں میں
گونج رہی تھی اک شہنائی

شیعہ، سُنی مشترکہ نصاب کا فتنہ

جیسا کہ سابقہ ابحاث میں گزر چکا ہے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ تحفظ ختم نبوت کی مقدس تحریک میں صف اول کا کردار ادا کرتے ہوئے مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کے لیے شب و روز مساعی کرتے رہے۔ تاہم آپ نے مستقل طور پر اپنی جماعت کو ''مجلس عمل'' میں شامل نہیں فرمایا تھا کیونکہ اس میں اہل تشیع کی شمولیت پر آپ کو اعتراض تھا، قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا موقف یہ تھا کہ اہل سنت اکثریت میں ہیں، اس اکثریتی طبقے کا اپنے مشترکات میں شیعوں کو وقتی طور پر شامل کرنا انہیں خوامخواہ سر اٹھا کر چلنے کے قابل بنانے کے مترادف ہے۔ اور جب مسلمان اپنے اہداف کو پا کر اگلا سفر شروع کرتے ہیں تو اہل تشیع اس وقت اپنے مطالبات منوانے آجاتے ہیں تو یوں سواد اعظم کے مقابلہ میں خود کو مظلوم بنا کر حکومت وقت کی ہمدردیاں سمیٹتے ہیں، چنانچہ ۷۴ء کی تحریک میں بھی یہی کچھ ہوا تھا، ۱۹۷۰ء میں اہل تشیع نے ہلکی پھلکی نقل و حرکت کے ساتھ اپنے منعقدہ اجلاسوں میں اس مطالبہ پر غور کرنا شروع کر دیا تھا کہ سرکاری تعلیمی اداروں میں شیعہ دینیات نافذ کی جائے، یعنی ایک ہی ملک کے اندر شیعہ طلبہ کی اپنی دینیات ہو اور سنی طلبہ کی اپنی! ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ سراسر فرقہ واریت اور انتشار پر مبنی تھا، کیونکہ ہر ملک میں ایک پبلک لاء ہوتا ہے اور ایک پرسنل لاء، پبلک لاء ہمیشہ اکثریتی آبادی کے لحاظ میں رائج کیا جاتا ہے، اور پرسنل طور پر اقلیتوں کو اپنے اپنے مذہب کی آزادی ہوتی ہے۔ اُس زمانہ میں اکثر دینی جماعتیں تحریک تحفظ ختم نبوت کی ''مجلس عمل'' میں شریک ہونے کی وجہ سے مرزائیت کے تعاقب میں مصروف عمل تھیں، اور کسی کو اس جانب دھیان دینے کا بھی شاید وقت نہیں تھا کہ یہ مطالبہ کس قدر خوفناک اور خطرناک ہے، مگر قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس خطرے کو فوراً بھانپ لیا، اور آپ نے ملک بھر کے دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث علماء کرام کو متوجہ فرمایا کہ مرزائیوں کا مسئلہ حل ہوتے ہی یہ سبائی تحریک زور پکڑے گی، آئے روز نت نئے مطالبات کے ساتھ جب یہ لوگ سڑکوں پر آئیں گے تو حکومت کو یہ کہنے کا جواز مل جائے گا کہ مرزائیوں کے خلاف فیصلہ کر کے شاید ریاست نے غلطی کی ہے کہ اب سبھی ایک، دوسرے کے خلاف

احتجاج کرتے ہوئے نظامِ مملکت درہم برہم کرتے ہیں، تو کیوں نہ اس آئین پر نظرِ ثانی کی جائے جس میں مرزائیوں کو کافر قرار دیا گیا ہے، یوں قادیانیت کے خلاف اہلِ وطن کی قربانیوں کی لازوال داستانوں پر مشتمل مذکورہ فیصلہ کہیں اہلِ تشیع کی مذموم حرکتوں اور حکمرانوں کے مفادات کی بھینٹ نہ چڑھ جائے؟ لہٰذا آپ نے نہایت سنجیدگی و متانت کے ساتھ اولاً تو یہ کیا کہ سنی مطالبات پر مشتمل ایک کتابچہ شائع کروایا، جن مطالبات پر ایک ہزار علماء ودانشوروں کے دستخط تھے، اہم سنی مطالبات پر مشتمل یہ اہم کتابچہ بلامبالغہ لاکھوں کی تعداد میں شائع کروا کر تقسیم کیا گیا تھا۔ ان اہم مطالبات میں اگرچہ مرزائیوں کو آئینی حیثیت سے کافر قرار دینے کا مطالبہ بھی شدومد سے درج ہے، تاہم زیادہ تر وہ سنی مطالبات ہیں جنہیں نظر انداز کرتے ہوئے شیعوں کے اقلیتی فرقہ کو نوازنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ قائد اہلِ سنت نے اس تاریخی کتابچہ کی ابتداء میں لکھا:

”سنی مطالبات کی اس دستاویز پر دستخط کرنے والوں میں علمائے اہلِ سنت والجماعت (دیوبندی و بریلوی مکتبِ فکر) کے علاوہ اہلِ حدیث وغیرہ بھی (شامل) ہیں۔ اس فہرست میں خدام اہلِ سنت، تنظیم اہلِ سنت، جمعیت علماء اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، مجلس تحفظ ختم نبوت، مجلس احرار اسلام، انجمن تحفظ حقوقِ اہلِ سنت، پاکستان سنی پارٹی، مرکز محبین صحابہ رضی اللہ عنہم اور پاکستان سنی کانفرنس وغیرہ متعدد جماعتوں کے علماء وزعماء اور ارکان وعہدیداران کے نام ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے نزدیک اسلامی اور جمہوری اصول کی بناء پر شیعہ اقلیتی فرقہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان کی دینیات کی تعلیم کا سرکاری تعلیمی اداروں میں انتظام کیا جائے، لہٰذا حکومتِ پاکستان کے لیے اسلامی اور جمہوری اُصول کے تحت ضروری ہے کہ وہ سوادِ اعظم کے حقوق کے تحفظ کے لیے شیعہ مطالبات مسترد کردے اور ملک کو فرقہ وارانہ داخلی انتشار سے بچانے کی کوشش کرے اور شیعہ کنونشن ملتان منعقدہ ۱۴، ۱۵ر جولائی میں شیعہ مطالبات کمیٹی نے یہ قرارداد الٹی میٹم پاس کی ہے کہ اگر ۲۰ ستمبر تک سرکاری مدارس میں جداگانہ شیعہ دینیات نافذ نہ کی گئی تو ۲۱ ستمبر ۱۹۷۳ء کو ملک بھر سے شیعہ عوام راولپنڈی پہنچ کر شدید احتجاج اور مظاہرہ کریں گے، نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی پر نہ ہوگی۔ اگر شیعوں نے اس قرارداد کے مطابق ایجی ٹیشن شروع کردی تو ملک ایک سنگین مذہبی بحران میں مبتلا ہو جائے گا، لہٰذا حکومت مذکورہ قرارداد الٹی میٹم کا سختی سے نوٹس لے اور شیعوں کو ملک میں فرقہ وارانہ انتشار پیدا کرنے کا کسی

طرح بھی موقع نہ دے''۔

منجانب، سوادِاعظم پاکستان، حررہٗ خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ، خطیب مدنی جامع مسجد چکوال، وامیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان[1]۔ اِدھر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی یہ تحریک اپنے زوروں پر تھی اور اُدھر تنظیم اہل سنت پاکستان کی جانب سے حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ نے ''سنی شیعہ نصاب تعلیم'' پر دستخط کردیئے اور پتہ چلا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تو ستمبر ۱۹۷۲ء کے کراچی میں منعقدہ ایک مشترکہ اجلاس میں بحیثیت رکن دستخط کردیئے تھے، شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنی جگہ اخلاص پر تھے، مگر باہم مشاورت نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس قدر نازک مسئلہ میں خطاء کھا گئے، جس کی وجہ سے ملک بھر میں کسی معروف تنظیم یا عالم دین نے مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے اس فیصلہ کی تائید نہ فرمائی تھی، بلکہ خود تنظیم اہل سنت اختلافات کا شکار ہوگئی، یعنی دوسری جماعتوں کی تو کجا خود تنظیم اہل سنت ہی کی مکمل حمایت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو نہ مل سکی تھی، چنانچہ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود، اور مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمہ اللہ یا مولانا عبدالحئ جامپوری رحمہ اللہ نے مولانا نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کی تائید کی تھی، علامہ مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ نے اس فیصلے سے اختلاف فرمایا تھا مگر جماعتی نظم کو برقرار رکھنے کے جذبہ کی خاطر شاہ صاحب سے تعلقات متاثر نہ ہونے دیئے، جبکہ مولانا سید عبدالمجید ندیم شاہ صاحب رحمہ اللہ اور مولانا عبدالشکور دین پوری رحمہ اللہ نے اپنے ۹، احباب سمیت تنظیم اہل سنت سے استعفیٰ دے کر اپنی الگ جماعت بنام ''مجلس تحفظ حقوقِ اہل سنت پاکستان'' بنالی (اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی، ان شاءاللہ) اس دوران تنظیم اہل سنت پاکستان نے ملتان میں بہت بڑی سہ روزہ ''خلافتِ راشدہ کانفرنس'' منعقد کی جو مؤرخہ ۲۷، ۲۸، ۲۹/ اپریل ۱۹۷۳ء کو منعقد ہوئی، اور حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب رحمہ اللہ بخاری نے اس میں ''خطبہ صدارت'' دیا۔ جسے بعد میں طبع کرواکر تقسیم کیا گیا، اپنے اس خطبہ صدارت میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس میں اس فیصلے کا بھی اعادہ فرمایا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ ''جس مشترکہ نصاب تعلیم پر فریقین نے دستخط کئے ہیں، انہیں فوراً نافذ کیا جائے۔'' یہاں سے قائد اہل سنت رحمہ اللہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابھی تک شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اپنے اس غلط فیصلہ پر انشراح ہے، اور پہلے تو وہ بات محض اخباری بیانات کی حد تک تھی، جبکہ اب باقاعدہ تنظیم اہل سنت کے مطبوعہ ''خطبہ صدارت'' میں آگئی تو اب اس کے مضرات کی نشاندہی کتابچہ کی صورت میں ہی ممکن تھی،

[1] سوادِاعظم کے ملکی وملی تحفظ کے لیے ''اہم سنی مطالبات'' کل صفحات ۶۴/ ناشر تحریک خدام اہل سنت پاکستان/ اگست ۱۹۷۳ء/ پاکستان۔

چنانچہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ایک تفصیلی خط شاہ صاحب رحمہ اللہ کو لکھا، اور اسے کھلی چھٹی قرار دے کر ''مکتوب مرغوب'' کے نام سے کتابچہ شائع کروا دیا، جو مئی ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا، یہ کتابچہ قائد اہل سنت کی بصیرت و بصارت اور فراست کی کس قدر گواہی دے رہا ہے؟ ملاحظہ فرمائیے اور اپنے ضمیر سے فیصلہ لیجیے۔

بخدمت جناب مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خلافت راشدہ کانفرنس ملتان منعقدہ ۲۳، ۲۴، ۲۵/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۷، ۲۸، ۲۹/اپریل ۱۹۷۳ء میں آپ کا مطبوعہ خطبہ صدارت پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ آپ نے اہل سنت والجماعت کی زبوں حالی کے متعلق تمہیداً جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح ہے کہ: ''یہ اہل سنت سواد اعظم کا اجتماع ہے جو وطن عزیز کی کم وبیش نوے فیصد غالب اکثریت ہیں۔ مگر یہ غالب اکثریت نہ صرف مذہبی بلکہ سیاسی طور پر بھی زبوں حال پامال بلکہ مجروح و مذبوح ہے اور اس سے بدر جہا زیادہ افسوسناک والم انگیز یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت کو اپنی اس زبونی وخواری اور پستی و بدحالی کا احساس تک نہیں۔'' (خطبہ صدارت ص ۳) اسی طرح آپ نے مرزائیت اور شیعیت کی ترقی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بھی مطابق واقعہ ہے کہ: ''اس دردناک الم انگیز صورت حالات کے نتیجے میں سیاسی طور پر سنی مسلمان انتہائی زخم خوردہ ہے۔ جہاں کسی کلیدی منصب پر کوئی مرزائی یا شیعہ بیٹھا ہے وہ اپنے فرقے کی ناجائز رعایت واعانت اپنا ایمان اور فرض سمجھتا ہے اور کھلم کھلا اپنے فرقہ کے آدمیوں کو اوپر لانے کی تاک میں رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اگر فوج میں اونچے عہدوں پر ایک فرقہ کے افراد متمکن ہیں تو سول میں عموماً اعلیٰ عہدوں پر دوسرے فرقہ کے لوگ نظر آتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنروں کی سطح تک بھی عظیم اکثریت کے افراد اہل سنت عظیم اقلیت میں ہیں۔ البتہ یہ ماشاء اللہ چوکیداروں، سپاہیوں، چپڑاسیوں وغیرہ ادنیٰ ملازمین کی اکثر آسامیوں پر چھائے ہوئے ہیں۔'' (خطبہ صدارت ص ۷)

لیکن تعجب ہے کہ ستمبر ۱۹۷۲ء کے اجلاس کراچی میں حکومت کی مجوزہ ''سنی شیعہ نصاب کمیٹی'' کے جس فیصلہ پر آپ نے بحیثیت رکن دستخط کئے ہیں۔ وہ تو مذہبی لحاظ سے اور زیادہ اہل سنت کو زبوں حال کرنے والا ہے۔ لیکن آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں بھی اس کی تصویب وتائید فرمائی ہے اور حکومت سے شکایت کی ہے کہ تقریباً نصف سال گزرنے کے بعد بھی کمیٹی کے فیصلہ پر عمل نہیں کیا گیا۔ اور اس تاخیر کو آپ نے شیعوں کی سازش کا نتیجہ بھی قرار دیا ہے حتیٰ کہ ملتان کی اس خلافت راشدہ کانفرنس میں

آپ نے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ:

''حکومت پاکستان سے ہمارا مطالبہ ہے کہ مرکزی وزیر اطلاعات مولانا کوثر نیازی صاحب کی صدارت میں شیعہ سنی علماء پر مشتمل نصاب دینیات کمیٹی نے جو متفقہ فیصلہ کیا ہے بعض شیعی حلقوں کی بے دلیل مخالفت اور ہنگامہ آرائی کی وجہ سے اس موزوں و معتدل فیصلہ کو بروئے کار لایا جائے۔'' (خطبہ صدارت، ص ۲۸)

خدا جانے کن دلائل و وجوہات کی بنا پر آپ اس فیصلہ کو اہل سنت کے حق میں سمجھتے ہیں؟ آپ کے خطبہ صدارت میں تو ہمیں کوئی بھی ایسی دلیل نہیں مل سکی جس کی وجہ سے ہم مطمئن ہوسکیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ فیصلہ اہل سنت کی تقویت کی بجائے ان کو اور زیادہ پست حال کرنے والا ہے اور شیعوں کے لیے سرکاری تعلیمی اداروں میں مزید عروج حاصل کرنے کا موثر ذریعہ ہے۔

نصاب کمیٹی کا فیصلہ

آپ نے نصاب دینیات کمیٹی کا متفقہ فیصلہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

''محترم نیازی صاحب نے راولپنڈی پھر کراچی میں اس نصاب کمیٹی کے متعدد اجلاس بلائے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ دینیات کی کتاب ایک ہوگی۔ اس میں پہلے قرآن اور سیرت النبی پر مشتمل مشترک حصہ ہوگا۔ پھر سنیوں اور پھر شیعوں کے عقائد و عبادات کے جدا جدا باب ہوں گے۔ کتاب ایک ہوگی۔ استاذ ایک ہوگا۔ امتحان ایک ہوگا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ چار چار شیعی سنی علماء پر مشتمل ایک بورڈ ہوگا جو یہ دیکھے گا کہ کوئی بات دلآزار تو نہیں۔ چنانچہ اس بورڈ میں بھی دوسرے تین حضرات کے ساتھ تنظیم کے اس خادم راقم کو شامل کرلیا گیا''۔ (خطبہ صدارت، ص ۱۶)

مشترکہ نصاب کے اس فیصلہ کو آپ نے غالباً اس لیے موزوں و معتدل سمجھا ہے کہ اس سے شیعوں کا ''مستقل جداگانہ نصاب دینیات'' کا دیرینہ مطالبہ ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن آپ نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ آپ نے ان کا اصل مطالبہ تو مان لیا ہے یعنی دینی نصاب تعلیم میں ان کا مذہب شامل کرلیا گیا۔ اور وہ بھی اہل سنت سے جداگانہ ہی ہے صرف مشترکہ اور غیر مشترکہ کا معمولی فرق رہ گیا ہے۔ اور درحقیقت آپ کے منظور کردہ، مشترکہ نصاب کی یہ صورت اہل سنت کے لیے ان کے سابقہ مطلوبہ جداگناہ نصاب سے زیادہ خطرناک ہے۔ بہر حال سنی شیعہ دینیات کمیٹی کی تشکیل اور اس کے متفقہ فیصلہ میں میرے نزدیک جو خرابیاں ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

① کمیٹی میں سات سنی اور سات شیعی ارکان کی تعداد تسلیم کر کے آپ نے اپنی تقریباً نوے فیصد سنی مسلمانوں کی غالب اکثریت کے ساتھ شیعہ اقلیتی فرقہ کی مساوی نمائندگی تسلیم کر لی ہے۔ حالانکہ سنی ارکان کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے تھی اور اس کے باوجود تعجب یہ ہے کہ آپ ملتان کی اس خلافت راشدہ کانفرنس میں یہ بھی مطالبہ کر رہے ہیں کہ:

''سواد اعظم کا پُرزور مطالبہ ہے کہ حکومت اس علیحدگی پسند فرقہ کو ملازمتوں وغیرہ میں بھی علیحدہ کر دے۔ اور کلیدی اسامیوں اور اعلیٰ ملازمتوں میں اس کی تعداد کے تناسب سے حصہ دے۔'' (خطبہ صدارت، ص ۲۸)

لیکن سوال یہ ہے کہ:

☆ جب آپ ملازمتوں میں ان کی تعداد کے تناسب سے حصہ دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو نصاب کمیٹی کے ارکان کی تعداد میں آپ نے ان کی کیوں مساوی نمائندگی قبول کی ہے؟ وہاں بھی آپ آبادی کے تناسب سے ارکان کی تعداد مقرر کراتے؟

☆ مشترکہ نصاب میں اکثریت واقلیت کے فرق کو کیوں نظر انداز کر دیا گیا اور سنی اساتذہ اور سنی طلبہ کی اکثریت پر اقلیتی فرقہ شیعہ کے عقائد و عبادات کی تعلیم کا لازم ہونا منظور فرما لیا۔ کیا ایسے فیصلے کو موزوں و معتدل کہہ سکتے ہیں؟ شیعی ارکان کے نام تو شیعوں نے خود منتخب کئے ہیں لیکن سنی ارکان کو حکومت نے نامزد کیا ہے۔

چنانچہ آپ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ:

''آخر صدر بھٹو نے یہ معاملہ مولانا کوثر نیازی وزیر اطلاعات کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے سات سات سنی شیعہ علماء پر مشتمل ایک نصاب دینیات کمیٹی قائم کر دی، سنیوں میں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث ہر مکتب فکر کو نمائندگی دی گئی۔ جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان جماعت اسلامی کے ساتھ اس سلسلہ میں پہلی بار تنظیم اہل سنت کو بھی نمائندگی ملی اور تنظیم کے خادم راقم کو اس کمیٹی کا ایک رکن نامزد کیا گیا۔'' (خطبہ صدارت، ص ۱۶)

علاوہ ازیں حکومت کی طرف سے سنی ارکان کو نامزد کرنے کا ذکر شیعہ مطالبات کمیٹی کے صدر سید جمیل حسین صاحب رضوی نے بھی ایک پریس کانفرنس میں نصاب دینیات کمیٹی کی تفصیل بتاتے ہوئے کیا ہے کہ:

مگر پیرزادہ نے فرمایا: رضوی صاحب۔ آپ کیا کہتے ہیں ہم نے ایک ہفتہ میں جدید پالیسی مرتب کر دی۔ کیا ہم معمولی دینیات کا نصاب نہیں مرتب کر سکتے؟۔ آپ پانچ شیعہ علماء نامزد کر دیں۔ سنی علماء ہم خود نامزد کر دیں گے۔ اور یہ کمیٹی فوراً نصاب مرتب کرنے کا کام شروع کر دے گی۔ الخ (ہفت روزہ شیعہ لاہور۔ ۸رمئی ۱۹۷۳ء) شاہ صاحب اب آپ ہی فرمائیں کہ جب آپ اپنی اپنی جماعتوں کے بھی منتخب کردہ نہیں ہیں بلکہ حکومت نے آپ کو نامزد کیا ہے تو پھر ان سنی نمائندگان کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ آپ سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ جن جماعتوں کو حکومت نے دعوت دی تھی وہ اپنا اپنا جماعتی اجلاس بلا کر جماعت کی طرف سے اپنا نمائندہ منتخب کر لیتے اور پھر اس کا نام حکومت کو پیش کر دیتے۔ تو جب یہ سنی حضرات حکومت کے نامزد رکن ہوتے تو ان کی رائے اور تدبیر کا کیا انجام ہوگا؟

خشت اول چوں نہد معمارِ کج
تا ثریا می رود دیوارِ کج

آپ نے شیعہ اقلیتی فرقہ کے لیے مذہبی نصاب کا حق تسلیم کر کے اہل سنت کی عظیم اکثریت کے حقوق کو پامال کر دیا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آج کل دوسرے ممالک میں بھی عموماً اکثریت کے نظریات کے مطابق نصاب تعلیم رائج ہے۔ اور اقلیتی پارٹیاں اپنے نظریات کی تعلیم کے لیے پرائیویٹ انتظام کرتی ہیں۔ اور آپ نے اپنے مطالبات میں اکثریت کا یہ حق تسلیم بھی کر لیا ہے کہ:

> ''اگر شیعہ اقلیت اصحاب رسول ﷺ کی حیات طیبہ پر مشتمل نصاب تعلیم کی روادار نہیں تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ نصاب تعلیم میں دینیات کے مضمون کو شیعہ طلبہ کے لیے لازمی قرار نہ دیا جائے۔ نہ کہ نصابی کتابوں سے حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی سیرتوں بلکہ ناموں تک کو کھرچ کھرچ کر نکال دیا جائے۔ اور اس طرح شیعہ اقلیت کے ناروا تحفظ کے نام سے سوادِ اعظم سنی اکثریت کے حقوق و مفاد کا جھٹکہ کیا جائے۔'' (خطبہ صدارت، ص ۲۹)

جب آپ نے یہاں یہ صریح مطالبہ کر دیا ہے کہ: ''نصاب تعلیم میں دینیات کے مضمون کو شیعہ طلبہ کے لیے لازم قرار نہ دیا جائے۔'' اور یہی آپ کے نزدیک اس کا واحد حل ہے اور یقیناً یہی واحد حل ہے۔ اور یہ مطالبہ سنی غالب اکثریت کے حق پر ہی مبنی ہے۔ تو آپ نے نصاب دینیات کمیٹی میں مشترکہ نصاب کی تجویز کیوں منظور فرمائی تھی اور پھر اس کو اپنے خطبہ صدارت میں کس بنا پر آپ موزوں و معتدل فیصلہ فرما رہے ہیں؟ صحیح اور صاف بات یہ تھی کہ آپ ''نصاب دینیات کمیٹی'' کے اجلاس میں سنی اکثریت کے

اس حق کے تحفظ کے لیے ڈٹ جاتے اور کسی طرح بھی اقلیتی فرقہ کے عقائد وعبادات کا نصاب تعلیم میں شامل ہونا قبول نہ کرتے اور شیعوں کی اس تاریخی کامیابی کا آپ خود سبب نہ بنتے۔ اور اس موقعہ پر ایران کا معاملہ بھی آپ کو پیش نظر رکھنا چاہیے تھا کہ وہاں شیعوں نے نصاب تعلیم میں سنی مسلمانوں کے عقائد و عبادات کو شامل کرنے کا حق نہیں دیا۔ تو پاکستان میں ان کو بحیثیت اقلیتی فرقہ کے یہ حق کیسے دیا جاسکتا ہے؟ آپ نے اس پر بھی غور نہیں فرمایا کہ شیعوں کے بالکل جداگانہ نصاب دینیات کے مطالبہ کو مسترد کر کے آپ نے جو مشترکہ نصاب منظور کیا ہے اس میں اہل سنت کا زیادہ نقصان ہے، کیونکہ جداگانہ نصاب میں شیعہ مذہب کی تعلیم صرف شیعہ اساتذہ اور طلبہ کے لیے لازم ہوتی۔ علاوہ ازیں ان کی دینیات کی کلاس جدا ہونے کی وجہ سے ان کی تعداد کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی۔ لیکن آپ کے منظور کردہ مشترکہ نصاب میں سنی شیعہ کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ کیونکہ سب نے ایک ہی کتاب دینیات کی پڑھنی ہے اور اس کا امتحان دینا ہے۔ اسی طرح آپ نے سنی اساتذہ اور طلبہ پر بھی ان کے ایمان وعقیدہ کے خلاف شیعہ مذہب کی تعلیم لازم کر دی ہے۔ آخر آپ کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ سنی اساتذہ اور طلبہ، معلمات اور طالبات اپنے مذہب کے خلاف کیوں شیعہ مذہب پڑھیں اور پڑھائیں؟ جہاں اہل سنت کے باب میں سنی اساتذہ یہ پڑھائیں گے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ المرتضیٰ بالترتیب خلفائے برحق ہیں اور سنی طلبہ بھی یہی پڑھیں گے تو وہاں شیعہ باب میں وہی سنی اساتذہ اپنے ایمان کے خلاف یہی پڑھائیں گے اور سنی طلبہ بھی یہ پڑھیں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد متصلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ برحق ہیں اور اس سے نعوذ باللہ خلفائے ثلاثہ کے برحق خلیفہ ہونے کی بالکل نفی ہو جاتی ہے لیکن سنی عقیدہ کے تحت بہرحال وہ خلیفہ برحق ہی رہتے ہیں البتہ ان کی خلافت کی نوبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کے بعد تھی۔ اسی طرح وضو، اذان، نماز اور جنازہ وغیرہ عبادات کا حال ہے تو سنی بچے اور بچیاں یہ متضاد عبادات کس طرح سیکھیں گے؟ یہ دینی نصاب کا پڑھنا کیا ہوا۔ نعوذ باللہ ایک عذاب مسلط ہو گیا۔ پھر سنی و شیعی طلبہ میں ہر وقت عقائد وعبادات میں بحث کا سلسلہ جاری رہے گا۔ تو اس طرح یہ تعلیم گاہیں مناظرہ گاہوں کی شکل اختیار کر کے باہمی فساد کا باعث بن جائیں گی اور اساتذہ بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ شیعہ اساتذہ اور طلبہ کے لیے بھی تو سنی عقائد و

عبادات کا پڑھنا پڑھانا لازم ہوگا ان کو بھی اس کا امتحان دینا پڑے گا۔ تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ شیعوں کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ اپنے بنیادی عقیدہ تقیہ کے تحت سنی مذہب کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور اس میں ان کو تقیہ جیسی عبادت کا ثواب بھی مل جائے گا۔ جب ان کے نزدیک خود حضرت علی المرتضیٰ نے باوجود خلیفہ بلا فصل ہونے کے خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کو از روئے تقیہ خلیفہ مان لیا اور ۲۴ سال مسلسل بالترتیب ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے تو پھر آج کل کے شیعوں کے لیے یہ کیا مشکل ہے؟ کہ وہ مشترکہ نصاب میں اپنے عقائد کے ساتھ ساتھ سنی عقائد بھی پڑھ لیں۔ لیکن اہل سنت کے ہاں تو اس قسم کا کوئی تقیہ نہیں وہ کس بنا پر اپنے ایمان کے خلاف شیعہ مذہب پڑھیں گے اور اس کا امتحان بھی دیں گے؟

جب آپ خود شیعہ مذہب کا تفوق اس حد تک تسلیم کر چکے ہیں کہ: ''جہاں شیعیت نے ملک کے اندر اس حد تک تقریباً ہر شخص کو اپنے پلیٹ فارم کی گرفت میں جکڑ رکھا ہے کہ اگر پاکستان کا بدترین و بدنام صدر سکندر مرزا شیعی علماء و ذاکرین سے مجالس منعقد کراتا تھا تو نواب قزلباش مغربی پاکستان کا وزیر اعلیٰ ہو کر لاہور میں عشرۂ محرم کے موقعہ پر گھوڑے کی لگام خود پکڑتا ہے اور ماتمی جلوس کی قیادت اپنے لیے باعث فخر و مباہات سمجھتا ہے۔'' (خطبہ صدارت، ص ۵) تو شیعوں کے اس تفوق و اقتدار کے پیش نظر آپ پر لازم تھا کہ سرکاری تعلیمی اداروں میں ان کے اثرات کو روکنے کی کوشش کرتے لیکن آپ نے شیعہ اقلیت کو مساوی حق دلوا کر ان کے لیے تعلیمی اداروں میں بھی مذہبی ترقی کا وسیع میدان میسر فرما دیا۔ اور جو سنی اساتذہ اور طلبہ شیعہ مذہب سے متنفر تھے اور اس کے اثرات سے محفوظ تھے اُن پر بھی آپ نے شیعہ مذہب کی تعلیم مسلط کر دی اور سنی مسلمانوں کے مذبوح ہونے میں اگر کوئی کمی رہ گئی تھی تو اس مشترکہ نصاب کے ذریعہ وہ بھی پوری کر دی گئی۔ اگر آپ کو اس کے مہلک نتائج کا احساس ہوتا تو آپ نصاب کمیٹی کی رکنیت سے استعفیٰ تو دیدیتے لیکن اس فیصلہ پر دستخط نہ کرتے لیکن:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ایک طرف تو آپ شیعوں کے ماتمی جلوس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ ایک حقیقت ہے اور سولہ آنے حقیقت کہ یہ جلوس کھلی شاہراہیں چھوڑ کر شہروں کی چوڑی چکلی سڑکیں چھوڑ کر تنگ و تاریک گلیوں، کوچوں میں لے جا کر سنی آبادیوں سے نکالے جاتے

ہیں۔عموماً وہی راستے اختیار کیے جاتے ہیں جن پر اہل سنت کے گھروں، دینی ادارے ہوں مدارس ہوں، تبلیغی دفاتر ہوں، مسجدیں ہوں۔خصوصاً جامع مسجد پھر اہل سنت کے ان معابد، مساجد اور مدارس کے سامنے بڑی دیر تک کھڑے ہو کر ماتم کیا جاتا ہے۔خصوصاً مساجد کے آگے اور عین اذان و نماز کے وقت بھی۔ پھر ماتم صرف ہائے ہائے اور سینہ کوبی نہیں بلکہ اس میں لازماً نوحے، مرثیے اور تقریریں ہوتی ہیں۔'' (خطبہ صدارت ص ۲۵)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سنیوں کے گلی کوچوں میں اور مساجد و مدارس کے سامنے بھی شیعوں کے مذہبی مراسم و مظاہر برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن دوسری طرف آپ نے مشترکہ نصاب دینیات میں اتنی رواداری اور فراخدلی کا ثبوت دیا ہے کہ بلاضرورت تعلیمی اداروں میں سنی بچے اور بچیاں شیعہ مذہب کی تعلیم حاصل کریں۔آپ شیعہ ماتمی جلوسوں کے خلاف اسی بنا پر تو احتجاج کر رہے ہیں کہ وہ سنی مذہب کے خلاف ہیں ورنہ شیعوں کے نزدیک تو یہ ان کی عبادت میں شامل ہیں اور جب آپ نے شیعہ عقائد و عبادات کی تعلیم کو سنی اساتذہ اور طلبہ کے لیے منظور فرمالیا تو اب اگر وہ اپنی مذہبی عبادات کا گلی کوچوں میں عملی مظاہرہ کریں تو اس کے خلاف آپ کا احتجاج کیونکر موثر ہوسکتا ہے؟ اگر سنی بچے اور بچیاں یہ کہیں کہ شاہ صاحب! ہم نے کتاب دینیات میں شیعہ مذہب کی عبارات کو علمی طور پر پڑھا ہے اب ہم اس کی عملی صورت بھی دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ امتحان دینے میں آسانی ہو جائے۔''شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔'' تو آپ ان کو کس جواب سے مطمئن کریں گے؟ جب اوکھلی میں سر دیا تو دھمک سے کیا ڈر؟

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

آپ نے شیعہ اقلیت کو یہ حق دے کر پاکستان کی دیگر اقلیتوں مرزائیوں اور عیسائیوں کے لیے بھی سرکاری تعلیمی اداروں میں ان کی مذہبی تعلیم نافذ کرنے کا جواز پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں نے یہ مطالبہ پیش بھی کر دیا ہے: کرسچن سٹوڈنٹس یونین (راولپنڈی) کا اجلاس زیر صدارت مسٹر جاوید کھوکھر چیئر مین کرسچین سٹوڈنٹس منعقد ہوا جس سے سیکرٹری جنرل مسٹر جاوید مائیکل نے خطاب کرتے ہوئے مستقل آئین کا خیر مقدم کیا اور وزیر تعلیم ڈاکٹر عبدالخالق سے اپیل کی کہ ہر اس تعلیمی ادارے میں جس میں مسیحی طلبہ کی تعداد بیس ہے ایک بائبل ٹیچر رکھا جائے۔ انہوں نے حکومت سے پُرزور اپیل کی کہ اب جبکہ نیا تعلیمی سال شروع ہو چکا ہے۔ مسیحی طلبہ کے لیے بائبل کورس کا انتظام کیا جائے۔(نوائے وقت ۷ رمئی ۷۳ء)

فرمائیے۔ آپ ان کے اس مطالبہ کو کس بنا پر مسترد کر سکیں گے؟ اور اگر آپ اقلیتوں کے لیے یہ حق ہی تسلیم نہ کرتے کہ نصاب میں ان کا مذہب شامل کیا جائے تو اس قسم کے فتنوں کا دروازہ ہی بند ہو جاتا اور سنی غالب اکثریت کا حق محفوظ رہتا۔ اگر آپ کے منظور کردہ مشترکہ نصاب کا یہ فیصلہ اہل سنت کے حق میں ہوتا تو آپ کو اس تاریخی کارنامے پر مبارکباد پیش کی جاتی لیکن جہاں تک مجھے علم ہے کسی سنی عالم و بزرگ نے آپ کی تائید میں کوئی بیان شائع نہیں کیا اور نہ ہی کسی حساس سنی مسلمان نے اس فیصلہ کو مفید اور مستحسن قرار دیا اور نہ ہی خود آپ نے اور نصاب کمیٹی کے دوسرے سنی ارکان نے اس فیصلے کے حق میں دلائل دے کر سنی مسلمانوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی بلکہ اس فیصلہ کے خلاف اخبارات میں بیانات شائع ہوئے۔ خدام اہل سنت والجماعت کی طرف سے ''قرارداد مذمت'' ہزاروں کی تعداد میں کراچی تک تقسیم کی گئی جو ماہنامہ انوارِ مدینہ لاہور۔ ماہانہ الارشاد کیمبل پور اور ہفت روزہ نسیم جہلم میں بھی مکمل شائع ہوئی (جو ضلع جہلم کے سرکاری مڈل سکولوں میں منظور شدہ ہے) اور متعدد اضلاع میں سنی مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے دستخطوں سے صدر پاکستان اور وزیر تعلیم کو ارسال کی۔ قومی اور صوبائی اسمبلی کے ارکان کو بھی اس کی کاپیاں ارسال کی گئیں۔ سکولوں کے اساتذہ وطلبہ، کالجوں کے طلبہ پروفیسر صاحبان بلکہ وکلاء تک نے بھی اس قرارداد مذمت پر دستخط کیے۔ روزنامہ جنگ اور روزنامہ نوائے وقت اور روزنامہ تعمیر راولپنڈی میں بھی اس ''قرارداد مذمت'' کے اقتباسات شائع ہوئے ماہنامہ بینات کراچی اور ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں بھی شیعہ مذہب کے داخل نصاب ہونے کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا۔ چنانچہ جداگانہ نصاب کے سلسلہ میں شیعہ مطالبات پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری زید مجدہم نے ''بصائر وعبر'' میں یہ لکھا کہ:

> ''ان دنوں سرکاری مدارس میں شیعہ حضرات کے لیے نصاب کی علیحدگی کہ جو تجویز زیر غور ہے وہ سراسر سیاسی مصالح کے خلاف ہے...... اس تجویز کا تو لازمی تاثر یہ ہے کہ شیعہ ایک مستقل اقلیت ہے جس کی دینیات عام مسلمانوں سے الگ ہے اور حکومت جس طرح دوسری اقلیتوں کو راضی کرنا ضروری سمجھتی ہے اسی طرح ان کو بھی ایک اقلیت سمجھتی ہے۔ ایک طرف مسلمان سمجھنا دوسری طرف علیحدہ نصاب تجویز کرنا یہ کہاں کا فلسفہ ہے؟ اس تجویز سے منافرت اور بڑھ جائے گی۔ اختلافات زیادہ ہو جائیں گے ہوسکتا ہے کہ یہ اختلافات ایسی صورت اختیار کر لیں کہ حکومت کے لیے ہمیشہ کا درد سر ثابت ہو۔'' الخ (بینات کراچی۔ نومبر ۱۹۷۲ء)

علاوہ ازیں ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں بھی جناب مولانا سمیع الحق صاحب سلمہ نے اس فیصلہ کے خلاف پُرزور احتجاج کرتے ہوئے لکھا کہ:

''ہم نے پچھلے شمارہ میں شیعہ نصاب کی علیحدگی اور شیعہ مطالبات کے خطرناک عواقب پر کچھ روشنی ڈالی تھی۔ اب حکومت کی تشکیل کردہ دینیات کمیٹی کے کچھ رہنما اصول سامنے آئے ہیں اور کافی حد تک وہی ہو کر رہا۔ جس کا ہمیں ڈر تھا۔ ہم تو اصولاً اس قسم کے مطالبات کو درخور اعتنا سمجھنا، اس کے لیے کمیٹی تشکیل کرنا اور اسے زیر غور لانا ہی ملک و ملت کے افتراق کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ پھر طرفہ تماشہ یہ کہ کمیٹی اور اس کے ضمنی ورکنگ گروپ میں شیعہ سنی ارکان کو بالکل اس طرح مساوی نمائندگی مل گئی کہ گویا شیعہ اس ملک کی نصف آبادی ہوں اس وقت کمیٹی کی تفصیلات ہمارے سامنے نہیں ہیں مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان مطالبات کو اتنی اہمیت دے کر ملت کا شیرازہ منتشر کرنے کی سعی کر دی گئی ہے۔ اب ردِعمل میں اہل سنت کے جائز حقوق اور مطالبات اور شیعہ حضرات کو اس ملک میں ان کے الگ مقام پر رکھنے کی جدوجہد کو بھی اسی تحمل اور رواداری سے برداشت کرنا چاہیے نہ کہ علیحدگی، افتراق اور انتشار برپا کرنے کی ساری تہمتیں اکثریت پر لگا دی جائیں۔ شیعہ کی اس قسم کی سرگرمیاں یا تو اس ملک کو شیعہ سٹیٹ بنانے کا پیشہ خیمہ ہیں۔ یا شیعہ اپنے وقت کے ابن علقمی یحییٰ خان کے ادھورے منصوبے کو تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیں گے۔'' (الحق۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء)

آپ کی ایک اور غلط فہمی

آپ نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ مشترکہ دینی نصاب کا یہ فیصلہ شیعہ فرقہ کے حق میں نہ تھا۔ اس کے بعد میں انہوں نے اس کے عملی نفاذ کا مطالبہ ترک کر دیا۔

چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

''محترم نیازی صاحب نے یہ فیصلہ پریس کے حوالے کر دیا۔ پریس میں فیصلہ شائع ہوتے ہی ملک بھر میں شیعوں نے اس کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا۔'' (خطبہ صدارت، ص ۱۶)

نیز آپ لکھتے ہیں کہ:

''ہم نے جو منوایا بحمد اللہ دلائل اور سنجیدہ بحث سے منوایا۔ لیکن شیعی، قوم کی لعن طعن اور ہنگامہ خیزی کا جو نتیجہ نکلا وہ حیران کن بلکہ عبرت انگیز ہے کہ اس فیصلے کو آج پورے پانچ مہینے ہو رہے

ہیں پوری شیعہ قوم خاموش ہے۔ شیعی پریس چپ ہے۔ پلیٹ فارم چپ ہے خود مطالبات کمیٹی چپ ہے۔ دینیات کمیٹی کے معزز شیعہ اراکین چپ ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہیں۔ طرہ یہ کہ حکومت بھی خاموش ہے۔ یا تو کنوینز کا یہ ارشاد کہ شیعہ سنی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس جلد تر بلایا جائے گا یا نصف سال گزرنے والا ہے اور کامل سکوت ہے۔'' (خطبہ صدارت، ص ۱۸)

آپ کا یہ قیاس بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ شیعوں کی اکثریت نے اس فیصلہ کو اپنی کامیابی قرار دیا تھا۔ چنانچہ اخبارات میں ان کے تائیدی بیانات اس پر شاہد ہیں۔ صدر پاکستان اور متعلقہ وزراء کو انہوں نے خراج تحسین پیش کیا۔ اور شیعہ فرقہ اس فیصلے کو کیونکر اپنے خلاف سمجھتا جبکہ باوجود اقلیت کے ان کو سنی اکثریت کے مساوی حقوق مل گئے۔ اور اس میں ان کی تاریخی فتح تھی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ بعض شیعہ جماعتوں نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا۔ اور اس کے خلاف ان کے بیانات بھی شائع ہوئے۔ لیکن اختلاف کرنے والوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ محکمہ تعلیم نے بھی یہی رپورٹ لکھی ہے۔ چنانچہ شیعہ مطالبات کمیٹی کے صدر سید جمیل حسین صاحب رضوی نے پریس کانفرنس میں یہ بیان دیا ہے کہ:

''بدقسمتی سے اس فیصلہ سے کچھ شیعہ جماعتوں کو اختلاف تھا اور محکمہ تعلیم نے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ اگرچہ علماء کا متفقہ فارمولا ہے۔ مگر کچھ شیعہ جماعتیں مخالفت کر رہی ہیں۔ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔'' (ہفت روز شیعہ لاہور۔ ۸ رمئی ۱۹۷۳ء)

جمیل حسین رضوی نے یہ بھی اسی پریس کانفرنس میں ذکر کیا ہے کہ:

''کس قدر قابل افسوس ہے کہ ورکنگ گروپ کی میٹنگ آج تک نہیں بلائی گئی۔ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۲ء کی بجائے ۷۳ء کے بعد بھی چار ماہ گزر گئے ہیں۔ ہم نے مولانا کوثر نیازی صاحب سے تقاضا کیا تو ان کا جوابی خط ملا کہ جو کام ان کو سپرد کیا گیا تھا وہ ختم کر چکے ہیں۔ آئندہ ہم اس سلسلے میں پیرزادہ صاحب سے رجوع کریں۔ میں نے ان کو خطوط لکھے۔ پنڈی جا کر قدرت اللہ شہاب صاحب اور ڈاکٹر زمان صاحب سے ملا۔ افسران محکمہ تعلیم نے کہا کہ مولانا کوثر نیازی صاحب کی رپورٹ ہمارے نوٹ کے ساتھ کیبنٹ کے ساتھ بھیج دی گئی ہے وہاں سے حکم ملنے پر آئندہ کا کارروائی ہوگی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صدر صاحب کے حکم سے مولانا کوثر نیازی صاحب کی سرکردگی میں کمیٹی جس میں ملک بھر

کے چند شیعہ وسنی علماء ممبر ہوں پھر وہ متفقہ فیصلہ کریں۔ اب اس میں کیبنٹ کو کیا کرنا ہے؟'' (ہفت روزہ شیعہ لاہور ۸/مئی ۱۹۷۳ء)

شیعہ مطالبات کمیٹی کے اس بیان سے تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ مشترکہ نصاب کے نفاذ کے سلسلہ میں غافل نہیں رہے بلکہ اس کے لیے کوششیں کرتے رہے ہیں۔ یہاں یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ شیعہ مطالبات کمیٹی کے صدر کی یہ پریس کانفرنس پہلے ہوئی تھی اور آپ کی ملتان خلافت راشدہ کانفرنس ۲۷، ۲۸، ۲۹/اپریل کو کچھ دن بعد میں منعقد ہوئی ہے۔ اور یہ بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ جن شیعہ جماعتوں نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا ہے انہوں نے اس کی یہ وجہ بھی بتائی ہے کہ اس طرح آئمہ اثنا عشر (بارہ اماموں) کے ذکر کو شیعہ مذہب کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے حالانکہ اہل سنت بھی ان ائمہ کو مانتے ہیں وغیرہ۔

ورنہ ان شیعہ جماعتوں کو بھی اپنی اس اصل سے اختلاف نہیں ہے۔ کہ ''شیعہ مذہب سرکاری تعلیمی اداروں کے دینی نصاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔''

شیعہ جماعتوں میں بھی اتحاد ہو گیا

نصاب دینیات کے بارے میں شیعوں میں جو اختلاف تھا۔ وہ بھی انہوں نے ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ ''بشارت عظمیٰ'' کے عنوان کے تحت اخبار شیعہ لاہور میں یہ لکھا ہے کہ:

''مجلس عمل علمائے شیعہ پاکستان کی جانب سے ایک ہینڈ بل وصول ہوا ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ پاکستان کی مرکزی شیعہ جماعتوں میں اتفاق واتحاد ہو گیا ہے اور تمام جماعتوں کی یقین دہانی کے بعد بتاریخ ۱۰/اپریل ۱۹۷۳ء کو مجلس عمل علمائے شیعہ پاکستان کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حسب ذیل تجویز پاس ہوئی۔

تجویز: ہر گاہ کہ قیام پاکستان سے اب تک شیعہ طلبہ کے لیے کئی مرتبہ ان کی دینیات کا حق تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن آج تک اس پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ موجودہ عوامی حکومت نے بھی جناب مولانا کوثر نیازی صاحب وزیر اطلاعات کی سربراہی میں علماء کی مجلس مشاورت قائم کی۔ اور اس میں ہر مکتب فکر کے علماء نے خوشگوار ماحول میں اس بنیادی حق کی توثیق وتصدیق کر دی۔ اس لیے پاکستان مجلس عمل علمائے شیعہ کا یہ ہنگامی اجلاس حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ ستمبر ۱۹۷۲ء کے فیصلہ کے مطابق جلد از جلد نصاب تیار کرنے اور اس کے نفاذ کا حکم دیا جائے۔ اب چونکہ تعلیمی سال نو کا آغاز ہو چکا ہے اس لیے تا نصاب جدید شیعہ طلبہ کے لیے جناب صدر

پاکستان کے ارشاد کے مطابق ۱۹۷۰ء میں بارہ رکنی بورڈ کی منظور کردہ شیعہ دینیات کی کتابیں پڑھانے کا حکم دیا جائے۔'' (ہفت روزہ شیعہ لاہور ۸/مئی ۷۳ء)

محترم شاہ صاحب۔ اب تو آپ پر یہ حقیقت حال واضح ہوگئی ہوگی کہ شیعہ فرقہ آپ کے منظور کردہ مشترکہ دینی نصاب کا نفاذ چاہتا ہے یا نہیں؟ کاش کہ آپ شیعہ عزائم ومساعی پر نظر رکھتے اور اپنے خطبہ صدارت میں سنی مسلمانوں کے حقوق کے خلاف ''مشترکہ دینی نصاب'' نافذ کرنے کا مطالبہ نہ کرتے۔

آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان

آپ نے غالباً اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نیا آئین کا مطالعہ نہیں فرمایا جس میں لکھا ہے کہ:

''کسی شخص کو جو کسی تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم ہو ایسی مذہبی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکے گا۔ اور نہ کسی مذہبی رسم میں شرکت کے لیے کہا جائے گا۔ نہ مذہبی عبادت کرنا ہوگی اگر یہ ہدایات اس کے اپنے مذہب کی بجائے کسی اور مذہب سے متعلق ہوں۔'' (آئین پاکستان ص ۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ جدید آئین کے تحت اب شیعہ مذہب کی تعلیم سنی طلبہ کے لیے اور سنی مذہب کی تعلیم شیعہ طلبہ کے لیے لازم نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا آپ کا موزوں ومعتدل ''مشترکہ دینی نصاب'' کالعدم ہو جاتا ہے اور شاید اسی بناء پر شیعوں نے متفقہ طور پر یہ مطالبہ پیش کر دیا ہے کہ:

''جناب صدر پاکستان کے ارشاد کے مطابق ۱۹۷۰ء میں بارہ رکنی بورڈ کی منظور کردہ شیعہ دینیات کی کتابیں پڑھانے کا حکم دیا جائے۔'' واللہ اعلم

آخری گزارش

راقم الحروف نے سنی مسلمانوں کے مذہبی حقوق کے تحفظ کے تحت آپ کی خدمت میں ان خرابیوں کی نشاندہی کر دی ہے جو سنی شیعہ نصاب کمیٹی کے فیصلہ میں پائی جاتی ہیں۔ یہ مسئلہ نہ صرف تنظیم اہل سنت کا ہے، اور نہ خدام اہل سنت کا، نہ جمعیت علمائے اسلام کا ہے اور نہ جمعیۃ علمائے پاکستان کا نہ اہلحدیث کا اور نہ مودودی جماعت کا۔ بلکہ یہ مسئلہ ان تمام سنی مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے جو رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت مقدسہ کو اور حضور ﷺ کی جماعت مرضیہ کو دین اسلام میں شرعی حجت اور معیار حق مانتے ہیں۔ لہٰذا آپ شخصی اور جماعتی حدود سے بالاتر ہوکر اس مسئلہ کے مالہ وما

علیہ پر غور و فکر فرمائیں اور چونکہ شیعوں نے متحدہ طور پر اپنا یہ مطالبہ فوری طور پر منوانے میں کوشش شروع کردی ہے کہ:

''۱۹۷۰ء میں بارہ رکنی بورڈ کی منظور کردہ دینیات کی کتابیں پڑھانے کا حکم دیا جائے۔''

اور اہل سنت عموماً غفلت شعار ہیں اس لیے آپ کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس مکتوب کو شائع کیا جارہا ہے۔ تاکہ آپ کے مطبوعہ ''خطبہ صدارت'' اور میرے مطبوعہ مکتوب کے مندرجات کی روشنی میں عوام اہل سنت اس اہم ملکی و ملی مسئلہ کے متعلق صحیح فیصلہ کرسکیں۔ وماعلینا الا البلاغ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب سنی مسلمانوں کو مذہب اہل سنت والجماعت کی خدمت وحفاظت کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اہل سنت کو کامیابی نصیب ہو۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم ﷺ

خادم اہل سنت
الاحقر مظہر حسین غفرلہ
مدنی جامع مسجد چکوال (جہلم)[۱]
۱۸ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ
۲۲ مئی ۱۹۷۳ء

سنی، شیعہ جداگانہ نصاب اور مشترکہ نصاب کے خطرناک مطالبے

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا ''مکتوب مرغوب'' پڑھ کر آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ اُس زمانہ میں اولاً شیعوں نے ''جداگانہ نصاب'' کا مطالبہ کیا، یعنی ایک ہی نظامِ تعلیم میں شیعوں کی دینیات الگ ہو اور سنی طلبہ کی علیحدہ ہو، جب اس کی کہیں شنوائی نہ ہوئی تو انہوں نے ''مشترکہ نصاب تعلیم'' کا جھانسہ دے دیا کہ ایک ہی کتاب میں دو الگ نظریات شامل ہونے چاہئیں، سنی طلبہ و طالبات کے اہل سنت کے نظریہ کے مطابق اور شیعہ طلبہ و طالبات کے اہل تشیع افکار کے مطابق! اور یہ مطالبہ پہلے مطالبے سے بھی بڑھ کر خطرناک تھا، اور یہی وہ چکمہ تھا کہ جس میں حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ آ گئے تھے۔ جب فتنہ و فساد کی آندھی چلتی ہے تو اہل دانش و بینش اپنے تمام تر ذخیرۂ علم و شعور اور سرمایۂ اخلاص کے باوصف کبھی کبھار اس کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر انہی کے معاصرین اور انہی کے ہم پلہ ذی علم و شعور ان

---

[۱] مظہر حسین، قاضی، حضرت مولانا / مکتوب مرغوب، بنام مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، ناشر! تحریک خدام اہل سنت والجماعت / ۲۲ مئی ۱۹۷۳ء / پاکستان۔

کو آگاہ بھی کر دیتے ہیں، یہ قضیہ بھی اسی نوعیت تھا، جس میں ایک خطرناک اور زہریلی وباء پھیلانے کا منصوبہ تیار کیا جا رہا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت قائد اہل سنت کو بے پناہ بصیرت عطا فرمائی تھی، آپ ہوا کا رُخ دیکھ کر فیصلہ نہیں فرماتے تھے، بلکہ مکمل غور وفکر اور شعور وادراک کے ساتھ قدم اور قلم اٹھاتے تھے اور پھر دیکھنے والے دیکھ لیتے کہ قائد اہل سنت حالات وواقعات کا اس قدر جامع تجزیہ کر کے مستقبل کا نقشہ پیش کر دیتے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ چنانچہ ''مشترکہ دینیات'' سے ایک، دو سال قبل جب اہل تشیع نے ''جداگانہ دینیات'' کا شرارت انگیز مطالبہ اٹھایا تھا، قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس وقت سے ہی اہل علم کو خبردار کرنا شروع کر دیا تھا کہ اگر اہل سنت نے بیداری اور حمیت دینی کا مظاہرہ نہ کیا تو ان کے مطالبے آئے روز نئی نئی صورتوں میں سامنے آتے رہیں گے اور پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ پاکستان سوادِ اعظم کی بجائے شیعہ سٹیٹ دکھائی دے گی، قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو لاحق ان خدشات وخطرات ہی کا نتیجہ تو تھا کہ پھر اسی ۷۰ء والی دہائی کے آخر میں جا کر ایران میں خمینی شیعی انقلاب لایا گیا، جس کے بداثرات نے آج تا وقت سطور، چالیس سال کے بعد بھی پاکستان کی جان نہ چھوڑی اور ہر آنے والا دن کسی نئی مصیبت کو اپنے ہمراہ لاتا ہے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ''جُداگانہ دینیات'' کے شیعی مطالبے کے خلاف جو پمفلٹ لکھ کر لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کروایا تھا، اور اس مختصر کتابچہ نے سنی قوم میں زبردست شعور پیدا کر دیا تھا، اس کا ذائقہ بھی چکھ لیجیے۔

''اہل سنت کے لیے ایک اور آزمائش''

(از قلم: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ)

شیعوں کی مجوّزہ ایجی ٹیشن ملکی سلامتی کے لیے خطرناک ہے

دو لاکھ قبائلی شیعوں کا اس تحریک میں شریک ہونے کا اعلان۔ برادرانِ اہل سنت کے لیے یہ خبر ملکی اور ملی لحاظ سے بڑی تشویشناک ہے کہ ابھی ''مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت'' قرار دینے کے فیصلہ کی سیاہی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ شیعوں نے سرکاری سکولوں کے نصاب میں شیعہ دینیات نافذ کرانے کا مطالبہ منوانے کے لیے ایک خطرناک ایجی ٹیشن جاری کرانے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ ہفت روزہ شیعہ لاہور ۸/ ستمبر ۱۹۷۴ء میں یہ اعلان ہوا کہ:

① ''پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی'' نے حکومت کی ٹال مٹول کی پالیسی سے تنگ آ کر ۲۷/ اکتوبر

۱۹۷۴ء کو راولپنڈی میں محاذِ حسینی لگانے کا فیصلہ کرلیا۔شیعان پاکستان اپنے جائز حق کے حصول کے لیے ہر قسم کی قربانی پیش کریں گے۔

۲ ہفت روزہ شیعہ ۱۶ ستمبر میں شیعہ علماء کے متفقہ فیصلہ کے مطابق یہ اعلان ہوا کہ ''۲۷ اکتوبر کو راولپنڈی پہنچ کر جہاد میں حصہ لیں'' اور شیعہ مطالبات کمیٹی کے صدر جسٹس جمیل حسین صاحب رضوی نے ایک پریس کانفرنس میں یہ بیان دیا کہ: اڑھائی کروڑ شیعوں کے نمائندوں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ آئندہ ہم نے حکومت سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کرنی۔ ملاقات کا وقت نہیں مانگنا اور نہ ہی وزارت تعلیمات کا طواف کرنا ہوگا بلکہ ۲۷ اکتوبر کو قوم ایک بار پھر راولپنڈی میں جمع ہو کر اپنی زندگی و بقاء کا ثبوت دے گی۔

۳ ہفت روزہ شیعہ میں یہ اعلان ہوا کہ: ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۴ء اتوار کو وطن عزیز کے شیعانِ حیدر کرار جانیں نچھاور کرانے کے لیے پرامن طور پر میدان میں نکل پڑیں گے۔

(ب) دو لاکھ شیعہ قبائلی تو اپنے مذہب پر فدا ہونے کے لیے پہلے سے تیار کھڑے ہیں۔ علاوہ ازیں چاروں صوبوں کے شیعان علیؓ و حسینؓ میدان میں نکل کر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے کمریں باندھ چکے ہیں۔ اور تاریخ مقررہ کا نہایت بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔

۴ ''آل پاکستان شیعہ سٹوڈنٹس کنونشن کمیٹی'' کی طرف سے پاکستان شیعہ کمیٹی کے صدر جسٹس جمیل حسین صاحب رضوی کے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیہ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ: معینہ مدت میں جداگانہ شیعہ دینیات نہ نافذ کی گئی تو نوجوانان ملت حسینیت کی جگہ ''حیدری'' ہونے کا مظاہرہ کریں گے اب پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔

(ب) اس اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا کہ ۲۵ اکتوبر تک ہمارے مطالبات پر عمل درآمد نہ کیا گیا اور شیعہ دینیات نافذ نہ کی گئی تو ہم اپنا حق مانگنے کی بجائے خود حاصل کریں گے۔ اور ہمارا آئندہ اقدام فیصلہ کن ہوگا۔ ہم سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ موجودہ نصاب دینیات کے لیے ملک گیر تحریک چلائیں گے۔ ایجی ٹیشن کریں گے اور اس وقت تک گھروں میں نہیں جائیں گے جب تک ہمارے مطالبات پر عملدرآمد نہیں ہو جائے گا۔ ان تمام حالات کی ذمہ داری موجودہ حکومت پر ہوگی۔ (ہفت روزہ شیعہ ۲۴ ستمبر ۱۹۷۴ء)

اہل سنت کا موقف: موجودہ نازک حالات میں جبکہ پاکستان داخلی اور خارجی فتنوں میں مبتلا

ہے اور ''مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت'' ''قرار دینے'' کے تاریخی فیصلہ کے ردعمل میں مرزائیوں کی طرف سے ملک میں انتشار پھیلانے کے خطرات بھی باقی ہیں شیعوں کی مجوزہ ایجی ٹیشن اور اس سلسلہ میں اشتعال انگیز بیانات (جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بڑے دشمن کے مقابلہ میں جنگی محاذ پر قربانی کے لیے جا رہے ہیں) ملکی سالمیت کے لیے سخت خطرناک ہیں جس سے مرزائی وغیرہ پاکستان دشمن طاقتیں ہی فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس تحریک میں کسی تیسری طاقت کی سازش بھی کارفرما ہو۔ یہ تحریک دراصل سوادِ اعظم اہل سنت کو مرعوب کرنے کے لیے چلائی جا رہی ہے۔ جنہوں نے گزشتہ سال ''سنی مطالبات'' پیش کر کے شیعوں کی مجوزہ ایجی ٹیشن کو ناکام بنا دیا تھا۔ چنانچہ گزشتہ سال بھی شیعہ کنونشن ملتان منعقدہ ۱۴، ۱۵/ جولائی ۷۳ء میں شیعہ مطالبات کمیٹی نے یہ قرار دادِ الٹی میٹم پاس کی تھی کہ: اگر ۲۰/ ستمبر تک سرکاری مدارس میں جداگانہ شیعہ دینیات نافذ نہ کی گئی تو ۲۱/ ستمبر ۱۹۷۳ء کو ملک بھر سے شیعہ عوام راولپنڈی پہنچ کر شدید احتجاج اور مظاہرہ کریں گے۔ نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ پاکستان شیعہ کمیٹی پر نہ ہوگی۔ تو اس کے ردعمل میں ''سوادِ اعظم کے ملکی و ملی حقوق کے تحفظ کے لیے اہم ''سنی مطالبات'' چاروں صوبوں کے قریباً ایک ہزار سنی علماء و زعماء وغیرہ کے دستخطوں سے پیش کر دیئے گئے تھے۔ جن میں گیارہ جماعتوں کے ذمہ دار اصحاب کے علاوہ قومی اسمبلی کے حسب ذیل سات علماء ارکان کے دستخط بھی تھے: ① مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث اکوڑہ خٹک (پشاور) ② مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی ③ مولانا صدر الشہید صاحب (بنوں) ④ مولانا شاہ احمد نورانی صاحب ⑤ مولانا عبدالحکیم صاحب (راولپنڈی) ⑥ مولانا نعمت اللہ صاحب (کوہاٹ) ⑦ مولانا عبدالحق صاحب (بلوچستان) سنی مطالبات کی یہ دستاویز ''خدام اہل سنت'' کی طرف سے سارے ملک میں پھیلائی گئی تھی۔ صدر، وزیر اعظم، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے ارکان کو بھی بھیجی گئی۔ جس کے نتیجہ میں حکومت نے شیعہ مطالبات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ ہم اہل سنت تصادم نہیں چاہتے لیکن شیعوں کی اس ایجی ٹیشن کے نتیجہ میں ملک میں سنی شیعہ فرقہ وارانہ فسادات کا بھی خطرہ ہے اور ہم سرکاری نصاب میں شیعہ دینیات کے نفاذ کو قبول بھی نہیں کر سکتے کیونکہ (۱) سوادِ اعظم اہل سنت کی عظیم اکثریت کا یہ حق ہے کہ ان کی دینیات نافذ کی جائیں اور اقلیتی مذہبی فرقے اپنی دینیات کا پرائیویٹ انتظام کریں جس طرح ایران میں صرف شیعہ دینیات سرکاری سکولوں کے نصاب میں نافذ ہیں اور اہل سنت کو بچوں کے لیے اپنی دینیات کا پرائیویٹ انتظام کرنا پڑتا ہے۔ (۲) اگر شیعوں کی دینیات نصاب میں شامل کی جائے تو دو متضاد عقائد و

مسائل کی ایک کلاس یا ایک سکول میں تعلیم کی وجہ سے سنی اور شیعہ طلبہ باہمی دست و گریباں ہوتے رہیں گے۔ اور تعلیم گاہیں فرقہ وارانہ فسادات کا منبع بن جائیں گی۔ (۳) اگر شیعوں کو یہ حق مل جائے تو پھر دوسری مذہبی اقلیتوں کو بھی یہ حق دینا پڑے گا۔ اور سرکاری نصاب میں ہر مذہب اور فرقے کی دینیات سے جو اشتعال پھیل سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

احتجاجی تاریں اور خطوط جلدی بھیجے جائیں

خدانخواستہ اگر مسلمانانِ اہل سنت کی غفلت اور خاموشی کی بنا پر شیعوں کا مطالبہ منظور ہو گیا تو اہل سنت کے خلاف یہ ایک تاریخی فیصلہ ہوگا جس کے نتائج مذہب اہل سنت کے لیے بہت نقصان دہ ہوں گے اس لیے اب وقت ہے کہ اہل سنت اپنے مذہبی فریضہ کے پیش نظر اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے شیعہ دینیات کے مطالبہ کے خلاف زبردست احتجاج کریں۔ اور سنی علماء، خطباء مبلغین و مقررین، کالجوں کے پروفیسرز، سکولوں کے ٹیچرز و وکلاء اور سیاسی زعماء حتیٰ کہ ہر طبقہ اہل سنت و جماعت کی طرف سے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو اس مضمون کی تاریں اور رجسٹری خطوط اور قراردادیں روانہ کی جائیں کہ: سوادِ اعظم اہل سنت کے حقوق کے پیش نظر اور ملکی سالمیت کی خاطر شیعہ مطالبات دینیات کو مسترد کر دیا جائے۔ اور ان کی اس مجوزہ ایجی ٹیشن پر پابندی لگا دی جائے۔ والسلام

خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ

خطیب مدنی جامع مسجد چکوال و امیر

تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب (پاکستان)[1]

''مکتوب مرغوب'' پر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کے تاثرات اور صائب مشورے

بخدمت گرامی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نصرکم اللہ واعانکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا مطبوعہ ''مکتوبِ مرغوب'' مع قلمی گرامی نامہ پہنچا، دونوں کو غور سے پڑھا، مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری کے ''خطبہ صدارت'' ملتان کی خرابیوں کی نشاندہی آپ نے بروقت اچھی کر دی ہے جزاکم اللہ۔ یہ خطبہ میں نے نہیں دیکھا نہ انہوں نے مجھے بھیجا۔ حالانکہ آپ کی مطبوعہ قراردادِ مذمت میں نے خود مولانا دوست محمد قریشی کو دی تھی اور انہوں نے اپنی میٹنگ میں اس پر غور کرنے کے بعد مجھے مطلع

---

[1] مظہر حسین، قاضی، مولانا، قائد اہل سنت / اہل سنت کے لیے ایک اور آزمائش (پمفلٹ) مطبوعہ نومبر ۱۹۷۴ء / چکوال۔

کرنے کا وعدہ کیا تھا، آپ کے مکتوب میں جو اقتباسات اس کے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خود تضاد پایا جاتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اب جبکہ پاکستان کے جدید آئین کے تحت شیعہ مذہب کی تعلیم سنی طلبہ کے لیے اور سنی طلبہ کی تعلیم شیعہ طلبہ کے لیے لازم نہیں ہوسکتی، اس لیے مشترکہ دینی نصاب کا متفقہ فیصلہ کالعدم ہوجاتا ہے اور شیعوں نے بھی یہ مطالبہ پیش کردیا ہے کہ ۷۰ء میں بارہ رکنی بورڈ کی منظور کردہ شیعہ دینیات کی کتابیں پڑھانے کا حکم دیا جائے (''شیعہ'' لاہور، ۸ رمئی ۷۳ء) اس وقت اگر گفتگو کرکے ''تنظیم اہل سنت'' کے علماء کو اپنے مطالبہ میں ہمنوا بنایا جاسکتا ہو تو یہ بہت مفید ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ''مشترکہ نصاب'' کا فیصلہ تو کالعدم ہوچکا ہے، اب تنظیم والوں کو بھی اس پر اصرار نہیں ہونا چاہیے، اور ''جداگانہ نصاب'' کے تنظیم والے بھی مخالف ہیں اور شاید اس سے بچنے کے لیے ہی انہوں نے مشترکہ نصاب کو تسلیم کیا ہوگا، تو اب ان کے لیے بھی آپ کے مطالبہ کی موافقت کرنے میں بظاہر کوئی مانع معلوم نہیں ہوتا۔ ان کا موقف یہ ہوسکتا ہے کہ جداگانہ نصاب تعلیم کی قباحتیں مسلّم ہیں، اس وجہ سے مشترکہ نصاب کو تسلیم کرلیا گیا تھا مگر وہ جدید آئین کی وجہ سے کالعدم قرار دے دیا گیا، عظیم اکثریت اور ملک کے سوادِ اعظم کے مطابق ملک میں ایک ہی سنی نصاب رائج کیا جائے جیسا کہ ایران میں شیعہ اکثریت کے موافق سرکاری مدارس میں ایک ہی شیعہ نصاب نافذ ہے۔ اگر اس وقت تنظیم اہل سنت کے ساتھ نصاب کے مسئلہ میں مفاہمت اور اشتراکِ عمل کی تحریک کی جائے اور کوئی مشترکہ لائحہ عمل مرتب کیا جائے تو اہل سنت کے حق میں اس کے اچھے نتائج برآمد ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے، خدام اہل سنت اور تنظیم اہل سنت دونوں تنظیموں کا قیام اگر کسی وجہ سے مصلحت معلوم ہوتا ہے تو پھر یہی مشترکہ مقصد میں ان دونوں کی باہمی اتحاد و اشتراک کی کوئی صورت مفاہمت کے ساتھ تجویز ہونی ضروری ہے۔ ورنہ تو اس افتراق و اختلاف سے حقوق اہل سنت کے تحفظ کا مسئلہ حکومت کی نگاہ میں بالکل بے وزن ہوکر رہ جائے گا۔ اور وہ اس اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھا کر شیعہ مفادات کا تحفظ کرنے میں اپنے کو حق بجانب تصور کرنے لگے گی۔ دوسرا اس بات پر بھی بڑی سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلک دیوبند کے تحفظ وغیرہ جن مصالح کے پیش نظر جناب نے خدام اہل سنت کی بنیاد رکھنے کا اظہار فرمایا ہے۔ جناب کو معلوم ہے کہ یہ احقر مصالح کے احساسات میں جناب کے بالکل موافق ہے، مگر جو مسئلہ ملک گیر نوعیت کا حامل ہو اور اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے ساتھ اس کا تعلق ہو، اس کو دیوبندی، بریلوی یا اس طرح کے کسی ایک مکتب فکر کے دائرہ میں محدود کرکے کیسے حل کیا جاسکتا ہے؟ اس کے حل کرنے کے لیے تو بہرحال طریق

کار میں کچھ نہ کچھ وسعت ہی سے کام لینا پڑے گا۔ پھر بھی اپنے خصوصی مسلک کے تحفظ کا فریضہ ادا کرتے رہنا بہرحال ضروری ہوگا۔ آپ نے مرکزی جمعیت اور جمعیت کے اختلاف کا بھی مثال میں تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں جماعتیں متحد کیوں نہیں ہوجاتیں؟ جبکہ مسلک و مقصد ایک ہی ہے یہ تو درست ہے کہ ان دونوں جماعتوں کے اکابر علماء اکابر دیوبند سے ہی تلمذ وتوسل رکھتے ہیں مگر آپ کو معلوم ہے کہ ان میں اتحاد اس لیے نہیں ہوتا کہ اکابر دیوبند میں ہی سیاسی اختلاف تھا اور یہ جمعیتیں بھی اسی اختلافِ اکابر کے مظاہر ہیں، یہ کوئی نیا اختلاف نہیں ہے طرزِ فکر اور طریق کار پران کا اختلاف ہے۔ یہ احقر اپنی علمی بساط کی حد تک جو کچھ سمجھ سکا ہے، دونوں جمعیتوں کے متحد نہ ہونے کی وجہ یہی بتلا سکتا ہے کہ ان دونوں میں کچھ ایسے اصولی اختلاف ہیں، جن کے ہوتے ہوئے دونوں کا مقصد ایک معلوم نہیں ہوتا، اس لیے علیحدہ علیحدہ دونوں تنظیموں کا وجود نا گزیر ہے۔ اگر خدام اہل سنت اور تنظیم اہل سنت میں بھی ایسے ہی اصولی اختلافات ہوں، جن کی وضاحت آپ کو ایک تحریر کے ذریعہ کرنے کی ضرورت ہے تو پھر ان تنظیموں کے علیحدہ علیحدہ ہونے میں کچھ اشکال نہیں ہے۔ میرا مقصد اس چیز کی وضاحت کرنے سے ہے۔ آپ کی ایک تحریر میں ''اقامۃ البرہان''[1] کے جواب لکھنے کا ذکر تھا مجھے مدرسہ کے دوسرے کاموں کے ساتھ ہدایہ وغیرہ کچھ اسباق ہوتے ہیں اور صحت بھی عام طور پر اچھی نہیں رہتی اور بعض ضروری تحریروں کا کام بھی کرنا پڑتا ہے، ابھی پچھلے دنوں اخبارات میں مرتد کی سزا کے خلاف مضامین شائع ہو رہے تھے۔ بحمد اللہ تعالیٰ احقر نے اس پر ایک رسالہ ''**توضیح المراد لمن تخبط فی عقوبۃ الارتداد**'' لکھ دیا، اس میں تمام نقلی و عقلی دلائل کا جواب دے دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود ''اقامۃ البرہان'' کے مقدمہ اور اس کی چار بحثوں کا جواب میں نے لکھ دیا ہے۔ اگر جناب تکلیف فرما کر اس کو ملاحظہ فرمالیں اور مشورہ ہو تو اگلی بحثوں کا بھی جواب لکھ دیا جائے گا۔ باقی دعاء کا خواستگار ہوں، اللہ تعالیٰ سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین ثم آمین[2]

---

[1] ''اقامۃ البرہان'' کے مصنف مولانا سجاد بخاری تھے جو اشاعت التوحید والسنۃ کے بنیادی اور مرکزی لوگوں میں شمار ہوتے تھے، بعد میں حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا جواب لکھا تھا جو آپ رحمہ اللہ کی معروف کتاب ''ہدایۃ الحیران'' کے دوسرے اڈیشن میں بطور اضافہ و جواب شامل اشاعت ہے، مذکورہ اڈیشن ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے ۱۴۱۷ھ میں شائع ہوا تھا۔ (سلفی)

[2] عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ، سید، مفتی، مولانا / بنام قائد اہل سنت / مکتوب محررہ یکم جمادی الاول ۱۳۹۳ھ / ساہیوال، ضلع سرگودھا۔

پاکستان میں تبدیلی کلمہ اسلام کی ایک خطرناک سازش، قائد اہل سنت کی ایک انقلابی اور مفکرانہ تحریر

۱۹۷۵ء کے دور میں جب شیعہ، سنی مشترکہ دینیات کی کتب چھپ کر آئیں تو ان میں نیا نصاب نافذ کر دیا گیا اور اس کا طریقہ یہ رکھا گیا کہ مڈل کلاسوں تک سنی و شیعہ طلبہ کے لیے تو ایک ہی نصاب رکھا گیا مگر نویں اور دسویں کلاسوں کے لیے الگ الگ اسلامیات جاری کر دی گئی، ایک پر ''سُنی طلبہ کے لیے'' اور دوسری پر ''شیعہ طلبہ کے لیے'' لکھ دیا گیا تھا اور یوں دونوں مذاہب کے الگ الگ عقائد و مسائل پر مشتمل دینیات محکمۂ تعلیم حکومت پاکستان کی جانب سے رائج کر دی گئی، اس پر قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے پُرزور تحریک چلائی اور اپنی تحریروں، تقریروں اور اخباری کالموں میں اس کے مضر اثرات کی نشاندہی کرتے ہوئے بھرپور احتجاج کیا، تا آنکہ آپ نے مزید ایک رسالہ بنام ''پاکستان میں تبدیلی کلمہ اسلام کی ایک خطرناک سازش'' لکھ کر بڑی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کروایا۔ اس رسالہ میں طرزِ تحریر اور اسلوب بیان ایک مفکر اور مدبر دینی قیادت کی بہترین صلاحیتوں کا پتہ دیتا ہے۔ یہ تاریخی تحریر ملاحظہ کیجیے اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی فکری و روحانی پرواز کا مشاہدہ کیجیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمدللہِ ربّ العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ محمدٍ رحمۃ للعالمین وَ خاتم النبیین و علٰی آلہٖ و ازواجہٖ اصحابہٖ و خلفآءہٖ اجمعین۔

قیامِ پاکستان کا مقصد یہ تھا کہ یہاں اسلامی آئین نافذ ہوگا لیکن ۲۸ سال کا طویل عرصہ گذرنے کے باوجود یہ مقصد پورا نہیں ہوسکا۔ بلکہ ملکی حیثیت سے جو بڑا انقلاب آیا وہ بنگلہ دیش کا قیام ہے۔ جس کے بعد پاکستان آدھارہ گیا اور اس باقی ماندہ حصہ میں بھی دن بدن صوبائی، قومی، معاشی، لسانی، سیاسی اور مذہبی مسائل کی وجہ سے افتراق و انتشار بڑھ رہا ہے۔

ایک مبارک دن: باوجود دیگر خرابیوں اور بربادیوں کے اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت سے مسلمانان پاکستان کو ۷، ستمبر ۱۹۷۴ء کا وہ مبارک تاریخی دن نصیب ہوا ہے جس میں متفقہ طور پر قومی اسمبلی میں دورِ حاضر کے ایک دجال و کذاب مرزا غلام احمد قادیانی کی اُمّتِ مرزائیہ کو (قادیانی ہوں یا لاہوری) غیر مسلم (کافر) اقلیت قرار دے دیا گیا اور آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲۶۰ میں دفعہ نمبر ۲ کے بعد حسبِ

ذیل نئی دفعہ شامل کردی گئی کہ:

جو شخص حضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد الفاظ کے کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا اس قسم کے دعویدار کو نبی یا مُصلح مانتا ہو۔ وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے تحت مسلمان نہیں (اور تعزیزات پاکستان کی دفعہ نمبر ۲۹۵ میں تشریح بھی شامل کردی گئی کہ)

جو مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے (جیسا کہ آئین آرٹیکل نمبر ۲۹۰ کی دفعہ نمبر ۳ میں صراحت کردی گئی ہے) کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے۔ عمل کرے۔ یا پرچار کرے گا۔ اُسے اس دفعہ کے تحت سزا دی جاسکے گی۔'' (بحوالہ نوائے وقت راولپنڈی ۸ ستمبر ۱۹۷۴ء)

ایک منحوس ساعت: لیکن اس کے بعد جلدی ہی مسلمانان پاکستان کے لیے ۱۳/اکتوبر ۱۹۷۴ء میں ایک منحوس ساعت ایسی بھی آ گئی جس میں سرکاری سکولوں میں وہ شیعہ نصاب دینیات بھی منظور کرلیا گیا جو اصلی اور متفقہ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بجائے ایک خود ساختہ کلمۂ اسلام پر مبنی ہے۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ چند سالوں سے شیعہ فرقہ یہ مطالبہ کررہا تھا کہ سرکاری سکولوں میں ان کا نصاب دینیات بھی نافذ کیا جائے لیکن سابقہ حکومتوں میں یہ مطالبہ کامیاب نہیں ہوسکا۔ موجودہ حکومت کے دور میں جب یہ مطالبہ پیش کیا گیا تو ۳۰ ستمبر ۱۹۷۲ء کو کوثر نیازی کمیٹی نے کراچی کے ایک اجلاس میں سُنی شیعہ مشترکہ نصاب دینیات کی سفارش کردی۔ مگر سوادِ اعظم اہلِ سنت نے اس کے خلاف شدید احتجاج کیا اور خصوصاً تحریک خدام اہلِ سنت کی طرف سے ایک رسالہ بعنوان ''سوادِ اعظم کے ملکی وملی حقوق کے تحفظ کے لیے اہم سُنی مطالبات'' سارے ملک میں پھیلا دیا گیا جس پر قریباً ایک ہزار علماء وفضلاء کے دستخط تھے۔ جن میں قومی اسمبلی کے حسبِ ذیل سات علماء ارکان بھی شامل ہیں۔ ① شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب، اکوڑہ خٹک پشاور ② مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی ③ مولانا شاہ احمد صاحب نورانی ④ مولانا صدر الشہید صاحب (بنوں) ⑤ مولانا عبدالحکیم صاحب (راولپنڈی) ⑥ مولانا نعمت اللہ صاحب (کوہاٹ) ⑦ مولانا عبدالحق صاحب (بلوچستان) اس کے بعد نیازی کمیٹی کی سفارشات منظور نہ ہوسکیں، لیکن ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے نتیجہ میں جب ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئین پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو شیعوں کی طرف سے پھر زور شور سے نصابِ شیعہ کی تحریک شروع کردی گئی حتیٰ کہ انہوں نے ۲۷/اکتوبر ۱۹۷۴ء کو راولپنڈی میں

''حسینی محاذ'' کھولنے کا اعلان کر دیا۔ اس اقدام کو جہاد قرار دیا گیا اور حکومت کو دھمکیاں دی گئیں چنانچہ شیعہ مطالبات کمیٹی کے صدر جمیل حسین رضوی سابق جج ہائی کورٹ نے پریس کانفرنس میں یہ اشتعال انگیز بیان دیا کہ:

''اڑھائی کروڑ شیعوں کے نمائندوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ ہم نے حکومت سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کرنی۔ بلکہ ۲۷۔ اکتوبر کو قوم ایک بار پھر راولپنڈی جمع ہو کر اپنی زندگی کا ثبوت دے گی۔''

اور یہ بھی اعلان کیا گیا کہ:

''دو لاکھ شیعہ قبائلی تو اپنے مذہب پر فدا ہونے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔''

(ہفت روزہ شیعہ لاہور ۲۴ ستمبر ۱۹۷۴ء)

چونکہ شیعوں کا یہ مطالبہ سوادِ اعظم کی مرضی کے خلاف تھا اور انہوں نے ''حسینی محاذ'' کا اعلانِ جہاد بھی اس موقعہ پر کیا تھا جب کہ مرزائی غیر مسلم اقلیت دیئے جا چکے تھے اور ان کی طرف سے ملک میں انتشار پھیلانے کا زیادہ خطرہ تھا۔ اس لیے خدام اہلِ سنت نے فوری طور پر ایک ٹریکٹ ''اہلِ سنت کے لیے ایک اور آزمائش'' شائع کیا جس میں حکومت کو شیعہ ایجی ٹیشن کے خطرناک نتائج سے آگاہ کر دیا گیا لیکن بجائے اس کے کہ شیعہ ایجی ٹیشن پر پابندی لگائی جائے۔ اچانک اخبارات میں یہ خبر شائع ہوگئی کہ حکومت نے شیعہ نصابِ دینیات منظور کر لیا ہے۔

حکومت اور شیعوں کا مشترکہ اجلاس: ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو لاہور میں حکومت اور شیعوں کا ایک مشترکہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حکومت کی طرف سے وفاقی وزیر تعلیم پیرزادہ عبدالحفیظ وفاقی وزیر زراعت رفیع رضا اور شیعہ جماعتوں کی طرف سے نواب مظفر علی قزلباش، جمیل حسین رضوی اور مسٹر مظفر علی شمسی سمیت سولہ شیعہ علماء و زعماء شریک ہوئے۔ لیکن اس اہم اجلاس میں سوادِ اعظم اہل سُنّت کے کسی ایک عالم کو بھی شریک نہیں کیا گیا۔ اس اجلاس میں یہ منظور کر لیا گیا کہ مڈل کلاسوں تک سنی و شیعہ مشترکہ، اور نویں و دسویں کلاسوں میں علیحدہ علیحدہ نصاب دینیات ہوگا۔ اس اجلاس میں شیعہ نمائندوں نے عارضی طور پر ڈاکٹر حسین فاروقی پی ایچ ڈی کا مؤلفہ نصاب دینیات بھی منظور کرا لیا جس کے حصہ اول ص ۱۲ پر یہ کلمہ لکھا ہوا ہے: لا الہ اللہ محمد رسول اللہ۔ علیؑ ولی اللہ۔ اس کلمہ کی تشریح میں وہاں یہ بھی تصریح کی گئی ہے کہ اسلام کی برادری میں شریک ہونے کے لیے توحید و رسالت کے بعد تیسرے نمبر پر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلا امام ماننا ضروری ہے۔

حکومت کا غیر منصفانہ فیصلہ: چونکہ بھٹو حکومت کا سوادِ اعظم اہلِ سنت کے خلاف یہ فیصلہ یک طرفہ اور غیر منصفانہ تھا اس لیے اس کے خلاف ملک میں احتجاج ہوا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب ایم این اے نے قومی اسمبلی میں بھی اس کے خلاف تحریک پیش کی۔ تحریک خدامِ اہل سنت کی طرف سے ایک احتجاجی پمفلٹ ''ایک غیر منصفانہ فیصلہ'' ملک کے گوشے گوشے میں تقسیم کیا گیا۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک (پشاور) میں مولانا سمیع الحق صاحب مدیر نے بھی اس کے خلاف ایک مفصل مضمون لکھا۔ مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی مدرسہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی کا ایک مضمون ''سرکاری مدارس میں شیعہ مذہب کی تعلیم'' پملفٹ کی صورت میں شائع کیا گیا۔ اور سوادِ اعظم کی طرف سے احتجاج قراردادیں اور تاریں بھی ارسال کی گئیں لیکن حکومت نے سوادِ اعظم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے فیصلہ کو بحال رکھا۔

عوامی حکومت بھی جُھک گئی: چونکہ شیعہ فرقہ نے نصاب کے سلسلہ میں ایک تاریخی کامیابی حاصل کر لی تھی اس لیے انہوں نے اس فیصلہ کو ''ملتِ جعفریہ کی عظیم ترین فتح مُبین'' قرار دیا (ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم نومبر ۱۹۷۴ء) اور ہفت روزہ رضا کار لاہور ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں یہ شائع ہوا کہ:

''شیعہ عوام کے سامنے جُھک کر عوامی حکومت نے اپنا وقار بحال کر لیا۔''

سُنی وشیعہ نصاب کمیٹی کی نوعیت: سُنی شیعہ دینیات کی تدوین کے لیے حکومت نے جو نصاب کمیٹی بنائی، اس کے لیے شیعہ مصنفین کا انتخاب تو خود شیعہ جماعتوں نے کیا لیکن سنی مصنفین کو حکومت نے خود نامزد کیا جن میں علماء بھی ہیں اور پروفیسرز بھی، اور بہر حال وہ اہلِ سنت والجماعت کے نمائندہ نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ ۱۹۷۵ء کے لیے حکومت کی طرف سے نیا نصاب نافذ کر دیا گیا ہے۔ جو مڈل کلاسوں تک تو سنی وشیعہ طلبہ کے لیے مشترکہ ہے اور نویں دسویں کلاسوں کے لیے علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں جن کا نام ایک ہی ہے یعنی ''اسلامیات لازمی برائے جماعت نہم ودہم'' مگر فرق کرنے کے لیے ایک پر ''سُنی طلبہ کے لیے'' اور دوسری پر ''شیعہ طلبہ کے لیے'' لکھ دیا گیا ہے۔ پھر ان دونوں کتابوں کا حصہ اول ص ۴۵ تک بالکل ایک ہی ہے اور اس کے بعد حصہ دوم میں سنی وشیعہ دونوں مذہبوں کے اپنے اپنے عقائد ومسائل درج کیے گئے ہیں۔

سُنی مصنّفین کی بیچارگی: چونکہ سُنی مصنفین کو حکومت نے نامزد کیا تھا اس لیے ان کی نظر حکومت کی پالیسی پر رہی ہے اور اُنہوں نے بعض اہم بنیادی امور کو نظر انداز کر دیا ہے مثلاً ان عقائد کی تشریح میں

اُنہوں نے عقیدۂ نبوت کے تحت نہ خاتم النبیین کا عنوان قائم کیا ہے اور نہ ہی سُنی طلبہ کے لیے عقیدہ ختم نبوت کی کوئی تشریح کی ہے۔لیکن اس کے برعکس شیعہ مصنفین نے خاتم النبیین کا عنوان قائم کر کے عقیدہ ختم نبوت بیان کیا ہے۔ ② شیعہ مصنفین نے اپنی کتاب میں اپنے عقیدہ کے مطابق مسئلہ امامت کی بھی پوری تشریح کر دی ہے اور اس کی تائید میں دو آیتیں بھی پیش کر دی ہیں (گو ان آیات کا ان کے عقیدہ امامت سے کوئی تعلق نہیں اور مسئلہ امامت کی جو انہوں نے تشریح کی ہے کہ بارہ امام مثل نبی کے معصوم ہیں وغیرہ، وہ عقیدہ ختم نبوت سے متصادم ہے) لیکن سنی مُصنفین نے ''خلافتِ راشدہ'' کا عنوان قائم کر کے خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت عمرؓ فاروق، حضرت عثمانؓ ذوالنورین اور حضرت علیؓ المرتضیٰ کے فضائل وحالات تو بیان کر دیئے ہیں لیکن مسئلہ خلافت کی اہمیت نہیں سمجھائی اور نہ ہی خلافتِ راشدہ کی تائید میں کوئی آیت پیش کی ہے حالانکہ اس بارے میں پارہ ۱۸۔سورۃ النور رکوع ۷ کی آیت استخلاف صریح نص ہے کہ اگر خصوصیت سے اصحابؓ ثلثہ کو خلفائے برحق نہ تسلیم کیا جائے تو اس آیت کا مفہوم ثابت نہیں ہوسکتا۔ ③ خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ جا بجا ''غنی'' کا لفظ تو لکھا ہے لیکن ''ذوالنورین'' کا لقب نہیں لکھا۔جس سے آپ کا رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ سے یکے بعد دیگرے نکاح کرنے کی وجہ سے دامادِ رسول ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ کسی جگہ حضرت عثمان کا دامادِ رسولؐ ہونا بیان نہیں کیا اور برعکس اس کے انہی سنی مصنفین نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حالات میں آپ کا دامادِ رسول ہونا صراحتاً لکھ دیا ہے ④ سُنی مصنفین نے ''اولادِ نبی'' کا عنوان تو لکھ دیا ہے لیکن اس کے تحت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے نام نہیں لکھے۔ بلکہ وہاں یہ لکھ دیا ہے کہ (استاد صاحب اس کی تفصیل ''رہنمائے اساتذہ'' سے دیکھ کر طلبہ کو بتائیں) ⑤ آخر میں ''کاتبین وحی کی تعداد قریباً چالیس تک بیان کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ صرف حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے نام لکھے ہیں۔حالانکہ یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی لکھنا چاہیے تھا جن کا کاتبِ وحی ہونا اہل سنت کے نزدیک مسلّم ہے لیکن جن سُنی مصنفین کی بے بسی کا یہ حال ہے کہ وہ ''اولادِ نبی'' کے تحت سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ کا نام لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام کاتبین وحی میں کیسے لکھ سکتے تھے؟

ذہنی پستی کی انتہاء: سنی مصنفین کی درماندگی اور ذہنی پستی کی حد یہ ہے کہ انہوں نے کلمہ اور اذان کے الفاظ بھی نہیں لکھے اور ص ۴۸ پر کلمہ طیبہ کے تحت صرف یہ لکھ دیا ہے کہ:

کلمہ طیبہ میں توحید اور رسالت کا اقرار ہے۔ اس کی تفصیل استاد صاحب ''رہنمائے اساتذہ'' سے دیکھ کر طلبہ کو بتائیں گے۔ اسی طرح ص ۶۴ پر اذان و اقامت کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ استاد صاحب بتائیں گے۔ ان سنی مصنفین کے احساسِ کمتری کا حال یہ ہے کہ وہ کاغذ پر کلمہ اسلام نہیں لکھ سکتے لیکن ایک دور مسلمانوں کی شوکت و جانبازی کا بقول علامہ اقبال مرحوم یہ تھا کہ ؎

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

رہنمائے اساتذہ: کلمہ اسلام وغیرہ بتانے کے لیے جس کتاب ''رہنمائے اساتذہ'' کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بھی حکومت کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ جو سنی و شیعہ دونوں کے لیے ایک ہی ہے۔ اس میں حصہ اول مشترکہ ہے حصہ دوم سنی طلبہ کے لیے ہے جس کے مصنف ایک سنی عالم اور ایک پروفیسر ہیں۔ اور تیسرا حصہ شیعہ طلبہ کے لیے ہے جس کے مصنف دو شیعہ عالم ہیں۔ سنی طلبہ کے لیے حصہ دوم ص ۲۷ پر کلمہ طیبہ کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو کلمہ طیبہ کہتے ہیں۔ اس کلمہ کا دل سے اقرار کرنے والا اپنی زبان سے دو باتوں کا اعلان کرتا ہے ایک یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں بنائے گا۔ (اس کے بعد توحید کی تشریح ہے)۔ لیکن کلمہ طیبہ کی تشریح بھی نامکمل ہے کیونکہ اس میں یہ تصریح نہیں کہ یہ اسلام کا کلمہ ہے اور اس کے پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے اور نہ ہی عقیدہ ختم نبوت کی کوئی تصریح کی گئی ہے۔ لیکن اس کے برعکس شیعہ مصنفین نے ان باتوں کی یہ وضاحت کر دی ہے کہ:

''کلمہ، اسلام کے اقرار اور ایمان کے عہد کا نام ہے۔ کلمہ پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ کلمہ میں توحید و رسالت ماننے کا اقرار اور امامت کے عقیدے کا اظہار ہے'' (ص ۳۵)۔

اور رسالت کے تحت یہ تصریح کر دی ہے کہ:

''حضرت محمد مصطفی ﷺ برحق رسولوں کے آخری فرد ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرتؐ تک سب نبی سچے تھے۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا''۔ (ص ۳۶)

اس کے بعد عقیدہ امامت کی تشریح کر کے آخر میں کلمہ کے عنوان سے یہ لکھ دیا ہے: **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ محمدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ۔ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ۔ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَخلیفتہ بلا فَصْل۔** '' اسلام کے نام پر شیعوں کی طرف سے اس خودساختہ کلمہ اسلام کو درج کرانے کے بعد سنی مصنفین اور نصاب دینیات پر نظر ثانی کرنے والے حضرات پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے اور تمام ملت اسلامیہ کے متفقہ کلمہ اسلام کے تحفظ کی خاطر سرکاری مشاہرات اور مراعات کو نظر انداز کر کے نصاب کمیٹی اور اس کی معاونت سے بالکل دستبردار ہو جاتے۔ کیونکہ بقول مولانا محمد علی جوہر مرحوم۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

اسلام کے نام پر جو کلمہ شیعوں نے وضع کیا ہے وہ عرب و عجم کے متفقہ کلمہ اسلام **لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کے خلاف ہے۔ اور شیعہ علماء و مجتہدین بھی یہ جانتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کافروں کو مسلمان بنانے کے لیے جو کلمہ اسلام پڑھایا ہے اس میں صرف توحید و رسالت کا اقرار ہوتا تھا۔ اور شیعہ مذہب کی روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اس قسم کی روایات تو بکثرت ہیں۔ مگر یہاں بطور نمونہ حسب ذیل روایات درج کی جاتی ہیں:

① **روایات:** علامہ باقر مجلسی جو شیعوں کے رئیس المحدثین ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ: پس وحی نمود کہ اے محمد بروسوئے مردم و امر کن ایشان را کہ بگویند لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (حیات القلوب جلد دوم، ص ۳) ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے محمد ﷺ! آپ لوگوں کی طرف جائیں اور ان کو یہ حکم دیں کہ وہ پڑھ لیں۔ **لَآ اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔**

② حضور ﷺ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا الکبریٰ جب اسلام لائیں تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: بگو **لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** (کہہ دو۔ **لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**)

③ شیعہ مذہب کی سب سے زیادہ مستند کتابِ حدیث اصول کافی میں محمد باقر سے روایت ہے:

ثم بعث اللّٰہ مُحمدًا وھو بمکۃ عشر سنین فلم یَمُت فِی مکۃَ فِی تلک العشر سنین احد یشھد ان لآ اِلٰہَ الا اللّٰہ و ان محمدًا رسولُ اللّٰہِ اِلّا اَدْخَلہُ اللّٰہُ الجنۃَ باقرارہٖ۔

''اس کے بعد حضرت محمد مصطفی ﷺ کو بھیجا وہ مکہ میں دس سال اس طرح رہے کہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دے کر مرنے والا کوئی نہ تھا۔ خدا نے جنت لازم کی اقرار شہادتین

پر۔" (صافی شرح اصول کافی جلد دوم ص ۴۳، از سید ظفر الحسن امروہی)

(۴) مشہور شیعہ غالی مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی نے ترجمہ قرآن کے پارہ ۲۱ کے ضمیمہ میں فتح خیبر کے ذکر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ: آپ نے تمام اہل قلعہ کو داخل دائرہ اسلام کیا۔ مرحب کی بہن کو جو آئندہ زوجہ رسول ہونے والی تھیں۔ عزت واحترام سے خدمت رسولِ خدا میں بھجوا دیا اور حکم جناب رسول خدا کی اس طرح تعمیل کی کہ اشھد ان لآ اِلٰہ اِلَّا اللہ اور اشھد اَنَّ مُحمَّداً رسول اللہ نہ فقط اہل قلعہ سے کہلوا دیا بلکہ آج تک صولت حیدری کے خوف سے پانچوں وقت مسلمان ہر جگہ پکارتے ہیں۔

تو کلمہ شہادت زبان پر جاری کرلے اور یہ کہہ لے۔ اشھد ان لآ اِلٰہ اِلَّا اللہ اور اشھد اَنَّ مُحمَّداً رسول اللہ (ایضاً اشارات تفسیر ص ۴۳۳) یہاں یہ ملحوظ رہے کہ مولوی مقبول احمد دہلوی کا ضمیمہ حکومت کی طرف سے ضبط شدہ ہے۔ اب شیعوں نے اُسی کو "اشارات تفسیر" کے نام سے شائع کیا ہے تو جب ان روایات شیعہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ اسلام صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا ہے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے بھی اور ام المومنین حضرت خدیجہ کبریٰ بھی یہی کلمہ اسلام پڑھ کر مسلمان ہوئی ہیں تو اس کے خلاف شیعوں کا موجودہ خود ساختہ کلمہ اسلام کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟۔ کیا اس سے اصلی کلمہ اسلام کا انکار نہیں لازم آتا؟

احادیث اہل سنت: کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ثبوت کے لیے اہل سنت کی احادیث پیش کرنے کی ضرورت تو نہیں۔ البتہ بطور نمونہ بعض احادیث حسب ذیل ہیں:

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمعاذ بن جبل حین بعثہ الی الیمن انک ستأتی قوماً من اھل الکتاب فاذا جئتھم فادعھم الی ان یشھدوا ان لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ وان محمدًا رسول اللہ۔ فان ھم اطاعوا لذلک فاخبرھم ان اللہ فرض علیھم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ آپ اہل کتاب کی قوم کی طرف آئیں گے اور جب آپ ان کے پاس آئیں تو ان کو اس بات کی دعوت دیں کہ وہ یہ اقرار کریں۔" لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ محمدٌ رسول اللہ۔

پس اگر وہ اس کو مان لیں تو پھر آپ ان کو یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ

نمازیں فرض کی ہیں۔ الخ

② رئیس یمامہ ثمامہ رضی اللہ عنہ بن آثال کے اسلام قبول کرنے کے متعلق لکھا ہے کہ:

فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشهد ان لآ اله الا الله واشهد ان محمدًا رسول الله۔ ''پس حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے غسل کیا پھر مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور لا الہ الا اللہ۔ محمدٌ رسول اللہ کا اقرار کیا۔'' (ایضاً بخاری کتاب المغازی)

③ علامہ شبلی نعمانی نے بھی سیرت النبی حصہ اول میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں لکھا ہے کہ جب اس آیت پر پہنچے (آمنوا باللہ و رسولہ) خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو بے اختیار پکار اُٹھے۔ اشھد ان لآ اِلٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسولُ اللہ۔

بہرحال اس حقیقت میں اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مسلمان بناتے وقت صرف توحید و رسالت کا اقرار کرایا ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے ارکان اسلام کی تعلیم فرمائی ہے۔ اور اسی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں باقی سب ایمانیات آجاتے ہیں۔ یعنی گزشتہ انبیائے کرام، ملائکہ، کتابیں، قیامت، تقدیر وغیرہ۔

''تبدیلی کلمہ کی خطرناک سازش''

کلمہ: اسلام کی وہ حقیقی بنیاد ہے جس کو ماننے سے ایک غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر باوجود دوسرے شدید اعتقادی اختلافات کے آج تک تمام مسلم فرقوں کا کلمہ اسلام ایک ہی رہا ہے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور یہ وہ کلمہ طیبہ ہے جس کے مقدس الفاظ قرآنِ مجید سے ثابت ہیں۔ چنانچہ سورۃ محمد میں ہے: فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اور سورۃ الفتح میں ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ۔ اور ملت اسلامیہ کی وحدت کلمہ اسلام کی وحدت پر ہی مبنی ہے۔ بیشک ہمارا ایمان ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ لیکن ہمارے کلمہ اسلام میں ان اولو العزم انبیائے کرام علیہم السلام کا نام مبارک بھی شامل کرنا جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو کہ نبی بھی نہیں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول اور امام الخلفاء ہیں لیکن کلمہ اسلام میں ان کا نام بھی جائز نہیں اور مرزائیوں نے پاکستان میں گو مرزا غلام احمد کا نام کلمہ اسلام میں شامل نہیں کیا اور اس میں لفظی

تبدیلی کی جسارت نہیں کر سکے لیکن انہوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت وختم نبوت کو کافی نہ سمجھتے ہوئے چونکہ مرزا قادیانی کو نبی مان لیا ہے اس لیے وہ کلمہ اسلام کے مفہوم میں تبدیلی کرنے کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔ اور شیعوں نے تو صراحتاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلیفہ بلافصل وغیرہ کے الفاظ شامل کر کے کلمہ اسلام میں لفظی تبدیلی بھی کر دی ہے اس لیے وہ خود ہی ملت اسلامیہ سے کٹ گئے ہیں۔ یہ مسئلہ نہ تو فروعی ہے اور نہ ہی اقرارِ اسلام کے بعد کا خلافت وامامت کا نزاعی مسئلہ ہے بلکہ یہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے یا نہ ہونے کا بنیادی مسئلہ ہے۔ یہ اس اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے جو پاکستان کا سرکاری مذہب تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اس میں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ کلمہ تو شیعہ طلبہ کے لیے ہے کیونکہ یہ خود ساختہ کلمہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے حسب ذیل تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ:

کلمہ: اسلام کے اقرار اور ایمان کے عہد کا نام ہے۔ کلمہ پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے الخ (رہنمائے اساتذہ ص ۳۵) اور جس طرح رہنمائے اساتذہ میں مرزائی طلبہ کے لیے اسلام کے نام پر یہ لکھنا ناجائز ہوگا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی تھا یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت جاری ہے۔ اسی طرح شیعہ طلبہ کے نام سے اسلام کے نام پر کلمہ اسلام کے الفاظ میں تبدیلی جائز نہیں قرار دی جا سکتی جس طرح اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں دو اسلام، دو نبی، دو کعبے اور دو قرآن نہیں ہو سکتے اسی طرح دو کلمہ اسلام بھی تجویز نہیں کیے جا سکتے۔ اور شیعہ علماء کو تو اس پالیسی کی پیروی لازم تھی جو بقول ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کے متعلق اختیار کی چنانچہ ترتیب قرآن کی بحث میں پندرہ روزہ ''المنتظر'' لاہور ۲۰ ستمبر ۱۹۶۷ء میں لکھا ہے کہ:

> ''حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب نے اسے بصورت تنزیل مرتب کیا تھا لیکن برسر اقتدار اصحاب نے اسے قبول نہ کیا۔ اور آپ نے اس خطرہ سے بچتے ہوئے کہ مسلمانوں میں دو قرآن نہ ہو جائیں اپنے جمع کردہ قرآن کی اشاعت نہ فرمائی''۔

کاش کہ شیعہ علماء و مجتہدین بھی ایک ہی متفقہ کلمہ اسلام پر قائم رہتے اور پاکستان میں ایک نیا انتشار نہ پیدا کرتے اور اب تو یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود ساختہ کلمہ اسلام کی طرح اپنا دوسرا قرآن بھی کہیں سے نہ لے آئیں بہرحال پاکستانی نصاب دینیات میں کلمہ اسلام کی یہ تبدیلی اسلام کے خلاف ایک بڑی خطرناک سازش ہے اور اگر کوئی شخص اس کو بھی فروعی اور معمولی مسئلہ قرار دے اور تحفظ کلمہ

اسلام کی تحریک میں رکاوٹ ڈالے تو یہ سمجھ لیجیے کہ یا تو وہ نرا جاہل اور احمق ہے۔ یا اس کا اقرارِ اسلام صرف سیاسی نوعیت کا ہے یا وہ خود کلمہ اسلام کی تبدیلی کی سازش میں شریک ہے۔ ایسے لوگوں کی شر سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ گو سواد اعظم اہل سنت کا عموماً یہ حال ہے کہ:

؎ کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنے کی انہیں قسم ہے

لیکن ان میں جاگنے اور جگانے والے بھی موجود ہیں جو اصلی کلمہ اسلام کے تحفظ کو مال و جان کی حفاظت سے بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ہر مخلص کلمہ گو مسلمان پر اپنے کلمہ کی حفاظت لازم ہے لیکن خصوصاً علماء و مشائخ سیاسی زعماء و قائدین، دین کے مدرسین و مبلغین، سکولوں کے طلبہ و اساتذہ، وکلاء اور پروفیسرز، قومی اور صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ میں مسلمانوں کے نمائندگان مزدور و کسان اور دیگر تعلیم یافتہ طبقہ وغیرہ پر اپنی اپنی مخصوص صلاحیتوں کی بنا پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ ہر ممکن کوشش سے خود ساختہ کلمہ اسلام کو منسوخ کرانے کی کوشش کریں۔ اور آخری گزارش یہ ہے کہ چاروں صوبوں کے مسلمان ہر جگہ سے فوری طور پر وزیر اعظم پاکستان کو احتجاجی تاریں اور قراردادیں بھیج دیں۔

قراردادیں

① مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور عرب و عجم کے تمام مسلمانوں کے متفقہ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے خلاف شیعوں کے خود ساختہ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل کے خلاف ہم شدید احتجاج کرتے ہیں اور حکومت پاکستان سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس بے بنیاد کلمہ اسلام پر پابندی لگا کر اصلی کلمہ اسلام کی قانوناً حفاظت کرے۔

② کلمہ اسلام میں تبدیلی کرنے کی بنا پر چونکہ جمہور مسلمانوں کے ساتھ شیعوں کے مذہبی اور ملی اتحاد اشتراک کی اب کوئی بنیاد باقی نہیں رہی اس لیے ہم حکومت سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ سرکاری سکولوں کے نصاب سے شیعہ دینیات کو فوری طور پر منسوخ کر کے صرف سواد اعظم اہل سنت کا نصاب دینیات نافذ کرے۔

③ آئین پاکستان میں مرزائی (قادیانی ہوں یا لاہوری) غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جا چکے ہیں لیکن باوجود اس کے وہ اسلام کے نام پر اپنے کافرانہ نظریات کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اس لیے ہم حکومت پاکستان سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ مرزائیوں کا لٹریچر ضبط کر لیا جائے اور اسلام اور اسلامی

اصطلاحات کے استعمال کی بنا پر ان کو از روئے قانون سنگین سزا دی جائے۔

منجانب: خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ

خطیب مدنی جامع مسجد چکوال و امیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب [1]

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۵ء

''سنی و شیعہ طلبہ کا اتحادی فتنہ'' قائد اہل سنت کا ایک پُر مغز اور فکر انگیز مقالہ

ادھر آئے روز ۱۹۷۰ء سے ہی اہل تشیع اپنے رافضیانہ مطالبات کے ساتھ سرگرم عمل تھے اور ان کا مذہبی لٹریچر نفرت و عداوت کے شعلے اُگل رہا تھا، کبھی جداگانہ نصاب تعلیم، کبھی مشترکہ نصاب تعلیم اور کبھی ''محاذ حسینی'' کے نام سے الٹی میٹم دے کر خوف و ہراس کی فضاء پیدا کی جا رہی تھی اور دوسری جانب مدارس عربیہ کے اندر ''سنی، شیعہ طلبہ اتحاد'' نامی انڈے سے ایک نئی مخلوق برآمد ہوگئی، اور طرفہ یہ کہ مذکورہ اتحادی ٹیم نے جامعہ مدنیہ لاہور میں اپنے اجلاس کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ اس اتحادی ٹیم نے مختلف مدارس میں خطوط لکھ کر طلبہ کو اپنے نظم میں شامل ہونے کی دعوت دی تو قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس عنوان پر ایک مضمون شائع فرما کر اسے ''اتحادی فتنہ'' سے تعبیر فرمایا، یہ رسالہ اس دور میں پچاس ہزار سے زائد کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہوا تھا، اس کے چند مقامات کے حواشی حذف کر کے ہم نذرِ قارئین کرتے ہیں، تاکہ قائد اہل سنت کی حساس طبیعت اور نظریاتی تطہیر کا مزید ایک نمونہ اہل نظر کو شگوفۂ تازہ فراہم کر سکے، ملاحظہ کیجیے!

''ماہِ اپریل کے ہی گزشتہ ہفتہ میں ایک خط ناظم اتحادِ طلبہ مدارس عربیہ لاہور کی طرف سے موصول ہوا جس میں ہمارے مدرسہ اظہارُ الاسلام کے طلبہ کو بھی سُنّی شیعہ مدارس کے طلبہ کی متحدہ تنظیم میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی اور اس میں یہ اطلاع بھی تھی کہ قریباً تین سو عربی مدارس کو چٹھیاں ارسال کر دی گئی ہیں نیز ایک وفد اس مقصد اتحاد کے لیے عنقریب دورہ کرنے والا ہے۔ چونکہ ہمارے نزدیک اس قسم کا سُنّی شیعہ اتحاد دینی مدارس کے طلبہ کے لیے انجام کار بہت خطرناک ہے کیونکہ اب تک تو سبائیت کے جراثیم سے اہلِ سنت کے دینی مدارس محفوظ رہے ہیں، اکابر علماء اہل سنت نے ہمیشہ فتنۂ روافض سے تحفظ کے لیے بڑی محنت کی ہے۔ متاخرین علماء میں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ''تحفۂ اثناء عشریہ'' اور

[1] ایک خطرناک سازش رمطبوعہ دسمبر ۱۹۷۵ء رناشر! تحریک خدام اہل سنت والجماعت صوبہ پنجاب

حضرت مولانا حیدر علی صاحب تلمیذِ رشید شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے منتہی الکلام اور ازالۃ الغین جیسی ضخیم علمی تحقیقی کتابیں تصنیف کر کے مذہب اہل سنت اور مذہب اہل تشیع کا بنیادی اور اصولی دینی فرق واضح کر دیا ہے اور ان کے بعد امامِ اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ نے تو تنہا اپنی خداداد علمی ذکاوت اور مخلصانہ تحریری اور تقریری جدوجہد سے سبائیت کے سیلاب کے آگے مضبوط بند باندھ دیا ہے۔ دیوبندی مسلک کے علماء ہوں یا بریلوی کے، ہمیشہ فتنۂ رفض سے سوادِ اعظم اہل سنت کو بچانے کی کوششیں کرتے چلے آرہے ہیں اور سُنّی علما کی مساعیٔ جمیلہ کے نتیجہ میں عوام اہل سنت بھی سرورِ کائنات، محبوبِ خدا، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ مبارک مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي پر قائم رہے ہیں لیکن موجودہ دَور میں طبائع کی آزادی زیادہ بڑھ گئی ہے جس کی وجہ سے حدودِ شریعت کی پابندی کو گراں نظر آتی ہے۔ دائرۂ شریعت وسنت سے تجاوز کے لیے تنقید وتحقیق کا سہارا لیا جاتا ہے، حتیٰ کہ انکارِ سنت وحدیث کے لیے پرویزیت وچکڑالویت اور خُلفائے راشدینؓ اور اصحابِ کاملین کی شرعی عظمتوں سے انحراف کے لیے حقیقتِ دین سے ناواقف لوگ (خواہ وہ دُنیوی مروّجہ علوم وفنون میں کتنی ہی مہارت حاصل کرلیں اور سیاسی اسٹیج کی ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے وہ زعمائے ملت کی فہرست میں شمار ہوجائیں) اسلام اور قرآن کے نام پر مودودیت اور عباسیت کا نیا راستہ اختیار کر لیتے ہیں، حالانکہ مودودیت (یعنی ابوالاعلیٰ مودودی بانیٔ جماعتِ اسلامی کے افکار ونظریات) میں شیعیت کے اثرات ہیں اور عباسیت (یعنی محمود احمد عباسی مصنف ''خلافتِ معاویہؓ ویزید'' کے خیالات وافکار) میں خارجیت کے آثار پائے جاتے ہیں اور علمائے اہل تحقیق جانتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے ارشاد مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي کے تحت صرف اہل سنت ہی ناجی فرقہ ہیں، ان کے علاوہ رافضی اور خارجی وغیرہ ان ۷۲ ناری فرقوں میں سے ہیں جو جہنم کے راستے پر چلنے والے ہوں گے، ماشاءاللہ افراط وتفریط سے پاک، اعتدال کا راستہ صرف اہل السنت والجماعت کا ہے جس پر اُمّت کی عظیم اکثریت الحمدللہ اصولی طور پر آج تک گامزن ہے۔ اہل سنت کے دینی مدارس کا اصل مقصد ہی مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي کی تعلیم وتدریس ہے، قرآن حکیم کا علم وعمل معلم قرآن نبی آخر الزمان ﷺ کی حدیث وسُنت سے ہی مل سکتا ہے اور رسالتِ محمدیہؐ کے عینی گواہ اور سُنّت وحدیث رسول ﷺ کے راوی (جو مابعد والوں کی جرح وتنقید سے بالا ہیں) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔ جن لوگوں نے براہِ راست محبوبِ خدا ﷺ کا دیدار نہیں کیا اور جو حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیض نہیں پاسکے، وہ صحابۂ کرام پر کُلّی

اعتماد کر کے ہی رحمۃ للعالمین ﷺ کی صورت و سیرت کے جلووں، حضور ﷺ کے اقوال و اعمال اور حضور ﷺ کی محبوب اداؤں کو اپنے لیے اُسوۂ حسنہ بنا سکتے ہیں۔ اگر اصحابِ رسول ﷺ کی مقدس جماعت کا اعتماد درمیان میں سے اُٹھ جائے تو مابعد والی اُمّت کا علمی و عملی تعلق رسول اللہ ﷺ سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر اکابر اہل السنت والجماعت کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں جن کی اتباع سے حق ملتا ہے اور جن کی مخالفت سے باطل کی راہیں کھلتی ہیں، اگر طلبۂ دَورانِ تدریس خلافتِ راشدہ کی حقانیت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معیارِ حق ہونا وغیرہ مسائل دلائل و براہین سے حل کر لیں تو علومِ متداولہ سے فراغت کے بعد عامۃ المسلمین کو مَآ أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي کی شاہراہِ جنت دکھا سکتے ہیں۔

شاہانِ مغلیہ: علمائے کرام تو امام الانبیاء والمرسلین ﷺ کے وارث ہیں اور تبلیغ و تحفیظِ دین میں ان کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ شاہانِ مغلیہ کے دَورِ زوال میں اورنگ زیب عالمگیرؒ (جو ایک عالم، ولی اور غازی تاجدار تھا) کے علاوہ ہم کو سلاطینِ مغلیہ کے شاہی سکّوں سے خلافتِ راشدہ کی حقانیت کے نشان ملتے ہیں: ① ایک پُرانا سکّہ ایسا دستیاب ہوا ہے جس کی ایک جانب جہانگیر بادشاہ غازی کے الفاظ کندہ ہیں اور دوسری جانب درمیان میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اور چاروں طرف خلفائے اربعہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے نام مبارک لکھے ہوئے ہیں ② ایک دوسرے سکّے پر بھی ایک طرف اسی طرح کلمۂ اسلام اور چاروں گوشوں پر حضراتِ چار یار کے نام کندہ ہیں اور دوسری طرف جلال الدین اکبر بادشاہ غازی کے الفاظ درمیان میں لکھے ہوئے ہیں۔ اندازہ فرمائیں کہ اکبر بادشاہ بھی باوجود دوسری کمزوریوں کے مذہب اہل سنت کے مطابق خلافتِ راشدہ کے عقیدے کا محافظ تھا۔ درمیان میں کلمۂ اسلام اور اردگرد چار یار کے نام اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ چار خلفائے عظام کلمۂ اسلام کے خصوصی محافظ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے امتیازی طور پر خلافت علیٰ منہاج النبوت کا منصب عطا فرمایا ہے، لیکن افسوس آج دینی مدارس کے طلبہ کو بھی تحفظِ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف کم توجہ ہے۔ الا ماشاءاللہ۔ اور اسی ذہن کی یہی وہ کمزوری ہے جو شیعت اور سبائیت کے ساتھ بھی اتحاد کی دعوت دے رہی ہے۔ اس پُرفتن دَور میں اتحاد اتحاد کا نعرہ بلند ہے جس کی وجہ سے اتحاد کی مخالفت کرنے والا ہدفِ طعن بنایا جاتا ہے لیکن قابلِ فکر امر یہ ہے کہ کیا شہد اور زہر کا، مرض اور صحت کا اور حُب اور بُغض کا اتحاد بھی کارگر ہو سکتا ہے؟ جس طرح سیلاب کی روک تھام کے لیے سیلاب میں ڈبونے والوں کو اور آگ سے بچاؤ کے لیے آگ میں جھونکنے والوں کو شریکِ کار اور معاون

نہیں بنایا جاسکتا اسی طرح منکرین سُنت اور منکرینِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان خالص دینی مدارس کی تنظیم و اتحاد میں شریکِ کار نہیں بنایا جانا چاہیے جو کہ سُنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے شرعی مقام کی تعلیم وحفاظت کے لیے قائم کیے گئے ہیں اور معمولی مشکلات وموانع کو اضطراری صورتوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جن میں بقدرِ ضرورت حرام کا استعمال مباح ہوجاتا ہے۔ طلبہ کے لیے سفری سہولتیں حاصل کرنا اتنی اہمیت نہیں رکھتا کہ اس کی وجہ سے اہل سنت کے دینی مدارس کو ایک نئے ابتلاء میں ڈال دیا جائے اور ایسا کرنے سے سُنیت اور شیعت کی امتیازی حدود ہی ختم ہوجائیں گی۔ اگر تنظیم واتحاد کی بنیاد صرف طلبہ کی برادری کو بنایا جائے قطع نظر بنیادی عقائد کے، تو پھر اس متحدہ تنظیم میں مرزائی طلبہ کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے اور عیسائی طلبہ کو بھی کیونکہ ان کے بھی اپنے اپنے مذہبی ادارے قائم ہیں، آخر یہ سلسلہ کہاں تک جائے گا؟ دینی مدارسِ عربیہ کو سرکاری کالجوں اور اسکولوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کا مقصد محض دُنیوی مال وجاہ کا حصول ہوتا ہے اور دینی مدارس کا مقصدِ قیام تحفظِ دینِ حق ہے جس کے لیے بسا اوقات مال وجاہ کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ ہم سب اہل السنۃ والجماعۃ اگر حسبِ ذیل ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں تو بہ نصرتِ خداوندی مذہب اہل سنت محفوظ ومستحکم ہوجائے: اللہ اللہ فِی اَصْحَابِی لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِی مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّی اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِی اَبْغَضَھُمْ۔

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اللہ سے ڈرتے رہنا ان کو میرے بعد ملامت کا نشانہ نہ بنانا، جو ان سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے ہی کرے گا اور جو ان سے بُغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بُغض کی وجہ سے ہی ان سے بُغض رکھے گا۔''

بندہ کی یہ گزارشات محض تحفظِ مذہب اہل سنت اور خدمتِ اہل سنت کے جذبہ پر مبنی ہیں، اس ٹریکٹ کی اشاعت میں کسی پارٹی بازی اور تعصب سازی کا دخل نہیں ہے۔ ناظم اتحادِ طلبہ مدارسِ دینیہ عربیہ لاہور کے خط کے جواب میں جو خط یہاں سے ارسال کیا گیا تھا وہ بھی شائع کیا جارہا ہے اور آخر میں ''شیعہ عقائد ونظریات پر ایک نظر'' کے عنوان کے تحت بھی ضروری بحث لکھ دی گئی ہے تاکہ ناواقف اہل سنت پر شیعہ مذہب کی حقیقت واضح ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ تمام ملتِ اسلامیہ کو حضور رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنتِ طیبہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعتِ مقدسہ (جو اصحاب رضی اللہ عنہم واہل بیت رضی اللہ عنہم سب پر مشتمل ہے) کی محبت اور اتباع اور راہِ حق پر ثبات واستقامت ہمیشہ نصیب فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

[نقل جوابی مکتوب]

بخدمت ناظم صاحب!

أَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی: آپ کا خط مدرسہ اظہار الاسلام کے طلبہ کے نام موصول ہوا جس میں آپ نے یہ اطلاع دی ہے کہ بتاریخ ۱۳، اپریل جامعہ مدنیہ لاہور میں مختلف مکاتیب فکر کے عربی مدارس کے طلبہ کا ایک مشترکہ اجلاس ہوا، جس میں بریلوی، اہل تشیع، اہل حدیث اور دیوبندی مدارس کے نمائندے شامل ہوئے اور اس اجلاس میں ''اتحادِ طلبہ مدارسِ دینیہ عربیہ'' کے نام سے ایک تنظیم بھی قائم کر دی گئی اور سر دست اس اجلاس میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جس طرح اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کو سفری مراعات دی گئی ہیں اسی طرح دینی مدارس کو بھی دی جائیں۔

آپ نے ہمارے مدرسہ کے طلبہ کو اپنی فہرست بھی بھیجنے کے لیے کہا ہے اور یہ کہ آپ کا ایک وفد صوبہ میں اس مقصد کے لیے دورہ کرنے والا ہے۔لیکن ہم اس اتحاد کے خلاف ہیں جس میں شیعہ مدارس کے طلبہ بھی شامل ہوں کیوں کہ:

① سنی اور شیعہ کا اختلاف صرف مکاتب فکر کا فروعی اختلاف نہیں بلکہ یہ ایک بنیادی دینی اختلاف ہے، معلوم نہیں آپ خود سنی ہیں یا شیعہ یا نہ سنی اور نہ شیعہ، کیونکہ آپ نے مختلف مکاتب فکر کی تفصیل میں سنی یا اہل سنت کا نام نہیں لکھا صرف دیوبندی اور بریلوی کے نام لکھے ہیں حالانکہ دیوبندی اور بریلوی کی نسبتیں دیوبند اور بریلی کے دینی مدارس کی بناء پر ہیں جو مذہب اہل السنة والجماعة کے دو مختلف مکتب فکر ہیں۔آپ کو شیعوں کے مقابلہ میں اہل سنت کا نام لکھنا چاہیے تھا جس کو آپ نے ناواقفیت وغیرہ کی بناء پر بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

② سنی مدارسِ دینیہ اور شیعہ مدارس کے عدم اتحاد کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

(الف) شیعہ مذہب کی بنیاد عقیدۂ امامت پر ہے اور منصب امامت اُن کے نزدیک منصب نبوت سے افضل ہے اسی لیے وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لے کر امام غائب حضرت مہدی تک بارہ اماموں کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ وغیرہ انبیائے سابقین علیہم السلام سے افضل مانتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیائے سابقین کو اس وقت تک نبوت نہیں ملی جب تک کہ انھوں نے ان ائمہ کی امامت کا اقرار نہیں کیا۔

(ب) وہ ان ائمہ کو بھی مثل انبیاء علیہم السلام معصوم مانتے ہیں، ان کے لیے حلال وحرام کرنے کا

اختیار مانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو "اصولِ کافی" وغیرہ)

③ عقیدۂ امامت کی بناء پر وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو امامِ اول اور خلیفہ بلافصل مانتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ظالم اور غاصب کہتے ہیں حالانکہ اہل سنت کے نزدیک یہ برحق خلفاء ہیں۔

④ شیعوں کے نزدیک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے چند صحابہ کے باقی سب اصحاب العیاذ باللہ مرتد ہو گئے تھے حالانکہ اہل سنت کے نزدیک حضور رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب مہاجرین وانصار وغیرہم سب جنتی ہیں اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی سند مل چکی ہے۔

⑤ اہل سنت کے نزدیک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن اب تک محفوظ ہے اور حسب فرمانِ خداوندی قیامت تک محفوظ رہے گا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ لیکن شیعہ قرآن کو محفوظ نہیں مانتے اور اس میں تحریف کے قائل ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس میں تحریف کر دی گئی ہے۔ چنانچہ شیعہ تراجم قرآن جو آج کل شائع ہوئے ہیں ان میں اقوال تحریف ائمہ کرام کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ مشہور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی کے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ آیت وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ میں اَذِلَّةٌ کا لفظ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ اَنْتُمْ ضُعَفَاءُ نازل ہوا تھا اور كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں اُمَّةٍ کا لفظ صحیح نہیں بلکہ اس کی جگہ اَئِمَّةٍ نازل ہوا تھا وغیرہ۔

⑥ خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق شیعہ علماء تصریح کرتے ہیں کہ یہ حضرات العیاذ باللہ مومن ہی نہیں تھے، چنانچہ ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو مقیم سرگودھا (سابق پرنسپل شیعہ دارالعلوم محمدیہ سرگودھا) نے اپنی کتاب "تجلیاتِ صداقت" بجواب "آفتابِ ہدایت" میں واضح کر دیا ہے کہ:

ا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادرانِ[1] اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ

---

[1] برادرانِ اسلامی کے الفاظ سے شبہ نہ ہو کہ وہ اہل سنت کو مومن مانتے ہیں کیونکہ ڈھکو صاحب نے خود اس کی وضاحت کر دی ہے کہ "باقی رہا یہ کہنا کہ اس جنگ کے شاملین کو مومنین کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے تو ابھی اوپر آیت ۱۵ کے جواب میں بالتفصیل واضح کیا جا چکا ہے کہ ایمان کے ایک عمومی معنی ظاہری اقرارِ لسانی کے بھی ہیں اور اس اعتبار سے منافقین کو مسلمین ومومنین کہا جا سکتا ہے۔" (تجلیاتِ صداقت، ص ۹۲)

نزاع ہے وہ صرف اصحابِ ثلاثہ کے بارے میں ہے، اہل سنت ان کو بعد از نبی ﷺ تمام اصحاب و اُمت سے افضل جانتے ہیں اور ہم اُن کو دولت ایمان و ایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں۔ (تجلیاتِ صداقت ص ۲۰۱)

۲۔ جناب امیر (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ المرتضیٰ) خلافتِ ثلاثہ کو غاصبانہ و جائرانہ اور خلفائے ثلاثہ کو گناہگار، کذاب، غدار خیانت کار، ظالم و غاصب اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت نبویہ کا حق دار سمجھتے تھے۔ (تجلیاتِ صداقت، ص ۲۰۶)

۳۔ خلفائے ثلاثہ کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا۔ (ص ۹۵)

۴۔ کتب سنیہ سے ثابت ہے کہ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ ایسے ڈرپوک اور کمزور تھے کہ اپنا دفاع ہی نہیں کر سکتے تھے۔ (تجلیات صداقت، ص ۱۶۴)

۵۔ مگر افسوس صرف اہل سنت ہی احسان فراموش نہیں بلکہ خود عمر رضی اللہ عنہ اس قدر محسن کش اور احسان فراموش واقع ہوا تھا جس محسن اعظم کے طفیل یہ سب کچھ عز و وقار اور جبروت واقتدار حاصل ہوا تھا اُسی کی لاڈلی بیٹی کا گھر جلانے کے لیے دروازے پر آگ ولکڑیاں جمع کیں اور گستاخانہ کلام کیا اور اسی محسن اعظم کی ذریت کا حق خمس ضبط کیا، پہلوئے فاطمہ رضی اللہ عنہا پر دروازہ گرایا جس سے شہزادہ محسن کی شہادت واقع ہوئی۔ (تجلیاتِ صداقت، ص ۱۴۴)

۶۔ اور جہاں تک جمع قرآن اور اُس کے امت تک پہنچانے کا تعلق ہے ہم پہلے باب میں ثابت کر آئے ہیں کہ خود کتب اہل سنت سے ثابت ہے کہ خود نبی ﷺ وعلی رضی اللہ عنہ نے قرآن بمطابق تنزیل الرحمن جمع کیا تھا مگر ثلاثہ کی کرم نوازی سے اُمت مرحومہ اس کے دیدار سے آج تک محروم ہے اور نہ معلوم کب تک محروم رہے گی؟ (ص ۲۰۹)

۷۔ ہماری چیخ و پکار خلافت کا قبضہ و دخل لینے کے لیے نہیں بلکہ یہ بتانے کے لیے ہے کہ آپ کے اصحابِ ثلاثہ کا یہ قبضہ غاصبانہ و جائرانہ تھا تا کہ ابناءِ قوم وملت کو اس ضلالت و گمراہی سے بچایا جا سکے۔ (ص ۲۱۵)

۸۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہی مصنف لکھتا ہے کہ: ''باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ عائشہ مومنوں کی ماں ہیں، ہم نے ان کی ماں ہونے کا انکار کب کیا ہے، مگر اس سے اُن کا مومنہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا، ماں ہونا اور ہے اور مومنہ ہونا اور۔ (ص ۴۷۸)

نوٹ: یہ کتاب ''تجلیاتِ صداقت'' گزشتہ سال ۱۹۷۴ء میں انجمن حیدری چکوال نے شائع کی ہے اور اس پر شیعوں کو بڑا ناز ہے چنانچہ عرضِ ناشر کے تحت لکھا ہے کہ: ''صدر المحققین سلطانُ المتکلمین، حجۃ الاسلام والمسلمین، سرکارِ علامہ الحاج الشیخ محمد حسین صاحب قبلہ مجتہد والعصر مدظلہ العالی (جو کہ سب سے زیادہ اتحادِ اسلامی[1] کے علمبردار ہیں) کی خدمت میں جواب لکھنے کی درخواست پیش کی، مقامِ شکر ہے کہ انھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کا دندان شکن جواب[2] باصواب لکھ کر پوری ملت جعفریہ کا سر افتخار بلند کر دیا جس پر آنے والی نسلیں بھی فخر کرتی رہیں گی۔

شیعوں کا کلمہ اسلام: ''دینیات'' حصہ اول مصنفہ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی (شیعہ) ایم اے پی ایچ ڈی میں ''کلمہ اسلام'' کے عنوان کے تحت یہ کلمہ لکھا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ عَلِيٌّ وَّلِيُّ اللهِ اور ولی اللہ کا مطلب اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے امام ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلا امام ماننا ضروری ہے۔

فرمایئے اگر آپ سنی ہیں تو آپ تو مندرجہ کلمہ نہ پڑھنے کی وجہ سے غیر مسلم ہیں تو پھر یہ اتحاد کس کلمہ اور کس دین کی بنیاد پر ہے؟

شیعہ رسائل واخبارات: شیعہ رسائل واخبارات بھی اپنے مذہب کی کھلم کھلا اشاعت کر رہے ہیں لیکن اس کے برعکس اگر کوئی سنی اپنے مذہب کی اشاعت کی ضرورت پر زور دیتا ہے تو ان کے لیے یہ امر قابل برداشت نہیں رہتا اور اس کی تردید کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور ۱۷ مارچ ۱۹۷۵ء میں ایک مضمون بعنوان ''قومی[3] ذہن کی تعمیر'' شائع ہوا ہے جس میں مقالہ نگار نے سنی

[1] ماشاء اللہ مجتہد موصوف کا مطلوبہ اتحادِ اسلامی اب ''سنی شیعہ اتحادِ مدارس دینیہ'' کی صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے، یہ ہیں وہ علمبردار اتحادِ اسلامی جن کے نزدیک حضراتِ اصحاب رضی اللہ عنہم ثلاثہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مومن ہی نہیں ہیں، اب دیکھیے مدہوش سنی علماء اس اتحادِ اسلامی کی دعوت کو کس طرح قبول فرماتے ہیں۔ (خادم اہل سنت غفرلہ)

[2] کتاب ''تجلیاتِ صداقت'' کا مختصر جواب میں نے اپنی ضخیم کتاب ''بشارت الدارین'' کے آخر میں بنام ماتمی مجتہد محمد حسین ڈھکو کی کتاب ''تجلیاتِ صداقت پر ایک نظر'' شائع کر دیا ہے جو علیحدہ بھی شائع ہو رہا ہے۔

[3] ہفت روزہ ''چٹان'' کے اس مضمون کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں: سیاسی پلیٹ فارم پر اسلام کا نام لینے کا رواج اب بھی ہے اور پاکستان بنانے کے لیے بھی اسی نام سے کام لیا گیا تھا مگر ہمارے سیاسی قائدین ایسے اسلام کی حمایت ونصرت کا دم بھرتے ہیں جس کا دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ کیا آپ کسی ایسے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ذہن کی ضرورت پر زور دیا ہے اور باوجود اس کے کہ مدیر چٹان عموماً سنی شیعہ اتحاد کی دعوت دیتے رہتے ہیں اور یہ مضمون بھی مدیر ''چٹان'' یعنی مشہور شاعر، لیڈر اور صحافی آغا شورش کاشمیری کا اپنا لکھا ہوا بھی نہیں ہے، لیکن اس میں چونکہ مذہب اہل سنت کی حمایت کی گئی ہے اور اصحاب رسول ﷺ کے شرعی بلند مقام کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ اس پر شیعہ اخبارات نے اس کے خلاف لکھنا شروع کر دیا ہے، چنانچہ شیعوں کے ہفت روزہ ''اَسَد'' لاہور مجریہ ۱۸/اپریل ۱۹۷۵ء کے اداریہ میں بعنوان ''شورش کا بے ہنگم شور وشر'' لکھا ہے کہ: ''ہم مدیر محترم چٹان'' کے مندرجہ بالا خیالات کا تجزیہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

☆ انہوں نے فرمایا ہے کہ حقیقی اسلام وہی ہے جو سنت رسول ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔ مدیر ''چٹان'' نے اہل بیت رسول ﷺ کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ کسی تحریک یا پیغام کو

(گذشتہ سے پیوستہ) انسان کا تصور کر سکتے ہیں جو نہ گورا ہو نہ کالا نہ لمبا نہ ٹھگنا نہ دُبلا نہ موٹا غرض ہر تشخص اور تعین سے آزاد ہو؟ اگر ایسے انسان کا دنیا میں وجود نہیں تو ایسے اسلام کا وجود کیسے ہو سکتا ہے جو سنیت، شیعیت، قادیانیت وغیرہ ہر تشریح سے ماورا اور آزاد ہو۔ سیکولرازم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سیاسی ادارہ بد دین اور دشمن دین ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بحیثیت ادارہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، نہ وہ کسی مذہب کی حمایت یا مخالفت کرتا ہے۔ اس میں شامل ہونے والے افراد جو مذہب بھی رکھیں ادارے کو بحیثیت ادارہ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا، یہی طرزِ عمل ہمارے سیاسی ادارہ کا ہے۔ سنی لیڈروں نے اسلام کی کوئی ایسی تعریف معلوم کر لی ہے جو ہر قید سے آزاد اور سیکولر ہے، وہ اسی اسلام کی حمایت ونصرت کا دم بھرتے ہیں، حقیقی اسلام جس کا نام دین اہل سنت ہے سیاست میں کبھی ان کا موضوعِ سخن نہیں بنتا۔ اسی طرزِ فکر کا نام ''سیکولر ذہن'' ہے جبکہ ہماری فلاح کے لیے سنی ذہن کی ضرورت ہے، ہم سنی ہیں اور ہم اس ذہن کو اسلام کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن (مجید) میں اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ ورسول ﷺ کی سنت سے معلوم ہوتا ہے اور سنت وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے ہم تک پہنچی اور جس کا عملی نمونہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی یہی اولین اور افضل ترین جماعت تھی، اسی اسلام کا دوسرا نام مذہب اہل سنت والجماعت ہے، جو اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بے اعتمادی پر مبنی ہو یا جو کتاب وسنت میں کسی دوسری کتاب یا کسی دوسرے کی سنت کا ضمیمہ لگانے کی تعلیم دے اسے ہم حقیقی اسلام نہیں سمجھتے۔ ہمارے سیاسی قائدین سنت اور سنی کا لفظ بھی اپنی زبان پر لانا ممنوع سمجھتے ہیں۔ ان میں سے گنے چنے کبھی کبھار قادیانیوں کے بارے میں کچھ کہہ کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ جس اسلام کے غلبہ کا نعرہ بلند کر رہے ہیں اس میں قادیانیت کے لیے گنجائش نہیں مگر سنی کا لفظ کبھی بھولے سے بھی ان کی زبان پر نہیں آتا اور شیعوں سے مغائرت کا کوئی پہلوان کے کسی قول واقدامِ سیاسی میں نہیں نکلتا گویا وہ جس اسلام کی نصرت کے دعوے دار ہیں وہ شیعیت کے اعتبار سے سیکولر ہی رہتا ہے۔

بانی تحریک کے گھر والے جس حسن و خوبی سے پیش کر سکتے ہیں وہ کوئی غیر پیش نہیں کر سکتا، پھر اہل بیت رسول ﷺ معصوم تھے اور معصوم کے اقوال و کردار پر کسی غیر معصوم کے قول و فعل کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ محترم مدیر ''چٹان'' کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقی اسلام اور سنت نبوی ﷺ وہی ہے جو ائمہ معصومین علیہم السلام کے ذریعہ ہم تک پہنچی۔ مدیر ''چٹان'' کو اپنے اس نظریہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ حقیقی اسلام وہی ہے جو سنت رسول ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ پہنچا۔ مدیر ''چٹان'' کو شاید علم نہیں کہ مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کی ابتداء امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ جو سنت رسول ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ پہنچی وہی حقیقی اسلام ہے اور اسے اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔

☆ اسی طرح شیعوں کے ہفت روزہ ''رضا کار'' لاہور ۱۶/اپریل ۱۹۷۵ء میں بھی ''چٹان'' کے مذکورہ مضمون کی تردید کی گئی ہے تو جب اہل سنت اور اہل تشیع میں اتنا بنیادی اصولی اختلاف ہے کہ کلمہ اسلام تک مشترک نہیں ہے تو دونوں مذہبوں کے دینی مدارس کے باہمی اتحاد اور مشترکہ تنظیم کی تجویز بالکل ناجائز ہے، اگر آپ سنی ہیں اور سنی مذہب کو حق سمجھتے ہیں تو پھر اس فریب میں نہ آئیں ورنہ اگر باوجود شیعہ عقائد مذکورہ سے واقف ہونے کے آپ سنی شیعہ مذہبی اتحاد مدارس کی تنظیم میں حصہ لیں گے تو آپ مذہب اہل سنت کو سخت نقصان پہنچائیں گے۔ اگر یہ مشترکہ اجلاس فی الواقع جامعہ مدنیہ لاہور میں ہوا ہے اور ایسی کوئی تنظیم قائم کر دی گئی ہے تو یہ میرا خط حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ کی خدمت میں بھی پیش کر دیں تاکہ مولانا موصوف دوسرے پہلوؤں کے پیش نظر سابقہ فیصلہ سے رجوع کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھیں کیوں کہ محبوبِ خدا، امام الانبیاء، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین ﷺ کے ارشاد مبارک مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَ اَصۡحَابِیۡ کا مصداق صرف اہل سنت والجماعت ہیں اور ۷۳ فرقوں میں سے حسب ارشادِ نبوی ﷺ یہی ناجی فرقہ ہے۔ والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ
مدنی جامع مسجد چکوال
۲۱، ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ [1]

---

[1] سنی، شیعہ طلبہ کا اتحادی فتنہ/مطبوعہ ۱۹۷۵ء/چکوال

قائد اہل سنتؒ کی بروقت گرفت کا نتیجہ، اتحاد الطلبہ سے شیعہ طلبہ کے اخراج کا فیصلہ کر دیا گیا

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا مذکورہ کتابچہ "اتحادی فتنہ" جب لاکھوں کی تعداد میں ملک کے طول و عرض میں پہنچا تو اکابر علماء کرام نے اس تنظیم کے کار پردازان کو خبردار کیا اور انہیں اپنی تنظیم سے شیعہ طلبہ کو نکال دینے کے فیصلہ پر قائد اہل سنتؒ کے موقف کی بھرپور حمایت کرنے کا اعلان کیا، چنانچہ انہیں ایام میں ایک خط قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجا گیا، جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے۔

"محترم المقام واجب الاحترام جناب حضرت قبلہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے کہ آپ ہر طرح سے خیریت سے ہوں گے۔ یکے بعد دیگرے آپ کے خطوط اور پمفلٹ وغیرہ ملے، حضرت جس دن آپ کا لکھا ہوا پمفلٹ بعنوان "اتحادی فتنہ" مجھے ملا، اسی دن شام کو ہم نے اتحاد الطلبہ مدارس عربیہ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا اور تقریباً اڑھائی گھنٹے کی طویل گفتگو کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اہل شیعہ طلبہ کو تنظیم سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ اس سے اگلے دن اخباری پریس ریلیز کے ذریعے اعلان کر دیا گیا کہ "اتحاد الطلبہ مدارس عربیہ سے اہل تشیع کو نکال دیا گیا۔" اللہ تعالیٰ آپ کو اجر جزیل عطا فرمائیں کہ آپ نے ہمیں ایک رستہ بتایا جو واقعی صحیح تھا۔ دوسرے بہت سے خطوط بھی آپ کے پمفلٹ کی اشاعت کے بعد موصول ہوئے کہ شیعہ طلبہ کو تنظیم سے نکال دیا جائے۔ حال ہی میں تحریک خدام اہل سنت کی طرف سے شائع شدہ اشتہار بعنوان "سُنی مطالبات" موصول ہوا۔ میں نے ان کی فوٹوسٹیٹ کاپیاں کروا کر کوثر نیازی، پیرزادہ عزیر احمد اور چاروں صوبوں کے گورنروں کو بھیج دی ہیں۔ والسلام[1]

مولانا محمد منشاء تابش قصوری کا ایک خط بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ

انہی ایام میں بریلوی مکتب فکر کے معروف عالم دین اور مصنف مولانا محمد منشاء تابش قصوری نے ایک خط ارسال کیا تھا، جس میں کسی قدر مسلکی اور روایتی بے وزن متشددانہ باتوں کے علاوہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی مجاہدانہ سعی اور روافض و سبائیت کے خلاف آپ کی جہد مسلسل کی تحسین کی گئی تھی، تابش صاحب رقم زن ہیں۔

---

[1] اظہر ندیم، قاری / بنام قائد اہل سنت، محررہ ۱۳، فروری ۱۹۷۵ء از جامعہ فتحیہ، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

''بخدمت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

سلام مسنون! آج جناب حافظ عبدالوحید صاحب کے مکتوب خیر سے آپ کی رہائی کی خبر پڑھ کر خوشی ہوئی، ہدیہ مبارک بادی پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ مولانا کوثر نیازی کے اعلان کے مطابق یوم میلاد النبی ﷺ کے سلسلہ میں بین الاسلامی سیرت کانفرنس، کراچی میں منعقد ہو رہی ہے، جسے بین الاقوامی کانفرنس کہا جائے تو مضائقہ نہیں ہوگا۔ اس میں دیوبندی، بریلوی اکابر پر مشتمل ایک وفد کو شامل ہونا چاہیے جو روافض کے مصنوعی کلمہ کی سازش کو ناکام بنانے کے لیے احتجاج کرے، اس سے جہاں پاکستان حکام کی آنکھیں کھلیں گی وہاں تمام اسلامی ممالک کو بھی اس فتنہ سے آگاہی حاصل ہوگی، اس سلسلہ میں آپ مولانا مفتی محمود، جناب مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا شاہ احمد نورانی، جناب بھوپالی صاحب اور کوثر نیازی صاحب سے رابطہ قائم کریں بلکہ ممکن ہو تو مسجد نبوی کے امام صاحب پاکستان کا دورہ کرنے والے ہیں، اسلام آباد اور لاہور میں ان کی آمد آمد ہے، یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے آگے پیچھے دیوبندی علماء کی فوج ظفر موج ہوگی، اور وہ بھی دیوبندی اداروں میں قدم رنجہ فرمائیں گے۔ لہٰذا اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، آپ دیوبندی مدارس سے پہلی فرصت میں رابطہ قائم فرمائیں۔

تاکہ اہل تشیع کے فتنہ سے پاکستان کو نجات ملے اگر اس وقت آپ حضرات نے فائدہ نہ اٹھایا، یا دیوبندی بریلوی اپنی روایتی سیاست کے چکر میں پڑے رہے، آدھے حکومت کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور آدھے عوام کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرتے رہے تو پورے پاکستان کی تباہی لازمی ہے۔ اور پھر کفر کی زندگی سے مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ آپ جس مشن پر گامزن ہیں اس میں مزید لچک پیدا کریں اور اپنی تصانیف میں علماء دیوبند کے ساتھ ساتھ علماء بریلوی کی خدمات کو بھی لائیں تاکہ آپ پر جانبداری کا الزام صادق نہ آئے۔ شیعہ کے خلاف آپ کے مشن کی پوری پوری حمایت میں بریلوی آپ کے معاون و ممد ثابت ہوں گے ان شاء اللہ العزیز۔ باقی حالات لائق حمد شکر ہیں۔ ضیائے حرم کے شمارہ (فروری ۱۹۷۶ء) میں مصنوعی کلمہ پر موثر اداریہ تحریر ہے، امید ہے کہ نظر نواز ہوا ہوگا۔ قراردادوں کا سلسلہ جاری رکھیں، ادھر سے بھی ارسال کی جاتی رہیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔ خیر طلب [1]

[1] منشاء تابش قصوری، مولانا / بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ، محررہ ۸، فروری ۱۹۷۶ء مرید کے، شیخوپورہ / پاکستان

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی گرفتاری اور رہائی

مولانا منشاء تابش قصوری کے خط میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو جس رہائی پر مبارکباد پیش کی گئی ہے وہ ۱۹۷۶ء میں ایک سنی، شیعہ تنازع کے سلسلے میں ہونے والی گرفتاری ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ان دنوں قائد اہل سنت ''تحفظ کلمہ اسلام'' کے سلسلہ میں ماہیٔ بے آب کی مانند بے قراری میں تڑپ رہے تھے۔ اور آپ ششدر تھے کہ اتنا بڑا سانحہ پیش آجانے کے باوجود پاکستان کے سنی علماء ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ چنانچہ آپ کی جانب سے حکومت اور اہل تشیع کے خلاف سخت خطابات اور رسالوں کی ترسیل و تشہیر کا سلسلہ زوروں پر تھا کہ یکم مارچ ۱۹۷۵ء کی ۱۷، صفر والا مشہور شیعی جلوس جب مدنی جامع مسجد کی تنگ گلی سے گزرا تو اس پر نامعلوم افراد کی جانب سے پتھراؤ کیا گیا، اہل تشیع نے فائرنگ کا الزام لگا کر دفعہ ۳۰۷ کے تحت کیس بنوایا اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو آپ کے اکلوتے فرزند دلبند حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر صاحب کے ہمراہ گرفتار کرلیا گیا، اور آپ کے ساتھ تقریباً ۲۶ دیگر اہل سنت بھی گرفتار ہوئے۔ آخر کار جلد ہی ہائی کورٹ سے سبھی بری کر دیئے گئے تو اس سے اگلے سال ۷، محرم الحرام ۱۹۷۶ء کو بھی قائد اہل سنت کو گرفتار کر کے جہلم ڈسٹرکٹ جیل میں پابند سلاسل کیا گیا، اور پھر رہائی عمل میں آئی، مولانا منشاء صاحب کے خط میں اس رہائی کا ذکر ہے۔ غرضیکہ یہ ۱۹۷۰ء والی مکمل دہائی بھی آپ کی رفض و بدعت کے ساتھ چومکھی لڑائی میں گزری۔ اسی دہائی میں شیعوں کے شر انگیز مطالبات کے جواب میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ایک منظم تحریک چلائی اور پاکستان کے چاروں صوبوں میں آپ کی مطبوعہ قراردادوں اور سنی مطالبات نے لاریب اہل سنت کو بیدار کیا، شیعی سازشوں سے لوگوں کو آگاہی ملی اور مصلحت و حکمت کی دبیز تہوں میں دبے بے شمار خوابیدہ علماء کرام اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کو ایمانی توانائی نصیب ہوئی۔ اور یہ سب کچھ فقط جوشیلی تقریروں اور اشتعالی نعروں کے ساتھ نہیں بلکہ مثبت طریق کار، اُجلی تحریروں اور نظریاتی تقریروں کی بنیاد پر ممکن بنایا گیا تھا، اور حق یہ ہے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں پاکستان کے اہل سنت کے تینوں مکاتب فکر کو بے ہوشی سے ہوش میں لانے کے لیے اس قدر مخلصانہ اور سپاہیانہ کردار ادا کیا تھا کہ روافض کے بڑے بڑے سورما دبک جانے پہ مجبور ہو گئے تھے۔ جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں ہم درج کر چکے ہیں کہ ۱۹۷۴ء کی تحریک مجلس عمل کے مطالبات سے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کو قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا، اختلاف صرف اور صرف مجلس عمل میں اہل تشیع کی شمولیت پر تھا، جس میں اس زمانہ کے نامور تبرائی روافض شریک تھے،

بالخصوص مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی تو اہل سنت کی مساجد میں تقریریں کرتے رہے تھے، اس صورتحال کے پیش نظر قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ''مجلس عمل'' کے اتحاد میں شریک ہونے کی بجائے علیحدہ سے اپنا کام جاری رکھا، اور ۷۴ء کی تحریک کے مطالبات کو زور وشور سے بیان کرتے ہوئے نہ صرف مرزائیت کی تردید وتکفیر پر تقریریں کیں بلکہ دوسری جانب دعوتی نظم کے تحت اسی تحریک کے دور میں کئی ایک قادیانیوں کو قادیانیت سے تائب کر کے مسلمان بھی بنایا، چنانچہ ایک مرزائی کو مسلمان کرنے کے بعد آپ نے اس سے مندرجہ ذیل تحریر مع دستخط وانگوٹھا درج کروائی تھی:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ میں مسمی مرزا حلیم بیگ ولد مرزا بشیر احمد مرزائیت سے توبہ کر کے مسلمان ہوگیا ہوں۔ اب میرا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہو کر جو شخص نبوت ورسالت کا دعوی کرے، وہ کافر ہے، اور چونکہ مرزا غلام قادیانی نے بھی نبوت کا دعوی کیا ہے اس لیے اب میں مرزا غلام احمد قادیانی کو قطعی کافر مانتا ہوں اور جو شخص مرزا غلام احمد کو نبی یا مجدد اور ولی مانتا ہے، اس کو بھی کافر مانتا ہوں میں نے سچے دل سے مرزائی مذہب سے توبہ کر لی ہے، اور جس طرح اہل اسلام ختم نبوت کے عقیدہ کو مانتے ہیں، اسی طرح میرا عقیدہ ہے، اور میں مذہب اہل سنت والجماعۃ کو برحق مانتا ہوں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو برحق خلیفہ مانتا ہوں، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو جنتی مانتا ہوں اور تمام ازواج مطہرات کو مومنین کی مائیں اور جنتی مانتا ہوں، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو برحق مانتا ہوں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا مانتا ہوں، اور اب میرا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور قرب قیامت میں نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے''۔

(دستخط) مرزا حلیم بیگ، گلی گلستان خان والی، محلہ تحصیل والا چکوال[1]

اسی طرح جب حکومت پاکستان سے پہلے آزاد کشمیر حکومت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا، یعنی ۷، ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی نیشنل اسمبلی میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے تو اس سے چند ماہ قبل ۱۹۷۳ء کے اواخر میں آزاد کشمیر اسمبلی میں یہ کافر قرار پا چکے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر قائد اہل سنت رحمہ اللہ

[1] تحریر تائب از قادیانیت / دستیاب شدہ ذاتی ریکارڈ، قائد اہل سنت / ۱۰، جون ۱۹۷۴ء / چکوال۔

نے ہزاروں کی تعداد میں ایک اشتہار شائع کر کے ملک بھر میں تقسیم کروایا جس میں آزاد کشمیر حکومت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس وقت کے صدر سردار عبدالقیوم خان کو مبارکباد پیش کی گئی تھی اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ بھی آزاد کشمیر حکومت کی تقلید کرتے ہوئے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے۔ متذکرہ اشتہار اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، اس کا عکس دینا تو ممکن نہیں تاہم متن پیش خدمت کر دیا جاتا ہے، جس سے مزید اندازہ ہو سکے گا کہ مجلس عمل کی تحریک میں شمولیت کا یہ مطلب نہ تھا کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ خواب مخمور میں تھے اور گھر بیٹھ گئے تھے، نہیں بلکہ آپ شب و روز اپنی جماعت کو قادیانیوں کے تعاقب و تردید میں وقف کر چکے تھے، اور ۱۹۷۴ء سے قبل آپ بڑے پیمانے پر مرزائیوں کو کافر اقلیت قرار دینے کے مطالبہ پر مشتمل پمفلٹ لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے ملک بھر میں تقسیم کروایا کرتے تھے۔

قراردادِ ختم نبوت

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا آزاد کشمیر اسمبلی کا عظیم اسلامی کارنامہ ہے

چکوال ۲ مئی خدام اہل سنت والجماعت چکوال کا ایک خصوصی اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب امیر خدام اہل سنت والجماعت صوبہ پنجاب منعقد ہوا۔ جس میں آزاد کشمیر اسمبلی کے حالیہ شرعی فیصلوں کی روشنی میں حسب ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

① خدام اہل سنت کا یہ اجلاس آزاد کشمیر اسمبلی میں مرزائی پارٹی کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر کشمیر اسمبلی کو اور صدر آزاد کشمیر جناب سردار عبدالقیوم خاں کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔

صدر موصوف کی قیادت میں مسئلہ ختم نبوت کی بنیاد پر آزاد کشمیر اسمبلی کا یہ ایک ایسا مجاہدانہ تاریخی فیصلہ ہے۔ جس کا تعلق نبی کریم رحمت اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ سے ہے۔ اور ان کا یہ عظیم اسلامی کارنامہ ان شاء اللہ موجودہ دور کی تاریخ میں زندہ و تابندہ رہے گا اور دوسرے مسلم ممالک کے لیے بھی قابل تقلید ثابت ہوگا۔ جنہوں نے ابھی تک مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا ہے۔

(ب) چونکہ اس پارٹی کو بوجہ مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت تسلیم کرنے کے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس لیے ان کو بجائے احمدی کے مرزا قادیانی کی نسبت سے سرکاری

کاغذات میں مرزائی قادیانی لکھا جائے۔

(۲) خدام اہل سنت کا یہ اجلاس آزاد کشمیر اسمبلی کو اس فیصلہ پر بھی زبردست خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ جس میں انہوں نے شراب کو قانوناً ممنوع اور نا قابل ضمانت جرم قرار دیا ہے۔ اور شراب پینے والوں کے لیے شریعت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیہ کے تحت کوڑوں کی سزا تجویز کی ہے۔

(۳) خدام اہل سنت کا یہ اجلاس صدر آزاد کشمیر اور آزاد کشمیر اسمبلی سے یہ بھی پُرزور اپیل کرتا ہے کہ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی عظمت کو بھی قانونی تحفظ دیا جائے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ختم نبوت کے اولین محافظ ہیں اور جنہوں نے مسیلمہ کذاب وغیرہ کی جھوٹی نبوتوں کا استیصال کر کے عالم اسلامی میں پرچمِ ختم نبوت بلند کیا تھا۔

☆ جمیع صحابہ کرام اور اہل بیت عظام (ازواج و اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی تنقیص وتوہین کو بھی نا قابل ضمانت جرم قرار دے کر مجرم کو سزا دی جائے گی۔

(۴) خدام اہل سنت کا یہ اہم اجلاس صدر پاکستان اور قومی اسمبلی سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بھی واضح طور پر مرزائی پارٹی (قادیانی ہوں یا لاہوری) کو غیر مسلم اقلیت قرار دے اور ملک وملت کو قادیانی کی اس جھوٹی نبوت کے فتنے سے بچانے کی کوشش کرے۔ وما علینا الا البلاغ[1]

قرارداد: مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے

چکوال۔ آج بروز عیدالاضحیٰ کمیٹی باغ چکوال میں مسلمانانِ اہل سنت والجماعت کا یہ عظیم اجتماع قومی اسمبلی پاکستان کے منتخب مسلم ممبران سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ آئین ساز اسمبلی میں سرکارِ مدینہ رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ایمانی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے منکرین ختم نبوت یعنی مرزائی پارٹی (قادیانی ولاہوری) کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر منصب ختم نبوت کے قانونی تحفظ کا دینی وملی فریضہ سرانجام دیں۔

(۲) اہلِ اسلام کا یہ اجتماع آزادی کشمیر کے دو مجاہد نوجوانوں قریشی محمد ہاشم اور قریشی محمد اشرف کو ان کے اس تاریخی مجاہدانہ عظیم الشان کارنامے پر مبارکباد دیتا ہے، جو انہوں نے بھارت جیسے ظالم دشمن

---

[1] قراردادِ ختم نبوت (اشتہار) منجانب۔ خدام اہل سنت والجماعت چکوال، ضلع جہلم، ۲۹ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ۔ ۲ مئی ۱۹۷۳ء مطبوعہ درسی پرنٹنگ پریس گجرات

کے طیارہ کو قبضہ میں لانے اور اس کو تباہ کرنے کے سلسلے میں سرانجام دیا ہے۔ یہ اجتماع خالقِ کائنات سے دعا کرتا ہے کہ وہ ان مجاہدوں کی قربانی کو قبول فرما کر ان کو دین اسلام کی زیادہ سے زیادہ اطاعت و نصرت عطا فرمائے اور مقبوضہ کشمیر کے تمام مسلمانوں کو بھارت کے ظالمانہ اقتدار سے مکمل اسلامی آزادی نصیب ہو[1]۔

قائد اہل سنت کی تحریک کے نتیجہ میں علماء وعوام میں بیداری

پاکستان میں تبدیلی کلمہ اسلام کا شیعی فتنہ، نیز جداگانہ دینیات اور مشترکہ نصاب وغیرہ وغیرہ کے ان مطالبات نے قائد اہل سنت کو پہلے سے بھی زیادہ حساس کر دیا تھا بلکہ آپ کے خدشات کو خطرات میں اور توہمات کو حقائق میں بدل ڈالا تھا، اس کے بعد مذکورہ تجربات کی روشنی میں آپ مزید اپنے موقف پر ڈٹ گئے تھے کہ کسی بھی حال میں اہل تشیع کو شامل اتحاد نہیں کرنا چاہیے، آپ کے اخلاص کی یہ نشانی تھی کہ عملاً آپ کے ساتھ نہ چلنے والے علماء کرام بھی آپ کے کاز و پالیسی کی مکمل حمایت فرماتے تھے۔ چنانچہ انہی دنوں میں ایک عالم دین، جو حضرت مولانا اللہ یار خان چکڑالوی رحمہ اللہ کے ساتھ بھی گہرا تعلق رکھتے تھے تو دوسری جانب قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے بھی عقیدتمند تھے، نے آپ کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

محترمی ومکرمی ومخدومی حضرت صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ ملا، اور باعث صد مسرت بنا، بھکر کانفرنس والی تاریخ ڈائری پر دیکھ کر میں خط لکھنے ہی والا تھا کہ جناب کا گرامی نامہ وصول ہوا۔ باقی ۲۵ جون ۱۹۷۴ء منارہ کانفرنس کی نوٹ کر لی گئی ہے واپسی جواب میں پروگرام کے متعلق آپ واضح فرمائیں کہ تقریر کس ٹائم ہوگی اور کیا میں نے چکوال سے آپ کی معیت میں منارہ پہنچنا ہے یا میں ادھر خوشاب سے سیدھا منارہ ہی چلا جاؤں؟ جیسے آپ کا حکم ہوگا تعمیل کی جائے گی، ان شاءاللہ، باقی تدریس کا کام بھی اس لیے شروع کیا ہے کہ علم بھول ہی نہ جائے، نیز مطالعہ سے دن بہ دن علمی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ویسے حتی الامکان علاقہ میں تقریریں بھی کرتا رہتا ہوں۔ اور طلبہ کو جمعۃ المبارک کی چھٹی بھی نہیں کرتا۔ تاکہ دونوں کام ہوتے رہیں۔ اگر مستقل تبلیغی کام مرتب ہوگیا تو ممکن ہے کہ تدریس کے لیے کوئی اور آدمی مقرر کرلوں۔ ۳، ۴ جون کو یہاں شیعوں کے بڑے بڑے پوپ آرہے ہیں یعنی مولوی محمد اسماعیل گوجروی اور مولوی محمد بشیر انصاری

---

[1] والسلام خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ خطیب مدنی جامع مسجد / ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۷ / فروری ۱۹۷۱ء

ٹیکسلے والا وغیرہ وغیرہ! خصوصی دعاؤں سے نوازیئے، اللہ تعالیٰ اس موقع پر اہل حق کی مدد فرمائیں۔ الحمدللہ تبلیغی محنتوں سے یہاں لوہاروں کا ایک پورا خاندان جو جدی شیعہ تھا، سنی ہو گیا ہے اور مزید دو آدمی بھی شیعہ مذہب سے تائب ہو گئے ہیں۔ ذالک فضل اللہ! ۱۳، جون کو بندہ کی تقریر تلہ گنگ میں ہے اگر کوئی خاص حکم ہو تو فرما دیں۔ باقی مولانا نور الحسن شاہ صاحب نے جو قدم اٹھایا ہے اس سے واقعی رافضیوں کی فتح عظیم ہے اور اہل سنت کے جذبات کو مجروح کیا گیا ہے۔ بزرگ ہیں، ہم کیا کہہ سکتے ہیں، البتہ آپ حضرات کو پورا پورا حق حاصل ہے، علامہ قریشی صاحب اور تونسوی صاحب کو بھی خطوط لکھیں کہ وہ شاہ صاحب کو فیصلہ سے رجوع کرنے پر مجبور کریں، بندہ نے بھی تونسوی صاحب اور قریشی صاحب کو خط لکھ دیئے ہیں۔ حضرت آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ باقی قرارداد مذمت کے مزید اشتہارات بھی اگر ہوں تو ارسال فرما دیں تاکہ علاقہ میں تقسیم ہو جائیں۔ قبل ازیں جو صدر آزاد کشمیر کا فیصلہ مرزائیوں کے خلاف دیا گیا ہے، اس پر آپ کی طرف سے شائع شدہ اشتہارات بھی مختلف جگہوں پر چسپاں کروا دیئے گئے ہیں۔ باقی میرے جامعہ صدیقیہ کی ترقی کے لیے بھی دعا فرمائیں اور دشمنوں کے شر سے حفاظت کے لیے کوئی وظیفہ بھی مرحمت فرما دیں۔ نوازش ہو گی[1]۔

یہی مولانا نذیر احمد مخدوم اپنے ایک دوسرے مکتوب میں رقمطراز ہیں:

گرامی قدر حضرت صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج اقدس؟ مدت ہو گئی ہے، سستی اور غفلت کی وجہ سے کوئی عریضہ ارسال نہیں کر سکا، پہلے رمضان المبارک کی مصروفیات رہیں، پھر ایک دو فوتید گیاں ہو گئیں، ان کی وجہ سے طبیعت پریشان رہی۔ آپ کا ارسال کردہ کتابچہ ''سنی مطالبات'' کا ایک نسخہ ملا، بہت خوشی ہوئی۔ عجیب وغریب ٹائٹل قیمتی ورق اور اس میں جو کچھ موجود تھا، واقعی اہل سنت والجماعت کی ترجمانی تھی۔ میرا خیال ہے اس طرف آج تک خواہ جتنے بھی دور گزرے ہیں، کسی کی بھی توجہ نہیں گئی، ان شاء اللہ قوی امید ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور و مقبول ہوا اور ارباب حکومت کی توجہات کو بھی خداوند قدوس نے اس طرف پھیرا تو یقیناً یہ آپ کی اتنی بڑی خدمت ہے کہ جس کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا، اللہ کرے ہمارے سنی علماء کرام جو بڑے بڑے شہروں میں پڑے ہوئے ہیں، ان کے اندر بھی اپنے مذہب کی صحیح

---

[1] نذیر احمد مخدوم، حضرت مولانا / بنام قائد اہل سنت رحمہ اللہ / ۱۸، ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء / کوٹ میانہ ضلع سرگودھا / پنجاب

روح تڑپ اٹھے اور مذہب کے نام پر جو کچھ کما، کھا رہے ہیں اس کا صدقہ بھی ادا کریں۔ حضرت جی، اللہ کی قسم، ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم اور مذہب اہل سنت والجماعۃ کے پرچار کی ایسی تڑپ پیدا ہو چکی ہے، تقریراً اور تحریراً! اور دعاؤں میں بھی اس چیز کا خیال رہتا ہے۔ سُنّی مطالبات کے اگر مزید کچھ نسخے ہوں تو علاقہ میں ان کی بڑی ضرورت ہے نیز نئے سال کے سنی کیلنڈر کی بھی ہمارے علاقہ میں بہت مانگ ہے کافی دن ہو گئے ہیں زیارت کو بہت جی کر رہا ہے۔ امید ہے کہ بہت جلد موقع نکال کر حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ نیز جامعہ صدیقیہ کی بنیادوں کے لیے بھی رقم جمع ہو رہی ہے، ان شاء اللہ اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے آپ کو تکلیف دی جائے گی۔ واپسی لفافہ میں اپنی خیریت سے آگاہ فرمائیں، نیز میرے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام ''محمد طیب'' رکھا ہے، اس کی صحت اور مقدر کے لیے بھی دعا فرما دیں[1]۔

چونکہ اس دور میں ردمرزائیت کے ساتھ ساتھ چونکہ قائد اہل سنت نے برابر اہل تشیع کے خلاف بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی تھیں، تو ان حالات میں وہ حضرات بھی آپ سے خط و کتابت سے رہنمائی لیتے رہتے تھے جو عام طور پر تقابل ادیان یا مذاہب کے عقائد سے ناواقف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک علم دوست اور طالب ہدایت اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

محترم مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ! آپ کا مرسلہ خط ملا، عزت افزائی کا بہت بہت شکریہ! میں نے اپنے سابقہ ایک خط جو کہ مؤرخہ ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اور ایک سوال بھی لکھا تھا، یاددہانی کے لیے دوبارہ آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو اگر کوئی شخص گالیاں دے، نازیبا کلمات کہے یا کسی بھی طرح بے ادبی کرے تو کیا ان کی تکفیر کرنا جائز ہے؟ کیا ہم ان سے مرزائیوں کی طرح ناطے توڑ دیں؟ ہم اس کے لیے تیار ہیں مگر اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لیے مضبوط دلائل درکار ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ تکلیف معاف فرمائیں گے اور جہاں آپ ہمہ وقت مذہب کی تبلیغ کے لیے کوشاں ہیں، وہاں مجھ پر بھی احسان فرماتے ہوئے اور تبلیغ دین کا حصہ سمجھ کر جواب عنایت فرمائیں گے۔ میں نے اپنی تسلی کی خاطر دوسرے چند سیاسی علماء کو بھی خط لکھے ہیں مگر بجز آپ کے کسی نے جواب ہی نہ دیا، اس لیے آپ کو پھر زحمت دے رہا ہوں۔ امید ہے گستاخی معاف فرمائیں گے[2]۔

---

[1] ایضاً رمرقومہ ۱۹، نومبر ۱۹۷۲ء رکوٹ میانہ سرگودھا۔

[2] سید ناصر عباس شاہ ربنام قائد اہل سنت ۳۱، اپریل ۱۹۷۸ء رراولپنڈی

۱۹۷۵ء کا ایک معروف سانحہ

چکوال شہر میں ۷ محرم الحرام اور ۷ اصفر المظفر کی سالانہ دو تاریخیں تاریخی اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہیں، کیونکہ ان دو تاریخوں میں اہل تشیع کے سالانہ ماتمی جلوس چھپڑ بازار چکوال سے ہوتے ہوئے بجائے مرکزی سڑک پر جانے کے مدنی جامع مسجد کی تنگ گلی سے گزر کر امام باڑہ مہاجرین تک جاتے ہیں۔ اہل تشیع کی یہ شروع سے پالیسی رہی ہے کہ یہ اپنے ماتمی وفسادی جلوس تنگ راہوں، گلیوں اور آبادیوں سے گزارتے ہیں تاکہ جہاں ان کا شور وشر دیکھنے کے لیے عوام دائیں بائیں سے جمع ہوں، اور لوگوں کی ڈگڈگی سے ان کی مداری میں جان پڑے وہاں دوسری طرف اہل سنت کی دل آزاری بھی ہو۔ چنانچہ بھون روڈ سے جب امام باڑہ، جو کہ برلب سڑک واقع ہے کو کراس کرتے ہیں تو آگے جامعہ اہل سنت تعلیم النساء کی پُرشکوہ عمارت ہے، یعنی امام باڑہ اور جامعہ اہل سنت تعلیم النساء میں حد فاصل سوائے دیوار کے کچھ نہیں، اور یہیں پہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنی دینی وتحریکی، عملی زندگی گزاری تھی، اس کے بعد آگے متصلاً مدنی جامع مسجد کی حدود شروع ہو جاتی ہے، یوں جوں جوں آگے چلتے جائیں تو گلی مزید تنگ ہوتی چلی جاتی ہے جو آگے جا کر مارکیٹ سے ہوتی ہوئی چھپڑ بازار کی طرف باہر کو نکل جاتی ہے۔
قیام پاکستان کے بعد جب مہاجرین ہندوستان سے چکوال پہنچے تو ہندوؤں کی پرانی آبادیوں میں سنی، شیعہ مہاجرین آکر آباد ہو گئے تھے۔ اہل سنت مسلمانوں نے ایک مکان میں مسجد کا آغاز کر دیا جو ''مسجد مہاجرین'' کے نام سے اولاً اور پھر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی آمد کے بعد مستقل طور پر مدنی جامع مسجد کے نام سے آباد ہو گئی۔ اسی طرح ایک شیعہ جن کا نام کاظم رضا جعفری تھا، نے ''خالصہ گرلز سکول'' والی بلڈنگ محکمہ اوقاف سے حاصل کر کے ''محمد علی ہائی اسکول'' کے نام سے کام شروع کر دیا اور پھر اس بلڈنگ میں ہی اپنی مذہبی رسومات اور شیعی خرافات کا سلسلہ بھی جاری کر دیا، اور ماہ محرم الحرام میں اس تنگ گلی سے اپنا ماتمی جلوس گزار کر سلسلۂ ہائے ہو کا بھی آغاز کر دیا۔ یہ ۱۹۵۷ء کا زمانہ تھا، قیام پاکستان کو بنے بمشکل دس برس ہی ہوئے تھے، اہل سنت کی بدبختی اور آزمائش کہ اس وقت چکوال کے اسسٹنٹ کمشنر جناب گردیزی صاحب مذہب شیعہ سے تعلق رکھتے تھے تو انہوں نے اس جلوس کا باضابطہ لائسنس منظور کر کے قانونی طور پر اہل تشیع کو مکمل تحفظ فراہم کر دیا، اور ہمیشہ کے لیے یہ بلا اہل سنت والجماعت کی گردن پڑ گئی۔ اس سے اگلے سال قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے جب مدنی

جامع مسجد میں با قاعدہ خطابت کا آغاز فرمایا تو لازمی بات ہے آپ نے تحفظ عقائد اہل سنت اور تردید شیعیت کر کے عوام کے ایمان بچانے پر محنت شروع کر دی، کیونکہ یہ آپ کا موروثی مشن تھا، اور حضرت مولانا ابوالفضل قاضی محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمۃ اللہ نے آپ کو اسی کا زومشق کی تحنیک دی تھی۔ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ قانونی اور امور مملکت سے وابستہ آئین کو ایک معزز و پُر امن شہری ہونے کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، چنانچہ آپ نے مدنی جامع مسجد کے اندر انہی دو تاریخوں میں جلسوں کا آغاز کر دیا، یعنی ۷، محرم الحرام اور ۱۷، صفر کو گلی سے اہل تشیع سینہ کوبی کرتے ہوئے گزر رہے ہوتے تھے تو اندر مسجد میں اہل سنت کا جلسہ ہو رہا ہوتا تھا اور یوں سال میں دو مرتبہ تصادم وفساد ہوتے ہوتے رہ جاتے تھے۔ ہلکی پھلکی جھڑپیں اور لڑائیاں تو فریقین کے جوشیلے عوام کی جانب سے ہوتی رہیں مگر قائد اہل سنت کی بے مثال حکمت عملی، تدبر و بصیرت اور متحمل طبیعت وشاندار قیادت کی وجہ سے کبھی کوئی بڑا فساد نہ ہو پایا تھا (اللہ تعالیٰ آئندہ بھی محفوظ رکھیں اور خدا کرے یہ بلائے ناگہانی قانون کے زیر سایہ ہی یہاں سے ٹل جائے، اللھم آمین) ۱۹۶۴ء تک مدنی جامع مسجد میں اس موقع پر جلسہ ہوتا رہا، ۱۹۶۴ء میں فریقین کے مابین ایک معاہدہ طے پایا تھا کہ اہل تشیع اس گلی سے بغیر ماتم کئے، بغیر نعرے لگائے تیز قدموں کے ساتھ خاموشی سے یہاں سے گزر جائیں گے جبکہ اہل سنت اپنا جلسہ نہیں کریں گے۔ اس معاہدہ پر با قاعدہ دستخط ہوئے۔ چنانچہ اس معاہدہ کے بعد جب ۷، محرم الحرام کا دن آیا تو اہل تشیع حسب معاہدہ خاموشی کے ساتھ گزر گئے، اور اہل سنت نے بھی جلسہ نہ کیا۔ لیکن چالیس دن کے بعد جب ۱۷، صفر آیا تو معاہدے کی دھجیاں اڑاتے ہوئے اہل تشیع اپنے جلوس میں ماتم کرتے ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا بازی کرتے ہوئے گزرے جس نے ایک فساد کی بنیاد رکھ دی۔ اب ہر سال نوک جھونک ہوتی ہے اور درمیان کے بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ خطرناک حد تک شیعہ سنی فساد ہوا، لوگ زخمی ہوئے، قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کو گرفتار کیا گیا، مسجد میں پولیس گردی کی گئی، طلبہ اور نمازیوں پر تشدد کیا گیا، بزرگوں کی بے حرمتی کی گئی، مسجد و مدرسہ اور تحریک خدام اہل سنت والجماعت کی املاک کو برباد کیا گیا، مگر نہ شیعوں کی نفرت کی آگ بجھتی ہے اور نہ ہی انتظامیہ ٹس سے مس ہوتی ہے۔ ایسے واقعات ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۸ء، اور پھر ۱۹۸۰ء کی دہائی میں پیش آئے جو صرف اور صرف قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کی بُردباری سے کوئی بڑا اور خونی سانحہ بننے سے محفوظ رہے۔ چنانچہ اس وقت ہمارے سامنے جو فائل موجود ہے اس میں قائد اہل سنت رحمۃ اللہ کے دست مبارک سے ایک تحریر موجود ہے، جو بطورِ قرارداد شہر بھر کے عوام و علماء سے پاس

کروائی گئی تھی، اسے پڑھ کر اس دور کے حالات کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے **"حادثۂ چکوال کی نوعیت"** کے زیرِ عنوان اس کا متن ملاحظہ کیجیے!

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یکم مارچ ۱۹۷۵ء بمطابق ۱۷ صفر ۱۳۹۵ھ بعد از نماز عصر شیعوں کا ماتمی جلوس جب مدنی جامع مسجد چکوال کی تنگ گلی سے گزرا تو ماتمیوں نے سابقہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی، اور مسجد کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر زوردار ماتم کیا اور اشتعال انگیز نعرے لگائے۔ جس پر مدنی مسجد کے اہل سنت نے احتجاج کیا لیکن بجائے اس کے کہ ماتمی جلوس وہاں سے جلدی جلدی پُرامن گزار لیا جاتا، ڈیوٹی مجسٹریٹ اور پولیس گارڈز کی موجودگی میں شیعوں نے پہلے سے بھی زیادہ اشتعال انگیزی کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے فریقین کی طرف سے پتھراؤ شروع ہو گیا اور شیعوں نے مدنی مسجد کے صحن اور چھت وغیرہ پر سخت پتھراؤ کیا اور مسجد کی بہت بے حرمتی کی، اس جھگڑے میں فریقین کے افراد زخمی ہوئے لیکن مقامی پولیس نے یک طرفہ کارروائی کر کے احقر قاضی مظہر حسین خطیب مدنی جامع مسجد چکوال سمیت تیس سنی مسلمانوں پر دفعہ ۱۴۸/ ۱۴۹/ ۳۰۷ کے تحت مقدمہ دائر کر دیا جبکہ فریق مخالف (شیعہ فرقہ) کے کسی فرد پر مقدمہ نہیں چلایا، جس سے شہر چکوال اور اس کے نواحی علاقوں کے سنی مسلمانوں میں زبردست اشتعال اور دل آزاری پائی گئی۔ اس لیے ہم مسلمانانِ اہل سنت چکوال مقامی پولیس کی اس کارگزاری کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہیں، اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ قاضی مظہر حسین اور دیگر سنی مسلمانوں کے خلاف دائر کردہ اس مقدمہ کو بالکل ختم کر کے مسلمانانِ اہل سنت کو مطمئن کیا جائے۔ چونکہ سبب نزاع مدنی مسجد کی تنگ گلی میں ماتمی جلوس کا روٹ ہے اور مسجد کی گلی میں کوئی گھر بھی شیعوں کا نہیں ہے اور چھپڑ بازار سے لے کر مدنی مسجد تک سوائے دو تین شیعہ گھروں کے باقی تمام گھر اہل سنت مسلمانوں کے ہیں اس لیے ہم سنی مسلمان حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ماتمی جلوس کے اس روٹ کو تبدیل کر کے اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے سنی شیعہ جھگڑے کا بالکلیہ انسداد کر دیا جائے"[1]۔

اس فساد میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ہمراہ آپ کے فرزند دلبند امیر مرکزی، تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان حضرت مولانا صاحبزادہ قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر پر بھی مقدمہ ہوا تھا، اور علاوہ ازیں جن مسلمانوں کو اس ناجائز مقدمہ میں گرفتار کیا گیا تھا اور پھر ہائی کورٹ کے حکم سے ان کی رہائی ممکن ہوئی، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

---

[1] حادثہ ۱۹۷۵ء کی نوعیت (غیر مطبوعہ) بدست قائد اہل سنت رحمہ اللہ، چکوال

(۱) صوفی حافظ غلام اکبر (۲) چوہدری نذر حسین، دیوالیاں (۳) سلیم اختر، موہڑہ کورچشم
(۴) چوہدری غلام محمد، ڈھلال (۵) صوفی محمد عنایت، دھید وال (۶) قاضی محمد ضیا الحق، گاہ
(۷) صوفی شیر علی، چتال (۸) حافظ اللہ یار، جھاٹلہ (۹) حافظ محمد اکرم، تھنیل فتوحی
(۱۰) مولوی نور محمد، تھنیل فتوحی (۱۱) محمد نواز، سرکال کسر (۱۲) نمبردار صبح صادق، موہڑہ الہو
(۱۳) سید عاشق حسین شاہ، رہنہ سادات (۱۴) حافظ محمد حنیف، بھیں (۱۵) مولوی محمد نذیر،
ڈھوک کمال (۱۶) ماسٹر محمد حسین، ڈھوک کمال (۱۷) غلام علی، بھیں (۱۸) کریم بخش، بھیں
(۱۹) صوفی شاہ نواز، گھکل (۲۰) ماسٹر محمد یوسف، بھیں (۲۱) مقبول حسین، سرکال مائر
(۲۲) راجہ غلام حسن، سانگ کلاں (۲۳) شیر علی، چتال (۲۴) صوفی فضل داد، سانگ کلاں
(۲۵) حاجی محمد صادق، سہگل آباد (۲۶) ساجد حسین، سہگل آباد (۲۷) جاوید اقبال (۲۸)
حافظ محمد اعجاز، بھیں (۲۹) قاضی محمد اشرف، موہڑہ الہو (۳۰) ماسٹر غلام حسین، سانگ کلاں۔

گرفتاری کے بیس دن بعد مؤرخہ ۲۱ مارچ ۱۹۷۵ء کو قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی رہائی عمل میں آئی اور باقی اہل سنت بھی چند ماہ کے اندر اندر باعزت بری کر دیئے گئے۔ اسی طرح ۱۰ جنوری ۱۹۷۶ء کو ماتمی جلوس گزارنے سے قبل رات کو صاحبزادہ مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر کو مع اپنے عظیم والد گرامی حضرت قائد اہل سنت گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل جہلم میں نظر بند کر دیا گیا، پھر ۱۵ فروری ۱۹۷۶ء کو قائد اہل سنت ڈپٹی کمشنر جہلم کی دعوت پر ریسٹ ہاؤس چکوال ایک میٹنگ میں آئے تو آپ کو گرفتار کر کے پولیس کی اسپیشل جیپ میں ڈسٹرکٹ جیل جہلم لے جا کر نظر بند کر دیا گیا، اس کے تین بعد جب ۱۸ فروری کا دن آیا تو ۱۷، صفر ۱۳۹۶ھ کے جلوس والے دن کافی تعداد میں سنی مسلمانوں کی گرفتاری عمل میں لائی گئی، پھر تسلسل کے ساتھ یہ واقعات پیش آتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۰ء میں جب قائد اہل سنت رحمہ اللہ اور آپ کے رفقاء کیپٹن ریٹائرڈ محمد خان کونسلر، اور حاجی احمد حسین کو سنٹرل جیل جہلم میں ایک ماہ کے لیے نظر بند کر دیا گیا تو ۱۷ صفر کو صبح ۸ بجے مدنی مسجد کی طرف آنے والے تمام رستوں کی ناکہ بندی کر کے مسجد میں موجود امام، موذن اور نمازیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ صبح آٹھ بجے سے شام پانچ بجے تک مسجد پولیس کے قبضہ میں رہی اور اس دن مدنی جامع مسجد میں جمعۃ المبارک کی نماز تک نہ ہونے دی گئی، شیعوں کا مذہبی جلوس نہ ہوا، آفت الٰہی ہوئی کہ جس نے سارا مذہبی اور سماجی نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ اس مذموم عمل کے بعد اگلے روز مسلمانانِ چکوال نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرتے

ہوئے شہر بھر میں ہڑتال کی اور تمام مارکیٹیں، دوکانیں، ہوٹلز اور تعلیمی ادارے اس روز مکمل طور پر بند رہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ اس ماتمی جلوس نے شہر بھر کا سکون غارت کر کے رکھ دیا ہے۔ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ نے مؤرخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۸۶ء کو ڈپٹی کمشنر ضلع چکوال کو ایک درخواست لکھی تھی، جو مندرجہ ذیل ہے:

''بخدمت جناب ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع چکوال

بعد از سلام مسنون! آنکہ گزشتہ سال مدنی جامع مسجد چکوال کی گلی سے گزرنے والے متنازعہ ماتمی جلوس کے سلسلہ میں بتاریخ ۲۹، اکتوبر ۱۹۸۵ء بمقام ہائی وے ریسٹ ہاؤس چکوال، اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ حسب سابق امسال بھی ۷ اصفر کا جلوس سابقہ روایات کے مطابق گلی چھپڑ بازار سے لے کر امام بارگاہ مہاجرین تک گزرے گا۔ آئندہ کے لیے ہر دو فریقین میں یہ طے پایا کہ امام بارگاہ مہاجرین کے لیے متبادل و متوازن کوئی دیگر جگہ امام بارگاہ کے لیے منتخب کی جائے، اس کے بعد آئندہ کے لیے جلوس کا رستہ اس طرح متعین کیا جائے گا کہ جلوس گلی مذکورہ مدنی مسجد سے نہ گزرے گا۔ اور یہ کام ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جس کے کل آٹھ ممبران ہوں گے جو چار چار ہر دو فریقین میں سے ہوں گے اور فریقین کو قابل قبول ہوں گے۔ اس کمیٹی کا انعقاد انتظامیہ کی زیر نگرانی کیا جائے گا، کمیٹی کے آٹھوں ممبران اپنے فیصلے تک پہنچنے کے لیے مدت کا خود تعین کریں گے۔

حسب معاہدہ ہم اہل سنت والجماعت کی طرف سے حسب ذیل چار نام پیش کر دیئے گئے تھے:

① چودھری فضل حسین صاحب ایڈووکیٹ ② کرنل محمد اقبال ③ قاضی محمد یعقوب ایڈووکیٹ

④ چودھری محمد امین بھٹی، چیئرمین بلدیہ چکوال

اور اہل تشیع نے بھی اپنے چار نمائندوں کے نام پیش کر دیئے تھے لیکن انتظامیہ کی کوشش کے باوجود اہل تشیع معاہدہ پر عمل کرنے میں پس و پیش سے کام لیتے رہے۔ جس کی وجہ سے تقریباً ایک سال گزرنے کے باوجود معاہدہ پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ اہل سنت والجماعت اس معاہدہ پر پوری طرح قائم رہے اور اپنی اجتماعی قراردادوں میں اس معاہدہ پر عمل کرنے کا پُرزور مطالبہ کرتے رہے لیکن ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ مدنی جامع مسجد کا ۱۲، ستمبر ۱۹۸۶ء کی رات (شب، محرم) کو پولیس فورسز نے گھیراؤ کر کے آنسو گیس کے لاتعداد شیل پھینک کر مسجد کے قرآنی طلبہ، اساتذہ اور مسجد میں ٹھہرے ہوئے ایک سو سے زائد مسلمانوں کو گرفتار کر لیا، آنسو گیس کی شیلنگ سے مسجد کی ایک دری اور ایک صف جل گئی، مسجد میں نہ فجر کی اذان ہوئی اور نہ باجماعت نماز، مسجد کی تلاشی لی گئی، مگر مسجد سے کسی قسم کا کوئی اسلحہ برآمد نہ ہوا۔

روزنامہ ''پکار'' اسلام آباد مؤرخہ ۲۲، ستمبر ۱۹۸۶ء میں ایس پی چکوال کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ مسجد سے کوئی اسلحہ برآمد نہیں ہوا۔ مسجد کی بے حرمتی اور قاضی محمد ظہور الحسین اظہر وغیرہ سنی زعماء وعوام کی گرفتاری کے خلاف شہر میں شدید ردعمل ہوا جس کی خبریں اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں اور اس سارے المیہ کی بنیاد صرف اور صرف یہی ہے کہ ۲۹، اکتوبر ۱۹۸۵ء کے طے شدہ معاہدہ پر عمل درآمد نہیں کروایا گیا۔ اور مسلمانانِ اہل السنۃ والجماعۃ کی اس بارہ میں سخت حق تلفی کی گئی ہے۔

اب شیعہ ماتمی جلوس مؤرخہ ۱۷، صفر ۱۴۰۷ھ کا وقت آ گیا ہے۔ سوادِ اعظم اہل سنت کے لیے یہ بڑی آزمائش ہے۔ متوقع حالات وخطرات سے تحفظ کے لیے اس متنازعہ قضیہ کا حل صرف یہ ہے کہ مذکورہ بالا معاہدہ کی سختی سے پابندی کرائی جائے۔ گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول بھون روڈ چکوال کے احاطہ کے ایک حصہ کو اہل تشیع جو امام باڑہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اس کے متبادل ان کے لیے فوری طور پر شہر میں کوئی اور جگہ تجویز کر دی جائے اور ۱۷ صفر کا ماتمی جلوس چھپڑ بازار سے بجائے مدنی جامع مسجد کی گلی کی طرف آنے کے مین روڈ کی طرف چلا جائے، اس طرح فریقین کے طے شدہ معاہدہ کی عملی تکمیل ہو جائے گی اور شہر کے امن کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا۔ امید ہے کہ آپ اس معاہدہ پر عمل کرانے کی پوری کوشش کریں گے۔ معاہدہ کی ایک کاپی لف تحریر ہذا ہے۔ والسلام

خادم اہل سنت قاضی مظہر حسین غفرلہٗ

خطیب مدنی جامع مسجد چکوال

وامیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان[1]

گورنمنٹ محمد علی ہائی اسکول خالی کروانے کا حکم اور عمل درآمد میں حکومتی ناکامی

سابقہ سطور میں یہ بات گزر چکی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب سنی، شیعہ مہاجرین نیا محلہ چکوال میں آ کر ہندو آبادیوں اور مکانوں میں مقیم ہوئے تو اس وقت موجودہ امام باڑہ والی عمارت کا نام ''خالصہ گرلز ہائی سکول'' تھا جسے کاظم رضا جعفری نامی شیعہ نے محکمہ اوقاف سے حاصل کر کے ''محمد علی ہائی اسکول'' کی بنیاد رکھی اور پھر رفتہ رفتہ اس سے امام باڑے کا کام بھی لیا جاتا رہا۔ جب عمارتیں اور متروکہ بلڈنگیں بحق سرکار تحویل میں لائی گئیں تو اس قانون کی رو سے امام باڑہ والی عمارت جو دراصل اسکول ہے، کی عمارت حکومت کو اپنی تحویل میں لے لینی چاہیے تھی، لیکن افسوس کہ مسلمانان شہر کے پُرزور احتجاج،

---

[1] مرقومہ ۲۹، ستمبر ۱۹۸۶ء بمطابق ۲۳ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ، چکوال

مطالبوں اور درخواستوں کے باوجود بھی اس مسئلہ پر توجہ نہ دی گئی، چنانچہ کمشنر راولپنڈی ڈویژن کے نام اہلیان چکوال کی ایک درخواست پیش خدمت ہے، جس پر سینکڑوں افراد کے دستخط ہیں، اس درخواست کا متن ملاحظہ کیجیے!

''ہم اہلیانِ شہر چکوال جن میں جامع مساجد کے خطباء، وکلاء صاحبان اور معززین شہر شامل ہیں، گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کو خالی کروانے کا پُرزور مطالبہ کرتے ہیں، چونکہ ۲، ستمبر ۱۹۷۵ء کو ڈی سی صاحب جہلم نے اس سکول کو خالی کرنے کا حکم نافذ فرمایا تھا اور اے سی صاحب چکوال نے بھی ۱۷، ستمبر ۱۹۷۵ء کو سید کاظم رضا جعفری کے نام ایک نوٹس جاری کیا تھا، لیکن ابھی تک ان کی تعمیل نہیں کروائی گئی۔ حالانکہ تمام سکول گورنمنٹ کی تحویل میں آ چکے ہیں۔ اس ضمن میں ایک مفصل درخواست (مولانا) قاضی مظہر حسین صاحب، خطیب مدنی جامع مسجد چکوال نے بھی یکم جنوری ۱۹۷۶ء کو جناب کے نام اور ڈی سی صاحب جہلم کے نام ارسال کی تھی لیکن ابھی تک اس سکول کو خالی نہیں کرایا گیا، اب جبکہ ۱۸ فروری کو پھر چہلم کے موقع پر شیعہ ماتمی جلوس مدنی جامع مسجد کی تنگ گلی سے گزرنے والا ہے اور حالات تشویشناک حد تک خراب ہو چکے ہیں اور شہر کے امن عامہ کے برباد ہونے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔ ہر سال ہزاروں روپیہ حکومت کا خرچ ہو رہا ہے، اس لیے ۱۸، فروری سے پہلے پہلے فوری طور پر گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول کو خالی کرا دیا جائے، تاکہ شہر فرقہ وارانہ سنی، شیعہ تصادم سے محفوظ رہ سکے۔''[1]

گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کا ایشو (ملکیت سکول خسرہ جات قبضہ) سنی / شیعہ / محکمہ تعلیم / شہریان ضلع چکوال کے درمیان تنازعہ کی حقیقت

① 1947ء قیام پاکستان سے پہلے گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کی جگہ ''سکھ خالصہ گرلز سکول'' قائم تھا۔

② محکمہ مال چکوال پٹواری کے کاغذات جمع بندی سال ۱۹۴۰ء، ۱۹۳۹ء کے مطابق خسرہ نمبر ۳۴۴۰ـ۳۴۴۱ـ۳۴۴۲ـ۳۴۳ـ۳۴۴۳ مالک چیف خالصہ تھا اور خسرہ نمبر ۳۴۳۷ـ۳۴۳۸ـ۳۴۳۹ کی مالکہ رام رکھی تھی (ان دونوں کے خسرات نمبروں میں) قیام پاکستان سے پہلے سکھ

[1] درخواست از جانب اہالیانِ چکوال، بنام ڈپٹی کمشنر راولپنڈی ڈویژن / فروری ۱۹۷۶ء

خالصہ گرلز سکول قائم تھا۔ جس کو چیف خالصہ امرتسر چلا رہا تھا۔ اس سکول کی اراضی کا کل رقبہ ۲ کنال ۱۵ مرلہ ہے۔

۳۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں یہ عمارت جائیداد ایکو پراپرٹی ٹرسٹ بورڈ پاکستان (وقف متروکہ املاک بورڈ) کے پاس چلی گئی۔

۴۔ ۱۹۵۳ء میں اہل محلہ کی مشاورت سے کاظم رضا جعفری نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام کی نسبت سے سکھ خالصہ گرلز سکول کی بجائے سکول کا نام محمد علی ہائی سکول چکوال رکھا۔

۵۔ محکمہ ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن چکوال۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۳ء تا ۱۹۷۵ء میں پراپرٹی کے یہ دو نمبر B-2-9-S-1 اور B-V-S-2/36، سکھ خالصہ مڈل سکول کے ہیں۔

۶۔ ۱۹۷۲ء میں وفاقی حکومت کی پالیسی کے مطابق جب حکومت نے پرائیویٹ اور دیگر سکولوں کو بمعہ ان کی پراپرٹی وسٹاف وغیرہ حکم نمبر MLR-118 کے تحت قومی تحویل میں لیا تو گورنمنٹ آف دی پنجاب ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ نے نوٹیفکیشن نمبر S.O(NS)1-1/72 مؤرخہ ۱۹۷۲ء۔۰۹۔۳۰ کے تحت پنجاب کے دیگر پرائیویٹ اداروں کی طرح ضلع جہلم کے سرسید ہائی سکول مونا تحصیل چکوال ضلع جہلم (موجودہ ضلع چکوال)۔ یونین کونسل ہائی سکول چوآسیدن شاہ تحصیل چکوال۔ اسلامیہ ہائی سکول چکوال، محمد علی ہائی سکول چکوال، سہگل ماڈل ہائی سکول سہگل آباد، تحصیل چکوال و دیگر وغیرہ کو اپنی تحویل اور نگرانی میں لے کر اس کا نظم ونسق سنبھال لیا۔ اس طرح محمد علی ہائی سکول کا نام گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول ہوگیا اور محکمہ تعلیم پنجاب نے اس سکول اور بلڈنگ کا نظام بھی سنبھال لیا۔

۷۔ خسرہ نمبر ۳۴۴۰ تا ۳۴۴۳ ان چاروں نمبروں میں سکول کی عمارت قائم تھی اور خسرہ نمبر ۳۴۳۷، ۳۴۳۸، ۳۴۳۹ میں سکول کا صحن تھا۔

۸۔ سکول کے صحن کے ایک کونے میں خسرہ نمبر ۳۴۳۹ میں اہل محلہ اور طلبہ نے نماز پڑھنے کے لیے ایک چھوٹی مسجد بنائی۔ جس میں اہم محلہ اور طلبہ نماز پڑھتے تھے۔

۹۔ رجسٹر حقداران زمین (محکمہ ریونیو چکوال) ۱۹۳۹ء، ۱۹۴۰ء کے مطابق ان خسرات کی تفصیل اس طرح ہے:

نمبر شمار	خسرہ نمبر	رقبہ	مالک	نام کاشتکار
۱	۳۴۳۷	۰۸ مرلہ	رام رکھی	غیر ممکن جائے سفیدہ
۲	۳۴۳۸	۰۹ مرلہ	رام رکھی	غیر ممکن جائے سفیدہ
۳	۳۴۳۹	۱۰ مرلہ	رام رکھی	غیر ممکن جائے سفیدہ
۴	۳۴۴۰	۱۰ مرلہ	چیف خالصہ امرتسر	غیر ممکن گرلز خالصہ سکول
۵	۳۴۴۱	۸ مرلہ	چیف خالصہ امرتسر	غیر ممکن گرلز خالصہ سکول
٦	۳۴۴۲	۹ مرلہ	چیف خالصہ امرتسر	غیر ممکن گرلز خالصہ سکول
۷	۳۴۴۲	۱۰ مرلہ	گورونانک پاٹ شالہ	غیر ممکن گرلز خالصہ سکول

۱۰۔ سال ۱۹۴۵ء، ۱۹۴٦ء رجسٹرار حقداران زمین (محکمہ مال) میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے۔

۱۱۔ سال ۱۹۴۷ء تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان بنا تو یہ جائیداد اویکیوٹرسٹ پراپرٹی بورڈ پاکستان کی ملکیت میں چلی گئی۔

۱۲۔ سال ۱۹۷۲ء میں وفاقی حکومت کی پالیسی کے تحت جب سکولوں کو قومی تحویل میں لیا گیا۔ تو ان خسرہ جات کی یہ جائیداد اور محمد علی ہائی سکول کی بلڈنگ صوبہ پنجاب کے محکمہ تعلیم کو دی گئی۔ جو وفاقی حکومت کے حکم MLR-118 کے مطابق ہوا۔ اور یہ سکول اس کی بلڈنگ جائیداد نوٹیفکیشن آرڈر نمبر SO (NS) -1-1-/72 مؤرخہ 30-09-1972 اپنی تحویل میں لے لیا۔

۱۳۔ سال ۱۹۷۴ء میں شیعہ مہاجرین بھون روڈ چکوال نے انجمن تنظیم المومنین بنا کر سکول کے صحن کے ایک کونے میں موجود مسجد پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور مسجد پر کالا جھنڈا لگا دیا اور اس سکول کے صحن کو مجلس کے لیے استعمال کیا اور سات محرم اور ۱۷ صفر کے لیے زنانہ مجلس کے نام پر ان دنوں میں سکول کے ہال کو عارضی طور پر ہیڈ ماسٹر سے حاصل کیا۔

۱۴۔ سکول کے احاطہ کے کونے میں قائم مسجد پر شیعہ مہاجرین سادات (انجمن تنظیم المومنین) کے ناجائز قبضہ اور سیاہ جھنڈا لگانے اور نعرے لکھنے کے متعلق عام شہریوں اور مدنی جامع مسجد چکوال سے جناب ڈپٹی کمشنر صاحب جہلم کو درخواستیں روانہ کی گئیں۔

۱۵۔ جناب ڈپٹی کمشنر جہلم نے مؤرخہ ۱۹۷۵۔۰۹۔۰۲ نمبر ۸۸۔ ٦۸۸۷ کے تحت حکم نامہ جناب ایس پی صاحب جہلم کو جاری کیا۔ جس کی کاپی اے سی صاحب چکوال اور دسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر

جہلم کو روانہ کی۔ جس میں لکھا کہ گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال اس وقت ایک متروکہ جائیداد ٹرسٹ پراپرٹی بلڈنگ نمبر B-II-9-S-1 اور BV-2-S/36 میں ہے۔ جو دراصل چیف خالصہ دیوان امرتسر کی ملکیت تھی۔ جس کا رقبہ ۲ کنال ۱۵ مرلے ہے۔ ۱۹۷۲ء میں حکومت پاکستان نے حکم نمبر MLR-118 (مارشل لاء) مذکورہ سکول نیشنلائز (Nationalize قومیالیا) اب مذکورہ سکول Nationalize ہو چکا ہے۔ یہ جائیداد، متروکہ ٹرسٹ بورڈ کی ہے۔ سکول قومیالیا گیا ہے (اب یہ صوبائی حکومت کی ملکیت میں محکمہ تعلیم پنجاب کی ہے)۔ بلڈنگ اب سکول مقصد کے لیے ہے نہ کہ مجلس یا امام باڑہ کے لیے ہے۔ کمشنر صاحب راولپنڈی ڈویژن سے مشورہ کیا گیا ہے تو انہوں نے کہا ہے کہ فرقہ وارانہ جھگڑے کا خطرہ ہے اور صاف طور پر حکم دیا ہے کہ شیعوں کو حکم دیں کہ بلڈنگ امام باڑہ کے طور پر استعمال نہیں ہو سکتی۔ وہ امام باڑہ اور مجلس کا کہیں اور انتظام کریں اور سکول کے صحن احاطہ میں جو شیعہ نے قبضہ کی کوشش شروع کی ہوئی ہے وہ ختم کروا کر محکمہ تعلیم کو سکول کا قبضہ جلد از جلد دلوائیں۔

۱۶۔ اسی طرح اسسٹنٹ کمشنر صاحب چکوال نے نوٹس بنام سید کاظم رضا جعفری چکوال مؤرخہ ۱۹۷۵ء۔ ۰۹۔ ۱۷ حکم نامہ نمبر ۶۰۳ جاری کیا۔ جس میں لکھا کہ گورنمنٹ پالیسی کے مطابق گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کا احاطہ قومی تحویل میں لیا جا چکا ہے۔ (جس طرح ہائی کورٹ کے حالیہ فیصلہ میں طے پایا گیا ہے کہ تعلیمی ادارے کی جگہ کو کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ حوالہ نمبر آرڈر چیف جسٹس محمد اقبال لاہور ہائی کورٹ مؤرخہ ۱۹۷۵ء۔ ۰۴۔ ۲۴، رٹ درخواست دائر کردہ ۱۹۷۲ء بصیر پور تحصیل دیپال پور ضلع ساہیوال [1])۔ اب اہل تشیع کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول کی عمارت کو بطور امام باڑہ استعمال نہیں کر سکتے۔ (۱) جناب کمشنر صاحب راولپنڈی نے حکم دیا ہے کہ تمام عمارت کا قبضہ محکمہ تعلیم کے سپرد کریں۔ انجمن تنظیم المومنین چکوال نے اے سی صاحب چکوال سے وعدہ کیا کہ ۷ محرم اور ۱۷ صفر کے مذہبی مجالس کے بعد عمارت خالی کر دیں گے۔

۱۷۔ مگر انجمن سادات شیعہ چکوال نے وعدہ پورا نہ کیا اور جناب ڈپٹی کمشنر صاحب، ایس پی صاحب

---

[1] اب متذکرہ علاقے یعنی بصیر پور اور دیپالپور وغیرہ اوکاڑہ کی ضلعی حدود میں آ گئے ہیں۔ سلفی

اور جناب اسسٹنٹ کمشنر صاحب چکوال کے اس نوٹس (سکول کا احاطہ، صحن کو شیعہ فوراً خالی کر دیں۔ یہاں پر مجلس نہیں ہوسکتی اور مجلس کے لیے عارضی طور پر حاصل کیے گئے کمرے فوراً خالی کریں) کے خلاف انجمن تنظیم المومنین چکوال نے بذریعہ سید صادق حسین بعدالت جناب سنیئر سول جج چوہدری نفیس احمد باجوہ جہلم میں دعویٰ دائر کر دیا۔ لیکن بعدالت جناب سنیئر سول جج صاحب نے مؤرخہ ۱۹۷۶ء۔ ۰۲۔ ۲۳۔ انجمن تنظیم المومنین چکوال کا دعوی خارج کر دیا اور فیصلہ ڈپٹی کمشنر صاحب جہلم حکومت پنجاب کے حق میں جاری کر دیا۔

۱۸۔ اسی دوران انکشاف ہوا کہ انجمن تنظیم المومنین نے ڈپٹی سیٹلمنٹ جہلم (جو شیعہ تھا) سے خسرہ نمبر ۷ ۴۳ ۳ مؤرخہ ۱۹۷۶ء۔ ۰۵۔ ۲۷ کو الاٹ کرالیا ہے۔

۱۹۔ جس کے متعلق جناب ڈپٹی کمشنر صاحب جہلم نے لیٹر نمبر G/HC۵۴۶۵ مؤرخہ ۱۹۷۵۔ ۰۷۔ ۰۴۔ ڈپٹی ایڈمنسٹریٹو اویکیو (وقف املاک متر کہ بورڈ جہلم) سے اس سلسلہ میں وضاحت طلب کی، تو مؤرخہ ۱۹۷۵ء۔ ۰۷۔ ۱۱۔ کو ڈپٹی ایڈمنسٹریٹو متروکہ املاک وقف جہلم نے تحریری طور پر جواب دیا کہ B-II-9-S-I، B-V-2-S-36 رقبہ ۲ کنال ۱۵ مرلے چیف خالصہ دیوان کی ملکیت ہیں۔ اس پر گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال قائم ہے اور ۱۹۷۲ء میں گورنمنٹ کی پالیسی کے مطابق یہ سکول سرکاری تحویل میں جا چکا ہے۔ اس سکول کی بلڈنگ پر انجمن تنظیم المومنین کا کوئی حق نہیں ہے۔

۲۰۔ ڈپٹی سیٹلمنٹ نے جو انجمن تنظیم المومنین کو خسرہ نمبر الاٹ کیا۔ اس کے خلاف محکمہ تعلیم اور نائب صوبیدار احمد خان اور اسسٹنٹ ایڈمنسٹریٹر متروکہ وقف بورڈ جہلم نے اپیل نمبر PB/SCJ/306/77، PS/SCJ/344/77۔ جناب چیئرمین متروکہ وقف بورڈ لاہور کو کی۔ جس کا فیصلہ مؤرخہ ۱۹۸۰۔ ۰۱۔ ۲۹ کو چیئرمین صاحب نے کیا کہ اور اپنے حکم میں ڈپٹی سٹیلمنٹ جہلم کا انجمن تنظیم المومنین کو پلاٹ الاٹ کرنے کا حکم منسوخ کر دیا اور لکھا کہ یہ الاٹ منٹ سیکشن نمبر ۱۰، ایکٹ نمبر ۱۳، ۱۹۷۵ء کے خلاف ہے۔ اس طرح یہ فیصلہ مدعی مقدمہ اور محکمہ تعلیم کے حق میں جاری ہوا (نوٹ۔ خسرہ نمبر ۷ ۴۳ ۳، ۸ ۴۳ ۳، ۹ ۴۳ ۳، سیٹلمنٹ کے نہیں بلکہ وقف املاک بورڈ کے ہیں اور یہ ڈپٹی سیٹلمنٹ کے اختیار میں بھی نہیں تھے)۔

۲۱۔ انجمن تنظیم المومنین شیعہ چکوال نے چیئرمین متروکہ وقف بورڈ لاہور کے فیصلہ کے خلاف وزارت

اوقاف پاکستان اسلام آباد کی عدالت میں اپیل مؤرخہ ۱۹۸۰۔ ۰۲۔ ۲۳ کو دائر کی۔جس میں ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کو بھی فریق بنایا۔جس کا فیصلہ ۲۵ جولائی ۱۹۸۳ء کو ہوا وزارت مذہبی امور و اوقاف پاکستان اسلام آباد نے چیئرمین وقف متروکہ املاک بورڈ لاہور کے ۱۹۸۰۔۰۱۔۲۹ کے فیصلہ کو بحال رکھا اور انجمن کا مؤقف مسترد کر دیا اور یہاں سے بھی فیصلہ محکمہ تعلیم (ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کے حق میں جاری ہوا)۔

۲۲۔ ۱۹۸۶ء میں انجمن شیعہ مہاجرین سادات چکوال نے گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کو آگ لگا دی تاکہ سکول کی حیثیت کو ختم کیا جائے اور اس کی ایف آئی آر، تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان چکوال کے خلاف درج کروائی۔لیکن پولیس انکوائری میں ثابت ہوا کہ یہ آگ خود لگائی ہے (یہ اہل سنت کو پھنسانے اور دیگر شیعہ تنظیموں کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور سکول عمارت پر قبضہ کرنے کے لیے ایسا کیا گیا تھا)۔

۲۳۔ ۱۹۸۶ء میں انجمن تنظیم المومنین شیعہ چکوال نے سید عزادار حسین نقوی کے ذریعہ رٹ پٹیشن نمبر ۱۹۸۶/ ۵۳۹۳ بر خلاف وفاقی حکومت / صوبائی حکومت، چیف سیکرٹری پنجاب، چیئرمین وقف املاک بورڈ لاہور۔ڈی سی صاحب چکوال، اے ڈی سی جی صاحب، ایس ایچ او صاحب چکوال، نائب صوبیدار احمد خان، ہیڈ ماسٹر محمد علی ہائی سکول چکوال، سیکرٹری ایجوکیشن لاہور، ہائی کورٹ لاہور میں دائر کی۔جس میں مؤقف اختیار کیا گیا کہ سکول کو کسی دوسری جگہ تبدیل کر کے یہ عمارت امام بارگاہ کو دی جائے۔اس میں جن جن محکمہ جات کو فریق بنایا گیا۔انہوں نے اپنا اپنا مؤقف پیش کیا۔

۲۴۔ اسی طرح جناب جسٹس لاہور ہائی کورٹ لاہور نے ڈپٹی کمشنر صاحب چکوال سے بھی اپنے حکم نامہ نمبر ۳۵۵۲۷، مؤرخہ ۱۹۸۶ء۔ ۱۲۔ ۰۸ کے ذریعہ جواب طلب کیا۔جس کا جواب مؤرخہ ۱۹۸۷ء۔۰۱۔ ۰۴۔نمبر 1219/PA/HC جناب ڈپٹی کمشنر چوہدری ریاض احمد چکوال نے کچھ اس طرح دیا کہ خسرہ نمبر ۳۴۳۶، ۳۴۳۷، ۳۴۴۰ اور ۳۴۴۳ تا ۳۴۴۵ اویکیوٹرسٹ (وقف املاک بورڈ) کی جائیداد ہے۔تقسیم ہند سے قبل خالصہ گرلز سکول خسرہ نمبر ۳۴۴۰ تا ۳۴۴۳ میں موجود تھا۔گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کی عمارت خسرہ نمبر ۳۴۴۰ تا ۳۴۴۳ تھی۔ ۳۴۳۵، ۳۴۳۶ میں گرلز ہائی سکول چکوال ہے۔چیئرمین وقف املاک بورڈ لاہور کے ۱۹۸۰ء۔۰۱۔۲۹۔ کے فیصلہ حکم کے مطابق قومی تحویل میں لینے کے بعد گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال اس جائیداد کو

استعمال کرے گی۔ جو حکومت پاکستان کے حکم کے تحت صوبائی حکومت، محکمہ تعلیم پنجاب کو چلی گئی ہے۔ مزید یہ لکھا گیا کہ انجمن تنظیم المومنین صرف محرم اور صفر کی مجالس کے وقت خسرہ نمبر ۳۴۳۸ اور ۳۴۳۹ کو استعمال کرتی ہے۔

۲۵۔ شیعہ کی طرف سے دائر کردہ اس رٹ پٹیشن لاہور ہائی کورٹ لاہور کا عدالتی فیصلہ حکم مؤرخہ ۱۹۸۹ء۔۰۱۔۱۸ جاری ہوا اس حکم نامہ کے اقتسابات ذیل ہیں کہ:

''گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کی عمارت خسرہ نمبر ۳۴۴۷ تا ۳۴۴۵ تک موجود ہے۔ خسرہ نمبر ۳۴۴۰ تا ۳۴۴۳ اور خسرہ نمبر ۳۴۴۷ چیئرمین متروکہ املاک وقف بورڈ نے اپنی جائیداد تسلیم کی ہے۔ سال ۱۹۷۲ء میں وفاقی حکومت کی پالیسی MLR-118 کے تحت محمد علی ہائی سکول قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ وفاقی حکومت کی ہدایت کے مطابق وقف املاک بورڈ کی جائیداد متعلقہ صوبہ کے تعلیمی اداروں (سکولوں) کو منتقل کر دی گئی اور اسی طرح یہ جگہ بھی جہاں موجود تھا۔ وفاقی حکومت کے حکم سے محکمہ تعلیم کو دے دی گئی ہے۔ مدعی (درخواست گزار انجمن شیعہ) کا دعوی ہے کہ جائیداد امام بارہ مہاجرین سادات کو دی جائے جبکہ مدعا علیہم (چیئرمین وقف بورڈ املاک، چیف سیکرٹری پنجاب، سیکرٹری ایجوکیشن پنجاب، ڈپٹی ایڈمنسٹریٹر وقف املاک جہلم، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال، ڈی سی چکوال، مرکزی وزارت اوقاف پاکستان اسلام آباد، نائب صوبیدار احمد خان) نمبر ۱ تا ۸ تک نے کہا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا یہ جائیداد سکول کی ہے اور ۱ تا ۸ نے یہ جائیداد امام بارگاہ مہاجرین سادات چکوال (انجمن تنظیم المومنین) کو دینے کی مخالفت کی ہے۔ رٹ میں حقائق کے منافی متنازعہ سوال اٹھائے گئے ہیں۔ اور یہ آئینی دائرہ کار کے مطابق ایسے سوال عدالت میں پیش نہیں ہو سکتے۔ جس کی سماعت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ رٹ خارج کی جاتی ہے۔

۲۶۔ اسی دوران ڈی سی جہلم اور ای ڈی او ایجوکیشن جہلم کے حکم پر محکمہ مال کو ہدایت کی گئی کہ محکمہ مال سکول کی حد بندی اور تعمیر اور خسرہ جات کی وضاحت پیش کریں۔ اس کے مطابق مؤرخہ ۱۹۸۰ء۔ ۰۲۔ ۱۹ کو محکمہ مال نے نقشہ عکس جاری کیا۔ جس کے مطابق بھون روڈ جانب مغرب سکول کی عمارت شمال کی جانب گلی، کنواں اور گیٹ راستہ سکول۔ جنوب گورنمنٹ گرلز ہائی سکول اور مشرق کی جانب کونے میں مسجد اور سکول کے صحن کی جانب دو چھوٹے کمرے جو سکول کے سٹور تھے۔ نظر آتے ہیں (یہ نقشہ سرکاری ریکارڈ میں موجود ہے)۔

۲۷۔ نقشہ عکس محکمہ مال مؤرخہ ۱۹۸۰ء۔ ۰۲۔ ۱۹ سڑک کی جانب عمارت سکول نمبر خسرہ جات ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۳۴۴۲، ۳۴۴۳ میں ہے۔ جبکہ عمارت کے سامنے کے خسرات ۳۴۳۷، ۳۴۳۸، ۳۴۳۹ صحن سکول ظاہر ہوتا ہے۔ نقشہ پر رپورٹ تحریر کی گئی ہے۔ جس کے مطابق خسرہ نمبر ۳۴۳۷ تا ۳۴۴۳ سکول کی چار دیواری ہے۔ اس طرح سکول کی حد بندی موجود تھی۔ ان خسرہ نمبر ۳۴۳۸، ۳۴۳۹ کا انتقال بھاگ خالصہ درج تو ہوا، لیکن اسی دوران ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند ہوگئی۔ یہ انتقال نمبر منظور نہیں ہوا لیکن محکمہ مال کے کاغذات میں اور بمطابق رپورٹ محکمہ مال و تحصیلداران خسرات پر سکول کا قبضہ تھا۔

۲۸۔ رپورٹ قلمی تحصیل دار صاحب چکوال مؤرخہ ۱۹۸۰ء۔ ۰۵۔ ۲۸ کو مرتب ہو کر اے سی صاحب چکوال کو پیش ہوئی، جس کی حد بندی کے مطابق خسرات نمبر ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۳۴۴۲، ۳۴۴۳ یہ سب سکول کی عمارت اور صحن ہیں۔ باقی اراضی سکول کے صحن کے طور پر جس میں ایک کنواں موجود ہے۔ مسجد جو احاطہ سکول میں ہے۔ وہ نمبر خسرہ ۳۴۳۹ میں بنی ہوئی ہے۔ نمبر ۳۴۳۷ کو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چکوال کے قبضے میں ظاہر کیا گیا ہے۔

۲۹۔ رجسٹر حقداران زمین کاغذات پٹوار محکمہ مال سال ۸۴۔ ۱۹۸۳ء کے مطابق خسرہ نمبر ۳۴۳۷ تا ۳۴۴۳ (مشتملہ ۷ خسرات) نام مالک سنٹرل گورنمنٹ اور مقبوضہ مالک بہادر کمشنر صاحب بحالیات تحریر ہیں۔

۳۰۔ اسی طرح رجسٹر حقداران زمین سال ۱۹۸۰ء۔ ۱۹۷۹ء کے مطابق خسرہ نمبر ۳۴۳۷ تا ۳۴۴۳ مالک سنٹرل گورنمنٹ مقبوضہ کمشنر بحالیات درج ہے۔

۳۱۔ اس دوران سکول کی عمارت سے متعلق اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان محاذ آرائی شدید ہوگئی۔ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال اور محکمہ تعلیم نے ڈی سی صاحب، اے سی صاحب کو بار بار لکھا کہ انجمن مہاجرین سادات شیعہ چکوال حیلے بہانوں سے سکول کے صحن اور عمارت پر قبضہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح مدنی جامع مسجد مولانا قاضی مظہر حسین کی جانب سے حکومت کو بار بار درخواستیں اور قراردادیں روانہ کی گئیں کہ سکول کے صحن اور گورنمنٹ کی سرکاری اراضی سکول کی بلڈنگ سے شیعہ کا قبضہ، ان کے لاؤڈ سپیکر، ان کی تحریریں اور کالا جھنڈا ہٹایا جائے۔ مگر انتظامیہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس طرح اکتوبر ۱۹۸۶ء میں جمعہ کے موقعہ پر مدنی جامع مسجد کے خطیب

مولانا قاضی مظہر حسین نے اعلان کیا کہ محکمہ تعلیم اور ہم نے ۲۵ سال تک محمد علی سکول کی اراضی کے لیے مختلف عدالتوں میں دفاع کیا اور شیعہ کی ہر درخواست اور ہر دعوی خارج ہوا۔ یہ گورنمنٹ کے سکول کی سرکاری عمارت ہے۔ اگر اس پر سے شیعہ کا کالا جھنڈا نہ اتارا گیا تو اہل سنت کا بھی اس بلڈنگ پر حق ہے۔ ہم اس پر اپنا سنی پرچم لہرائیں گے۔ مولانا قاضی مظہر حسین نے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اپنے مریدین کے ذریعے مؤرخہ ۱۹۸۶ء۔۱۱۔۲۷ کو گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول کی عمارت سے شیعہ کا کالا جھنڈا اتار کر سنی جھنڈا جس پر یا اللہ مدد اور حق چار یارؓ لکھا تھا لگا دیا۔ جس سے سنی اور شیعہ کے درمیان فساد ہوا اور فائرنگ سے لوگ زخمی ہوئے انتظامیہ نے ہنگامہ آرائی پر قابو پایا اور دونوں جھنڈے اتروا دیئے۔ مگر کچھ عرصہ بعد شیعہ نے گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول کی عمارت پر دوبارہ اپنا سیاہ جھنڈا لگا دیا۔ انتظامیہ کی توجہ بار بار مبذول کروانے کے باوجود انتظامیہ شیعہ کا یہ جھنڈا اتروانے میں کامیاب نہ ہوئی۔

۳۲۔ گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول کی سرکاری عمارت پر شیعہ کا قبضہ کی محاذ آرائی نے اتنی شدت اختیار کی کہ ۷ محرم اور ۱۷ صفر شیعہ کے ماتمی جلوس کے لیے افواج پاکستان کو چکوال آنا پڑا۔ جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

۳۳۔ مؤرخہ ۱۹۹۰ء۔ ۰۸۔ ۲۲ لیٹر نمبر 80/S/HC جناب ڈپٹی کمشنر چکوال نے کمشنر صاحب راولپنڈی اور ہوم ڈیپارٹمنٹ پنجاب لاہور کو لکھا کہ شیعہ کے ماتمی جلوس کا روٹ مدنی جامع مسجد کے دروازے سے تبدیل کیا جائے۔ جس کے لیے کئی مرتبہ فساد و ہنگامہ آرائی ہو چکی ہے اور جس کی بڑی وجہ گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول پر شیعہ کا ناجائز قبضہ ہے۔ جس کی وجہ سے محرم اور صفر میں کشیدگی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں جب مدنی جامع مسجد اور اہل سنت چکوال اور جہلم کی جانب سے شدید احتجاج سامنے آیا تو شیعہ سنی کے درمیان معاہدہ طے پایا جس کی نگرانی ڈپٹی کمشنر صاحب چکوال نے کی کہ اس مرتبہ جلوس گزارا جائے اگلے سال سے جلوس یہاں سے نہیں گزرے گا۔ مگر شیعہ انجمن سادات مہاجرین چکوال نے اس معاہدہ پر عمل نہ کیا اور اب تک اس معاہدے کی خلاف ورزی جاری ہے۔ جس کے لیے بھاری پولیس اور فوج آتی ہے۔ اگر شیعہ ماتمی جلوس یہاں سے تبدیل نہ ہوا اور گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول سے شیعہ کا ناجائز قبضہ اور سکول کی

عمارت کو امام باڑہ کی شکل میں تبدیل کرنے کا سلسلہ نہ رکا تو چکوال میں فساد اور قیمتی جانوں کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔

۳۴۔ مؤرخہ ۱۹۹۳ء۔ ۰۵۔ ۲۵ جناب ہیڈ ماسٹر ممتاز حسین گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کی درخواست نمبر ۶۹۷ جو انہوں نے اسسٹنٹ کمشنر صاحب کو روانہ کی۔ جس کو ڈائری نمبر 2964/AC مؤرخہ ۱۹۹۳۔ ۰۵۔ ۲۵ درج ہوا نے لکھا کہ مؤرخہ ۱۹۹۳۔ ۰۵۔ ۲۴ کو منتظمین مسجد وامام بارگاہ مہاجرین سادات نے مستری لگا کر اچانک تعمیر شروع کر دی ہے۔ قبل ازیں ان خسرہ جات کا فیصلہ ہائی کورٹ لاہور نے سکول کے حق میں کر دیا ہے اور ہائی کورٹ نے چیئرمین اویکیوٹرسٹ پراپرٹی کو مذکورہ خسرہ جات سکول کو منتقل کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اس لیے اس ناجائز تعمیر وقبضہ کو روکا جائے تاکہ سکول کی پراپرٹی کسی ناجائز قبضہ سے محفوظ رہے۔ لیکن اس درخواست پر بھی انتظامیہ کی طرف سے کوئی ایکشن نہیں ہوا تھا۔

۳۵۔ انجمن تنظیم المومنین (انجمن مہاجرین سادات شیعہ چکوال) محرم اور چہلم کے موقع پر محکمہ تعلیم یا انتظامیہ کے ذریعے زنانہ مجالس کے نام پر کہ باپردہ جگہ نہیں ہے عارضی طور پر سکول کا ہال اور کمرے حاصل کرتے ہیں اور پھر واپس کر دیتے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ سکول کے ایک کمرے میں اپنا سامان رکھ کر تالا لگا دیا اور کمرہ واپس نہ کیا۔

۳۶۔ مارچ ۲۰۰۶ء تحصیل ناظم سردار آفتاب اکبر اور ضلع ناظم سردار غلام عباس (دونوں شیعہ ہیں) کے زبانی حکم پر ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال میں بوجہ مجالس چہلم جماعت نہم کا کمرہ زنانہ مجالس کے لیے شیعہ کو دیا گیا۔ مگر چہلم کے بعد یہ کمرہ واپس نہیں کیا گیا اور اس پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ اس کے متعلق ہفت روزہ ''چکوال پوائنٹ'' نے مؤرخہ ۲۰۰۶ء۔ ۰۴۔ ۱۷ کو یہ سرخی لگائی کہ ''ضلع ناظم سردار غلام عباس کے ہوتے ہوئے یہ انجمن سادات نے گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول کے کمرہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہیڈ ماسٹر عقیل حسنین کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود ای ڈی او ایجوکیشن اور ڈی سی او نے کوئی کارروائی نہیں کی ہے۔ اور کلاس پڑھائی کے لیے باہر صحن میں بیٹھ رہی ہے۔ عبدالغفار ناظم یونین کونسل نمبر ۵ جو سکول کونسل کمیٹی کا چیئرمین بھی ہے، (مگر وہ بھی متعصب شیعہ جنرل کونسلر سید جمیل حیدر کی وجہ سے خاموش ہے۔ جو انجمن سادات کا عہدے دار ہے) لیکن اس کمرہ پر سے بھی شیعہ نے قبضہ ختم نہ کیا۔

۳۷۔ محکمہ تعلیم پنجاب نے انکوائری کروائی تو ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر سکینڈری چکوال نے رپورٹ کی کہ ہیڈ ماسٹر کی درخواست درست ہے۔ مؤرخہ ۲۰۰۶ء۔ ۰۵۔ ۰۳ کی رپورٹ کے مطابق لکھا گیا کہ موقع کے معائنہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہیڈ ماسٹر کی درخواست حقیقت پر مبنی ہے۔

۳۸۔ امام بارگاہ انتظامیہ نے سکول کے کمرے پر قبضہ کرلیا ہے اور اس سے قبل بھی ایک کمرے پر قبضہ کیا ہوا ہے جو وہ واپس نہیں کر رہے ہیں۔''

۳۹۔ سکول کے کمروں پر سے تو انتظامیہ شیعہ کا ناجائز قبضہ ختم کروانہ سکی (کیونکہ ضلعی حکومت کے شیعہ ناظم ضلع سردار غلام عباس کا انتظامیہ پر اور محکمہ تعلیم پر شیعہ کی حمایت کے لیے دباؤ موجود تھا اور اس کے کہنے پر ہی ہیڈ ماسٹر نے شیعہ کو مجلس کے لیے کمرہ دیا تھا)۔

۴۰۔ البتہ ہیڈ ماسٹر سکول اور ٹیچروں کو شیعہ نے تنگ کرنا اور گالیاں دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سکول میں زیر تعلیم بچوں کے سامنے ہیڈ ماسٹر کے کمرے اور کلاس میں دھمکیاں دی جانے لگیں کہ بلڈنگ خالی کر دیں۔

۴۱۔ اس طرح اہلیان شہر کی جانب سے ایک درخواست ڈی سی صاحب چکوال اور وزیر اعلیٰ صاحب پنجاب کو دی گئی کہ سکول کی سرکاری اراضی سے شیعہ کا ناجائز قبضہ ختم کروایا جائے۔ جس پر حکومت پنجاب کی محکمہ تعلیم کی مانٹیرنگ فورس نے جناب ڈسٹرکٹ مانیٹرنگ آفیسر DMO صاحب چکوال کو حکم نامہ جاری کیا۔ جس پر مؤرخہ ۲۰۰۸ء۔ ۰۸۔ ۰۴ مراسلہ نمبر 850/DMO رپورٹ حکومت پنجاب کو ارسال ہوئی۔ جس میں ڈسٹرکٹ مانیٹرنگ آفیسر چکوال نے تحریر کیا کہ خسرہ نمبر ۳۴۳۶۔ ۳۴۳۷ تا ۳۴۴۰ تا ۳۴۴۳ خسرات سکول کی ملکیت اور محکمہ وقف املاک بورڈ ٹرسٹ کی ملکیت ہیں۔ سکول کے تقریباً ۵۰ فیصد حصہ پر انجمن سادات مہاجرین شیعہ چکوال کا ناجائز قبضہ ہے۔ جس میں ایک کمرہ پر پہلے اور ایک کمرے پر پچھلے سال انجمن سادات شیعہ نے زبردستی قبضہ کرلیا ہے، سکول کی عمارت پر مذہبی فرقہ وارانہ تحریریں سکول پر علم (کالا جھنڈا) وغیرہ لگا کر سکول کی شکل تبدیل کر کے امام باڑہ کی شکل بنا دی گئی ہے۔ سکول کی بیرونی دیوار پر مجالس تحریر ہیں۔ دور سے سکول مکمل طور پر امام باڑہ کی صورت پیش کر رہا ہے۔

۴۲۔ DMO چکوال نے وزیر اعلیٰ پنجاب کی طلب کردہ رپورٹ میں مزید لکھا کہ سکول کی موجودہ حالت زار کے ذمہ دار سابقہ چند سربراہان ادارہ، ضلع کے سیاسی ضرورت مند اور فرقہ وارانہ تعصب

رکھنے والی تنظیم انجمن مہاجرین شیعہ سادات چکوال ہیں۔ضلعی انتظامیہ کے ذریعے ناجائز قابضین سے سکول کی املاک کا قبضہ واگزار کرایا جائے۔

۴۳۔ ہیڈ ماسٹر عقیل حسنین کی تحریری اطلاع مؤرخہ ۲۰۰۶ء۔ ۰۳۔ ۲۸ اور مؤرخہ ۲۰۰۶ء۔ ۰۵۔ ۰۳ تحریری اطلاع کہ جماعت نہم کے کمرہ پر انجمن سادات شیعہ مہاجرین نے قبضہ کرلیا ہے اور بار بار کہنے کے باوجود خالی نہیں کررہے ہیں۔محکمہ تعلیم چکوال (EDO ایجوکیشن) اور ضلعی انتظامیہ DCO،DPO، DMO اور ضلع ناظم نے کچھ نہیں کیا یہ سب سیاسی اور مذہبی دباؤ کا شکار ہیں اور ان کی خاموشی شیعہ کے ناجائز قبضہ کے حق میں ہے اور ان کو دلیری دی گئی ہے کہ ہم تمہارا کچھ نہیں بگاڑیں گے جو مرضی ہے کرو۔

۴۴۔ محکمہ تعلیم EDO آفس نے مراسلہ نمبر ۲۹۸۴ مؤرخہ ۲۰۰۸ء۔ ۰۸۔ ۲۰ پوری تفصیل کے ساتھ وزیراعلیٰ مانٹیرنگ فورس کو ارسال کی۔

۴۵۔EDO ایجوکیشن آفیسر چکوال نے مراسلہ نمبر ۲۴۱۷ مؤرخہ ۲۰۰۸ء۔ ۰۷۔ ۰۷ جناب DCO صاحب چکوال کو سکول کی حد بندی اور ناجائز قبضہ کے خاتمہ کے لیے لکھا،جس پر محکمہ مال کو ہدایت ہوئی حلقہ پٹواری چوہدری عمران (جو متعصب شیعہ ہے) نے عذر پیش کیا کہ سکول کے نام انتقال درج نہ ہے۔اس لیے حد بندی نہیں ہوسکتی۔

۴۶۔ مؤرخہ ۲۰۰۸ء۔ ۰۸۔ ۰۲ کو مراسلہ نمبر ۲۷۵۶ جناب DCO صاحب چکوال کو محکمہ تعلیم کی جانب سے انتقال درج کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔جس پر DCO صاحب نے جناب EDO(R) اوسط علی شاہ (شیعہ افسر) کو حکم کارروائی ہوا۔انہوں نے اعتراضات لگائے اور محکمہ تعلیم کے نمائندے سے مذاق کیا اور بعد میں EDO(R) اوسط علی شاہ نے لکھا کہ درخواست کے ساتھ جن عدالتی فیصلوں کا حوالہ دیا گیا ان کی نقول شامل نہیں ہیں۔لہٰذا اندھیرے میں کالی بلی پکڑنے کے مترادف ہے۔اس طرح DOC صاحب نے اعتراضات سے آگاہ کیا۔

۴۷۔EDO(R) اوسط علی شاہ صاحب کے اعتراضات دور کرکے محکمہ تعلیم چکوال نے ہائی کورٹ کے فیصلہ جات و دیگر حوالہ جات کی نقول پیش کیں اس پر مزید اعتراضات لگا کر EDO(R) نے محکمہ تعلیم کی درخواست کو ڈپٹی ڈسٹرکٹ آفیسر ریونیو چکوال کو روانہ کردیا اور کرپٹ اور حرام خور DDO(R) میاں آفتاب احمد نے (اپنے دینی اہل سنت ہونے) اور ملی اور فرائض منصبی کا جنازہ

نکالتے ہوئے فائل داخل دفتر کر دی اور ظاہر یہ کیا کہ میں EDO(R) اور DO(R) میں افسران بالا کی وجہ سے مجبور ہوں۔

۴۸۔ چکوال میں بڑے افسران جن کا تعلق محکمہ ریونیو سے ہے وہ شیعہ ہیں۔ جن میں EDO(R) ریونیو سید اوسط علی شاہ ان کے ماتحت DO(R) ڈسٹرکٹ آفیسر ریونیو محمد عاملِ شاہ شیعہ ہیں۔ اور اس میں شیعہ پٹواری چوہدری عمران نے بھرپور کردار ادا کیا۔ حالانکہ محکمہ مال کے تمام کاغذات میں یہ عمارت اس کا صحن صوبائی گورنمنٹ کی ملکیت ہے۔ حکومت نے مارشل لاء آرڈر نمبر MLR-118 کے تحت تمام پرائیویٹ اور نجی سکول جو کسی بھی فرد یا تنظیم کے ذریعے چل رہے تھے۔ اس کو قومی تحویل میں لے لیا۔ حکومت کی ہدایات کے مطابق متعلقہ صوبہ اور محکمہ تعلیم کو جائیداد دے دی گئی۔ سکول کے نام انتقال نہ ہونا، یہ صرف بہانہ ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے ان خسرہ جات اور عمارت پر سکول قائم ہے۔ رشوت خور اور اپنا ایمان و مذہب بیچنے والے سنی افسران اس عمل درآمد میں رکاوٹ ہیں اور شیعہ افسران تو اس عمل درآمد میں رکاوٹ ہیں ہی۔

۴۹۔ ضلع ساہیوال کی رٹ پٹیشن ہائی کورٹ لاہور نمبر ۱۹۷۲ء جس کے مطابق ڈسٹرکٹ کونسل کو درخواست گزار اور دیگر ذمہ داروں نے ایک قطعہ اراضی بطور تحفہ ڈسٹرکٹ کونسل کے سکول ''برائے کھیل کے میدان کے لیے دیا۔'' اراضی کے متعلق جھگڑا چل پڑا۔ تو یہ اراضی ڈسٹرکٹ کلکٹر نے محکمہ صحت کو منتقل کر دی۔ اس آرڈر کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا۔ جس میں چیف جسٹس ہائی کورٹ جناب محمد اقبال صاحب نے فیصلہ کیا کہ قومی تحویل میں لیے گئے سکولوں کے املاک تعلیم کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے استعمال نہیں ہو سکتی ہیں اور ایڈووکیٹ جنرل پنجاب نے اپنے دلائل میں کہا کہ مذکورہ جائیداد سکول کی ملکیت تھی۔ جبکہ یہ سکول از روئے قانون حکومتی حکم پر ۱۹۷۲ء میں تحویل میں لیا گیا تھا۔ کیونکہ قانون کی تشریح یہی کہتی ہے کہ بوقت تحویل تمام جائیداد سکول کے فنڈز وغیرہ حکومت کے سمجھے جائیں گے۔ اسی طرح تمام اساتذہ و عملہ بھی دوسرے گورنمنٹ سکولوں کی طرح حکومت کے سپرد سمجھے جائیں گے۔ نیز یہ بات بالکل واضح ہے کہ متنازعہ جائیداد (اراضی) حکومت کی تحویل میں سمجھی جائے گی اور اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا۔

۵۰۔ ان واضح فیصلوں اور اتھارٹی کے باوجود گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال کی اس عمارت کو محکمہ تعلیم کے نام منتقل نہ کرنا بدترین انتظامی بد دیانتی ہے۔

۵۱۔ جناب چیف سیکرٹری پنجاب کی چکوال آمد کے موقع پر ہیڈ ماسٹر ظفر اقبال نے سکول کا بورڈ لگوایا اور عمارت پر سکول کا نام گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال لکھوایا۔ جب چیف سیکرٹری چلے گئے تو شیعہ نے عمارت سے علی کا نام چھوڑ کر بقایا سب تحریر مٹا دی۔ ایک سازش کے تحت ہیڈ ماسٹر ظفر اقبال کو شدید زدوکوب کیا۔ اس کو ہلاک کرنے کی کوشش کی لیکن مقامی ایس ایچ او سٹی چکوال نے بروقت کارروائی کر کے ظفر اقبال کو بچا لیا۔ ظفر اقبال کا قصور یہ تھا کہ اس نے محکمہ تعلیم اور انتظامیہ کو یہ لکھا کہ شیعہ سکول عمارت پر قبضہ کر رہے ہیں سکول کے کمرے واپس نہیں کرتے ہیں اور سکول کی عمارت سے سکول کا نام مٹا دیا ہے۔ ہیڈ ماسٹر ظفر اقبال کی جان کو خطرہ تھا۔ اس لیے اس کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول ویروکر دیا گیا (اس شرارت میں انجمن مہاجرین سادات خصوصاً سید احمد علی شاہ اور اس کا بھائی سید جمیل حیدر شاہ و دیگر متعصب شیعہ جو سازشی ذہن رکھتے ہیں شامل ہیں۔ سید جمیل حیدر کے متعصب ہونے کی حالیہ مثال یہ ہے کہ اس کے خلاف محمد اکبر خان سابقہ نائب ناظم UC2 اور کئی وکلاء حضرات نے حکومت پاکستان، DCO چکوال اور منیجر پیمرا اسلام آباد کو درخواستیں روانہ کیں کہ جمیل شاہ چکوال میں کیبل کا کام کرتا ہے۔ مگر انتہائی متعصب شیعہ ہے۔ جس نے Peace ٹی وی، ڈاکٹر ذاکر نائک اور ڈاکٹر اسرار احمد کے خطابات روکنے کے لیے یہ چینل بند کر رکھا ہے۔ جبکہ شیعہ مسلک کے ماتمی پروگراموں کے لیے 2 چینل چلا رہا ہے جبکہ ضلعی انتظامیہ کی اشیر باد پر فحاشی کے چینل اور انگریزی کے ننگے چینل مثلاً MM1, MM2 اور سٹار مووی دھڑلے سے چلاتا ہے کیونکہ اس نے چکوال کی انتظامیہ اور عدلیہ و دیگر اعلیٰ افسران کو مفت کیبل چینل دے رکھے ہیں۔ جمیل حیدر شاہ کو قرآن پاک کی باتیں اور قرآنی لیکچر پسند نہیں آتے ہیں)۔

۵۲۔ کوئی لوکل آدمی یا شہریان محکمہ تعلیم کی سرکاری بلڈنگ کے حق میں اور حقوق کے لیے بات کرے تو اس کو ہراساں اور زدوکوب کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ تم کو دہشت گردی کے کسی کیس میں پھنسا دیا جائے گا۔ آئے روز سکول کی سرکاری اراضی پر قبضہ کے لیے سازش کرتے ہیں۔

۵۳۔ ایسا ہی رویہ انہوں نے محکمہ تعلیم کے لیٹی گیشن آفیسر ملک خالد سعید علوی کے ساتھ اپنایا ہوا ہے اسے آئے روز دھمکیاں دیتے ہیں۔ جس کی جان کو خطرہ ہے۔

۵۴۔ کہ وہ محکمہ تعلیم کی طرف سے پیروی نہ کرے اور انتظامیہ خصوصاً شیعہ افسران کی آنکھوں کا یہ کانٹا ہے۔جن کا محکمہ تعلیم کے افسران پر شدید دباؤ ہے کہ اس کو لیٹی گیشن کے عہدہ سے ہٹایا جائے اور اس کو محکمہ تعلیم کی طرف سے پیروی کے لیے نہ بھیجا جائے۔ دراصل شیعہ افسران اور انجمن تنظیم المومنین یہ چاہتی ہے کہ محکمہ تعلیم کی طرف سے کمزور موقف اختیار کیا جائے یا محکمہ تعلیم لکھ دے کہ سکول یہ عمارت اگر امام باڑہ کو دے دی جائے تو ہمیں اعتراض نہ ہے۔ ہیڈ ماسٹر، پیروی کرنے والے لوگوں اور انتظامیہ کو ورغلانے اور خریدنے کے لیے انہوں نے لاکھوں کے فنڈز اکٹھے کئے ہوئے ہیں۔اس عمارت پر قبضہ اور اس کو حاصل کرنے کے لیے یہ استعمال کرتے ہیں۔بچوں کے والدین کو ڈرانا دھمکانا اور گھروں میں جا کر ان کو حالات سے ڈرانا کہ اس طرح والدین بچوں کو سکول میں نہ بھیجیں۔اب اپنے یہ آخری ہتھکنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ظاہر ہے۔جب بچے ہی اس سکول میں نہ ہوں گے تو پھر صرف (امام باڑہ ہی ہوگا)۔

۵۵۔ مؤرخہ ۲۰۰۹ء۔۰۴۔۱۷ کو ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال نے محکمہ تعلیم اور انتظامیہ کو ایک اور اطلاع کی کہ اب سکول کے سٹاف روم کا قبضہ امام بارگاہ مہاجرین سادات والوں نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔کہتے ہیں اس میں سکیورٹی چوکی قائم کرنا ہے۔

۵۶۔ مؤرخہ ۲۰۰۹ء۔۰۴۔۲۰ کو ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول چکوال نے تحریری طور پر محکمہ تعلیم کے افسران کو ایک اور نئی صورتحال سے آگاہ کیا کہ امام بارگاہ مہاجرین سادات والوں نے سکول کا سٹاف روم جو اپنے قبضہ میں لیا تھا۔اس کو گرا دیا ہے اور وہاں پھر کوئی تعمیر شروع کر دی ہے۔

۵۷۔ حقیقت یہ ہے کہ انجمن مہاجرین سادات شیعہ چکوال نے سکیورٹی کا بہانہ بنا کر EDO ریونیو سید اوسط علی شاہ اور ڈسٹرکٹ آفیسر ریونیو محمد عامل شاہ اور مقامی انتظامیہ اور ضلع ناظم کی ملی بھگت سے سکول کے اس تیسرے کمرے (سٹاف روم) پر قبضہ کر کے اس کی جگہ میں سرگودھا بھون روڈ کی طرف بڑا گیٹ لگا لیا ہے اور اس کے اوپر انجمن تنظیم المومنین اور امام بارگاہ مہاجرین سادات کا بورڈ لگا دیا ہے۔

۵۸۔ حالیہ سکول کے سٹاف روم پر قبضہ اور اس سے مین سرگودھا بھون روڈ کی طرف گیٹ لگانا اور

اس کے اوپر امام بارگاہ سادات مہاجرین چکوال کا بورڈ لگانے کے خلاف سنی مساجد میں خصوصاً مدنی جامع مسجد چکوال سے شدید احتجاج کیا گیا اور تحریک خدام اہل سنت والجماعت کے مرکزی امیر صاحبزادہ قاضی محمد ظہور الحسین اظہر کے حکم پر اس غاصبانہ ناجائز قبضہ کے خلاف خطیب مدنی جامع مسجد چکوال مفتی قاری جمیل الرحمن نے نماز جمعہ کے موقع پر بھاری اکثریت سے قرارداد منظور کروائی۔ مگر حالات کو مزید سنگین و گھمبیر بنانے کے لیے چکوال کی انتظامیہ ٹس سے مس نہ ہوئی ہے۔

۵۹۔ اس طرح امام بارگاہ مہاجرین سادات اور انجمن تنظیم المومنین شیعہ چکوال نے حیلے بہانوں سے مختلف اوقات میں سکول کے ۳ کمروں پر قبضہ کرلیا ہے۔ سکول کے صحن میں ایک بلند و بالا پول (کھمبا) کھڑا کر کے اس پر اپنا جھنڈا لگایا ہوا ہے۔ سکول کی مسجد پر قبضہ کیا ہوا ہے اور سکول کے مشرق کی جانب قبضہ کر کے باتھ روم بنا رکھے ہیں۔ سکول کی عمارت پر اپنا سیاہ جھنڈا اور مختلف مذہبی تحریریں درج کی ہوئی ہیں۔

۶۰۔ محکمہ تعلیم کی ایک درخواست کو EDO ریونیو سید اوسط شاہ اور ڈسٹرکٹ آفیسر ریونیو محمد عامل شاہ کے درپردہ احکامات پر ماتحت DDO (R) آفتاب احمد نے داخل دفتر کر دیا ہے۔

۶۱۔ اب محکمہ تعلیم کی نئی درخواست کہ شیعہ آئے دن سکول کی سرکاری عمارت پر قبضہ کر رہے ہیں اور شہریان چکوال کی طرف سے اس قبضہ پر بطور احتجاج درخواست وزیر اعلیٰ پنجاب اور DCO چکوال کو گزاری ہوئی ہے۔ اس پر EDO ریونیو سید اوسط شاہ اور DO(R) ریونیو محمد عامل شاہ کی شیعہ لیڈران سید احمد علی شاہ، سید جمیل حیدر شاہ، سے ملی بھگت ہے اور چوہدری اظہر چکرال وغیرہ کے ذریعے نئے DDO(R) چوہدری محمد نصر اللہ خان چدھڑ کو ہر وقت گھیرا ہوا ہے اور کسی نئی سازش جو محکمہ مال میں کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ شیعہ افسران (مال) اپنے ماتحت افسران و ملازمین پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔

۶۲۔ اس لیے ہی تو محکمہ تعلیم چکوال نے محکمہ مال کے کاغذات سال ۴۰۔۱۹۳۹ سے لے کر سال ۸۴۔۱۹۸۳ء تک جمع بندی کے حوالے دیئے DC صاحب جہلم کا مؤرخہ ۱۹۷۵ء۔۰۹۔۰۲ کا حکم

نامہ، AC صاحب چکوال کا نوٹس بنام شیعہ لیڈر، انجمن تنظیم المومنین کا سینئر سول جج کی عدالت سے مؤرخہ 1976۔ ۰۲۔ ۲۳ کا دعویٰ خارج ہونا۔ چیئر مین اوقاف بورڈ لاہور اور وزارت مذہبی امور و اوقاف پاکستان اسلام آباد کے فیصلہ جات بحق محکمہ تعلیم چکوال اور لاہور ہائی کورٹ رٹ پٹیشن کا فیصلہ محکمہ تعلیم کے حق میں جس میں جائیداد سکول کو محکمہ تعلیم کے حوالے کرنے کا کہا گیا اور محکمہ تعلیم کا بڑا موقف کہ ۱۹۷۳ء میں حکومت نے MLR-118 کے ذریعے سکول کو قومی تحویل میں لیا ہے۔ اتنے ٹھوس ثبوت کے باوجود چکوال انتظامیہ بالخصوص محکمہ ریونیو کے افسران نے جانبداری کا مظاہرہ کر کے حکومت پنجاب کی جائیداد انجمن سادات شیعہ چکوال کے قبضہ میں رہنے کی ان کے لیے مدد کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ محکمہ مال چکوال نے حکومت کی جائیداد کی حفاظت کی بجائے قابضین کی مدد کی ہے۔ اس لیے ہی تو محکمہ مال پٹواری ریونیو افسران (شیعہ) چکوال اور عملہ ایکسائز و ٹیکسیشن (شیعہ) چکوال سے سرکاری کاغذات میں اپنے مفاد کے لیے امام بارہ کے نام قبضہ لگاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ انتظامیہ کی بے حسی اور جانبداری کی وجہ سے ناجائز قبضہ ہو رہا ہے۔ جس کی ہر سطح پر ہر قبضہ کے وقت محکمہ تعلیم چکوال اور عام شہریوں اور سنی لوگوں نے انتظامیہ کو آگاہ کیا ہے اور اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا ہے[1]۔

☆ چونکہ روافض کے ان دو جلوسوں کا براہِ راست تصادم اور نشانہ قائد اہل سنت کی ذات تھی اس لیے ہمیں سوانح کے اندر کسی قدر اس بحث کو لانا پڑا۔ اور اس سے متعلقہ بے شمار واقعات اور حالات قلمبند کیے جا سکتے تھے مگر مزید اس عنوان پر کچھ پیش کرنا ہم ضیاع وقت اور بے معنی سمجھتے ہیں، فلہٰذا اسی پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اب اگلے باب میں ہمارا موضوع یہ ہوگا کہ ۱۹۷۷ء کے ''قومی اتحاد'' اور تحریک نظامِ مصطفی ﷺ میں بھی قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے شمولیت اختیار نہیں فرمائی تھی اور اپنی جماعت تحریک خدام اہل سنت کو اس اتحاد سے بھی فاصلے پر رکھا تھا، علاقائی سیاست میں آپ نے متبادل کونسا رستہ اختیار کیا تھا؟ اور اس ضمن میں آپ کا موقف و نظریہ کیا تھا؟ آگے بڑھیے اور اس اہم بحث کا جائزہ لیجیے۔ البتہ اس سے قبل قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی وہ درخواستیں اور قراردادیں ملاحظہ کیجیے جس میں آپ حکام وقت سے شیعہ

[1] کارگزاری مع مکمل تفصیلات و سرکاری ریکارڈ ''قضیہ محمد علی ہائی اسکول'' بھون روڈ چکوال

جلوس کا روٹ تبدیل کرانے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں، اس سے آپ کی قانون احترامی کے ساتھ دبیز تہوں میں دبے بعض دیگر احوال بھی منکشف ہوں گے۔

بخدمت محترم جناب ایس پی صاحب

السلام علیکم عرض آنکہ پاکستان کے داخلی اور خارجی حالات تشویشناک ہیں روس اور بھارت کے مذموم عزائم مخفی نہیں تخریبی قوتیں ملکی سالمیت کو ختم کرنے کے لیے تلی ہوئی ہیں اوران سب خطرات کے علاوہ ملکی امن وسلامتی کے لیے انتہائی نقصان دہ شیعوں کے وہ ماتمی جلوس ہیں جو مذہب کے نام پر ہر سال کئی مقامات پر سنی شیعہ فرقہ وارانہ تصادم کا باعث بنتے ہیں۔اور سالِ رواں کے محرم کے ماتمی جلوسوں کی وجہ سے کراچی، سرگودھا، ماڑی انڈس ضلع میانوالی، چک عبدالخالق (جہلم) اور راولپنڈی میں ان ماتمی جلوسوں اور دھرنوں کے ذریعے قومی املاک کی جو تباہی اور کئی جانوں کا نقصان ہوا ہے وہ ملکی وملی سلامتی کے ہر خیر خواہ کے لیے پریشان کن ہے۔ائمہ اہل بیت کے ارشادات اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ اور خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت راشدہ کی روشنی میں مروجہ، ماتم ناجائز اور حرام ہیں نہ ان ماتمی رسوم کا ثبوت مکہ مکرمہ میں ملتا ہے نہ مدینہ منورہ میں۔اس لیے مسلمانانِ اہل سنت والجماعت پاکستان کا اصل مطالبہ یہ ہے کہ ماتمی جلوسوں پر مکمل پابندی لگا دی جائے کیونکہ یہ ماتمی جلوس ہر پہلو سے خطرناک ہیں اور مذہب کے نام پر سیاسی جلوس ہیں جیسا کہ سربراہ ایران خمینی صاحب نے اپنے پہلے خطبہ محرم میں اپنی نشری تقریر کے ذریعے یہ اعلان کیا ہے کہ عاشورہ کے دن جو ہمارے جلوس نکلتے ہیں ان کے بارے میں یہ خیال نہ کریں کہ اس کو ہم لانگ مارچ سے تعبیر کرتے ہیں یہ جلوس مارچ ہیں جو سیاسی تقاضوں کے مطابق ہیں، ہمارا یہ گریہ سیاسی اجتماعی اور نفسیاتی مسئلہ ہے۔

(بحوالہ ہفت روزہ شیعہ لاہور ۸/۱ جنوری ۱۹۸۰ء یہ خطبہ خمینی درخواست ہذا کے ساتھ لف ہے)۔

مدنی مسجد کا روٹ تبدیل کیا جائے: مدنی جامع مسجد چکوال کی تنگ گلی سے شیعہ ماتمی جلوس سال میں دو مرتبہ (۷ محرم اور ۱۷ صفر) گزرتا ہے۔ پبلک کے اور سرکاری کئی کاروبار معطل ہو جاتے ہیں۔جو نہ صرف عوام بلکہ انتظامیہ کے لیے بھی بہت پریشان کن ہوتا ہے ان ماتمی جلوسوں کے انتظامات کے لیے سرکاری اور قومی سرمایہ بے جا ضائع ہوتا ہے مسجد کے دروازہ پر اور گلی میں ماتمی پارٹیاں عمداً زیادہ

اشتعال انگیزی کا مظاہرہ کرتی ہیں جو سنی مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے کیونکہ سنی مذہب حق میں یہ ماتم سب حرام ہیں کئی بار یہاں فرقہ وارانہ تصادم ہو چکا ہے اور فریقین کے افراد گرفتار اور نظر بند بھی رہ چکے ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① ۱۷ صفر ۱۳۹۵ھ (یکم مارچ ۱۹۷۵ء) چہلم کے ماتمی جلوس کی اشتعال انگیزی کی وجہ سے یہاں باہمی تصادم ہوا جس کا کیس دفعہ ۳۰۷ وغیرہ کے تحت ہائی کورٹ راولپنڈی میں زیر سماعت ہے۔

② ۷ محرم ۱۳۹۶ھ (۱۰ فروری ۱۹۷۶ء) کے ماتمی جلوس کے متوقع تصادم کے خطرہ کے تحت اہل سنت میں سے (قاضی) مظہر حسین و قاضی ظہور الحسین کو اور شیعوں میں سے کاظم رضا جعفری اور ذوالفقار کو جلوس سے قبل ہی گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل جہلم میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔

③ ۱۷ صفر ۱۳۹۶ھ (۱۸ جنوری ۱۹۷۶ء) کے ماتمی جلوس کے موقع پر ماتمی جلوس کی ہنگامہ آرائی کی وجہ سے مدنی مسجد کی گلی میں تصادم کا خطرہ لاحق ہوا۔ پولیس نے مدنی مسجد میں گھس کر لاٹھی چارج کیا۔ آنسو گیس کے گولے پھینکے اور سینکڑوں سنی مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس موقع پر جلوس سے پہلے اہل سنت کی طرف سے قاضی مظہر حسین اور قاضی ظہور الحسین کو ڈسٹرکٹ جیل جہلم میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔

④ ۷ محرم ۱۴۰۱ھ (۱۶ نومبر ۱۹۸۰ء) کو ماتمی جلوس نے مدنی جامع مسجد کے دروازہ پر اشتعال انگیز مظاہرہ کیا جس کے خلاف مسجد میں اجتماع ہوا۔ قاضی مظہر حسین سمیت اہل سنت کے گیارہ افراد کے خلاف زیر دفعہ ۱۸۸ کیس رجسٹرڈ کیا گیا۔

⑤ ۱۷ صفر ۱۴۰۱ھ (۲۶ دسمبر ۱۹۸۰ء) بروز جمعہ چہلم کے ماتمی جلوس کے متوقع تصادم کے خطرہ کے تحت اہل سنت کی طرف سے مظہر حسین، حاجی احمد حسین، کیپٹن محمد خان اور شیعہ کی طرف سے لیفٹیننٹ کرنل محمد خان، مظہر حسین ایڈووکیٹ کو گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ بعد ازاں مدنی مسجد کے دینی طلبہ کو گرفتار کر کے پولیس چوکی بھوچال تحصیل پنڈ دادن خان پہنچا دیا

گیا اور مدنی مسجد کی آٹھ گھنٹے ناکہ بندی کی گئی حتیٰ کہ نماز جمعہ بھی ادا نہیں کی جا سکی جس کے ردعمل میں شہر میں زبردست مکمل ہڑتال ہوئی اور آخر کار عوام کے مطالبہ پر توقیر احمد اے سی صاحب کو یہاں سے تبدیل کر دیا گیا۔ بعد ازاں بھی ہر سال مدنی مسجد کی گلی میں شیعہ ماتمی جلوس کے ذریعے اشتعال انگیزی کرتے رہے۔ لیکن سنی مسلمانوں نے ملکی حالات کی نزاکت کے پیش نظر صبر کا گھونٹ پی کر وقت گزارا اور مسلسل روٹ کی تبدیلی کا مطالبہ کرتے رہے مگر اب تک کوئی شنوائی نہیں ہوئی مسجد کا تقدس تو مجروح ہوتا رہا مگر پولیس فورس کے سایہ میں ماتمی جلوس کو کامیاب بنایا گیا۔

گورنر صاحب کی ترمیم: پاکستان بھر میں ماتمی جلوسوں کی بھرمار اور فرقہ وارانہ تصادات کے پیش نظر اس سال جنرل غلام جیلانی گورنر پنجاب نے انگریزی دور کے سابقہ پولیس ایکٹ میں ترمیم کردی اور اخبارات میں ترمیم شدہ ایکٹ شائع کر دیا گیا۔ چنانچہ ''امروز'' لاہور ۵، اکتوبر ۱۹۸۴ء میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی:

> لاہور ۳، اکتوبر ایڈووکیٹ جنرل پنجاب نے آج ہائی کورٹ کو مطلع کیا کہ گورنر پنجاب نے محرم الحرام کے جلوسوں کے اجرائے لائسنس کے قانون پولیس ایکٹ ۱۸۶۱ء کی دفعہ ۳۰ میں ترمیم کردہ ہے جو فوری طور پورے پنجاب میں نافذ العمل ہوگی۔ اس ترمیم کے تحت علاقہ کا سپرنٹنڈنٹ پولیس اجرائے لائسنس کے لیے دی گئی درخواست کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا اسسٹنٹ کمشنر کی تحریری رائے اور اس اطمینان کے بعد اجرائے لائسنس سے امن عامہ کا خطرہ ہے یا یہ مفاد عامہ کے خلاف ہے درخواست منظور یا مسترد کرنے کا مجاز ہوگا۔'' (ایضاً شیعہ ہفت روزہ رضا کار، لاہور ۲۴/اکتوبر ۱۹۸۴ء)

ہمارا مطالبہ: مدنی جامع مسجد کی گلی سے دوسرا ماتمی جلوس ۱۷ صفر ۱۴۰۵ھ کو گزرنے والا ہے یہ ماتمی جلوس سنی مذہب کے تحت ناجائز اور حرام ہے مروجہ افعال ماتم مسجد کے تقدس کو کھلم کھلا مجروح کرنے

والے ہیں جو سنی مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔علاوہ ازیں مدنی مسجد کی گلی میں کوئی شیعہ گھر نہیں ہے بلکہ چھپڑ بازار سے لے کر مدنی مسجد تک بھی صرف تین چار گھر شیعوں کے ہیں۔ان حالات اور دینی جذبات کے پیش نظر ہم سنی مسلمان مدنی مسجد کی گلی میں ان ماتمی مظاہروں کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہیں۔اور آپ سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ اہل سنت کے مذہبی جذبات اور مسجد کے احترام و تقدس کے تحفظ کے پیش نظر ۱۷صفر کو چہلم کے ماتمی جلوس کو مدنی مسجد کی گلی کے علاوہ کسی اور راستہ کے گزار کر مسلمانانِ اہل سنت والجماعت کو مطمئن کیا جائے۔والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ
خطیب مدنی جامع مسجد چکوال
وامیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان
۴صفر ۱۴۰۵ھ (۳۰/۱۰/اکتوبر ۱۹۸۴ء)

معاہدہ ۱۹۸۵ء

بخدمت جناب کمشنر صاحب راولپنڈی ڈویژن

جناب عالی!

چکوال شہر میں محرم الحرام میں فرقہ وارانہ کشیدگی کم کرنے کے لیے گزشتہ سال (۱۹۸۵ء) اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان انتظامیہ کی نگرانی میں ایک تحریری معاہدہ طے پایا جس پر فریقین کے نمائندہ افراد نے دستخط کئے اب جبکہ محرم الحرام کی آمد آمد ہے شہر میں مختلف افواہیں گردش کر رہی ہیں محرم الحرام کے احترام اور بھائی چارے کی فضا کو قائم رکھنے کے لیے فریقین میں ہونے والے تحریری معاہدے کو عملی جامہ پہنایا جائے تاکہ شہر کی فضاء پرسکون رہ سکے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے۔

ہماری پُرزور اپیل ہے کہ اس معاہدے پر عملدر آمد کرا کے شہر کے اس قدیمی فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔

العرض
اہالیانِ شہر چکوال ۱۹۸۶ء۔۹۔۴

نوٹ: متذکرہ معاہدہ اور درخواست پر شہر کے کم و بیش دو سو لوگوں کے دستخط موجود ہیں جن میں ہر مکتب فکر کے علماء کرام، وکلاء، ڈاکٹرز، تجار اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے سنی مسلمان شامل ہیں۔ معززین شہر کی جانب سے قائد اہل سنت کی حمایت میں جاری کردہ سینکڑوں مسلمانوں کا دستخطی مطالبہ اس وقت راقم الحروف (عبدالجبار سلفی) کے پیش نظر ہے۔ یہاں کل کے کل ناموں کی فہرست دینا تو ممکن نہیں ہے۔ تاہم نمونے کے طور پر کچھ حضرات کے نام درج کیے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے!

۱۔ خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہٗ

۲۔ صاحبزادہ مولانا عبدالرحیم نقشبندی، دارالعلوم حنفیہ چکوال

۳۔ حافظ محمود حسن، خطیب جامع مسجد حنفیہ رضویہ چکوال

۴۔ قاری نور عالم، خطیب جامع مسجد خضریٰ کچہری روڈ

۵۔ احمد نور، خطیب جامع مسجد مدینہ ریلوے روڈ،

۶۔ محمد شفیق، خطیب مکی جامع مسجد چکوال

۷۔ محمد خان، فاضل امینیہ دہلی، مسجد عارفیہ اویسیہ،،

۸۔ قاضی عبداللطیف، خطیب مسجد حجا مانوالی

۹۔ صاحبزادہ عبدالرحمن قاسمی، ناظم اعلیٰ دارالعلوم حنفیہ،

۱۰۔ سید محمد امیر شاہ بخاری مدرس امدادیہ مسجد چکوال

۱۱۔ قاضی کریم بخش، خطیب مسجد غوثیہ بھٹیاں

۱۲۔ عبدالمجید، جامع مسجد مجیدیہ وارثیہ

۱۳۔ حافظ عبدالرزاق، خطیب جامع مسجد عارفیہ

۱۴۔ قاضی حیات محمد، کونسلر وارڈ نمبر ۱۰

۱۵۔ حاجی محمد رفیق کونسلر وارڈ نمبر ۲

۱۶۔ راجہ محمد صاحب کونسلر بلدیہ چکوال

۱۷۔ حاجی رنگ الٰہی کونسلر بلدیہ چکوال

۱۸۔ محمد اشرف کونسلر وارڈ نمبر ۴

۱۹۔ محمد یوسف بھٹی کونسلر وارڈ نمبر ۶

۲۰۔ خان بہادر ممبر ضلع کونسل چکوال

۲۱۔ محمد اکرم کھوکھر کونسلر میونسپل کمیٹی چکوال

۲۲۔ رحیم بی بی، جنرل کونسلر

۲۳۔ ڈاکٹر عزیز محمد جان، ایم بی بی ایس

۲۴۔ ڈاکٹر محمد ارشد محمود، نعمان ڈینٹل کلینک

۲۵۔ افراسیاب خان ایڈووکیٹ

۲۶۔ چوہدری مظہر حسین ایڈووکیٹ

۲۷۔ چوہدری فضل حسین ایڈووکیٹ

۲۸۔ چوہدری عبدالرسول ایڈووکیٹ

۲۹۔ سید ضیاالحسن زیدی ایڈووکیٹ

۳۰۔ چوہدری محمد تاج ایڈووکیٹ

۳۱۔ قاضی محمد یعقوب ایڈووکیٹ

۳۲۔ قاضی محمد اعجاز ایڈووکیٹ

۳۳۔ چوہدری غلام عباس ایڈووکیٹ
۳۴۔ چوہدری محمد اکرم ایڈووکیٹ
۳۵۔ چوہدری محمد اختر ایڈووکیٹ
۳۶۔ چوہدری امداد حسین ایڈووکیٹ
۳۷۔ ملک نثار احمد ایڈووکیٹ
۳۸۔ ملک پرویز اختر کونسلر
۳۹۔ خواجہ محمد اشفاق کونسلر
۴۰۔ ٹھیکیدار محمد انیس
۴۱۔ شاکر ضمیر صدیقی
۴۲۔ محمد شریف فروٹ فروش
۴۳۔ غلام حسن، گلی مدنی مسجد
۴۴۔ ٹھیکیدار محمد شریف
۴۵۔ جمیل ہاشمی، نمائندہ نوائے وقت
۴۶۔ محمد داود، سیکرٹری سٹیشنری ایسوسی ایشن چکوال
۴۷۔ مقصود حسین صدر انجمن تاجران
۴۸۔ منیر احمد، انجمن تاجران
۴۹۔ حافظ محمد اسحٰق
۵۰۔ چوہدری محمد جہان خان ایڈووکیٹ

پہلی جلد مکمل ہوئی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ ارباب علم و تحقیق اب اس سلسلہ کی دوسری جلد کی طرف مراجعت فرمائیں۔